بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اسلامیہ

38 اردو بازار * لاہور

نام کتاب .... تفسیر نعیمی (پارہ دہم)

مصنف .... حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات 509

کمپوزنگ .... مسلم کمپوزنگ سنٹر 4/C داتا دربار مارکیٹ لاہور

پرنٹر .... پیر بھائی پرنٹرز

ناشر .... مکتبہ اسلامیہ 38 اردو بازار لاہور

فہرست

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العلیٰ بکمالہ

کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلوا علیہ وآلہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلام شیخ سعدی

کتبہ محمد اعظم

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

اور جانو تم کہ تحقیق چیز جو غنیمت بناؤ تم پس تحقیق اللہ کا ہے پانچواں حصہ اُسکا

اور جان لو کہ جو کچھ غنیمت لو تو اس کا پانچواں حصہ خاص اللہ اور رسول

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ

اور اُنکے رسول کا اور رشتہ داروں کا اور یتیموں اور محتاجوں اور

اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور

السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ

مسافروں کا ہے اگر ہو تم ایمان رکھتے اللہ پر اور وہ جو اتارا ہم نے اوپر بندے اپنے

مسافروں کا ہے اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس پر جو ہم نے اپنے

الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

کے دن فرق کے وہ دن کہ ملیں دو جماعتیں اور اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے

بندے پر فیصلہ کے دن اتارا جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں اور اللہ سب کچھ کرسکتا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں جہاد کا ذکر ہوا وقاتلوھم حتی لا تکون فتنة (الخ) اور اکثر جہاد میں فاتحین کو مال غنیمت بھی ملتا ہے۔ لہٰذا اب تقسیم غنیمت کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار اور ان کے مالوں کو خبیث فرمایا گیا تھا۔ اب ارشاد ہے کہ اگر ان کا مال جہاد میں بطور غنیمت آئے تو تمہارے لئے طیب ہے۔ بشرطیکہ اس کی تقسیم درست ہو۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ مسلمانوں تمہارا والی تمہارا ناصر اللہ تعالیٰ ہے اب اس ولایت ونصرت کا ثبوت دیا جارہا ہے۔ وما انزلنا علی عبدنا (الخ)

شانِ نزول: عام علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی۔ جب بعد فتح تقسیم غنیمت کا وقت آیا چونکہ اس سے پہلے کبھی مال غنیمت تقسیم نہ ہوا تھا۔ از حضرت آدم تا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام گذشتہ دینوں میں مال غنیمت پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ اگر اس میں خیانت نہ ہوتی تو سفید رنگ کی غیبی آگ آتی اور اسے جلا ڈالتی۔ یہ علامت قبولیت تھی۔ بدر میں پہلا موقع تھا کہ مال غنیمت غازیوں میں تقسیم ہوا۔ اس لئے اس تقسیم کے طریقہ میں گفتگو ہوئی۔ تب یہ

آیت کریمہ اتری۔ مگر امام واقدی فرماتے ہیں کہ یہ آیہ کریمہ غزوہ بنی قینقاع کے موقع پر آئی کیونکہ سب سے پہلے بنی قینقاع سے خمس لیا گیا۔ بدر کی غنیمت سے خمس لیا ہی نہ گیا۔ خیال رہے کہ یہ غزوہ قینقاع غزوہ بدر سے ایک ماہ تین دن بعد ہوا ہے یعنی ہجرت کے بیس مہینے بعد شوال کو ہوا جبکہ غزوہ بدر ۱۷ رمضان ۲ھ جمعہ کو ہوا تھا۔ (روح البیان۔ کبیر۔ روح المعانی وغیرہ)

تفسیر: **واعلموا انما غنمتم من شیی** قوی یہ ہے کہ جملہ نیا ہے، کسی جملہ پر معطوف نہیں لہذا واؤ ابتدائیہ ہے نہ کہ عاطفہ اعلموا میں خطاب حضرات صحابہ سے ہے بر مذہب حنفی کیونکہ تقسیم غنیمت کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شریف میں ہی تھا، بعد کو نہ رہا۔ جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب معلوم ہوگا۔ امام شافعی کے ہاں تاقیامت مسلمان غازیوں سے ہے کیونکہ ان کے ہاں یہ طریقہ تقسیم تاقیامت جاری ہے۔ اعلموا کے معنی ہیں جان لو اور یاد رکھو۔ جاننے سے مراد یقینا جاننا۔ انما میں ما کافہ نہیں جیسا کہ عموما ہوا کرتا ہے بلکہ ما موصولہ ہے بمعنی وہ تو چاہئے تھا کہ ان سے الگ لکھا جاتا جیسا کہ ان ما توعدون لات میں ہے۔ مگر چونکہ رسم الخط عثمانی میں ما ان سے ملا کر ہی لکھا گیا ہے، اس لئے تاقیامت ایسا ہی لکھا جاتا رہے گا۔ قرآن کریم کے رسم الخط میں بھی صحابہ کی پیروی لازمی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ما سے مراد ہر منقولی چیز ہے، چھوٹی ہو یا بڑی۔ مفتوحہ زمین اس سے خارج ہے کہ وہ مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوتی ورنہ سارے مفتوحہ ملک مجاہدین میں بٹے ہوتے۔ غنمتم بنا ہے غنم سے غین کے پیش نون کے سکون سے بمعنی نفع و کامیابی الغرم و بالغنم اصطلاح شریعت میں غنیمت وہ منقولی مال ہے جو کفار سے مسلمان قہر و غلبہ سے حاصل کریں۔ لہذا اگرچہ دو چار مسلمان دار الحرب میں گھس کفار سے مال چھین لائیں یا جو مال کفار سے لڑے بغیر حاصل ہو، جیسے صلح سے یا کفار کے خود بھاگ جانے سے، وہ فیئ ہے۔ غنیمت میں اس کی تقسیم غنیمت کی طرح نہ ہوگی۔ یوں ہی جزیہ، فدیہ سے حاصل شدہ مال غنیمت نہیں۔ یوں ہی سب یعنی جہاد میں مقتول کافر کا بدنی مال، جوڑا گھوڑا وغیرہ اگر حاکم اس انعام کا اعلان کر دے کہ غنیمت میں سارا مومن قاتل کو ملے گا۔ یہ تفصیل خیال میں رہے من شیی کا بیان ہے۔ اس میں شیی کا عموم بیان ہوا۔ کچھ شیئ چھوٹی ہو یا بڑی حتی کہ سوئی دھاگہ تک خیال رہے کہ قیدی کفار بھی مال غنیمت ہیں۔ اس میں امام کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔ (روح المعانی وغیرہ) **وان اللہ خمسہ** یہ عبارت ایک پوشیدہ مبتدا کی خبر ہے، اصل میں یوں تھا فحکمہ ان للہ خمسہ اس لئے ان مفتوح آیا چونکہ ما غنمتم میں شرط کے معنی تھے۔ اس لئے خبر میں ف جزائیہ آئی۔ ایک قراۃ میں فان الف کے کسرہ سے ہے تو اس سے پہلے مبتدا پوشیدہ نہیں۔ عام فقہاء فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے جیسے رب کا فرمان **واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ** اللہ کا ذکر صرف برکت کے لئے ہے (تفسیر بیضاوی) روح المعانی۔ یا حضور انور کی عظمت دکھانے کے لئے کہ رب تعالی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کو اپنا حصہ فرمایا۔ یہ ہی حق ہے۔ بعض نے غنیمت کو حصہ کرنے کا حکم دیا۔ ان کے نزدیک اللہ تعالی کے نام کا حصہ علیحدہ کیا جاوے جو کعبہ معظمہ اور دوسری مساجد پر وہاں کے اماموں اور خطیبوں پر خرچ ہوگا۔ یہ قول ابوالعالیہ کا ہے (تفسیر کبیر۔ خازن روح المعانی) مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس صورت میں خمس کے چھ حصے ہو جائیں گے۔ حالانکہ قرآن کریم پانچ کر رہا ہے۔ بعض نے کہا اللہ تعالی کا حصہ تو نکالا جائے گا مگر وہ حضور ﷺ ہی کے حصہ میں شامل کر دیا جائے گا مگر یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ اس صورت

میں حضور انور کا حصہ خمس نہ رہے گا بلکہ اس سے زیادہ ہو جائے گا۔ یہ درست نہیں۔ بہر حال یہ فرمان عالی برکت اور حضور ﷺ کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے لہٰذا اس کے معنی ہوئے کہ غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کی راہ کے لئے ہے۔ اس کی تفصیل آگے ہے کیونکہ یہ لام نہ تو ملکیت کا ہو سکتا ہے نہ نفع کا، کہ رب تعالیٰ تو دونوں جہان کا مالک ہے اور نفع اٹھانے سے پاک ہے (معانی) یہ بہر حال یہ حکم اجمالی جس کی تفصیل میں پانچ چیزیں ارشاد ہوئیں۔ پہلی چیز ہے وللرسول۔ یہ معطوف ہے اللہ پر اس میں لام ملک کا ہے اور الرسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ شاید کوئی خیال کر لیتا کہ جیسے اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے، ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر صرف برکت کے لئے ہے۔ اس لئے للرسول علیحدہ لام کے ساتھ ارشاد ہوا تا کہ پتہ لگے کہ للہ میں لام اور مقصد کے لئے تھا اور للرسول میں لام اور مقصد کے لئے۔ وہاں ملکیت نہ تھی یہاں ملکیت مراد ہے قرآن مجید میں الرسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ساری غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں گے۔ ایک حصہ اللہ رسول کا، باقی چار حصے مجاہدین کے پھر اس پانچویں حصے کے پانچ حصے ہوں گے جن میں ایک حصہ یعنی ساری غنیمت کا پانچواں حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ حضور انور یہ حصہ اپنی ازواج پاک اور اپنی ضروریات پر خرچ کرتے تھے۔ ہر بیوی صاحبہ کو سال کا خرچہ کھجوریں وغیرہ عطا فرما دیتے تھے جو باقی بچتا وہ آئندہ جہاد پر خرچ کرتے تھے۔ تیر، تلوار، مجاہدین پر دوسرا حصہ۔ ولذی القربیٰ۔ یہ عبارت معطوف ہے للرسول پر۔ شاید کوئی کہتا کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں شامل ہوں گے۔ انہیں علیحدہ حصہ نہ دیا جائے گا۔ اس لئے یہاں علیحدہ لام ارشاد ہوا۔ (روح البیان ومعنی وغیرہ) ذی کے معنی ہیں والا۔ قربیٰ مصدر ہے بمعنی قرابت ذی قربیٰ قرابت دار۔ اس سے حضور ﷺ کے قرابت والے۔ رشتہ دار مراد ہیں۔ مگر ہر رشتہ دار نہیں بلکہ وہ جنہوں نے حضور انور کا آڑے وقت میں ساتھ دیا۔ حضور انور کا نسب شریف یہ ہے۔ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب بن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب ابن مرہ ابن کعب ابن لوی ابن غالب ابن فہر ابن مالک ابن نضر ابن کنانہ نضر ابن کنانہ کی اولاد قریش کہلاتی ہے۔ ہاشم کی اولاد بنی ہاشم کہے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ قرشی ہاشمی ہیں۔ عبد مناف کے کل چار بیٹے تھے جن میں عبد اللہ۔ ابو طالب حمزہ۔ عباس اور ابولہب حارث زبیر بہت مشہور ہیں۔ یہ تمام لوگ ہاشمی کہلاتے ہیں کہ ہاشم کی اولاد میں ہیں۔ حضرت عثمان عبد الشمس کی اولاد سے ہے۔ آپ کا نسب یہ ہے عثمان ابن عفان ابن ابی العاص ابن امیہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف اور جبیر ابن مطعم نوفل کی اولاد سے۔ حضور انور نے خیبر کی غنیمت کا خمس بنی ہاشم اور بنی مطلب کو تو دیا۔ حضرت عثمان اور جبیر کو نہ دیا۔ ان دونوں حضرات نے شکایت کی کہ بنی ہاشم تو واقعی ہم سے افضل ہیں کہ ان میں آپ ﷺ پیدا ہوئے مگر بنی مطلب کا اور ہمارا رشتہ حضور ﷺ سے یکساں ہے پھر حضور ﷺ نے بنی مطلب کو کیوں دیا۔ ہم کو کیوں نہ دیا۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ بنی مطلب اور بنی ہاشم دونوں نے اسلام کی اشاعت ہماری مدد میں بڑا حصہ لیا ہے باقی دو قبیلوں نے نہیں لیا (روح المعانی وغیرہ) اس سے پتہ لگا کہ یہاں قربیٰ سے مراد قرابت کا قرب نہیں بلکہ نصرت و قرابت دونوں قرب ہیں خیال رہے کہ جہاں نسب نصر جمع تھے وہاں خمس تھا اس اہل قرابت کو قرابت کی وجہ سے یہ حصہ دیا جاتا تھا خواہ وہ فقیر ہوں یا غنی والیتمٰی۔ یہ

معطوف ہے ذی القربیٰ پر یتیم وہ نابالغ انسان جس کا باپ فوت ہو چکا ہو۔ یہاں یتامیٰ سے مراد عام مسلمان یتیم ہیں۔ خواہ قرابت رسول والے ہوں یا ان کے علاوہ۔ ظاہر یہ ہے کہ دوسرے یتیم مراد ہیں کیونکہ قریبی یتیم ذی القربیٰ میں داخل ہیں۔ مراد اس سے یتیم فقیر ہیں۔ چونکہ شبہ تھا کہ یتیم کو حصہ نہ ملے کیونکہ اس نے جہاد نہ کیا۔ اس شبہ کو دفع فرمانے کے لئے اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔ (روح المعانی) والمسکین و ابن السبیل مسکین اور فقیر کا فرق بیان ہو چکا ہے کہ مسکین وہ جس کے پاس مال بالکل نہ ہو۔ فقیر وہ جس کے پاس مال نصاب سے کم ہو۔ وابن السبیل وہ راہگیر مسافر یہ اگر چہ اپنے گھر میں غنی ہو مگر بحالت سفر غریب ہو تو اسے بھی اس خمس سے حصہ ملے گا۔ ان کنتم اٰمنتم باللہ یہ جملہ نیا ہے جس کی جزا پوشیدہ ہے اس لئے یہ خطاب حضرات صحابہ سے ہے یعنی اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس حکم پر ایمان بھی لاؤ۔ عمل بھی کرو۔ غنیمت کا پانچواں حصہ اس طرح تقسیم کرو۔ خیال رہے کہ ان فرمانا شک و تردد کے لئے نہیں بلکہ رغبت دلانے کے لئے ہے جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر۔ ومآ انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان۔ یہ عبارت معطوف ہے باللہ پر اس میں ماانزلنا سے وہ غیبی مدد۔ فرشتے اور حضور ﷺ کے معجزات مراد ہیں جو بدر میں واقع ہوئے۔ عبدنا سے مراد حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور ﷺ کو عبدنا فرمانا آپ ﷺ کی انتہائی عزت افزائی ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا کہ غزوہ بدر کی ساری فتوحات معجزات ملائکہ کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہے تم لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ ان کے طفیل ہے۔ ایک قرأۃ میں عبدنا ہے۔ عین اور ب کے پیش سے جمع عبد کی۔ اس صورت میں اس سے سارے غازی مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں عبدنا بمعنی اسی جنس سے جس سے مراد غازیان بدر ہیں۔ (معانی) مگر یہ ضعیف ہے ورنہ علیکم چاہئے تھا کہ پہلے کنتم اٰمنتم صیغہ خطاب سے ارشاد ہوا۔ یوم الفرقان سے مراد بدر کا دن ہے چونکہ اس دن مومن اور کافر کی چھانٹ ہوگئی۔ اسلام کی حقانیت کا ظہور ہوا اس لئے اسے یوم الفرقان کہا گیا۔ یعنی چھانٹ اور فرق کا دن۔ یوم التقی الجمعٰن یہ عبارت یوم الفرقان کا بدل یا اس کا بیان ہے۔ جمعان سے مراد کفار و مومنین کے لشکر۔ التقی کے معنی جنگ کے لئے ملے۔ چونکہ بدر کی غیبی امداد پر ایمان لانا اسی کا باعث تھا کہ اس کی غنیمت کی تقسیم منشاء الٰہی کے مطابق ہو۔ کیونکہ یہ فتح اور غنیمت اللہ نے دی ہے۔ واللہ علی کل شیء قدیر یہ عبارت نیا جملہ ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اے مسلمانو تم بدر کا واقعہ دیکھو اور سنو اور میری قدرت کاملہ کا اقرار کرو کہ وہ ایسی قدرت والا کہ اس نے تین سو تیرہ نہتوں سے ایک ہزار ہتھیار بند بہادروں کو شکست دے دی وہ چاہے تو ابابیل سے فیل کو ہلاک کر دے۔ ان باتوں پر غور کرو اور پڑھو ان اللہ علی کل شیء قدیر اس آیت کی مکمل تفسیر ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے غازیان بدر یقین رکھو۔ جان لو کہ جہاد میں تم نے جو بھی منقول مال چھوٹا بڑا۔ کفار سے بطور غنیمت حاصل کیا اس کے پانچ حصے کرو ایک حصہ اللہ کے نام کا۔ باقی چار حصے غازیوں کی ملک۔ اللہ کے حصے کے پانچ حصے کیے جائیں گے ان میں سے ایک حصہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جسے وہ اپنی ذات، اپنے گھر والوں پر صرف کریں اور دوسرا حصہ ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ان قرابتوں کا ہے جو نسب اور نصرت میں ان کے قریب ہیں۔ امیر ہوں یا غریب اور تیسرا

حصہ عام یتیموں کا چوتھا حصہ عام مسکینوں کا اور پانچواں حصہ راہ گیر مسافروں کا۔ اے صحابہ اگر تمہارا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔ اور اس فتح ونصرت فرشتوں کے نزول پر بھی ایمان ہو جو بدر کے دن اس بندہ خاص پر نازل ہوئے اور ان کے صدقہ تم سب پر تو تم ضرور اس حکم پر عمل کرو۔ بدر کا دن حق و باطل میں فیصلہ کن اور فرق کا دن ہے اس دن دو جماعتیں بھڑی تھیں۔ مومنوں کی اور کافروں کی۔ تم اس دن کی فتح ونصرت پر غور کرو۔ اور پر مو اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے۔ جس نے تین سو تیرہ نہتے کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں ایک ہزار ہتھیار بند پہلوانوں کو شکست دے دی۔ جس نے دو کم سن ناتجربہ کار بچوں کے ہاتھوں ابوجہل جیسے سرکش کو قتل کرا کے اس کا غرور خاک میں ملا دیا۔ وہ چاہے تو ابابیل سے فیل مروا دے۔ کمزوروں سے بہادروں کو ہلاک کرادے اس پر بھروسہ کرو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مال غنیمت تھوڑا ہو یا زیادہ زمانہ نبوی میں اس کے پانچ حصے ہوتے تھے چار حصے مجاہدین کے اور ایک حصہ اللہ کا۔ یہ فائدہ ماوہ اور من شئی سے حاصل ہوا۔ اسلام میں مجاہدین کی تنخواہ نہیں ہوتی۔ غنیمت سے انہیں حصہ ملتا ہے مسئلہ غنیمت وہ مال ہے جو جہاد میں جبراً کفار سے چھینا جاوے اور مال منقول ہو۔ زمین غلام اس سے خارج ہیں۔ ان دونوں میں یہ تقسیم نہ ہوگی۔

مسئلہ: جو مال دو چار مسلمان دار حرب میں جا کر کفار سے چھین لاویں احناف کے ہاں وہ غنیمت نہیں ان میں یہ تقسیم نہیں ان کے احکام جداگانہ ہیں۔ مسئلہ سلب اور صفی میں تقسیم جاری نہ ہوگی سلب مقتول کافر کے جسم کا مال گھوڑا۔ جوڑا۔ ہتھیار۔ یہ سب کچھ اس کے قاتل غازی کو ملے گا۔ امام شافعی کے یہاں بہر حال۔ احناف کے ہاں جبکہ امام نے جہاد کے وقت اس انعام کا اعلان کر دیا ہو۔ صفی وہ مال ہے جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے پسند فرمائیں۔ اس لئے ایک بی بی صاحبہ کا نام صفیہ ہے یعنی منتخب شدہ بی بی۔

مسئلہ: اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں غنیمت کے اس خمس کے پانچ حصے ہوتے تھے۔ چھ حصوں کا قول شاذ و نادر ہے ان پانچ حصوں کی تقسیم یوں تھی۔ ایک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت کا۔ تیسرا یتیموں کا۔ چوتھا مسکینوں کا۔ پانچواں مسافروں کا۔ اس آیت میں یہ ہی ذکر ہے۔

مسئلہ: حضرت امام شافعی کے نزدیک حضور انور کی وفات کے بعد یہ ہی تقسیم باقی ہے۔ مگر حضور انور کا حصہ مسلمانوں کی مصلحتوں پر صرف ہوگا۔ یا جہاں سلطان مناسب سمجھے اور قرابت داروں کا حصہ اس طرح بنی ہاشم اور بنی مطلب پر صرف ہوگا۔ بنی عبدشمس اور بنی نوفل کو نہ ملے گا۔ مگر ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضور انور کی وفات شریف سے یہ دونوں حصے ختم ہو گئے۔ اب خمس کی تقسیم تین حصوں میں ہوگی۔ یتیموں۔ مسکینوں۔ مسافروں پر۔ ہاں ان تینوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت مقدم رکھے جائیں گے۔ (تفسیر احمدی روح البیان مدارک وغیرہ) امام اعظم کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

1۔ حضرت خلفاء راشدین نے حضور ﷺ کی وفات شریف کے بعد خمس کی تقسیم اس طرح کی حتی کہ حضرت ابوبکر صدیق نے بنی ہاشم سے فرمایا کہ ہم اس خمس سے تمہارے فقراء کو دیں گے۔ کنواروں کی شادیاں کردیں گے۔ جس کے پاس خادم نہ ہوگا اسے خادم دیں گے۔ مگر تمہارے مالدار لوگ یوں ہی یتیم مالداروں کا حصہ کچھ نہیں۔ (روح المعانی۔ احمد وغیرہ)

2۔ اہل قرابت رسول کا حصہ صرف قرابت داری کی وجہ سے نہ تھا۔ ورنہ حضرت عثمانؓ اور حضرت جبیرؓ کو بھی ملتا بلکہ حضور انور کی مدد کرنے کی بنا پر ہے واصدونی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ختم ہوگئی تو ان کا حصہ بھی ختم ہوگیا۔

3۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صفی ختم ہوگیا۔ کہ جو حضور ﷺ پسند فرمائیں وہ حضور ﷺ کا یوں ہی آپ ﷺ کا خمس کا حصہ بھی ختم ہوگیا۔ (معانی)

4۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں خمس ان تین ہی حصوں میں تقسیم فرمایا۔ (مدارک تفسیر ابن عباس ان حضرات کا یہ عمل اس آیت کی تفسیر ہے۔

لطیفہ: خمس کے متعلق شیعہ فرقہ کا عجیب عقیدہ ہے۔ ان کے نزدیک اس کے چھ حصے ہوں گے۔ جن میں اگلے تین یعنی اللہ کا حصہ نبی کا حصہ اور نبی کے اہل قرابتہ کا حصہ امام برحق کا حصہ ہے جو قائم مقام رسول کے ہے۔ باقی تین حصے یتیم مسکین، مسافر یہ سب قرابتہ رسول کے لئے خاص ہیں۔ جنہیں ان کے یتیموں مسکینوں، مسافروں کو ملیں گے۔ ان کو چاہئے کہ اگلے تین حصے امام مہدی کے پاس غار سر من رامیں بھیج دیا کریں۔ جہاں وہ چھپے بیٹھے ہیں۔ کیونکہ وہ ہی قائم مقام رسول ہیں۔ (روح المعانی)

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور ﷺ کے صدقہ میں خاص مومنین کا بڑا درجہ ہے کہ رب تعالی نے ان کے حصہ کو اپنا حصہ فرمایا۔ یہ فائدہ للہ خمسہ سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قرابتہ دار جو حضور ﷺ کے مددگار اور معاون رہے اللہ تعالی کی بارگاہ میں بڑے ہی عزت وشان والے ہیں کہ انہیں اللہ تعالی نے غنیمت کے خمس میں حصہ دار بنایا۔ یہ فائدہ ولذی القربی سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس جو قرابتہ دار دشمن رہے وہ ساری مخلوق میں بدترین۔ دیکھو ابولہب حضور ﷺ کا چچا تھا مگر سخت دشمن تھا۔ اس کی برائی میں پوری سورہ نازل ہوئی کسی کافر کے لئے پوری سورہ قرآن میں نہ آئی سواء ابولہب کے۔

چوتھا فائدہ: غنیمت کے خمس میں درست تقسیم ایمان کی علامت ہے۔ یہ فائدہ ان کنتم امنتم باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** غزوہ بدر کے واقعات یعنی فرشتوں کا نزول ہے۔ حضور ﷺ انور کا ایک دن پہلے کفار کے قتل کی جگہ کی خبر دے دینا۔ چھوٹے بچوں کا ابوجہل کو قتل کرنا۔ تھوڑے سے مسلمانوں کا کفار کی بڑی اور مضبوط جماعت پر غالب آنا اللہ تعالی کی وہ نشانی قدرت ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے یہ فائدہ وما انزلنا علی عبد (الخ) سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: حضرات صحابہ ان کے حالات ان کے صفات رب تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہیں۔ انہیں دیکھو اور رب کی قدرت کا پتہ لگاؤ۔ یہ فائدہ اس آیت کے آخر میں واللہ علی کل شئی قدیر فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: تقسیم غنیمت کا ذکر قرآن مجید میں تین جگہ ہے۔ سورہ انفال کی پہلی آیت میں قل الانفال للہ والرسول (الخ) اور یہاں اس جگہ اور سورہ حشر میں ما افاء اللہ علی رسولہ (الخ) مگر سورہ انفال کے شروع میں اس کے انفال فرمایا۔ یہاں غنیمت اور سورہ حشر میں لفظ فی۔ مگر ان آیتوں میں سخت تعارض ہے کیونکہ شروع انفال میں صرف دو مصرف بیان ہوئے للہ وللرسول۔ یہاں پانچ یا چھ سورہ حشر میں بھی چھ یا پانچ۔ اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب: یہ آیت سورہ حشر کی آیت کے تو بالکل موافق ہے۔ دونوں جگہ مصارف یکساں بیان ہوئے صرف لفظ غنیمت اور فی میں فرق ہے مگر وہاں بھی فی سے مراد غنیمت ہے رہی سورہ انفال کی پہلی آیت اسے تفسیر احمدی میں اس آیت سے منسوخ مانا ہے مگر یہ جواب قوی نہیں۔ حق یہ ہے کہ وہ آیت مجمل ہے اور یہ آیت اعلموا انما الخ سے اس کی تفصیل ہے۔ وہاں صرف یہ بتانا تھا کہ غنیمت کی تقسیم کا اختیار اللہ و رسول کو ہے یہاں ان کے اختیارات کا اظہار ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

دوسرا اعتراض: قرآن کریم کی اس آیت نے رسول اور ذی قربیٰ کا خمس میں حصہ مقرر فرمایا اور یہ نہ کہا کہ یہ حکم حضور انور کی زندگی شریف میں ہے بعض میں نہ رہے مگر خلفاء راشدین نے حضور ﷺ کے بعد صرف تین حصے رکھے دو ختم کر دیئے تو کیا صحابہ کو قرآن کریم کی آیت منسوخ کرنے کا اختیار تھا۔ قرآن کریم فعل صحابہ سے منسوخ نہیں ہوسکتا تا قیامت پانچ حصے ہیں۔ (شافعی)

جواب: اس کا جواب تفسیر احمدی نے یہ دیا ہے کہ فعل صحابہ حدیث متواتر ہے اور حدیث متواتر سے قرآن کریم کا نسخ جائز ہے بلکہ بہت جگہ واقع ہے یہ ہی احناف کا مذہب ہے شوافع کے ہاں جائز نہیں۔ مگر فقیر کے نزدیک قوی جواب یہ ہے کہ خلفاء راشدین کا وہ فعل اس آیت کا نسخ نہیں بلکہ اس کا بیان ہے کہ یہ تقسیم ایک شرط کے ماتحت تھی جب وہ شرط ختم ہوگئی تو حکم بھی ختم ہوگیا۔ یعنی ذی قربیٰ کا حصہ حضور ﷺ کی امداد کی بنا پر تھا۔ وہ امداد تو ختم ہوچکی تو حصہ بھی ختم ہوگیا۔ جیسے قرآن کریم میں زکوٰۃ کے مصارف مؤلفۃ القلوب کا بھی ذکر ہے مگر عہد فاروقی میں انہیں نکال دیا گیا کیوں۔ اس لئے کہ وہ وجہ نہ رہی جس سے انہیں مصرف قرار دیا گیا تھا۔ یعنی ضعف اسلام۔

تیسرا اعتراض: یہاں ایمان کے دو رکن بیان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اور بدر کے دن خصوصی واقعات کا ارشاد ہوا۔ ان کنتم امنتم باللہ وما انزل (الخ) حالانکہ ایمان کے ارکان۔ اللہ، رسول، کتاب، قیامت، وغیرہ کو ماننا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: وہ سارے ارکان امنتم باللہ میں داخل فرمائے گئے۔ اللہ پر ایمان وہ ہی رکھتا ہے جو اس کے رسول فرشتے قیامت وغیرہ پر ایمان رکھے۔ چونکہ غازیان بدر اس دن کے کرشمے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور یہاں ذکر بھی اس بدر کی غنیمت تقسیم کرنے کا ہے اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر ہوا کہ اس کی تقسیم میں اس رب کا اس کے رسول کا حکم مانو جن کے فضل و کرم سے تم کو یہ شاندار فتح نصیب ہوئی۔

چوتھا اعتراض: بدر میں رب کی رحمتیں سارے غازیوں پر ہی اترتی تھیں۔ پھر ان کو علی عبدنا فرمایا کہ ہمارے بندے محمد مصطفیٰ ﷺ پر اتریں۔

جواب: ایک قراۃ میں علی عبدنا ہے۔ عین اور ب کے پیش سے عبد کی جمع تب تو کوئی اعتراض نہیں بعض علماء نے فرمایا کہ عبد سے مراد جنس عبد ہے یعنی سرے غازیان اسلام۔ تب بھی کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر عبدنا سے مراد حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ تب ظاہر ہے کہ اللہ کی رحمتیں بدر کی فتوحات وغیرہ بلاواسطہ تو حضور ﷺ پر اتریں۔ حضور انور ﷺ کے واسطہ سے دوسروں پر مقصود بالذات حضور انور ﷺ ہیں۔ اور سب حضور ﷺ کے طفیلی۔ لہذا آیت واضح ہے۔

پانچواں اعتراض: خمس کے جو مصارف بیان ہوئے کیا ان سب پر خمس تقسیم کرنا ضروری ہے۔ یعنی حضور انور ﷺ یا بعض پر بھی صرف کئے جاسکتے ہیں۔

جواب: تفسیر روح البیان نے اس جگہ بحوالہ تحفہ بیان فرمایا کہ یہ تینوں مصارف خمس ایسے ہیں جیسے مصارف زکوۃ کہ سب پر صرف کرو۔ تب بھی جائز ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک پر صرف کرو تب بھی درست ہے۔ کیونکہ یہ مصرف ہیں ان میں استحقاق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں یہاں کی ساری نعمتیں دنیا والوں کو عمر میں سب کچھ گویا مال غنیمت ہے جو ہم کو رب تعالیٰ کی طرف سے بطور عطیہ ملی ہے۔ شعر۔

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نہ ماند

اس سب کو صرف نفس پر خرچ نہ کر بلکہ اس کے چھ حصے کرو۔ ایک حصہ اللہ کے لئے کہ اس وقت میں اللہ کے فرائض ادا کرو۔ ایک حصہ اس کے رسول کے لئے کہ ان کی سنتیں ادا کرو۔ ایک حصہ حضور ﷺ کے قرابتہ داروں اولیاء اللہ مشائخ عظام علماء کرام کے لئے کہ ان کی طاعت و فرمانبرداری کرو۔ فرماتا اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم ہے یہ ہے۔ اس غنیمت کی تقسیم ایک یتیم یعنی نفس کے لئے کہ یہ دنیا میں یتیم ہے ایک حصہ اپنے روح کے لئے کہ یہ اس دنیا میں گویا مسافر ہے اس کا وطن آخرت ہے۔ ایک حصہ اپنے دل کے لئے گویا یہ مسکین ہے۔ اپنی زندگی اور یہاں کی ساعتوں یہاں کی نعمتوں کو ان سب پر تقسیم کرو۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اے انسان تو اور تیری حقیقت گویا بدر کا میدان ہے جس میں دو جماعتیں نفسانی اور روحانی قوتیں جمع ہیں۔ ایک دن ان کے فرق کا ہے۔ جب نفس و روح میں چھانٹ ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کہ متفرقین کو جمع کرے یا جمع کو متفرق فرمادے۔

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ

جب تم بیچ کنارہ قریب میں تھے اور وہ بیچ کنارہ دور کے اور

جب تم نالے کے اس کنارے تھے اور کافر پرے کنارہ اور قافلہ

وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ

قافلہ نیچے تھا تم سے اور اگر تم وعدہ کر لیتے تو البتہ جھگڑتے تم وعدہ میں

تم سے ترائی میں اور اگر تم آپس میں کوئی وعدہ کرتے تو ضرور وقت پر برابر نہ پہنچتے

وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ

اور لیکن تاکہ پورا کرے اللہ وہ کام جو تھا کیا ہوتا تاکہ ہلاک ہو وہ جو ہلاک ہو

لیکن یہ اس لئے کہ اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے کہ جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو

عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾

کھلی دلیل سے اور زندہ رہے وہ جو زندہ رہے روشن دلیل سے اور تحقیق اللہ سننے والا جاننے والا ہے

اور جو جیے دلیل سے جیے اور بے شک اللہ ضرور سنتا جانتا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ بدر میں فتح وغیرہ صرف عطیہ ربانی تھا نہ کہ تمہاری کوشش کا نتیجہ۔ اب اس کی دلیل دی جا رہی ہے۔ کہ ظاہری اسباب بدر میں تمہارے خلاف تھے اس کے باوجود تم کو فتح ہوئی گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا۔ اس آیت میں اس کی دلیل ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ بدر میں دونوں لے جمع ہوئے۔ اب اس جمع ہونے کا نقشہ کھینچ کر دکھایا جا رہا ہے کہ تم کدھر تھے اور کفار کدھر گویا جنگ کا ذکر پہلے ہوا نقشہ جنگ اب بتایا دکھایا جا رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں غزوہ بدر کو فرقان اور اس کے دن کو یوم الفرقان کہا گیا اب اس نام کی وجہ کا ذکر ہے کہ وہ حق و باطل کفر و ایمان کی چھانٹ کی گھڑی تھی گویا نام پچھلی آیت میں بتایا نام کی وجہ اب ارشاد ہو رہی ہے۔

تفسیر: اذا انتم بالعدوة الدنیا ۔ یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا دوسرا بدل یا بیان ہے یوم الفرقان کا پہلی صورت میں یہ اذکرو پوشیدہ فعل کا مفعول بہ ہے اور دوسری صورت میں انزلنا کا ظرف انتم میں خطاب ہے غازیان بدر سے بے معنی فی ہے۔ عدوہ عین کے فتح سے بھی آتا ہے۔ اس کے کسرہ اور پیش سے بھی۔ ہماری قرأۃ میں عین کے پیش سے ہے اس کے معنی ہیں کنارہ۔ جانب جب بارش کا پانی جنگل کے کنارہ سے بڑھ جائے تو سیلاب ہو جاتا ہے۔ اس لئے کنارہ جنگل کو عدوہ کہا جاتا ہے۔ یعنی آگے بڑھنے کی حد (صادی) یہ بنا ہے عدو سے بمعنی بڑھنا۔ الدنیا بنا ہے دنو سے بمعنی قرب اس کا مذکر ادنیٰ ہے مادہ دنو بمعنی قرب دنیا بمعنی قریب ترین۔ اس سے مراد بدر کا وہ کنارہ ہے جو مدینہ منورہ سے قریب ہے۔ یہ ریتلا تھا۔ جس میں پاؤں دھنستے تھے چلنا پھرنا مشکل تھا۔ نیز پانی بالکل نہ تھا ان وجوہ سے مسلمانوں کو سخت دشواری تھی۔ وھم بالعدوۃ القصویٰ یہ

عبارت معطوف ہے واذ انتم بالعدوۃ (الخ) پر ہم سے مراد وہ کفار مکہ ہیں جو اپنے قافلہ کو جس کے سردار ابوسفیان تھے آئے تھے اور اب باقاعدہ جنگ کے لئے بدر میں پہنچائے گئے تھے عدوہ قصویٰ میں قصویٰ مونث ہے اقصیٰ کا بمعنی دور۔ رب فرماتا ہے من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ اس کا مادہ قصو ہے بمعنی دوری۔ یہاں بھی قیاس یہ ہی تھا کہ یہ بھی دنیا کی طرح قصیا ہوتا یعنی واوی سے بدل جاتا مگر خلاف قیاس واؤ باقی رہا۔ جیسے قود میں واؤ باقی رہا (روح البیان) اس سے مراد بدر کا وہ حصہ ہے جو مدینہ منورہ سے دور ہے اور مکہ معظمہ سے قریب اس حصہ میں زمین پختہ تھی جس پر چلنا آسان تھا اور ادھر پانی بھی کثرت سے تھا۔ اس لئے انہیں جنگ کرنا نہایت آسان تھا۔ والرکب اسفل منکم یہ عبارت معطوف ہے وھم بالعدوۃ (الخ) پر اس میں الرکب کے بعد فی موضع پوشیدہ ہے اسفل اس موضع کی صفت ہے الرکب جمع راکب کی بمعنی سوار۔ اب اصطلاح میں قافلہ کو رکب کہتے ہیں۔ یہاں قافلہ سے مراد ابوسفیان کا وہ قافلہ ہے جو شام سے تجارت کر کے آرہا تھا۔ جسے بچانے کے لئے کفار مکہ آئے تھے۔ اسفل سے مراد کنارہ سمندر ہے جو بدر سے تین میل دور ہے چونکہ کنارہ سمندر بدر سے نیچے یعنی نشیبی علاقہ ہے اس لئے اسے اسفل فرمایا گیا۔ منکم میں خطاب غازیان بدر صحابہ سے ہے اس فرمان عالی میں کفار کی تیسری قوت کا ذکر ہے کہ انہیں اس قافلہ کی کمک پہنچ سکتی تھی کہ وہ ان سے صرف تین میل کے فاصلہ پر تھے۔ تمہارا مددگار سوائے رب کے کوئی نہ تھا۔ تمہاری کمک سوائے فرشتوں اور کسی طرف سے نہیں آسکتی تھی۔ تم سے مدینہ بہت دور تھا۔ ولو تواعدتم لاختلفتم فی المیعٰد۔ یہ نیا جملہ ہے اس میں اس پروگرام اور اس نقشہ جنگ کی ایک حکمت کا ذکر ہے۔ تواعدتم بنا ہے مواعدۃ سے بمعنی ایک دوسرے سے وعدہ کرنا۔ اس سے مراد ہے مسلمانوں کا کفار سے وعدہ جنگ کرنا اختلفتم کے معنی ہیں۔ وعدہ خلافی کرنا۔ یعنی حالات تمہارے متعلق ایسے خطرناک تھے کہ اگر اس جنگ کے لئے پہلے سے وعدے ہوتے تو تم کفار کی یہ قوتیں دیکھ کر وقت مقررہ پر میدان میں نہ پہنچتے اور نہ یہ جنگ ہوتی نہ حق و باطل کا یہ فیصلہ ہوتا۔ ولکن لیقضی اللہ امرا کان مفعولا اس عبارت سے پہلے ایک پوری دراز عبارت پوشیدہ ہے مااختلفتم عن القتال بل جمع بینکم بغیر میعاد یعنی تم یہ تاریخ نافذ کر سکے۔ تم دونوں جماعتیں بغیر فیصلہ جمع ہو گئیں۔ اللہ نے اپنا فیصلہ پورا کرنا تھا۔ مفعولا سے مراد ہے کہ جو علم الٰہی میں طے ہو چکا تھا۔ وہ ہو کر رہے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ اس عبارت کی آسان ترکیب یہ ہے کہ لیھلک (الخ) بدل یا بیان ہے لیقضی کا اور عن بینۃ میں عن بمعنی بعد ہے جیسے رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی میں عما قلیل لیصبحن نادمین کہ وہاں بھی عن بمعنی بعد ہے۔ ہلاکت سے مراد ہے کافر کہ کفر بھی روحانی ھلاکت ہے۔ (روح البیان) یعنی بدر کا یہ واقعہ اچانک اس لئے ہوا کہ اب بدر کا واقعہ دیکھنے کے بعد بھی جو کافر ہے وہ روشن دلیل دیکھنے کے بعد کافر ہے اسے اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل مل جاوے پھر کافر ہے تاکہ اچھی طرح اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آجاوے۔ ویحیی من حی عن بینۃ یہ عبارت معطوف ھے لیھلک (الخ) پر اس میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ اس میں حیات یعنی زندگی سے مراد ہے ایمان من سے مراد ہے مومن یعنی مومن ایمان پر قائم ہے اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل قائم ہونے کے بعد۔ وان اللہ لسمیع علیم اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ واقعہ بدر سے لوگوں کے ایمان و کفر کا فرق مخلوق پر ظاہر ہو گا۔ رب تعالیٰ تو ہر چیز کو

جانتا ہے اس کے ہر قول کو سنتا ہے اس بدر کے واقعہ کے بعد لوگوں پر اس کا ظہور ہو گا خیال رہے کہ ایمان و کفر دونوں قول اور اعتقاد پر شامل ہے رب تعالیٰ ہر ایک کا ایمانی و کفریہ قول سنتا ہے اور ہر ایک کے کفر و ایمان کے اعتقاد کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز چھپی نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے غازی مسلمانو تم بدر کا وہ واقعہ یاد رکھو کہ جب ظاہری اعتبار سے تمہارے پاس فتح کے اسباب نہ تھے اسباب فتح کفار کو حاصل تھے چنانچہ تم تو بدر کے اس کنارے پر اترے جو مدینہ منورہ کی طرف اس سے قریب ہے جہاں زمین ریتلی ہے۔ جس میں چلنا پھرنا بھی مشکل ہے اس میں پاؤں دھنستے ہیں پھر اس کنارہ پر پانی بھی نہیں اور کفار نے بدر کے دوسرے کنارہ پر پڑاؤ ڈالا جہاں کی زمین سخت اور ہموار ہے جس پر چلنا پھرنا آسان۔ پھر وہاں پانی بکثرت موجود۔ اس پر طرہ یہ کہ کفار کا کافلہ ابوسفیان کا قافلہ ان سے بہت قریب تھا۔ صرف تین میل کنارہ سمندر تھا جس کی کمک کفار کو پہنچ سکتی تھی۔ تم کو یہ بھی حاصل نہ تھا یہ جنگ اچانک اور تمہاری تیاری کے بغیر ہوئی اگر پہلے سے جنگ کا پروگرام بنتا تو حالات تمہارے ایسے خلاف تھے کہ تم وقت پر جنگ کے لئے آنے کی ہمت نہ کرتے۔ اپنی یہ بے سامانیاں اور کفار کے یہ سامان دیکھ کر تم ہمت ہار جاتے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے تم کو اچانک ہی کفار سے بھڑا دیا تا کہ جو چیز رب کے پاس طے ہو چکی تھی اس کا ظہور ہو جاوے۔ ان حالات کے ماتحت تمہاری شاندار فتح رب تعالیٰ کی قدرت اسلام کی حقانیت کفر کے بطلان کی کھلی دلیل ہے اب اس کے بعد جو کافر رہے گا وہ محض ہٹ دھرمی سے کافر رہے گا۔ اسلام کی حقانیت کی کھلی دلیل دیکھ کر اور جو ایمان لائے گا وہ روشن دلیل دیکھ کر ایمان لائے گا۔ یہ سب کچھ تم پر ظاہر کرنے کے لئے ہے اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کی ہر بات کو سنتا ہے۔ ہر ایک کے دل کے اعتقادات کو جانتا ہے۔ چنانچہ غزوہ بدر سے پہلے رب تعالیٰ نے بارش بھیجی جس کا پانی ادھر مومنین نے حوضوں میں بھر لیا اور ریتہ جم کر بہترین زمین ہو گئی جس پر چلنا پھرنا نہایت ہی آسان ہو گیا۔ ادھر کفار کی طرف کی زمین پھسلن بن گئی جس پر چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ یہ بارش مومنوں کے لئے نیک فال ثابت ہوئی اور پہلے بلہ میں ابوجہل مارا گیا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: غزوہ بدر رب تعالیٰ کو بڑا ہی محبوب و پیارا ہے اس کے غازی رب کو بڑے پسند کہ رب نے اس کا نقشہ جنگ کھینچ کر دکھا دیا اور اس کے حالات بہت تفصیل سے بیان فرمائے۔

دوسرا فائدہ: اللہ کی حکمت ہمارے خیال سے وراء ہے اگرچہ ہم سمجھ نہ سکیں۔ دیکھو بدر کے موقعہ پر اچانک لڑائی ہو جانا عقل کے نزدیک بہت تکلیف دہ تھا۔ مگر انجام اس کا بہت شاندار ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ عسی ان تکرھوا شیئا و ھو خیر لکم

تیسرا فائدہ: جب اسباب کی طرف سے بندہ کو ناامیدی ہوتی ہے تب دریائے رحمت الٰہی جوش میں آتا ہے۔ دیکھو غزوہ بدر میں مسلمانوں کی بے سروسامانی اور اسباب کی طرف سے مایوسی انتہا کو پہنچی کہ مسلمانوں کی جماعت تھوڑی، سپاہی ناتجربہ کار اور ہر ہتھیار کی بہت ہی کمی۔ پھر ان کی طرف کی زمین ریتلی اور ناہموار۔ پھر ادھر پانی کی کمی۔ پھر کمک پہنچنے کی کسی طرف سے

امید نہیں۔ اس کے برعکس کفار کے پاس یہ سب کچھ بہت اعلیٰ دیکھ لو کہ رب کی رحمت نے کیسی دستگیری مسلمانوں کی کی سبحان اللہ۔

چوتھا فائدہ: غزوہ بدر قدرت الٰہی کی بڑی نشانی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی بڑی دلیل یہ فائدہ عن بینة سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: ایمان جان و دل کی زندگی ہے کفران کی مت۔ کافر زندہ رہ کر بھی مردہ ہے مومن مر کر جیتا ہے جسم کی زندگی جان سے ہے اور جان کی زندگی ایمان سے ہے یہ فائدہ ولیھلک اور یحیی فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: دنیا اور ادنیٰ کا مونث ہے اور قصویٰ اقصیٰ کا مونث دنیا کا مادہ دنو ہے اور قصویٰ کا مونث قصو پھر کیا وجہ ہے کہ دنیا میں واؤ ی ہو گیا مگر قصویٰ میں واؤ باقی رہا۔

جواب: بعض قراتوں میں قصوی سے ہے ہماری قرات قصوا واؤ سے ہے چونکہ قصوا اسم بھی ہے صفت بھی اس لئے ان دونوں میں فرق کرنے کے لئے ایک واؤ کو ی سے بدلا گیا۔ دوسرے میں نہیں (بیضاوی) دیکھو خود ہی واؤ یا سے تبدیل نہ ہو۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بزدل بھی تھے اور وعدہ خلاف بھی دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا کہ اگر بدر کی تاریخ و مہینہ پہلے سے طے ہو جاتا تو صحابہ وعدہ خلافی کرتے اور جنگ میں حاضر نہ ہوتے۔ ولو تواعدتم لا ختلفتم فی المیعاد (شیعہ)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر جناب علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کیسے ثابت ہوئی۔ کیونکہ لا ختلفتم میں سب غازیوں سے خطاب ہے حضرت علی ان سے علیحدہ نہیں کئے گئے جواب تحقیقی یہ ہے کہ آیت کریمہ کا مقصد بدر میں مسلمانوں کی بے سروسامانی دکھانا ہے اور کفار کا بہت ساز و سامان والا بتانا مقصود ہے نہ کہ صحابہ کی بزدلی دکھانا۔ یہ آیت تو ان کی بہادری دکھا رہی ہے کہ ان ہی نا تجربہ کار نہتے تھوڑے۔ مٹھی بھر صحابہ نے ایسے تجربہ کار لشکر جرار کے مقابل میں شاندار فتح حاصل کی۔ بتانا یہ ہے کہ حالات جنگ مسلمانوں کے ایسے خلاف تھے کہ ایسے موقعہ پر کفار کے مقابلہ میں آنا آسان نہ تھا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے ان حضرات پر عتاب نہیں فرمایا بلکہ ان کی تعریف فرمائی۔

تیسرا اعتراض: فتح بدر کے متعلق یہاں ارشاد ہوا کان مفعولا۔ حالانکہ یہ فتح تو جنگ کے بعد ہوئی نہ کہ پہلے پھر اسے یہاں مفعولا کیوں فرمایا گیا۔

جواب: یہاں فتح سے مراد علم الٰہی میں کیا ہوا وعدہ ہے یعنی جس فتح کے واقع ہو جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا اس کا فیصلہ ہو جائے اس لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ترجمہ فرمایا جو کام ہونا ہے یعنی یہ اسم مفعول بمعنی ماضی نہیں بلکہ بمعنی مستقبل ہے۔

چوتھا اعتراض: رب تعالیٰ نے غزوہ بدر کو بینہ کیوں فرمایا یعنی روشن دلیل۔ حضور انور ﷺ کے سارے معجزات روشن دلیل تھے جو بھی انہیں دیکھ کر کافر رہا وہ روشن دلیل دیکھ کر ہی مرا پھر اس آیت کریمہ کا مطلب کیا ہے۔

جواب: حضور انور کے دوسرے معجزات میں کفار غور کرتے ہی نہ تھے اور انہیں دیکھتے ہی نہ تھے مگر فتح بدر وہ معجزہ ہے جو انہیں دیکھنا پڑ گیا۔ اس بدر کی وجہ سے حضرت عباس جیسے لوگ ایمان لائے اس کے بعد بھی جو کافر رہا واقعی وہ بڑا بد بخت تھا۔ خیال رہے کہ ستر کفار جو بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے اور حضرت صدیق اکبر کی رائے پر فدیہ لے کر چھوڑے گئے وہ سارے ہی مسلمان ہو گئے۔ بلکہ بعد میں انہوں نے شاندار خدمات اسلام انجام دیں۔ یہ ہوا حضور انور ﷺ کا معجزہ اور حضرت ابوبکر صدیق کی کھلی کرامت۔ ان وجوہ سے بھی یہ فتح بدر بینہ ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے میدان بدر کے دو کناروں پر دو مختلف جماعتیں جمع ہوئی تھیں۔ ایک جماعت رحمانی دوسری جماعت شیطانی اگر یہ اجتماع نہ ہوتا تو حق و باطل کا فیصلہ نہ ہوتا یوں ہی اے انسان تیرے ایک کنارہ پر نفس امارہ مع اپنی فوج کے ہے دوسرے کنارہ پر قلب و روح مع اپنی فوج کے موجود ہے۔ نفس کی کمک کے لئے شیطان مع اپنی فوج موجود ہے۔ والـركـب اسـفـل مـنـكـم اگر نفس و روح کا تجھ میں اجتماع نہ ہوتا تو روح کو ترقی اور نفس کو تنزل کے ذریعہ حق و باطل کا فیصلہ نہ ہوتا اور روح یہ خطاب کیسے سنتی فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی اس جنگ کی وجہ سے روح دنیا کی قید سے نکل کر جنات نعیم میں کیسے داخل ہوئی۔ یہ حالت تو مومنین صالحین کی ہے رہے اشقیاء جو دوزخ کے لئے منتخب ہو چکے ان کا حال ان محبوبین کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں ترقی کی استعداد بھی رکھی ہے اور تنزل کی بھی جس تعداد کو استعمال کر لو تمہاری مرضی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے بدر کے دو کنارے تھے ایک کنارہ قریب والا دوسرا کنارہ دور والا اے انسان تیرے بھی دو کنارے ہیں۔ ایک دین والا جو اللہ سے قریب ہے۔ دوسرا دنیا والا جو اللہ سے دور ہے۔ قریبی کنارہ میں اللہ کی رحمتیں ہیں۔ دور والے کنارہ میں اللہ کے عذاب قریب والے کنارہ کی حفاظت کر۔ اس کنارہ پر اولیاء اللہ بلکہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہیں۔ ملائکہ رحمت کا نزول اسی کنارہ پر ہے۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا

جب دکھاتا تھا آپ کو اللہ وہ کافر خواب میں آپ کے تھوڑا اور اگر دکھاتا آپ کو اللہ ان کافروں

جبکہ اے محبوب اللہ تمہیں کافروں کو تمہاری خواب میں تھوڑا دکھاتا تھا اور اے مسلمانوں اگر وہ تمہیں بہت کر کے

لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ

کو بہت تو البتہ بزدل ہو جاتے تم اور البتہ جھگڑتے تم اس کام میں اور لیکن اللہ نے سلامت

دکھاتا تو ضرور تم بزدلی کرتے اور معاملہ میں جھگڑا ڈالتے مگر اللہ نے بچالیا۔ بیشک

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ

رکھا بیشک وہ جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کو اور جب دکھایا تھا تم نے ان کافروں کو جب

وہ دلوں کی بات جانتا ہے اور جب لڑتے وقت تمہیں کافر تھوڑا کر کے دکھائے اور تمہیں

فِيْۤ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْۤ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا

ملے تم تمہاری آنکھوں میں تھوڑا اور کم کرتا تھا تم کو ان کی آنکھوں

ان کی نگاہوں میں تھوڑا کیا اور اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے

كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع

میں تاکہ فیصلہ فرمادے اللہ اس کام کا جو ہے کیا ہوا اور اللہ کی طرف سب کاموں کا رجوع ہے

اور اللہ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سب کام۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کچھ نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا جو خاص غزوہ بدر کے دن مسلمانوں کو عطا ہوئیں اب بعض ان نعمتوں کا ذکر ہے جو بدر کے غزوہ سے کچھ پہلے عطا ہوئیں۔ گویا کچھ وقتی نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد ہمیشگی نعمتوں کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ غزوہ بدر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے ظہور کا دن ہے اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ اس غزوہ میں غیبی قدرتی وہ کام ہوئے جو عقل انسانی سے وراء ہیں یعنی بڑی جماعت کا تھوڑا نظر آنا۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ غزوہ بدر کے بعد جو مومن ہوگا۔ وہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ وہ رب کی روشن دلیل دیکھ کر مومن ہوگا اور جو کافر رہے گا وہ پرلے درجے کا بدبخت ہوگا کہ وہ نشان قدرت دیکھنے کے بعد بھی کافر رہے گا اب اس نشان کا ذکر ہے جس کی وجہ سے بدر بینہ یعنی اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل ہے۔

تفسیر: اذ یریکھم اللہ فی منامک قلیلا یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے تو اذ ایک پوشیدہ فعل اذکر کا مفعول بہ ہے یا اذ انتم بالعدوۃ الدنیا کا بدل ہے یا یوم الفرقان کا بدل یا اس کا بیان۔ ان صورتوں میں یہ علیحدہ جملہ نہیں۔ یری بنا ہے اراء سے جس کا مادہ رای سے رای دو مفعول چاہتا ہے جب باب افعال میں آیا تو تین مفعول کی طرف متعدی ہوا۔ پہلا مفعول ک ہے دوسرا ھم تیسرا قلیلا۔ یری فرمایا کہ یہ بتایا گیا کہ حضور انور ﷺ کو یہ خواب دکھانے والا رب تعالیٰ ہے ک میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ھم کا مرجع کفار بدر ہیں منام مصدر ہے نوم کا بمعنی خواب۔ رب فرماتا ہے انی اری فی المنام انی اذبحک حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہاں منام سے مراد ہے آنکھیں۔ کیونکہ وہ نیند کی جگہ ہیں۔ منام اسم ظرف ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداری میں یہ دیکھا تھا۔ (معانی۔ خازن کبیر) اس لئے بیداری کو منام کہا جاتا ہے کہ نیند بیداری کی حالت میں آتی ہے۔ (معانی) مگر پہلی تفسیر قوی کہ یہاں بمعنی خواب ہے۔ قلیلا یا تو یریک کا تیسرا مفعول ہے یا ھم کا حال۔ یعنی اے محبوب وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خواب میں کفار کی تعداد بہت تھوڑی دکھائی۔ حضور انور ﷺ نے یہ خواب دیکھ کر غازیان بدر سے فرمایا اس سے مومنوں کے دل بہت قوی ہوگئے۔ بولے کہ حضور ﷺ کا خواب غلط نہیں

ہو سکتا۔ کفار تھوڑے ہی ہوں گے۔ خیال رہے کہ یا تو کفار کی کمزوری کم ہمتی حضور ﷺ کو کم تعداد کی شکل میں دکھائی گئی۔ جیسے یوسف علیہ السلام کو گیارہ بھائی تاروں کی شکل میں اور ماں باپ چاند سورج کی شکل میں دکھائے گئے۔ یا بادشاہ مصر کو قحط سال کے سات سال بالیوں کی شکل میں خواب میں دکھائے گئے۔ یا حضور ﷺ کو وہ کفار خواب میں دکھائے گئے۔ جو کافر مرنے والے تھے۔ واقعی وہ تو بہت تھوڑے تھے کہ اکثر کفار بدر آخر مسلمان ہو گئے۔ (معانی۔ بیان خزائن العرفان وغیرہ) لہٰذا حضور کا خواب بالکل صحیح تھا۔ ولو اراکھم کثیرا لفشلتم ولتنازعتم فی الامر۔ اس فرمان عالی میں اس خواب کی حکمت کا ذکر ہے اس میں خطاب غازیان بدر سے ہے یعنی اے غازیو اگر رب تعالیٰ اپنے محبوب کے ذریعہ تم کو کفار کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو اس کے دو خطرناک نتیجے ہوتے ایک تمہارا ہمت ہار جانا اور جہاد کے لئے جرأت نہ کرنا۔ دوسرے تمہارا جہاد سے پہلے ہی آپس میں اختلاف کر بیٹھنا کہ کوئی قرار کی رائے دیتا کوئی فرار کی۔ کوئی کہتا کہ ڈٹ جاؤ۔ تھوڑی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں۔ کوئی کہتا کہ اس حالت میں کفار سے لڑنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ لہٰذا مدینہ منورہ واپس چلو اور جہاد کے وقت مسلمانوں کا آپس میں جھگڑنا شکست کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ فشل کے معنی ہیں بزدلی۔ اور تنازع بنا ہے نزع سے بمعنی کھینچنا، علیحدہ کرنا۔ جھگڑے میں ہر شخص دوسرے کو اس کی رائے اس کے خیال سے ہٹاتا ہے۔ اس لئے اسے نزاع اور تنازع کہا جاتا ہے۔ ولکن اللہ سلم اس فرمان علی میں رب تعالیٰ کے خاص احسان کا ذکر ہے سلم کا مفعول اور متعلق دونوں پوشیدہ ہیں یعنی اللہ نے تم کو اختلاف رائے اور بزدلی سے اس خواب شریف کی برکت سے محفوظ رکھا۔ نبی کا یہ خواب تمہارے لئے صدہا رحمت کا باعث ہوا۔ انہ علیم بذات الصدور یہ فرمان عالی رب تعالیٰ کی حمد ہے ذات مونث ہے ذو کا صدور جمع ہے۔ صدر بمعنی سینہ مراد ہے۔ دل جو سینہ میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ دل والی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اسے تمہارے دلوں اور مجبوریوں معذوریوں کا پورا پورا علم تھا۔ اس لئے اس کریم و رحیم نے یہ انتظام فرمایا یہاں تک تو اس خواب کا ذکر ہوا جو جہاد بدر سے پہلے حضور انور ﷺ کو دکھایا گیا۔ اب ایک اور رحمت و کرم کا ذکر ہے۔ واذ یریکموھم فی اعینکم قلیلا یہ عبارت معطوف ہے و یریکھم اللہ الخ پر۔ یہاں دکھانے سے مراد ہے بیداری میں دکھانا اور خطاب ہے غازیان بدر سے۔ ھم سے مراد کفار بدر ہیں۔ اعین جمع ہے عین کی بمعنی آنکھ یعنی اے غازیو! وہ نعمت بھی یاد رکھو جب کہ رب تعالیٰ نے تم کو بحالت بیداری تمہاری نظروں میں کفار کی تعداد بہت تھوڑی دکھائی۔ حتیٰ کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے صف جہاد میں کھڑے ہوئے کفار کی صفوں کو دیکھ کر اپنے برابر والے غازی سے کہا کہ کفار غالباً ستر ہوں گے اس نے کہا حد درجہ ایک سو ہوں گے۔ (عام تفاسیر) خیال رہے کہ جیسے رب تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ بھینگے کو ایک کو دو دکھا دے بلکہ ایک کو آٹھ دس دکھا دے ایسے ہی وہ اس پر قادر ہے کہ دو بلکہ دس بیس دکھا دے کہ بعض نظر آئیں بعض نہ آئیں۔ مسلمانوں کو کفار کی تعداد کم نظر آنا اللہ کی ان پر رحمت تھی۔ ویقللکم فی اعینھم یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے اس میں جنگ بدر کی ابتداء کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین و کفار کی نظر میں غازیوں کی تعداد تھوڑی دکھائی حتیٰ کہ ابو جہل اس وقت اپنی صفوف میں اپنے ساتھیوں سے بولا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی کلہ جزور یعنی اونٹ کا کھاجا ہیں

اہل عرب یہ کلمہ کسی چیز کی کمی بیان کرنے کے لئے بولتے تھے۔ پھر بولا کہ ان سے جنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے انہیں تو ویسے ہی رسیوں سے باندھ لو یعنی ان سے جنگ ہماری توہین ہے پھر بولا کہ اب لگے ہاتھوں مسلمانوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جڑ سے ہی اکھیڑ دو (تفسیر خازن، معانی، روح البیان وغیرہ) مگر جب جنگ شروع ہوگئی تو کفار کو یہ مسلمان اپنے سے کہیں زیادہ نظر آنے لگے۔ یا اس طرح کہ انہیں وہ فرشتے بھی دکھائی دیئے جو مسلمانوں کی مدد کے لئے اترے یا یہ مسلمان ہی بہت زیادہ محسوس ہوئے۔ یہ رب تعالیٰ کا کفار پر عذاب تھا۔ اگرچہ پہلے ہی کفار مسلمانوں کو اپنے سے زیادہ اور طاقتور دیکھ لیتے تو شاید جنگ کی ہمت نہ کرتے اور منشاء الٰہی پورا نہ ہوتا۔ رب نے اس منشا کا ذکر یوں فرمایا۔ لیقضی اللہ امرا کان مفعولا یعنی یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ رب تعالیٰ اپنے طے شدہ پروگرام کا فیصلہ کردے اسے ظاہر فرمادے جو ہونا ہے وہ ہوکر رہے گا۔ کان مفعولا کی تحقیق ابھی پچھلی آیت کی تفسیر میں عرض کی گئی۔

خلاصہ تفسیر: غزوہ بدر کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزات ظاہر فرمائے جن سے غازیوں کی بڑی ہی ہمت افزائی ہوئی ایک یہ کہ جنگ سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں کفار بدر کو بہت تھوڑی تعداد میں دیکھا۔ حضور انور نے یہ خواب غازیوں سے بیان فرمائی۔ مسلمان خوش ہوکر بولے کہ نبی ﷺ کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے وہ بہت تھوڑے ہی ہیں۔ اس سے غازیوں کی ہمت خوب بڑھ گئی۔ دوسرے یہ کہ جنگ کا وقت آیا اور دو طرفہ صفیں آراستہ ہوئیں تو مسلمانوں کو بھی کفار بہت ہی کم محسوس ہوئے حتیٰ کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود نے اندازہ لگایا کہ وہ کل ستر ہیں۔ بعض نے بہت بڑا اندازہ لگایا کہ ایک سو ہیں۔ حالانکہ وہ ایک ہزار تھے اور غازی بولے کہ دیکھو لو حضور ﷺ کا خواب برحق ہوا۔ اور ان کے حوصلے اور بلند ہوگئے۔ تیسرے یہ کہ اس وقت کفار کو بھی مسلمانوں کی تعداد بہت کم محسوس ہوئی حتیٰ کہ ابوجہل بولا کہ اس مٹھی بھر لشکر سے لڑنا کیا۔ اسے تو یوں ہی رسیوں سے باندھ کر مکہ لے چلو۔ اس پر کفار جنگ کی ہمت کرکے مقابلہ میں آگئے۔ جب جنگ چھڑ گئی تو یہ مسلمانوں کو بہت زیادہ نظر آنے لگے۔ جس سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی مگر اب کیا ہوتا ہے۔ جنگ چھڑ چکی تھی۔ اس آیت کریمہ میں اس واقعہ کا یہاں ذکر ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب یہ واقعہ بھی یاد فرماؤ یا یاد رکھو یا لوگوں کو یاد دلاؤ۔ جبکہ جنگ سے پہلے رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خواب میں کفار کی تعداد بہت تھوڑی دکھائی۔ آپ ﷺ نے غازیوں سے یہ خواب بیان کی تو ان کی ہمتیں بلند ہوگئیں۔ اگر ہم آپ ﷺ کے ذریعہ ان کی کثرت غازیوں کو ظاہر کر دیتے تو ان غریبوں کے حوصلے پست ہوجاتے اور یہ آپس میں اختلاف کر بیٹھتے کہ غزوہ کریں یا نہ کریں، ان کا اس نازک وقت میں یہ اختلاف تباہ کن ہوتا۔ ہم تو دلوں کا حال جانتے ہیں۔ رب نے اپنے محبوب کی خواب کے ذریعہ سے تم کو ان بلاؤں سے بچالیا اور اے غازیان بدر تم ہمارا وہ کرم یاد رکھو کہ عین جنگ کی صفیں بنتے وقت ہم نے تم کو کفار کی تعداد تھوڑی دکھائی تاکہ تم دلیر ہوجاؤ۔ ادھر کفار کو تمہاری تعداد تھوڑی دکھائی تاکہ وہ میدان سے بھاگ نہ جائیں۔ تم دونوں میں جنگ ہو اور ہمارا فیصلہ شدہ کام ظاہر ہوکر رہے۔ خیال رکھو کہ فتح و نصرت بلکہ ساری چیزوں کا رجوع رب کی طرف ہے لہٰذا ہمیشہ اس پر توکل کرو۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔
پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب شریف بھی مومنین کے لئے مشکل کشا و دافع بلا ہے کہ فتح بدر کا سہرا حضور ﷺ کے اس خواب شریف پر ہے۔ جس کا خواب دافع بلا ہو تو وہ خود خواب والا کیسی شان والا ہوگا۔ یہ فائدہ اذیریکھم اللہ الخ سے حاصل ہوا۔ شعر

تمہیں شافع بنایا تمہیں دافع بنایا تمہیں قاسم عطا یا کوئی تم سا کون آیا

اس لئے رب نے یہ خواب حضور انور کو دکھایا۔ غازیوں کو نہ دکھایا۔
دوسرا فائدہ: حضرت انبیاء خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب رب کی طرف سے ہوتا ہے وہاں شیطان کو دخل نہیں۔ گویا وہ بھی وحی الٰہی ہے۔ جس پر شرعی احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ یہ فائدہ یریکھم اللہ سے حاصل ہوا کہ خواب دکھانے والا رب تعالیٰ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب دیکھ کر ذبح فرزند پر آمادہ ہوگئے۔
تیسرا فائدہ: ہمیشہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے۔ وہاں غلطی کا احتمال ہی نہیں۔ دیکھو حضور انور ﷺ نے تین گنا کفار کو تہائی دیکھا واقعی اصل کافر تہائی ہی تھے۔ باقی سارے مسلمان ہوئے۔ یہ فائدہ قلیلا سے حاصل ہوا۔
چوتھا فائدہ: بحالت جنگ کفار کا دباؤ بڑھ جانے پر جنگ کی ہمت نہ کرنا گناہ نہیں۔ اس کی اجازت ہے۔ ہاں بہتر یہ ہے کہ ایسی حالت میں جان دے دے مگر جنگ سے نہ ہٹے۔
پانچواں فائدہ: نبی سے اختلاف رائے جرم نہیں نہ اس پر عتاب ہو یا یہ فائدہ ولتنازعتم سے حاصل ہوا کہ اسے بھی رب نے بغیر عتاب بیان فرمایا۔ فرشتوں نے رب تعالیٰ سے اختلاف رائے کیا کہ عرض کیا اتجعل فیھا من یفسد (الخ) حضور انور ﷺ کی رائے تھی کہ جنگ احد مدینہ منورہ میں رہ کر مدافعانہ کی جاوے مگر کثرت رائے یہ ہوئی کہ باہر نکل کر کی جاوے حضور انور ﷺ نے ان کی رائے کا احترام کیا۔
چھٹا فائدہ: مجتہدین کا اختلاف اچھا ہے، برا نہیں اس میں کوئی مجتہد گنہگار نہیں ہوتا یہ فائدہ بھی لتنازعتم سے حاصل ہوا! دیکھو اگر غازیان بدر میں جنگ کرنے نہ کرنے میں اختلاف ہوتا تو جنگ کی رائے دینے والے اس آیت سے دلیل پکڑتے من فئة قليلة غلبت كثيرة اور مخالفین اس آیت سے دلیل پکڑتے کہ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکة کوئی مجرم نہ ہوتا۔
ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑی دکھادے اور بڑی چیز کو چھوٹی کر کے دکھادے! تمام قوتیں رب کے قبضے میں ہیں یہ فائدہ و یقللکم (الخ) سے حاصل ہوا۔
آٹھواں فائدہ: غازی مسلمان کو چاہئے کہ فتح و نصرت اللہ کی طرف سے سمجھیں، اس کے لئے کوشش و تیاری ضرور کریں مگر اس کے باوجود رب سے بے نیاز نہ ہوں! یہ فائدہ و الی اللہ ترجع الامور سے حاصل ہوا۔ شعر

گر توکل می دوکان کن کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

پہلا اعتراض: نبی کی خواب وحی ہوتی ہے! جس میں غلطی کا امکان نہیں پھر حضور انور ﷺ کی بدر والی خواب غلط کیسے

ہو گئی کہ کفار بدر بہت تھے مگر حضور انور کو کم دکھائے گئے!
جواب: اس کے دو جواب ابھی تفسیر میں گذر گئے کہ خواب شریف بالکل صحیح تھی۔ اس کی تعبیر بالکل درست تھی تعداد کی کمی سے مراد تھی ان کی ہمت و جرات کی کمی یعنی کیفیت کی مقدار کی شکل میں ملاحظہ فرمایا کہ ان کی ہمت سو سو آدمیوں کی سی ہے یہ خواب حقیقت پر مبنی تھی کہ ان ایک ہزار میں کفر پر مرنے والے بہت تھوڑے ہیں ان میں سے بہت لوگ اسلام قبول کریں گے، خواب میں اکثر اشارات ہوتے ہیں۔
دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ بزدل تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے تھے۔ دیکھو ارشاد لفشلتم ولتنازعتم یہ دونوں چیزیں عیب ہیں۔ (شیعہ)
جواب: یہ آیت تو ان دونوں چیزوں کی صحابہ سے نفی کر رہی ہیں۔ کیونکہ لو ثبت شرط و جزاء دونوں کی نفی کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ خواب شریف میں کفار زیادہ دکھائے جاتے تو تم لوگ کم ہمت ہو جاتے اور جھگڑتے یعنی ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ عجب ہے حضرت صحابہ کی بہادری پر وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ بزدل ہیں۔
تیسرا اعتراض: دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت صحابہ نے جاگتے ہوئے بہت کافروں کو کم دیکھا۔ یہ ناممکن ہے۔ سامنے قریب کی چیز بہت سی ہو تو کم کیسے نظر آ سکتی ہے حالانکہ آنکھوں میں کوئی بیماری نہ ہو!
جواب: یہ حکم ربانی حضرت صحابہ کو بعض کفار نظر نہ آئے آج بھی گھبراہٹ میں سامنے کی چیز کچھ نظر آتی ہیں۔ کچھ نہیں آتیں بلکہ بعض دفعہ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ ہماری تمام قوتیں تابع فرمان الٰہی ہیں بعض حالات میں ہماری زبان مزا نہیں محسوس کرتی اور کبھی غلط محسوس کرتی ہے! کڑوی چیز میٹھی معلوم ہوتی ہے اور میٹھی چیز کڑوی اور ہو سکتا ہے کہ حضرات صحابہ کی آنکھوں نے بھی اس دن حقیقت کو دیکھا ہو کہ صرف اشخاص کو! انہیں وہ ہی کافر نظر آئے ہوں جو کفر پر مرنے والے تھے!
چوتھا اعتراض: کسی چیز کو غلط دکھانا دھوکہ بازی ہے یہ رب کی شان کے خلاف ہے پھر رب نے ایسا کیوں کیا!
جواب: دھوکہ بازی نہیں بلکہ مومنوں کی امداد ہے اگر اس ذریعہ سے ان کی ہمت بڑھے اور اور اچھی طرح ہمت سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں! اگر دھوکہ ہی ہو تو بھی جنگ میں دھوکہ جائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے الحرب خدعۃ تاکہ خونریزی کم ہو۔ مگر خیال رکھنا کہ دھوکا، جھوٹ، وعدہ خلافی ان تینوں میں فرق ہے۔ صرف دھوکہ جائز ہے جھوٹ وغیرہ اس وقت بھی حرام ہے۔
پانچواں اعتراض: پھر کفار بدر کو مسلمان پہلے تھوڑے بعد میں زیادہ کیوں نظر آئے۔
جواب: اس لئے کہ انہوں نے اولاً صرف مسلمان غازی دیکھے جو واقعی ان کی تہائی سے بھی کم تھے۔ پھر فرشتے بھی دیکھے جو مسلمان کی مدد کے لئے آئے جن کی تعداد پانچ ہزار تھی۔
چھٹا اعتراض: فرشتے نوری مخلوق ہیں پر کفار کو نظر کیسے آ گئے؟ ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔
جواب: جب وہ اپنی اصلی شکل میں ہوں تو واقعی نظر نہیں آتے مگر جب وہ شکل انسانی میں ہوں تو بخوبی نظر آ سکتے ہیں! بدر

میں فرشتے شکل انسانی میں تھے! گھوڑوں پر سوار! جبہ دستار پہنے، ہتھیار بند۔

تفسیر صوفیانہ: بدر میں کفار کے نور نظر نے غلطی کی بہت تھوڑا دیکھا! یہ غلطی مومنوں کے لئے رحمت تھی! کفار پر عذاب! نور عقل کا بھی یہ ہی حال ہے مومن کا نور عقل حق کو حق دیکھتا ہے!! باطل کو باطل اگر کفار کا نور نظر غلط دیکھتا ہے۔'' کہ دنیا کو جو بہت تھوڑی ہے زیادہ محسوس کرتا ہے! آخرت کو جو بہت زیادہ ہے تھوڑا دیکھتا ہے! یوں ہی اللہ کی نعمتوں کو تھوڑا اس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو بہت زیادہ محسوس کر کے بے صبری ناشکری کرتا ہے۔ مومن دنیا کو حقیر و قلیل دیکھتا ہے! آخرت! کو عظیم و کثیر۔ مومن اپنے گناہوں کو زیادہ اور اپنی نیکیوں کو کم! یوں ہی اللہ کی نعمتوں کو زیادہ اپنی اطاعتوں، شکر گزاریوں کو کم محسوس کرتا ہے! یہ ہے خدا بینی والی عقل! اللہ تعالیٰ وہ نصیب کرے حضور انور ﷺ کی خواب صحابہ کرام کی بیداری کی نگاہ حقیقت پر مبنی تھی۔ اس جگہ تفسیر روح المعانی نے خواب اور نظر نگاہ پر بہت اعلیٰ درجہ کی بحث کی ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے دماغ کی آنکھ کے لئے بعض چیزیں مضر ہیں! جو روشنی کم کرتی ہیں! بعض مفید ہیں جن سے روشنی تیز ہوتی ہے اسی طرح نور قلبی کے لئے بعض چیزیں مضر ہیں جن سے وہ نظر کمزور ہوتی ہے! حسد! لالچ کینہ یہ دل کی روشنی دھندلی کرتے ہیں! جب زور کر جائیں تو دل کو اندھا کر دیتے ہیں والکن تعمی القلوب التی فی الصدور مقبولین خدا کی بارگاہ سے محبت اللہ رسول کی اطاعت آخرت کے امور میں غور۔ یہ وہ سرمہ ہے جس سے قلب کی روشنی تیز ہوتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

سرمہ کن درچشم خاک اولیا تابہ بینی زابتدا تا انتہاء

یہ مقام بہت بلند ہے اللہ تعالیٰ ان مقبولوں کے صدقہ ہم کو چشم حقیقت بین عطا کرے آمین۔''

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

اے لوگو جو ایمان لائے جب ملو تم کسی لشکر سے پس جمے رہو اور ذکر کرو اللہ کا

اے ایمان والو جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کی یاد

كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا

بہت تاکہ تم کامیاب رہو اور فرمانبرداری کرو تم اللہ کی اور اسکے رسول کی

بہت کرو کہ تم مراد کو پہنچو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں

فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ

اور نہ جھگڑا کرو ایک دوسرے سے ورنہ پست ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے ہوا تمہاری اور صبر

جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی اور صبر کرو

الصّٰبِرِیْنَ ﴿۴۶﴾

کرو تحقیق اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے

بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق : پچھلی آیات میں ان غیبی امدادوں کا ذکر ہوا جو خاص طور پر بدر میں غازیوں پر نازل ہوئیں اب ان دو عملوں کا ذکر ہے اگر غازی وہ کرلیا کریں تو ان پر غیبی امداد نازل ہوا کرے۔ جہاد میں ثابت قدمی اور اللہ کا بہت ذکر گویا خصوصی امداد کے بعد عمومی امداد کا وقتی امداد کے بعد دائمی امداد کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق پچھلی آیت میں غازیان بدر سے فرمایا گیا تھا کہ کفار اس وقت بہت تھے مگر تمہیں تھوڑے نظر آئے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی کہ ان کے پاس ذکر اللہ کا ہتھیار نہ تھا جس سے انہیں قلت ذلت اور شکست ہوئی۔ اے مسلمانو! تم ذکر اللہ سے غافل نہ رہنا کہ تم تھوڑے ہو کر بھی بہت ہو۔

تیسرا تعلق پچھلی آیات میں اختلاف اور جھگڑے کا ذکر ہوا تھا کہ اگر ہمارے نبی کی خواب کی مدد نہ ہوتی تو تم آپس میں جھگڑ پڑتے۔ اب ارشاد ہوا ہے کہ آئندہ یہ خواب نہ ہوگی مگر تم بہت احتیاط رکھنا کہ یوں تو کبھی مگر خصوصاً بحالت جہاد آپس میں اختلاف نہ کرنا۔ اللہ رسول کی اطاعت کرنا انشاء اللہ فتح و نصرت تمہارے قدم چومے گی۔

تفسیر یـاایهـا الـذین امنوا یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں مسلمان کو جہاد فی سبیل اللہ کے چار آداب سکھائے۔ ثابت قدمی، ذکر اللہ، اللہ کے رسول کی اطاعت و اتفاق و اتحاد چونکہ جہاد اور جہاد صبر نفس پر بہت دشوار تھا اس لئے اس مضمون کو پیاری ندا سے شروع فرمایا گیا تاکہ اس خطاب کی لذت سے جہاد آسان ہو جاوے۔ نیز ایمان کا ذکر فرما کر یہ بتایا کہ یہاں کفار سے جہاد مراد ہے نہ کہ آپس میں لڑائی بھڑائی کیونکہ مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی مسلمان سے نہ لڑے بھڑے اس کی لڑائی یا کفار سے ہو یا مرتدین سے یا خوارج یا باغیوں سے۔ ان جنگوں کے خلفاء راشدین کی جنگیں نمونہ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جنگیں کفار اور مرتدین سے ہوئیں۔ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی جنگیں صرف کفار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جنگیں باغیوں اور خوارج سے ہوئیں۔ حق یہ ہے کہ اس میں خطاب اگرچہ صحابہ کرام خصوصاً غازیان بدر سے ہے مگر حکم تاقیامت سارے مسلمانوں سے کیونکہ عبارت عام ہے۔ اذا لقیتم فئة یہ عبارت ندا کا مقصود ہے اذا عموم ظرف کے لئے ہے بمعنی جب کبھی لقیم بن ہے لقاء سے اور بزال عموماً جنگ میں دشمن سے بھڑنے کو کہا جاتا ہے۔ (روح المعانی) فئة کے معنی ہیں جماعت۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد اسلام یا سلطان اسلام سے پھر جانے والی جماعت کو فئہ کہا جاتا ہے یہ بنا ہے فاؤت سے بمعنی قطعت فیہ کٹ جانے والی جماعت۔ اسلام سے کٹ جانے والی شیطان سے فاثبتوا۔ یہ جہاد کا پہلا ادب ہے۔ یہ بنا ہے ثبات سے بمعنی جم جانا ثابت قدم رہنا پیٹھ نہ پھیرنا۔ خیال رہے کہ کفار کا دباؤ بڑھ

جانے پر ان کے مقابلہ سے ہٹ کر اپنی فوج سے مل جانا یا امیر لشکر کے پاس پہنچ جانا بھی ثابت قدمی کی ایک صورت ہے لہذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں اور متحرفا لقتال۔ یہاں دشمن کے مقابلہ سے بزدل ہو کر بھاگ جانا مراد ہے (دیکھو خازن کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ جب اپنی فتح کی امید ہو تو تب تو ثابت قدمی فرض ہے۔ مقابلہ سے ہٹنا گناہ کبیرہ جسے حدیث شریف میں تولی یوم الزحف فرمایا گیا ہے اور جب حالت ایسی خطرناک ہو جاوے کہ معاذ اللہ اپنی شکست اور یہاں ٹھہرنے سے موت یقینی ہو تو ڈٹا رہنا مستحب ہے۔ بہت ہی ثواب کا باعث۔ یہ مسائل کتب فقہ میں دیکھو۔ واذکروا اللہ کثیرا یہ جہاد کا دوسرا ادب ہے یعنی اس وقت اللہ کا ذکر۔ اس میں گفتگو ہے کہ اس ذکر سے کیا مراد ہے یا نعرہ تکبیر لگانا مراد ہے کہ اس سے کفار کے دل میں ہیبت پیدا ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کو جہاد سے پہلے کوئی خاص ذکر بتا دیتے تھے کہ یہ زبان پر جاری رکھو جیسے امت ..... اس سے مومن کی پہچان رہتی تھی کہ گرد و غبار کے اندھیرے میں مومن پہچانا جائے اور مسلمان کے ہاتھوں نہ مارا جائے۔ ابھی ۶۵ء کی جنگ میں پاکستانی فوج نے نعرہ مارا یا علی۔ اس نعرہ کی ہیبت سے بھارتی فوج کا سپاہی رام مر گیا ہیبت کی وجہ سے۔ یہ واقعہ اخبارات میں آیا۔ یا اس سے مراد فتح و نصرت کی دعا جیسے اللھم اقتلھم اللھم اھزمھم یا یہ دعا اللھم ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکفرین یا اس سے مراد دل میں اللہ کا خیال کرنا اور فتح نصرت کی امید کرنا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سارے ہی ذکر مراد ہیں کہ ذکر عام ہے (از روح المعانی و کبیر وغیرہ) غرضکہ جہاد کا نقشہ یہ کہ ہاتھ میں تلوار ہو زبان پر ذکر یار لعلکم تفلحون یہ ان دونوں باتوں کا ظاہر ہے کہ لعل امید کے لئے ہے۔ یعنی اس امید پر یہ دونوں کام کرو۔ کہ کو فلاح و کامیابی حاصل ہو۔ اس فرمان عالی میں اشارۃً یہ بتایا گیا ہے کہ خطرناک حالات پریشانیوں میں اللہ کا ذکر کمال ہے اور کامیابی کا پیش خیمہ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

ولقد ذکرتک و الرماح نواھل	منی و بیض الھند تشرب من دم
فودوت تقبیل السیوف لانھا	برقت کبارق ثغرک المتبسم

(روح المعانی)

میں نے تجھے اس وقت یاد کیا جب نیزے کھچے ہوئے تھے اور ہندی تلواریں میرا خون چوس رہی تھیں یعنی دل چاہتا تھا کہ ان کھچی ہوئی تلواروں کو چوم لوں اس لئے کہ ان کی چمک محبوب کے تبسم کی طرح تھی و اطیعوا اللہ و رسولہ یہ عبارت معطوف ہے۔ اذکروا اللہ پر اس میں جہاد کا تیسرا ادب سکھایا گیا ہے۔ اگرچہ اللہ رسول کی اطاعت ہر وقت ضروری ہے مگر بحالت جہاد بہت ضروری ہے کہ اب موت سامنے ہے۔ خدا کرے ان کی اطاعت میں جان نکلے۔ تو یہ بہترین موت ہے۔ شعر

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے — یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ جہاد اپنی ناموری یا غنیمت حاصل کرنے یا محض ملک گیری کی نیت سے نہ ہو۔ محض اللہ رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے ہو۔ اخلاص مومنوں کی تلواروں کی تیز دھار ہے۔ جس کے سامنے انشاء اللہ کفر نہیں ٹھہر سکتا۔ ولا تنازعوا یہ عبارت معطوف ہے اطیعوا اللہ پر اس میں جہاد کے چوتھے ادب کی تعلیم ہے۔ لڑنا جھگڑنا اگرچہ ہمیشہ ہی برا ہے مگر

بحالت جہاد گناہ بھی ہے اور سخت خطرناک بھی کہ دشمن سامنے ہے۔ وہ تمہارے آپس کے اختلاف و جھگڑوں سے فائدہ اٹھا جاوے گا۔ آج کفار کا قلو ہے کہ لڑاؤ اور فتح پاؤ، راج کرو۔ اس مختصر سے فرمان میں بہت باتیں بتادی گئیں آپس میں سپاہی نہ لڑیں، فوج اپنے سردار سے نہ لڑے نہ جھگڑا کرے اس کا ہر جائز حکم مانے۔ تفشلوا یہ عبارت یا تو لاتنازعوا نہی کا جواب ہے لہٰذا اس سے پہلے ان پوشیدہ ہے یا اس پر معطوف ہے اور جزی حالت میں ہے۔ اس کا مادہ فشل ہے بمعنی بزدلی یعنی ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے یا بزدل نہ بنو یا آپس میں جھگڑو نہیں اس خوف سے کہ بزدل ہو جاؤ کیونکہ جھگڑا اور نااتفاقی بزدلی کا سبب ہے۔ وتذھب ریحکم یہ عبارت معطوف ہے تفشلوا پر ریح کے معنی ہیں ہوا۔ یہاں اس سے مراد ہے شوکت و شان اردو میں عزت و شان قائم ہو جانے کو کہا جاتا ہے فلاں کی ہوا بندھ گئی۔ اس کے برعکس کو کہا جاتا ہے اس کی ہوا اکھڑ گئی۔ یہ بھی محاورہ عرب کا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

اذا ھبت ریاحک فاغتنمھا فان لکل خافقۃ سکون

ولا تغفل عن الاحسان فیھا فما تدری السکون متی یکون

قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد فتح و نصرت کی ہوائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ مجاہدین پر کرم فرماتے ہوئے بھیجتا ہے یا اس سے مراد فتح و نصرت ہے یا مراد ہمت و جرأت یعنی تمہارے آپس کے جھگڑے کا دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ کفار کے دلوں میں تمہاری جو دھاک بیٹھی ہے وہ جاتی رہے گی۔ واصبروا یہ پانچواں حکم ہے صبر اگرچہ ہر وقت ہی ضروری ہے مگر جہاد میں تو بہت ضروری۔ صبر کڑوا ہے مگر اس کا پھل بہت میٹھا۔ صبر کے معانی اس کے اقسام و احکام دوسرے پارے کی تفسیر میں عرض ہو چکے ہیں۔ ان اللہ مع الصبرین یہ صبر کے حکم کی وجہ کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کا فضل صبر والوں کے ساتھ ہے۔ ساتھ ہونے کے معنی اور ہمراہی کی قسمیں رب تعالیٰ کی معیت کی کیا صورت ہے۔ ہم یہ سب باتیں پارہ دوم میں زیر آیت ان اللہ مع الصابرین عرض کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں غازی مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ کے لئے پانچ روحانی ہتھیار عطا فرمائے جن میں سے تین حملہ کرنے کے لئے ہیں اور دو ان کے بچاؤ کے لئے۔ ثابت قدمی، اللہ کا ذکر، اللہ رسول کی اطاعت، یہ کفار پر حملہ کے لئے روحانی ہتھیار ہیں اور اتحاد، تنظیم صبر یہ دونوں دفاعی ہتھیار۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اے مومنو! جب بھی تمہاری مڈھ بھیڑ لشکر کفار یا لشکر اشرار سے ہو تو ان کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو کہ کفار اگر جگہ سے ہٹے تو ہٹے تمہارے قدم نہ ڈگمگائیں اور اس وقت تمہاری زبان پر اللہ کا ذکر بہت ہو کہ جہاد کے دوران نماز کی پابندی ہو عین قتال کے وقت نعرۂ تکبیر نعرۂ رسالت تلاوت قرآن دعاؤں وغیرہ سے تمہاری زبانیں تر ہوں۔ حالت یہ ہو کہ ہاتھ کار ول، دل یار ول، دست بہ کار دل بہ یار۔ اگر تم نے یہ عمل کئے تو امید کرو کہ تم کامیاب ہو گے اس کے ساتھ ہی اللہ رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اس کی اطاعت ہر وقت ہی ضروری ہے مگر جہاد جیسی نازک حالت میں بہت ہی ضروری نیز تمہارا جہاد کسی دنیاوی لالچ سے نہ ہو صرف اللہ رسول کی اطاعت دین کی حمایت کے لئے ہو۔ اس موقع پر تم نہ تو آپس میں لڑو جھگڑو اور نہ تم اپنے حاکم افسر سے لڑو جھگڑو ورنہ تم

بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری بندگی ہوا جاتی رہے گی۔ تمہارا رعب دشمن کے دل سے نکل جاوے گا۔ دشمن تمہارے اختلاف سے فائدہ اٹھائے گا۔ اس وقت میں بہت صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ اللہ کی رحمتیں صبر والوں کے ساتھ ہیں۔ جب وہ تم پر رحمت کرے تو کون ہے جو تمہیں نقصان پہنچائے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ مسلمانوں خصوصاً غازیوں پر بہت ہی مہربان ہے کہ انہیں جنگ کی تدبیریں بتاتا ہے کیونکر نہ ہو کہ یہ امت اگرچہ گنہگار ہے مگر محبوب کی ہے۔ شعر

مجرم ہوں روسیہ ہوں اور لائق سزا ہوں لیکن حبیب کا ہوں مجھ پر عتاب کیسا

دوسرا فائدہ: جہاد صرف مسلمان کر سکتے ہیں۔ کفار کی جنگ کا نام نہیں۔ وہ نرا فساد ہے۔ یہ فائدہ مومنوں کو ندا فرمانے سے حاصل ہوا کہ جب رب نے پہلے ندا دی پھر جہاد کی تدبیریں بتائیں۔

تیسرا فائدہ: جہاد صرف کفار یا اشرار پر ہوگا اگر مسلمان آپس میں لڑیں گے تو وہ جہاد نہیں فساد ہے۔ اس کے یہ احکام نہیں۔ یہ فائدہ وقفہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر مسلمانوں کی آپس کی جنگوں کا یہ حکم ہے کہ **فاصلحوا بینهما** ان میں صلح کراؤ۔

مسئلہ: باغی جماعت سے بھی سلطان اسلام جنگ کرے۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر الله** بغاوت کرنے والی جماعت سے جنگ کرو حتی کہ وہ اس حکم الٰہی کی طرف لوٹ آئے۔

مسئلہ: مگر باغیوں سے جنگ میں وہ سختی نہیں جو کفار سے جہاد میں ہے چنانچہ باغیوں کے قیدی لونڈی غلام نہ بنیں گے۔ ان کا مال غنیمت اس طرح تقسیم نہ ہوگا۔ ان کے بھاگنے کا پیچھا نہ کیا جاوے گا۔ اس کی مثال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ برتاؤ ہے جو انہوں نے جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ کی جماعت اور جنگ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہ کی جماعت سے کیا۔ صفین والوں کے متعلق فرمایا۔ "اخوانا بغوا علینا" یہ ہمارے بھائی ہیں ہم پر بغاوت کر بیٹھے اور حضرت عائشہ صدیقہ کے اونٹ کے پاؤں کاٹے گئے جس سے اونٹ گرا۔ ہودج نیچے آیا تو فوراً خیمہ ڈال دیا۔ مزاج مبارک کی خیریت پوچھی اور بہ احترام سے اپنے شہزادوں کو مدینہ منورہ تک پہنچانے کے لئے ساتھ روانہ کیا۔

راہ حق میں تھی دوڑ بھاگ ان کی شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی

جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ

مسئلہ: مرتدین پر جہاد میں بہت سختی ہے۔ ان سے صلح جزیہ وغیرہ کچھ بھی قبول نہیں۔ ان کے لئے دو ہی صورتیں ہیں۔ قتل یا اسلام۔ ان کے لئے رب فرماتا ہے۔ **تقاتلونهم او یسلمون** اس کی تفسیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ برتاؤ ہے جو آپ نے مسیلمہ کذاب کے معتقدین اور زکوٰۃ کے منکرین سے کیا۔ یہ سب واقعات ان جیسی آیات کی تفسیر میں ہیں۔

چوتھا فائدہ: جنگ کی دعا نہ کرو مگر جب آپڑے تو ڈٹ کر لڑو۔ یہ فائدہ اشارۃً **اذا لقیتم فئة** سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: کبھی دشمن کو حقیر نہ جانو۔ اس کے مقابلہ کی تیاری پوری پوری کرو۔ لڑو تو جم کر لڑو۔ یہ فائدہ اشارۃً فاثبتوا سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل۔

چھٹا فائدہ: اللہ کا ذکر بہترین عبادت ہے۔ یوں تو ہمیشہ ہی کرے، مگر خاص حالات خصوصاً آفات و بلیات میں زیادہ کرے۔ یہ فائدہ واذکروا کثیر اللہ سے حاصل ہوا۔ یہ وہ روحانی ہتھیار ہے جو کفار کے پاس نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ انسان کبھی بھی اپنے دل و زبان کو اللہ کے ذکر سے خالی نہ رکھے۔ اگر کوئی شخص مشرق سے مغرب تک مال کی سخاوت کرتا جاوے۔ دوسرا مغرب سے مشرق تک جہاد کرتا جاوے ان دونوں سے اللہ کا ذکر افضل ہے۔ (تفسیر کبیر)

ساتواں فائدہ: جہاد اللہ رسول کی خوشنودی کے لئے ہو اس میں نام نمود یا دنیوی لالچ کو بالکل دخل نہ ہو۔ یہ فائدہ اطیعوا اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا۔ آج کل مجاہدین کی خوش طبعی کے لئے گانے ناچ اور دوسرے کھیل تماشے کئے جاتے ہیں۔ خود غازی صاحبان اس زمانہ میں نماز کی پروا نہیں کرتے۔ یہ سخت غلطی ہے۔ اس موقع پر نمازوں اور ذکر اللہ کی کثرت چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عین جنگ کی حالت میں نماز کی جماعت بھی نہ چھوڑی۔ نماز خوف پڑھی جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ شعر

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز — قبلہ رو ہو کے کھڑی ہو گئی سب قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے — تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام جیسی نماز ان جیسا جہاد نصیب کرے۔

آٹھواں فائدہ: اللہ رسول کی اطاعت سے قوم میں اتحاد و اتفاق پیدا ہوتا ہے۔ ان کی نافرمانی قومی نااتفاقی کا سبب ہے۔ یہ فائدہ اس سے حاصل ہوا کہ اطاعت کے حکم کے بعد لاتنازعوا ارشاد فرمانے سے۔ آج تنظیم و اتحاد کا ڈھنڈورا پیٹنے والے قوم کو پکا مسلمان بنانے کی کوشش کریں پھر اتحاد کا تماشہ دیکھیں۔

نواں فائدہ: نااتفاقی سے قوم کا رعب جاتا رہتا ہے۔ اتفاق سے قوم کی شوکت و عظمت دشمنوں کے دلوں میں ہیبت پیدا ہوتی ہے۔ یہ فائدہ تذھبوا ریحکم کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ ریح یعنی ہوا سے مراد شوکت و ہیبت ہو۔

دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح کے لئے رحمت کی ہوا بھیجتا ہے جو فتح و نصرت کی بشارت لاتی ہے۔ یہ فائدہ ریحکم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد ہوا ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے پوروا ہوا سے فتح دی گئی اور قوم عاد پچھوا ہوا سے ہلاک کی گئی۔ اس سے غزوۂ خندق کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت نعمان ابن مقرن فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اول دن میں جہاد کرتے تھے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہوتا سورج ڈھلنے کے بعد جہاد فرماتے۔ جب ہوائیں چلتیں رحمت اترتی (ابوداؤد) مولانا فرماتے ہیں۔

جملہ ذرات زمین و آسمان — لشکر حق اندگاہ امتحان

باد را دیدی کہ با عاداں چہ کرد ابر از دیدی کہ با طوفان چہ کرد

زمین و آسمان کا ہر ریزہ رب تعالیٰ کا لشکر ہے۔ سلطان لشکر سلطان کے دوستوں کا استقبال کرتا ہے اور دشمنوں کا استقبال (بربادی) دیکھو قوم عاد ہوا سے قوم نوح پانی سے ہلاک کی گئی۔

گیارھواں فائدہ: صبر ہر حال میں چاہئے۔ اس کے بڑے نفعے ہیں۔ دیکھو تفسیر پارہ دوم۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بحالت جہاد غازی کو ڈٹ جانا چاہئے۔ کسی صورت میں ہٹنا یا بھاگنا نہ چاہئے۔ مگر دوسری آیت میں ہے **ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا** جس سے معلوم ہوا کہ عین جنگ میں دو صورتوں میں مقابلہ سے بھاگ جانا بالکل جائز ہے۔ جنگی تدبیر کے لئے پیچھے ہٹنا یا بچھڑے ہوئے غازی کا اسلامی لشکر سے مل جانے کے لئے۔ یہ آیت اس آیت کے خلاف ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ثابت قدم رہنے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک وہاں سے نہ ہٹنا، دوسرے جنگی چال کے تحت غیر محفوظ مقام سے ہٹ کر محفوظ جگہ پہنچ جانا، وہاں سے جنگ کرنا، تیسرے یہ کہ غازی کسی موقع پر اکیلا رہ جائے اپنی فوج سے کٹ جائے اپنی فوج سے ملنے کے لئے وہاں سے ہٹ جائے۔ یہ آخری دو صورتیں تمہاری پیش کردہ آیت میں مراد ہیں اور پہلی صورت اس آیت میں مذکور ہے۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ پہلی صورت میں پھر تفصیل ہے۔ ایک حالت میں ہٹنا حرام ہے۔ دوسری صورت میں ہٹنا جائز ہے۔ نہ ہٹنا اور وہاں ہی قتل ہونا بہتر۔ (دیکھو تفسیر)

دوسرا اعتراض: تم نے ذکر اللہ کی تفسیر میں نعرہ تکبیر بھی داخل مانا کہ بوقت جہاد نعرہ بھی لگایا جائے مگر حدیث شریف میں ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر صحابہ نے نعرۂ تکبیر لگایا تو حضور انور ﷺ نے اسی وقت سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ تمہاری یہ تفسیر اس حدیث کے خلاف ہے۔

جواب: وہاں حضرات صحابہ نے جہاد میں جاتے وقت راستہ میں نعرہ مارا تھا اور حضور ﷺ کا یہ ارادہ تھا کہ دشمن کو ہمارے آنے کی خبر نہ ہو اور اچانک ان پر جا پڑیں۔ انہیں سنبھلنے کا موقع نہ دیں۔ بغیر خون خرابہ کے خیبر فتح ہو جائے۔ اس وقت نعرہ مارنا مصلحت کے خلاف تھا اس لئے منع فرمادیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر نعرہ مارنا مصلحت کے خلاف ہو تو خفیہ ذکر کریں اور مفید ہو تو نعرہ لگائیں کبھی نعرہ سے دشمن کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں دل دہل جاتے ہیں لہٰذا اذکروا اللہ کا اطلاق بالکل درست ہے۔

تیسرا اعتراض: تم نے تفسیر میں کہا کہ یہ آیت تاقیامت مسلمانوں کے لئے ہے مگر اطیعوا اللہ ورسولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف صحابہ کرام کے لئے ہے کیونکہ انہیں میں حضور انور ﷺ ہوتے تھے۔ انہیں کو جہاد کے احکام دیتے تھے، وہ ہی ان احکام کی اطاعت کرتے تھے۔

جواب: اللہ رسول کی براہ راست اطاعت واقعی ان حضرات ہی کو میسر تھی۔ اگر بالواسطہ اطاعت تاقیامت مسلمانوں کو میسر ہے۔ عالم، شیخ، امیر کی اطاعت حضور ﷺ ہی کی اطاعت ہے۔ فرماتے ہیں **من یطع الامیر فقد اطاعنی** جس نے اپنے حاکم مومن کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اب غزوہ میں سے اپنے سپہ سالار امیر جیش کی اطاعت کرنی چاہئے اب

بھی فوج کو حکم ماننا بہر حال ضروری ہوتا ہے ورنہ انتظام نہیں رہ سکتا۔

تفسیر صوفیانہ: مومن کا جہاد فئۃ کافرۃ یا فئۃ باغیۃ پر ہوتا ہے۔ فئۃ کافرہ باغیۃ دو طرح کی ہے۔ ظاہری اور باطنی۔ ظاہری پر ظاہری جہاد تلوار والا ہوتا ہے مگر باطنہ ہمارا نفس امارہ۔ اس کے مددگار ہیں اس آیت کریمہ میں اشارۃً فئۃ کافرۃ باطنیۃ یعنی نفس امارہ پر جہاد کا طریقہ بتایا جارہا ہے کہ اس جہاد کرنے کے لئے تم چار ہتھیار استعمال کرو۔ پہلا ہتھیار، دین پر سنت رسول پر ثابت قدمی کہ مرتے وقت تک سنت رسول کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ نفس امارہ اس ہتھیار سے زیر ہوتا ہے۔ دوسرا ہتھیار ہے اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا خواہ زبانی ذکر ہو یا جنانی۔ یعنی پاس انفاس یا روحانی یعنی سلطان الاذکار کہ ہر رونگٹا اللہ کا ذاکر ہو۔ لیکن زبانی ذکر حضور قلبی کے ساتھ چاہئے۔ خصوصاً متبرک راتوں متبرک دن اور متبرک ساعتوں میں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فجر کی نماز مسجد میں باجماعت ادا کرے پھر اس جگہ ذکر اللہ میں مشغول رہے۔ اشراق کے نفل پڑھ کر وہاں سے نکلے تو اسے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ فرمایا تامہ تامہ تامہ پورے کا پورے کا پورے کا۔ بعض صوفیاء کے نزدیک ذکر خفی سے ذکر جلی یعنی زبانی ذکر افضل ہے کہ اس کی تحریر کاتبین اعمال فرشتے کرتے ہیں۔ اس میں عمل زیادہ ہے اس سے دوسروں کو ذکر کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاد افضل چیز ہے۔ اس لئے جہاد کا غبار اور دوزخ کا دھواں ایک جسم پر جمع نہ ہوگا مگر جہاد کفار جہاد اصغر ہے اور جہاد نفس نابکار جہاد اکبر۔ اس لئے اس جہاد کا مقتول شہید ہوتا ہے اور جہاد نفس کا مقتول صدیق۔ ظاہر ہے کہ صدیق شہید سے بہتر ہے۔ جہاد کی کامیابی تین چیزوں پر موقوف ہے۔ ثابت قدمی، رب تعالیٰ کی بہت یاد، دل کا اخلاص ہے کہ اس میں ملک گیری کی نیت نہ ہو نا غنیمت حاصل کرنے کی رب تعالیٰ نصیب کرے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ
اور نہ ہو تم مثل ان لوگوں کے جو نکلے گھروں اپنے سے اکڑتے ہوئے اور دکھلاوے
اور ان جیسے نہ ہونا جو اپنے گھر سے نکلے اتراتے اور لوگوں کے دکھانے کو
النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ
کیلئے لوگوں کو اور روکتے ہوئے راستے سے اللہ کے اور اللہ اسکو جو وہ عمل
اور اللہ کی راہ سے روکتے ۔ اور ان سب کے کام اللہ کے
مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾
کرتے ہیں گھیرے ہے
قابو میں ہیں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ان جسمانی عیوب کا تھا جن سے غازیوں کو بچانا چاہئے اب جناتی روحانی عیوب کا ذکر ہوا کہ وہ اللہ رسول کی اطاعت کے لئے جہاد کرتا ہے لہٰذا وہ غازی۔ اب کفار کے مقصد کا ذکر ہے کہ وہ جو مومن خصوصاً غازی کے لئے زہر قاتل ہیں یعنی فخر تکبر ریاکاری۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں مومن کے جہاد کا ذکر ہے کہ وہ لڑتا ہے فخر ریاکاری اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے لہٰذا وہ نرا فسادی ہے تاکہ مومن اس کی نیت سے بچیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ اپنے پیارے بندوں صابرین کے ساتھ ہے۔ اب ان کے مقابل بے صبروں شیخی خوروں کا ذکر ہے جن کے ساتھ بجائے خدا کی رحمت کے خدا کا غضب ہے۔ اے مسلمانو خیال رکھو کہ تم کو ان سے بچنا ہے۔

شانِ نزول: جب کفار مکہ ابوجہل کی سرکردگی میں ابوسفیان کے قافلہ کی حفاظت کے ارادہ سے روانہ ہوئے مقام جحفہ میں پہنچے تو ابوجہل کو دو قاصد ملے۔ ایک قاصد ابوسفیان کا۔ اس نے کہا کہ ابوسفیان مع قافلہ بخیریت تمام مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ اب تمہارے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں واپس مکہ آجاؤ، ہمارا منشاء پورا ہو گیا۔ دوسرا قاصد خفاف کنانی کا جو ابوجہل کا گہرا دوست تھا۔ اس نے بہت بڑے تحفے اپنے بیٹے کے ہمراہ بھیجے اور پیغام بھیجا کہ تم کو ہماری مدد کی ضرورت پڑے تو ہم بہت بڑی فوجی امداد ہتھیار وغیرہ سب کو حاضر کریں۔ ابوجہل نے دوسرے قاصد کو تو جواب دیا کہ ہم لوگ بہت ہیں۔ ہمارے پاس سامان بہت ہے۔ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے نپٹ لیں گے (کبیر) اور ابوسفیان کے قاصد کو جواب دیا کہ ہم بہادر لوگ ہیں بدر میں جا کر دم لیں گے کیونکہ آج کل وہاں میلا لگا ہے سارے عرب کے لوگ جمع ہیں وہاں اپنی بہادری دکھائیں گے مسلمان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ پھر یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد وہاں شرابیں پئیں گے کباب کھائیں گے۔ رنڈیاں ہمارے ساتھ ہیں انہیں نچا کر جشن منائیں گے۔ اے ابوسفیان تم بھی مع قافلہ کے یہاں پہنچو یہ نظارہ قابل دید ہوگا۔ یہاں عیش کے سارے سامان جمع ہیں۔ الحمد للہ کہ اس موذی نے بجائے شراب کے اپنا خون پیا۔ رنڈیوں کے گانے کی بجائے ان پر پیٹنے والیاں روئیں۔ اللہ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خدام کا بول بالا کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کا بول بالا کرے۔ (خازن، روح البیان، معانی، مدارک، بیضاوی وغیرہ) اس واقعہ کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو تکبر و غرور سے روکا گیا۔

تفسیر: ولا تکونوا قوی یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے جس میں واؤ ابتدائیہ ہے اور ہو سکتا ہے یہ فرمان عالی معطوف ہو ولا تنازعوا (الخ) پر اور واؤ عاطفہ اس میں خطاب تاقیامت غازی مومنوں سے ہے اور ولا تکونوا کی ممانعت دائمی ہے یعنی غازی مسلمانو! جہاد میں نہ تو آپس میں لڑو جھگڑو اور نہ ان متکبرین کی طرح ہوؤ کہ اگر اس کا نزول خاص موقع پر ہوا مگر الفاظ عام ہیں۔ کالذین خرجوا من دیارھم اگر لا تکونوا تامہ ہے تو یہ عبارت اس کے متعلق ہے اور اگر ناقصہ ہے تو یہ

عبارت اس کی خبر سے الذین سے مراد کفار مکہ ہیں جو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بدر روانہ ہوئے۔ خرجوا فرما کر یہ بتایا کہ یہ لوگ گھروں سے نکلتے وقت ہی متکبر تھے۔ دیار جمع دار ہے دار کے معنی گھر۔ دیار بمعنی گھروں عرف میں دیار بمعنی شہر ملک ملک وطن بھی آتا ہے۔ یہاں لغوی معنی میں ہے۔ بطرا و رئآء الناس یہ دونوں یا خرجوا کا مفعول ہیں تب تو اپنے معنی میں ہیں یا خرجوا کے فاعل سے حال تو یہ دونوں اسم فاعل کے معنی میں ہیں یعنی وہ نکلے اتراتے اور دکھلاوے کے لئے یا اتراتے اور دکھلاوا کرتے ہوئے۔ بطر کے معنی ہیں طغیان فی النعمة یعنی اللہ کی نعمتیں پا کر سرکش ہونا۔ نعمتوں کو رب کی مخالفت میں خرچ کرنا یعنی فخر سے اترانا اور تکبر کرنا۔ ریاء الناس میں اشارہ ابو جہل کے اس قول کی طرف ہے جو اس نے کہا تھا کہ آج کل بدر میں سالانہ میلا لگا ہے ہماری بہادری سارے عرب والے دیکھیں گے اور ہماری دھاک سارے عرب کے دلوں پر بیٹھ جاوے گی۔ بدر میں سالانہ میلا لگا کرتا تھا۔ ۲ ہجری رمضان وہاں میلا لگا ہوا تھا۔ (کبیر وغیرہ) و یصدون عن سبیل الله یہ عبارت معطوف ہے بطراً پر اور یا تیسرا مفعول ہے۔ خرجوا کا تب بمعنی اسم فاعل ہے یعنی صادین یا تیسرا حال ہے کہ بطر اور ریا دونوں اسم مضارع کے معنی میں ہو کر حال تھے چونکہ پہلے ان میں دو عیب اترانا اور ریاکاری دائمی تھے اس لئے انہیں مضارع کے صیغہ سے استعمال نہیں کیا اور اللہ کی راہ سے روکنا ہمیشہ صادر نہیں ہوتا تھا بلکہ جب سے حضور ﷺ نے اعلان نبوت کیا تب سے وہ یہ جرم کرنے لگے اس لئے اسے مضارع استمراری سے بیان کیا جیسے کلبھم باسط ذراعیه بالوصید میں کتے کی دائمی حالت بیان فرمائی گئی اور قل من یرزقکم میں رب تعالیٰ کا ان کو رزق دینا رہنا بیان ہوا لہذا مضارع ارشاد ہوا (کبیر) ایسی صورت میں مضارع معطوف ہو سکتا ہے اسم پر چونکہ کفار کے منشا اس جنگ سے دو تھے ایک تو مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنا دوسرے بقیہ عرب کو اسلام سے روکنا کہ ہماری شوکت مسلمانوں کی بے بسی دیکھ کر لوگ مسلمان رہنے سے گھبرا جائیں اس لئے یصدون عن سبیل الله ارشاد ہوا کہ و الله بما یعملون محیط یہ نیا جملہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے سارے دلی بدنی کھلے چھپے ارادے اور نیتیں گھیرے میں لئے ہوئے ہے کہ اس کا علم اور قدر اعمال و عاملین اللہ کے علم و قدرت کے گھیرے میں ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے غازی مسلمانو! تم جہاد میں نہ تو آپس میں لڑنا جھگڑنا اور نہ ان کفار مکہ ابو جہل وغیرہ کی طرح ہونا جو بدر کی طرف اپنے گھروں سے اتراتے اکڑتے فخر تکبر کرتے مسلمان کو اسلام سے پھیرتے لوگوں کو اسلام سے روکتے ہوئے روانہ ہوئے۔ تم نے ان کا انجام دیکھ لیا کہ ان کی چوٹی کے ستر سردار مارے گئے اور ستر سردار قید ہوئے۔ انہوں نے بدر میں شرابیں نہ پئیں بلکہ اپنے خون کے پیالے پئے ان کے سامنے رنڈیوں نے گایا شور مچایا نہیں بلکہ ان کی نعشوں پر ان کی عورتوں نے رویا پیٹا۔ ان کی نعشیں خاک و خون میں لوٹیں۔ ان واقعات سے عبرت پکڑو تم جہاد میں عجز و انکسار اللہ کا ذکر آنکھوں میں آنسو دل میں خشوع و خضوع لے کر حاضر ہوا کرو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مومن خصوصاً غازی کو چاہئے کہ کفار کے طریقے سے بھی دور بھاگے۔ یہ فائدہ لا تکونوا کالذین فرمانے

سے حاصل ہوا کہ یہاں یہ نہ فرمایا کہ تم اتراؤ نہیں بلکہ فرمایا کہ تم اترانے والوں کی طرح بھی نہ ہو۔

دوسرا فائدہ: تمام عبادات خصوصاً جہاد کے وقت اپنی عجز و انکساری پر بھروسہ نہ کرنا۔ رب کے کرم پر بھروسہ کرنا مومن کا وہ ہتھیار ہے جس کے سامنے کفار تو کیا شیطان بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ فخر تکبر ذلت کا پیش خیمہ ہے۔

مسئلہ: ہمیشہ خصوصاً جہاد میں کفار کو ذلیل و کمزور سمجھنا ایمانی قوت اپنے کو قوی جاننا عبادات ہے جو اپنے کو کمزور سمجھ کر میدان میں آئے گا مار کھا جائے گا۔ حضرت علی جب میدان جہاد میں آتے تو کفار کو للکارتے۔ شعر

ان الذی سمتنی امی حیدر

یہ بہادری ہے۔ بہادری اور تکبر و غرور میں فرق ہے۔ اللہ کی نعمت پر خوشی شکر ہے۔ **فبذالک فلیفرحوا** اپنے کمال پر فخر و اکڑ کی خوشی تکبر ہے۔ **لاتفرح ان اللہ لا یحب الفرحین۔**

تیسرا فائدہ: کوئی نیکی لوگوں کو دکھلانے انہیں خوش کرنے کے لئے کرنا ریاکاری ہے جس سے ثواب یا کم ہو جاتا ہے یا بالکل جاتا رہتا ہے مگر حضور انور ﷺ کو دکھانے انہیں راضی کرنے کے لئے کرنا عین اخلاص ہے اور کمال خشوع جس سے اس عمل کی قیمت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ رب فرماتا ہے **واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ** یہ فائدہ **رئاء الناس** میں **الناس** کی قید لگانے سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: اگر کسی نیکی کا اعلان اس لئے کیا جاوے کہ دوسرے بھی یہ کریں تو وہ ریا نہیں بلکہ تبلیغ ہے۔ اگر اپنی ناموری کے لئے اعلان کرے تو ریاء جو شرک اصغر ہے یہ مسئلہ بھی **رئاء الناس** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ **ان تبدوا الصدقات فنعما ھی۔**

چوتھا فائدہ: ایک ہی میدان میں مومن و کافر جنگ کرتے ہیں مگر مومن اللہ رسول کا نام بلند کرنے کو اور کافر ان کا بند کرنے کو اور بند میں صرف لام کا فرق ہے مگر اس فرق سے مومن کی جنگ جہاد ہے کافر کی جنگ فساد۔

نکتہ: بلند اور بند میں صرف لام کا فرق ہے اور لام کے عدد ہیں تیس۔ قرآن مجید کے سپارے بھی تیس ہیں۔ انشاء اللہ بلند کرنے والوں کو پورے قرآن یعنی تیس پاروں کا فیضان حاصل ہے اور بند کرنے والے قرآن کے فیض سے یکسر محروم ہیں۔ اب پڑھو۔ **ویصدون عن سبیل اللہ** نکتہ بلند اور بلند کا یہ ہی فرق تقریروں جلسوں مدرسوں اور تصنیفات میں بھی ہے جو تقریر تحریر تصنیف تالیف اللہ رسول کا ذکر بند کرنے کے لئے ہو وہ کفار بدر کے جنگ کی طرح محض فساد ہے اور جو تصنیف تحریر تقریر مدرسہ جلسہ اس کا نام بلند کرنے کے لئے وہ بدر کے جہاد کی طرح عبادت ہے۔

پانچواں فائدہ: ریاکاری، اترانا، اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنا یہ وہ بدعملی ہے جس کی سزا کفار کو بھی ملے گی خواہ دنیا میں بھی یا آخرت میں۔ دنیا میں بعض کو آخرت میں سب کو۔ یہ فائدہ **بما یعملون محیط** سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: مومن کو چاہئے کہ اولیاء صالحین کاملین متبولین کے نیک اعمال میں بھی غور کرے۔ ان کی اتباع کرنے کے لئے۔ اور کفار و مشرکین کی بدعملیوں میں غور تامل کرے ان سے بچنے کے لئے یہ فائدہ اس پورے واقعہ سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: ہر انسان اور اس کا ہر اچھا برا کام اللہ تعالیٰ کے علم قدرت کے گھیرے میں ہے۔ وہ گھیرے ہوئے ہے اور ہم گھرے۔ لہٰذا اس سے کوئی کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ اس کے غضب سے بچنے کے لئے صرف ایک صورت ہے۔ توبہ اور بعد میں اس کی اطاعت۔

پہلا اعتراض: یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی۔ **لاتکونوا کالذین** (الخ) صرف یہ ہی کہہ دیا جاتا کہ فخر وریا نہ کرو۔

جواب: اس طرح ارشاد فرمانے میں ممانعت کا خوب مبالغہ ہوگا یعنی غرور وریاء کرنا تو کیا معنی تم متکبرین اور ریاکاروں کی طرح بھی نہ ہو۔ جیسے ارشاد باری ہے **لاتقربوا الزنا** یعنی زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یا فرمان الٰہی **ولا تقربا من هذه الشجرة** نیز اس میں اشارۃً بتلایا گیا ہے کہ تم لباس وضع قطع احوال افعال متکبرین کے سے اختیار نہ کرو۔

دوسرا اعتراض: یہاں بطرا ارشاد ہوا فخر کیوں نہ فرمایا۔ بطر فخر نفاق میں کیا فرق ہے۔

جواب: بطر میں نعمتوں کا انکار قولی یا عملی اور نعمتوں کا بری جگہ برتنا شرط ہے۔ فخر میں یہ بات نہیں۔ نیز بطر میں عمل کا لحاظ ہے اور نفاق میں عقیدے کا لحاظ یعنی برے کام چھپا کر اچھے کام ظاہر کرنا بطر ہے۔ برے عقیدے چھپا کر اچھے عقیدے ظاہر کرنا نفاق ہے۔ بطر کے متعلق ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ریاء یعنی لوگوں کو دکھانا برا ہے مگر اسلام میں بہت نیکیوں کا اعلان ضروری ہے۔ پنجگانہ نماز، جمعہ، عیدین، اعلانیہ جماعت سے پڑھو۔ حج کو اعلانیہ جاؤ لبیک لبیک کا شور کرتے۔ یہ اعلان برا کیوں نہ ہوا۔

جواب: اعلان اور ریاء میں فرق ہے۔ ریاء یہ ہے کہ نیکی کی جائے، لوگوں کو خوش کرنے اور ان میں اپنی ناموری حاصل کرنے کے لئے۔ یہ برا ہے۔ عبادت کا اعلان کبھی تبلیغ کے لئے بھی ہوتا ہے اور کہ دوسروں کو اس کام پر رغبت ہو۔

چوتھا اعتراض: نحوی قاعدہ سے یصدون معطوف نہیں ہوسکتا بطر پر کیونکہ یصدون جملہ فعلیہ ہے اور بطرا مصدر۔ فعل کا عطف فعل پر ہوسکتا ہے نہ کہ مفرد پر۔

جواب: قرآن مجید قانون نحوی کا پابند نہیں بلکہ قوانین قرآن کے پابند ہیں۔ مذکورہ نحوی قانون تب ہے جب کہ اس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ یہاں اس فرق میں فائدہ عظیم ہے۔ بطرا، رباء کا مصدر ہونے اور یصدون کا فعل مضارع ہونے میں وہ فوائد ہیں جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کئے۔

تفسیر صوفیانہ: نفس کے عیوب انسان کی نیکیوں کو برائیوں میں تبدیل کردیتے ہیں۔ اترانا۔ ریا یعنی نام ونمود کی نیت سے لوگوں کو راہ خدا سے روکنے کا ارادہ یہ وہ نفسانی برائیاں ہیں جن سے ہر نیکی بدی بن جاتی ہے۔ اخلاص وہ نفسانی صفت ہے جس سے گناہ نیکی بن جاتی ہے۔ انکسار والے کا گناہ اخلاص سے قریب ہے۔ فخر وتکبر والا نیکی اخلاص سے دور ہے۔ (تفسیر کبیر) ریا دو قسم کی ہے۔ ریاء فی العمل اور ریاء فی تحسین العمل۔ ریاء فی العمل یہ ہے کہ انسان نفس العمل ریاء کے لئے

کرے کہ اگر کوئی دیکھے تو نیکی کرے ورنہ نہ کرے۔ ریاء فی تحسین عمل یہ ہے کہ اکیلے میں معمولی سا کرے لوگوں کے سامنے خوب اچھی طرح کر دے پہلی صورت میں خود عمل کا ثواب نہ ملے گا دوسری صورت میں اصل عمل کا ثواب ملے گا۔ اس خوبی کا نہ ملے گا جو ریاء کے لئے کی۔ ریاء کار عمل ایسا ہے جیسے جسم موٹا ہو عقل و ہوش بالکل نہ ہو۔ حضرت حسان فرماتے ہیں۔ شعر

لاباس بالقم من طول و من عظیم جسم البغال و احکام العکافیر

حکایت: ایک بزرگ نے اپنی کھڑکی میں بیٹھے ہوئے سورۂ طٰہٰ شریف کی تلاوت کی۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ایک نورانی لمبا چوڑا کاغذ لائے جس میں اس کی سورۂ طٰہٰ لکھی ہے اس کے ہر لفظ پر دس نیکیاں لکھی ہیں مگر ایک لفظ کے نیچے کوئی نیکی نہیں لکھی ہے انہوں نے اس شخص سے اس کی وجہ پوچھی وہ بولا کہ اس وقت کھڑکی کے نیچے سے ایک آدمی گزر رہا تھا تو اس نے اسے خوش کرنے کے لئے یہ لفظ خوش الحانی سے ادا کیا یہ ریاء تھی اس لئے اس کا ثواب بالکل نہیں لکھا گیا۔ (روح البیان) شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر۔

دگر سیم اندوده باشد نحاس توان خرج کردن بر ناشناس
مند آب زرجان من پر پشیز کہ صراف دانا نہ گیرد بہ چیز

یعنی تانبہ پر سونے کا ملمع کرو تو انجان اس سے دھوکا کھا جاوے گا مگر دانا اسے پھینک دے گا بلکہ تجھے مجرم قرار دے گا۔ پیسہ سونے کا ملمع کر دینے سے اشرفی نہیں بن جاتا۔ اسے صراف قبول نہیں کرتا۔ رب تعالیٰ کے ہاں تو بڑی چھان بین ہے۔ اخلاص اختیار کرو۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ

اور جب آراستہ کر دیئے واسطے شیطان نے کام اُن کے اور کہا کہ نہیں ہے کوئی غالب

اور جبکہ شیطان نے ان کی نگاہ میں انکے سب کام بھلے کر دکھائے اور بولا آج تم پر

مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ

آنیوالا تم پر آج لوگوں میں سے اور تحقیق میں امن دینے والا ہوں تم کو پس جب دونوں

کوئی شخص غالب آنیوالا نہیں اور تم میری پناہ میں ہو تو جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے الٹے پاؤں

عَلٰی عَقِبَیْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ

لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ لوٹا اوپر ایڑیوں اپنی کے اور کہا میں دور ہوں تم سے تحقیق

بھاگا اور بولا میں تم سے الگ ہوں میں وہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا میں اللہ سے ڈرتا ہوں

اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ؏

میں دیکھ رہا ہوں وہ جو انہیں دیکھتے تم بیشک میں خوف کرتا ہوں اللہ سے اور اللہ سخت عذاب والا ہے

اور اللہ کا عذاب سخت ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کا ایک عیب بیان ہوا یعنی جنگ کے لئے اتراتے اکڑتے ہوئے گھروں سے نکلنا اب ان کے دوسرے عیب کا ذکر ہے یعنی شیطان کی حمایت اس کی حفاظت میں جنگ کے میدان میں پہنچنا کہ اللہ کی حفظ و امان میں تاکہ مسلمان اس عیب سے بھی بچیں۔

دوسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیت میں غازیوں مومنوں کو بحالت جہاد اللہ رسول کی اطاعت کا خصوصی حکم دیا گیا۔ اب اطاعت کا انجام بیان ہو رہا ہے یعنی عین وقت پر ساتھ چھوڑ نا آخر کار شکست ہو جانا تاکہ مسلمانوں کو اللہ رسول کی اطاعت پر رغبت ہو۔

تیسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیت میں غازیوں کو بہت ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا تھا تاکہ اس کی برکت سے شیطان دور رہے اب اس کے مقابل ان کا انجام بیان ہو رہا ہے جو جنگ میں اپنے ساتھ شیطان کو شریک کرتے ہیں تاکہ مومن ذکر اللہ سے غافل نہ ہوں۔ یہ جہاد خالص اللہ رسول کا کام ہو۔

نزول: کفار مکہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں بنی بکر ابن کنانہ کی بستی پڑی۔ ان کی بنی کنانہ سے بڑی پرانی دشمنی تھی کیونکہ انہوں نے بنی کنانہ کا ایک آدمی قتل کیا تھا جس کے بدلہ کا بنی کنانہ کی طرف سے انہیں سخت خطرہ تھا۔ انہیں یہاں پہنچ کر خیال آیا کہ ہم سب جگہ خالی کر کے چل دیں ایسا نہ ہو کہ موقع غنیمت جان کر بنی کنانہ ہمارے گھروں پر ٹوٹ پڑیں ہمارے خالی کئے گھر والوں اور مکانوں کو لوٹ لیں اور ہمارے باقی ماندہ عورتوں بچوں کو قتل کر دیں۔ قریب تھا کہ یہ لوگ اس خطرہ سے مکہ معظمہ واپس لوٹ جائیں اگر ابلیس نہ پہنچتا۔ ابلیس اس قبیلے کے سردار سراقہ ابن مالک ابن جشم کی شکل میں اپنی بڑی جماعت کے ساتھ جھنڈا ہاتھ میں لئے ان کے پاس پہنچا اور بولا کہ میں بنی کنانہ کا سردار ہوں اور یہ میرا قبیلہ بنی کنانہ ہے۔ تم چونکہ بڑے اچھے کام کے لئے جا رہے ہو اس لئے تمہارے پاس میں خود مع اپنی جماعت کے تمہاری مدد کے لئے آیا ہوں۔ تم بالکل نہ ڈرو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ اس سے ان لوگوں کی ہمت اور بڑھ گئی۔ ان کے تکبر و غرور میں اضافہ ہو گیا حتیٰ کہ خاص غزوہ بدر کا دن آ گیا۔ ابلیس لشکر کفار کے ساتھ تھا جب دو طرفہ صف آرائی ہوئی تو اس مردود کا ہاتھ حارث ابن ہشام کے ہاتھ میں تھا اور جو صف آرائی کر رہا تھا۔ شیطان نے مسلمانوں کی حمایت کے لئے غیب سے فرشتے اترتے دیکھے۔ یہ ان سے گھبرا گیا اور حارث کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کر بھاگنے لگا۔ حارث بولا کہ ایسے نازک وقت میں تو ہم کو کیوں چھوڑتا ہے۔ ابلیس حارث کے سینہ پر ہاتھ مار کر بولا۔ میرا کام اتنا ہی تھا کہ تم سب کو یہاں پہنچا

دوں۔ اب تم اور مسلمان جانیں۔ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتی۔ میں یہ چلا۔ یہ کہا اور چلتا بنا۔ اس سے بھی کفار کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اس آیت کریمہ میں اسی کا ذکر ہے۔ (تفسیر کبیر۔ خازن۔ خزائن۔ روح المعانی۔ بیان۔ بیضاوی۔ مدارک۔ تفسیر ابن عباس وغیرہ)

تفسیر: و اذ زین لھم الشیطن ظاہر یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور اس کی واؤ ابتدائیہ ہے۔ اذ سے پہلے یاذکر پوشیدہ ہے اور خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یعنی اے محبوب اپنے غلاموں سے یہ تذکرہ کرو یاذکروا پوشیدہ ہے اور خطاب ہے مسلمانوں سے یعنی اے مومنو یہ واقعہ یاد رکھوتا کہ تم کو عزت حاصل ہو۔ زین بنا ہے تزین سے بمعنی اچھا کر کے دکھانا۔ اور راستہ ظاہر کرنا۔ یہ حق بھی ہوتا ہے اور باطل بھی۔ اگر اس کا فاعل رب تعالیٰ یا اس کے محبوب ہوں تو صحیح دکھانا مراد ہوگا (جیسے حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم) اے مسلمانو! رب نے تم کو ایمان پیارا بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا۔ اچھا کر کے دکھا دیا اور اگر اس کا فاعل شیطان یا شیطانی لوگ ہوں تو غلط آراستگی مراد ہوتی ہے۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں لھم کا مرجع کفار مکہ ہیں جو بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے تھے۔ الشیطان سے مراد ابلیس ہے جو کہ سراقہ ابن مالک ابن جعشم کی شکل میں کفار کے پاس پہنچا تھا۔ اعمالھم یہ زین کا مفعول ہے۔ حق یہ ہے کہ اعمال سے مراد کفار کے سارے جسمانی، جنانی اور روحانی اعمال ہیں لہٰذا اس میں ان کے شرکیہ عقائد بت پرستی مسلمانوں کو ستانا اور اب ان کے مقابلہ کے لئے بدر میں جانا سب ہی داخل ہیں۔ شیطان نے کفار مکہ سے کہا تھا کہ چونکہ تم بڑے اچھے کام کے لئے نکلے ہو لہٰذا میری قوم بنی کنانہ اس وقت تمہاری مدد کرے گی۔ و قال لا غالب لکم الیوم من الناس شیطان نے کفار مکہ کو دو دھوکے دیئے۔ پہلا دھوکہ یہ ہے۔ خیال رہے کہ لانفی ہے غالب اس کا اسم اور لکم سے پہلے کائن پوشیدہ ہے۔ وہ اس کی خبر الیوم سے مراد ہے۔ یہ وقت یہ زمانہ من الناس حال ہے کائن کی خبر سے۔ الناس مراد ہیں غازیان بدر (تفسیر روح البیان) یہ ترکیب خیال میں رہے یعنی وہ یوں کہ اس معرکہ میں مسلمان تم پر غالب نہیں آسکتے کیونکہ تم زیادہ ہو وہ تھوڑے۔ تم ہتھیار بند ہو وہ نہتے۔ تم تجربہ کار جنگی بہادر لوگ ہو وہ لوگ ناتجربہ کار۔ تم جنگ کی تیاری کر کے آئے ہو وہ کسی اور ارادے سے آئے تھے۔ اچانک جنگ ان پر آپڑے گی جس کے لئے وہ تیار نہ تھے اور نہ ہیں۔ ان وجوہ سے وہ تم پر غالب نہیں آسکتے۔ تم ہی غالب آؤ گے۔ اس مردود نے فریقین کے سارے حالات بتا دیئے۔ اس کا دوسرا فریب یہ تھا۔ و انی جار لکم یہ عبارت معطوف ہے لاغالب (الخ) پر جار بنا ہے جیر سے بمعنی پناہ یا مدد اس سے ہے۔ ویجر کم من عذاب الیم اس لئے پڑوسی کو جار کہتے ہیں کہ وہ آفت کے وقت امان کا ذریعہ بنتا ہے۔ یعنی بڑی بات یہ ہے کہ میں اپنی قوم کے ساتھ تمہارا حمایتی اور مددگار ہوں۔ تم تو پہلے ہی بہت مضبوط ہو۔ میری حمایت سے تمہاری تعداد اور مضبوطی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ فلما تراءت الفئتن اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے کہ ابلیس کی یہ چکنی چپڑی باتیں اس وقت تک رہیں جب تک دونوں فوجیں مقابل نہ ہوئیں۔ لما ظرف بمعنی شرط ہے تراءت بنا ہے رای سے بمعنی آنکھوں سے دیکھنا باب تفاعل میں آکر اس میں مقابلہ کے معنی پیدا ہوئے یعنی ایک دوسرے کو دیکھا مراد ہے مقابلہ میں آئے۔ فئتن سے مراد ہے کفار و مومنین کے لشکر۔ اس کے

بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی جب کافر و مومن فوجیں ایک دوسرے کے مقابل آئیں اور شیطان نے مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کو نازل ہوتے دیکھا تو نکص علی عقبیہ یہ لما کی جزا ہے نکص کے معنی ہیں الٹے پاؤں لوٹنا چونکہ اس طرح لوٹنے میں انسان ایڑیاں استعمال کرتا ہے اس لئے عقبیہ ارشاد ہوا۔ عقب کے معنی ہیں پیچھے۔ اصطلاح میں ایڑی کو عقب کہا جاتا ہے کہ یہ قدم کے پیچھے ہوتی ہیں یعنی جب مومن کا فر لشکر مقابل ہوئے اور شیطان نے غیبی مدد یعنی فرشتوں کا نزول دیکھا تو وہاں سے الٹے پاؤں لوٹا۔ و قال انی بری منکم یہ عبارت معطوف ہے نکص الخ پر۔ اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی جب شیطان الٹا لوٹنے لگا تو حارث بن ہشام اسے پکڑ کر کہنے لگا کہ تو ہم کو ایسے نازک موقع پر چھوڑے دیتا ہے ابھی تو کیا کہہ رہا تھا اور اب کیا کر رہا ہے تو شیطان نے حارث کو یہ جواب دیا۔ بری کے معنی ہیں الگ یا دور۔ منکم سے خطاب سارے کافروں سے ہے یعنی میں تمہاری حمایت سے دور ہوں۔ تمہارا، تمہاری مدد کا ذمہ دار نہیں۔ انی اری مالا ترون یہ بری کی وجہ کا بیان ہے۔ اریٰ سے آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے۔ ما سے مراد آسمانی مدد ہے یعنی فرشتوں کا نزول یعنی میں تم سے اس لئے الگ ہو رہا ہوں کہ میں وہ چیزیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ انی اخاف اللہ یہ عبارت شیطان کے بھاگنے کی دوسری وجہ کا بیان ہے کہ مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے۔ خیال رہے کہ خوف سے مراد وہ خوف خدا نہیں جو مومن کو ہوتا ہے جس سے ایمان قوی ہو جاتا ہے اور اللہ رسول کی اطاعت کی توفیق ملتی ہے بلکہ خود اس خوف سے مراد ہے اپنی ہلاکت یا اپنی ذلت رسوائی یا فرشتوں کے ہاتھ سے مار کھانے کا خوف جیسے شہاب سے شیطان کو مارا جاتا ہے یعنی اگر میں تمہارے ساتھ رہا تو فرشتوں کے ہاتھوں بھی مار کھاؤں گا۔ واللہ شدید العقاب۔ یہ کلام یا تو شیطان کا ہے جو وہ کافروں سے کہہ رہا تھا کہ اللہ بہت سخت عذاب والا ہے اس کا سخت عذاب تو مجھ سے پوچھو کہ سجدہ نہ کرنے پر ہزار ہا سال سے پھٹکارا جا رہا ہوں۔ آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے یا یہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے لوگو اللہ کا عذاب اتنا سخت ہے کہ شیطان بھی اس سے ڈرتا ہے اے لوگو تم بھی ڈرو۔

خلاصہ تفسیر: اے مومنو! وہ وقت بھی یاد کرو یا یاد رکھو جبکہ شیطان نے بدر میں آنے والے کفار مکہ سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ دو کام کیے۔ ایک یہ کہ ان کے کفر شرک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ وغیرہ تمام برائیوں کی ان کے سامنے تعریف کی کہ تمہارے اعمال بہت ہی اچھے اور جس کام کے لئے تم بدر میں جا رہے ہو وہ بہت ہی اعلیٰ کام ہے۔ دوسرے یہ کہ سراقہ کی شکل بن گیا تھا، انہیں اطمینان دلایا کہ تم میری قوم بنی کنانہ سے کوئی خطرہ محسوس نہ کرو۔ میری قوم تمہارے پیچھے تمہارے گھروں پر حملہ نہیں کرے گی۔ اس کے برعکس میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں تم کو اپنی حفظ و امن میں لیتا ہوں تمہارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کروں گا۔ اس کی ان باتوں سے کفار اور بھی شیر ہو گئے۔ کہا تو یہ مگر کیا یہ کہ سب جب بدر میں پہنچ گئے اور ایک دوسرے کے مقابل میں مومن و کافر صف آراء ہوئے اور شیطان نے فرشتے اترتے دیکھے تو حارث سے ہاتھ چھوڑ کر الٹے پاؤں بھاگنے لگا۔ جب کفار نے شور مچایا کہ اب اس نازک وقت میں تو ہمیں کس پر چھوڑتا ہے تو بولا کہ میرا تمہارا ساتھ یہاں تک ہی تھا۔ اب میں تم سے بری ہوں تم جانو اور مسلمان۔ میں وہ چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔

میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ کہیں تمہارے ساتھ میں بھی نہ مارا جاؤں یا مار کھاؤں اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ روایت میں ہے کہ جب شکست خوردہ کفار واپس مکہ معظمہ پہنچے تو بولے ہم کو سراقہ بن مالک نے مروادیا کہ ہم کو وقت پر دھوکا دیا۔ یہ خبر جب کہ سراقہ کو پہنچی تو وہ قسم کھا کر بولا کہ مجھے تو ان کے جانے کی خبر جب ہوئی جب کہ مار کھا کر مکہ معظمہ لوٹ آئے۔ تب انہیں پتہ لگا کہ وہ شیطان تھا۔ (مدارک، بیضاوی، روح المعانی، خازن وغیرہ)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: شیطان انسانی شکل میں آسکتا ہے اور لوگوں سے بات چیت کرسکتا ہے۔ یہ فائدہ **اذ زین لھم الشیطن** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

دوسرا فائدہ: شیطان کفار وفساق کو ان کی بدعملیاں اچھی کر کے دکھاتا ہے جس پر وہ لوگ فخر کرنے لگتے ہیں اور پھر ان کی اصلاح بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ بھی اذ زین الخ سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: جو کوئی ہمارے عیبوں کی تعریف کرے ہم کو برائی اور گناہوں کی رغبت دے وہ شیطان ہے اگرچہ شکل انسانی میں ہو۔ یہ فائدہ بھی اذ زین الخ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: اللہ رسول کی پناہ سچی ہے باقی ساری پناہیں جھوٹی ہیں۔ یہ فائدہ **انی جار لکم** سے حاصل ہوا۔ مومن کو چاہئے کہ ہمیشہ اللہ رسول کی پناہ میں رہے۔ یہ پناہ ان کی اطاعت سے ہوتی ہے۔

پانچواں فائدہ: برے دوست مصیبت میں پھنسا کر الگ ہو جاتے ہیں۔ یہ فائدہ **نکص علی عقبیہ** سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: شیطان گرچہ انسانی شکل میں ہو مگر نوری مخلوق یعنی فرشتوں کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ فائدہ انی اری الخ سے حاصل ہوا کہ اس نے بدر میں اترنے والے فرشتوں کو دیکھا۔

ساتواں فائدہ: شیطان کو بھی اللہ کا خوف ہے۔ وہ اسے قادر مطلق اور سخت عذاب دینے والا جانتا مانتا ہے۔ یہ فائدہ انی اخاف اللہ الخ سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: خدا تعالیٰ سے ڈرنا اس کی ذات وصفات کا قائل ہونا ایمان نہیں۔ ایمان ہے نبی کو ماننا۔ یہ بھی فائدہ انی اخاف اور واللہ شدید العقاب سے حاصل ہوا کہ ابلیس ان باتوں کو ماننے کے باوجود مسلمان نہ ہوا کہ وہ حضور انور ﷺ اور مسلمانوں کا دشمن تھا اور ہے۔ خوف، تقوی، خشیت میں بڑا فرق ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں اکثر تقوی اور خشی کا حکم فرمایا۔ اتقوا اللہ اور فرمایا فلا تخشوا ھم و اخشون خوف نفرت خوف اطاعت میں فرق بارہا بیان کیا جا چکا ہے۔

پہلا اعتراض: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شیطان شکل انسانی میں بھی آجاوے اور پھر شیطان بھی رہے۔ یہ تو اجتماع ضدین ہے۔ شیطانیت اور انسانیت علیحدہ جنسیں ہیں اور ہر جنس دوسری جنس کی ضد ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے نوری فرشتوں اور ناری جنات میں تبدیلی شکل کی طاقت دی ہے۔ بارہا حضرت جبریل شکل انسانی میں دیکھے گئے۔ لباس وجسم بھی انسانوں جیسا ہو گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فتمثل لھا بشرا سویا** بخاری وغیرہ کی احادیث

میں ہے کہ بارہا حضرات صحابہ نے حضرت جبریل کو شکل انسانی میں دیکھا ہے اس صورت میں ان کی صورت انسانی ہو جاتی ہے۔ سیرت و حقیقت وہ ہی اپنی رہتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن جاتا تھا۔ لہٰذا یہ دونوں ضدوں کا اجتماع نہ تھا۔

دوسرا اعتراض: پھر تو آریوں کا آواگون درست ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد مختلف جانوروں کی جون میں آتا ہے حالانکہ یہ عقیدہ کفر ہے۔

جواب: اور یہ حقیقت کا انقلاب مانتے ہیں کہ انسان درحقیقت کتا، گدھا بن جاتا ہے۔ نفس و روح بھی بدل جاتی ہے۔ انقلاب روح ناممکن ہے۔ انقلاب جسم دن رات ہوتا رہتا ہے۔ آگ ہوا بن جاتی ہے ہوا آگ۔ انسان کا جسم گل کر مٹی ہو جاتا ہے۔

تیسرا اعتراض: جب رب تعالیٰ شیطان کو قیامت تک کی زندگی دے چکا تو اسے فرشتوں کو دیکھ کر خوف کس چیز کا ہوا۔ اسے مرنے کا خطرہ تو تھا ہی نہیں۔

جواب: اس اعتراض کے جواب میں لوگوں نے بہت غوطے کھائے ہیں۔ کسی نے کہا کہ وہ فرشتوں کو دیکھ کر سمجھا کہ قیامت آج ہی ہے۔ کسی نے کہا کہ رب نے اسے یوم معلوم تک مہلت دی ہے۔ شاید وہ دن آج ہی ہے۔ مگر یہ سب جواب کمزور ہیں۔ قوی جواب یہ ہے کہ اسے موت کا خوف نہ ہوا تھا مار کا خوف تھا کہ آج کفار کی شامت آ رہی ہے اگر میں ان کے ساتھ رہا تو میری بھی خیر نہیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بدر میں شیطان فرشتوں کو دیکھ کر بھاگا۔ فرشتے ہمارے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔ ساتھ تو ہماری حفاظت کے لئے اور دو ہمارے اعمال کی تحریر کے لئے تو ہمارے پاس شیطان کیسے آ سکتا ہے۔ ان فرشتوں سے کیوں نہیں بھاگتا۔

جواب: بدر میں فرشتے مسلمانوں کی مدد میں اور کفار کو شکست دینے آئے تھے۔ ان کی یہ ڈیوٹی دیکھ کر شیطان بھاگا۔ ہمارے ساتھ کے فرشتے ان کی ڈیوٹی صرف حفاظت یا اعمال کی تحریر ہے۔ اس لئے اسے ان سے کوئی خطرہ نہیں۔ ان وجوہ سے وہ بے خطر ہمارے پاس آتا ہے جیسے وہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس دھوکہ دینے پہنچ گیا حالانکہ وہاں فرشتے بھی تھے کیونکہ اس جگہ وہ فرشتے اس وقت ڈیوٹی پر نہ تھے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں تین محبتیں ہیں۔ محبت نفسانی، محبت شیطانی، محبت رحمانی۔ محبت نفسانی جو خونی رشتے یا دنیاوی وجہ سے ہو۔ جیسے اولاد بیوی یا اپنے دنیاوی دوستوں سے محبت۔ شیطانی جو مجرموں بے دینوں کی آپس میں ہو۔ محبت رحمانی جو صرف اللہ رسول کے لئے ہو۔ پہلی دو محبتوں کے لئے فنا ہے کیونکہ ان کی اصل کو فنا ہے۔ بلکہ محبت شیطانی بہت جلد عداوت میں تبدیل ہو جاتی ہے مگر محبت رحمانی کے لئے بقا ہے۔ یہ دین و دنیا میں قائم اور باقی ہے۔ شیطان کی اس دن کفار سے محبت شیطانی تھی یعنی ان کی عداوت رسول کی وجہ سے۔ یہ محبت بہت جلد ختم ہو گئی۔ یہ محبت ہلاکت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اگر اس

دن شیطان یہ محبت و حرکت نہ کرتا تو شاید کفار مکہ بنی کنانہ کی بستی سے ہی لوٹ جاتے۔ بدر میں مار نہ کھاتے۔ مگر شیطان کی محبت انہیں بدر میں لائی اور فنا کرگئی۔ یہ محبت اور اس کا انجام یہ تاقیامت تک ہوتا رہے گا اللہ کے بعض بندے نورانی ہیں جن سے ناری شیطان بھاگتا ہے۔ نار نور کے آگے نہیں ٹھہرتے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان عمر کے سائے سے بھاگتا ہے۔ جس گلی میں حضرت عمر جارہے ہوں شیطان اس گلی سے نہیں گزرتا ہے تاکہ اس پر ولایت فاروقی کے نور کی شعاع نہ پڑ جائے اور شیطان مصیبت میں نہ پڑ جائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ خوف خدا چند قسم کا ہے۔ ایک وہ خوف جس سے اطاعت الٰہی کا جذبہ پیدا ہو۔ یہ مومن صالحین کو نصیب ہوتا ہے۔ دوسرا وہ خوف جس سے عشق الٰہی پیدا ہو یہ کاملین کو نصیب ہوتا ہے۔ تیسرا وہ خوف جس سے مجرم خدا سے بھاگے یہ خوف طالحین یعنی بدنصیبوں کا ہے۔ شیطان کو اس دن یہ تیسرا خوف ہی ہوا تھا جس سے وہ حضور ﷺ کی خدمت میں نہ آیا بلکہ بھاگ گیا۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُ
جب بولے منافق لوگ اور وہ لوگ کہ انکے دلوں میں بیماری ہے دھوکا دے دیا
جب کہتے منافق اور وہ جن کے دلوں میں آزار ہے کہ یہ مسلمان اپنے دین پر مغرور ہیں
لَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾
ان لوگوں کو دین نے انکے اور وہ جو بھروسہ کرے اللہ پر پس تحقیق اللہ غالب ہے حکمت والا ہے
اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں غزوہ بدر کے متعلق شیطان کی رائے کا ذکر ہوا اب اس آیت میں اسی غزوہ بدر کے متعلق شیطانی لوگوں یعنی منافقین وغیرہ کی رائے، ان کی گفتگو کا ذکر ہے گویا استاذ کے بعد شاگردوں کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں بدر کے متعلق کفار کی فوجی برتری کا ذکر تھا جو شیطان کی نظر میں تھی جس سے اس نے فیصلہ کیا تھا کہ کفار ضرور غالب رہیں گے اب اس آیت میں اس بدر کے متعلق مسلمانوں کی فوجی کمزوری کا ذکر ہے جو شیطانی لوگوں کی نگاہ میں تھی جس سے انہیں مسلمانوں کی شکست کا یقین تھا گویا تصویر کا ایک رخ دکھانے کے بعد دوسرا رخ دکھایا جارہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفار بدر کا شیطان پر بھروسہ کرنے اور اس کے نتیجہ کا ذکر ہوا اب غازیان بدر کے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے اور اس کے نتیجہ میں شاندار فتح کا تذکرہ ہے گویا غلط بھروسہ کرنے کے بعد صحیح بھروسہ کا ذکر ہے۔

نزول: مدینہ منورہ سے ابوسفیان کا قافلہ روکنے کے لئے تین سو تیرہ غازی مومنین روانہ ہوئے جن میں کوئی منافق شامل نہ تھا سب مخلص مومن تھے۔ مدینہ کے منافقین اس روانگی کے سخت خلاف تھے وہ کہتے تھے کہ مسلمان کفار کے مقابل کبھی غالب

نہ آسکیں گے۔ پھر جب قافلہ بجائے روکنے کے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا ہوگئی اور مقابلہ میں ایک ہزار آگئے، کفار آگئے، قافلہ والے صرف پچاس تھے اور یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی تو منافقین بغلیں بجانے اور ان مومنین کو طعنے دینے لگے اور ادھر مکہ معظمہ میں کچھ لوگ ایمان قبول کر چکے تھے مگر اپنے باپ داداؤں اور دوسرے رشتہ داروں کی محبت میں ہجرت نہ کی تھی جیسے قیس ابن ولید ابن مغیرہ، عاص ابن منبہ ابن حجاج، حارث ابن ربیعہ، ابوقیس ابن فاکہ ابن مغیرہ، علی ابن امیہ ابن خلف وغیرہم۔ ان کو مجبوراً قریش کے اس لشکر کے ساتھ بدر میں آنا پڑا۔ ابھی تک ان کے دل میں ایمان مضبوط نہ تھا کبھی کہتے تھے کہ اسلام حق ہے۔ کبھی کہتے کہ کفار سچے ہیں جب یہ لوگ بدر میں پہنچے اور انہیں کفار کی کثرت اور جنگی سامان سے لیس ہونا ادھر مسلمانوں کی کمی اور بے سروسامان ہونا معلوم ہوا تو بولے کہ اسلام بالکل غلط ہے۔ مسلمان بہت بے وقوف ہیں کہ جان بوجھ کر موت کے منہ میں آئے ہیں یہ سب اس حالت میں یہاں بدر میں کفر پر مارے گئے۔ اس آیت کریمہ میں ان ہی دونوں جماعتوں کا ذکر ہے۔ یہ بات خوب خیال میں رکھی جاوے بدر میں مسلمانوں کے ساتھ منافق کوئی نہیں آیا تھا۔ (کبیر، خازن روح المعانی وغیرہ)

تفسیر: اذ یقول المنافقون چونکہ یہ فرمان عالی گذشتہ آیت پر معطوف نہیں بلکہ اس کا مضمون مستقل ہے اس لئے یہاں واؤ نہیں آیا اور اذ زین لهم الشیطن کا تعلق خرجوامن دیارہم سے ہے اس لئے وہاں واؤ لایا گیا (کبیر) یہ عبارت اذکریا اذکرو پوشیدہ فعل کا مفعول بہ ہے بعض نے فرمایا۔ زین یا نکص کا ظرف ہے یا شدید العقاب سے اس کا تعلق ہے (معانی)۔ چونکہ منافقین اولاً تو دل میں کہتے تھے کہ جب دونوں جماعتوں کا اجتماع ہوا تو زبان سے کہنے لگے۔ یہ حال مکہ والے ضعیف الاعتقاد لوگوں کا ہوا کہ مکہ میں رہ کر تو شک میں مبتلا ہوئے تھے اور بدر میں آکر حالات جنگ دیکھ کر اسلام کے منکر صراحتہً ہو گئے۔ اس لئے بقول مضارع ارشاد ہوا۔ المنافقون سے مراد مدینہ منورہ میں رہ جانے والے منافقین ہیں کہ یہ لوگ غازیوں کی اس روانگی کے خلاف تھے۔ ان میں سے ایک بھی بدر میں نہ آیا۔ خیال رہے کہ غزوہ بدر اور صلح حدیبیہ یہ دو معرکے وہ ہیں جن میں کوئی منافق مسلمانوں کے ساتھ نہ آیا تھا۔ و الذین فی قلوبهم مرض یہ عبارت معطوف ہے المنافقون پر بعض نے فرمایا عطف تفسیری ہے اس سے منافق ہی مراد ہیں۔ کہا جاتا ہے اعجبنی زید و کرمہ اور مرض سے مراد نفاق (معانی) مگر قوی یہی ہے کہ عبارت علیحدہ ہے اس سے مراد ان کے ضعیف الاعتقاد لوگ ہیں جو مکہ معظمہ میں رہ گئے تھے اور بدر میں کفار کے ساتھ آئے تھے اس سے مراد ان کا ضعف الاعتقاد ہے جیسا کہ ابھی نزول کے بیان میں کہا گیا۔ غر هؤلاء دینهم یہ قال کا مفعول ہے غر بنا ہے غرور سے بمعنی دھوکا الامتاع الغرور اس کا فاعل دین ہے اور مفعول هؤلاء یعنی ان غازیوں کو ان کے اسلام قرآن نبی نے اور جوش اعتقاد نے دھوکا دے دیا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ شہید مرتا نہیں اور فتح اللہ کی مدد سے ہوتی ہے نہ کہ زیادہ تعداد اور بہت تیاری سے۔ یہ باتیں سوچ کر یہ لوگ ایسی خطرناک جنگ میں آگئے ہیں جس میں ان کی ہلاکت کفار کی فتح یقینی ہے یہ لوگ یہ سوچے سمجھے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ انہیں اپنے اسلام پر ناز ہے اس ناز میں یہ اندھے ہو گئے اور بدر میں آگئے (از کبیر خازن وغیرہ) و من یتوکل علی الله یہ رب تعالیٰ کا اپنا فرمان عالی ہے جس

میں ان دونوں کی تردید ہے۔ توکل کے معنی اور اس کی قسمیں اور کس حال میں کس قسم کا توکل چاہئے۔ یہ سب باتیں بارہا بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں من سے مراد مومنین ہے کافر کا توکل اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہی نہیں۔ توکل کے لئے ایمان شرط ہے۔ فان اللہ عزیز حکیم۔ یہ عبارت من یتوکل کی جزا یا شرط نہیں بلکہ پوشیدہ جزا کیعلت ہے اور ف تعلیلیہ ہے یعنی جو مومن اللہ پر صحیح معنی میں بھروسہ کرے گا تو اللہ اسے کافی ہوگا۔ اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے جس پر وہ کرم کرے اس پر غالب کوئی نہیں آ سکتا۔ حکمت والا بھی اس نے اپنے محبوب اور ان کے غلاموں کو اس طرح اس حالت میں بدر پہنچایا اس میں بھی اس کی حکمتیں ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! وہ وقت یاد کرو یا یاد رکھو جب مدینہ کے منافقین اور مکہ کے ضعیف الاعتقاد لوگ پہلے تو اپنے دلوں میں کہتے تھے پھر تمہارے بدر پہنچ جانے پر نقشہ جنگ دیکھ کر زبان سے اعلانیہ کہتے تھے کہ مسلمان بڑے بے وقوف ہیں انہیں اپنے اسلام کے وعدوں سے دھوکہ لگ گیا۔ وہ سمجھ بیٹھے کہ دینی طاقت سے اللہ کے بھروسہ سے جنگیں جیتی جاتی ہیں۔ اس ہی خیال میں سرشار ہو کر ایسی خطرناک جنگ میں آ گئے جہاں ان کی ہلاکت کفار کی فتح یقینی ہے نہ ان میں سے کوئی بچے گا اور اب نہ مدینہ کی خیر ہے۔ اے مسلمانو یہ دونوں فریق جھوٹے ہیں۔ ہمارا قانون ہے کہ جو مومن اللہ تعالیٰ پر صحیح توکل کرے تو اللہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ غالب بھی ہے غالب کرنے والا بھی اور حکمت والا بھی۔ اس کا تم کو اس حالت میں میدان جنگ میں پہنچانا اس میں وہ حکمتیں ہیں جو قیامت تک دنیا جانے گی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کی باتیں ان کے طعنے ان کی بدگوئیاں یاد رکھیں تاکہ ان سے خود بچے رہیں۔ یہ فائدہ اذ یقول میں اذ سے حاصل ہوا کہ اس سے پہلے اذکروا پوشیدہ ہے۔ نماز ظہر و عصر میں قرآن کی قرأت کا آہستہ ہونا کفار کے ظلم اپنی مجبوری یاد رکھنے کے لئے ہے۔

دوسرا فائدہ: کفار کو نہ اپنے مذہب پر اعتماد ہوتا ہے نہ رب تعالیٰ پر۔ الحمدللہ مومنوں کو یہ دونوں اعتماد کامل طور پر حاصل ہیں۔ یہ فائدہ غر هؤلاء (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: شبہ وسوسہ رب پر بے اعتمادی دل کی بیماریاں ہیں رب تعالیٰ ان سے مسلمانوں کو بچائے۔ یہ فائدہ فی قلوبہم مرض سے حاصل ہوا کہ مرض سے مراد شبہ فی الدین ہے۔

چوتھا فائدہ: متوکل غازی مسلمانوں کو بے وقوف کہنا کفار کا طریقہ ہے۔ مومن تو اپنا تن من دھن اسلام پر قربان کرنے میں اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ یہ فائدہ سے حاصل ہوا۔ موجودہ مسلمان کہلانے والے کفار بھی اس بیماری میں گرفتار ہیں چنانچہ موجودہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی حسین علی ساکن واں بچھراں ضلع میانوالی نے اپنی کتاب بلغۃ الحیران میں حضرت امام حسین کو اندھا کہا اور لکھا کہ وہ اندھے ہو کر اتنے بڑے یزیدی لشکر کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔ اے مسلمانو تم حسین کی طرح مت بن جانا۔ ان کا شعر یوں ہے۔

کور کورا نہ مرو در کربلا تا نہ افتی چوں حسین اندر بلا

یہ دی منافقین والا طعنہ ہے۔ دیکھو ان کا یہ شعر ان کی کتاب بلغتہ الحیر ان پارہ انیسواں آیت افمن یمشی مکبا علی وجھہ۔

پانچواں فائدہ: کافر کا اعتماد صرف ہتھیار پر ہے۔ مومن کا اصل اعتماد اپنے پروردگار پر ہے۔ مومن فتح میں ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔ شعر

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

توکل علی اللہ کا مطلب یہ نہیں کہ اسباب اختیار ہی نہ کئے جاویں۔ ضرور کئے جاویں۔ رب فرماتا ہے۔ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ من رباط الخیل مگر بھروسہ پروردگار پر کیا جاوے۔ رب فرماتا ہے وعلی اللہ فلیتوکل المومنون حضور انور ﷺ نے حضرات صحابہ کو میدان جنگ میں لے جا کر رب پر توکل کیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں یقول مضارع کیوں فرمایا گیا۔ قال فرمانا چاہیے تھا کیونکہ منافقوں کا یہ قول تو پہلے ہو چکا ہے۔

جواب: یہاں یقول حال یا استقبال کے معنی میں نہیں بلکہ بمعنی ماضی استمراری ہے یعنی کہتے تھے چونکہ ان کی یہ گفتگو بار بار ہوئی تھی۔ کبھی خلوت میں آپس میں کبھی جلوت میں مسلمانوں کے سامنے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ اس لئے یقول فرمانا ہی مناسب ہوا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ بدر میں منافقین بھی شامل تھے تب ہی تو ان مردودوں نے مومنوں کی کمی بے سروسامانی کفار کی زیادتی اور سامان کی فراوانی دیکھ کر یہ کہا۔

جواب: بالکل غلط ہے۔ اس مبارک غزوہ میں ایک منافق بھی شریک نہ ہوا نہ صلح حدیبیہ میں۔ منافقوں کی یہ بکواس مسلمانوں کے مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت تھی مگر آپس میں خفیہ پھر جنگ تیار ہو جانے کا پتہ لگا تو مسلمانوں سے بھی یہ ہی کہنے لگے اس آیت میں یہ ہن کر میدان بدر میں انہوں نے یہ کہا۔

تیسرا اعتراض: یہاں دو جماعتوں کا ذکر کیوں ہوا۔ منافقین اور دل کے بیمار۔ منافقت ہی تو دل کی بیماری ہے۔

جواب: مفسرین کا ایک قول یہ بھی ہے ان کے نزدیک والذین فی قلوبھم (الخ) عطف تفسیری ہے المنافقون کا مرض سے مراد نفاق کی بیماری ہے مگر محققین مفسرین کا یہ قول ہے کہ منافقین تو مدینہ منورہ میں تھے اور بددلی کے بیمار مکہ معظمہ میں۔ جیسا کہ ابھی نزول کے بیان میں عرض کیا گیا اور مرض سے مراد ہے دل میں وسوسات وشبہات کا رہنا کہ اگر ایسا ہو تو اسلام حق ہے اور اگر ویسا ہو تو کفر برحق ہے ایسا ویسا ہی بیماری ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے فان اصابہ خیر اطمان بہ فان اصابتہ فتنۃ انقلب علی وجھہ۔

چوتھا اعتراض: منافقین اور دل کے بیماروں میں کیا فرق تھا۔ نفاق بھی تو دل کی بیماری ہے۔

جواب: منافقین دل میں پکے کافر تھے زبان کے کلمہ گو۔ یہ بیماری والے ڈھلمل یقین تھے نہ اسلام پر پختہ نہ کفر پر۔ کبھی کہتے کہ اسلام حق معلوم ہوتا ہے کبھی کہتے کہ شاید کفر حق پر ہے۔

پانچواں اعتراض: اس کا کیا مطلب ہے غر هولاء دینهم ان کوان کے دین نے دھوکا دے دیا۔ دین دھوکہ کیسے دے سکتا ہے۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ دین سے مراد اسلامی عقیدے قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے ہیں۔ شہید مر کر جی جاتا ہے۔ دس مسلمان سو پر اور سو مسلمان ہزار کافروں پر غالب آئیں گے ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبو مائتین و ان یکن منکم مائة یغلبوا الفا وعدے اللہ رسول نے صرف مسلمانوں کے دل بہلانے جوش دلانے کو کئے ہیں اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ رب نے اپنے وعدے سچے کر دکھائے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: میدان بدر میں دو جنگیں ہوئیں۔ کفار کی مومنین سے کفر کی ایمان سے۔ پہلی جنگ کا مقام بدر کا میدان تھا دوسری جنگ کا مقام خود مکہ اور مدینہ بھی تھے۔ اس وقت مومنوں نے یہ دونوں جہاد کئے اور دونوں میں فتح پائی دوسری جنگ نظریاتی تھی منافقین اس روانگی اور کفار کے مقابلہ کو دھوکا اور فریب کہہ رہے تھے۔ مخلصین اسے توکل علی اللہ اعتماد علی رسول اللہ کہتے تھے۔ منافقین کہتے تھے کہ مسلمان دھوکہ کھا گئے۔ مخلصین کہتے تھے کہ ہم سب کچھ پا گئے ہمارے شہید مر کر جی گئے ہیں۔ انہوں نے سب کچھ کھو کر بھی کچھ نہ کھویا۔ نہ حرہ تو کوئی کربلا والے حسین سے پوچھے۔ غازی شہید سب کچھ کھو کر بھی کچھ نہیں کھوتا۔ شعر

جو جوان بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین
جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین
ننھی سی قبر کھو کے اصغر کو گاڑ کے
شبیر اٹھ کھڑے ہوئے ہاتھوں کو جھاڑ کر

اس راہ میں فنا و بقا ہے کھونا پا جانا ہے صوفیا فرماتے ہیں کہ منافقین و کفار کے دلی مرض کا علاج توبہ استغفار زہد طاعت ورع وتقویٰ ہے اگر وہ اس کے علاج نہ کریں تو ہالکین میں سے ہوں گے تو ان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ دیکھو مکہ کے لوگ جو مسلمان ہو چکے تھے اس مرض کی وجہ سے کافر ہو کر مرے غازیان بدر اپنے روحانی حکیم کے پاس تھے۔ اولاً انہیں بھی کچھ دغدغہ ہوا مگر آخر کار شفاء کامل حاصل ہوئی۔ شعر

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست
گر اصحاب دل رفتند و شہر عشق خالی شد
جہاں پر شمس تبریز است و مردے کہ جو مولانا

وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓىِٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ

اور اگر دیکھو تم جب کہ موت دیتے ہیں ان لوگوں کو جو کافر ہوئے فرشتے مارتے ہیں وہ چہروں

اور کبھی تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی جان نکالنے میں مار رہے ہیں انکے منہ اور ان کی پیٹھ پر اور

وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذَٰلِكَ بِمَا

کو ان کے اور پیٹھوں کو ان کی اور چکھو تم عذاب جلنے کا یہ اس وجہ سے ہے جو بھیجے

چکھو آگ کا عذاب۔ یہ بدلہ اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں

قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝

ہاتھوں نے تمہارے اور بے شک اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر

پر ظلم نہیں کرتا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے جرموں کا ذکر ہوا جو وہ دنیا میں کرتے ہیں اب ان جرموں کی سزا کا ذکر ہے جس کی ابتداء ان کی موت کے وقت سے ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار بدر میدان میں ہی بے یار و مددگار رہ گئے کہ شیطان جو ان کا یار بنا تھا جنگ سے پہلے ہی انہیں پیٹھ دکھا گیا۔ اب ارشاد ہوا کہ کفار موت کے وقت بھی بے یار ہوتے ہیں گویا ان کی دنیاوی بے کسی کے بعد اخروی بے بسی کا ذکر ہو رہا ہے۔

تیسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ بدر میں فرشتوں نے مومن غازیوں کی مدد کی اور کفار کو شکست دی۔ اب ارشاد ہے کہ یہ ہی حال موت اور موت کے بعد ہوگا کہ فرشتے مومن کے لئے مددگار بلکہ خدمت گار بن کر آئیں گے اور کفار کے لئے عذاب لے کر۔

تفسیر: ولو تری یہ نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے جیسے ان ماضی کو مضارع کر دیتا ہے ایسے ہی لو مضارع کو ماضی بنا دیتا ہے۔ (روح المعانی) لہٰذا اس کے معنی یہ ہیں اگر تم دیکھتے۔ تری بنا ہے روایت سے یہاں اس سے مراد ہے آنکھوں سے دیکھنا اور قوی یہ ہے کہ اس میں خطاب ہر مومن سے ہو سکتا ہے کہ خطاب غازیان بدر سے ہو یعنی اے غازیو تم نے بدر میں تو فرشتوں کا برتاؤ کفار کے ساتھ دیکھ لیا اگر تم وہ برتاؤ ابھی دیکھ لیتے اور خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو دیکھنے سے مراد ظاہری دیکھنا ہے جو دوسروں کو بھی محسوس ہو۔ کیونکہ حقیقت میں تو حضور انور ﷺ ہر شخص کا حال دیکھتے ہیں۔

اذ یتوفی الذین کفروا الملئکۃ یہ عبارت تری کا مفعول ہے بعض نے فرمایا کہ تری کا مفعول پوشیدہ ہے۔ حالھم اور اذ اس پوشیدہ کا ظرف۔ یتوفی بنا ہے وفی سے بمعنی پورا اس سے ہے وفاء عہد۔ وعدہ پورا کرنا توفی کے معنی ہیں پورا کر لینا۔ عرف میں موت دینے کو توفی کہا جاتا ہے کیونکہ موت میں بندے کو پورا پورا واپس لے لیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں توفی تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ نیند دینا سلانا جیسے هو الذی یتوفاکم باللیل موت دینا اللہ یتوفی الانفس حین موتھا پورا لینا یا عیسی انی متوفیک (الخ) بمعنی موت دینا۔ الذین کفروا اس کا مفعول ہے اور الملئکۃ اس کا فاعل یعنی جب

فرشتے کفار کو موت دیتے ہیں الذین کفروا سے یا تو کفار بدر ہیں جو وہاں مارے گئے سارے وہ کفار جو کفر پر مرے ملائکہ سے مراد حضرت عزرائیل علیہ السلام اور ان کے ساتھی فرشتے جو ان کے ساتھ میت کے پاس پہنچتے اور جان نکالتے ہیں۔ ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں کہ پاؤں کے ناخن سے سینہ تک یہ سب جان کھینچ کر نکالتے ہیں اور پھر سینہ سے حضرت عزرائیل جان نکالتے ہیں جیسا کہ روایات میں ہے۔ یضربون وجوھھم و ادبارھم یہ عبارت یا تو الملئکة کا حال ہے یا کفار کا کیونکہ ان دونوں کی ضمیریں موجود ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الملئکة مبتدا ہے اور یضربو ا اس کی خبر اور یتوفی کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ (معانی) مگر پہلی تفسیر قوی ہے کہ اس میں کوئی ضمیر پوشیدہ نہیں ماننی پڑتی۔ ضرب سے مراد یا تو ہاتھوں سے طمانچہ مارنا ہے یا گرزوں یعنی ہتھوڑوں سے مارنا مراد ہے۔ وجوہ جمع ہے وجہ کی وجہ بہت معنی میں قرآن مجید میں آیا ہے۔ ذات، چہرہ، توجہ۔ یہاں بمعنی چہرہ ہے ادبار جمع ہے دبر کی بمعنی پچھلا حصہ یعنی پیٹھ۔ وجوہ اور ادبار کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں۔ قوی یہ ہے کہ یہ اپنے ظاہری معنی میں ہیں۔ خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ابوجہل کی پیٹھ میں تسمہ کا نشان دیکھا فرمایا کہ یہ فرشتے کے کوڑے کا نشان ہے۔ (روح المعانی) و ذوقوا عذاب الحریق یہ عبارت معطوف ہے یضربون پر۔ اس سے پہلے یقولون پوشیدہ ہے یعنی وہ مارتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ آگ کا عذاب چکھو۔ یا تو ان کے طمانچوں اور کوڑوں میں آگ کا اثر ہے جیسے لوہا پتھر سے رگڑے تو آگ نکلتی ہے ایسے ہی جب کوڑا کفار پر پڑتا ہے تو آگ نکلتی ہے جس سے انہیں بہت جلن محسوس ہوتی ہے یا اس سے مراد دوزخ کی آگ ہے جو کفار کی قبر میں پہنچتی ہے یا خود دوزخ ہے جس میں کفار بعد قیامت جائیں گے۔ اس صورت میں ذوقوا کے معنی ہیں آئندہ چکھو۔ خیال رہے کہ چکھنا بمعنی برداشت کرنا ہے یہ کھانے کا مقابل نہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ جیل یا پھانسی کا مزہ چکھ۔ اس وقت مردہ دنیا والوں کی بات نہیں سنتا، فرشتوں کی سنتا انہیں دیکھتا ہے۔ جیسے زندگی میں سنتا اسے دیکھتا تھا۔ فرشتوں کو نہ دیکھتا تھا نہ ان کی سنتا تھا اس وقت آنکھوں کانوں میں انقلاب ہو جاتا ہے۔ ذلک بما قدمت ایدیکم یہ کلام بھی ان ہی فرشتوں کا ہے جس میں عذاب مذکور کی وجہ بتائی گئی۔ ذلک سے اشارہ مذکور عذاب کی طرف ہے۔ اس کے لئے اشارہ بعید یعنی ذلک ارشاد ہوا۔ اس عذاب کی عظمت دکھانے کے لئے جیسے ذلک الکتاب لاریب فیہ میں ہے۔ بما میں ب سببیہ ہے۔ ما سے مراد ان کا کفر و شرک ہے کیونکہ قبر میں عذاب جہنم صرف کفر کا ہوگا۔ یوں ہی موت کے وقت کفر ہی کا عذاب ہوتا ہے نہ کہ ہاتھوں پیروں کے اعمال کی صورت میں اصل سزا تو بعد قیامت دوزخ میں ہوگی۔ ایدی جمع ید کی ہے بمعنی طاقت و قوت بمعنی ہاتھ نہیں کیونکہ کفر و شرک دل سے ہوتا ہے نہ کہ ہاتھوں سے (خازن و تفسیر کبیر) رب فرماتا ہے ید اللہ فوق ایدیھم وہاں ید اور ایدی سے مراد قوت و طاقت ہے۔ و ان اللہ لیس بظلام للعبید یہ عبارت معطوف ہے ذوقوا پر اور فرشتوں کا مقولہ ہے کہ اور ہو سکتا ہے۔ یہ علیحدہ جملہ ہو اور اس سے پہلے اعلموا پوشیدہ ہو۔ ظلام بمعنی ظالم ہے یہاں ظلم سے مراد ہے بے قصور کو سزا دے دینا یا کہ مطیع کو وعدے کے مطابق جزا دینا۔ ظلم کے بہت معنی ہیں۔ رب تعالیٰ کے حق میں اس کے یہ ہی معنی ہوتے ہیں۔ عبید جمع ہے عبد کی بمعنی عابد یا مخلوق یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مطلقاً ظلم نہیں کرتا انہیں جو سزا ملتی

ہے وہ ان کی اپنی حرکتوں کی ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ ظلم کے تین معنی ہیں۔ کسی چیز میں بغیر اس کے اجازت تصرف کرنا۔ کسی سے کام کرا کر اس کی طے شدہ اجرت نہ دینا کسی کو بغیر جرم کے سزا دینا۔ پہلے معنی سے تو رب تعالیٰ ظالم ہو سکتا ہی نہیں کہ ہر چیز اس کی اپنی ہے جو چاہے کسی کے متعلق فیصلہ کردے ان جیسی آیات میں دوسرے یا تیسرے معنی سے ظلم کی نفی کی جاتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ رب تعالیٰ نے جس نیکی پر جو ثواب و اجر کا وعدہ کیا ہے وہ نیکی بندے سے کرا کے اس کا اجر نہ دے۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی کو بغیر جرم سزا دے یہ ہی معانی یہاں مراد ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو تم نے کفار کا دنیاوی عذاب فرشتوں کا ان پر سختی فرمانا سن لیا بلکہ بدر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اگر تم وہ وقت بھی دیکھتے تو تعجب کرتے جب کہ کافر مرتا وقت ہوتا ہے اور ان کی جان نکالنے کے لئے جناب ملک الموت اور ان کے خدام فرشتے انہیں موت دینے ان کی جان نکالنے کے لئے ان کے پاس آتے ہیں۔ ان کے منہ پر طمانچے ان کی پیٹھوں پر گھونسے یا ان دونوں پر ہتھوڑے مارتے ہیں اور ساتھ ہی کہتے ہیں کہ تو نے دنیا میں بڑی ڈھٹائی کی مہلت کا وقت ختم ہو گیا۔ اب آگ کا عذاب چکھو کہ اب مرتے ہی تیری قبر (عالم برزخ) میں تجھ پر دوزخ کی آگ پہنچے گی۔ اے کافر ہماری یہ مار اور قبر کا یہ عذاب آگ کی جلن اور تپش اس کفر و شرک کی ہے جو تو نے اپنے ارادے اپنی قدرت اپنے اختیار سے دنیا کی زندگی میں اختیار کیا اور انہیں اپنا توشہ آخرت بنا کر آگے بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے بغیر جرم کے سزا نہیں دی کہ یہ ظلم ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ کے کام اس کے مقبول بندے کی طرف نسبت کئے جا سکتے ہیں یہ شرک یا کفر نہیں یہ فائدہ یتوفی الذین کفروا الخ سے حاصل ہوا دیکھو موت دینا رب تعالیٰ کا کام ہے فرماتا ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا مگر یہاں اسے فرشتوں کی طرف نسبت کیا گیا لہٰذا یہ کہنا جائز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو زندگی بخشتے ہیں۔ رب فرماتا ہے لما یحییکم نبی تم کو زندگی بخشتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا احی الموتی باذن اللہ میں بحکم الٰہی مردے جلاتا ہوں۔

دوسرا فائدہ: جان نکالنے کے لئے صرف ایک فرشتہ نہیں آتا بلکہ بہت سے فرشتے آتے ہیں جن میں سے ایک سردار یعنی حضرت عزرائیل باقی ان کے مددگار یہ فائدہ الملئکۃ جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: کافر کو تین وقتوں میں تین قسم کے عذاب ہوتے ہیں جان کنی کے وقت مار دھاڑ لعنت و پھٹکار اور آئندہ تکالیف کی خبر پھر قبر کا عذاب قیامت تک پھر محشر اور اس کے بعد کا عذاب یہ فائدہ یضربون وجوھھم سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: کفار کو عذاب یقیناً ہوگا یہ برحق ہے۔ یہ فائدہ عذاب الحریق کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

پانچواں فائدہ: مومن و کافر کی موت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دیکھو کفار کو مرتے وقت فرشتے مارتے ڈانٹتے آئندہ عذاب سے ڈراتے ہیں مگر مومن سے کہتے ہیں یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ

مومن وکافر زندگی وموت قبر وحشر میں برابر نہیں۔ لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنه۔

چھٹا فائدہ: کفار کے نابجھ بچوں کو نہ عذاب قبر ہوگا نہ عذاب حشر ہوگا۔ یہ فائدہ بما قدمت ایدیکم سے حاصل ہوا کہ اس میں فرمایا گیا کہ تجھ پر یہ عذاب تیرے پیشگی بھیجے ہوئے کفر وشرک کی وجہ سے ہے۔ ان بچوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جان نکالنے والے فرشتے بہت ہیں۔ دیکھو یہاں الملائکہ جمع ارشاد ہوا مگر دوسری آیت میں ہے قل یتوفکم ملک الموت الذی و کل بکم جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی فرشتہ ہے۔ آیات میں تعارض ہے۔

جواب: اس آیت میں ملک الموت جنس ہے جو ایک اور زیادہ سب کو شامل ہے یا یوں کہو کہ وہاں سردار کا ذکر ہے یہاں اس کے ماتحتوں یعنی جان نکالنے والے فرشتوں کا۔ سردار ایک ہے عزرائیل کے ماتحت بہت۔ لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فرشتے موت دیتے ہیں مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ موت دیتا ہے فرماتا ہے یحیی و یمیت اور فرماتا ہے الله یتوفی الانفس حین موتها آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ حقیقتاً موت دیتا ہے۔ فرشتے مجازاً اس کے حکم سے موت دیتے ہیں۔ کارندوں کا کام آقا کا کام ہوتا ہے۔ چپراسی یا سپاہی ملزم کو پکڑ کر لاتا ہے مگر کہا جاتا ہے حاکم نے پکڑ لیا۔ وہاں حقیقت کا ذکر ہے یہاں مجاز کا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کافر کو مرتے وقت فرشتے منہ اور پیٹھ پر مارتے ہیں یا طمانچے یا ہتھوڑے۔ فرشتوں کی مار کی برداشت کون کرسکتا ہے۔ وہ تو پہاڑ کو ماریں تو وہ ریزہ بن جاوے۔ یہ مردہ کیسے برداشت کرلیتا ہے۔

جواب: واقعی یہ مار کافر کی برداشت سے باہر ہے مگر پڑے گی۔ ساری رعایتیں دنیا کی زندگی میں ہیں لا یکلف الله نفسا الا وسعها یہاں کے لئے ہے وہاں کوئی رعایت نہیں کافر نے جرم حد سے بڑھ کر کیا یعنی بغاوت اس کی سزا بھی حد سے باہر ہوگی۔

چوتھا اعتراض: آگ اور جلنے کا عذاب تو بعد قیامت ہوگا فرشتے کافر سے مرتے وقت کیوں کہتے ہیں کہ عذاب آگ کا چکھو۔ یہ کیونکر درست ہے۔

جواب: اگر یہاں دوزخ میں داخلہ مراد ہے تو معنی یہ ہے کہ آئندہ دوزخ کا عذاب چکھنا ہے مومن کو مرتے وقت جنت کی بشارت دی جاتی ہے جو بعد قیامت ملے گی یوں ہی کافر کو یہ ڈرانا مرتے وقت ہوتا ہے اور اگر اس سے مراد ہتھوڑوں کوڑوں کی مار ہے یا قبر کا عذاب تب کوئی اعتراض ہی نہیں۔ خیال رہے کہ قبر میں دوزخ کی آگ عذاب ہے۔ اس طرح کہ آگ وہاں پہنچتی ہے بعد قیامت دوزخ جا کر عذاب پائے گا۔ آگ کا عذاب اور آگ میں عذاب ان دونوں میں فرق ہے۔

پانچواں اعتراض: تم نے تفسیر میں کہا کہ قبر کا عذاب صرف کافر کو ہوگا مگر حدیث شریف میں ہے کہ بعض مسلمانوں کو

بھی عذاب قبر ہوگا جیسے پیشاب سے نہ بچنے والا یا چغلی کھانے والا۔ تمہارا کلام کیونکر درست ہوا۔

جواب: وہاں بے شک بعض مسلمانوں کو عذاب قبر ہوتا ہے مگر اس کے عذاب کے اور کافر کے عذاب میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ اس مومن کا یہ عذاب عارضی ہوتا ہے جو کچھ دن بعد کسی نہ کسی ذریعہ سے ختم ہو جاتا ہے جیسے قبر پر کسی بزرگ کا گزر یا زندوں کا ایصال ثواب وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ مومن کو خاص عذاب اندھیرے اور قبر کی تنگی کا ہوتا ہے مگر قبر میں دوزخ کی کھڑکی کا کھلنا وہاں آگ کی لو کا عذاب ہونا یہ کفار کے لئے خاص ہے۔

چھٹا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ بما قدمت ایدیکم ان اعمال کی وجہ سے عذاب ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجے حالانکہ کفار کو یہ عذاب ان کے کفر و شرک کی وجہ سے ہوتا ہے اور کفر و شرک ہاتھ سے نہیں کئے جاتے بلکہ دل سے ہوتا ہے۔ پھر یہ کلام درست کیوں ہوا۔

جواب: اس کا جواب تفسیر خازن اور کبیر نے یہ دیا ہے کہ یہاں ہاتھ سے مراد قوت و طاقت ہے یعنی جو تو نے خدا کی دی ہوئی طاقت و قوت سے بجائے عبادت کرنے کے کفر و شرک کیا اس کی سزا یہ ہے قرآن کریم میں ید کے معنی طاقت۔ بہت جگہ استعمال ہوتا ہے ہوسکتا ہے کہ اس سے ارشاد وہ مشترکہ کاموں کی طرف ہو جیسے بت کے سامنے ہاتھ جوڑنا وغیرہ۔

ساتواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا ان اللہ لیس بظلام للعبید اور ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت بڑا ظلم نہیں کرتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹا ظلم کرتا ہے۔ یہ تو صحیح نہیں۔

جواب: یہاں ظلام بمعنی ظالم ہے اس تفسیر میں وہ آیت ہے ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ بعض لوگوں نے کہا کہ جیسے رب تعالیٰ کی عطا بہت بڑی ہے رحم و کرم بھی بہت بڑا ہے اگر وہ ظلم کرتا ہے تو وہ بھی بہت بڑا۔ بڑے کا ہر کام بڑا ہی ہوتا ہے لہذا یہ فرمان درست ہے یا یوں کہو بہت ظلم سے مراد بہت لوگوں پر ظلم ہے۔ اگر وہ ظلم کرتا تو بہت بندوں پر کرتا جو اگرچہ ہر بندے پر چھوٹا ہوتا ہے مگر سب بندوں کے ملانے سے بہت بڑا ہو جاتا یا یوں کہو کہ ظلام مبالغہ کا ہے ہی نہیں بلکہ نسبت کا ہے جیسے عطار عطر بیچنے والا، بزاز کپڑا بیچنے والا خواہ تھوڑا بیچے یا بہت (دیکھو تفسیر روح البیان)

تفسیر صوفیانہ: موت سب کو آتی ہے مگر اس کی نوعیتیں تین ہیں۔ کافر کی موت وارنٹ ہے مومن کی موت سمن اللہ والوں کی موت دعوت نامہ۔ اس آیت کریمہ میں پہلی قسم یعنی وارنٹ والی موت کا ذکر ہے کہ ان کو لات گھونسا بھی ہے ڈانٹ ڈپٹ بھی۔ سمن والی موت میں اگرچہ حاضری ضروری ہوتی ہے مگر الفاظ نرم ہوتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو تمہاری گواہی فلاں کچہری میں ہے تم حاضر ہو خرچہ ملے گا۔ مگر دعوت نامہ میں جبر نہیں ہوتی۔ تشریف آوری پر خوشی کا اظہار ہوتا ہے کہ اگر آپ ہمارے ہاں فلاں وقت دعوت میں شرکت کریں تو ہم کو بڑی خوشی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ حضرات انبیاء کرام کو موت کا اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو تشریف لائیں چاہیں تو دنیا میں ہی رہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت حاضر ہوئے اور عرض کیا اجب ربک تو آپ نے انہیں طمانچہ مار دیا۔ یہ طمانچہ مارنا حکم الٰہی سے ناراضی کی وجہ سے نہ تھا

بلکہ اس لئے تھا کہ انہوں نے دعوت نامہ کو سمن بنا دیا موت کی نوعیت بدل دی جب صیغہ امر کا استعمال فرمایا اس لئے جب رب تعالیٰ نے دوبارہ ملک الموت کو ان کی خدمت میں بھیجا تو ارشاد ہوا کہ آپ بیل کی کھال پر ہاتھ پھیریں فی بال ایک سال عطا ہوگا۔ اب یہ ہوا دعوت نامہ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کافر کی موت ہے اپنے پیاروں سے چھوٹنا اور مومن کی موت ہے پیاروں سے ملنا۔ کافر کے پاس پیارے دنیا اور دنیا والے ہیں مومن کے پاس پیارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام ہیں مومن ہنستا ہوا جان دیتا ہے۔

نشان مرد مومن با تو گویم — قضا آید تبسم بر لب اوست

اللہ تعالیٰ اس موت سے بچائے جو یہاں مذکور ہے۔ وہ موت نصیب کرے جو دوسری جگہ مومن کی موت کا ذکر ہے مومن کی قبر یار کا خلوت خانہ ہے۔ شعر

سنا ہے قبر میں دیدار ہوگا بے حجابانہ — کفن کو پھاڑ کر اٹھیں گے مردے اپنے مدفن میں

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

مثل طریقہ متبعین فرعون کے اور ان لوگوں کے جو پہلے تھے ان سے انکار کیا انہوں نے اللہ کی آیتوں کا پس پکڑ

جیسے فرعون والوں اور ان سے اگلوں کا دستور وہ اللہ کی آیتوں سے منکر ہوئے اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكَ

لیا ان کو اللہ نے بوجہ گناہوں کے ان کے تحقیق اللہ قوی ہے سخت عذاب والا یہ اس وجہ سے ہے کہ تحقیق

بے شک اللہ قوت والا سخت عذاب والا ہے

بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

اللہ نہیں بدلنے والا اس نعمت کو جو انعام او پر کسی قوم کے یہاں تک کہ بدل دیں وہ جو ان کے نفسوں کا

یہ اس لئے کہ

مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

ہے اور بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے

اللہ کسی قوم سے جو نعمت اسے دی تھی بدلتا نہیں جب تک وہ خود بدل نہ جائیں اور بے شک اللہ سنتا جانتا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار مکہ خصوصاً کفار بدر کے دنیاوی اور اخروی عذابوں کا ذکر ہوا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ

واقعہ محض اتفاقی نہیں بلکہ ہمارا یہ قانون ہے جو پہلے سے جاری ہوا ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ اس کے لئے فرعون اور ان سے پہلے کے کفار کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔ (تفسیر کبیر)

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار بدر کی ڈھٹائی کا ذکر ہوا کہ بدر کی نشانیاں دیکھ کر ان سب کو ایمان قبول کر لینا چاہئے تھا مگر نہ کیا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے محبوب آپ ﷺ اس سے غم نہ کریں۔ کفار کا ہمیشہ یہ ہی حال رہا ہے۔ اس کے ثبوت میں فرعون اور دوسرے کفار کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ کفار مکہ کو پہلے بہت عزت دی گئی مکہ معظمہ میں رہنے کی وجہ سے ان کی بہت حرمت کی گئی۔ مگر جب انہوں نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا تو انہیں ذلیل کر دیا گیا اب اس کے متعلق فرعون کا واقعہ بیان فرما کر ایک قانون ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ جو قوم اپنا حال بدل دیتی ہے تو رب بھی اپنی نعمت کو زحمت میں بدل دیتا ہے۔ رحمت کا قیام چاہتے ہو تو اطاعت پر قائم رہو۔

تفسیر: كداب ال فرعون یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ اس میں مبتدا پوشیدہ ہے۔ دالہم داب کے لغوی معنی دائمی عمل جسے انسان ہمیشہ کرے۔ اہل عرب کہتے ہیں فلان يداب فى كذا فلاں او ھی اس کام میں ہمیشہ رہتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

وما زال تلک الداب حتى تجاولت   هوازن و ارفضت سليم و عام

(معانی)

اب اصطلاح میں داب عادت کو کہتے ہیں کہ انسان اپنی عادت پر ہمیشہ ہی عمل کرتا ہے۔ آل بنا ہے اصل سے بمعنی والا کہا جاتا ہے۔ اہل علم، اہل خانہ، اہل مال یعنی علم والا، گھر والا، مال والا وغیرہ۔ آل بڑے انسانوں کی طرف ہی نسبت ہوتا ہے خواہ وہ دنیاوی بڑا ہو جیسے آل فرعون یا دینی دنیاوی بڑائی والا جیسے آل رسول۔ اصطلاح میں آل بمعنی متبع آتا ہے۔ آل فرعون سے مراد اس کی پولیس و فوج نوکر غلام ہیں کیونکہ فرعون لاولد تھا اپنی فوج و پولیس سے ظلم کراتا تھا۔ اسے آل فرعون کہا گیا اس معنی سے حضور ﷺ کے سارے صحابہ بلکہ ساری امت آل رسول ہے۔ اس میں صحابہ اور اہل سنت اور اہل بیت سارے اولیاء و علماء وغیرہم سب ہی داخل ہیں۔ فرعون کے معنی اور یہ کہ یہ لقب تھا بادشاہ مصر کا فرعون موسیٰ کا نام مصعب ابن ریان تھا۔ اس کی عمر اس کے حالات زندگی ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ و الذين من قبلهم یہ عبارت معطوف ہے آل فرعون پر اور مضاف الیہ ہے آل کا ان سے مراد قوم نوح قوم ہود قوم صالح وغیرہم ہیں۔ جو فرعونیوں سے پہلے ہوئے۔ كفروا بايت الله یہ عبارت داب آل فرعون الخ کا بیان ہے کفر بمعنی انکار ہے آیات اللہ سے مراد کتب الٰہیہ کی آیتیں و معجزات انبیاء ان کی تعلیمات ہیں کہ یہ سب اللہ کی معرفت کی دلیلیں ہیں انہوں نے ان سب کا انکار کیا اور کرتے ہی رہے۔ فاخذهم الله بذنوبهم یہ عبارت معطوف ہے کفروا پر اخذ کے معنی ہیں پکڑنا یہاں عذاب میں گرفتار کرنا ہے۔ ذنوب جمع ہے ذنب کی بمعنی گناہ۔ اس سے مراد دلی گناہ، جسمانی گناہ، معاملات کی خرابی وغیرہ سب ہی ہیں کہ کافر کی پکڑ سب پر ہوتی ہے اگر چہ اس پر

عبادات فرض نہیں اور بہت سے معاملات کا مکلف نہیں لہٰذا ذنوب جمع فرمانا اور اس پر سیہ داخل فرمانا بالکل درست ہے۔ ان الله قوی شدید العقاب۔ یہ فرمان عالی گذشتہ مضمون کی دلیل ہے یعنی اے سننے والے اس عذاب پر تعجب نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ قوت والا بھی ہے، بڑا سے بڑا قوی اس کے آگے عاجز سے عاجز تر ہے اور اس کا عذاب بھی سخت ہے اس پر جو کفر کرے گا نبیوں کو جھلائے گا کوئی مجرم اپنی طاقت کے ذریعہ اس عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ ذلک بان الله یہ جملہ نیا ہے۔ جس میں ان کفار کے عذاب کی وجہ بیان فرمائی گئی۔ ذلک سے اشارہ اس مذکورہ دنیاوی برزخی اخروی عذاب کی طرف ہے۔ بان میں بے سیہ ہے یعنی یہ عذاب و پکڑ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ لم یک مغیرا نعمة انعمها علی قوم یہ عبارت ان کی خبر ہے لم یک اصل میں یکون تھا۔ واؤ تو گر گیا۔ دو ساکن جمع ہونے کی وجہ سے لم یکن رہا پھر نون بھی تخفیف کے لئے گرا دی گئی کیونکہ لم یکن کا استعمال بہت زیادہ ہے اور جس لفظ کا استعمال زیادہ ہو اس میں تخفیف زیادہ کی جاتی ہے چنانچہ لم یکن اور لم یصن ایسے ہی لم یزن سے نون نہیں گرایا گیا کہ اس کا لم یکن کی طرح استعمال زیادہ نہیں۔ مغیر آبنا ہے تغیر سے بمعنی بدلنا۔ اس بدلنے کی چند صورتیں ہیں۔ نعمت کے بدلے عذاب دینا، نعمت چھین لینا، نعمت میں فرق کر دینا یعنی اعلیٰ کو ادنیٰ بڑی کو چھوٹی کر دینا۔ یہاں تینوں صورتیں مراد ہو سکتی ہیں نعمت سے عام نعمتیں مراد ہیں دینی ہوں یا دنیاوی۔ قوم سے مراد انسان کی ساری قومیں ہیں بڑی ہوں یا چھوٹی حتیٰ کہ نبی کے ہم وطن ہم نسب بلکہ ان کے قرابت دار حتیٰ کہ ان کی اولاد جو بھی اللہ کی نعمت کی ناقدری اور ناشکری کرے گی۔ اس سے نعمت چھین لی جاوے گی۔ حتی یغیروا ما بانفسھم یہ لاغیر کی انتہا ہے یہاں بدلنے سے مراد ہے اپنی اچھی صفات اچھے حالات کو برے صفات و حالات میں تبدیل کر دینا ما سے یہ ہی مراد صفات و حالات یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی دی ہوئی نعمت نہیں چھینتا یا نہیں بدلتا کہ بجائے نعمت کے ان پر مصیبت نازل کر دے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے خیالات بدل لیتے ہیں۔ اچھے تھے برے بن جاتے ہیں۔ متقی تھے فاسق یا مومن سے کافر۔ شکرگزار تھے کافر بن جاتے ہیں تو ہماری نعمتیں بھی یا تو چھن جاتی ہیں یا عذابوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ و ان الله سمیع علیم۔ یہ فرمان عالی پچھلے مضمون کا تمہ ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ تمہاری باتوں کو سننے والا اور تمہارے دلی حالات کو جانتا ہے تمہاری کسی چیز سے بے خبر نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کفار مکہ کی ضد اور ہٹ دھرمیوں سے غمگین نہ ہوں۔ ان کا حال تو فرعونیوں اور ان سے پہلے والے کفار کی طرح ہے جیسے قوم عاد و ثمود وغیرہ کہ ان لوگوں نے اپنے نبیوں کے معجزات دیکھے ان کی تعلیمات سنیں ان کو دیکھا اور ذات و صفات سے مطلع ہوئے مگر ان سب کے باوجود انہوں نے ان سب کو ماننے کے بجائے ان کا انکار ہی کیا۔ یہ چیزیں آیات الٰہیہ تھیں جن کے ذریعے سے وہ مجھے جان پہچان سکتے تھے بلکہ مجھے پا سکتے تھے اس کا انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ان کے کفر اور بدکاریوں کی وجہ سے مختلف عذابوں میں پکڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم بھی ہے اور ساتھ ہی اس کا عذاب بہت سخت ہے۔ جب پکڑ لیتا ہے تو اس سے کوئی نہ چھوٹ سکتا ہے نہ کسی کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ یہ ہی حال ان کا ہونے والا ہے۔ بدر کی شکست وہاں کی ذلت و خواری تو ابتدا ہے۔ اے محبوب ان تمام عذابوں

اور سزاؤں کی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو نعمت کسی قوم کو دے دیتا ہے اسے بلاوجہ اس قوم سے چھینتا نہیں حتیٰ کہ وہ خود اپنا حال بدل لیتے ہیں کہ نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔ بجائے شکر کے کفران کرتے ہیں۔ بجائے امانت داری کے خیانت اختیار کرتے ہیں۔ تب ان سے نعمتیں چھنی جاتی ہیں یا عذابوں میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ کفار مکہ پر ہم نے نعمتوں کی بارشیں کر رکھی تھیں۔ دنیا بھر میں بدامنی مکہ میں امن تھا۔ ان کی حرم میں رہنے کی وجہ سے دنیا بھر میں عزت تھی۔ انہیں قریش خاندان سے کیا تھا پھر آخری سب سے بڑی نعمت یہ دی کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں بھیجا۔ قرآن مجید ان کی زبان میں اتارا۔ حجاج کی خدمت بیت اللہ کی پاسبانی زمزم کی سقایت انہیں بخشی مگر انہوں نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی تو آپ نے دیکھ لیا کہ بدر میں یہ کفار کتے کی موت مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی ہر بات سنتا ہے ہر ایک کا ہر حال جانتا ہے کوئی اپنے کو اس کی پکڑ سے باہر نہ جانے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قیاس شرعی برحق ہے یعنی اصل کا حکم فرع میں جاری کرنا کسی مشترک علت کی وجہ سے۔ یہ فائدہ کداب آل فرعون سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا کہ کفار مکہ فرعونیوں کی طرح سخت عذاب کے مستحق ہیں کہ ان کے جرم مشترک ہیں۔ چنانچہ وہ غرق ہوئے وہ بدر میں قتل ہوئے۔

دوسرا فائدہ: کسی قوم پر عذاب الٰہی بغیر پیغمبر کی مخالفت کے نہیں آیا۔ یہ فائدہ کفروا بایات اللہ الخ سے حاصل ہوا اس کے بعد فاخذہم اللہ ف سے ارشاد ہوا۔ شعر

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد　　تا دل صاحب دلے نامد بہ درد

فرعون نے دعویٰ خدائی کیا۔ ہزارہا بچے بنی اسرائیل کے ذبح کرائے مگر غرق تب ہوا جبکہ موسیٰ علیہ السلام کی بددعا لگی۔

تیسرا فائدہ: اتباع کرنے والوں کو آل کہا جاتا ہے لہٰذا حضور ﷺ کی ساری متقی امت آل رسول ہے۔ یہ فائدہ آل فرعون سے حاصل ہوا کہ اس آیت میں فرعون کی پولیس اس کی فوج کو آل فرعون بنایا گیا۔

چوتھا فائدہ: مردود قوموں کے حالات زندگی پڑھنا عبرت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ یہ فائدہ آل فرعون فرمانے اور والذین من قبلہم فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا حضرات انبیاء و اولیاء کے تاریخی حالات پڑھنا ذوق عبادت شوق فرمانبرداری پیدا کرنے کے لئے بھی ضروری ہے۔ اس لئے رب نے ان حضرات کے قصے قرآن مجید میں نقل فرمائے۔

پانچواں فائدہ: ناشکری سے نعمتیں چھن جاتی ہیں۔ شکر سے نعمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ یہ فائدہ لم یک مغیرا سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: جو قوم اللہ کی اطاعت رسول کی فرمانبرداری پر قائم رہے ان شاء اللہ اس سے رب کی نعمت نہیں چھنتی۔ یہ فائدہ بھی حتی یغیروا سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: اس کے برعکس جب کوئی قوم اللہ رسول کی اطاعت سے منہ پھیر لیتی ہے تو اس سے نعمتیں چھین لی جاتی

ہیں اس کی مثال گذشتہ قوموں میں دیکھ لو۔ اہل مکہ کو رب تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں دے رکھی تھیں مگر جب انہوں نے اللہ رسول سے دشمنی کی تو ذلیل کر دیئے گئے۔ نعمتوں کے روکنے کا ذریعہ اللہ رسول کی فرمانبرداری ہے۔ رب فرماتا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم اس کا مطلب خوب سمجھ لو۔

آٹھواں فائدہ: کفار شرعی احکام کے مکلف نہیں اس لئے کوئی کافر مسلمان ہو کر زمانہ کفر کی نماز بھی قضا کرتا اس کو شراب پینے سے حکومت اسلامیہ نہیں روکتی مگر انہیں گناہوں کی سزا ملتی ہے کہ کافر کو کفر و شرک شراب سود نماز سب کی سزا ملے گی۔ یہ فائدہ بذنوبھم فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کی پکڑ، کفر و شرک، چھوٹے بڑے گناہ سب پر ہوگی۔ جب ان پر شرعی احکام جاری ہی نہیں ان پر نماز فرض ہی نہیں۔ جوا، شراب حرام نہیں تو اس پر پکڑ کیسی۔ یہ آیت قانون شرعی کے خلاف ہے یہاں بذنوبھم کیوں فرمایا۔

جواب: کفار پر نماز وغیرہ فرض نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بحالت کفران پر شرعی ادائے فرض نہیں اور مسلمان ہو جانے پر قضا فرض نہیں۔ یہ حکم شرعی ہے مگر اللہ کے نزدیک ان کو حکم ہے کہ ایمان لاؤ، نماز روزہ وغیرہ ادا کریں، سؤر، شراب سے بچو۔ اس حکم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر سب جرموں کی سزا اور عذاب ہوگا۔ شریعت کا فرض حرام اور چیز ہے۔ عنداللہ فرض و حرام اور چیز ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **ما سلککم فی سقر قالوا الم نک من المصلین (الخ)**

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ کو قوی شدید العقاب پر کیوں ختم کیا رب کی اور صفات پر کیوں ختم نہ فرمایا۔

جواب: ان صفات کے ذکر فرمانے میں عذاب کا یقین اور سختی بتائی گئی اگر حاکم مجرم کو سزا دے تو اس کی وجہ یا حاکم کی کمزوری ہوتی ہے کہ وہ پکڑنے پر قادر نہ ہو یا اس کی قانون کی پکڑ نرم ہو جس سے مجرم جرموں پر دلیر ہو جائیں۔ رب تعالیٰ قوت والا بھی ہے سخت سزا دینے والا بھی پھر مجرم سزا سے کیسے بچ سکتا ہے۔ اس کے سزا دینے سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے توبہ استغفار۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمتیں ہماری تبدیلی حالات پر موقوف ہیں۔ یعنی انسان کے کام علت ہوتے ہیں۔ رب کے کام معلول۔ یہ تو ناممکن ہے۔ نیز یہ بتاؤ کہ بعض کفار بڑی نعمتوں میں ہوتے ہیں انہوں نے کون سی نیکی کی ہے۔

جواب: آپ نے اس کا ترجمہ ہی غلط کیا ہے۔ یہاں ارشاد ہوا ہے کہ ہم کسی سے عطا فرمودہ نعمت بلاوجہ نہیں چھینتے۔ جب وہ خود ہی بری حرکتیں کر کے نعمت کو ختم کر دے تو اس کی مرضی۔ نعمت ملنا ہمارے کمال پر موقوف نہیں۔ شعر

داد حق را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست

رب کا کرم ہماری قابلیت پر موقوف نہیں ہاں اس کا عذاب ہمارے گناہوں کی بنا پر ہے۔

چوتھا اعتراض: بے گناہ بچوں پر تندرستی کے بعد بیماریاں کیوں آتی ہیں۔ انہوں نے کیا گناہ کیا۔ حضرت حسین پر کربلا کی مصیبت کیوں آئی انہوں نے کیا گناہ کیا تھا۔

جواب: یہاں ذکر نعمت چھننے عذاب آنے کا ذکر ہے یہ بغیر گناہوں کے نہیں آتا۔ تمہاری ذکر کی ہوئی چیزیں عذاب نہیں

یہ تو مومن کے لئے رحمتیں ہیں۔

پانچواں اعتراض: قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ کبھی بعض کے گناہوں کی وجہ سے بے گناہوں پر بھی عذاب آجاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة بتایئے کہ ان بے گناہوں سے نعمت عافیت کیوں چھوٹی اور عذاب الٰہی ان پر کیوں آیا۔ وہ آیت اس کے خلاف ہے۔

جواب: اس کا جواب یہی ہے کہ ایسے بے قصوروں کے لئے یہ عذاب عذاب ہی نہیں بلکہ ترقی درجات کا ذریعہ ہے۔ یہاں ذکر نعمت چھن جانے عذاب آنے کا ہے لہٰذا تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیات الٰہیہ یعنی کتاب اللہ کی آیتیں انبیاء کرام کے معجزات ان کی تعلیمات گویا بجلی کا پاور ہیں۔ بجلی کا پاور مختلف چیزوں سے تعلق رکھ کر مختلف بہاریں دکھاتا ہے۔ بلب سے لگے تو روشنی دیتا ہے۔ ہیٹر سے لگے تو گرمی دیتا ہے۔ فریج میں ٹھنڈک پنکھے میں ہوا وغیرہ۔ یوں ہی آیات الٰہیہ نیک بخت دل و دماغ سے تعلق رکھیں تو وہاں تصدیق ایمان بلکہ ٹھنڈک عرفان ایقان سب کچھ پیدا کرتی ہیں لیکن یہ ہی آیات اگر بدبخت سینوں بدنصیب دماغ سے لگیں تو وہاں طغیانی کفران آخرکار عذاب کا باعث ہوتی ہیں۔ ان آیات میں انہیں دوسرے قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔ حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ جو نعمت کی قدر نہ کرے اس سے نعمت چھن جاتی ہے اس کی نعمت قحط بن جاتی ہے۔ ولاء، بلاء، عزت ذلت، اقبال ادبار، یعنی بیمار بن جاتی ہے۔ اس بے قدری کی اصل غرور و تکبر ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ شعر

کسے را کہ پندار در سر بود　　　　مپندار ہرگز کہ حق بشنود

جو اللہ کو پہچانے گا۔ وہ اس کی نعمت کی قدر بھی جانے گا نعمت الٰہی کی بے قدری حق کو نہ پہچاننے کی دلیل ہے اللہ کو پہچاننے والا دنیا بلکہ کونین کی طرف توجہ نہیں کرتا کیونکہ اللہ ہر چیز سے افضل و اعلیٰ ہے اور ذکر اللہ ہر شے سے زیادہ لذیذ ہے۔ (روح البیان)

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ

مثل طریقہ متبعین فرعون کے اور ان لوگوں کے جو پہلے ہیں ان کے جھٹلایا انہوں نے نشانیوں کو اپنے رب کی

جیسے فرعون والوں اور ان سے اگلوں کا دستور انہوں نے اپنے رب کی آیتیں

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا

پس ہلاک کر دیا ہم نے ان کو اور ڈبو دیا ہم نے فرعونیوں کو اور سارے تھے وہ ظالم تحقیق بدترین جانوروں

جھٹلائیں تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور ہم نے فرعون والوں

ظٰلِمِیْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

میں پاس اللہ کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکار کیا

کو ڈبو دیا وہ سب ظالم تھے بے شک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۵۵﴾
پس وہ ایمان نہیں لاتے
وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور ایمان نہیں لائے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: آیات میں ذکر ہوا کہ کفار آیات ربوبیت سے انکاری ہیں اب ذکر ہے کہ وہ آیات ربوبیت سے انکار کرتے ہیں گویا ایک قسم کے انکار کے بعد دوسرے قسم کے انکار کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں چھینتا اور نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت نہ بدل دے۔ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو فرعون پر ہم نے بڑے کرم کئے مگر جب وہ ناشکرا ہوا تو ڈوب گیا گویا دعویٰ پہلے ہوا، دلیل اب دی جا رہی ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ کے سخت عذابوں کا اجمالی ذکر ہوا اب اس اجمال کی کچھ تفصیل کی جا رہی ہے۔ گویا یہ آیات ان آیات کی تشریح ہیں کہ وہاں پکڑ کا ذکر تھا یہاں ڈبونے کا۔

تفسیر: کداب ال فرعون والذین من قبلھم اس جملہ کی تفسیر۔ داب کے معنی آل فرعون کی تعیین اور من قبلھم کا مطلب یہ سب کچھ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس سے پہلے رابہم پوشیدہ ہے جو جملہ ہے اور کداب آل فرعون الخ اس کی خبر و بہم میں ضمیر یا تو مشرکین مکہ کی طرف ہے یا انعمنا علی قوم میں جو قوم ہے وہ اس کا مرجع ہے یعنی کفار قریش کا حال فرعونیوں کے حال کی طرح ہے یا ناشکری قوم سے نعمت چھن جاتی ہے جیسے فرعونیوں کا حال ہوا۔ دوسری صورت میں یہ آیت اس قانون قدرت کا ثبوت ہے۔ کذبوا بایت ربھم یہ مضمون ابھی پچھلی آیت میں بیان ہو چکا مگر وہاں تھا کفروا یہاں کذبوا تا کہ معلوم ہو کہ وہاں کفر کے معنی ناشکری نہیں اور وہاں تھا بایات اللہ اور یہاں ہے بایات ربھم تا کہ معلوم ہو کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی نشانیاں مراد تھیں اور یہاں اس کی ربوبیت کی نشانیاں مراد ہیں۔ خیال رہے کہ نبی رب تعالیٰ کی آیت الوہیت بھی ہیں اور آیت ربوبیت بھی۔ ان کا انکار دونوں قسم کی آیتوں کا انکار ہے۔ اس کذبوا بایات ربھم میں فرعونی لوگ بھی داخل ہیں اور دوسرے کفار بھی جیسا کہ آیت کی روشنی سے معلوم ہو رہا ہے۔ فاھلکنھم بذنوبھم چونکہ ان کی ہلاکت جھٹلانے کے بعد بلکہ اس پر مرتب تھی اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی اس ہم کا مرجع قوم فرعون کے سوا دوسری قومیں ہیں یعنی والذین من قبلھم کیونکہ فرعونیوں کی ہلاکت کا ذکر تو آگے آ رہا ہے ان میں سے بعض کی ہلاکت زلزلہ سے بعض کی زمین میں دھنسنے سے بعض کی غیبی پتھراؤ سے بعض کی آندھیوں سے بعض کی صورت تبدیل کرنے سے ہوئی جیسا کہ قرآن مجید میں مختلف جگہ اس کا ذکر ہے یوں ہی کفار قریش کی ہلاکت غزوات بدر وغیرہ میں غازیوں کی تلواروں سے ہوئی (تفسیر خازن) ذنوب کے معنی اس کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں ذکر ہوئی۔ و اغرقنا ال فرعون چونکہ ان سب کفار میں

فرعونی بدترین کافر تھے اور ان کی سزا بھی نہایت عبرت ناک ہوئی اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر علیحدہ ہو گیا فرعون کے ڈوبنے کا واقعہ ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ و کل کانوا ظلمین. یہ فرمانِ عالی نیا ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے کل سے مراد تو سارے فرعونی ہیں یا ان سے پہلے والی قومیں یا وہ ساری قومیں اور کفارِ قریش (معانی) ظالمین بمعنی کافرین ہے اور کافرین سے مراد منکرین شانِ نبی کہ اس کے بغیر عذاب آتا ہی نہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ ان عذابوں کی تفصیل بیان فرمانے کے لئے اس کا نتیجہ بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے ان شر الدوآب پہلے ہلاکت شدہ کافروں کا ذکر ہوا اب مطلقاً کفار کا ذکر ہے ہلاکت شدہ ہوں یا دوسرے غیر ہلاکت شدہ۔ چونکہ اس مضمون کے انکاری بہت تھے اور بہت ہیں جن کا خیال ہے کہ انسان اگرچہ کافر ہو مگر جانوروں سے افضل ہے اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا۔ شر ہے تو صفت مشبہ مگر بمعنی اسم تفضیل ہے یہ بمعنی شرارت ہے یعنی بدتری اشر کے معنی ہوئے۔ بدترین دواب جمع ہے دابۃ کی جس کا مادہ دب ہے بمعنی زمین پر چلنا دابہ کہتے ہیں زمین پر چلنے والے جانوروں کو اس میں انسان بھی داخل ہے۔ اب اصطلاح میں دابہ گھوڑے کو کہا جاتا ہے کہ یہاں لغوی معنی میں ہے یعنی تمام جان والی زمین پر چلنے والی مخلوق میں بدترین مخلوق عند اللہ معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے علم اس کا فیصلہ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم اس کے فیصلے میں بدترین جانور۔ الذین کفروا الذین سے مراد انسان ہیں۔ کفروا سے مراد وہ ہیں جن کا کافر رہنا علم الٰہی میں آ چکا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں کفار کی فہرست میں ہیں خواہ مسلمان جئیں یا کافر جئیں۔ کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے۔ فھم لا یومنون. یہ کفروا کا بیان ہے یعنی ان کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے کہ کسی ذریعہ سے ایمان لانے والے نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ فھم میں ف فصیحیہ ہے اس سے پہلے اذا علمت پوشیدہ ہے یعنی تم جان چکے کہ جانوروں سے بدتر وہ کفار ہیں تو جان لو کہ یہ ایمان نہیں لانے کے ان پر رنج و غم نہ کرو اگرچہ انہیں تبلیغ کرو کہ آپ کو اس تبلیغ کا ثواب ملے گا۔

خلاصہ تفسیر: ان کفار کا حال فرعونیوں اور ان سے پہلے والے کفار کے حال کا سا ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک اور بدکاریوں میں جتلا رہے انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں، کتابوں، نبیوں، ان کے معجزات کو جھٹلایا چنانچہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کے نشان بھی باقی نہ رہے اور تم کو یہ تو معلوم ہے کہ ہم نے فرعون کے متبعین کو بحر قلزم میں ایک عجیب طریقہ سے ڈبویا۔ یہ سارے کے سارے ظالم کافر نبیوں کے انکاری تھے۔ نبی کے انکار کا انجام یہی ہوتا ہے۔ اس سے پتہ لگا کہ کفار باوجود انسان ہونے کے تمام جانوروں سے بدتر ہیں کہ دنیا میں عذاب ان پر آئے جانوروں پر نہ آئے۔ بعد قیامت دوزخ میں جائیں گے جانور نہ جائیں گے کیونکہ نبی کا مقابلہ انہوں نے کیا جانوروں نے نہ کیا۔ مگر یہ ان کا حکم ہے جو کفر پر مریں ایمان قبول نہ کریں ان کے کفر سے تم ملول نہ ہوؤ۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: عذاب یافتہ قوموں کے عذاب سے فرعون کی غرقابی عجیب تر ہے کہ ایک ہی دریا سے اس وقت بنی اسرائیل سلامت نکل گئے اور اسی وقت اسی دریا میں فرعون مع اپنے لشکر کے ڈبو دیا گیا کیونکہ اسرائیلی نبی کے ساتھ تھے وہ نبی سے اور

دور تھا۔ یہ فائدہ احلکنا کے بعد اغرقنا فرمانے سے حاصل ہوا۔
دوسرا فائدہ: کفر ہلکا ہو یا بھاری، دنیا میں سب کی سزا یکساں ہے ہلکے بھاری کا فرق آخرت میں ہوگا کہ سرداران کفر دوزخ کے بدترین طبقہ میں ہوں گے اور ماتحت ہلکے طبقہ میں۔ یہ فائدہ کل کانوا ظالمین سے حاصل ہوا کہ فرعون اور ہامان سخت ترین کافر اور تمام کے سردار گمراہ کن تھے۔ اس کے ماتحت لوگ ان سے ہلکے مگر سب کو یکساں طور پر غرق کیا گیا۔ دنیاوی عذاب ہلکے بھاری کافر میں فرق نہیں کرتا۔
تیسرا فائدہ: کافر انسان جانوروں حتیٰ کہ کتے سور سے بدترین ہے کیونکہ کوئی جانور کفر بت پرستی نبی کا مقابلہ نہیں کرتا حالانکہ وہ بے عقل ہے یہ انسان عاقل ہو کر یہ حرکتیں کرتا ہے اس لئے اس پر عذاب آتا ہے اور آئے گا۔ جانوروں پر نہیں آتا۔ یہ فائدہ ان شر الدواب (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ اولئک هم شر البریه کفار کو رب نے ساری مخلوق سے بدترین فرمایا ہے کشتی نوح میں جانوروں کے لئے جگہ تھی مگر کنعان کے لئے نہ تھی۔
چوتھا فائدہ: اس کے برعکس مومن انسان ساری مخلوق سے افضل، اس کے لئے جنت اور وہاں کی نعمتیں، مومن جنات اور فرشتوں کے لئے نہیں۔ یہ فائدہ بھی ان شر الدواب (الخ) سے اشارۃً حاصل ہوا اس کی تائید وہ آیت کرتی ہے اولئک هم خیر البریه کہ مومن متقی انسان ساری مخلوق سے خیر ہے۔
مسئلہ: عام متقی انسان ساری مخلوق سے خیر ہے۔ متقی مومنین عام فرشتوں سے افضل ہیں مگر خاص فرشتے جیسے حضرت جبرائیل و میکائیل عام مومنین سے افضل ہیں۔ اس کی مفصل بحث پہلے پارے میں ہو چکی ہے۔
پانچواں فائدہ: شریعت کے احکام ظاہر پر ہیں۔ طریقت کے احکام حقیقت اور باطن پر۔ شریعت فی الحال مومن کو مومن مانتی ہے اور فی الحال کافر کو کافر ان دونوں پر ایسے ہی کام جاری فرماتی ہے مگر طریقت و حقیقت کا حکم اصل پر ہوتا ہے یہ فائدہ عند اللہ سے حاصل ہوا۔
چھٹا فائدہ: اعتبار خاتمہ اور انجام پر ہے جو شخص فی الحال مومن متقی معلوم ہوتا ہے مگر کفر پر مرنے والا ہے وہ بدترین خلق ہے اور جو فی الحال کافر و فاسق معلوم ہوتا ہے مگر اس کا خاتمہ ایمان و تقویٰ پر ہونے والا ہے وہ بہترین خلق ہے۔ یہ فائدہ فھم لایومنون فرمانے سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ خاتمہ ایمان و تقویٰ پر نصیب کرے۔ رب تعالیٰ زندگی و موت ایسی نصیب کرے۔ شعر

نام نامی رہے ان کا ورد زباں، ذکر ہوتا رہے سانس چلتی رہے
آخری وقت ہو ان کے قدموں پہ سر، دید ہوتی رہے دم نکلتا رہے

ساتواں فائدہ: عند اللہ شرک و کفر یکساں جرم ہیں۔ ان میں کوئی بخشش کے لائق نہیں اور ہر کافر ہر مشرک جانوروں سے بدتر ہے۔ یہ فائدہ الذین کفروا فرمانے سے حاصل ہوا۔ آیت کریمہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک به اور دوسری آیت کریمہ و لا تنکحوا المشرکین ان جیسی آیتوں سے شرک سے مراد کفر ہے۔ شریعت کے بعض احکام میں شرک و کفر میں

فرق ہے۔ یہودی عیسائی کافر ہیں مگر ان کے احکام ہلکے اور موحد کفار مرتدین کے احکام سخت ہیں۔ مشرکین کے احکام کچھ اور یہ فرق شرعی احکام میں ہے۔ یہ بات خیال میں رہے۔

پہلا اعتراض: اس جگہ ایک ہی مضمون مکرر کیوں بیان ہوا۔ دیکھو کہ اب آل فرعون الخ ابھی کچھ پہلے ارشاد ہو چکا ہے اور اب پھر ارشاد ہوا تکرار بیکار ہوتی ہے۔ پھر یہاں کیوں ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تعلق کے بیان میں عرض ہو چکا ہے کہ وہ آیت مجمل تھی یہ اس کی تفصیل ہے کہ وہاں اخذ تھا یہاں اھلکنا ہے وہاں کفروا تھا یہاں کذبوا ہے وہاں شدید العقاب تھا یہاں اغرقنا ہے پھر تکرار کہاں رہی اور اگر فرق بالکل نہ ہو تب بھی تکرار سے تاکید حاصل ہوتی ہے۔ جس تکرار سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو قرآن مجید میں ایسی تکرار کہیں نہیں۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر انسان جانوروں سے بدتر ہے مگر دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے ولقد کرمنا بنی آدم جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً انسان عزت والا ہے دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: انسانیت اور افراد انسان میں بڑا فرق ہے۔ انسانیت یعنی حقیقت انسان حقیقت ملکیت سے افضل ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیت میں اس کا ذکر ہے مگر افراد انسان ان کے حالات مختلف ہیں۔ بعض انسان فرشتوں سے افضل ہیں اور بعض جانوروں سے بدتر۔ یہ فرق ہم نے اپنی کتاب عصمت انبیاء میں بیان کیا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں کفروا ماضی اور لایومنوں مضارع کیوں ارشاد ہوا۔ کفر اور بے ایمانی میں کیا فرق ہے۔

جواب: کفروا سے مراد ہے فیصلہ الٰہی میں ان کا کفر جس کا پہلے فیصلہ ہو چکا ہے اور لایومنوں میں ان کے آئندہ حال کا ذکر ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ پہلے ہی سے کافر ہیں اور آئندہ کافر ہی رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: سارے انسان صورت میں یکساں ہیں مگر سیرت میں بعض طبع والے بعض ہواء نفسانی خواہش والے بعض نبی والے بعض خدا والے ہیں یہ سب صورۃً ایک جنس بلکہ نوع ہیں مگر سیرتاً مختلف نوع بلکہ مختلف جنس ہیں، صورتاً جانوروں سے افضل معلوم ہوتے ہیں مگر سیرتاً جانوروں سے بدتر اس لئے رب تعالیٰ نے انہیں شر الناس نہ فرمایا بلکہ شر الدواب فرمایا دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **اولئک کالانعام بل ہم اضل** ۔شعر

دریغ آدمی زادہ بر محل　　　　کہ باشد چوں انعام بل ہم اضل

حکایت: مجنوں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لیلیٰ کے شہر چلا گیا مگر اونٹنی کا بچہ گھر چھوڑ گیا۔ جب تک مجنوں اونٹنی کی پشت پر جاگتا رہا اسے ہانکتا رہا، اونٹنی سیدھی چلتی رہی مگر رات کو مجنوں اس کی پشت پر سو گیا تو اونٹنی واپس گھر کی طرف چل دی کیونکہ اس وقت سوار کا قبلہ آگے تھا یعنی لیلیٰ اور سواری کا قبلہ پیچھے تھا یعنی اونٹنی کا بچہ کئی بار یہ معاملہ ہوا مجنوں کو دشواری یہ تھی کہ راستہ پیدل طے نہ کر سکتا تھا اب ایک صورت تھی کہ اونٹنی کی پشت پر بیدار رہتا کیونکہ یہاں دونوں کے قبلے الگ الگ سمت پر تھے۔

انسان تیری روح سوار ہے تیرا نفس اس کی سواری مگر نفس کا قبلہ دنیا ہے اور روح کا قبلہ آخرت۔ اگر سوار بیدار رہے تو

اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاوے گا اگر غفلت کرے گا تو نفس تجھے دنیا میں پھنسا دے گا۔ یہ مذکورہ قومیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ انہوں نے غفلت برتی جس سے ان کے نفس نے انہیں دنیا میں پھنسا دیا اور وہ ہلاک ہوئے۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ

وہ لوگ جن سے معاہدہ کیا تم نے ان میں سے پھر توڑتے ہیں وہ عہد اپنا ہر بار اور وہ نہیں

وہ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور ڈرتے نہیں

مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ

ڈرتے اور اگر پاؤ کبھی تم انہیں جنگ میں بھگاؤ بذریعہ ان کے ان کو

تو اگر تم انہیں لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسا قتل کرو جس سے

فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ

پیچھے ہیں انکے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور اگر کبھی اندیشہ کرو تم کسی قوم

ان کے پسماندوں کو بھگاؤ اس امید پر کہ شاید انہیں عبرت ہو اور اگر تم کسی قوم سے دغا کا

مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

سے بد عہدی کا پس پھینک دو طرف ان کے اوپر برابری کے تحقیق اللہ نہیں پسند

اندیشہ کرو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو برابری پر بے شک

الْخَآئِنِيْنَ ﴿٥٨﴾

کرتا بد عہدی والوں کو

دغا والے اللہ کو پسند نہیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ سارے کافر ظالم ہیں پھر ان کے بعض کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ اللہ کے نزدیک جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ اب ان کی دوسری برائی ہو رہی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے وعدوں کو توڑتے رہتے ہیں ان وعدوں کا اعتبار نہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے عیب بیان ہوئے اب ارشاد ہے کہ مسلمان کو ان کے ساتھ برتاؤ کیسا کرنا چاہیے۔

فاما تثقفنهم گویا دوسرے بروں کی برائی بیان فرمانے کے بعد ان سے معاملات کرنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں خبر دی گئی تھی کہ یہ کفار ایمان نہیں لائیں گے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ بدعہد معاملہ کے خراب ہیں کفر پر مرنے والوں کی ایک علامت یہ بھی ہوتی ہے گویا پہلے ایک غیبی خبر دی تھی اب اس خبر کی حقانیت کی ایک علامت ارشاد ہو رہی ہے۔

شانِ نزول: مدینہ منورہ میں یہود کے دو قبیلے آباد تھے۔ ایک بنی قریظہ دوسرا بنی نضیر۔ جب ہجرت کر کے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں جلوہ آرائی فرمائی تو بنی قریظہ سے معاہدہ کر لیا کہ وہ حضور انور ﷺ کے مقابل حضور ﷺ کے دشمنوں کو کسی قسم کی مدد نہ دیں بلکہ غیر جانبدار رہیں مگر جب غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا تو انہوں نے خفیہ طور پر کفار قریش کو ہتھیار دے دیئے تھے اور ان کی جنگی مدد کی۔ جب اللہ نے مسلمانوں کو کھلی فتح عطا فرمائی اور ان بدبختوں سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو بولے ہم سے غلطی ہو گئی۔ چنانچہ ان سے دوبارہ یہ ہی معاہدہ کیا گیا۔ ان کے دل میں مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ گئی کہ سمجھے کہ حضور انور ﷺ سچے نبی ہیں اور اسلام غالب ہو کر رہے گا۔ مگر جب غزوۂ احد میں مسلمانوں کو کچھ تکلیف پہنچ گئی تو یہ پھر شیر ہو گئے حتیٰ کہ ان کا سردار کعب ابن اشرف اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ معظمہ پہنچا اور کفار مکہ کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ اس نے صرف اس پر کفایت نہ کی بلکہ قریباً سارے عرب کے قبیلوں کو ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے آمادہ کر لیا جس کے نتیجہ میں غزوۂ خندق جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے متعلق یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ (تفسیر خازن و روح البیان، بیضاوی، خزائن العرفان، تفسیر صاوی وغیرہ)

تفسیر: **الذین عھدت منھم** یہ الذین یا تو پہلے الذین کفروا (الخ) کا بدل ہے یا عطف بیان ہے یا اس کی صحت ہے یا ہم پوشیدہ کی خبر ہے یا پوشیدہ فعل کا مفعول یہ (روح المعانی) لہٰذا اس کی پانچ ترکیبیں ہیں اور پانچ ہی تفسیریں عھدت بنا ہے معاہدہ سے جس کا مادہ عہد ہے بمعنی مضبوط وعدہ جس کی حفاظت کی ذمہ داری کی جاوے۔ یہاں عھدت کے معنی ہیں آپ ﷺ نے عہد لیا۔ عھدت کا مفعول بہ پوشیدہ ہے۔ ہم منھم میں من بعضیت کے لئے ہے (روح المعانی) یہاں معاہدہ سے جنس معاہدہ مراد ہے جس کی بہت فردیں ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی وہ بنی قریظہ کفار یہود جن سے آپ ﷺ نے معاہدے کئے ان سے بار بار عہد لئے **ثم ینقضون عھدھم فی کل مرۃ** یہاں ثم بمعنی پھر ہے چونکہ ان کا معاہدہ توڑنا کچھ عرصہ کے بعد ہوتا تھا لہٰذا ثم ارشاد ہوا۔ یہ ینقضون کا معطوف ہے عاہدت پر اسے مضارع فرما کر بتایا گیا کہ وہ بار بار عہد کرتے تھے بار بار توڑتے تھے بلکہ عہد کرتے وقت توڑنے کی نیت کرتے تھے۔ **کل مرۃ** یعنی ہر بار سے مراد یا تو ہر بار کا عہد ہے یا ہر بار کی جنگ (روح المعانی) یعنی ہر بار عہد توڑ دیتے تھے یا ہر جنگ کے موقع پر عہد توڑ دیتے ہیں۔ **وھم لا یتقون** یہ عبارت حال ہے۔ ینقضون کے فاعل سے یعنی عہد توڑ دیتے ہیں اس حال میں کہ خدا سے یا دنیا سے لعن طعن سے یا بدعہدی کے بدنما داغ سے یا مسلمانوں کے غالب آ جانے پر مسلط ہو جانے سے نہیں ڈرتے (روح المعانی) انہیں اس عہد شکنی کے بدلہ عار و نار سے خوف نہیں۔ **فاما تثقفنھم فی الحرب** ان کے احوال بیان فرمانے کے بعد ان کے احکام کا ذکر ہے اما بنا ہے ان شرطیہ ما ظرفیہ سے یعنی اگر کبھی تثقفنھم بنا ہے ثقف سے بمعنی پکڑنا فتح پانا (کبیر وغیرہ) ہم سے مراد وہ ہی

بنی قریظہ ہیں جن کے متعلق یہ آیات آئیں۔ حرب سے مراد مطلقاً جنگ ہے یا غزوہ بنی قریظہ جو غزوہ خندق کے بعد ہوا۔ فشرد بھم یہ عبارت اما کی جزاء ہے اس میں ف جزائیہ ہے شرد بنا ہے تشرید سے بمعنی تفریق یعنی بکھیر دینا، متفرق و پریشان کر کے بھگا دینا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

اطوف　بالا　فطع　کل　یوم　مخافۃ　ان　یشرو　لی　حکیم　(معانی)

حضرت ابن مسعود کی قرأۃ میں شرذ نقطہ ذال سے ہے معنی ایک ہی ہیں۔ بھم میں ب سببیہ ہے ہم کا مرجع وہ بنی قریظہ ہی ہیں۔ من خلفھم سے مراد یا تو کفار مکہ ہیں یا سارے کفار عرب جو بنی قریظہ کی پشت پناہی کرتے تھے یا ان کے بلانے پر ان کے پیچھے لگ گئے اور متفقہ طور پر مسلمان پر حملہ آور ہو گئے یعنی اگر تم بنی قریظہ کی پشت پر قابو پاؤ تو انہیں ایسی سخت سزا دو کہ یہ سارے کفار کے لئے عبرت بن جاویں پھر جمع ہو کر تم پر حملہ نہ کر سکیں۔ انہیں سب کے لئے عبرت بنا دو تا کہ آئندہ ان فتنوں کی آگ ہمیشہ کے لئے بجھ جاوے۔ لعلھم یذکرون۔ یہ اس سزا کی حکمت کا ذکر ہے۔ لعلھم اور یذکرون کی ضمیریں لوٹ رہی ہیں من خلفھم کی طرف لہٰذا مطلب واضح ہے یعنی اس سخت عذاب کا فائدہ یہ ہے کہ ان کا انجام دیکھ کر باقی سارے کفار کو نصیحت مل جاوے کہ وہ آئندہ تم پر حملہ کرنے یا کفر کرنے سے باز آ جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض کیا جاوے گا۔ و اما تخافن من قوم خیانۃ یہ دوسرا حکم ہے جس کا تعلق باقی کافر جماعتوں سے ہے کیونکہ بنی قریظہ تو سارے قتل ہی کر دیئے گئے ان کی شوکت ہی ٹوٹ گئی ان سے بدعہدی کا خوف رہا ہی نہیں یہاں ابھی اما نیا ہے اور ان شرطیہ اور ما ظرفیہ ہے قوم سے مراد دوسری کافر قوم ہے جیسے کفار مکہ وغیرہ۔ خیانۃ سے مراد بدعہدی ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر پھر کبھی آپ ﷺ کسی کافر قوم سے جنگ بندی کا معاہدہ کریں مگر آپ ﷺ کو علامات کے ذریعے خطرہ ہو کہ یہ لوگ بھی بنی قریظہ کی طرح ہوں موقع پا کر عہد توڑ دیں گے تو انہیں اس کا موقع نہ دیں بلکہ یہ کریں کہ فانبذ الیھم علی سواء۔ یہ عبارت اما تخافن کی جزاء ہے اس میں فا جزائیہ اور انبذ بنا ہے نبذ سے بمعنی پھینکنا۔ رب فرماتا ہے نبذ واہ وراء ظھورھم۔ اس کا مفعول پوشیدہ ہے۔ عھدھم سواء سے پہلے طریق پوشیدہ ہے سواء کے معنی برابر یا ظاہر (خازن) خیال رہے کہ عہد پھینک دینے سے مراد ان کا عہد توڑ دینا اور علی سواء کے معنی ہیں انہیں پہلے سے اس کی خبر دے دینا یعنی ایسے حالات میں ان کفار کو خبر بھیج دو کہ چونکہ ہم کو پتہ چلا ہے کہ تم عہد شکنی کرنا چاہتے ہو ہم لوگ تم کو خبر دیتے ہیں کہ ہمارا تمہارا وہ معاہدہ ختم ہو چکا ہم تم پر حملہ کرنے والے ہیں ہوشیار رہو تا کہ اے محبوب تم پر بدعہدی کا الزام نہ آئے۔ اس حملہ کی خبر میں تم اور وہ برابر ہو جاؤ کہ تم کو بھی اس کی خبر ہو ان کو بھی۔ ان اللہ لا یحب الخائنین۔ یہ انبذ کی وجہ کا بیان ہے یعنی یہ اطلاع اس لئے دے دو کہ آپ ﷺ پر عہد شکنی کا الزام نہ آئے اللہ تعالیٰ عہد شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا یا چونکہ وہ لوگ عہد شکن ہیں اور رب کو عہد شکن پسند نہیں ہوتا اس لئے انہیں خبر دے کر حملہ کرو۔ تم محبوب ہو وہ مردود ان جماعتوں کی جنگ ہوتی ہی رہے گی۔

موسیٰ　و　فرعون　شبیر　و　یزید　　این　دو　طاقت　از　ازل　آمد　پدید

خیال رہے کہ محبت کی نفی سے بغض کا ثبوت لازم ہے رب تعالیٰ کے لئے کیونکہ رب کے ہاں محبت وعداوت کے درمیان کوئی واسطہ نہیں بندہ یا محبوب ہوگا یا مردود لہٰذا لاحب کے معنی ہیں بغض (روح المعانی) یہ نکتہ یاد رکھو۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات کریمہ میں دو قسم کی دشمنوں کا زور توڑنے کا حکم دیا ہے ایک وہ جو معاہدے کر کر کے توڑ دیتے ہوں دوسرے وہ جن کے معاہدے توڑ دینے کا اندیشہ ہو۔ ابھی اس نے عہد شکنی تو نہ کی ہو مگر علامات سے ان کی بدعہدی کا پتہ لگ گیا ہو چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ کفار جن سے آپ ﷺ نے معاہدے کئے مگر وہ ہر بار عہد توڑتے ہی رہتے ہیں نہ تو خدا کا خوف کرتے ہیں نہ دنیا کی لعن طعن سے ڈرتے ہیں انہوں نے پہلا معاہدہ غزوۂ بدر میں توڑا پھر بدر کے بعد معاہدہ کیا تو غزوۂ احد کے بعد توڑا سارے کفار عرب کو تمہارے مقابل حملہ آور بنا دیا۔ ان کی سزا یہ ہے کہ اب جب آپ ﷺ کی ان سے جنگ ہو اور وہ مغلوب ہوں تو صرف ان کے زور توڑنے پر کفایت نہ کرو بلکہ انہیں ایسی مار مارو کہ وہ اپنے دوسرے دوستوں کے لئے عبرت بن جاویں جو کفار ان کی پشت پناہی کے لئے آئے تھے یا آنا چاہا انہیں پتہ لگ جاوے بدعہدوں ظالموں کو بدلہ ایسا دیا جاتا ہے وہ سب بکھر جاویں آپ ﷺ کے مقابلہ کے لئے ایک نہ ہو سکیں۔ چنانچہ غزوۂ خندق کے بعد بنی قریظہ کا مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ ان کے باغوں کھیتوں میں آگ لگا دی تاکہ وہ مال کی ایسی بربادی دیکھ کر اپنے قلعوں سے اتر آویں اور اپنے کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیں۔ ایسا ہی ہوا کہ وہ نیچے اترے اور حضرت سعد بن معاذ کے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان کا ہر بالغ قتل کر دیا جائے۔ ایسا ہی کیا اور مدینہ منورہ کی زمین ان کے وجود نامسعود سے خالی ہو گئی۔ آج کل کی حکومتیں ایسے غداروں پر بمباری کر کے انہیں ان کے بچوں کو ہلاک ان کے مکانات جائیدادوں کو برباد کر دیتی ہیں۔ یہ حضور انور ﷺ کا کام تھا کہ ان کے بچے مکانات باقی رکھے صرف بالغوں کو قتل کیا جو قریباً چھ سو تھے۔ رہے دوسرے قسم کے دشمن ان کے متعلق ارشاد ہوا اے محبوب اگر آپ ﷺ کسی کافر سے معاہدہ کریں جنہوں نے اس سے پہلے کبھی عہد شکنی نہ کی مگر آپ ﷺ کو علامات اور قرینوں سے پتہ لگے کہ یہ عہد توڑنے والے ہیں تو آپ ﷺ انہیں پہلے خبر دے دو کہ ہم کو پتہ لگا ہے کہ تم یہ حرکت کرنا چاہتے ہو لہٰذا مطلع ہو جاؤ کہ فلاں تاریخ تک ہمارا معاہدہ قائم ہے اس کے بعد ہم اس معاہدہ سے بری ہیں۔ تم پر حملہ کر دیں گے یہ پہلے سے اطلاع دینا اس لئے ہے کہ آپ ﷺ پر عہد شکنی کا الزام نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ عہد شکنی کرنے والوں سے سخت ناراض ہے۔ خیال رہے کہ اگر معاہدے کی مدت ختم ہو جائے یا دوسرے فریق نے معاہدے کی کوئی شرط توڑ دی ہو تو اب اسے اطلاع دینے کی ضرورت نہیں فوراً حملہ کر دینا جائز ہے۔ دیکھو صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور ﷺ نے کفار مکہ سے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا مگر اس معاہدے کی بہت شرطیں تھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ بنی خزاعہ ہمارے حلیف ہیں اور بنی کنانہ تمہارے حلیف اگر یہ دونوں حلیف آپس میں لڑیں تو ہم میں سے کوئی اپنے حلیف کی مدد نہ کرے مگر کفار مکہ نے یہ عہد توڑ دیا اور بنی خزاعہ کے مقابلے میں اپنے حلیف بنی کنانہ کی مدد کر دی۔ اس بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال بعد ہی بغیر اطلاع دیئے حملہ کر دیا اور فتح واقع ہوئی۔ (روح المعانی) صلح حدیبیہ ۶ ہجری میں ہوا ہے اور فتح مکہ ۷ ہجری میں ہوئی۔ (مدارج جلد دوم) یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قرآن مجید نے ہم کو صرف عبادۃ ہی نہیں سکھائے بلکہ سلطنت کرنے کے طریقے بھی علی وجہ الکمال تعلیم فرمائے۔ شعر

کلام اللہ بھی نام خدا کیا راحت جاں ہے　　عصاء پیر ہے تیغ جواں ہے حرز طفلاں ہے

انسان کی زندگی کا ہر شعبہ قرآن مجید نے مکمل فرمادیا ہے۔ یہ فائدہ ان دونوں آیتوں کے مضمون سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: دشمن کے حالات سے باخبر رہنا چاہئے ان سے غافل ہونا اپنے کو ہلاک کرنا ہے۔ یہ فائدہ ثم ینقضون عهدهم (الخ) سے حاصل ہوا بہت سی اسلامی سلطنتیں لاپرواہی اور بے خبری کی وجہ سے تباہ ہو گئیں جیسا کہ تاریخ دان حضرات سے مخفی نہیں بلکہ رعایا کے حالات سے باخبر رہنا بھی ضروری ہے۔ ان میں بعض وفادار ہوتے ہیں بعض غدار جن کے دماغ میں بغاوت رہتی ہے۔

تیسرا فائدہ: مومن پر وعدہ پورا کرنا لازم ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **واوفوا بالعهد** (الخ) یہ فائدہ بھی **ثم ینقضون عهدهم** سے حاصل ہوا کہ وعدہ خلافی کفار اور ناپرہیزگار کا طریقہ قرار دیا۔

چوتھا فائدہ: جو بار بار وعدہ خلافی کرے اس کے وعدے کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے بلکہ اب اسے اس جرم کی سزا دینا چاہئے۔ یہ فائدہ فی کل مرۃ فرمانے سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: وعدہ پورا کرنا کفار پر بھی ضروری ہے وعدہ خلافی ان کے لئے بھی جرم ہے۔ یہ فائدہ **وهم لایتقون** سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہ ایک طرح کا معاملہ ہے اور معاملات کے مکلف کفار بھی ہیں۔

چھٹا فائدہ: سزائیں نہایت سخت ہونی چاہئیں جن سے دوسروں کو عبرت ہو تاکہ جرم بند ہوں۔ یہ فائدہ **فشرد بهم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں مگر حضور ﷺ نے سزائیں مجرموں کو سخت سے سخت دیں کہ دنیا کو مجرموں سے خالی کرکے امن وامان قائم کر دینا بھی رحمت ہے۔ آج قوانین نہایت نرم پھر ان کی گرفت بہت ڈھیلی ہے جس کا انجام دیکھا جارہا ہے کہ بدامنی غنڈہ گردی کا دور دورہ ہے کسی شریف کی عزت محفوظ نہیں کوئی شریف مظلوم انصاف نہیں پا سکتا۔

ساتواں فائدہ: کفار سے جنگ میں ہر وہ جائز طریقہ استعمال کرنا درست ہے جو کفار کی ہمت توڑ دے۔ ان کے جانور ہلاک کرنا۔ ان کے باغات کھیتوں میں آگ لگانا ان کی جائیدادوں کو تباہ کرنا وغیرہ۔ یہ فائدہ بھی **فشرد بهم من خلفهم** سے حاصل ہوا۔ ہاں عورتوں بچوں کا قتل حرام ہے آج کل کی جنگ میں پہلے عورتیں بچے ہلاک کئے جاتے ہیں۔

آٹھواں فائدہ: اگر قرین وعلامات سے معلوم ہو جاوے کہ ہمارا دشمن عہد شکنی کرنے والا ہے تو ہم عہد کے پابند نہ ہوں گے۔ پہلے اسے اطلاع دیں گے پھر اس پر حملہ کر دیں گے سانپ کے کاٹنے سے پہلے اس کا سر کچل دو۔ یہ فائدہ واما تخافن الخ سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ اپنے وعدے کا بڑا پختہ ہو دیکھو ایسی خائن سرکش قوم پر اچانک حملہ جائز نہیں بلکہ اسے پہلے خبر دے دی جاوے کہ ہم کو پتہ لگ گیا ہے کہ تم بدعہدی کرنے والے ہو لہٰذا فلاں تاریخ تک ہمارا تمہارا معاہدہ ختم ہے۔ ہم اس تاریخ کے بعد تم پر حملہ کریں گے۔ یہ فائدہ فانبذ الیھم علی سواء سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: خیانت صرف مال میں ہی نہیں ہوتی بلکہ وعدے میں بھی ہوتی ہے۔ وعدہ خلاف شرعاً خائن ہے امین نہیں۔ یہ فائدہ لایحب الخائنین سے حاصل ہوا کہ رب نے بدعہدوں کو خائنین فرمایا یہی حال امانت اور امین کا ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ غدار باغی ملک وقوم کے دشمن کو پہلی غداری پہلی ملک دشمنی پر نہیں پکڑنا چاہئے بلکہ جب وہ بار بار یہ حرکتیں کریں تب ان کو پکڑا جاوے کہ فرمایا ینقضون عھدھم فی کل مرۃ یہ تو سیاست ملکی کے خلاف ہے گربہ را روز اول باید کشت۔ حضور انور ﷺ نے قریظہ کی بارہا کی عہد شکنی پر انہیں معافی دی آخر میں پکڑا یہ کیوں۔

جواب: ہر وعدہ خلافی بدعہدی بغاوت نہیں جب معمولی سی ہو تو قابل معافی ہے بنی قریظہ نے اولاً وعدہ خلافیاں خفیہ اور شخصی طور پر کیں بعد میں معافی مانگتے رہے۔ جب یہ حرکتیں حد بغاوت کو پہنچیں تب انہیں سزا دی گئی جو قیامت تک کفار کے لئے عبرت بن گئی۔ سخت سزا کے لئے جرم چاہئے خیال رہے کہ حضور انور ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف لا کر فوراً سلطنت قائم نہ فرمائی بلکہ آہستگی سے پھر بھی دشمنوں کو تا امکان رعایات دی گئیں تاکہ اسلام کو دنیا میں بدنام نہ کیا جاوے کہ اسلام بہت سخت گیر دین ہے اور لوگ اسلام میں داخل ہونے سے ہچکچاہٹ نہ کریں پھر احکام سخت ہوتے رہے منافقوں کی حرکات سے خبردار ہوتے ہوئے ان سے درگزر ہوتی رہی حضرت خدیجہ نے فرمایا کہ نفاق زمانہ رسالت میں تھا آج یا کفر ہے یا ایمان (بخاری مشکوٰۃ شریف آخر باب الکبائر وعلامات النفاق)

دوسرا اعتراض: یہاں کفار یہود کے متعلق ارشاد ہوا وھم لا یتقون یہ لوگ تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ کفار متقی کیسے ہو سکتے ہیں تقویٰ کے لئے ایمان ضروری ہے۔

جواب: یہاں تقویٰ سے مراد شرعی تقویٰ نہیں بلکہ اس سے مراد بدنامی سے بچنا بدعہدی کے انجام سے ڈرنا۔ یعنی یہ لوگ بدعہدیاں کرنے میں نہ تو اپنی بدنامی سے خوف کرتے ہیں نہ اس کے انجام سے ڈرتے ہیں۔

تیسرا اعتراض: اسلام تو رحمت والا دین ہے پھر اس میں اس قدر سخت سزائیں کیوں رکھی ہیں کہ فرمایا فشرد بھم من خلفھم چور کے ہاتھ کاٹنا، زانی کو سنگسار کر ڈالنا، ڈاکو کے ہاتھ پاؤں کاٹنا، بنی قریظہ کا تخم مٹا دینا۔ یہ سزائیں غیر فطری ہیں۔

جواب: اس کا تفصیلی جواب ہم نے اپنی کتاب اسرار الاحکام میں دیا ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ رحمت کے معنی صرف دودھ پلانا، معافیاں دینا، درگزر کرنا ہی نہیں بلکہ سختی سے مجرموں کو کچل دینا جرموں کا خاتمہ کہ جس سے دنیا میں امن وامان ہو یہ بھی رحمت ہے۔ حکیم کا کڑوی دوائیں پلانا گلا سڑا عضو کاٹ ڈالنا اس کی مہربانی ہے۔ یہ شخص قوم پر فدا کئے جائیں نہ کہ قوم شخص پر۔ ایک دو چوروں کے ہاتھ کاٹ دینے سے اگر ملک میں چوری کا خاتمہ ہو جاوے تو یہ سودا مہنگا نہیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کفار سے کیا ہوا معاہدہ ضرورۃً توڑنا پڑ جائے تو پہلے انہیں خبر دی جاوے

فانبذ الیھم علی سواء مگر خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے معاہدے کو بغیر اطلاع دیئے توڑ دیا کہ دس سال کا معاہدہ تھا مگر جلدی ہی مکہ معظمہ پر حملہ کر دیا۔ اس آیت اور اس عمل شریف میں تعارض ہے۔

جواب: یہاں اس صورت کا ذکر ہے جبکہ کفار نے عہد شکنی نہ کی ہو۔ اندازہ سے معلوم ہوا کہ وہ ایسا کرنے والے ہیں۔ کفار مکہ نے تو خود عہد شکنی کر دی تھی۔ اب ان کو اطلاع دینا ضروری نہ تھا۔ اس لئے کسی کافر نے اس وقت حضور علیہ السلام پر عہد شکنی کا الزام نہ لگایا بلکہ خود شرمندہ تھے۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا واما تخافن اگر تم کو عہد شکنی کا خوف ہو یعنی اس کا وقوع نہ ہوا ہو صرف اندیشہ ہو۔

پانچواں اعتراض: ایسے خطرناک کفار جن کے متعلق عہد شکنی کا اندیشہ ہو انہیں پہلے سے اپنے ارادہ پر مطلع کیوں کیا جاتا ہے ان پر اچانک حملہ کیوں نہیں کر دیا جاتا حملہ کی اطلاع پہلے سے دینا اصول جنگ کے خلاف ہے یہاں کیوں ارشاد ہوا فانبذ الیھم علی سواء

جواب: یہ اطلاع طے شدہ معاہدہ کے احترام کے لئے ہے تاکہ کفار مسلمانوں پر عہد شکنی کا الزام نہ لگا سکیں۔ وعدہ خلافی اصول جنگ کے بالکل خلاف ہے اس سے اپنا وقار جاتا رہتا ہے آج وعدہ خلافیوں کی وجہ سے بھارت دنیا میں بدنام ہے اور پاکستان کا سر بلند ہے کہ اس نے ہمیشہ کئے ہوئے وعدے پورے کئے۔ اسلام کے اصول بڑے ہی اعلیٰ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اے مسلمان یہ نہ سمجھ کہ بنی قریظہ ایک کافر قوم تھی جو مدینہ منورہ میں رہتی تھی اب وہ ختم ہو چکی خود تیرے اندر بنی قریظہ موجود ہے یعنی تیرا نفس امارہ اور اس کے برے ساتھی۔ تو ان سے صلح کر کہ وہ دل کے معاملات میں دخل نہ دیں اسے اپنی راہ چلنے دیں اگر نفس اپنی اس صلح پر قائم رہے تو اس سے جنگ نہ کر لیکن اگر وہ بد عہدی کرے تو ایک دو بار اسے معافی دے دے آئندہ کے لئے وفاء عہد کا اس سے وعدہ لے لیکن اگر وہ بار بار عہد شکنی کرے تو اسے ایسی سخت سزا دے کہ آئندہ نہ تو اس کی ہمت رہے وعدہ خلافی کی اور نہ اس کے ساتھیوں کی قوت رہے کہ اجتماعی حملہ کریں تاکہ تیرے دل اور روح کا رستہ صاف رہے اور وہ خیریت سے راہ خدا کی منزلیں طے کر کے یار کے دربار تک پہنچیں اگر تجھے کبھی اپنے نفس کی طرف سے بہکانے راہ مارنے کا خطرہ ہو تو اس سے خطاب کر کہ درست رہ ورنہ تیرا میرا کوئی معاہدہ نہیں ہم تجھ کو سخت سزا دیں گے۔ صوفیاء کرام کے مجاہدات ریاضت اس آیت کریمہ پر عمل ہے وہ حضرات اپنے چلوں اعتکاف میں بہت ہی حلال چیزوں سے بچتے ہیں۔ کیوں۔ محرمات سے بچنے کے لئے۔ نفس امارہ علم و عقل کی تلوار سے نہیں مرتا یہ عشق کے خنجر سے ہلاک یا تبدیل ہوتا ہے۔ بلب دیا سلائی سے روشن نہیں ہوتا اس کا تعلق کسی پاور ہاؤس سے کرو تاکہ روشنی دے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔ شعر

زندگی کچھ اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے — زندگی سوز جگر ہے علم ہی سوز دماغ
علم میں لذت بھی ہے قدرت بھی ہے طاقت بھی ہے — ایک مشکل ہے کہ ہاتھ نہیں اپنا سراغ
شیخ مکتب کے طریقوں سے کشادہ دل کہاں — کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

علم و عقل سے ہر چیز تو ناپی جا سکتی ہے مگر ان سے خود اپنا آپ نہ تو ناپا جاتا نہ تولا جاتا ہے نہ نفس کے فریبوں کا اس سے پتہ چلتا

ہے۔ یہ کام کسی نظر والے کی نظر سے ہوتے ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿۵۹﴾ وَأَعِدُّوا

اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ وہ آگے بڑھ گئے بے شک وہ عاجز

اور ہرگز کافر اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ وہ ہاتھ سے نکل گئے بے شک وہ عاجز نہیں

لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ

نہیں کرینگے اور تیار کرو ان کے لئے وہ جو طاقت رکھو تم طاقت اور باندھنا گھوڑے

کرتے اور ان کے لئے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے

تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا

اور ڈراؤ تم اس سے اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اور دوسروں کو سوا ان کے نہیں

باندھ سکو کہ ان سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن اور ان کے

تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي

جانتے تم انکو اللہ جانتا ہے انہیں اور وہ چیز جو خرچ کروگے تم راستے میں

سوا کچھ اوروں کے دلوں میں جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں

سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۶۰﴾

اللہ کے پوری دی جائے گی تم کو اور تم ظلم نہیں کیے جاؤ گے

جو کچھ خرچ کروگے تمہیں پورا دیا جائے گا اور کسی طرح گھاٹے میں نہ رہو گے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ان وعدہ خلاف دشمن کفار کا ذکر ہوا جن پر ہم قابو پالیں اور انہیں اس حرکت کی سزا دے سکیں۔ اب ان کفار کا ذکر ہے جو ہمارے سخت تر دشمن ہوں مگر ہمارے قبضہ میں نہ آئیں بلکہ جنگ سے بخیریت لوٹ جاویں۔ ان کے متعلق پیش گوئی فرمائی جارہی ہے کہ وہ بھی عنقریب تمہاری گرفت میں آئیں گے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں وعدہ خلاف بدعہد کفار کو سزا دینے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب مسلمانوں کو جہادی تیاری اپنے میں قوت پیدا کرنے کی تاکید فرمائی جارہی ہے جس سے وہ ان سزاؤں پر قادر ہیں اور جس سے ان کا رعب کفار کے دلوں میں قائم رہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی گذشتہ آیات میں اچانک غزوۂ بدر واقع ہو جانے اور مسلمانوں کے کمزوری وضعف کے باوجود کفار پر غالب آ جانے کا ذکر ہوا۔ اب ارشاد ہے کہ آئندہ جنگ کی تیاری کرو۔ اس قسم کی غیبی نصرت وفتح ہمیشہ نازل نہیں ہوا کرے گی۔ بلکہ تم کو تیار کرنا ہوگی۔ گویا غزوہ بدر میں قدرتی فتح کے بعد آئندہ قانونی فتح کا ذکر ہے (تفسیر کبیر ہے)۔

نزول: اسلامی غزوات خصوصاً غزوۂ بدر مسلمانوں کے مقابل آنے والے کفار تین ٹولے ہوتے۔ بعض وہ جو غازیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ بعض وہ جو اسلامی قیدی ہوئے۔ بعض وہ جو نہ قتل ہوئے نہ قید بلکہ بھاگ جانے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے متعلق مسلمانوں کو رنج ہوا کہ یہ لوگ تو ہمارے بدترین دشمن ہیں نکل کیوں گئے۔ ان کے متعلق پہلی آیات ولا تحسبن الخ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کا یہ بچ جانا عارضی ہے عنقریب تمہارے قبضہ میں آئیں گے۔ (معانی)

تفسیر: ولا یحسبن الذین کفروا سبقوا ہماری قرأۃ میں لا تحسبن ی سے ہے۔ اس صورت میں الذین کفروا اس کا فاعل ہے اور انفسہم پوشیدہ اس کا پہلا مفعول ہے اور سبقوا دوسرا مفعول یا تحسبن کا فاعل ضمیر پوشیدہ ہے۔ مومنین یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا ہر سمجھنے والا اور الذین کفروا اس کا پہلا مفعول اور سبقوا دوسرا مفعول۔ دوسری قرأۃ لا تحسبن ت سے ہے اس صورت میں الذین کفروا اس کا پہلا مفعول ہے اور سبقوا دوسرا مفعول لہٰذا اس آیت کریمہ کی چار تفسیریں ہیں۔ الذین کفروا سے مراد وہ کفار ہیں جو مسلمانوں کے مقابل جنگوں میں آئے اور نہ قتل ہوئے نہ قید بلکہ بچ کر بھاگ گئے۔ سبقوا بنا ہے سبقت سے بمعنی آگے بڑھ جانا۔ مراد ہے قبضہ سے نکل جانا بچ جانا۔ یعنی یہ کفار اپنے متعلق یہ خیال نہ کریں کہ وہ مسلمانوں کے یا رب تعالیٰ کے قبضہ سے نکل گئے یا کوئی مسلمان یہ خیال ہرگز نہ کرے یہ لوگ ہاتھ سے نکل گئے انشاء اللہ یہ لوگ آئندہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں گے اور ان کے ہاتھوں یا مارے جائیں گے یا قید ہوں گے یا مسلمان ہو جائیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ رب کے قبضہ سے نہیں نکل گئے اگر کفر پر مرے یا مارے گئے تو دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔ یہ خیال رہے کہ سبقوا سے ان پوشیدہ ہے۔ قرآن مجید میں بہت جگہ ان پوشیدہ ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے افغیر اللہ تامرونی اعبدا لہا الجاھلون یہاں اصل میں ان اعبد ہے۔ (تفسیر کبیر) انھم لا یعجزون یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس لئے ان الف کے کسرہ سے ہے۔ گریہ لا تحسبن کی وجہ بیان فرما رہا ہے۔ ایک قرأۃ میں انہم الف کے فتحہ سے ہے تب تو ظاہر ہے کہ یہ علت ہے کیونکہ یہ لوگ عاجز نہیں کر سکیں گے مسلمانوں کو بلکہ وہ خود مسلمانوں کے آگے عاجز ہوں گے یا وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکیں گے۔ وہ تو ہر وقت اس کے قبضہ میں ہیں لہٰذا اے مسلمانو! تم ان کے بچ نکلنے پر غم نہ کرو انشاء اللہ یہ تمہارا ہی چڑ ہے گا۔ واعدوا لھم ما استطعتم یہ جملہ نیا ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانو! سارے کفار تم پر غالب آنے والے ہیں لہٰذا تم تیار کرو۔ اعدوا بنا ہے اعداد سے جس کے لغوی معنی ہیں کوئی چیز ضرورت کے وقت کے لئے سنبھال رکھنا (خازن) اصطلاح میں تیاری کرنا، تیاری رکھنا اعداد ہے لھم میں ھم کا مرجع سارے حربی کافر ہیں نہ کہ صرف کفار مکہ اور لھم میں قتال یا حرب پوشیدہ۔ اعدوا میں خطاب تاقیامت مسلمانوں سے ہے اور بقدر طاقت تیاری کرنا فرض کفایہ ہے یعنی اے مسلمانو! تم ہمیشہ کفار سے جہاد کرنے کی بقدر طاقت تیاری رکھو۔ من قوۃ یہ عبارت بیان ہے استطعتم کا لہٰذا من بیانیہ ہے

قوت طاقت کے لئے اس سے مراد جہاد کی طاقت اس میں بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد مضبوط قلعے وغیرہ ہیں یعنی وفاعی قوت سامان جہاد اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ خذوا حذرکم بعض نے فرمایا اس سے مراد ہر قسم کا سامان جہاد ہے یعنی حسب موقع ہتھیار جنگ کا جمع کرنا بنانا ان کے استعمال کا طریقہ سیکھنا وغیرہ لہٰذا اس میں تاقیامت اسلحہ جنگ داخل ہے جیسے آج کل توپ راکٹ ٹینک بلکہ ایٹم بم وغیرہ۔ حدیث شریف میں ہے ان القوۃ الرمی۔ آگاہ رہو کہ قوت رمی ہے (مسلم وغیرہ) رمی کے اصطلاحی معنی ہیں تیر اندازی اور لغوی ہیں پھینکنا۔ کہا جاتا ہے اکلت الرطب ورمیت النواۃ میں نے کھجور کھالی گٹھلی پھینک دی۔ اگر اس حدیث میں رمی بمعنی اصطلاح ہے تو اس زمانہ کے لحاظ سے یہ فرمان عالی ہے جبکہ جنگ تیر تلوار سے ہوتی تھی اور یہ حصر ایسا ہے جیسے الندوھو التوبۃ و الحج ھو العرفۃ (خازن کبیر وغیرہ) اور اگر رمی لغوی معنی میں ہے تو اس میں تاقیامت تمام ہتھیار داخل ہیں آج کل جنگ میں بم پھینکے جاتے ہیں۔ راکٹ چھوڑے جاتے ہیں۔ اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت کے قربان جس نے ایک لفظ رمی میں تاقیامت جہادوں کا انتظام فرمادیا۔ و من رباط الخیل یہ عبارت معطوف ہے قوۃ اور ما استطعتم کا دوسرا بیان اگرچہ قوۃ میں یہ بھی داخل تھا مگر اس کی عظمت دکھانے کے لئے اسے علیحدہ بیان فرمایا۔ رباط بروزن فعال ہے مصدر بمعنی اسم مفعول جیسے لباس بمعنی ملبوس اس صورت میں یہاں صفت مضاف ہے موصوف کی طرف یعنی پالے ہوئے باندھے ہوئے گھوڑے یا رباط بمعنی اسم ظرف۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ خیل گھوڑا اور رباط خیل گھوڑی۔ حضرت خالد بن ولید جہاد میں گھوڑی پر ہی زیادہ سوار ہوتے تھے کہ یہ جہاد میں آواز نہیں کرتی اور بہت جم کر میدان میں کھڑی ہوتی ہے۔ اس کی پیٹھ سواری ہے اور اس کا پیٹ نسل کا خزانہ۔ حضرت جبرائیل غرق فرعون کے دن اور فرشتے بدر وغیرہ میں مادہ گھوڑی پر ہی سوار ہوکر موقعہ پر آئے تھے۔ (روح البیان وخازن وغیرہ) بہرحال گھوڑا جہاد کا بہترین آلہ ہے۔ اب بھی جنگوں میں گھوڑوں کی ضرورت رہتی ہے۔ ترھبون بہ عدوا اللہ و عدوکم یہ عبارت حال ہے اعدوا کے فاعل سے ترہبون بنا ہے رہب سے بمعنی ڈرانا ہیبت دلانا۔ بہ کا مرجع یا تو اعدوا کا مصدر ہے یا مذکورہ دونوں چیزوں میں سے ہر ایک۔ ب سببیہ ہے عدوا اللہ و عدوکم سے مراد یا تو کفار مکہ ہیں یا تاقیامت سارے حربی کفار جو مسلمانوں کے مقابل آسکیں۔ مقصد یہ ہے کہ صرف جہاد کے وقت یہ تیاری نہ کرو بلکہ ہمیشہ ہی تیاری رکھو اس میں بہت فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ اس تیاری سے تمہارے دشمن کفار کے دلوں میں تمہاری ہیبت بیٹھے گی جس سے وہ تم پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کرسکیں گے۔ چونکہ مسلمان اللہ کے دوست ہیں اور کفار مسلمانوں کے دشمن اور دوست کا دشمن اپنا دشمن ہوتا ہے لہٰذا کفار اللہ کے دشمن ہوئے اس لئے انہیں عدو اللہ فرمایا گیا۔ و اخرین من دونھم یہ عبارت معطوف ہے عدو اللہ الخ پر اور ترہبون کا مفعول بہ۔ من دونھم میں من بیانیہ ہے اور یہ آخرین کا بیان ہے۔ دون بمعنی علاوہ یا سوا، اور ہم کا مرجع عدو اللہ (الخ) ہے یعنی تیاری جہاد کے ذریعہ اپنے کھلے دشمنوں حربی کفار کو بھی ڈراؤ اور ان کے علاوہ چھپے دشمنوں کو بھی ڈراؤ۔ ان سے مراد یا تو یہود مدینہ ہیں جو بظاہر حضور انور ﷺ سے صلح کرچکے تھے مگر دل میں بہت دشمن تھے یا مراد مدینہ منورہ کے منافقین ہیں جو بظاہر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوچکے تھے مگر بباطن مسلمانوں کے دشمن کفار کے جاسوس تھے یا اس سے مراد روم و فارس کے کفار ہیں جو ابھی

مسلمانوں کے مقابل نہ آئے تھے مگر زمانہ صحابہ میں خصوصاً عہد فاروقی میں مقابل آنے والے تھے یا اس سے مراد کفار جن ہیں کہ تیاری جہاد سے ان کے دلوں میں بھی ہیبت بیٹھتی ہے۔ جس گھر میں آلات جہاد یا جہاد کا گھوڑا ہو اس میں جن کفار داخل نہیں ہوتے (روح البیان و معانی و خازن و کبیر وغیرہ) تفسیر خازن نے آخری قول کو ترجیح دی کیونکہ آگے ارشاد ہے لا تعلمونهم الله یعلمهم ان دوسرے دشمنوں کو اے مسلمانو! تم نہیں جانتے انہیں تو اللہ ہی جانتا ہے اگر آخرین سے مراد کفار جن ہیں تب اس فرمانِ عالی کا مطلب یہ ہے کہ ان کافر جنات کو تفصیلاً تم نہیں جانتے کہ کون کون جن تمہارے دشمن ہیں۔ یہ تفصیل تو رب تعالیٰ ہی جانتا ہے ہاں تم کو اجمالاً اتنا معلوم ہے تو کفار جن مسلمانوں کے دشمن ہیں اور آخرین الخ سے مراد منافقین یا یہود مدینہ ہیں تو مطلب یہ ہے کہ ان کی دشمنی کو تم نہیں جانتے اگرچہ انہیں جانتے ہو تم یہود کی مصالحانہ گفتگو اور منافقوں کی کلمہ گوئی سے سمجھتے ہو کہ یہ مسلمانوں کے دوست ہیں۔ اور اگر مراد فارس و روم کے کفار ہیں تو مطلب یہ ہے کہ تم کو پتہ نہیں کہ تمہیں ان سے بھی جنگ کرنا ہے اور تمہارے ہاتھوں انہیں شکست ہونا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں علم بمعنے معرفت یعنی پہچاننا۔ اس لئے اس کا صرف ایک مفعول آیا (روح البیان) اور خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں۔ حضور انور ﷺ تو ہر ایک کے حال سے ہر وقت خبردار تھے اور ہیں اور رہیں گے۔ حضور ﷺ ہی کے بتانے سے تو مسلمان نے منافقوں کو جانا۔ رب فرماتا ہے لتعرفهم فی لحن القول اے محبوب تم منافقوں کو ان کی روش کلام سے ہی پہچان لیتے ہو۔ وما تنفقوا من شیء فی سبیل الله یوف الیکم یہ اس فرمانِ عالی میں تیاری جہاد کا دوسرا فائدہ ارشاد ہو رہا ہے۔ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد یا تو جہاد اور تیاری جہاد میں خرچ کرنا ہے یا ہر نیکی کی راہ میں خرچ کرنا جیسے جہاد، رباط، صدقات و خیرات غریب اہل قرابت کی پرورش وغیرہ۔ یوف بنا ہے توفیہ سے جس کا مادہ وفی ہے بمعنی پورا من شیٔ من تو بیانیہ ہے اور شے کی تنوین کمی بیان کرنے کے لئے یعنی تم ادنیٰ و اعلیٰ چیز یا بڑا چھوٹا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تم کو اس کا عوض پورا پورا دیا جاوے گا۔ دنیا میں بھی کہ تم جہادوں کے ذریعہ مالا مال ہو جاؤ گے اور آخرت میں بھی کہ اس سے تم جنت کے وارث بنو گے۔ وانتم لا تظلمون. یہ عبارت معطوف ہے یوف الیکم پر ظلم کے بہت معنی ہیں (۱) کسی کے مال میں ناحق تصرف کرنا۔ کسی کا حق مارنا۔ کسی کو بغیر جرم سزا دینا۔ کسی سے وعدۂ خیر کر کے پورا نہ کرنا۔ کسی کے حق میں کمی کرنا یہاں آخری معنی مراد ہیں۔ یعنی ہم تم کو نقصان نہ دیں گے۔ تم سے وعدہ کیا ہوا پورا پورا دیں گے۔ زائد یعنی ہمارے فضل کی انتہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرما دیا۔ غریب و مساکین صحابہ کو جہادوں کی برکت سے ملکوں کا مالک بنا دیا۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! جنگ بدر وغیرہ میں جو کفار تم سے بچ کر نکل گئے اور بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے ان کے متعلق تم یہ گمان نہ کرو کہ ہمارے قبضہ سے نکل گئے۔ یہ لوگ نہ ہم کو عاجز کر سکیں گے اور نہ تم کو۔ عنقریب اور جہاد ہوں گے۔ یہ یا تو تمہارے ہاتھوں مارے جائیں گے یا قید ہوں گے یا مسلمان ہوں گے۔ خیال رکھو کہ تم بیرونی اور اندرونی دشمنوں میں گھرے ہوئے ہو لہٰذا ہر وقت کفار کے مقابلے کے لئے تیار رہو۔ جو کچھ ہو سکے مدافعانہ، جارحانہ جنگ کے اسباب آلات جمع کرو۔ ان کے استعمال کا طریقہ سیکھو۔ اعلیٰ درجہ کے گھوڑوں کی چھاؤنیاں تیار رکھو۔ وقتاً فوقتاً ان کی مشقیں کرتے رہو اس کا

فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے تمہارے کھلے دشمنوں کفار مکہ وغیرہ کے دلوں میں بھی تمہارا رعب قائم ہوگا اور تمہارے چھپے دشمنوں کے دلوں میں بھی جیسے مدینہ منورہ کے یہود و منافقین وغیرہم جن کی دشمنی کی تم کو خبر نہیں انہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہ خیال رکھو کہ تم لوگ جو کچھ بھی راہ خدا جہاد وغیرہ میں خرچ کرو گے تم کو اس کا عوض پورا پورا دیا جاوے گا۔ کچھ کمی نہ کی جاوے گی تو ایسے نفع بخش سودے میں سستی نہ کرو۔

تیاریٔ جہاد: اللہ کی راہ میں کفار سے لڑنے کو جہاد کہتے ہیں اور جنگ کرنے والے کو غازی مجاہد اور جہاد کی تیاری کرنے کو رباط کہتے ہیں اور تیاری کرنے والے کو مرابط۔ جیسے اسلام میں جہاد بڑی اہم عبادت ہے اور مجاہد اول درجہ کا عابد۔ یوں ہی تیاری جہاد بڑی اعلیٰ عبادت ہے اور مرابط اول درجہ کا عابد ہے حتیٰ کہ حساب قبر نہ مجاہد غازی اور شہداء سے ہو اور نہ مرابط فی سبیل اللہ سے قرآن و حدیث میں رباط اور مرابط کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف میں بروایت عقبہ ابن عامر مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عنقریب روم فتح کرلو گے مگر تیر اندازی سے غافل نہ ہو جانا۔ اسی مسلم میں انہیں عقبہ ابن عامر سے مروی ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تیر اندازی سیکھے پھر اسے چھوڑ دے تو وہ ہم میں سے نہیں۔ ابوداؤد شریف میں انہیں عقبہ ابن عامر سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک تیر کی برکت سے اللہ تین شخصوں کو جنت دے گا۔ نیت خیر سے تیر بنانے والا، تیر چلانے والا، اسے مدد دینے والا۔ لہٰذا تیر اندازی اور گھوڑا سواری کرو۔ مجھے گھوڑا سواری سے تیر اندازی زیادہ پسند ہے۔ مسلم بخاری میں عروہ ابن جعد بارقی سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑے کی پیشانی کے بالوں سے تاروز قیامت خیر بندھی ہوئی ہے۔ ثواب اور غنیمت بخاری میں بروایت ابوہریرہ ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو نیت خیر سے گھوڑا پالے تو قیامت کے دن گھوڑے کی لید پیشاب اس کی نیکیوں کے پلے میں ہوں گے۔ بلکہ مسلم بخاری میں انہیں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غازی کا گھوڑا اگر رسی توڑ کر بھاگ جائے پہاڑی پر چڑھ جائے تو اس کے نشان قدم تک غازی کے نیکیوں کے پلے میں ہوں گے (خازن) اللہ تعالیٰ نے غازی کے گھوڑوں کی ٹاپ سے جو آواز نکلتی ہے، اس کے ناخن کی پتھروں کی رگڑ سے جو شعلہ نکلتا ہے ان گھوڑوں کی ہانپ ان کی رفتار کی قسم ارشاد فرمائی ہے کہ فرمایا **والعادیات ضبحا فالموریات قدحا** موسیٰ علیہ السلام نے خضر سے پوچھا کہ تم کو کون سے جانور پسند ہیں۔ فرمایا گھوڑا، گدھا اور اونٹ۔ گھوڑا اولوالعزم پیغمبروں کی سواری رہا ہے۔ اونٹ حضرت ہود، صالح، شعیب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری ہے۔ گدھا حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی سواری ہے۔ اس کو بعد موت زندہ فرمایا گیا۔ **الی العظام کیف ننشزھا** (الخ) جس گھر میں غازی کا گھوڑا اس کے جنگی ہتھیار ہوں اس میں جنات نہیں آتے۔ (روح البیان)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جو بیمار اچھا ہو جائے یا آفت زدہ آفت سے نکل جاوے وہ اپنے کو اللہ کی پکڑ سے باہر نہ جانے۔ رب چھوڑتا آتا ہے اسے دوبارہ پکڑنا بھی آتا ہے۔ یہ فائدہ **ولا یحسبن الذین** سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ہر حال میں چاہئے۔

دوسرا فائدہ: جن مسلمانوں کو جہاد کی طاقت ہے انہیں جہاد کی تیاری کرنا ضروری ہے۔ یہ فاعدہ واعدوا صیغہ امر فرمانے سے حاصل ہوا کہ امر وجوب کے لئے ہے۔

مسئلہ: عبادت کی تیاری بھی عبادت ہے جس درجہ کی عبادت اسی درجہ کی اس کی تیاری ادا فرض کی تیاری فرض ہے اور واجب کی تیاری واجب سنت کی تیاری سنت جمعہ کی تیاری اس کی رکاوٹیں دور کرنا اسی پر فرض ہے جس پر جمعہ کی نماز فرض ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعو الی ذکر اللہ و ذرو البیع**

مسئلہ: یوں ہی حرام کام کی تیاری بھی حرام ہے۔ چوری کے لئے سفر کرنا چوری کا سامان جمع کرنا حرام ہے کیونکہ ذریعہ حرام ہے۔

تیسرا فائدہ: تیاری جہاد ہر زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہے۔ جس نوعیت کا جہاد اسی نوعیت کی تیاری۔ یہ فائدہ مااستطعتم سے اور قوۃ ورباط خیل کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس زمانہ میں جہاد کے گھوڑے دوڑانا تیر اندازی نیزہ بازی سیکھنا ضروری تھا کہ جہاد انہیں چیزوں سے ہوتا ہے۔ مگر اب بندوق کی نشانہ بازی، توپ چلانا، ہوا بازی، راکٹ اندازی، بم برسانے وغیرہ کی مشق تیاری جہاد ہے کہ اب جہاد انہیں چیزوں سے ہوتا ہے۔ یہ فرمان عالی ان سب کو شامل ہے۔

چوتھا فائدہ: حربی کفار کو ڈرانا دھمکانا، انہیں اپنی فضیلت دکھانا، ان سے ہمت و بہادری کی باتیں کرنا سب کچھ جائز بلکہ عبادت ہے۔ یہ فائدہ ترھبون بہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ مجاہد غازی کا بحالت جہاد خضاب لگانا جائز ہے تاکہ دشمن اسے بوڑھا نہ سمجھے۔ اس کے دل میں اس کا رعب بیٹھ جاوے ویسے ہر حال میں خضاب ممنوع ہے۔ دشمن کے سامنے اکڑ کر چلنا، بہادری کی باتیں کرنا بھی ثواب ہے کہ اس سے اس کے دل میں رعب بیٹھے گا۔ حضور انور ﷺ نے عمرہ قضاء میں طواف کے تین چکروں میں رمل کا حکم دیا یعنی اکڑ کر پہلوانوں کی طرح چلنا جواب تک قائم ہے۔ یہ ہے ترھبون بہ عدو اللہ کی جیتی جاگتی زندہ تفسیر۔ زندہ جاوید۔

پانچواں فائدہ: اس کے برعکس مسلمان بھائی کو ڈرانا دھمکانا، بلاوجہ اس پر رعب جمانا ممنوع ہے۔ مسلمانوں سے میل محبت رکھنا، ان کی دلجوئی کرنا ثواب ہے۔ یہ فائدہ عدو اللہ و عدو کم فرمانے سے حاصل ہوا۔ مومنین آپس میں بھائی ہیں دشمن نہیں۔ انما المومنون اخوۃ

چھٹا فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔ یہ فائدہ عدو اللہ فرمانے سے حاصل ہوا کہ کفار عرب اللہ کے دشمن نہ تھے۔ اس کی تو وہ عبادت کرتے تھے۔ دشمن تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے۔ انہیں رب نے عدو اللہ یعنی اپنا دشمن فرمایا۔ شعر

چوں شدی دو از حضور اولیاء ۔۔۔ آں چناں داں دور گشتی از خدا

اس کے برعکس مقبولوں کا دوست خدا کا دوست ہے۔ شعر

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا ۔۔۔ او نشیند در حضور اولیاء

ساتواں فائدہ: کھلے کافروں اعلانیہ دشمنوں کی طرح چھپے کافروں خفیہ دشمنوں سے بھی محتاط رہنا انہیں ڈرانا دھمکانا ضروری ہے۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ضرور چاہئے۔ یہ فائدہ واخرین من دونھم کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد منافقین مدینہ ہوں۔

آٹھواں فائدہ: تیاری جہاد سے کافر جن بھی ڈرتے ہیں۔ ایسے گھر وہ نہیں جاتے جہاں آلات جہاد ہوں۔ یہ فائدہ واخرین من دونھم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد کافر جنات ہوں۔

نواں فائدہ: جہاد اور تیاری جہاد میں خرچ کرنا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے جہاد بھی فی سبیل اللہ ہے۔ یہ فائدہ وما تنفقوا (الخ) سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: اللہ کی راہ میں خیرات کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ یہ فائدہ یوف الیکم سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ اس کی توفیق دے۔ خصوصاً غازی کے مال میں تو بہت برکتیں ہوتی ہیں۔ حضرات صحابہ کرام غزوات اور جہادوں کی برکتوں سے امیر و کبیر بن گئے۔ اس کے لئے بخاری شریف حدیث زبیر کا مطالعہ کرو۔

پہلا اعتراض: حدیث میں ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ القوۃ فی الرمی یہ عبارت حصر کی مفید ہے یعنی قوت سے مراد صرف تیر اندازی ہے جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان غازیوں کو صرف تیر اندازی ہی کرنا چاہئے اور کوئی سامان جنگ استعمال نہ کرنا چاہئے پھر موجودہ زمانہ میں جہاد کیونکر ہو سکتے ہیں۔

جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضور انور ﷺ کا وہ ارشاد عالی اسی زمانہ کے لحاظ سے تھا کہ اس وقت جنگ تیر تبر سے ہی عموماً ہوتی تھی اور تیر اندازی میں نشانہ بازی بڑا ہی کمال تھا۔ دوسرے یہ کہ وہاں حصر ایسا ہی ہے جیسے الحج ھو المعرفة میں ہے یعنی حج صرف وقوف عرفات ہے یعنی حج کا رکن اعلیٰ وقوف ہے۔ ایسے ہی اس وقت جہاد کا رکن اعلیٰ تیر اندازی ہی تھا۔ تیسرے یہ کہ رمی کے معنی اس حدیث میں صرف پھینکنا یعنی قوت کا مدار اس پر ہے کہ غازی کفار پر پھینک کر مارے جانے والے ہتھیاروں کا استعمال سیکھیں کیونکہ دست بدست جنگ تلوار و نیزہ سے گاہے گاہے کرنا پڑتی ہے عموماً جنگ دور سے ہوتی ہے۔ آج بھی بم راکٹ وغیرہ پھینک کر ہی مارے جاتے ہیں۔

دوسرا اعتراض: ہماری تیاری جہاد سے کفار کو خوف کیسے ہوگا۔ ہم اپنے ملک میں تیاری کریں گے۔ کفار اپنے میں رہیں گے۔ انہیں اس کا پتہ ہی نہ چلے گا۔ پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ ترھبون به عدو الله۔

جواب: ہر ملک میں دوسرے ملک کے جاسوس رہتے ہیں جو یہاں کی خبریں وہاں پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان کے ذریعہ خبریں ضرور پہنچتی ہیں اور آج کل تو سیارے چھوڑ کر بموں کے آزمائشی دھماکے کر کے ایک جگہ کی خبر تمام دنیا میں پہنچادی جاتی ہے لہٰذا یہ فرمان عالی درست ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا آخرین من دونھم اگر ان سے منافقین مراد ہوں تو یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ ہماری تیاریٔ جہاد سے منافقین کیوں ڈریں گے ان سے تو ہماری جنگ ہوگی ہی نہیں۔

جواب: منافقین اور کفار ہماری کمزوری دیکھ کر دل قوی ہوں گے اور کفار سے اپنے تعلقات قائم کر کے ان سے ہم پر حملہ کرانے کی کوشش کریں گے مگر جب ہمارا مرکز مضبوط ہماری فوجی طاقت بہت ہوگی تو ان کو یہ حرکات کرنے کی جرأت نہ ہوگی اور ممکن ہے ہمارا رعب انہیں مخلص مسلمان بنا دے۔ ان باتوں کا مشاہدہ ہم کو آج ہو رہا ہے۔ سلطنت کی کمزوری مرکز کا ضعف خارجی اور داخلی دونوں دشمنوں کو دیرا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت مسلمانوں کا رعب ہے دشمن کے دل میں۔ رب فرماتا ہے سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب (الخ)

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان منافقین کو نہیں پہچانتے تھے۔ ان سے بے خبر تھے دیکھو فرمایا گیا لاتعلمونھم پھر تم لوگ حضور انور ﷺ کے لئے غیب کیسے مانتے ہو۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ آج تم کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن ابی منافق تھا اور اس کا بیٹا مخلص مومن۔ تم نے حضور انور ﷺ کے بتانے سے ہی تو جانا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس خطاب میں نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہیں نہ خاص صحابہ بلکہ عام مومنین سے خطاب ہے جو ان کی چکنی چپڑی باتیں سن کر دھوکا کھا جاتے تھے۔ اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔ تمام عالم کے ایمان کی نبض پر حضور انور کا ہاتھ شریف ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جہاد دو قسم کا ہے۔ جہاد کفار دوسرا جہاد نفس نابکار۔ جہاد کفار تو کسی خوش نصیب کو میسر ہوتا ہے وہ بھی کبھی کبھی مگر جہاد نفس نابکار ہر مومن کو ہر وقت میسر ہے جہاد کفار کی تیاری ظاہری تیر و تفنگ سے ہے مگر جہاد نفس کے لئے دو قسم کے تیر و کمان تیار کرو۔ ایک نالہ سحر گاہی جو عجز و انکسار کے کمان سے نکلے۔ نالہ و فریاد کا تیر نفس امارہ کو زیر کرنے کے لئے اکسیر ہے۔ دوسرے نفسانی خواہشات کو دل سے نکالنا اور توجہ ذوالجلال کی طرف کرنا۔ دل کو دنیا سے خالی کرنا دین سے پر کرنا جہاد نفس کے لئے اعلیٰ درجہ کی تیاری ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

نیست بر لوح دلم جز الف قامت دوست   چہ کنم حرف دگر یاد نہ داد اوستادم

باطنی مجاہد والے کا ذکر و شغل میں مشغول رہنا یہ اس کے لئے قوت جہاد جمع کرنا ہے۔ اس آلہ سے شیطان اور نفس امارہ دونوں ہی ڈرتے ہیں۔ یہ وہ ہتھیار ہے جو کفار کو میسر نہیں۔ یہ وہ ہتھیار ہے جو کارخانہ نبوی میں تیار ہوتا ہے۔ ثابت قدمی اور ذکر اللہ کی کثرت مومن کا بڑا بھاری ہتھیار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین امنوا اذا لقیتم فئة فاثبتو واذکرو اللہ کثیرا لعلکم تفلحون جو کوئی اللہ کے لئے دنیا سے بگاڑے تو رب تعالیٰ اسے دنیا اور زیادہ عطا فرماتا ہے۔ (از روح البیان مع زیادہ)

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ

اور اگر مائل ہوں وہ جانب صلح کے تو مائل ہو تم طرف اس کے اور توکل کرو اللہ پر تحقیق وہ
اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بیشک وہی ہے

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ

سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر ارادہ کریں وہ یہ کہ دھوکہ دیں آپ کو پس تحقیق کافی ہے

سنتا اور جانتا۔ اور اگر وہ تمہیں فریب دیئے جائیں گے تو بے شک

حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۝

تمہیں اللہ وہ ہے جس نے قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے

اللہ تمہیں کافی ہے وہی ہے جس نے تمہیں زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا

الفت ڈال دی اس نے درمیان دلوں کے ان کے اگر خرچ کرتے تم وہ زمین میں ہے سارا کا سارا تو

اور ان کے دلوں میں میل کر دیا اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ خرچ کر دیتے ان کے

أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ

نہ الفت ڈالتے تم درمیان دلوں کے ان کے اور لیکن اللہ نے الفت ڈال دی درمیان انکے

دل نہ ملا سکتے لیکن اللہ نے ان کے دل ملا دیئے

إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

بے شک وہ ہی غالب حکمت والا ہے

بیشک وہی غالب حکمت والا۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو تیاری جہاد اور اپنے میں قوت پیدا کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب اس کے انجام کا ذکر ہے یعنی کفار کا مرعوب ہو کر مسلمانوں سے صلح کی درخواست کرنا۔ یہاں اس کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار سے جنگ اور اس کی تیاری کا ذکر ہوا اب صلح اور اس پر آمادگی کا تذکرہ ہے گویا ایک قسم کے جہاد کے بعد دوسرے قسم کے جہاد کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ہنگامی حالات میں تیاری جہاد کا ذکر ہوا اب بحالت صلح اللہ تعالیٰ پر توکل اور جہاد سے غافل نہ ہونے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ایک قسم کی تیاری جہاد کا حکم دیا گیا یعنی اپنے میں قوت پیدا کرنا۔ اب دوسری قسم کا حکم ہے یعنی مسلمانوں کا آپس میں متفق رہنا، آپس کے جھگڑے فساد سے بچنا۔

نزول: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیات یہود مدینہ بنی قریظہ کے متعلق نازل ہوئیں جنہوں نے بارہا حضور انور ﷺ سے صلح کی اور توڑی جیسا کہ پچھلی آیات میں ذکر کیا گیا (تفسیر صاوی، روح المعانی، تفسیر خازن، کبیر وغیرہ) یہی قول مجاہد اور امام سدی کا ہے مگر قوی یہ ہے کہ یہ آیات کفار کی کسی خاص قوم کے متعلق نہیں بلکہ عام کفار کے متعلق ہیں تاقیامت۔ خیال رہے کہ مشرکین عرب سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ ان کے لئے اسلام یا تلوار ہے مگر صلح اور امان کا معاہدہ ان سے بھی درست ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں مشرکین مکہ سے دس سال کے لئے صلح فرمائی۔ لہٰذا یہ آیات منسوخ نہیں بلکہ محکم ہیں۔ سلطان الاسلام اگر مناسب جانے تو اب بھی کفار و مشرکین سے صلح اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر سکتا ہے۔ (صاوی وغیرہ)

تفسیر: وان جنحوا للسلم فاجنح لها یہ جملہ نیا ہے جس میں ایک نیا حکم دیا جارہا ہے یعنی صلح کا۔ لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ جنحوا بنا ہے جنح سے بمعنی مائل ہونا جھکنا اس لئے پرندے کے پر کو جناح کہتے ہیں کہ وہ پر کے ذریعے اڑتے ہوئے زمین کی طرف جھکتا ہے اس کا فاعل وہ ہی کفار ہیں جن کے مقابلہ میں تیاری جہاد کا حکم دیا گیا تھا۔ فاجنح میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا تاقیامت غازی مسلمان سے یا سلطان اسلام سے۔ سلم بمعنی صلح ہے۔ لفظ صلح اگرچہ مذکر ہے مگر سلم مونث اس لئے لہا میں ضمیر مونث اسی کے لئے لائی گئی۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

السلم تاخذ منها ما رضیت به   والحرب تکفیک من انفاسها جرع

دیکھو شاعر نے منہا کی مونث ضمیر سلم کی طرف لوٹائی۔ خیال رہے کہ فاجنح میں امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ صرف مباح کرنے کے لئے ہے۔ لہٰذا کفار سے صلح واجب نہیں مباح ہے وہ بھی جبکہ اس میں مسلمانوں کا نفع ہو۔ مرتدین سے صلح جائز نہ جزیہ۔ ان کے متعلق صرف دو ہی چیزیں ہیں قتل یا اسلام۔ رب فرماتا ہے تقاتلونهم او یسلمون حضرت علی نے خوارج سے صلح نہ کی بلکہ جنگ کی۔ آپ نے روافض کو زندہ آگ میں جلایا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب قتل اہل الردہ۔ حضرت ابوبکر صدیق نے منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب کے معتقدین سے صلح کی گفتگو نہ کی بلکہ ان سے بے تامل جہاد کیا۔ و توکل علی اللہ یہ عبارت معطوف ہے فاجنح پر اور جزاء ہے ان جنحوا الخ کی۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کفار سے ایسی حالت میں صلح کریں اور ان کے مکروفریب کا خطرہ دل میں نہ لائیں۔ اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ آپ کو ان کے فریب سے بچائے گا کیونکہ انہ ھو السمیع

... توکل علی اللہ کی وجہ بیان فرمارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات کا سننے والا ہے ہر کھلی چھپی چیز کا جاننے والا۔ وہ
منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب کے معتقدین سے ...
عبارت معطوف ہے فاجنح پر اور جزاء ہے ان جنحوا الخ کی۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کفار سے ایسی حا...
مکروفریب کا خطرہ دل میں نہ لائیں۔ اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ آپ کو ان کے فریب سے بچائے گا کیونکہ انہ ھو الـ
العلیم یہ فرمان عالی توکل علی اللہ کی وجہ بیان فرمارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات کا سننے والا ہے ہر کھلی چھپی چیز کا جاننے والا کفار کے آپس کے مشوروں کو سنتا ہے ان کی نیتوں ارادوں کو جانتا ہے اگر وہ آپ کے خلاف مشورہ یا ارادے کریں گے تو ان کے ارادے انہیں پر ڈال دے گا۔ آپ پر آنچ نہ آنے دے گا۔ رب تعالیٰ نے اپنے یہ وعدے پورے فرمادیئے تواریخ شاہد ہیں اس کا بیان یہ ہے وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ یہ عبارت نیا جملہ ہے السمیع العلیم کا بیان ہے۔ یریدوا کا فاعل وہ ہی صلح جو کفار ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ یخدعوک بنا ہے خ

یہ ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

انی وجدت من المکارم حسبکم تن تلبسو ح الثیات و تشبعوا

س کے معنی ہیں محسبک کافیک من شرورھم و ناصرک علیھم تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ اس
معنی یہ ہیں کہ تم کو اتنا دے گا، اتنا دے گا کہ تم کہو گے بس بس بس بس مجھے کافی ہے کافی ہے۔ فرمایا کہ بہر حال یہ
بہت ہی ہمت افزا ہے۔ ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین اس فرمانِ عالی میں ثبوت ہے حسبک اللہ
ھو سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے اور الذی سے مراد صفت باری تعالیٰ۔ ایدک بنا ہے تائید سے جس کا مادہ ید ہے
وطاقت بنصرہ میں ب مدد یعنی استعانت کی ہے۔ نصر سے مراد رب کی غیبی مدد جو وقتاً فوقتاً خصوصاً بدر خندق
موقعوں پر نازل ہوئی۔ بدر میں فرشتوں کا نزول خندق میں فرشتوں اور تیز آندھی کے ذریعہ مسلمانوں کی فتح۔
سے مراد یا تو سارے صحابہ ہیں یا غازیان بدر یا غازیان خندق وحنین یا انصار ہیں کہ رب تعالیٰ ان کے ذریعہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرماتا رہا یعنی آپ کو کافی ہے اللہ تعالیٰ اس کا ثبوت گذشتہ واقعات ہیں۔ جس رب نے
ایسے نازک موقعوں پر مدد فرمائی کیا وہ آئندہ آپ کی مدد نہ کرے گا۔ ضرور کرے گا لہٰذا اس پر توکل کریں۔ و الف
وبھم یہ عبارت معطوف ہے ایدک پر اور الذی کا صلہ واؤ عاطفہ ہے۔ الف بنا ہے تالیف سے جس کا مادہ الف ہے یا
کے معنی ہیں جمع کرنا۔ اس سے مالوف الفت کے معنی ہیں محبت ہم سے مراد یا تو سارے عرب والے ہیں یا
انصار یعنی اوس وخزرج۔ عرب کی آپس کی عداوتوں اور سختی دل کا یہ حال تھا کہ وہ قبیلوں خاندانوں میں بٹے ہوئے
ایک قبیلہ کا آدمی دوسرے قبیلہ کے بچے کو طمانچہ مار دیتا تو دونوں قبیلے تیر تلواروں سے آراستہ ہو کر میدان میں آ
بہت خونریز جنگ ہوتی جو صدیوں باقی رہتی۔ مدینہ کے انصار اوس اور خزرج میں ایک سو بیس سال سخت جنگ رہی۔
ملنے کی کوئی امید ہی نہ تھی۔ درود ہو اس ذات کریم پر جس ایک نے ان سب کو ایک کر دیا۔ ایسا ایک کہ وہ لوگ چند جسم
ل بلکہ ایک جان بن گئے۔ شعر

بدخلق جو تھے وہ نیک ہوئے لڑتے تھے ہمیشہ وہ ایک ہوئے
جھگڑے تو نے آ کر میٹ دیئے تیری فہم و ذکاء کا کیا کہنا

ﷺ کے اس معجزہ کا یہاں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعہ ان کے دلوں کو ایک کر دیا کہ ہے اس کی
لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم اس فرمانِ عالی میں انصار بلکہ تمام اہل عرب کی انتہائی
کا ذکر ہے کہ ان کی آپس کی دشمنیاں اس حد تک پہنچ چکی تھیں کہ اے محبوب اگر آپ ﷺ سارے ظاہری اسباب
اری دولتیں صرف کر کے انہیں ملانا چاہتے تو یہ نہ ملتے۔ یہ تو ہماری رحمت آپ ﷺ کا معجزہ ہوا کہ چند روز میں یہ
شیر و شکر ہو گئے۔ یہ سب کچھ غیبی ہاتھ سے ہوا۔ یہاں ظاہری اسباب منقطع تھے۔ و لکن اللہ الف بینھم اس
لی میں بینھم فرمایا بین قلوبھم نہ فرمایا جس میں اشارۃً فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے دل ہی نہ ملائے بلکہ

قلب قالب روح سب کچھ ملا دیئے پھر صرف چند روز کے لئے عارضی طور پر نہ ملائے بلکہ دنیا و آخرت میں ملا دیئے کہ اب یہ جدا نہیں ہو سکتے۔ اس سے پتہ چلا کہ صحابہ میں عداوت نہ تھی انہ عزیز حکیم۔ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ سب اس کے حضور عاجز ہیں۔ تمام کے دل اس کے قبضہ و قدرت میں ہیں وہ حکمت والا بھی ہے کہ اس نے ملک عرب کو بدتر حال پہنچنے کے بعد آپ ﷺ کے ذریعہ ترقی کی اعلیٰ منزل پر بھیج دیا جس سے آپ ﷺ کی عظمت کا پتہ چلے۔ اس میں یہ حکمت تھی۔ غرضکہ فصل کے بعد وصل کے اس واقعہ سے اللہ کی قدرت حضور ﷺ کی عظمت دونوں کا پتہ چلا اور حمد و نعت کے گیت گاؤ۔

خلاصہ تفسیر: اگر کفار تمہاری جنگی تیاری دیکھ کر مرعوب ہو جائیں اور صلح کی طرف جھکیں تم سے صلح کرنی چاہیں تو تم کو بھی اجازت ہے کہ ان کی صلح کی طرف جھکو اور ان سے صلح کرو۔ یہ نہ سوچنا کہ شاید ان کے دل میں دغا ہے فریب کے لئے صلح کر رہے ہیں آگے چل کر دھوکا دیں گے۔ اللہ پر بھروسہ کرو رب تعالیٰ ان کی سرگوشیاں سنتا ان کے دلی ارادے جانتا ہے۔ وہ تم کو ان کے شر سے بچائے گا۔ اگر یہ لوگ تم کو دھوکا دینا چاہیں تو بھی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے کیونکہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ اے محبوب اللہ تعالیٰ ہی وہ قدرت والا ہے جس نے بدر و حنین وغیرہ نازک ترین موقعوں پر تمہاری غیبی امداد بھی کی اور مومنوں کے ذریعہ ظاہری مدد فرمائی۔ جو مومن اب آپ ﷺ کی خدمت پر متفق ہیں ان کے دل اللہ تعالیٰ نے ہی جوڑ دیئے ہیں۔ غور کرو کہ ان کی آپس میں کیسی عداوتیں تھیں۔ ان میں صدیوں سے جنگ چلی آ رہی تھی۔ بات بات پر کٹتے مرتے رہتے تھے اگر آپ ﷺ سارے ظاہری اسباب جمع فرما دیتے۔ دنیا کی ساری دولت خرچ کر دیتے انہیں ملانے کے لئے تب بھی ان کے دل جمع نہ ہوتے۔ یہ تو اللہ کی قدرت آپ ﷺ کا معجزہ ہوا کہ رب نے آپ ﷺ کے ذریعہ ان سب کو ایک دل جان کر دیا۔ ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ سب پر غالب ہے۔ سب کے دل اس کے قبضہ و قدرت میں ہیں حکمت والا بھی ہے۔ عرصہ تک اس نے عرب میں نبی نہ بھیجے جس سے یہ ملک انتہائی بدترین حالت کو پہنچ گیا پھر آپ ﷺ کے ذریعہ آن کی آن میں ان کی کایا پلٹ دی۔ اس میں اس نے اپنی قدرت آپ کی عظمت ظاہر فرما دی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کفار سے صلح کرنا۔ ان سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ جائز ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کا نفع ہو۔ کفار خواہ عرب کے مشرک ہوں یا وہاں کے اہل کتاب یا عجم کے۔ یہ فائدہ ان جنحوا کے مطلق فرمانے اور فاجنح لھا کی اجازت سے حاصل ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں مشرکین مکہ سے صلح فرمائی بعض حضرات کا خیال ہے کہ مشرکین عرب سے صلح جائز نہیں کیونکہ ان سے جزیہ لینا جائز نہیں یہ قول نہیں۔ ہاں مشرکین عرب سے صلح علی المال یعنی جزیہ پر درست نہیں۔ لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ حضرت مجاہد اور ابن عباس نے اسے منسوخ مانا دیکھو تفسیر روح البیان۔

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ سلطان اسلام کفار سے جنگ بندی کا معاہدہ دس سال سے زیادہ کا نہ کرے دس سال یا اس سے کم کا کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں مشرکین عرب سے دس سال کی جنگ بندی پر صلح فرمائی تھی جو کفار نہ نبھا

سکے۔ (روح البیان، روح المعانی، تفسیر خازن)۔

دوسرا فائدہ: بہتر یہ ہے کہ صلح کی درخواست کفار کریں اور مسلمان اسے قبول کریں بلاوجہ سلطان اسلام صلح کی درخواست نہ کرے۔ یہ فائدہ اس شرط و جزاء سے حاصل ہوا۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لها اگر کفار صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ ضرورت کے احکام دوسرے ہیں۔

تیسرا فائدہ: زمانہ صلح میں کفار پر اعتماد نہ کرے بلکہ رب تعالیٰ پر بھروسہ کرے کفار سے ہوشیار رہے۔ یہ فائدہ وتوکل علی اللّٰہ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: مرتدین سے نہ صلح جائز ہے نہ جنگ بندی کا معاہدہ۔ ان سے صرف جنگ یا اسلام قبول ہوگا۔ یہ فائدہ وان جنحوا کی ضمیر سے حاصل ہوا کہ وہ اصل کفار کی طرف ہے۔ ہم ابھی تفسیر میں حضرت ابوبکر صدیق کا معاملہ مانعین زکوۃ اور مسیلمہ کذاب کو نبی ماننے والوں کے متعلق اور حضرت علی کا معاملہ خوارج اور روافض کے متعلق عرض کر چکے۔ رب تعالیٰ مرتدین کے متعلق فرماتا ہے تقاتلونهم او یسلمون۔

پانچواں فائدہ: اگر ہم مومنین متقی بن کر رہیں تو انشاء اللہ کفار سے دھوکہ نہ کھائیں۔ رب تعالیٰ ہم کو ان کے فریب سے ضرور بچائے۔ یہ فائدہ فان حسبک اللّٰہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ یہ وعدہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر اس کا حصہ انشاء اللہ مومنوں کو بھی ملتا رہے گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اتقوا من فراسة المومن فانه ينظر بنور اللّٰه رب فرماتا ہے تتقوا۔

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے بدر وغیرہ نازک موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو طرح مدد فرمائی۔ ظاہری اور باطنی یعنی غیبی۔ غیبی مدد تو فرشتوں کے ذریعہ اور ظاہری مدد مسلمانوں غازیوں کے ذریعہ۔ یہ فائدہ بنصره و بالمومنين سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: اللہ کے بندوں سے مدد لینا شرک نہیں۔ نہ ایاک نستعین کے خلاف ہے بلکہ سنت انبیاء ہے یہ فائدہ وبالمومنين سے حاصل ہوا کہ رب نے مومنوں کے ذریعہ حضور ﷺ کی مدد کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا من انصاری اللّٰه۔

آٹھواں فائدہ: مسلمانوں کا اتفاق اللہ کی بڑی نعمت ہے اور ان میں آپس میں جنگ و نفاق رب کا عذاب ہے۔ یہ فائدہ الف بين قلوبهم سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب میں اتفاق دے۔

نواں فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کے کام درحقیقت رب تعالیٰ کے ہیں۔ یہ فائدہ بھی الف بين قلوبهم سے حاصل ہوا۔ دیکھو اہل عرب خصوصاً انصار مدینہ اوس اور خزرج کے درمیان صلح اور آشتی حضور انور ﷺ نے کی مگر رب تعالیٰ نے فرمایا الف بين قلوبهم اللہ نے ان کے دل ملا دیئے۔

دسواں فائدہ: دریا کا رخ پھیر دینا، پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا، آبادیوں کو ویرانہ میں اور ویرانوں کو آبادیوں میں

تبدیل کر دینا آسان ہے مگر بگڑی قوم کا بنا دینا، بچھڑے کو ملا دینا بہت مشکل ہے۔ یہ حضور انور ﷺ کا خاص معجزہ ہے۔ اتنا بڑا کارنامہ حضور ﷺ کے سوا کسی نے نہ کیا۔ یہ فائدہ لو انفقت ما فی الارض (الخ) سے حاصل ہوا۔

گیارہواں فائدہ: صحابہ کرام آپس میں متفق تھے ان کے دل ملے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کے دشمن نہ تھے۔ یہ فائدہ ولکن اللہ الف بینھم سے حاصل ہوا۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے عداوت کبھی نہ ہوئی کیونکہ ان آیات میں یہ تو فرمایا کہ اللہ نے ان میں آپس میں الفت ڈال دی، یہ نہ فرمایا کہ یہ الفت عارضی ہے عنقریب مٹ جائے گی۔ رب تعالیٰ ان کی شان میں فرماتا ہے۔ اشداء علی الکفار و رحماء بینھم جو ان سے دشمنی ثابت کرے وہ ان آیات کا منکر ہے۔ ان کی آپس کی جنگوں کے متعلق انشاء اللہ ہم اعتراض و جواب میں عرض کریں گے۔

بارہواں فائدہ: سارے صحابہ سچے پکے مخلص مومن ہیں۔ ان میں کوئی کافر یا فاسق نہیں۔ انہیں رب تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کی مدد کے لئے چنا۔ رب نے ان کے متعلق فرمایا۔ وبالمومنین جس سے معلوم ہوا کہ وہ مومن بھی ہیں اور اللہ کی مدد کا وسیلہ بھی۔ دوسری جگہ فرمایا و کرہ الیکم الکفر و الفسوق و العصیان تیسری جگہ ارشاد ہوا و کلا و عد اللہ الحسنٰی دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔

مسئلہ: تمام صحابہ کرام کا مومن متقی، جنتی ہونا تمام مسلمانوں سے افضل ہونا، ان کا معیار ایمان ہونا، آیات قرآنیہ سے صراحۃً ثابت ہے۔ ایمان تقویٰ کی آیات تو یہ ہیں جو ابھی عرض ہوئیں۔ رب فرماتا ہے۔ فان امنوا بمثل ما امنتم فقد اھتدوا اے صحابہ جو تم جیسا ایمان لائے گا وہ ہدایت پر ہوگا اور حضرت ابوبکر صدیق کا صحابی رسول ہونا، رسول اللہ کا ثانی، حضور ﷺ کا جانشین اور خلیفہ اول ہونا، بعد رسل سب خلق سے افضل ہونا، بڑا وسیع القلب ہونا، رسول اللہ کا یار غار ہونا، یقینی جنتی ہونا، آپ ﷺ کا صدیق ہونا، آپ ﷺ کا رب سے راضی ہونا اور رب کا آپ سے راضی ہونا، یہ سب کچھ قرآن کی صریح آیات سے ثابت ہے۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔ یہاں اجمالاً وہ آیات عرض کئے دیتے ہیں۔ (۱) ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن اس میں آپ کا رسول اللہ کا ثانی یعنی خلیفہ ہونا رسول اللہ کا یار غار ہونا، حضور ﷺ کا صحابی ہونا ثابت ہوا۔ خیال رہے کہ اول اور ثانی کے درمیان کوئی عدد نہیں تو رسول اللہ اور صدیق کے درمیان کوئی خلیفہ نہیں۔ وہ بحکم قرآن ثانی ہیں۔ انہیں تیسرا کون کرے۔ (۲) و لا یاتل اولو الفضل منکم و السعۃ اس آیت میں حضرت صدیق کا بعد رسل ساری خلق سے افضل ہونا اور وسیع القلب ہونا ثابت ہوا۔ (۳) و الذی جاء بالصدق و صدق بہ اولئک ھم المتقون اس سے حضرت صدیق کا صدیق اور متقی ہونا ثابت ہے۔ (۴) و سیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکی اس آیت سے حضرت صدیق کا جنتی ہونا بعد انبیاء خلق سے بڑا متقی ہونا مخلص ہونا ثابت ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق کے فضائل کی آیات ہماری کتاب فہرست القرآن میں مطالعہ فرماؤ۔ آپ کے فضائل سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ ہم نے کچھ اشعار آپ کی شان میں عرض کئے ہیں۔

ان کا ڈیرہ اور والیل پر ان کا قبضہ
سورۂ توبہ میں ان کا جلوہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سورۂ سجدہ میں تذکرے ان کے سورۂ فتح میں ان کے چرچے
ان کا ثناخواں خود رب تعالیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
شان ان کی حجرات سے پوچھو بلکہ شہ لولاک سے پوچھو
بعد نبی مخلوق سے اعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو سلطان اسلام کو صلح کر لینا ضروری ہے کہ ارشاد ہوا فاجنح لھا مگر بعض موقعوں پر صلح مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں امر وجوب کے لئے نہیں مباح فرمانے کے لئے ہے۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا بنصرہ و بالمومنین یہ عبارت مکرر ہے۔ نصر میں اللہ کی مدد آ گئی پھر بالمومنین کیوں ارشاد ہوا۔

جواب: نصرہ سے مراد ہے غیبی مدد جو فرشتوں کے ذریعہ ہوئی اور بالمومنین سے مراد ظاہری مدد جو مسلمانوں کے ذریعہ ہوئی۔ ان دو لفظوں میں دو قسم کی مدد کا ذکر ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین حضور ﷺ کے مددگار ہیں اور تم کہتے ہو کہ حضور انور ﷺ تمام عالم کے مددگار ہیں۔ جو سب کا مددگار ہو اسے دوسرے کی مدد کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے ان تنصروا اللہ ینصرکم اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا۔ جب خدا تعالیٰ سب کا حامی و ناصر ہے تو اسے بندوں کی مدد کی کیا ضرورت ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ مدد دو طرح کی ہے۔ کرم و مہربانی کی مدد دوسری خدمت گزاری اطاعت شعاری کی مدد۔ فوج بادشاہ کی مدد کرتی ہے خدمت کی مدد۔ بادشاہ سپاہیوں کی مدد کرتا ہے مخدومیت اور کرم کی مدد۔ ماں باپ بچے کی مدد کرتے ہیں مہربانی کی پھر جوان بیٹا ماں باپ کی مدد کرتا ہے خادمانہ حیثیت سے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ صل علیہم اپنی امت کو دعائیں دو۔ یہ دعائیں اور نوعیت کی ہیں۔ ہم کو حکم ہے صلوا علیہ اپنے نبی کو دعائیں دو یعنی درود شریف پڑھو۔ یہ دعائیں اور نوعیت کی ہیں۔ ماں باپ اولاد کو دعا دیں تو وہ اور طرح کی دعا ہے۔ بھکاری فقیر دعا دے بھیک لینے کے لئے وہ اور قسم کی دعا ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بچھڑوں کو ملانا بگڑی کو بنانا حضور انور ﷺ کا کام نہیں رب کا کام ہے۔ فرمایا گیا کہ اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کر دیتے تو بھی انہیں نہیں ملا سکتے تھے ہم نے ملا دیا پھر تم اسے حضور انور ﷺ کے کمالات سے کیوں شمار کرتے ہو اور کیوں کہتے ہو۔ شعر

اس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا　　　اس نے ذروں کو ملایا اور صحرا کر دیا

جواب: نبی کے معجزات رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ ان کا ظہور نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ سارے عرب کو ملا دینا ان کے بغض و عداوت کو دور کر دینا حضور انور ﷺ کا شاندار معجزہ ہے جو رب کی طرف سے ہے۔ حضور ﷺ کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔ اس آیت کا یہی مقصد ہے کہ یہ کارنامہ دنیاوی اسباب سے نہیں ہوا بلکہ آپ ﷺ نے معجزانہ طور پر کیا۔ اس میں حضور ﷺ کی شان کا اظہار ہے۔

پانچواں اعتراض: تم نے اس آیت سے ثابت کیا کہ حضرات صحابہ آپس میں ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہیں رکھتے تھے ان کے دلوں میں الفت تھی۔ مگر جیسا کہ صحابہ میں آپس میں بغض تھا اس کی مثال نہیں ملے گی۔ قتل عثمان، حضرت علی و امیر معاویہ اور عائشہ صدیقہ کی خونریز جنگیں اس کا ثبوت ہیں جن میں پچاس ہزار مسلمان دو طرف مارے گئے۔ محبت و الفت میں خونریز جنگ ہوتی ہے؟ بتاؤ الف بینهم کے کیا معنی ہیں (بعض بے دین)

جواب: اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔ یہاں اجمالاً اتنا سمجھ لو کہ جنگ و جدال کی تین وجہیں ہوتی ہیں۔ اختلاف دین، عداوت نفسانی اور اختلاف رائے یا کچھ غلط فہمیاں۔ حضرات صحابہ کی آپس کی لڑائیاں دین و عداوت کی نہ تھیں صرف اختلاف رائے کی تھیں۔ یہ جنگ محبت و الفت کے خلاف نہیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام سے جو برتاؤ کیا، حضرت سارہ زوجہ ابراہیم علیہ السلام نے جناب ہاجرہ و اسماعیل علیہ السلام سے جو برتاؤ کیا وہ سب کو معلوم ہے مگر اس کے باوجود وہ حضرات نہ دشمن تھے ہوئے نہ کافر کہ ان کے یہ عمل اختلاف رائے یا کچھ غلط فہمیوں پر مبنی تھے۔ اس قسم کے اختلاف کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وان طائفتان من المومنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما** اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کی صلح کرا دو۔

تفسیر صوفیانہ: دشمن سے صلح کی جاتی ہے اور دوست سے الفت و محبت۔ صلح جسمانی تعلق ہے اور الفت روحانی اور دلی تعلق۔ صلح عارضی چیز ہے اور الفت غیر فانی، دائمی چیز۔ دیکھو ان آیات میں کفار سے صلح کی اجازت دی گئی اور مومن کی آپس کی الفت کی خبر دی گئی۔ جس پر احسان جتایا گیا۔ الفت مودت اور موافقت میں فرق ہے۔ یہاں الفت کا ذکر فرمایا گیا۔ مومنین آپس میں ایسے ہیں جیسے دو ہاتھ ہر ایک دوسرے کو دھوتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے۔ ہر مسلمان مسلمان سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اللہ کی بڑی نعمت **الحب فی الله و البغض الله** ہے یعنی اللہ کے لئے محبت کرنا اسی کے لئے عداوت کرنا۔ خیال رہے کہ الفت ایمانی کا یہاں ذکر ہے یہ الفت چند طرح حاصل ہوتی ہے۔ صحبت یعنی مل بیٹھنے سے ایک دوسرے کی خیر خواہی سے۔ سنت رسول کی پیروی سے۔ اس لئے اسلام نے مسلمانوں کے آپس میں مل بیٹھنے کے بہت سے مواقع فراہم کئے ہیں۔ پنجگانہ نمازوں میں محلہ والے، جمعہ میں بستی والے، عیدین میں علاقہ والے، حج میں دنیا والے مسلمان مل بیٹھیں، ان کی الفتیں بڑھیں، صوفیاء فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی صحبت اگر الفت کے ساتھ نصیب ہو تو بڑی رحمت ہے۔ اللہ والوں کو الفت و محبت سے دیکھنا بھی عبادت ہے کہ اس سے ان کے اخلاق حاصل ہوتے ہیں۔ ہمیشہ غمگینوں کو دیکھنا ان کے ساتھ رہنا انسان کو

غمگین کر دیتا ہے۔ یوں ہی مسرور اور خوش دل لوگوں کے ساتھ رہنا خوش دل بنا دیتا ہے۔ جس کا دیدار خوش کر دے اس کی گفتار بھی خوش کرے گی۔ شریر اونٹ سیدھے اونٹوں میں رہ کر سیدھا ہو جاتا ہے۔ ہوا پانی گندگی سے ملے تو گندی ہو جاتی ہے۔ اگر پھول سے تعلق رکھے تو مہک جاتی ہے۔ جب ان بے جان بے شعور چیزوں میں صحبت کا اثر ہو جاتا ہے تو انسان تو جان بھی رکھتا ہے اور شعور بھی۔ اچھوں سے الفت رکھے تو بھی اچھا ہو جاوے گا۔ بروں کی صحبت سے تنہائی اچھی اور تنہائی سے اچھی صحبت اچھی۔

عمل: جن دو شخصوں میں آپس میں دشمنی وعداوت ہو ان کی عداوت دور کرنے کے لئے هو الذی الیک سے اللہ عزیز حکیم تک پڑھ کر پانی پر دم کر کے پلایا جاوے۔ چند روز یہ عمل کیا جاوے انشاء اللہ عداوت محبت میں تبدیل ہو جاوے گی۔ مشائخ کا مجرب عمل ہے۔ (روح البیان) بہتر یہ ہے کہ مٹی کے کورے پیالہ میں پانی لیا جاوے اور چالیس دن یہ عمل کرے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَسْبُكَ ٱللَّهُ وَمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ع
اے نبی کافی ہے آپ کو اللہ اور وہ جس نے پیروی کی آپ کی مومنوں میں سے
اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا اللہ پر توکل اور بھروسہ کرو۔ اب ارشاد ہے کہ بندوں سے مدد لینا بندوں کا کافی ہونا توکل علی اللہ کے خلاف نہیں گویا توکل علی اللہ کا ذکر پہلے ہوا توکل کی تفسیر اب ارشاد ہو رہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ آپ ﷺ کو کافی ہے اب ارشاد ہے کہ اللہ بھی آپ ﷺ کو کافی ہے اور مومنین بھی خصوصاً حضرت عمر آپ ﷺ کو کافی وافی ہیں اللہ تو حقیقۃً کافی ہے۔ حضرت عمر مجازاً بحکم پروردگار کافی۔ گویا کفایت کی ایک قسم کا ذکر پہلے ہوا، دونوں قسموں کا ذکر اب ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ ہم نے مومنوں کو ایک دل ایک جان شیر وشکر کر دیا۔ اب ارشاد ہے کہ ان سب کو متفق کرنا آپ کی خدمت کے لئے ہے۔ گویا پہلے اتفاق کا ذکر تھا اور اب وجہ اتفاق کا ذکر ہے۔

شانِ نزول، حضرت عمر کا ایمان لانا: اسلام کا شروع دور۔ اب تک صرف انتالیس شخص ایمان لائے ہیں۔ تینتیس مرد اور چھ عورتیں۔ تین دن پہلے حضرت حمزہ ایمان لا چکے ہیں۔ کفار کا مسلمانوں پر ظلم وتشدد حد سے بڑھ چکا ہے۔ بدھ کا دن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الہی میں دعا کی کہ الہی اسلام کو قوت دے یا عمرو بن ہشام یعنی ابوجہل کے ذریعہ یا عمر ابن خطاب یعنی فاروق اعظم کے ذریعہ۔ حضور انور ﷺ کی یہ دعا حضرت عمر کے حق میں قبول ہوئی اور آپ جمعرات کے دن یعنی اگلے ہی روز ایمان لے آئے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف چھبیس سال تھی۔ دیکھو تفسیر روح البیان یہ ہی

مقام۔ آپ سے پہلے عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ ابن عبید اللہ ایمان لا چکے تھے پھر ان کے بعد عامر ابن عبداللہ ابن جراح جنہیں ابوعبیدہ ابن جراح کہا جاتا ہے۔ ابوسلمہ عبداللہ بن اسد اور ارقم بن ارقم۔ عثمان ابن مظعون مع اپنے دو بھائیوں قدامہ و عبداللہ، عبیداللہ ابن حارث، سعید ابن زید اور ان کی بیوی جناب فاطمہ بنت خطاب یعنی حضرت عمر کی بہن ایمان لائے۔ (مواہب جلد اول ص ۴۶) خیال رہے کہ بی بی خدیجہ کے بعد پہلی بی بی جو ایمان لائیں وہ حضرت ام الفضل زوجہ حضرت عباس ہیں پھر حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق بعض نے حضرت عائشہ کہا مگر یہ غلط ہے کیونکہ حضرت عائشہ کی ولادت ایک قول میں نبوت کے چوتھے سال ہے۔ (مواہب اول ص ۶۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ یہ ہوا کہ جب آیت کریمہ **انکم و ما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم** نازل ہوئی تو ابوجہل نے قریش کو جمع کر کے تقریر کی، بولا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اب تمہارے معبودوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ کیا تم میں کوئی ایسا غیرت مند نہیں جو انہیں قتل کر دے۔ میں اسے سو اونٹ انعام دوں گا۔ خیال رہے کہ ابوجہل حضرت عمر کا ماموں تھا کیونکہ آپ کی ماں ابوجہل کی بہن یعنی ہشام کی بیٹی تھی۔ (روح البیان) اور بولا کہ ایک ہزار اوقیہ چاندی بھی ساتھ دوں گا۔ حضرت عمر کھڑے ہو گئے کہ ماموں کیا تو یہ وعدہ پورا کرے گا۔ وہ بولا ضرور، آپ اسے خانہ کعبہ میں ہبل بت کے سامنے لے گئے۔ وہاں اس سے قسم لی کہ وہ یہ وعدہ پورا کرے گا۔ اس وقت کعبہ میں ڈیڑھ ہزار بت تھے۔ ان میں بڑا یہی ہبل تھا۔ آپ نے دہنے ہاتھ میں تلوار پکڑی اور بائیں کندھے پر کمان ڈالی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع مسلمانوں کے دار ارقم میں صفا کے پاس پناہ لئے ہوئے تھے۔ وہاں ہی اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ راستہ میں ایک صاحب ملے، پوچھا عمر کہاں جا رہے ہو۔ بولے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے۔ انہوں نے بڑا فساد پھیلایا ہے۔ وہ بولے یہ فساد تو تمہارے گھر تک پھیل چکا ہے۔ پہلے اپنا گھر سنبھالو پھر اور طرف توجہ کرو۔ آپ وہاں سے اپنے گھر کی طرف لوٹ پڑے۔ وہاں آپ کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور آپ کے بہنوئی سعید ابن زید سورہ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ آواز دی، دروازہ کھلوایا، اپنی بہن سے پوچھا کیا پڑھ رہی تھیں۔ یہ کہہ کر اپنے بہنوئی سعید سے لپٹ پڑے، خوب مارا۔ بہن چھڑانے آئیں، انہیں بھی زخمی کر دیا۔ بہن بولیں اے عمر ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں۔ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ تم خواہ ہم کو قتل کر دو ہم اسلام سے نہیں پھر سکتے۔ بہن کی اس بات میں نہ معلوم کیا اثر تھا کہ حضرت عمر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور بولے مجھ کو یہ کاغذ دکھاؤ جس پر یہ قرآن لکھا ہے۔ وہ بولیں بھیا ابھی تم شرک کی نجاست میں آلودہ ہو اس کو چھونے کے قابل نہیں۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور سورہ طٰہٰ **لا الہ الا ھو لہ الاسماء و الحسنی** تک پڑھا۔ حضرت عمر کے دل پر بجلی سی گری۔ رونے لگے اور یہاں سے دار ارقم کی طرف اسی طرح یعنی شمشیر بہ کف کمان بر کتف روانہ ہوئے مگر اب جانے کی نوعیت کچھ اور ہو گئی۔ دروازہ پر پہنچے۔ کواڑ کھولنے کو کہا۔ حضور ﷺ کے ساتھیوں نے ڈر سے دروازہ نہ کھولا۔ حضرت حمزہ نے جو کل پرسوں ہی ایمان لائے تھے فرمایا دروازہ کھول دو۔ اگر عمر اچھے ارادے سے آئے ہیں تو ہم ان کا احترام کریں گے۔ اگر ارادہ برا ہے تو ہم انہیں کی تلوار سے ان کا سر قلم کر دیں گے۔ دروازہ کھلا حضرت عمر کی نگاہ حسن خداداد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر

پڑی۔ شعر

آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو گئے　　　تم ہمارے ہم تمہارے ہو گئے

حضور انور ﷺ نے حضرت عمر کے دونوں بازو پکڑ کر ہلائے، پوچھا عمر کیا ارادہ ہے۔ عرض کیا قدموں پر قربان ہو کر اسلام لانے کا۔ حضور انور ﷺ نے کلمہ طیبہ پڑھایا۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا جو مکہ کے بازار میں سنا گیا اور پھر جبریل امین حاضر ہوئے اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ اس وقت فرشتوں میں خوشی سے دھوم مچی ہوئی ہے۔ سب حضرت عمر کے ایمان پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور انور ﷺ نے خوشی میں خود تکبیر کہی اللہ اکبر۔ اس وقت حضرت عمر نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کفار جھوٹے معبودوں کو اعلانیہ پوجیں اور ہم سچے خدا کی چھپ کر عبادت کریں۔ چلئے آج خانہ کعبہ میں نماز پڑھیں گے۔ قسم اس رب کی جس نے آپ ﷺ کو نبی بنایا جن مجالس میں، میں کفر ظاہر کیا کرتا تھا، انہیں مجالس میں ایمان ظاہر کروں گا۔ کلمہ طیبہ کا اعلان کروں گا۔ اس دن مسلمانوں نے خانہ کعبہ میں اعلانیہ نماز پڑھی۔ کفار حضرت عمر کی ہیبت سے مسلمانوں کو کچھ کہہ نہ سکے (تفسیر روح البیان، مدارج النبوت ص ۴۵، مواہب اللدنیہ جلد اول ص ۵۱) آپ کے ایمان کے متعلق اور بہت روایات ہیں یہ روایت قوی تر ہے۔

نوٹ ضروری: تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت عمر کے ایمان لانے پر نازل ہوئی جیسے تفسیر کبیر، خازن، بیضاوی، مدارک، روح البیان، روح المعانی، تفسیر صاوی وغیرہ۔ ان کے نزدیک یہ آیت مکیہ ہے باقی سورہ انفال مدنیہ۔ بعض کے نزدیک یہ آیت غازیان بدر کے متعلق نازل ہوئی تو یہ آیت مدنیہ ہے مگر قوی یہ ہے کہ یہ آیت سورہ فاتحہ کی طرح دو بار نازل ہوئی۔ ہجرت سے پہلے بھی اور بعد بھی۔ لہٰذا یہ مکیہ بھی ہے مدنیہ بھی۔ دیکھو تفسیر صاوی علی الجلالین۔ قوی تر یہ ہے کہ حضرت عمر کے ایمان پر یہ آیت اتری اور مکیہ ہے۔

تفسیر: **یاایھا النبی** قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی نام سے کہیں نہ پکارا یعنی یااحمد یامحمد ﷺ کہیں نہ فرمایا بلکہ آپ ﷺ کو چار صفاتی ناموں سے پکارا ہے۔ ایک جگہ مزمل سے **یاایھا المزمل** ایک جگہ مدثر سے **یاایھا المدثر** چار جگہ رسول سے **یاایھا الرسول** اور باقی جگہ نبی سے **یاایھا النبی** یہ خطاب بھی ان آخری خطابات سے ہے۔ نبی کے معنی ہیں خبر والا یا خبر دینے والا یا خبر لینے والا یا خبر رکھنے والا۔ چونکہ حضرت عمر کے ایمان کے متعلق حضور انور ﷺ نے خبر اشارۃً دے دی تھی کہ دعا کی تھی کہ مولا اسلام کو عزت وغلبہ دے یا عمر بن خطاب کے ذریعہ۔ اس لئے یہاں نبی کے لفظ سے خطاب بہت مناسب ہوا یعنی اے غیب کی خبر دینے والے یا خبر رکھنے والے۔ **حسبک اللہ** اس آیت کی تفسیر پچھلی آیت میں گزری کہ جب مصدر بمعنی صفت مشبہ ہے یہ ہے خبر مقدم اور لفظ اللہ مبتداء موخر۔ حسب کے معانی ابھی پچھلی آیت میں گزرے یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کافی وافی ہے۔ **ومن اتبعک من المومنین** یہ عبارت لفظ اللہ پر معطوف ہے اور حسبک کا مبتدا من سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ اتباع کے معنی نیز اتباع اور اطاعت میں فرق بارہا بیان ہو چکا۔ من بیانیہ ہے جو من اتبعک کا بیان کر رہا ہے یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے اسلام عمر کی خبر اشارۃً پہلے دے دی تھی آپ ﷺ

کو اللہ بھی کافی ہے اور یہ عمر جنہیں تم نے اسلام کی طرف بلایا ہے جو مطلوب ہے تمہارا اور اسلام کا جو آج آپ ﷺ کا متبع مومن بنا۔ وہ بھی آپ ﷺ کو کافی ہے۔ اس مرد مومن کے ایمان کے بعد آپ ﷺ مخالفت کفار کی پرواہ نہ کریں۔ یہ اکیلا ان سب کے مقابل آپ ﷺ کو کافی ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی تفسیریں دو ہیں کیونکہ اس کے شان نزول کے متعلق قول دو ہیں۔ ایک یہ کہ اے نبی غیب کی خبر دینے والے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ ہر طرح کافی وافی ہے اور یہ عمر جو آج مومن آپ ﷺ کا متبع ہوا آپ کو کافی ہے۔ اس کے ایمان کے بعد آپ ﷺ تمام کفار و اشرار کا غم نہ کریں۔ دوسرے یہ کہ اے نبی آپ کو اللہ بھی کافی ہے اور غازی یہ جانثاران یا سارے مسلمان بھی آپ ﷺ کو کافی و وافی ہیں۔ آپ ﷺ کفار کی پرواہ نہ کریں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دوسرے مسلمان اسلام کے طالب ہیں۔ جو اسلام کو تلاش کرتے ہیں مگر حضرت عمر اسلام کے مطلوب ہیں جنہیں اسلام بلکہ بانی اسلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف دعائیں مانگ مانگ کر بلایا۔ ہم میں اور حضرت عمر میں وہ ہی فرق ہے جو طالب اور مطلوب میں ہوا کرتا ہے۔ شعر

فرق است میہماں آنکہ یارش در بر با آنکہ چشم انتظارش بر در

سب اسلام کے منتظر ہیں اور اسلام حضرت عمر کا منتظر۔ ہم نے عرض کیا۔

رسول اللہ نے فاروق کو اللہ سے مانگا عطاء رب سبحاں حضرت فاروق اعظم ہیں

یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان خالق مخلوق اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہت ہی قابل قدر ہے۔ یہ فائدہ اس واقعہ سے حاصل ہوا کہ آپ ﷺ کے ایمان لانے پر نورانی مخلوق یعنی فرشتوں میں خوشیاں منائی گئیں۔ ادھر مکہ کی سرزمین میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے خوشی منائی جیسا کہ ابھی شان نزول میں عرض کیا گیا۔ کعبہ بھی حضرت عمر کے ایمان کا منتظر تھا کہ کب عمر ایمان لائیں اور مسلمان میرے نزدیک آکر اعلانیہ رب کی عبادت کریں۔

تیسرا فائدہ: کبھی شر ذریعہ بن جاتی ہے خیر کا کہ ایک کام شروع ہوتا ہے شر ہو کر ختم ہوتا ہے خیر ہو کر۔ دیکھو حضرت عمر ابوجہل کے پاس سے چلے تھے شر کے لئے مگر حضور انور ﷺ کے پاس پہنچے خیر کے لئے۔ حضور ﷺ کو شہید کرنے چلے مگر نگاہ ناز کے شہید ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

چوتھا فائدہ: بندوں پر اعتماد کرنا اللہ پر توکل کے خلاف نہیں۔ یہ فائدہ حسبک اللہ و من اتبعک فرمانے سے حاصل ہوا کہ آپ ﷺ کو اللہ بھی کافی ہے اور مومن بھی کافی۔ حقیقۃً رب تعالیٰ کافی ہے اور مجازاً اس کے بندے کافی۔ لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو اللہ رسول کافی ہے۔

پانچواں فائدہ: اللہ کے نیک بندوں کا اللہ کے ساتھ ملا کر ذکر کر سکتے ہیں۔ یہ فائدہ بھی من اتبعک کو لفظ اللہ پر معطوف کرنے سے حاصل ہوا کہ ارشاد ہوا کہ اللہ اور مومن آپ ﷺ کو کافی ہیں لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں اگر اللہ رسول نے چاہا تو یہ ہوگا۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے فان اللہ مولہ و جبریل و صالح المومنین و الملائکۃ بعد ذلک ظہیر

چھٹا فائدہ: جب حضرت عمر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کافی ہیں بحکم پروردگار تو حضور ﷺ کی امت کو بھی کافی ہیں۔ لہٰذا حضرت عمر سارے مسلمانوں کے حامی، ناصر، کافی، وافی ہیں۔ یہ فائدہ ومن اتبعک (الخ) سے حاصل ہوا۔ واقعی آپ کی ذات اسلام، قرآن، اہل ایمان، سب کو کافی ہوئی۔ انہوں نے اسلام کو اتنا پھیلایا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ شعر

عمر کافی نبی کو حسبک اللہ سے یہ ثابت ہے ہے شاہد جن پہ قرآں حضرت فاروق اعظم ہیں

حضرت عمر کے فضائل: حضرت عمر کے فضائل بے حد بے شمار ہیں۔ ہم برکت کے لئے کچھ عرض کرتے ہیں۔ (۱) تمام مسلمان اسلام کے طالب ہیں۔ حضرت عمر اسلام بلکہ بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلوب اور رب تعالیٰ کے خاص عطیہ ہیں جو رب نے اپنے محبوب کو بخشا۔ اس لئے ان کے ایمان پر فرشتوں نے بھی خوشیاں منائیں۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کو حضور انور ﷺ کی خاص رفاقت اسلام کی مدد کے لئے چنا جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ یہ انتخاب رب کی طرف سے ہے۔ (۳) حضور انور ﷺ نے حضرت عمر کے ایمان لاتے وقت ان کے لئے دعا فرمائی کہ الٰہی عمر کے دل میں جو غل وغش ہے اسے ایمان سے بدل دے۔ ان کا دل ایمان سے بھر دے (روح البیان)۔ (۴) حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر جس راستہ سے تم گزر رہے ہو اس سے شیطان نہیں گزرتا۔ وہ کترا کے دوسری راہ چلا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے ساتھ شیطان ایسا رہتا ہے کہ خون کے ساتھ گردش کرتا ہے۔ حضرت عمر سے بھاگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ شیطان سے محفوظ ہیں۔ (۵) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گذشتہ امتوں میں محدثوں یعنی الہام والے اولیاء اللہ ہوئے ہیں میری امت میں عمر ہیں۔ (۶) اسلام کے بہت سے احکام قرآن مجید کی بہت سی آیات حضرت عمر کی رائے کے موافق آئیں جیسے پردہ کی آیت، شراب کی حرمت کی آیت، مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کی آیت وغیرہ۔ حجاج آپ کو سلام و خطبہ پڑھتے وقت عرض کرتے ہیں من وافق رایہ بالوحی و الکتاب عمر ابن الخطاب۔ (۷) ایک بار حضرت عمر نے حضور انور ﷺ سے عمرہ کے لئے مکہ معظمہ جانے کی اجازت چاہی تو فرمایا اے میرے بھائی مجھے اپنی دعا میں نہ بھولنا۔ (۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے چار وزیروں سے میری مدد کی۔ دو زمین میں اور دو آسمان میں۔ زمین کے وزیر ابوبکر و عمر ہیں۔ آسمان کے وزیر جبریل و میکائیل ہیں۔ (۹) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں رب تعالیٰ سے پہلے سلام و مصافحہ حضرت عمر کریں گے (وہ مصافحہ جو اس کی شان کے لائق ہے) (۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ایک کنویں پر بے شمار پیاسے جانور جمع ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے کنویں سے دو یا تین ڈول نکالے اور انہیں پانی پلایا۔ پھر حضرت عمر نے ڈول ہاتھ میں لیا تو وہ چرسہ بن گیا اور اس قدر پانی نکالا کہ سارے پیاسے جانور سیراب ہو گئے۔ اس خواب میں آپ کی خلافت کی برکات کی طرف اشارہ کیا اور بے شمار آپ کے فضائل ہیں۔ (روح البیان) شعر

لہ فضائل لا تخفی علی احد الا علی احد لا یعرف القمرا

پہلا اعتراض: سورہ انفال مدنیہ ہے یعنی بعد ہجرت نازل ہوئی اور حضرت عمر کا ایمان ہجرت سے کہیں پہلے ہے پھر یہ آیت ان کے اسلام کے متعلق کیسے ہوسکتی ہے لہٰذا یہ آیت ان کے اسلام کے متعلق نہیں ہے وہ تو اخلاص سے ایمان لائے ہی نہ تھے نفاق سے ایمان لائے تھے۔ (شیعہ)

جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں۔ ایک الزامی اور دو تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ تم لوگ سورۂ دہر کی ان آیات کو حضرت علی حسنین کریمین کی شان میں مانتے ہو **ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا** کہ حسنین کریمین بیمار ہوئے تو حضرت علی اور فاطمہ زہرہ نے تین روزوں کی منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ دونوں شہزادوں کو شفاء دے تو ہم روزے رکھیں گے۔ جب انہیں شفاء ہوئی تو روزے رکھے مگر تینوں دن افطار کے وقت سائلین آ گئے۔ انہیں روٹیاں دے دیں اور بھوکے سو رہے۔ حالانکہ سورۂ دہر مکیہ ہے۔ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی جبکہ فاطمہ زہرہ حضرت علی کے نکاح میں بھی نہیں آئی تھیں۔ آپ کا نکاح ۲ ہجری میں ہوا جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔ پہلا جواب تحقیقی یہ ہے کہ واقعی سورہ انفال مدنیہ ہے مگر یہ آیت مکیہ ہے یا یہ آیت مکیہ بھی مدنیہ بھی جیسے سورۂ فاتحہ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ منافقین مدینہ منورہ میں تھے مکہ معظمہ میں کوئی منافق نہ تھا کیونکہ مدینہ منورہ میں اسلام کا چاند چڑھ چکا تھا۔ بعض کفار ہیبت اسلام کی وجہ سے ظاہری طور پر کلمہ پڑھ لیتے تھے۔ ہجرت سے پہلے کسی کافر کو کیا مجبوری تھی جو وہ منافقت سے ایمان ظاہر کرتا اور جس وقت حضرت عمر ایمان لائے اس وقت مسلمان بڑی مصیبتوں میں تھے۔ حضرت عمر بھی آخر کار ترک وطن یعنی ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ اس وقت تو حضرت عمر کا اسلام قبول فرمانا اپنے کو دہکتی آگ میں ڈالنا تھا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ کا ترجمہ یہ نہیں ہے کہ اے نبی تم کو اللہ بھی کافی ہے اور یہ مومن بھی۔ یہ تو عین شرک ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم کو اور ان مومنوں کو اللہ کافی ہے۔ بھلا کوئی بندہ کسی کو کافی ہوسکتا ہے۔ (وہابی) یعنی **ومن اتبعک** معطوف اللہ پر نہیں بلکہ حسبک کے کاف میں معطوف ہے۔

جواب: تمہارا یہ ترجمہ تمام مفسرین بلکہ اجماع امت کے بھی خلاف ہے اور خود قرآن مجید کے بھی خلاف ہے۔ سارے مفسرین جن میں امام جلال الدین سیوطی نے بھی ترجمہ کیا ہے **حسبک اللہ و حسبک من اتبعک من المومنین** تفسیر صاوی نے فرمایا **ومن اتبعک** معطوف ہے علی لفظ اطلاق قرآن کریم فرماتا ہے **فان اللہ ھو مولہ و جبریل و صالح المومنین** اس آیت میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔

تیسرا اعتراض: جب حضور انور ﷺ کو اللہ کافی ووافی ہے تو دوسرے کافی وافی کی کیا ضرورت ہے۔ کیا خدا کی کفایت میں کچھ کمی ہے جو دوسرے کافی کی ضرورت پڑی۔

جواب: جب اللہ تعالیٰ شافی، حاکم، حکم ہے تو ڈاکٹروں، کچہری کے حاکموں، حکیموں کی کیا ضرورت ہے۔ کیا خدا کی شفاء حکم میں کچھ کمی ہے جو تم ان لوگوں کے دروازوں پر جاتے ہو۔ رب تعالیٰ حقیقی کافی وافی ہے اس کے بندے مجازی کافی بلکہ

اس کی کفایت کے مظہر اللہ کی ربوبیت کافی ہے مگر ماں باپ اس کی ربوبیت کے مظہر ہیں۔ کما ابا لی مغیرہ
چوتھا اعتراض: اگر حضرت عمر نبی کو کافی ہیں تو نبی ان کے محتاج ہوئے کہ حضرت عمر ایمان لائیں تو حضور ﷺ کی حاجت پوری ہو اور تم کہتے ہو کہ سارا عالم حضور انور ﷺ کا حاجت مند ہے۔ حضور ﷺ کل کے حاجت روا باذن پروردگار ہیں۔ یہ آیت تمہارے خلاف ہے۔
جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کا مددگار ہے نعم المولی و نعم النصیر مگر فرماتا ہے ان تنصروا اللہ ینصرکم اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا تھا نحن انصار اللہ ہم اللہ کے مددگار ہیں کیا خدا تعالیٰ بندوں کا محتاج ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ کفایت اور مدد دو طرح کی ہے۔ کرم کی اور خدمت گزاری کی۔ بادشاہ سپاہی کا مددگار ہے حاکم کریم ہو کر اسے تنخواہ دیتا ہے اس کی خبر گیری کرتا ہے مگر سپاہی بادشاہ کا مددگار ہے خادم نوکر ہو کر بادشاہ کو لاکھوں سپاہی مل سکتے ہیں مگر سپاہی کو دوسرا بادشاہ نہیں مل سکتا۔ بادشاہ کا کرم ہے کہ سپاہی کو نوکر رکھ لیا۔ شعر

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی ۔۔۔ منت شناس ازو کہ بخدمت گماشتت
تمہارے سینکڑوں ہم سے گدا ہیں ۔۔۔ ہمارے آپ ہی اک آسرا ہیں
تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بندہ پاک ۔۔۔ میں نبی کس کو بناؤں جو خفا تم ہو جاؤ

تفسیر صوفیانہ: گذشتہ نبیوں کے دین ان کی کتابیں باقی نہ رہیں، اول بدل کر فنا ہو گئیں۔ کیونکہ انہیں رب کی طرف سے ہدایت تو دی گئی وہ سب حضرات ہادی مہدی تھے مگر انہیں کفایت نہیں دی گئی یعنی ان کے دینوں کی بقا کی ذمہ داری نہیں لی گئی۔ یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ رب نے انہیں ہدایت بھی دی کہ ہادی بنایا اور کفایت بھی کہ آپ ﷺ کے دین و قرآن کی ذمہ داری لی۔ فرمایا انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون فرق یہ ہو گیا کہ ان نبیوں کے اصحاب ان کی امتیں ان کے دینوں کی محافظ نہ بن سکیں۔ حضور ﷺ کے دین کا اللہ والی و ناصر تھا تو اس نے صحابہ کرام خصوصاً حضرت عمر کو توفیق بخشی کہ انہوں نے دور دور تک اسلام پھیلایا۔ جمع قرآن کیا تو صحابہ نے۔ لاکھوں کو مسلمان کیا تو صحابہ نے۔ بڑے بڑے ممالک فتح کئے تو صحابہ نے۔ قیصر و کسریٰ جیسے بادشاہوں کی سلطنتیں پاش پاش کیں تو صحابہ خصوصاً حضرت عمر نے۔ پھر صحابہ کے بعد سے تا قیامت رب نے اسلام میں علماء و اولیاء پیدا فرمائے تا کہ دین کا بقا رہے۔ قرآن کی تفسیریں لکھیں تو علماء نے۔ حدیثیں جمع کیں تو علماء نے۔ احادیث کی شرحیں لکھیں تو علماء نے علم فقہ علم اصول علم میراث جمع کئے بلکہ بنائے تو علماء نے ایک نگاہ سے کالے دل منور کر دیئے اولیاء نے روحانی فیض سے دنیا بھر دی اولیاء نے۔ اس آیت میں اسی کا بیان ہے کہ اے نبی تمہارے لئے ہر طرح ہم کافی وافی ہیں۔ اس کا ظہور اس طرح ہوگا کہ ہم نے آپ ﷺ کو وہ صحابہ وہ علماء وہ اولیاء بخشے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کا دین قائم رکھیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

تاقیامت باقیش داریم ما تو مترس از نسخ دین اے مصطفیٰ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

اے نبی ابھارو مومنوں کو جنگ پر اگر ہوں گے تم میں

اے غیب کی خبریں دینے والے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں

عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ

سے بیس (۲۰) صبر کرنے والے تو غالب آئیں گے دوسو (۲۰۰) پر اور اگر ہوں گے تم میں سے

بیس صبر کرنے والے ہوں گے دو سو پر غالب ہونگے اگر تم میں سو ہوں تو کافروں کے

يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

سوتو غالب آئیں گے ہزار پر ان میں سے جنہوں نے کفر کیا بیشک وہ ایسی قوم ہے جو نہیں سمجھتی

ہزار پر غالب آئیں گے اس لئے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے اب اللہ نے تم پر تحقیق

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ

اب ہلکا کردیا اللہ نے تم سے اور جان لیا کہ تحقیق تم میں کمزوری ہے پس اگر

فرمائی اور اسے معلوم ہے کہ تم کمزور ہو تو اگر تم میں سو صبر والے ہوں دو سو پر

يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

ہوں گے تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے وہ غالب آئینگے دوسو پر اور ہوں گے تم میں سے

غالب آئیں گے اور اگر تم میں کے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب ہوں گے

اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

ایک ہزار تو غالب آئیں گے دو ہزار پر حکم اللہ کے اور اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے

اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے

تعلق۔ ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اے نبی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ بھی کافی اور اس کے حکم سے مومنین یا حضرت عمر بھی کافی۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ مومنوں کی کفایت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ آپ ﷺ انہیں جہاد کا حکم دیں۔ جہاد کفایت کے ظہور کا ذریعہ ہے گویا کفایت کے بعد اس کے ظہور کے ذریعہ کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: گذشتہ آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ نے بڑا کرم فرمایا کہ آپ ﷺ کے ذریعہ انصار یا سارے مومنین کو یک دل یک جان بنا دیا۔ اب ارشاد ہے کہ ان کے اس اتفاق واتحاد سے فائدہ حاصل کیجئے۔ انہیں جہاد کی رغبت دیجئے۔ انہیں مجاہد غازی بنایئے۔ گویا شرط جہاد اتفاق واتحاد کے بعد جہاد کا ذکر ہو رہا ہے۔ وضو کے بعد نماز کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی گذشتہ آیات میں ذکر ہوا کہ رب تعالیٰ نے اپنی مدد اور مومنوں کے ذریعہ آپ ﷺ کو قوت دی۔ اب ارشاد ہے کہ جہاد کیجئے اور مسلمانوں سے کرایئے تا کہ اس نصرت اور تائید غیبی کا ظہور ہو جہاد رب تعالیٰ کے کرم اس کی مدد کے ظہور کا ذریعہ ہے۔ گویا مشروط کے بعد شرط کا ذکر ہے۔ (تفسیر کبیر)

شانِ نزول: عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ بعد ہجرت جب جہاد کا حکم ہوا تو اولاً بدر وغیرہ کے موقع پر مسلمانوں پر لازم کیا گیا کہ اپنے سے دس گنا کفار کے مقابل جہاد میں ڈٹ جایا کریں، ہرگز منہ نہ موڑیں۔ پھر جب مسلمانوں میں قوت بھی آ گئی اور یہ حکم بعض طبیعتوں پر گراں بھی تھا کہ ایک دس سے جہاد کرے تب یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہوا کہ الان خفف اللہ منکما النن خفف اللہ (الخ) نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن) پہلی آیت میں بھی حکم ہے اور دوسری میں بھی۔

تفسیر: یایھا النبی چونکہ جہاد اسلام میں ایک عظیم الشان عبادت ہے اور اس کی رغبت دینا اس پر آمادہ کرنا بڑی شاندار تبلیغ ہے۔ اس لئے اس آیت کو نداء سے شروع فرمایا۔ کسی حکم کو نداء سے شروع فرمانا اس حکم کے عظیم الشان ہونے کی علامت ہے۔ نبی بنا ہے نباء سے بمعنی خبر یا بنا ہے نبوت سے بمعنی شان وشوکت یا بلندی درجہ لہٰذا نبی کے معنی ہیں خبر والا یا بلند درجہ والا حرض المومنین علی القتال حرض بنا ہے تحریض سے جس کا مادہ حرض ہے بمعنی قرب۔ تحریض کے معنی ہیں قریب کرنا۔ اصطلاح میں رغبت دینے کو تحریض کہتے ہیں۔ حث کے معنی بھی رغبت دینا۔ تحریض کے معنی بھی یہ ہی ہیں۔ مگر تحریض میں زیادہ رغبت دینا مراد ہے۔ ترغیب قولی بھی ہوتی ہے عملی بھی۔ قولی ترغیب وعظ بشارت وغیرہ سے ہوتی ہے عملی ترغیب یہ ہے کہ مجاہدین کو تنخواہ یا غنیمت میں سے حصہ دیا جاوے ان کے پیچھے ان کے بال بچوں کی حفاظت وخدمت کی جاوے۔ بہادروں کی قدر دانی کی جاوے مثلاً کسی وقت اعلان کیا جاوے کہ جو کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا سامان اس غازی کو ملے گا یا جو کفار کے قلعوں میں پہلے گھسے گا، اسے یہ انعام ملے گا وغیرہ۔ یہ سب تحریض اور ترغیب ہے۔ المومنین سے مراد یا تو غازی صحابہ ہیں یا تاقیامت سارے مسلمان۔ دوسرا قول قوی ہے کیونکہ جہاد تاقیامت باقی ہے تو مجاہدین اور ان کی ترغیب بھی تاقیامت رہے گی۔ القتال سے مراد کفار سے جہاد ہے۔ ان یکن منکم عشرون صبرون یغلبوا مائتین قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی بظاہر خبر درحقیقت امر ہے جیسے الوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین یا جیسے والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثہ قروء اس آیت کی اصل عبارت یوں ہے ان یکن منکم عشرون فلیصبروا و لتجھدوا فی القتال حتی یغلبوا مائتین (تفسیر کبیر وروح المعانی) چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جب یہ چھوٹا لشکر کم از کم بیس دوسو کے مقابل بھیجا کرتے تھے اور سو ہزار کے مقابل اس لئے اس آیت کریمہ میں ان دو عددوں کا ذکر ہوا۔ یوں نہ فرمایا گیا کہ تم اپنے سے دس گنا کفار سے مغلوب نہ ہو گے (تفسیر کبیر) یہ بھی خیال رہے کہ اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے نہ کہ حضور

انور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ حضور انور ﷺ ذات واحد ہزاروں کے مقابل کافی ہیں۔ (روح المعانی) رب فرماتا ہے لایکلف الا نفسک اور فرماتا ہے یاایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین اس لئے منکم صابرون یغلبوا سے صیغے جمع ارشاد ہوئے یہاں مائتین سے مراد دو سو کافر ہیں یعنی اگر تم بیس صابر ہوتو دو سو کفار کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ حتیٰ کہ غالب آ جاؤ و ان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا یہ عبارت معطوف ہے ان یکن منکم عشرون (الخ) پر یہاں بھی نسبت وہ ہی ایک اور دس کی ہے کیونکہ ہزار سو کا دس گنا ہے جیسے دو سو دس گنا تھا بیس کا۔ اس عبارت میں من الذین کفروا بیان ہے مائتین اور الفا دونوں کا۔ یعنی اے مسلمانو اگر تم بیس ہوتو دو سو کافروں پر اور اگر ایک سو ہوتو ہزار کافروں پر غالب آ ؤ گے لہٰذا اتنے کفار کے مقابلہ سے ہرگز نہ بھاگنا ورنہ سخت گنہگار ہو گے ذالک بانھم قوم لا یفقھون۔ اس فرمانِ عالی میں اس مذکورہ غلبہ کی وجہ ارشاد ہوئی ذلک سے اشارہ ہے مذکورہ غلبہ کی طرف بانھم میں ب سببیہ ہے ھم کی ضمیر کفار کی طرف ہے لایفقھون بنا ہے فقہ سے بمعنی سمجھنا۔ اس سمجھ سے مراد دین کو سمجھنا ہے یعنی کفار جنگ کی روح کو نہیں جانتے جنگ کی روح جس سے جنگ جہاد بن جاتی ہے وہ اللہ کے لئے ہے کلمۃ اللہ بلند کرنا۔ وہ صرف دنیا کے لئے لڑتے ہیں، تم اللہ کے لئے لڑتے ہو، ان کی جنگ فساد ہے، تمہاری جنگ جہاد۔ شعر

جنگ کافر فتنہ و غارت گری است   جنگ مومن سنت پیغمبری است

انہیں جنگ کو جہاد بنانا نہیں آتا۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ الذین امنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت فقاتلوا اولیاء الشیطن ان کیدا الشیطن کان ضعیفا (خازن، روح البیان، عام تفاسیر) یا یہ مطلب ہے کہ کفار آخرت کو نہیں جانتے نہیں مانتے، ان کا اصل مقصد صرف دنیا ہے۔ جب وہ جنگ میں دنیا کو برباد ہوتے دیکھتے ہیں تو بھاگ پڑتے ہیں پیٹھ دکھا جاتے ہیں۔ بخلاف مومن کے وہ آخرت کو اصلی زندگی سمجھتا ہے۔ دنیا کو محض فانی یعنی آنی جانی چیز جانتا ہے۔ کفار سے لڑتا ہے تو آخرت کے لئے لہٰذا اگر اسے جہاد میں اپنی دنیا جاتی دکھائی دے تو وہ اس کی پروا نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ جس کے لئے میں جنگ کر رہا ہوں وہ تو مجھے انشاء اللہ حاصل ہوتی ہے۔ زندہ بچوں یا شہید ہو جاؤں لہٰذا وہ کسی حالت میں نہیں ہٹتا۔ شعر

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ   مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

لہٰذا کفار کو جہاد کی اصلی سمجھ ہی نہیں۔ جنگ صرف ہتھیار سے نہیں جیتی جاتی، یہ ہمت سے جیتی جاتی ہے اور ہمت اللہ پر توکل حضور ﷺ کے توسل سے نصیب ہوتی ہے۔ الئن خفف اللہ عنکم یہ فرمانِ عالی پچھلے حکم کا ناسخ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب پچھلی آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں نے اس پر عمل کیا تو ایک بار یا دو بار مہاجرین نے عرض کیا کہ الٰہی ہم بھوکے ہیں، ہمارے دشمن شکم سیر، ہم مسافر ہیں ہمارے دشمن گھر اور وطن والے، ہم اپنے گھر بار آل اولاد مال سے نکالے ہوئے ہیں، کفار اپنے گھر بار میں۔ اور انصار نے عرض کیا کہ الٰہی ہم ان معزز مہمانوں کی مہمان نوازی میں مصروف ہیں کفار پر یہ ذمہ داری نہیں ہم پر رحم فرما۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان تعداد میں

تھوڑے تھے تب پہلا حکم تھا۔ جب بفضلہ تعالیٰ تعداد میں بڑھ گئے تب یہ حکم آیا۔ بہر حال یہ آیت پچھلی آیت کی ناسخ ہے۔ (تفسیر کبیر) خفف سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی آیت میں ایک سخت حکم تھا اس آیت میں اس حکم کی تخفیف کی گئی۔ و علم ان فیکم ضعفا یہ آیت معطوف ہے خفف پر اگر واؤ عاطفہ ہے تو اس کا تعلق بھی الئن سے ہے یعنی اب اللہ نے جان لیا کہ تم میں کمزوری ہے تو علم سے مراد علم ظہور یعنی علم وقوعی ہے جو چیز کے ہو جانے کے بعد دیکھ کر ہوتا ہے اور اگر واؤ حالیہ ہے تو اس سے مراد علم ازلی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو پہلے علم تھا کہ تم میں کمزوری ہے۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ضعف ض کے فتحہ سے بھی آتا ہے اور پیش سے بھی۔ ہماری قرأت میں ض کے فتحہ سے ہے۔ یہاں اس سے مراد کمزوری ابدان مراد ہے نہ کہ کمزوری ایمان و ایقان۔ خلیل کہتے ہیں کہ ضعف ض کے پیش سے کمزوری بدن ہے اور ضعف ض کے زبر سے کمزوری عقل و کمزوری رائے ہے۔ ایک قرأت میں ضعفا ہے ض اور عین کے زبر سے ضعیف کی جمع یعنی تم میں کمزور لوگ ہیں (معانی) اس کمزوری کی وجہ کیا ہے اس میں چند احتمال ہیں۔ (۱) اب مسلمانوں میں بڈھے بچے بیمار بھی شامل ہو گئے تھے۔ (۲) اب مسلمانوں میں تو مسلمین ضعفا، مومنین بھی شامل ہو گئے جن کا توکل علی اللہ پرانے مومنین کے درجے کا نہ تھا۔ (۳) اب مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو چکی تھی جس وجہ سے ان کا توکل علی اللہ پہلے کا سا نہ رہا جو قلت تعداد کے وقت تھا۔ جس کا ظہور بدر اور حنین کی جنگوں میں ہوا کہ بدر میں تین سو تیرہ نہتوں نے ایک ہزار ہتھیار بند کفار کو مار لیا اور حنین میں مسلمانوں کی تعداد کفار سے کہیں زیادہ تھی مگر ان مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ رب فرماتا ہے ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا (تفسیر روح المعانی) مگر یہ کمزوریاں ابدان یا خیالات کی ہیں۔ عقیدے کی نہیں۔ یہ خیال رہے اور یہ بھی یاد رہے کہ ان سب میں خطاب مومنین سے ہے حضور انور ﷺ سے نہیں۔ فان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین یہ فرمان عالی خفف اللہ کا بیان ہے۔ اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ان یکن منکم عشرون میں بیان ہوا وہاں بھی صبر کی قید تھی۔ یہاں بھی وہ ہی قید ہے یعنی اب اگر مسلمانوں کا مقابلہ دو ہزار کافروں سے ہو جائے تو مسلمانوں پر بھاگ جانا حرام ہوگا۔ مقابلہ میں ڈٹ جاویں امید قوی رکھیں کہ اللہ کے حکم سے ہم ان دگنے کافروں پر غالب رہیں گے یعنی پہلے دس گنا کفار سے ہٹنا جرم تھا۔ اب دوگنا کفار کے مقابلہ سے ہٹنا جرم ہے واللہ مع الصبرین. اس فرمان عالی سے صابرین کی شان صبر کے فائدہ کا ذکر ہے اس کی تفسیر ہم دوسرے پارہ میں ان اللہ مع الصابرین کی تفسیر میں کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کا کرم اس کی نصرت صبر والوں کے ساتھ ہے۔ مصیبت میں صبر، اطاعت پر صبر، گناہوں سے صبر، ان کی تفصیل دوسرے پارہ میں دیکھو۔ یہاں عام حالت کا صبر اور خصوصاً مصیبت و تکالیف میں صبر والے مراد ہیں۔ صبر تلخ ہے مگر اس کا پھل شیریں ہے۔ شعر

منشین ترش تو از گردش ایام کہ صبر گرچہ تلخ است و لیکن بر شیریں دارد

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم فرما چکے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کی برکت سے مومنین کو متفق کر دیا۔ آپ ﷺ کی مدد اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعہ سے کی۔ آپ ﷺ کو ہم بھی کافی ہیں اور یہ مومنین خصوصاً حضرت عمر بھی

کافی۔ ان تمام کرم نوازیوں سے آپ ﷺ پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ ان مومنوں کو قولاً فعلاً عملاً جہاد کی رغبت دیں۔ اس میں سے مجاہدین کی آخرت کی نعمتوں کی بشارت دیں۔ دنیا میں غنیمت عطاؤں سے ان کی ہمت افزائی فرمائیں اور انہیں حکم دیں کہ اپنے سے دس گنا کفار کے مقابلہ سے نہ ہٹیں۔ اگر مسلمان بیس ہوں اور کفار دوسو ہوں اور اگر مسلمان سو ہوں کفار ہزار ہوں تو ڈٹ جائیں اللہ کے کرم سے اپنے غلبہ کی امید رکھیں۔ انشاء اللہ یہ تھوڑے صابر مسلمان ہی غالب رہیں گے۔ اس غلبہ کی وجہ یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ کرنے نہیں آتے۔ ان کی جنگ فساد ہے مومنوں کی جنگ جہاد، وہ وطن یا قوم یا مال یا ناموری کے لئے لڑتے ہیں مومن نہ صرف اللہ کے رسول اور دین وقرآن کے لئے لڑتے ہیں۔ کفار کی نظر صرف دنیا پر ہے مومن کی نظر صرف آخرت پر۔ لہٰذا جہاد مسلمانوں کی جنگ میں ہے کفار کی جنگ میں نہیں۔ کفار نا سمجھ قوم ہیں۔ اچھا اب ہم اپنا حکم ہلکا کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اب اے مسلمانو تم میں بدن، رائے، عقل کی کمزوری ہے کہ تم میں ضعفاء مومنین، بڈھے بیمار بچے بھی ہیں۔ اور اب تمہاری تعداد بھی زیادہ ہوگئی ہے جس سے تمہارا پہلا سا توکل نہ رہا۔ لہٰذا اب یہ حکم کہ اپنے دوگنوں کفار کے مقابلہ سے نہ ہٹنا۔ اگر تم سو صابر ہو تو دوسو کے مقابلہ سے اگر ہزار ہو تو دو ہزار کے مقابلہ میں ڈٹ جانا۔ اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان پر غلبہ دے گا۔ صبر سے کام لو، اللہ کی رحمت اس کی نصرت مومنوں کے ساتھ ہے اور رہے گی۔ خیال رہے کہ یہاں اباحت اور حرمت کا ذکر ہے کہ پہلے دس گنا کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ہٹنا حرام تھا اب دوگنا کے مقابلہ سے ہٹنا حرام۔ اس سے زیادہ کے مقابلہ سے ہٹنا مباح ہے۔ اگر اب بھی مومنین اپنے سے صدہا گنا کفار کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں صبر سے کام لیں تو ثواب پائیں گے اور اللہ ان کی غیب سے مدد کرے گا۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں اس جگہ ہے کہ غزوہ موتہ جس میں حضرت جعفر ابن ابی طالب، زید بن حارثہ، عبداللہ ابن رواہ باری باری سے امیر اور شہید ہوئے اس میں مسلمان صرف تین ہزار تھے اور کفار دو لاکھ۔ ایک لاکھ رومی اور ایک لاکھ عرب وعجم وغیرہ۔ فتوح شام وغیرہ تواریخ میں ہے کہ خلافت فاروقی میں غزوہ یرموک اور قادسیہ میں مسلمانوں کی تعداد چالیس پچاس ہزار تھی اور کفار کی تعداد سات لاکھ مگر مسلمان ڈٹ گئے اور فتح پائی۔ ابھی ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھارت کے مشرکین نے پاکستان پر حملہ کیا۔ کفار ۲۵ ہزار تھے ان کے ساتھ ٹینک وغیرہ بہت زیادہ۔ مسلمان پانچ ہزار۔ ان کے پاس سامان بھی تھوڑا۔ یہ صرف لاہور کے محاذ کی تعداد تھی مگر اللہ کے فضل وکرم سے کفار کے دس ہزار سپاہی اور چار سو فوجی آفیسر مارے گئے۔ باقی اتنا بے شمار سامانِ جنگ وغیرہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہ سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ یہ ہے اس آیت کا ظہور جو تا قیامت انشاء اللہ ہوتا رہے گا۔ اس کے علاوہ رن کچھ، چھمب جوڑیاں، سیالکوٹ، قصور وغیرہ کے محاذوں پر جو مسلمانان پاکستان کو فتح اللہ نے دی اس کی تفصیل کے لئے دفتر چاہئیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جہاد اکثر فرض کفایہ ہوتا ہے کبھی فرض عین۔ یہ فائدہ حرض المومنین سے حاصل ہوا کیونکہ فرض عین کی صرف رغبت نہیں دی جاتی بلکہ اس کا حکم دیا جاتا ہے۔ آج کل بھی جنگ کے ہنگامی حالات میں جبری بھرتی کی جاتی ہے۔ عام حالات میں بھرتی کی صرف رغبت دی جاتی ہے۔ یہ قانون اس آیت سے بنایا گیا۔

دوسرا فائدہ: مجاہد غازیوں میں ہر طرح دل جوئی ہمت افزائی حکومت اسلامیہ کو کرنی چاہئے جس سے وہ اطمینان سے جہاد کر سکیں۔ یہ فائدہ بھی حرض المومنین سے حاصل ہوا کہ ترغیب قولی بھی ہوتی ہے، عملی بھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غازیوں کے بال بچوں کی خود نگرانی فرماتے تھے۔ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی غلام تقسیم فرمائے۔ حضرت فاطمہ زہرا نے ایک لونڈی مانگی تو آپ ﷺ نے جواب دیا وہ ان شعروں سے معلوم کرلو۔

ہیں یہ خادم ان یتیموں کے لئے باپ جن کے جنگ میں مارے گئے

تم پہ سایہ ہے رسول اللہ کا آسرا رکھو فقط اللہ کا

آج کل حکومتیں فوجی ملازمین کے بچوں کی تعلیم علاج مفت کرتی ہیں۔ انہیں اچھی پنشن بعض کو تمغے مربعے جائیدادیں بخشتی ہیں۔ ان سب کا ماخذ یہ آیت کریمہ ہو سکتی ہے۔ بعض بہادر شہیدوں کے نام پر اسکول کالج سڑکیں بنائی جاتی ہیں۔ عزیز بھٹی شہید روڈ، عزیز شہید کالج وغیرہ۔ یہ سب ترغیب کی صورتیں ہیں۔ یہ آیت بہت گہری ہے۔

تیسرا فائدہ: جہاد صرف مومن کرے اس کے لئے ایمان شرط ہے۔ نماز زکوۃ حج وغیرہ کی طرح جہاد بھی عبادت ہے اور عبادت بغیر ایمان درست نہیں۔ یہ فائدہ حرض المومنین سے حاصل ہوا کہ مومنوں کو رغبت دو لہٰذا اگر کفار مسلمانوں کے ساتھ مل کر دوسرے کفار سے جنگ کریں یا ان کی مالی جنگی اخلاقی مدد کریں تو مجاہدین اور ان کا یہ عمل جہاد نہیں۔ اگر وہ اس حالت میں مارے جائیں تو شہید نہیں کہ یہ چیزیں ایمان کی شرط سے ہیں۔

چوتھا فائدہ: جہاد کی رغبت دینا مجاہد غازی تیار کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس سے روکنا شیطانی حرکت ہے اور روکنے والا شیطان ہے جیسے مرزا قادیانی جو کہتا ہے کہ میں نے جہاد منسوخ کر دیا۔ اب جہاد کا خیال کرنا بھی گناہ ہے۔ جہاد کے بغیر مسلم قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔

پانچواں فائدہ: جہاد میں فتح و نصرت زیادتی تعداد پر موقوف نہیں۔ یہ تائید الٰہی سے نصیب ہوتی ہے یہ فائدہ ان یکن منکم عشرون (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس کی دلیل غزوہ بدر، قادسیہ، یرموک وغیرہ ہیں۔

چھٹا فائدہ: کفار جنگ کے سارے ہتھیار بنا سکتے ہیں مگر دو ہتھیار ایسے ہیں جو صرف مسلمانوں کے پاس ہیں، کفار ان سے محروم ہیں۔ وہ ہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اس کا ذکر کثیر۔ یہ فائدہ قوم لا یفقھون سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر رب فرماتا ہے۔ اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا۔

ساتواں فائدہ: کفار آپس میں جانوروں کی طرح لڑتے ہیں یعنی صرف نفس اور دنیا کے لئے۔ مومن اللہ کے لئے لڑتا ہے لہٰذا مومن کی جنگ جہاد ہے کافر کی جنگ فساد۔ یہ فائدہ بھی لایفقھون سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ بڑا ہی مہربان ہے۔ ہمارے حال کے مطابق ہم کو احکام دیتا ہے۔ یہ فائدہ الئن خفف اللہ عنکم (الخ) سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: مسلمانوں کو اپنے مقابل دوگنے کفار کے مقابلہ سے بھاگنا ممنوع ہے۔ ڈھائی گنا یا تین گنا کفار کے مقابلہ

سے بھاگنا ممنوع ہے نہ اسے فرار کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے۔ (تفسیر کبیر)

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض نہیں صرف مستحب عبادت ہے جیسے نوافل کیونکہ یہاں ارشاد ہوا حرض المومنین علی القتال آپ مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دیں۔ رغبت ایک نفلی عبادت کی دی جاتی ہے۔ فرض عبادت کا حکم دیا جاتا ہے یا اس کے نہ کرنے سے ڈرایا جاتا ہے۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ جہاد کبھی فرض عین ہوتا ہے کبھی فرض کفایہ۔ یہ فرمان عالی اس وقت کا ہے جب فرض کفایہ ہو۔ دوسرے یہ کہ فرض عین کی بھی رغبت دی جا سکتی ہے یعنی اس کا حکم بھی دیا جاتا ہے اور رغبت بھی۔ یہاں رغبت ہے۔ دوسری آیات میں حکم و جاھدو فی سبیل اللہ. قاتل المشرکین یجاھد الکفا و المنافقین و اغلظ علیھم۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو جہاد کرنا نہیں آتا قوم لایفقھون مگر آج کل بمقابلہ مسلمانوں کے کفار کو جنگ کرنا زیادہ آتا ہے پھر یہ آیت کیونکر صحیح ہوئی۔

جواب: واقعی کفار کو جنگ کرنا آتا ہے جہاد کرنا کرنا نہیں آتا۔ جہاد صرف مسلمانوں ہی کو آتا ہے۔ جہاد وہ جنگ جو اللہ کی راہ میں کفار سے کی جاوے۔ ملک یا مال کے لئے جنگ جہاد نہیں یا یوں کہو کہ کافر جنگ میں بے صبرا ہوتا ہے مومن عموماً صبر والا کیونکہ وہ نفس کے لئے لڑتا ہے مومن اللہ کے لئے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جہاد میں مرنا بھی زندگی ہے۔

تیسرا اعتراض: پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان دس گنا کافروں سے مغلوب نہ ہوں گے۔ دوسری سے معلوم ہوا کہ دو گنے سے مغلوب نہ ہوں گے مگر دیکھا جاتا ہے کہ کبھی مسلمان برابر والے بلکہ کم سے بھی مغلوب ہو جاتے ہیں اللہ کا یہ وعدہ غلط کیوں ہو جاتا ہے۔

جواب: جن مفسرین نے دوسری آیت سے پہلی آیت کو منسوخ مانا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہاں دونوں آیتوں میں وعدہ نہیں ہے بلکہ حکم ہے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ دوسرے حکم سے پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ ابو مسلم اصفہانی جو اسے منسوخ نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ واقعی یہ وعدہ الٰہی ہے مگر اس شرط پر کہ مسلمان نیت و ارادے میں سچے ہوں، صابر ہوں۔ اگر کبھی مسلمانوں کو شکست ہو جاوے تو یا بے صبری کی وجہ سے یا اخلاص کی کمی کے باعث (تفسیر کبیر)

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ ضعیف الایمان تھے۔ دیکھو رب فرماتا ہے فیکم ضعفا (شیعہ)

جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر حضرت علی کو ضعیف ایمان ماننا پڑے گا کیونکہ اس میں ان سب سے خطاب ہے کسی کو الگ نہیں دیا گیا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں کمزوری سے مراد کمزوری ایمان نہیں بلکہ کمزوری خیال یا کمزوری ابدان ہے۔ یہ کوئی عیب نہیں واقعی جماعت صحابہ میں بیمار، ناتواں، بوڑھے بچے بھی تھے اس لئے لوگوں نے یہاں ضعف یا ضعفا کو ضعیف کی جمع فرمایا ہے اور اسے ضعفا پڑھا ہے ض اور عین کے پیش سے۔

پانچواں اعتراض: کیا پہلے صحابہ قوی تھے بعد میں کمزور ہو گئے کہ پہلے دس کے مقابلہ کرنے کا حکم پھر دو گنے کے مقابل

لڑنے کا حکم رہ گیا۔

جواب: واقعی جب مسلمان تھوڑے اور نہتے تھے تو ان کا توکل رب تعالیٰ پر بہت زیادہ تھا۔ جب تعداد اور آلات اسباب زیادہ ہو گئے تو توکل کا وہ درجہ نہ رہا۔ نیز پھر ان میں بچے بوڑھے بیمار زیادہ شامل ہونے لگے تب آسانی کر دی گئی۔

چھٹا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ اللہ نے جان لیا کہ تم میں ضعف ہے تو کیا رب تعالیٰ پہلے بے علم تھا؟

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ علم تین طرح کا ہوتا ہے۔ شئی سے پہلے کہ ایسا ہوگا۔ شئی کی موجودگی میں کہ ایسا ہو گیا یا ایسا ہے اور شئی کے فنا ہو چکنے کے بعد کہ ایسا ہوا تھا۔ دوسرے علم کو علم ظہور کہتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہے۔ یعنی اللہ نے دیکھ لیا کہ تم میں ضعف و کمزوری ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے ولما یعلم اللہ الذین جاھدو منکم و یعلم الصابرین اللہ نے ابھی تک مجاہدین صابرین کو جانا نہیں یعنی دیکھا نہیں یہ بات خیال میں رہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان بہ لحاظ انسانیت فطری طور پر بے صبرا ہے۔ خلق الانسان ھلوعا اذا مسہ الشر جزوعا (الخ) مگر بہ لحاظ ایمان بہت قوی ہے۔ فرماتا ہے الا المصلین الذین ھم علی صلوتھم دائمون حضور صلی اللہ علیہ وسلم عین ایمان ہیں۔ حضور ﷺ کی محبت خاص کی برکت سے خاص صحابہ اول درجہ کے مومن بن گئے۔ ان کا حال یہ ہے کہ والذین معہ اشداء علی الکفار وہ اپنے توکل فقط اخلاص تام کی وجہ سے بہادروں سے بڑھ کر بہادر ہیں۔ وہ ہر ایک سو کافروں پر بھاری ہیں جس کا ظہور بارہا خصوصاً غزوۂ حنین میں ہوا کہ حضور انور ﷺ اور آپ کے ساتھ خاص جانثار ایسی افراتفری کی حالت میں آگے ہی بڑھتے رہے۔ شعر

سیمرغ جان ما کہ رمیداست از دو کون ... منت خدا یرا کہ بجا رام مصطفیٰ است

یہاں پہلی آیت میں مظہریت ایمان کی جھلک ہے اور دوسری آیت میں فطرت انسانی کی جلوہ گری حضور انور ﷺ کے نام میں طاقت ہے۔ ان کی زبان میں طاقت ہے۔

حکایت: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ تم مصر کے حاکم ہو گے۔ یہ صحابہ ایک جنگ میں حاضر ہوئے۔ کفار نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ مسلمانوں کو محاصرہ میں بہت دشواری ہوئی۔ ان صحابی نے فرمایا کہ مجھے گوپھن میں رکھ کر قلعہ میں پھینک دو۔ میں انشاء اللہ کفار سے لڑ کر دروازہ کھول دوں گا۔ لوگوں نے کہا کہ تم نہتے اکیلے کیا کرو گے بولے مجھ سے حضور انور ﷺ نے وعدہ کیا ہے کہ حکومت مصر کا اور میں ابھی تک وہاں حاکم نہیں بنا ہوں لہٰذا میں ابھی مر نہیں سکتا۔ حاکم بن کر مروں گا۔ اگر میں اب قلعہ میں پھینک دیا گیا تو اگرچہ اکیلا اور نہتا ہوں مگر میں مروں گا نہیں بلکہ ماروں گا۔ یہ ہے قوت ایمان۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اعضاء کے ذریعہ رب تک جانا عمل ہے اور دل کے ذریعہ رب تک جانا نیت ہے۔ جب دل کا مقابلہ عمل سے ہو تو دل غالب رہے گا۔ کیونکہ دل بادشاہ ہے ارکان رعایا۔ کفار کے پاس صرف اعضاء ظاہری ہیں جن سے وہ لڑتے بھڑتے ہیں مومن کے پاس دل ہے جس سے وہ جہاد کرتا ہے۔ لہٰذا مومن قوی ہے کافر سے۔ ان کید الشیطان کان ضعیفا (روح البیان) رب تعالیٰ ہم کو حزب اللہ میں داخل کرے حزب الشیطان سے بچائے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ

نہیں ہے واسطے نبی کے یہ کہ ہوں اس کے لئے قیدی یہانتک کہ خوب قتل کرے زمین میں

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون نہ بہاوے

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ

ارادہ کرتے ہو تم سامان کا دنیا کے اور اللہ ارادہ کرتا ہے آخرت کا اور اللہ غالب ہے

تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے

حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ

حکمت والا اگر نہ ہوتی تحریر اللہ کی طرف سے گزر چکی تو پہنچتا تم کو اس میں جو لیا

اگر اللہ پہلے ایک بات نہ لکھ چکا ہوتا تو اے مسلمانوں تم نے جو کافروں سے بدلہ کا مال لے لیا

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا

تم نے عذاب بڑا پس کھاؤ تم اس میں سے جو غنیمت پائی تم نے جائز ستھری

اس میں تم پر بڑا عذاب آتا تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال پاکیزہ اور اللہ سے ڈرتے رہو

اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٦٩﴾ ع

اور ڈرو اللہ سے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مومنوں کو جہاد کے احکام بتائے گئے اور اس کی رغبت دی گئی۔ اب جہاد میں فتح ہو جانے کے بعد کے احکام بیان ہو رہے ہیں گو ابتدائے جہاد کے بعد اس کی دوسری انتہا کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں اس جہاد کا ذکر تھا جو گذشتہ نبیوں کے دین میں بھی تھا یہاں جہاد کے متعلق ایسی چیز کا ذکر ہے جو کسی آسمانی دین میں نہ تھی، صرف اسلام میں ہے یعنی قیدیوں سے فدیہ اور مال غنیمت حلال ہونا۔ گویا جہاد کے عمومی احکام بیان فرمانے کے بعد اس کے خصوصی حکم کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں جہاد کا ذکر تھا۔ اب مجاہدین کے فضائل کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مجاہدین کی غلطیاں معاف فرماتا ہے اور ان کی آفات دور کرتا ہے۔ لولا کتاب الخ اور جہاد کی برکت سے مجاہدین کی خطائیں معاف

کرتا ہے۔

شانِ نزول: پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر مومنین کی خواہش یہ تھی کہ ہم ابوسفیان کا قافلہ پکڑ لیں اور ان کا مال چھین لیں اور وہ اس ارادہ سے مدینہ منورہ سے چلے تھے مگر ہوئی جنگ وہ بھی مسلح اور اپنے سے تگنے کفار سے۔ اس کی حکمت بیان کرنے کیلئے پہلی آیت ما کان النبی (الخ) نازل ہوئی کہ بغیر جنگ کے کفار کو قید کر لینا ان کا مال چھین لینا نبی کی شان کے خلاف ہے۔ اس میں ان کی شان ان کی طاقت وقوت ظاہر نہیں ہوتی۔ (۲) غزوۂ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر کافر قید ہوئے۔ ان میں بڑے بڑے سرداران قریش تھے۔ جیسے حضرت عباس، عقیل، ہشام، عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق وغیرہم۔ ان قیدیوں کے متعلق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آخر یہ لوگ آپ ﷺ کے ہم قوم ہیں۔ ممکن ہے آگے چل کر یہ مسلمان ہو جاویں۔ مسلمانوں کو اس وقت روپیہ کی بہت ضرورت ہے۔ لہٰذا ان سے فدیہ لے لیا جاوے اور انہیں چھوڑ دیا جاوے۔ یہ فدیہ کا روپیہ آئندہ جہادوں کی تیاری میں کام آوے گا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ یہ لوگ کفار کے سردار اور کفار کی جڑیں ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کی ہر طرح مخالفت کی۔ آپ ﷺ کو مکہ معظمہ سے نکالا۔ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کافر کو قتل کرے چنانچہ آپ ﷺ جناب تو عباس کو قتل کریں حضرت علی اپنے بھائی عقیل کو اور میں اپنے ماموں ہشام کو اور جناب ابوبکر اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو۔ جناب عبداللہ ابن رواحہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ان تمام قیدیوں کو ایسے جنگل میں داخل کیا جاوے جس میں سوکھے درخت بہت ہوں پھر اس جنگل کو آگ لگا دی جاوے کہ ان میں سے ایک بھی بچ کر نہ جاوے۔ سارے زندہ جل کر راکھ ہو جاویں۔ حضور انور ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ کچھ دیر بعد واپس ہوئے۔ ارشاد فرمایا کہ بعض کے دل دودھ سے زیادہ نرم ہوتے ہیں بعض کے دل پہاڑ کی طرح سخت۔ اے ابوبکر تم حضرت ابراہیم و عیسیٰ علیہم السلام کی طرح نرم دل جناب خلیل نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا فمن تبعی فانه منی و من عصانی فانک غفور الرحیم اور حضرت عیسیٰ نے عرض کیا ان تعذبهم فانهم عبادک و ان تغفرلهم فانک انت العزیز الحکیم اور اے عمر تم حضرت نوح علیہ السلام کی طرح کفار پر سخت ہو کہ انہوں نے عرض کیا تھا رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا خدایا زمین میں کوئی کافر گھر والا نہ چھوڑ، اور اے ابن رواحہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کفار پر سخت گیر ہو کہ انہوں نے فرعون کے متعلق بددعا کی ربنا اطمس علی اموالهم و اشدد علی قلوبهم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیما یہ فرما کر حضرت ابوبکر صدیق کی رائے شریف کو ترجیح دی اور تمام قیدیوں کو فدیہ فی کس بیس اوقیہ سونا لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ عباس کو چالیس اوقیہ کا حکم دیا۔ بیس اپنے اور بیس عقیل کے۔ ایک اوقیہ چالیس دینار کا ہوتا تھا جس کے پانچ سو روپیہ یا سوا سو درہم تقریباً ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر، خازن، خزائن، روح المعانی و بیان وغیرہ) خیال رہے کہ اس موقع پر سوا حضرت عمر اور عبداللہ ابن رواحہ کے باقی تمام صحابہ کی رائے فدیہ لے کر چھوڑنے کی تھی۔ حضور انور ﷺ نے فرما دیا تھا کہ اگر انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو اگلے غزوے میں ستر

حضرات تم میں سے شہید ہوں گے۔ ان حضرات صحابہ نے بخوشی منظور کیا تھا کہ ہمارے ستر غازی شہید وجنتی ہوں چنانچہ اگلے غزوہ یعنی احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے (تفسیر روح البیان) یہاں تفسیر روح البیان میں ہے کہ ان سب قیدیوں سے فدیہ لیا گیا مگر ابوالعاص اور وہب ابن عمر بغیر فدیہ چھوڑ دیے گئے اور نضر ابن حارث اور عقبہ ابن ابی معیط قتل کئے گئے۔ واللہ و رسولہ اعلم (روح البیان۔ بحوالہ سیرت حلبیہ)

تفسیر: ما کان لنبی اس فرمان عالی کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ نہیں ہوا کسی نبی کو۔ دوسرے یہ کہ نہیں لائق ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یعنی نبی کی تنوین یا تو تنکیری ہے جس میں سارے نبی داخل ہیں۔ دوسرے یہ کہ تنوین تعظیم کی ہو یعنی نبیوں کے سردار حضور ﷺ احمد مختار کو لائق نہیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں اصحاب پوشیدہ ہے یعنی حضور ﷺ کے صحابہ کو یہ لائق نہیں کیونکہ اگلی ساری ضمیریں جمع آ رہی ہیں۔ تریدون لمسکم اور اخذتم وغیرہ ابوالدردا اور ابوحیوۃ کی قرأۃ میں للنبی ہے (روح المعانی) ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض یہ عبارت ماکان کا یا تو فاعل ہے یا اسم موخر۔ اسریٰ جمع ہے اسیر کی جیسے جریح کی جمع جرحیٰ اور قتیل کی جمع قتلیٰ پھر اسریٰ کی جمع ہے اساریٰ یعنی جمع کی جمع حتی یکون کے متعلق ہے۔ ثخن بنا ہے ثخن یا ثخافۃ سے بمعنی گاڑھا، غلیظ، کثیف ہونا۔ یہاں مراد ہے قتل میں مبالغہ کرنا، کفار کو جنگ میں خوب قتل کرنا، جس میں مسلمانوں کا رعب اور اسلام کی ہیبت کفار کی دل میں بیٹھ جائے اور آئندہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ کی ہمت و جرأت نہ کر سکیں یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بدر میں تم نے قید کرنے میں جلدی کیوں کی۔ صرف ستر ہی کیوں قتل کئے اور زیادہ قتل کیوں نہ کئے۔ نبی کی شان یہ ہے کہ پہلے کفار کو اچھی طرح قتل کرے پھر جب ان پر دھاک بیٹھ جائے تب کچھ تو قید کرے یہ مطلب موزوں نہیں کیونکہ بدر میں غازی صحابہ نے کفار کے قتل میں بالکل سستی نہ کی جتنے قتل ہو سکتے تھے اتنے ہی کئے دوسرے یہ کہ تم جو چاہتے تھے کہ جنگ واقع نہ ہو ہم ابوسفیان کے قافلہ پر حملہ کر کے انہیں قید کر لیں ان کا مال ضبط کر لیں یہ نبی کی شان کے لائق نہ تھا اس لئے یہ جنگ کرائی گئی کہ خوب قتل ہو کر کفار قید ہوں شان اسلام اسی میں ظاہر ہوئی تھی۔ تریدون عرض الدنیا یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں آئندہ عتاب کی وجہ بیان ہوئی تریدون میں خطاب نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور نہ حضرت ابوبکر صدیق سے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ضروری نہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے کفار کو قتل کریں (تفسیر کبیر) اور حضرت ابوبکر صدیق نے جو فدیہ لینے کا مشورہ دیا اس سے مقصود تھا کہ یہ مال آئندہ جہادوں میں کام آئے لہٰذا انہوں نے دنیاوی سامان نہ چاہا بلکہ جہاد کا ارادہ کیا (تفسیر روح البیان) لہٰذا یہ خطاب یا تو ان حضرات سے ہے جو جنگ بدر چاہتے ہی نہ تھے بلکہ ابوسفیان کا قافلہ پکڑ کر ان کا مال چھین لینا چاہتے تھے یا ان عام حضرات سے خطاب ہے جو یہ فدیہ لینا اپنی ذات کے لئے چاہتے تھے۔ ان کے حق میں یہ مال دنیاوی سامان تھا۔ یہ بات خوب یاد رکھی جاوے۔ عرض کے معنی ہیں عارضی چیز جو قریب فنا ہو۔ سامان دنیا کو عرض اس لئے کہتے ہیں کہ وہ قریب الفنا ہوتا ہے جو چیز نفس کے لئے ہے وہ عرض دنیا ہے جو اللہ کے لئے وہ آخرت کا سامان ہے۔ واللہ یرید الاخرۃ اس فرمان عالی کے دو مقصد ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ بجائے قافلہ ابوسفیان کے جنگ واقعہ ہوئی اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ جنگ واقع ہو اور تم کو آخرت میں جہاد و شہادت کا

ثواب ملے جو ہمارا ارادہ تھا وہ ہوا۔ اس صورت میں ارادہ اپنے معنی میں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا فدیہ لینے میں اے عام صحابہ تم نے دنیا کے سامان کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند تھی کہ تم کو ثواب آخرت دے اس صورت میں ارادہ بمعنی رضا ہے لہٰذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ اللہ کا ارادہ نہ ہوا۔ مسلمانوں نے فدیہ لے لیا۔ رضا اور ارادہ میں فرق ہے (روح البیان) و الله عزیز حکیم. اللہ تعالیٰ غالب ہے جسے چاہے جس پر چاہے جب چاہے غالب کر دے۔ دیکھ لو اس نے تھوڑے اور بے سامان غازیانِ بدر کو اتنے بڑے لشکر جرار پر غالب کر دیا، حکمت والا ہے۔ اس موقع پر تمہاری تیاری کے بغیر جنگ کرا دینے میں اس کی خاص حکمت ہے جو ابھی بیان کی گئی۔ لولا کتب من الله سبق اس جگہ یہ آیت کریمہ یقیناً بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کے متعلق ہے۔ اس میں روئے سخن غازیانِ بدر سے ہے۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے قرآن مجید میں لفظ کتاب بہت معنی میں استعمال ہوا ہے۔ آسمانی کتاب جیسے یا اهل الكتاب۔ قرآن مجید جیسے ہذا کتاب انزلنا۔ مبارک غلام کو مکاتب کرنا۔ والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم و کاتبوھم لکھنا۔ تحریری حکم وغیرہ یہاں کتاب آخری معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا تحریر حکم نہ ہو چکا ہوتا یا بمعنی لکھنا یعنی اگر اللہ تعالیٰ پہلے یہ نہ لکھ چکا ہوتا۔ ظاہر یہ ہے کہ لکھنے سے مراد لوح محفوظ میں لکھنا ہو اور ہو سکتا ہے کہ گذشتہ آسمانی کتب کی تحریر مراد ہو۔ ممکن ہے کہ قرآن مجید کی تحریر مراد ہو پھر اس میں گفتگو ہے کہ کون سی تحریر مراد ہے یا یہ فرمان مراد ہے ما کان الله لیعذبھم و انت فیھم جن میں حضور انور ﷺ جلوہ گر ہوں انہیں عذاب نہ دے گا یا یہ کہ بدر کے غازیوں کو عذاب نہ دے گا۔ وہ سب مغفور ہیں یا یہ کہ اجتہادی غلطی پر عذاب نہ دے گا بلکہ اس پر ثواب عطا فرمائے گا یا یہ کہ صریحی ممانعت فرمائے بغیر کسی کو عذاب نہ دے گا اس کے متعلق اور بہت قول ہیں دیکھو تفسیر روح المعانی، کبیر، بیان، خازن وغیرہ یہ ہی مقام۔ لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم. یہ فرمانِ عالی لولا کی جزا ہے لمسکم اور اخذتم میں خطاب غازیانِ بدر سے ہے یعنی تم نے جو فدیہ کا مال لے لیا یا جس کے لینے کا فیصلہ کر لیا اس پر تم کو سخت عذاب دیا جاتا۔ عذاب اس وجہ سے ہوتا کہ تم نے بغیر وحی کا انتظار کئے ہوئے اتنا بڑا کام جو از آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام کسی نبی کے صحابہ بلکہ ان کی امتوں نے نہ کیا یعنی فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنا تم وحی کا انتظار کرتے ہم براہ راست اس کی اجازت دیتے پھر تم لیتے۔ آخر رب نے قانون یہ ہی بنایا فشدوا الوثاق فاما منا بعد و اما فداءً نیز یہ مال فدیہ حرام نہ کیا بلکہ حلال رہا چنانچہ امام محی السنۃ نے روایت کی کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو غازیانِ بدر نے چاہا کہ لئے ہوئے فدیہ کو ہاتھ نہ لگائیں کیونکہ یہ ناجائز ذریعہ سے حاصل ہوا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ فکلوا مما غنمتم حللا طیبا (روح المعانی خازن) یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے۔ اگر تم اس فدیہ کا حکم معلوم کرنا چاہتے ہو تو کھاؤ لہٰذا ف جزائیہ ہے کلوا بنا ہے اکل سے بمعنی کھانا مراد ہے مطلقاً استعمال کرنا۔ کھانا ہو یا پینا یا پہننا یا کسی اور طرح استعمال کرنا۔ لا تاکلوا الربا ما غنمتم سے مراد یہ ہی فدیہ کا مال ہے۔ جس کے متعلق صحابہ کرام کو تردد ہوا تھا۔ فرمایا گیا کہ یہ بھی مال غنیمت ہے جیسے اور غنیمتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ ایسے ہی فدیہ کا مال بھی۔ دوسری غنیمتیں مراد نہیں۔ کیونکہ ان کا حلال ہونا تو اس آیت میں بیان ہوا و اعلموا انما غنمتم من شیئ فان الله

خمسہ و للرسول (الخ) نیز اسلام میں سب سے پہلے غنیمت وہ تھی جو غزوہ بدر سے پہلے کفار سے حاصل کی گئی اور حضور ﷺ نے صحابہ میں تقسیم فرمائی۔ چنانچہ حضور انور ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن جحش کی سرکردگی میں مہاجرین کی جماعت بدر اولیٰ کی موقع پر کفار کے مقابل بھیجی۔ یہ لوگ کفار قریش کے ایک قافلے پر حملہ کر کے ان کا مال چھین لائے اور وہ مال تقسیم کیا گیا۔ وہ پہلی غنیمت تھی (روح البیان) لہٰذا اس آیت میں فدیہ ہی مراد ہے۔ اسے حلال فرما کر یہ بتایا گیا کہ تمہارا یہ عمل یعنی فدیہ لے لینا جرم نہیں اور نہ فدیہ حرام ہوتا۔ چوری، جوا، رشوت حرام کام ہیں تو ان سے حاصل کیا ہوا پیسہ بھی حرام ہی ہوتا ہے۔ طیب فرما کر یہ بتایا کہ اس فدیہ میں حرمت کا شبہ بھی نہیں۔ یہ فدیہ شریعت کو محبوب و مرغوب ہے۔ و اتقوا اللہ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ آئندہ تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرو۔ دوسرے یہ کہ اس فدیہ کو حلال و طیب جانو۔ اللہ سے خوف کرو۔ اسے حرام نہ جانو کیونکہ حلال کو حرام سمجھنا تقویٰ کے خلاف ہے۔ ان اللہ غفور رحیم۔ اس آیت کو مغفرت اور رحمت کے ذکر پر ختم فرمایا۔ اس کی مغفرت تو یہ ہوئی کہ فدیہ لینے میں جلدی کرنا، وحی کا انتظار نہ کرنا خطاو غلطی تھا جو معاف کر دیا گیا۔ رحمت یہ ہوئی کہ آئندہ کے لئے فدیہ لینا جائز کر دیا گیا کہ آئندہ قیدی آویں تو بے دھڑک ان سے فدیہ لے کر چھوڑ سکتے ہو۔ اب تم کو وحی کی ضرورت نہ ہوا کرے گی (روح المعانی)

خلاصہ تفسیر: یہ تینوں آیتیں یا تو فدیہ کے متعلق ہیں یا پہلی آیت کا تعلق اس سے ہے۔ کچھ مسلمانوں نے بدر کی جنگ سے پہلے چاہا تھا کہ جنگ نہ ہو ابوسفیان کا قافلہ پکڑ لیا جاوے اور باقی دو آیتیں فدیہ لینے کے متعلق ہیں۔ فقیر کے نزدیک دوسرا احتمال قوی ہے اس کا ہم خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اے مسلمانو! نبی کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ بغیر جنگ کچھ کفار کو قیدی کرے اور ان کا مال غنیمت بنائے کیونکہ اس میں پیغمبر کی شان ظاہر نہیں ہوتی۔ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ کفار بے سامان اور تھوڑے تھے نبی کے ساتھی زیادہ اس لئے ایسا ہوا۔ نبی کی شان یہ ہے کہ اولاً خوب جنگ کریں اور کفار کو اچھی طرح قتل کریں پھر بعد میں انہیں قید کریں جس سے ان کی دھاک اسلام کا رعب کفار پر بیٹھ جاوے جیسا کہ اب ہوا کہ بدر میں ستر سرداران کفار مارے گئے پھر تم نے انہیں قید کیا تم لوگ صرف دنیاوی سامان چاہتے تھے یعنی بغیر لڑے مال مل جاتا۔ مگر ہمارا ارادہ تھا کہ تم کو آخرت کی نعمتیں بخشیں کہ تم غازی ہو تم میں سے چودہ آدمی شہید ہوں اور تمہارا رعب کفار پر چھا جائے۔ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے کہ اس نے تم بے سامان تھوڑوں کو بہت بڑے اور ہتھیار بند کفار پر غالب کر دیا۔ اور حکمت والا بھی ہے۔ یہاں تفسیر خازن نے فرمایا کہ جہاد میں سارے کافروں کو قتل کرنا ضروری نہیں اتنے کفار کا قتل ضروری ہے جس سے کفار پر مسلمانوں کا رعب چھا جائے وہ حضرات صحابہ نے بدر میں اچھی طرح کر لیا لہٰذا امتحان پایا گیا۔ اب فدیہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ اے غازیان بدر تم نے وحی الٰہی کا انتظار کئے بغیر کفار سے فدیہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ بعض سے لے لیا اور بعض کو حکم دے دیا کہ مکہ معظمہ سے اپنا فدیہ منگاؤ اور چھوٹ جاؤ۔ یہ تم نے خطا اجتہادی کی۔ ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے کہ غازیان بدر کو ہرگز عذاب نہ دیں گے نیز جس قوم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں اس پر عذاب نہ آوے گا۔ نیز خطا اجتہادی پر عذاب نہ ہوگا۔ اگر یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو تم پر عذاب آ جاتا۔ خیر یہ تو جو ہوا وہ ہوا اب سن لو کہ تمہارا فدیہ لے لینے کا فیصلہ حرام نہیں تا کہ فدیہ

کا مال تم پر حرام نہ ہو جائے۔ تمہارا یہ کام درست ہوا۔ صرف ہوا یہ کہ تم نے اس میں جلدی کی ہماری وحی کا انتظار نہ کیا۔ (روح المعانی) زیر قولہ ان الله غفور رحیم لہٰذا فدیہ کا حاصل کیا ہوا مال تمہارے لئے حلال بھی ہے طیب بھی۔ اسے اچھی طرح کھاؤ پیو کہ یہ مال غنیمت ہے۔ جیسے تمہارے لئے غنیمت حلال کر دی گئی ویسے ہی فدیہ حلال کر دیا گیا۔ آئندہ تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے کہ اس نے تمہاری اس جلدی کی خطا کو معاف کر دیا۔ رحمت یہ ہے کہ آئندہ کے لئے فدیہ لینا بالکل مباح فرما دیا اب کسی قسم کے انتظار کی ضرورت نہ ہوا کرے گی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے۔ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ ما کان لنبی سے حاصل ہوا کہ مسلمان اس پر خوش تھے کہ بغیر لڑے بھڑے ابوسفیان کا قافلہ پکڑیں ان کا مال چھین لیں مگر ہوا یہ کہ یہ لوگ غازی شہید مجاہد بہادر بنے اور ان کا رعب کفار پر چھا گیا۔ یہ سب کچھ جنگ ہونے سے ہوا۔

دوسرا فائدہ: نبی بڑے بہادر بڑے دلیر ہوتے ہیں۔ بزدلی نبوت کی شان سے بعید ہے۔ رب تعالیٰ ان کی جرأت و ہمت لوگوں پر ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ یہ فائدہ حتی یثخن فی الارض سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

تیسرا فائدہ: نبی کی شان ان کی عظمت کفار کے قتل سے ظاہر ہوتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

لا یسلم المسلم اشرف الرفیع من الازی   حتی یراق علی جوانبہ الدم

نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کفار کی جماعتوں کا قتل کرایا گیا۔ عظمت نبی بڑی اہم چیز ہے۔ دیکھو حضرت یوسف کے دامن سے غلامیت کا دھبہ دور کرنے کے لئے رب تعالیٰ نے جہاں بھر میں سات سال کی عام قحط سالی بھیجی۔ جب ان کے دامن سے یہ داغ دور کر دیا تب بارش بھیجی۔

چوتھا فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسلام میں بڑی شان ہے کہ بہت دفعہ قرآنی آیات اسلامی احکام آپ کی رائے کی مطابق آئے۔ یہ آیت بھی ان ہی آیات میں سے ہے جو حضرت عمر کی رائے کے مطابق آئیں۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر اس موقع پر عذاب آتا تو عمر اس سے بچ جاتے (کتب احادیث و تفسیر کبیر و خازن و معانی وغیرہ)

پانچواں فائدہ: بزرگوں کی خطا چھوٹوں کے لئے عطا کا ذریعہ بن جاتی ہے دیکھو حضرت ابوبکر صدیق کی رائے پر بدر کے قیدی فدیہ لے کر چھوڑے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے اکثر مومن بلکہ صحابی بنے۔ ان سب پر حضرت صدیق اکبر کا احسان ہوا حتیٰ کہ حضرت عباس، حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکر، حضرت عقیل بن ابی طالب جیسے حضرات جو آسمان ایمان کے چمکتے ہوئے تارے ہیں ان پر حضرت صدیق کا احسان ہے تمام دنیا کا ظہور حضرت آدم علیہ السلام کی ایک لغزش یعنی گندم کھانے کا نتیجہ ہے۔

چھٹا فائدہ: اصحاب بدر سارے کے سارے جنتی ہیں۔ انہیں دنیا یا آخرت میں عذاب نہیں ہوسکتا۔ یہ فائدہ لولا کتب کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ کتاب سے مراد رب تعالیٰ کا فیصلہ ہو جو بدر والوں کے جنتی ہونے کے متعلق ہوا کہ لوح محفوظ

میں ان کو جنتی لکھ دیا گیا۔ مسلم بخاری وغیرہما میں حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ کے قصہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ حاطب کو قتل نہ کرو تمہیں کیا خبر کہ رب تعالیٰ نے بدر والوں سے فرمادیا ہے کہ تم جو چاہو کرو ہم نے تم کو بخش دیا (روح المعانی)

ساتواں فائدہ: خطاءِ اجتہادی معاف ہے۔ مجتہد کو غلطی پر پکڑا نہیں جاتا بلکہ اجتہاد کرنے کا اجر ملتا ہے۔ یہ فائدہ بھی لولا کتب من اللہ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد ہو رب تعالیٰ کا یہ فیصلہ کہ مجتہد کو غلطی اجتہادی پر پکڑا نہ جاوے گا لہٰذا حضرت امیر معاویہ، حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کی جماعت والوں پر کوئی عتاب نہیں۔

آٹھواں فائدہ: حضور انور ﷺ کا تشریف فرما ہونا عذاب الٰہی سے امن ہے جو ان کے دامن میں ہے یا قیامت میں ہوگا وہ کونین کے عذاب سے محفوظ ہے۔ یہ فائدہ بھی لولا کتب من اللہ کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس سے مراد رب تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہو کہ ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم تو وہ حضرت صدیق و فاروق جو پہلوئے رسول میں گنبد خضرا کے اندر سورہے ہیں ان کے مراتب کا کیا پوچھنا۔

نواں فائدہ: بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینا انہیں چھوڑ دینا شرعاً بالکل جائز تھا اس پر کوئی سرزنش نہیں۔ یہ فائدہ فکلوا مما غنمتم (الخ) سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے فدیہ کے مال کو غنیمت کہا اسے حلال و طیب فرمایا۔ جو شے حرام ذریعہ سے حاصل ہو وہ طیب نہیں بلکہ خبیث ہے جیسے چوری، رشوت، سود کے ذریعہ سے حاصل کیا ہوا مال اگر ذریعہ حرام ہو تو مال بھی حرام ہو جاتا ہے۔ عتاب کس چیز پر ہوا انشاء اللہ اس کا ذکر ابھی سوال و جواب میں کیا جاوے گا۔

دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ارادہ رضا حکم میں فرق ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ کے ارادے کے خلاف ہو جاوے یا رضاء الٰہی امر الٰہی کے خلاف دن رات ہوتا رہتا ہے یہ فائدہ واللہ یرید الاخرۃ سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

پہلا اعتراض: پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ بدر میں مسلمانوں نے کفار کو خوب قتل نہ کیا بلکہ گرفتار کرنے کی کوشش کی مال کے لالچ میں۔ اس میں حضور انور ﷺ کی توہین ہوئی کہ آپ ﷺ پر عتاب آیا ما کان النبی (الخ)...... (روافض)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر آیت کریمہ کا وہ مطلب ہو جو آپ نے بیان کیا تو حضرت علی بھی اس کی زد میں آجائیں گے کہ وہ بھی بدر میں شریک تھے انہوں نے خوب قتل کیوں نہ کئے۔ ان کو علیحدہ کرنے کی کون سی آیت لاؤ گے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قوی یہ ہے کہ یہ پہلی آیت فدیہ کے متعلق ہے ہی نہیں بلکہ اس کا تعلق بدر کے واقعہ سے پہلے سے ہے جبکہ عام صحابہ کی منشاء یہ تھی کہ ہم کو غیر یعنی قافلہ ابوسفیان مل جائے جس سے بغیر محنت مال اور قیدی ہاتھ میں آجاویں۔ اس کے متعلق یہ ارشاد ہوا کہ اس کی تفسیر وہ آیت ہے و تودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم اس آرزو کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ حضرات مدینہ منورہ سے جنگ کی تیاری کر کے نہ چلے تھے۔ ابھی ہم تفسیر خازن کے حوالہ سے تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ جہاد میں سارے کافروں کا قتل واجب نہیں جتنا قتل چاہئے تھا وہ حضرات صحابہ بدر میں کر چکے تھے۔ لہٰذا اس آیت میں فدیہ لینے یا قیدیوں کو چھوڑنے کا ذکر نہیں ہے اس کا ذکر اگلی دو آیتوں میں ہے

خیال رہے کہ اس خطاب میں حضور انور ﷺ داخل نہیں ہیں۔ حضور انور ﷺ پر جہاد کا انتظام تھا۔ قتل کفار آپ ﷺ کے ذمہ تھا ہی نہیں۔ دیکھو تفسیر کبیر یہ ہی آیت۔ اس سے معلوم ہے کہ حضور انور ﷺ کے تمام جہادوں میں ایک ہزار آٹھ کافر ہلاک ہوئے جن میں ایک شخص خلف ابن امیہ کو حضور انور ﷺ نے اپنے دست اقدس سے قتل کیا۔ اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ ہجرت سے پہلے اس نے ایک بار حضور انور ﷺ سے کہا تھا اور تلوار دکھائی تھی کہ میں نے یہ تلوار اے محمد آپ ﷺ کے قتل کے لئے تیار کی ہے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ انشاء اللہ اسی تلوار سے تو میرے ہاتھ سے دوزخ میں پہنچے گا۔ لہٰذا اس آیت میں حضور ﷺ پر کوئی عتاب نہیں اسی واسطے آگے جمع کے صیغے ارشاد ہیں۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام طالب دنیا تھے۔ دیکھو رب نے **تریدون عرض الدنیا** فرمایا۔

جواب: اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر اس کا مقصد وہ ہی ہے جو تم نے کہا تو اس کی زد سے حضرت علی کیسے بچیں گے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ نہ تو دنیا بری ہے نہ دنیا کا سامان برا۔ اللہ نے سب کچھ مسلمانوں کے لئے پیدا فرمایا۔ فرماتا ہے **قد هی للذین امنوا فی الحیوة الدنیا خالصة یوم القیامة** آیت کا مقصد یہ ہے کہ تم فقط دنیاوی سامان اور قیدی چاہتے تھے۔ رب چاہتا تھا کہ تمہیں یہ بھی دے اور جہاد و شہادت کا ثواب بھی بخشے تم محبوب کے جو ہوئے ہم سے خوب لو۔ دونوں ہاتھوں سے لو۔ طالب دنیا وہ ہے جو دین کے عوض دنیا لے صحابہ کرام سے یہ ثابت نہیں۔

تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ نہ تو فدیہ ناجائز تھا نہ اس کا لینا جرم تھا۔ اگر یہ درست ہے تو صحابہ کرام پر اتنا سخت عتاب کس قصور پر ہوا کہ اگر فیصلۂ الٰہی نہ ہو چکا ہوتا تو تم کو بڑا عذاب پہنچتا۔ بے قصور کو عذاب کیسا۔

جواب: عتاب کی وجہ ہم ابھی تفسیر میں بحوالہ روح المعانی عرض کر چکے وہ فرماتے ہیں **من استباحة الفداء قبل و رود الاذن** کہ ان حضرات نے وحی الٰہی کا انتظار نہیں کیا اسے اور غنیمت پر قیاس کر کے مباح سمجھ لیا۔ مقصد الٰہی ہے کہ از زمانہ آدم تا زمانہ عیسیٰ علیہما السلام کفار قیدیوں سے فدیہ کسی نبی کی شریعت میں جائز نہ ہوا۔ تم نے اتنا بڑا کام صرف قیاس سے کیوں کر لیا؟ ہمارا حکم آنے پر کیا ہوتا کہ کوئی دین والا تم پر اعتراض نہ کرتا اگر کرتا تو ہم پر کرتا۔ اچھا اب ہم یہ ہی قانون جاری کرتے ہیں کہ **فشدوا الوثاق فاما منا بعد و اما فداء** کہ آئندہ تم کفار قیدیوں پر یہ احسان کر کے چھوڑ دیا کرو یا فدیہ لے کر سبحان اللہ اس سے تو ان کی محبوبیت کا پتہ لگتا ہے۔ خیال رہے کہ **لولا کتب من اللہ سبق** (الخ) فرمان ایسا ہی ہے جیسے **ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین** نہ خدا تعالیٰ کے اولاد ہونا ممکن نہ حضور ﷺ کا اس کی عبادت کرنا ممکن۔ ایسے ہی نہ تو رب تعالیٰ کی تحریر کا بدلنا ممکن ہے نہ اصحاب بدر پر عذاب الٰہی آنا ممکن اللہ کے وعدوں کا خلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دو معبود ہونا ان حضرات سے جنتی ہونے کا وعدہ فرما لیا گیا۔

چوتھا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ اس موقع پر حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اگر عذاب الٰہی آتا تو عمر اس سے بچ

جاتے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پر بھی عذاب آجاتا صرف حضرت عمر بچتے (بعض بے دین)۔
جواب: اس حدیث میں روئے سخن صحابہ سے ہے ایسے موقع پر متکلم علیحدہ ہوتا ہے یعنی تمام وہ صحابہ جنہوں نے فدیہ لینے کی رائے دی وہ مبتلا ہو جاتے ہیں چونکہ حضرت عمر نے یہ رائے نہ دی تھی وہ محفوظ رہتے۔ اس حدیث میں ناممکن کو ناممکن پر معلق کیا گیا ہے عذاب آنا ممکن ہی نہ تھا۔
پانچواں اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ اس آیت کے نزول پر حضرت ابوبکر صدیق اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت روئے ظاہر ہے کہ آپ کا رونا فدیہ لینے کی وجہ سے تھا جو گناہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے بھی گناہ کیا آپ ﷺ معصوم نہ تھے۔ (از کبیر)
جواب: یہ گریہ وزاری اس خوف عذاب سے نہ تھی بلکہ خوف خدا سے تھی اور خوف کمال ایمان کی دلیل ہے۔ ایمان جس قدر قوی اسی قدر خوف خدا زیادہ۔ عذاب کا تو احتمال بھی نہ تھا۔ خیال رہے کہ عصمت انبیاء کے منکرین اس آیت سے بھی دلیل پکڑتے ہیں۔ ان کے مکمل جوابات اپنی کتاب قہر کبریا پر منکرین عصمت انبیا میں دیئے گئے۔ وہاں مطالعہ کرو۔ نیز معصوم اور محفوظ کا فرق بھی وہاں ہی دیکھو اور جس قدر یہاں ذکر کیا گیا، عاقل کے لئے کافی ہے۔ گناہ، خطا اور خطا اجتہادی میں بڑا فرق ہے یہاں خطا اجتہادی ہے گناہ نہیں۔
تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ ﷺ کے صدقہ آپ ﷺ کی امت کو بعض نعمتیں ایسی بخشی ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی یا کسی امت کو عطا نہ ہوئیں۔ جیسے مال غنیمت کا حلال ہونا، فدیہ کا جائز ہونا، فدیہ کی ابتداء جنگ بدر کے قیدیوں سے ہوئی۔ منشاء الٰہی یہ تھا کہ اتنا بڑا کام یعنی فدیہ کا جائز ہونا جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوا۔ ہماری طرف سے ہو نہ کہ صرف صحابہ کے اجتہاد سے۔ ساتھ ہی منشاء یہ بھی تھا کہ ان صحابہ کا احسان ان تمام قیدیوں پر ہو جو ان کے اجتہاد کے ذریعہ رہائی پائیں۔ یہ منشاء بھی تھا کہ قیدیوں کا ایمان لانا ان کا صحابی بننا۔ اسلام کی خدمات کرنا لوح محفوظ میں لکھا جا چکا تھا۔ ان کے ایمان کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس کا ظہور ان صحابہ کے ذریعہ سے ہوا۔ ان وجوہ سے یہ واقعہ ہوا ان آیات میں صورۃ عتاب ہے حقیقۃ رحمت وکرم۔ حضور انور ﷺ کی عظمت کبھی جلال سے ظاہر ہوتی ہے کبھی جمال سے۔ سورج کی عظمت سردیوں میں ٹھنڈک سے ظاہر ہوتی ہے گرمیوں میں تپش سے۔ فرمایا گیا کہ جہادوں میں نبی کی عظمت قتل کفار سے ظاہر ہونی چاہئے دوسرے حالات میں رحم وکرم سے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! یہ وقت جلال کے ذریعہ عظمت رسول دکھانا اس حالت میں فدیہ لے کر چھوڑ دینا اس میں جمال کی جھلک آگئی جو بے موقع ہوئی۔ اس لئے تم پر عتاب ہوا۔ ساتھ ہی حضور ﷺ کی شان یہ ہے کہ جس قوم میں محبوب ہوں وہاں نہیں عذاب نہ آئے۔ اس لئے تم پر عذاب نہ آیا۔ اس میں جمالی طور پر عظمت مصطفیٰ کا ظہور ہے۔ یہ آیت کریمہ جلال وجمال کی جامع ہے۔ جلال وجمال دونوں ہی حضور ﷺ کی رحمت ہیں۔ سردی گرمی دونوں موسم سورج کے ذریعہ رب کی رحمت ہے۔ مہربان طبیب کے دونوں کام آپریشن کرنا پھر مرہم رکھنا دونوں اس کی رحمت ہیں۔ آپریشن جلالی مرہم جمالی مگر آپریشن کے وقت مرہم نہ رکھو کہ اس میں جلال میں جمال کا خلط

ہے پھر ارشاد ہوا کہ چونکہ اس فدیہ میں حضور انور ﷺ کی رائے شریف شامل ہے۔اس لئے یہ تمہارے لئے غنیمت ہے۔
حلال ہے طیب تم اسے بے تکلف کھاؤ ان کے نام سے چیز کی بلکہ انسان کی کایا پلٹ جاتی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ

اے نبی فرمادو ان لوگوں سے جو تمہارے قبضے میں ہیں یعنی قیدی لوگ اگر جانے گا اللہ دلوں میں تمہاری

اے غیب کی خبر بتانے والے جو قیدی تمہارے ہاتھ میں ہیں ان سے فرمادو اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں

يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَ

بھلائی تو دے گا تم کو اچھا اس سے جو لیا گیا تم سے اور بخش دے گا تم کو اور اللہ

بھلائی جانی تو جو تم سے لیا گیا اس سے بہتر تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا تم کو

يَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ

بخشنے والا مہربان ہے ۔ اور اگر ارادہ کریں وہ لوگ دھوکا کا تم سے

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔اور اے محبوب اگر وہ تم سے دغا چاہیں گے تو اس سے پہلے اللہ ہی کی

خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

پس وہ خیانت کر چکے اللہ سے اس سے پہلے پس قبضہ دیدیا ان میں سے بعض پر اور اللہ علم و حکمت والا ہے

خیانت کر چکے ہیں جس پر اس نے اتنے تمہارے قابو میں دے دیئے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں بدر کے قیدیوں سے فدیہ کا وہ فائدہ بیان ہوا جو مسلمانوں کو پہنچا یعنی اس کا حلال ہونا، طیب ہونا، مال غنیمت ہونا، غازیوں کے لئے مباح ہونا۔اب اس فدیہ کے اس فائدہ کا ذکر ہے جو خود فدیہ دینے والے قیدی کفار کو پہنچے گا کہ اگر وہ مومن ہو جاویں جو حضور انور سے وعدہ وفائی کریں یعنی آئندہ ان کو اس فدیہ سے کہیں زیادہ مال دنیا میں عطا فرمایا جانا۔آخرت میں بخشش گناہ گویا فدیہ کے نفع کا ذکر پہلے تھا اور دوسرے نفع کا ذکر اب ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار قیدی پر اظہار جلال تھا۔اب ان پر اظہار جمال۔گویا زخم کا ذکر وہاں تھا، مرہم کا ذکر اب یہاں ہے یعنی ان کی جان بخشی کا ذکر پہلے ہوا۔اب ان میں بعض کے لئے ایمان بخشی، مال بخشی، گناہ بخشی کا ذکر یہاں ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ان غازی مسلمانوں کی تسلی تشفی کی گئی جنہوں نے کفار بدر سے فدیہ لیا کہ فرمایا گیا فکلوا مما غنمتم (الخ) اب بدر کے ان قیدیوں کی تسلی تشفی کی جارہی ہے جنہوں نے مسلمانوں کو بادل نخواستہ فدیہ دیا کہ مت گھبراؤ تمہیں اس سے زیادہ دیں گے۔ (تفسیر کبیر)

شان نزول: کفار مکہ نے بدر کی طرف چلتے وقت دس شخصوں کے ذمہ ساری فوج کا کھانا ڈالا تھا کہ مکہ معظمہ لوٹتے وقت تک باری باری سے فوج کو کھانا دیں۔ ان میں ایک حضرت عباس ابن عبدالمطلب بھی تھے۔ آپ مکہ معظمہ سے اپنے ساتھ بیس اوقیہ سونا لے کر چلے تھے۔ اسی خرچ کے لئے ان میں سے نو شخصوں نے اپنی اپنی باری پر فوج کو کھانا دیا۔ خاص غزوۂ بدر کے دن حضرت عباس کے کھانا دینے کی باری تھی کہ معاملہ درہم برہم ہو گیا۔ ستر کافر مارے گئے۔ ستر قید ہوئے۔ ان میں آپ بھی تھے جو قید ہوئے۔ آپ کا بیس اوقیہ سونا مال غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جب ان قیدیوں کو فدیہ دینے کا حکم ہوا تو فی کس بیس اوقیہ چاندی یعنی چالیس درہم فدیہ مقرر ہوا مگر حضرت عباس کے ذمہ ساٹھ یا اسی اوقیہ فدیہ کیا گیا۔ ایک فدیہ ان کا، دوسرے ان کے بھتیجے عقیل ابن ابی طالب کا، تیسرا ان کے بھتیجے نوفل ابن حارث کا بلکہ بعض روایات کی بنا پر چوتھا فدیہ ان کے حلیف عتبہ ابن عمر (روح المعانی) پہلے تو حضرت عباس نے اتنا بھاری فدیہ دینے میں بہت پس و پیش کیا مگر جب کچھ نہ بنا تو عرض کیا کہ وہ بیس اوقیہ سونا جو مال غنیمت میں مجھ سے چھین لیا گیا ہے، وہ اس فدیہ میں کاٹ لیا جاوے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں وہ سونا تو تم ہمارے مقابل فوج کو کھانا دینے، ان کی مدد کرنے کے لئے لائے تھے، وہ ہم کو رب نے دیا ہے۔ فدیہ میں نہ گنے گا۔ حضرت عباس نے سرد آہ بھر کر کہا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب اپنے چچا یعنی مجھ سے مکہ کی گلیوں میں بھیک منگواؤ گے، میرے پاس کچھ بھی نہیں جو فدیہ دوں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ چچا جان وہ سونا کہاں ہے جو تم نے روانگی کے موقع پر رات کے وقت اپنی بیوی ام الفضل کو دیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ اگر میں جنگ میں مارا جاؤں تو یہ سونا تمہارا اور میرے بچوں قثم، عبداللہ، فضل اور عبیداللہ کا ہے۔ آپ حیران ہو کر بولے، یہ خبر آپ کو کس نے دی؟ میں نے تو وہ سونا اندھیری رات میں تنہائی میں دیا تھا۔ فرمایا میرے رب نے خبر دی۔ حضرت عباس اسی وقت دل میں ایمان لے آئے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر کبیر۔ خازن۔ بیضاوی۔ معانی۔ روح المعانی) حضرت عباس نے یہ واقعہ عقیل اور نوفل سے بیان کیا، وہ بھی دل میں ایمان لے آئے۔

تفسیر: یایها النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسری چونکہ دوسری آیت کریمہ میں دو شاندار غیبی خبریں حضور انور ﷺ کے ذریعے دی گئی ہیں، جن میں سے ایک کا تعلق دنیا سے ہے اور دوسری کا تعلق آخرت سے ہے، اس لئے پہلے حضور انور ﷺ کو نبی کے خطاب سے پکارا یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کی خبریں دینے والا۔ لطف یہ ہے کہ اس آیت میں فداء اور قل میں خطاب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ایدیکم میں خطاب ہے غازیان بدر سے اور قلوبکم خیرا یوتکم وغیرہ میں خطاب ہے۔ بدر کے قیدیوں سے ایدی جمع ہے ید کی بمعنی قبضہ۔ ید قرآن مجید میں بہت معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں بمعنی قبضہ۔ الاسریٰ جمع ہے اسیر کی بمعنی قیدی یعنی اے غیبی خبر دینے والے محبوب۔ بدر کے سارے قیدیوں سے یا جناب

عباس، عقیل، نوفل وغیرہ سے فرمادو جو آپ ﷺ کا علم غیب آزما چکے۔ فرمادو جو ابھی آپ ﷺ کے صحابہ کے قبضے میں ہیں جن کو فدیہ ادا کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے اور انہوں نے سخت مجبوری سے قبول کرلیا۔ ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا یہ فرمانِ عالی قل کا مقولہ ہے۔ اس میں ان شک کرنے کے لئے نہیں بلکہ شک لانے کے لئے ہے۔ یعلم میں علم سے مراد ظہور ہے یا علم بمعنی دیکھنا ہے۔ کسی خبر کا اور دیکھنا کسی شے کا اس کے پیدا ہونے ظاہر ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ اگر اس فرمانِ عالی میں خطاب حضرت عباس وغیرہم ان حضرات سے ہے جو بدر میں ایمان لا چکے تھے تو خیر سے مراد ہے ایمان پر قائم رہنا اور اگر دوسرے قیدیوں سے بھی خطاب ہے تو خیر سے مراد ایمان تقویٰ۔ ایمان دل میں رہتا ہے۔ زبانی کلمہ ظاہری نیکیاں منافقین بھی کرلیتے تھے، اس لئے یہاں قلوبکم ارشاد ہوا۔ یوتکم خیرا مما اخذ منکم یہ فرمان عالی جزا ہے۔ ان یعلم اللہ (الخ) کی یوت کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔ کم میں خطاب بدر قیدیوں سے ہے جن سے فدیہ لیا گیا۔ یہاں خیر سے مراد ہے بہت سا اور بہت برکت والا حلال طیب مال۔ آخرت کی خیر کا ذکر آگے آرہا ہے۔ مما اخذ میں ما سے مراد وہ فدیہ ہے جو ان سے وصول کیا گیا۔ رب تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمادیا جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں عرض کیا جائے گا۔ انشاء اللہ و یغفر لکم یہ فرمان عالی معطوف ہے۔ یوتکم (الخ) پر اس میں دوسرے انعام کا ذکر ہے جس کا تعلق آخرت سے ہے۔ یغفر کا مفعول ارشاد نہیں ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے سارے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔ بدعقیدگیاں ہوں یا بدعملیاں۔ گناہ صغیرہ ہوں یا گناہ کبیرہ۔ نئے ہوں یا پرانے۔ کھلے ہوں یا چھپے۔ غرضیکہ اس ایک فرمان میں بہت وسعت ہے۔ لکم میں لام نفع کا ہے کہ مغفرت میں بندے کا ہی نفع ہے۔ واللہ غفور رحیم اس فرمان عالی میں مذکورہ دو انعاموں کی دو وجہیں بیان ہوئیں یعنی چونکہ رب تعالیٰ کی مغفرت تمہارے گناہوں سے زیادہ ہے کہ تم عاصی ہو وہ مغفور ہے۔ تمہیں گناہ کرنا آتا ہے، اسے بہت ہی بخشنا آتا ہے۔ لہٰذا وہ تمہارے سب کے سب گناہ معاف فرمادے گا۔ چونکہ وہ رحیم بھی ہے اس لئے تمہیں فدیہ سے کہیں زیادہ مال عطا فرمائے گا۔ تم اس کی عطاؤں پر تعجب نہ کرو۔ و ان یریدوا خیانتک اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا۔ یریدوا کا فاعل وہ ہی بدر کے قیدی ہیں جن کو فدیہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ خیانت مقابل ہے امانت کا۔ اس سے کیا مراد ہے۔ اس میں چند قول ہیں (۱) اس سے مراد دین میں خیانت ہے یعنی اگر یہ لوگ یہاں کلمہ پڑھ کر جارہے ہیں لیکن اگر ان کی نیت اس کلمہ سے دھوکا دینا ہو کہ مکہ معظمہ پہنچ کر پھر کافر بن جاویں۔ (۲) خیانت سے مراد مالی خیانت یعنی یہاں سے وعدہ کرکے جارہے ہیں کہ ہم فدیہ کا مال مکہ معظمہ جاکر بھیج دیں گے مگر نہ بھیجیں۔ یہاں سے دھوکا دے کر چلے جائیں۔ (۳) حضور انور ﷺ نے ان کفار کو فدیہ کا بھی حکم دیا اور ان سے عہد لیا کہ آئندہ کبھی ہمارے مقابل کفار کی حمایت نہ کرنا۔ ہم سے جنگ نہ کرنا یعنی اگر وہ اس عہد و پیمان میں خیانت کرنے کا ارادہ کریں، بدعہدی کریں۔ بہرحال خیانت سے مراد یا خیانت ایمان ہے یا خیانت عہد و پیمان یا خیانت مالی۔ فقد خانوا اللہ من قبل یہ فرمان عالی ان یریدوا (الخ) کی جزا نہیں۔ اس کی جزا پوشیدہ ہے۔ یعنی تو آپ ﷺ غم نہ کریں۔ اس کی علت یہ ہے لہٰذا اس میں ف تعلیلیہ ہے یعنی کیونکہ وہ اس سے پہلے اللہ سے خیانت کرچکے ہیں۔ اس خیانت سے مراد بدعہدی ہے۔ اس عہد

سے مراد یا تو یثاق کے دن کا عہد ہے کہ یہ سب رب سے ایمان لانے کا عہد کر کے دنیا میں آئے مگر ایمان نہ لائے یا مراد وہ عہد و پیمان ہے جو وہ دریا کے سفروں کی مصیبت میں پھنس کر رب سے عہد کرتے تھے۔ لئن انجیتنا من ھذہ لنکونن من الشاکرین یا اولاد کی دعا مانگتے وقت کرتے تھے یعنی لئن اتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین. خدایا دریا سے ہم کو اگر تو نجات دے دے تو ہم آئندہ شاکر بندے بن کر رہیں گے یا اگر تو ہم کو نیک بچہ دے دے تو ہم نیک کار بن کر زندگی گزاریں گے۔ مگر رہائی پانے والے یا اولاد ملنے پر پھر کافر رہتے تھے (تفسیر کبیر) خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ لوگ یعنی کفار مکہ رب تعالیٰ سے بدعہدی کرنے سے نہیں چوکتے تو اگر آپ ﷺ سے بدعہدی کریں تو آپ ﷺ غم کیوں کریں۔ بدعہدی تو ان کی عادت ہے۔ فامکن منھم اس فرمان عالی میں ایک لطیف اشارہ ہے اور خفیہ وعدہ۔ اس میں ف ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی جب انہوں نے خیانت کرنے کی عادت ڈال لی تو رب نے ان پر مومنوں کو قابو دے دیا۔ امکن بنا ہے مکنۃ سے بمعنی قدرت یا قابو۔ امکن کے معنی ہیں قابو دے دیا۔ اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔ مفعول پوشیدہ امکنک یا امکن المومنین منھم من بعضیت کا ہے اور ہوسکتا ہے کہ من زائدہ ہو اور ھم امکن کا دوسرا مفعول ہو۔ یعنی اللہ نے تم کو ان پر قابو دے دیا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بدر میں مسلمانوں کو کفار پر قابو دے دیا۔ ایسے ہی اگر یہ آئندہ خیانت کریں گے تو ہم انہیں تمہارے قابو میں دے دیں گے۔ پھر تم انہیں قتل و قید کرو گے۔ رب نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ جیسا کہ تاریخ اسلام شاہد ہے۔ یہ جملہ مومنوں کے لئے وعدہ ہے۔ کفار کے لئے وعید واللہ علیم حکیم اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے۔ اس سے کفار کی خیانت مسلمانوں کی امانت چھپی ہوئی نہیں اور حکمت والا بھی۔ اگر خیانت والوں کو ڈھیل دے تو اس میں حکمت ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مخلوق کو خالق کے احکام کی غیبی چیزوں کی خبر دینے والے محبوب، آپ ﷺ بطور حمایت و کرم ان قیدیوں کو خوش خبری بھی دے دیں اور ڈرا بھی دیں جن سے فدیہ وصول کیا گیا۔ خوش خبری تو یہ دیں اگر یہ لوگ اپنے عہد پر قائم رہے جو مسلمان ہو چکے ہیں وہ اسلام پر ڈٹے رہے جو آپ ﷺ سے فدیہ کا یا آپ ﷺ کے مقابل کفار کی مدد نہ کرنے کا وعدہ کر رہے ہیں اس پر قائم رہے اللہ تعالیٰ کو انہوں نے وعدہ وفا کر کے دکھا دیا تو ان سے دو انعاموں کا وعدہ کرتے ہیں۔ ایک کا دنیا میں اور دوسرے کا آخرت میں۔ دنیا میں انعام یہ ہوگا کہ جتنا فدیہ تم سے لیا گیا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ تم کو عطا ہوگا۔ آخرت میں یہ کہ تمہارے سارے گناہ چھوٹے بڑے نئے پرانے یاد اور بھولے ہوئے بخش دیئے جائیں گے۔ ہم غفور بھی ہیں، رحیم بھی۔ تمہارے گناہوں سے ہماری رحمت کہیں زیادہ ہے۔ فرماتے ہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہ رب تعالیٰ کا دنیاوی انعام تو میں نے دیکھ لیا ہے کہ مجھ سے بیس اوقیہ فدیہ میں میرے وصول کئے گئے تھے۔ آج میرے پاس بیس غلام ہیں۔ جن میں سے ادنیٰ درجہ کا غلام بیس ہزار روپیہ کی تجارت کرتا ہے اور مجھے رب نے چاہ زمزم عطا فرما جو مجھے تمام مکہ کے مالوں سے زیادہ عزیز ہے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بحرین سے اسی ہزار درہم آئے۔ حضور انور ﷺ نے وضو فرمایا اور نماز سے پہلے وہ سب تقسیم فرما دیا۔ حضرت عباس کو فرمایا کہ اس قدر کی درہم کی گٹھڑی باندھو جتنی اٹھا کر لے جاسکو لے جاؤ۔ یہ ہے یوتکم خیرا مما اخذ منکم کی تفسیر اور اے محبوب اگر یہ لوگ آپ ﷺ سے خیانت

یعنی بدعہدی کریں کہ یہاں سے کلمہ پڑھ کر جائیں مکہ پہنچ کر کافر ہو جائیں یا یہاں آپ علیہ السلام سے غیر جانبدار رہنے کا وعدہ کر کے جائیں وہاں جا کر پھر کفار کی مدد کریں آپ علیہ السلام کے مقابلہ میں تو آپ علیہ السلام غم نہ کریں۔ یہ تو رب تعالیٰ سے بھی بدعہدی کرتے رہتے ہیں۔ جب سمندر کے تھپیڑوں میں پھنستے ہیں تو کہتے ہیں خدایا ہمیں اس سے نجات دے، ہم مومن ہو جائیں گے۔ جب اولاد مانگتے ہیں تو کہتے ہیں خدا اگر تو ہمیں صحیح سالم بچہ دے تو ہم بندہ شاکر بنیں گے۔ مگر کام نکلتے ہی پھر کافر کے کافر رہتے ہیں۔ ایسوں کی بدعہدی کا غم کیا کرنا مگر وہ بھی یاد رکھیں کہ ہم نے بدر میں انہیں مسلمانوں کے قابو میں دے دیا اگر پھر بدعہدی کریں گے تو ہم انہیں پھر مسلمانوں کے قابو میں دے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے، حکمت والا بھی۔ اسے ان کی ساری حرکتوں کا علم ہے۔ ڈھیل میں بڑی حکمت ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دور و نزدیک دن رات اندھیرے اجالے ہر جگہ دیکھ لیتی ہے۔ آپ علیہ السلام کی نگاہ کے لئے کوئی چیز آڑ نہیں۔ یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا کہ حضرت عباس نے مکہ معظمہ میں رات کے اندھیرے میں گھر کی چار دیواری میں جو سونا اپنی بیوی ام الفضل کو دیا حضور انور علیہ السلام نے مدینہ سے وہ واقعہ ملاحظہ فرما لیا۔ اسی نور نظر کو دیکھ کر حضرت عباس ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** تم جو گھروں میں کھاتے بچاتے ہو میں بتا سکتا ہوں۔ یہ تھی نگاہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یہ ہے قوت نگاہ محمدی۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب کسی مومن سے اس کی بیوی لڑتی ہے تو جنت سے حور پکارتی ہے کہ اس سے مت لڑ۔ یہ تیرے پاس مہمان ہے۔ عنقریب ہمارے پاس آنے والا ہے۔ یہ ہے حور کی نظر تو اللہ کے نور کی نظر کا کیا کہنا۔ حضور انور علیہ السلام نے دو قبروں کے متعلق فرمایا کہ ان دونوں قبروں پر عذاب ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک چغل خور تھا دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھا۔ یہ ہے نظر پاک مصطفیٰ (مشکوٰۃ شریف)

دوسرا فائدہ: حضرت عباس فتح مکہ کے دن کے مومنین میں سے ہیں۔ آپ بدر کے دن اس موقع پر ایمان لائے مگر اپنے ایمان کا اعلان آپ نے فتح مکہ کے دن کیا۔ رب کا ارادہ یہ تھا کہ آپ مکہ معظمہ کے خاتم المہاجرین ہوں۔ آپ سے راہ مدینہ میں حضور علیہ السلام نے ملاقات کی جبکہ آپ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا رہے تھے۔ حضور علیہ السلام مع لشکر فتح مکہ کے لئے آ رہے تھے۔ جیسے امیر معاویہ عمرہ قضا میں ایمان لا چکے تھے۔ فتح مکہ کے دن اپنے اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔

تیسرا فائدہ: مبارک ہے وہ قید و بند جس کے ذریعہ اہل ایمان مل جاوے۔ حضرت عباس بڑے خوش نصیب ہیں ان کے لئے جنگ میں آنا قید ہونا ان کے ایمان کی صحابیت کا ذریعہ بنا۔

چوتھا فائدہ: غزوہ بدر میں جیسے غازیان بدر بڑے درجے والے ہیں۔ ایسے ہی ان میں وہ قید ہونے والے بھی بڑے خوش نصیب ہیں جو مومن ہو گئے۔ حضرات صحابہ بدر کے غازی ہیں وہ لوگ بدر کے مومن کہ ان سے رب نے فدیہ سے بڑھ کر عطا

کا وعدہ بھی فرمایا اور مغفرت کا بھی۔ یہ فائدہ یوتکم خیرا مما اخذ (الخ) سے حاصل ہوا اگر جو کفار اس غزوہ میں مارے گئے وہ بدترین خلائق ہیں۔ جیسے ابوجہل اور امیہ ابن خلف وغیرہ۔ بدر نے کسی کو بہترین بنادیا کسی کو بدترین۔

پانچواں فائدہ: کفار کا حرام مال جب غزوہ میں غازیوں کو ملے تو وہ غنیمت اور ان کے لئے حلال ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ فامکن و منھم سے حاصل ہوا کہ رب نے اپنی عطا سے ان کے دیئے ہوئے فدیہ سے خیر فرمایا یعنی تمہارا فدیہ مسلمانوں کے لئے اچھا ہے، حلال ہے، تم کو اس سے اچھا دیا جائے گا۔

چھٹا فائدہ: انسان کسی حالت میں اپنے کو رب تعالیٰ کی پکڑ سے محفوظ نہ جانے۔ نہ معلوم رب کس وقت کس طرح پکڑے۔ یہ فائدہ فامکن منھم سے حاصل ہوا یعنی رب نے انہیں تمہارے قابو میں دے دیا۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا (الخ) ان شک کے لئے آتا ہے اور یعلم ہے مستقبل۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ہمیشہ سے سب کچھ جانتا ہے پھر اس کے علم کے لئے شک اور مستقبل کیسا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ یہاں ان شک والانے کے لئے ہے نہ کہ رب تعالیٰ کے شک کے لئے اور علم سے مراد دیکھنا ہے یعنی دیکھ کر جاننا وہ واقعی آئندہ ہی ہوگا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت میں خطاب کفار مکہ سے ہے جو بدر میں قید ہوئے۔ کافر کے دل میں خیر نہیں ہوتی پھر یہ کیوں ارشاد ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں خیر جانے گا۔

جواب: یہ آیت ان قیدیوں کے متعلق آئی جو حضور ﷺ کا علم غیب دیکھ کر مومن ہو چکے تھے۔ جیسے حضرت عباس، عقیل وغیرہم۔ خیر سے مراد دین پر استقامت ہے یعنی اگر تم مکہ معظمہ پہنچ کر ایمان پر قائم رہے مرتد نہ ہو گئے لہٰذا آیت واضح ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں سے آگے ارشاد ہوا عقیل وغیرہ یوتکم خیرا مما اخذ تم کو اس سے بہتر دیا جاوے گا جو تم سے لیا گیا۔ اس خیر سے کون سی خیر مراد ہے۔ ابھی تو خیر سے مراد دین پر استقامت تھی۔

جواب: اس خیر سے مراد جزیہ کے مال سے زیادہ مال اور بابرکت مال ہے اور اگر اس میں دارین کی عزت بھی داخل ہو تو ہو سکتی ہے۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اگر کفار آپ ﷺ سے خیانت کریں۔ کفار حضور ﷺ سے خیانت کیا کر سکتے تھے حضور انور ﷺ نے تو کبھی ان کے پاس مال امانت نہیں رکھا۔

جواب: یہاں خیانت بمعنی دغا ہے۔ اس میں خطاب ان قیدی کفار سے ہے جنہوں نے بدر میں حضور انور ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم کبھی آپ ﷺ کے خلاف کسی جنگ میں شرکت نہ کریں گے۔ مقصود یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنا یہ وعدہ پورا نہ کریں تو آپ ﷺ غمگین نہ ہوں یہ تو رب تعالیٰ سے خلاف وعدہ کرتے نہیں چوکتے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ والوں کے ہر کام میں حکمت ربانی ہوتی ہے۔ حضرت عباس واقعہ بدر سے پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے۔ اسلام سے رغبت رکھتے تھے مگر آپ ﷺ کے کفار مکہ پر قرضے تھے جو سارے مکہ بلکہ علاقے میں

چھپے ہوئے تھے۔ آپ کو خیال تھا کہ اگر میں مسلمان ہو گیا تو میرا اتنا قرضہ اس کا سود سب مارا جائے گا۔ اس خیال میں رہے کہ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ یہاں ان کے دل میں ایمان خوب جم گیا۔ اب آپ مکہ مکرمہ میں حضور انور ﷺ کی جاسوسی کرتے تھے۔ کفار مکہ کے ارادے خیالات سے حضور انور ﷺ کو خبریں بھیجتے رہتے تھے۔ فتح مکہ کے دن ایمان کا اعلان کیا اور خاتم المہاجرین کا لقب پایا۔ (از روح البیان) اس سے پتہ لگا کہ جو شخص دنیا کی قید سے رہائی چاہے وہ ایمان و اخلاص اختیار کرے۔ رب غالب ہے مخلوق مغلوب۔ اس ایمان و اخلاص کی برکت سے رب اسے دنیا سے بہتر خیر عطا فرمائے گا۔ یعنی اسے ذکر اللہ تقویٰ کی توفیق دنیا میں اور جنت کی نعمتیں رب کا دیدار حضور انور ﷺ احمد مختار کا قرب آخرت میں عطا فرمائے گا۔ دنیا اور اس کی نعمتیں فانی ہیں۔ آخرت اس کی نعمتیں باقی۔ دنیا کو آخرت کا فدیہ بناؤ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ سات چیزوں کی اتباع سات چیزیں پیدا کرتی ہیں۔ نفس کی اتباع ندامت کو فاصبح من النادمین۔ ہوئی کا اتباع رب سے دوری کا۔ واتبع هواه فمثله كمثل الكلب شہوات کی اتباع کفر کا۔ واتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيا فرعون کی متابعت سے دنیا میں غرق آخرت میں حرق واتبعوا امر فرعون فاوردهم النار گمراہ سرداروں کی اتباع سے حسرت يريهم الله اعمالهم حسرات شیطان کی اتباع سے دوزخ۔ ان جهنم لموعدهم اجمعين حضور ﷺ کی اتباع سے اللہ کی محبوبیت ہے۔ فاتبعوني يحببكم الله (روح البیان) حضرت عباس کو حضور انور ﷺ کے اتباع سے اللہ تعالیٰ کی محبوبیت نصیب ہوئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ

تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا انہوں نے ساتھ اپنے مالوں کے اور اپنی جانوں

بیشک جو ایمان لائے اور اللہ کیلئے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ

کے اللہ کے راستہ میں اور وہ لوگ جگہ دی جنہوں نے اور امداد دی یہ لوگ بعض انکے

سے لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں اور وہ جو ایمان

أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن

وارث ہیں بعض کے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نہ ہجرت کی انہوں نے نہیں ہے

لائے اور ہجرت نہ کی تمہیں ان کا کچھ نہیں پہنچتا جب تک ہجرت نہ کریں۔ اور اگر

وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي

واسطے تمہارے ان کی میراث سے کوئی چیز کہ ہجرت کریں وہ اور اگر مدد مانگیں وہ تم

وہ دین میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا واجب ہے مگر

الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَ
ے دین میں پس لازم ہے اوپر تمہارے مدد مگر اوپر ایسی قوم [illegible] تمہارے اور درمیان انکے
ایسی قوم پر کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے اور
اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾
عہدو پیمان ہے اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔
اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ مومن وکافر اگرچہ رشتہ دار ہوں مگر بے تعلق ہیں کیونکہ رشتہ ایمانی قوی ہے اور رشتہ جسمانی ضعیف۔ دیکھ لو بدر کے یہ واقعات۔ اب ارشاد ہورہا ہے کہ دو مومن اگرچہ اجنبی ہوں ان کا آپس میں کوئی رشتہ نہ ہو مگر وہ رشتہ دار قریبی ہیں جیسے مکہ معظمہ کے مہاجرین اور مدینہ منورہ کے انصار کہ وہ جسمانی لحاظ سے غیر تھے مگر ایک زمانہ میں ایک دوسرے کے وارث بنادیے گئے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں خائن کفار اور ان کی خیانتوں کی برائیاں بیان ہوئیں۔ فامکن منھم الخ اب وفاشعار انصار کی وفاداریاں اور ان کے انعام کا ذکر ہے۔ گویا بے وفائی کے بعد وفاداری کا اور بے وفاؤں کے بعد وفاداروں کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے حکمت والا بھی۔ اب ارشاد ہورہا ہے کہ اے مکہ والے مہاجرو اس نے تمہارے رشتہ دار کفار کو تم سے توڑ دیا اور اجنبی انصار کو تم سے جوڑ دیا۔ اس میں بھی اس کی حکمت ہے۔ گویا علم وحکمت کے دعوے کے بعد اس کا ثبوت دیا جارہا ہے۔

نزول: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے سرزمین مدینہ کو اپنے قدم سے عزت بخشی تو بہت سے مکہ کے مسلمان ہجرت کرکے مدینہ منورہ آنے لگے۔ ادھر انصار مدینہ نے ان مہمانوں کی ایسی شاندار دائمی مہمانداری کی جس کی مثال آسمان نے نہ دیکھی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مہاجرین اور انصار میں عقد مواخات فرمادیا کہ فلاں مہاجر فلاں انصاری کا بھائی ہے اور فلاں مہاجر فلاں کا بھائی۔ اس مصطفوی بھائی چارہ کی بناء پر ان حضرات کی میراث جاری ہوئی۔ یعنی مہاجر کا انصاری بھائی اس کی میراث لیتا تھا اور انصاری کی میراث اس کا مہاجر بھائی حصہ پاتا تھا۔ غیر مہاجر رشتہ دار مہاجر کی میراث سے حصہ نہیں پاتا تھا۔ یہ حکم فتح مکہ تک جاری رہا۔ پھر فتح پر چونکہ وہ ہجرت ہی بند ہوگئی لہٰذا یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ اس کی ناسخ وہ اگلی آیت ہے۔ والو الانعام بعضھم اولی ببعض یہ ہی قول ہے سیدنا عبداللہ بن عباس، حسن، سدی، مجاہد، قتادہ اور عام مفسرین کا۔ جمہوری علماء اسی طرح گئے ہیں۔ (روح المعانی، کبیر، خازن وغیرہ) اس آیت میں اس مذکورہ

میراث کا ذکر ہے اور یہ آیت منسوخ ہے۔

تفسیر: ان الذین امنوا و ھاجروا و جاھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ چونکہ مہاجرین افضل ہیں، انصار سے جیسا کہ ہم انشاء اللہ فوائد میں عرض کریں گے۔ اس لئے پہلے ان کا ذکر ہوا بعد میں انصار کا۔ یہاں الذین سے صرف وہ مہاجرین مراد ہیں جو فتح مکہ تک مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرتے رہے خواہ براہ راست مکہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے ہوں خواہ مکہ معظمہ سے حبشہ کی طرف چلے گئے ہوں پھر بعد وہاں سے مدینہ منورہ۔ بہر حال ہوں مہاجر مدینہ کیونکہ انصار صرف مدینہ منورہ میں تھے۔ انہیں سے عقد مواخات یعنی بھائی چارہ کرایا گیا۔ اس جملہ میں ان کی چار صفات مذکور ہیں۔ پہلے ایمان کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عبادت ہجرت، جہاد وغیرہ معتبر نہیں۔ پھر ہجرت یعنی ہجرت مدینہ منورہ کی طرف کیونکہ اس وقت میراث کی شرطیں دو تھیں۔ ایمان اور ہجرت۔ رہا جہاد یہ شرط میراث نہیں۔ یہاں اس کا ذکر ان حضرات کی تعریف و توصیف کے لئے ہے۔ مال سے جہاد یہ ہے کہ مجاہد کو سامان جہاد دیا جاوے اور جہاد بالنفس یہ ہے کہ خود جہاد میں شرکت کی جاوے خواہ جنگ کرے یا جنگ کرنے والوں کی خدمت کرے لہٰذا اس میں مقاتلین اور ان کی مرہم پٹی کرنے والے، ان کا کھانا وغیرہ پکانے والے، ان کی پشت پناہی کرنے والے سب ہی مجاہد بالنفس یعنی جانی جہاد کرنے والے ہیں۔ فی سبیل اللہ فرما کر فرمایا کہ جنگ ملک یا مال حاصل کرنے کے لئے نہ ہو۔ رضائے الٰہی اور دین مصطفوی پھیلانے کے لئے ہو۔ آپس میں مسلمان نہ لڑیں کہ وہ جہاد نہیں فساد ہے۔ جیسا کہ آج کل مسلمان زن زر زمین عزت کے لئے آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے ہیں۔ خیال رہے کہ فی سبیل اللہ کا تعلق دونوں جہادوں سے ہے جہاد بالمال سے بھی اور جہاد بالنفس سے بھی چونکہ جہاد بالمال آسان بھی ہے اور ہلکا بھی اس لئے اس کا ذکر پہلے فرمایا اور جہاد بالنفس دشوار بھی ہے اور جہاد بالمال سے سخت بھی، اس لئے اس کا ذکر بعد میں ہوا۔ یعنی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ (روح المعانی) والذین اووا و نصروا یہ انصار مدینہ کا ذکر ہے اس میں ان کے دو صفات بیان ہوئے۔ ایک مہاجرین کو اپنے ہاں پناہ دینا انہیں اپنا دائمی مہمان بنا لینا دوسرے ہر طرح ان کی کفار کے مقابلہ میں مدد کرنا۔ ان کے ساتھ ہر طرح مشکل میں شریک ہونا۔ چونکہ مہاجرین کو جگہ دینا پہلے ہوا اور مدد کرنا بعد میں، اس لئے پہلے پناہ کا ذکر ہوا بعد میں نصرت کا۔ خیال رہے کہ اگرچہ بادشاہ حبشہ نے بھی مہاجرین کو پناہ دی مگر وہ انصار میں داخل نہ ہوا نہ اس کے یہ احکام ہوئے کیونکہ اس نے شخصی حیثیت سے یہ خدمت کی۔ انصار نے قومی حیثیت سے نیز مہاجرین کا قیام حبشہ میں عارضی ہوا مگر مدینہ منورہ میں دائمی طور پر اس لئے انہی کو انصار کہا گیا۔ انہیں کے لئے فضائل اور احکام ہوئے۔ انصار دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج۔ یہ حضرات جناب آمنہ والدہ رسول اللہ کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔ اس بنا پر حضرت عبداللہ مدینہ منورہ گئے اور وہاں بیمار ہو گئے وہاں ہی وفات پائی۔ وہاں ہی محلہ عبداللہ میں آپ کی قبر ہے اور اس رشتہ کی بنا پر جناب آمنہ حضور انور ﷺ کو لے کر مدینہ منورہ گئیں وہاں سے واپس مکہ معظمہ آ رہی تھیں کہ راستہ میں مقام ابواء میں آپ کی وفات ہو گئی وہاں ہی قبر انور ہے۔ حضور ﷺ کو وہاں سے ہی مکہ معظمہ لایا گیا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے۔ ان قبیلوں کا نام انصار ہوا کیونکہ انہوں نے دین اسلام اور صحابہ کرام بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار مدد ہر طرح

کی۔ یہ لفظ یہاں سے لیا گیا۔ نصروا۔ اوو بنا ہے اوی سے بمعنی پناہ اسی سے ہے۔ ماوی بمعنی پناہ گاہ۔

نکتہ: مہاجرین کی ہجرت جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کے بعد انصار کی مدد کا ذکر فرما کر یہ بتایا گیا کہ انہوں نے مہاجرین کی ہر عبادت ہجرت جہاد وغیرہ میں مدد کی۔ اولئک بعضھم اولیاء بعض یہ جملہ نیا ہے۔ اس میں اولئک پہلا مبتداء ہے اور بعضھم دوسرا۔ اولیاء بعض خبر۔ اولئک سے اشارہ ان دونوں مذکورہ جماعتوں کی طرف ہے۔ مہاجرین و انصار۔ یوں ہی بعضھم میں ہم کی ضمیر دونوں کی طرف ہے۔ اولیاء جمع ہے ولی کی جو ولایت یا ولی بمعنی قرب سے بنا۔ یہاں قرب سے مراد قرابت نسبتی نہیں بلکہ قرابت وراثت ہے۔ یہ ہی قول ہے جو حضرت ابن عباس مجاہد وغیرہم کا اور عام مفسرین کا۔ یعنی یہ مہاجرین وانصار ایک دوسرے کے وارث ہیں کہ مہاجر اپنے بھائی انصاری اور انصاری اپنے بھائی مہاجر کا وارث ہے۔ جس کو حضور انور ﷺ نے بھائی بنا دیا تھا اس بنا پر یہ آیت میراث کی آیت سے منسوخ ہے۔ امام اصم نے فرمایا کہ یہاں اولیاء بمعنی وارث نہیں بلکہ معنی مدد ہے اور آیت محکم ہے۔ معنی یہ ہیں کہ مہاجرین وانصار بعض بعض کے یار و مددگار ہیں لیکن یہ معنی اگلے مضمون کے خلاف ہیں۔ دیکھو آگے ولایت کی نفی ہے۔ مالکم من ولایتھم من شی اور نصرت و مدد کا ثبوت ہے۔ فعلیکم النصر جس سے پتہ لگا کہ یہاں ولایت بمعنی مدد نہیں بمعنی وراثت ہے (روح المعانی) والذین امنوا ولم یھاجروا یہ تصویر کا دوسرا رخ اس میں ان حضرات کا ذکر ہے جو مکہ معظمہ میں ایمان تو قبول کر چکے مگر مجبوراً یا بلا مجبوری وہاں ہی رہے۔ وہاں سے مدینہ منورہ کو ہجرت نہ کی گویا ان میں میراث کی ایک شرط نہ پائی گئی یعنی ہجرت۔ ان کا کوئی رشتہ دار مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آ گیا یہ یہاں وفات پا گیا تو مالھم من ولایتھم من شی حتی یھاجروا یہ عبارت والذین امنوا کی خبر ہے لھم کا مرجع۔ وہ غیر مہاجر مومن ہیں۔ یہاں ولایت سے مراد یقیناً میراث ہی ہے نہ کہ نصرت و مدد یا محبت من شی میں من بعضیت کا ہے۔ حتی اس نفی کی انتہا بیان کرنے کے لئے ہے یعنی غیر مہاجرین مومن کو اپنے مہاجر قرابت کی میراث قطعاً نہیں ملے گی۔ تاوقتیکہ وہ خود ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہ پہنچ جائے۔ یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اب مسلمان اپنے مسلمان قرابت دار کا وارث ہوگا۔ خواہ کسی ملک میں ہو بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو جیسے قتل یا غلام ہونا۔ دیکھو ہماری کتاب علم میراث۔ قوی یہ ہے کہ ولایت واؤ کے کسرہ سے ہے ولایت واؤ کے فتحہ سے بادشاہ کا رعایا پر حکومت۔ اسی سے ہے والی جیسے امارۃ سے امیر ایسے ہی ولایت سے والی (روح المعانی) اس فرمان سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید مہاجر مومن کا غیر مہاجر مومن سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ غیر مہاجر جیسی مصیبت میں ہوں مہاجر ان سے بے تعلق رہیں۔ اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ و ان استنصروا کم فی الدین فعلیکم النصر یعنی اگر غیر مہاجر مسلمان کفار سے لڑ پڑیں یا کفار ان پر ظلم کریں اور وہ تم سے مدد مانگیں ان کافروں کے مقابلہ میں تو اے مہاجرو تم پر لازم ہے کہ ان کی مدد کفار کے مقابلہ میں ضرور کرو۔ کفار کی قید کا خیال رہے اگر غیر مہاجر مومنین آپس میں ہی لڑ پڑیں تو تم کسی کی مدد نہ کرو بلکہ ان میں صلح کرا دو۔ یوں ہی الا علی قوم بینکم و بینھم میثاق یعنی اگر غیر مہاجرین مومنین کسی ایسی کافر قوم سے لڑیں جن سے تمہارا معاہدہ ہے کہ تم ان کے مقابل ان کے دشمن کی مدد نہ کرو گے تو اب تم ان غیر مہاجرین کی مدد نہ کرو کہ اس میں بد عہدی ہے بلکہ اس صورت میں ان میں صلح کی کوشش کرو۔

واللہ بما تعملون بصیر ان تمام احکام پر عمل کرو۔ ہم تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں۔ ہماری قائم کردہ حدود نہ توڑو۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں مومنوں کی تین جماعتوں کا ذکر ہوا۔ مہاجرین، انصار، غیر مہاجر مومنین۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور اپنے مالوں جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ دوسری جماعت وہ جنہوں نے ان مہاجرین کو اپنے ہاں جگہ دی انہیں اپنا دائمی مہمان بنایا۔ ان کی ہجرت اور جہادوں میں ان کی ہر طرح مدد کی یعنی مدینہ منورہ کے دو قبیلے اوس اور خزرج جن کا نام انصار ہوا یعنی اللہ رسول دین اور مہاجرین کے مددگار۔ یہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی وارث ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مہاجر کو جس انصاری کا بھائی بنا دیا وہ ہی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو گئے۔ اگرچہ ان کی آپس میں نسبتی رشتہ داری نہیں ہے۔ وہ لوگ جو مکہ معظمہ میں ایمان تو لائے مگر عذر سے یا بے عذر مدینہ منورہ ہجرت کر کے نہ آئے انہیں اپنے رشتہ دار مہاجر کی میراث سے کچھ بھی نہ ملے گا کیونکہ اب میراث کی شرط ہجرت ہے۔ اے مسلمانو! ہمارے اس حکم سے یہ نہ سمجھ لینا کہ مہاجر مومنوں کا غیر مہاجر مومنین سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ تعلق ضرور ہے۔ تعلق ایمان۔ لہٰذا اگر غیر مہاجرین مومنین کسی کافر قوم سے لڑیں اور تم سے ان کے مقابلہ میں مدد مانگیں تو ضرور ان کی مدد کرو۔ ہاں اگر وہ ایسی کافر قوم سے لڑیں جن کا تم سے معاہدہ ہے کہ تم ان کے دشمنوں کو مدد نہ دو گے تو تم غیر مہاجر مومنین کی ان کفار کے مقابل مدد نہ کرو۔ یہ وعدہ خلافی اور بدعہدی ہے۔ ہمارے ان سارے احکام پر عمل کرو۔ یقین رکھو کہ ہم تمہارے سارے کام کو دیکھ رہے ہیں۔ تم کو نیک و بد اعمال کی سزا و جزا دیں گے۔ ہماری حدود قائم رکھو۔ یہ آیت منسوخ ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مہاجرین اور انصار دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقبول بندے ہیں مگر مہاجرین انصار سے افضل ہیں۔ چند وجہ سے (۱) مہاجرین انصار سے پہلے ایمان لائے اور حضور انور ﷺ کی خدمت انہیں پہلے نصیب ہوئی۔ (۲) مہاجرین نے برسوں تک کفار مکہ کے ہاتھوں اسلام کی خاطر مصیبتیں جھیلیں یہ بات انصار کو میسر نہیں۔ (۳) مہاجرین نے اسلام کی خاطر وطن چھوڑا ترک وطن بڑی قربانی ہے یہ وصف انصار کو میسر نہ ہوا۔ (۴) قبول دین قبول شریعت مہاجرین کو پہلے میسر ہوا۔ انصار کو بعد میں لہٰذا مہاجرین پیشوا ہیں اور انصار مقتدی (تفسیر کبیر) (۵) خلفائے راشدین خصوصا حضرت صدیق و فاروق مہاجرین میں ہیں انصار میں نہیں (۶) سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جماعت مہاجرین میں سے ہیں۔ جیسے حضور ﷺ کی ذات سے عرب کو عجم پر انسان کو غیر انسان پر شرف حاصل ہوا یونہی حضور ﷺ کی برکت سے مہاجرین کو انصار پر شرف ہے۔ فائدہ۔ یہ فائدہ اس کی ترتیب ذکری سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے انصار سے پہلے مہاجرین کا ذکر فرمایا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

دوسرا فائدہ: دین و دنیا کے کاموں میں اللہ والوں کی مدد لینا انہیں مددگار یا انصار کہنا شرک و کفر نہیں بلکہ جائز سنت صحابہ بلکہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ بندوں کی پناہ لینا توحید کے خلاف نہیں یہ فائدہ اوو نصروا سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا کہ

انصار نے پناہ دی اور مدد کی اس وجہ سے ان کا نام انصار ہوا یعنی مددگار۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مددگاروں کو نصاریٰ کہا گیا۔ جب انصار مہاجرین کو پناہ دے سکتے ہیں تو حضور انور ﷺ سارے عالم کی پناہ ہو سکتے ہیں۔ شعر

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان کی — پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گئے

تیسرا فائدہ: قرآن میں ولی بہت معنی میں استعمال ہوا ہے۔ دوست، مددگار، نائب، خلیفہ اور وارث۔ یہ فائدہ **بعضهم اولیاء بعض** سے حاصل ہوا کہ یہاں اولیاء بمعنی ورثاء ہے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کا مالک شریعت کا مالک مسلمانوں کے دین و دنیا کا مالک، زندگی اور موت کے بعد کے احکام کا مالک بنایا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان رب کا قانون ہے۔ دیکھو حضور ﷺ نے اجنبی مہاجرین و انصار کو ایک دوسرے کا وارث بنا دیا اور ان کے سگے باپ بیٹے کو محروم کر دیا تو وہ ہی قانون بن گیا۔ اس آیت نے حضور ﷺ کے اس فرمان کی تصدیق فرمادی کہ فرمایا **مالکم من ولایتهم من شیء** یہ ہے حضور ﷺ کی سلطنت پھر جب فتح مکہ کے موقع پر یہ قانون منسوخ فرمادیا تو قیامت تک میراث نسبی رشتہ سے ملے گی۔ اب ہجرت کی شرط نہ رہی۔

پانچواں فائدہ: کسی ملک کے مسلمان جب کفار سے جنگ کریں اور دوسرے ملک کے مسلمانوں سے مدد مانگیں تو ان پر بقدر طاقت مدد دینا لازم ہے کہ تمام جہان کے مسلمان چند قالب اور یک جان ہے۔ جان نے بدن کے سارے اعضاء کو ایک کر دیا۔ آقائے دو جہاں نے سارے جہان کے مسلمانوں کو ایک کر دیا۔ یہ فائدہ **فعلیکم النصر** سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: مسلمان پر وعدہ معاہدہ کی پابندی بہت ہی ضروری ہے۔ اگرچہ کافر و مشرک سے وعدہ کیا ہو۔ یہ فائدہ **الا علی قوم بینکم و بینهم میثاق** سے حاصل ہوا جس میں فرمایا گیا کہ اگر مسلمان ایسی قوم کے مقابل تم سے مدد مانگیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو تو تم مدد نہ کرو کہ اس میں وعدہ خلافی ہے۔

ساتواں فائدہ: ایمان ساری عبادات سے پہلے ہے۔ بغیر ایمان کوئی عبادت نہ درست ہو نہ قبول۔ یہ فائدہ **امنوا و هاجروا و جاهدوا** کی ترتیب سے حاصل ہوا کہ ایمان کو ہجرت و جہاد وغیرہ سب پر مقدم فرمایا۔

آٹھواں فائدہ: جہاد مال سے بھی ہوتا ہے اور جان سے بھی پھر ہر قسم کے مال سے جہاد ہوتا ہے۔ پیسہ روٹی کپڑا ہتھیار گھوڑا وغیرہ یہ فائدہ **جاهدوا باموالهم و انفسهم** سے حاصل ہوا۔ اور اگر مال و جان دونوں سے جہاد ہو تو سبحان اللہ اس کا بڑا ہی درجہ ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مہاجر اور انصاری میں میراث اس شرط سے تھی کہ وہ مہاجر مال و جان کا مجاہد بھی ہوتا گویا شرط میراث تین تھیں۔ ایمان، ہجرت، مالی و جانی جہاد۔ مگر تم نے کہا صرف ہجرت میراث کی شرط تھی۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ہجرت شرط میراث تھی جہاد کا ذکر ان کی بزرگی بیان کرنے کے لئے گویا ہجرت شرط احترازی ہے۔ جہاد شرط اتفاقی۔ یہ حدیث سے معلوم ہوا۔

دوسرا اعتراض: یہاں اولیاء بمعنی وارث نہیں بلکہ مددگار ہے اور آیت محکم ہے منسوخ نہیں بلاوجہ آیت کو منسوخ ماننا ٹھیک نہیں۔

نوٹ: یہ بات امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمائی۔

جواب: قوی یہ ہے کہ یہاں ولایت بمعنی مدد نہیں کیونکہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا مددگار ہے۔ پھر صرف مہاجرین و انصار کی قید کیوں لگائی گئی۔ نیز اس آیت میں غیر مہاجر مومنین کے لئے ولایت کی نفی کی گئی اور مدد و نصرت کا حکم دیا گیا کہ ارشاد ہوا مالکم من ولایتهم من شی پھر فرمایا فعلیکم النصر جس سے معلوم ہوا کہ ولایت بمعنی وراثت ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں فی الدین کی قید کیوں لگائی گئی کہ اگر غیر مہاجر مومن دین میں تم سے مدد مانگیں مسلمان بھائی کی مدد بہرحال کرنی چاہئے۔

جواب: اس لئے کہ اگر مسلمان مسلمانوں ہی سے کسی دنیاوی وجہ سے لڑ پڑیں تو ان کی مدد نہ کی جاوے بلکہ صلح کی کوشش کی جاوے۔

تفسیر صوفیانہ: ایک وقت خاص میں جو مومن ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجاتا تھا وہ مدینہ کے انصار کے مال کا وارث ہو جاتا تھا یہ حکم پھر ختم ہو گیا مگر سلطان عشق کا یہ قانون تاقیامت جاری ہے کہ جو مومن وطن نفس سے ہجرت کر کے مدینہ والے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر جاوے جو سارے عالم کے دائمی پناہ اور سب کے ناصر و مددگار ہیں تو انشاء اللہ ان کے کمال کی میراث پائے گا۔ شعر

خلق کے دادرس کل کے فریادرس　　　　کہف روز مصیبت پہ لاکھوں سلام

اگر رسول کی میراث چاہتے ہو تو ہجرت الی الرسول کرو۔ اگر اس ہجرت سے محروم رہے تو اگرچہ روحانی مدد تو وہاں سے پہنچتی ہی رہے گی مگر وراثت رسول میسر نہ ہو گی۔ کعبۃ اللہ اللہ کا گھر ہے۔ رسول اللہ اللہ کے حبیب۔ خالی گھر سے بھیک نہیں ملتی گھر والے سے بھیک ملتی ہے۔ اس لئے کعبہ کے مومنوں کو اس وقت حکم دیا گیا تھا کہ اگر فیضان کی بھیک چاہتے ہو تو کعبہ جسم سے ہجرت کر کے کعبہ دل کے مدینہ میں جا بسو۔ شعر

مہاجر چھوڑ کر کعبہ بسے جا کر مدینہ میں　　　　مدینہ ایسی بستی ہے مدینہ ایسی بستی ہے

میراث چند طرح کی ہے۔ میراث مالی جو نسبی رشتہ سے ملتی ہے۔ میراث کمالی جو نسبی رشتہ سے ملتی ہے۔ میراث حالی جو ہجرت الی الرسول سے نصیب ہوتی ہے کہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر اپنی خودی سے منہ موڑ کر خود اپنے سے بیگانہ ہو کر واصل الی الرسول ہو کر واصل باللہ ہو جاوے۔ جب معمولی آم یا بیری کسی اعلیٰ آم یا بیری سے وابستہ ہو جاتا ہے تو اس کے آم قلمی اور بیر پیوندی ہو کر عجیب شے بن جاتے ہیں۔ یہ ہے ہجرت کا لطف جو مومن وابستہ دامان مصطفیٰ ہو جاوے نہ معلوم وہ کیا کیا پائے گا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا بعض ان کے وارث ہیں بعض کے اگر نہ کرو گے تم یہ تو ہوگا

اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ

فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا

بڑا فتنہ زمین میں اور فساد بڑا اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت

اور بڑا فساد ہوگا اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں

وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ

کی انہوں نے اور جہاد کیا راستہ میں اللہ کی اور وہ کہ پناہ دی انہوں نے اور مدد

نے جگہ دی اور مدد کی وہ ہی سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے

الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

کی یہی لوگ مومن ہیں سچے ان کے لئے ان کے بخشش ہے اور روزی کرم والی

بخشش ہے اور عزت کی روزی

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں نمبروار تین خوش نصیب جماعتوں کا ذکر ہوا۔ (۱) جو مومن بھی ہیں اور مہاجر بھی، یہ اول درجہ کے لوگ ہیں۔ (۲) جو مومن بھی ہیں اور انصار بھی یہ دوسرے درجہ کے لوگ ہیں۔ (۳) جو صرف مومن ہیں نہ مہاجر نہ انصار ی یہ تیسرے درجہ کے لوگ ہیں۔ اب ان بدنصیبوں کا ذکر ہے جو کسی درجہ کے نہیں یعنی کفار جن کے پاس اصل ایمان ہی نہیں غرضکہ مومنین کی جماعتوں کے بعد کفار کا ذکر ہے گویا روشنی کے بعد اندھیرے کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں حکم یہ تھا کہ اگر مسلمان کفار سے جنگ کریں تو تم مسلمانوں کی مدد کرو۔ اب اس پر عمل نہ کرنے کے برے نتیجہ کا ذکر ہے کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو بڑا فتنہ ہوگا۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مومن مہاجرین اور انصار کے احکام ارشاد ہوئے تھے۔ اب ان دونوں کے فضائل و مراتب ارشاد ہو رہے ہیں۔ هم المومنون حقا (الخ) گویا مسائل کے بعد فضائل کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: والذين كفروا بعضهم اولياء بعض یہ جملہ نیا ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے الذین کفروا سے مراد یا تو مسلمانوں کے کافر رشتہ دار ہیں جیسے باپ مسلمان ہو اس کے بیٹے کافر اور کفر سے مراد ہر قسم کا کفر ہے۔ عیسائیت ہو یا یہودیت یا بت پرستی بعضهم دوسرا مبتداء ہے اور اولیاء بعض اس کی خبر اولیاء جمع ہے ولی کی بمعنی دوست۔ مددگار اور وارث۔

سیدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ بمعنی وارث ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانوں تمہارے نسبتی خویش واقارب خواہ تم سے کتنا ہی قریبی رشتہ رکھتے ہوں نہ تمہارے وارث ہیں نہ تم ان کے وارث بلکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ مثلاً باپ مسلمان ہو اس کے بیٹے بیٹی کافر ہوں تو باپ ان کا وارث نہیں وہ باپ کے وارث نہیں۔ ہاں وہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بہن ہونے کی وجہ سے وارث ہیں لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں کہ کفار مختلف دین رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے وارث ہوں۔ عیسائی یہودی یا بت پرست کا وارث نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں الذین کفروا والے سارے کفار مراد ہیں۔ خواہ کسی ملت کے ہوں اور اولیاء بمعنی دوست و مددگار ہے یعنی سارے کافر مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے دوست و مددگار ہیں۔ دیکھو مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ **الا تفعلوه تکن فتنة فی الارض وفساد کبیره** یہ جملہ نیا ہے اور شرطیہ ہے۔ الا اصل میں ان لا تھا ان حروف شرط اور **لا تفعلوه** شرط اور تکن فتنة (الخ) اس کی جزاء ہ سے مراد سارے مذکورہ بالا احکام فتنہ سے مراد ہے۔ مسلمانوں کا کفار سے خلط ملط ہو جانا اور فساد کبیر سے مراد کشت وخون یعنی اے مسلمانوں اگر تم مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے مل جل کر نہ رہے اور تم نے دوسرے ملک کے مسلمانوں کی کفار کے مقابلہ میں مدد نہ کی انہیں پٹتا دیکھ کر خاموش تماشائی بنے رہے تو بہت سے ضعیف مسلمان کفار سے مل جائیں گے۔ تم کمزور ہو جاؤ گے۔ کفار کے حوصلے بڑھ جائیں گے جس سے مسلمانوں کا جینا مشکل ہو جاوے گا۔ **والذین امنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبیل الله** ان کی کلمات کی تفصیل اور ترتیب ابھی پچھلی آیت میں عرض کی جا چکی ہے کہ ایمان ساری عبادات پر مقدم ہے اور ہجرت جہاد پر مقدم کیونکہ مسلمان کفار کے ملک میں رہ کر جہاد نہیں کر سکتے۔ اس لئے ترتیب میں پہلے ایمان کا ذکر ہوا پھر ہجرت کا پھر جہاد فی سبیل اللہ کا۔ جہاد میں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس دونوں شامل ہیں۔ مجاہدین کا پہلے ذکر ہوا انصار کا بعد میں کیونکہ وہ انصار سے افضل ہیں یہ فرمان عالی بلاوجہ مکرر نہیں بلکہ یہاں ان کا ذکر ان کے فضائل بیان کرنے کے لئے ہے۔ **والذین اووا ونصروا** اس میں دوسری جماعت یعنی انصار کا ذکر ہے۔ ان کی دو خدمتوں کا ذکر ہے۔ مہاجرین کو اپنے گھروں میں پناہ دینا اور ان کی ہر طرح مدد کرنا۔ چونکہ مدد بعد میں ہوتی ہے پناہ پہلے اس لئے پناہ کا ذکر پہلے مدد کا ذکر بعد میں۔ مدد میں ہر طرح کی مدد داخل ہے۔ مالی ہو یا جانی۔ **اولئک هم المومنون حقا** یہ عبارت خبر ہے دونوں والذین کی یعنی سارے مہاجرین و انصار ہی سچے پکے مومن ہیں۔ خیال رہے کہ یہ حصر یا تو اضافی ہے غیر مہاجر مومنین کے مقابلہ میں تو المومنون سے مراد بہت اونچی شان والے مومن ہیں یعنی یہ دونوں جماعتیں غیر مہاجر مومنوں سے زیادہ شاندار مومن ہیں۔ یا حصر حقیقی ہے۔ سارے مومنوں کے مقابلہ میں یعنی تاقیامت سارے مومنوں سے زیادہ شاندار یہ ہی دو جماعتیں۔ کوئی کسی درجے میں مل پہنچ کر ان کا درجہ نہیں پا سکتا۔ حقا سے مراد یا تو اخلاص ہے یا پختگی یا ایمان مع تقویٰ یا دین پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ یعنی یہ دو جماعتیں مخلص مومن ہیں۔ یا اعلیٰ درجہ کے متقی مومن یا دین و دنیا میں مومن جن کے پھسلنے کا اندیشہ نہیں۔ غرضکہ رب تعالیٰ نے ان کے ایمان تقوے اخلاص کی گارنٹی دے دی۔ **لهم مغفرة ورزق کریم** اس فرمان عالی میں ان دو بزرگوں کی دو اخروی نعمتوں کا ذکر ہے۔ ایک مغفرة دوسری عزت والی وسیع

روزی۔ مغفرت کی تنوین تعظیمی ہے یعنی ان کے لئے شاندار بخشش ہے جس سے کوئی خطا گناہ باقی نہ رہے۔ ظاہر یہ ہے کہ رزق سے جنت کا رزق مراد ہے کریم سے مراد عزت والا یا بے ضرر اور وسیع روزی جس کا حساب و کتاب کوئی نہ ہو (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ رزق سے مراد دنیاوی روزی ہو اور کریم سے مراد ہے جو بغیر کسی کے احسان اور بغیر محتاجی کے عطا ہو۔ حلال ہو۔ اس کے بعد نیک اعمال کی توفیق میسر ہو۔ رب تعالیٰ نے یہ نعمتیں حضرت صحابہ کرام کو عطا فرمائیں کہ اولاً وہ حضرات عموماً غریب تھے پھر رب نے انہیں مالدار کر دیا۔ پاکیزہ روزی سے کہ انہیں جہادوں میں مال غنیمت بھی بخشا۔ ملک بھی فتح کرائے دنیا میں بھی انہیں سرفرازی بخشی۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ (۱) حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر۔ اے مسلمانو تمہارے عزیز و اقارب جو ایمان نہیں لائے کافر ہے نہ وہ تمہارے وارث نہ تم ان کے وارث بلکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کافر کے وارث ہیں۔ (۲) دوسرے مفسرین کی تفسیر اے مسلمانو تم نے آزما لیا کہ کفار خواہ کتنے ہی آپس میں اختلافات رکھتے ہوں مگر تمہارے مقابلے میں ایک دوسرے کے دوست مددگار معاون ہیں دیکھو مشرکین عرب اور یہودی عیسائی آپس میں بہت مختلف ہیں مگر تمہارے مقابلہ میں غزوہ احزاب وغیرہ کے موقعہ پر سب ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ ہم نے جو احکام دیئے ان سب پر سختی سے عمل کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا کفار کو اپنا دوست بنایا یا ان کے ساتھ خلط ملط رہے یا آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے بھڑتے رہے تو زمین میں بڑا فتنہ پھیلے گا۔ ضعفاء مومنین کفار سے مل جائیں گے یا ان کے دلوں میں کفار کا رعب بیٹھ جائے گا۔ جس سے کفار کی ہمتیں بڑھ جائیں گی اور وہ مسلمانوں کو تباہ کر ڈالیں گے۔ تم نے مہاجرین و انصار کے احکام تو سن لئے اب ان کے فضائل سنو۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور ساتھ ہی مکہ چھوڑا۔ مدینہ کے مہاجر بنے اپنی جان و مال سے جہاد کئے فی سبیل اللہ اور وہ انصار مدینہ ضعیفوں نے ان مہاجروں کو اپنے شہر مدینہ اپنے گھروں میں پناہ دی انہیں آباد کیا بسایا۔ ان کی ہر طرح مدد کی یہ دونوں جماعتیں کامل اور پختہ مومن ہیں کہ مومن جئیں گے مومن مریں گے اور مومن اٹھیں گے۔ ان کی کامل بخشش ہے جس سے ان کا کوئی گناہ باقی نہ رہے اور انہیں دنیا میں برزخ میں آخرت میں عزت کی طیب و طاہر روزی عطا ہوتی رہے گی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مومن کافر کا اور کافر مومن کا وارث نہیں اگرچہ کتنا ہی عزیز و قریبی رشتہ دار ہو۔ یہ فائدہ اولیاء کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد موارث ہو دیکھو ابو طالب کی میراث حضرت علی و عقیل کو نہ ملی۔

دوسرا فائدہ: سارے کافر مسلمانوں کے مقابل ایک ہیں۔ الکفر ملة واحدة یہ فائدہ اولیاء کی دوسری تفسیر سے ہے جبکہ اس کے معنی ہوں دوست یا مددگار۔

تیسرا فائدہ: مسلمانوں کے آپس کے اختلاف یا کفار دوستی بڑے فتنہ و فساد کا سبب ہے یہ فائدہ تکن فتنة فی الارض (الخ) سے حاصل ہوا اس کا تجربہ آج ہو رہا ہے۔ خصوصاً فلسطین میں کہ یہود سر پر سوار ہیں اور حکومت اور فدائی آپس میں لڑ

رہے ہیں تیس ہزار ہلاک وزخمی ہو چکے ہیں رب تعالیٰ مسلمانوں کو ہوش دے اس آیت پر عمل کی توفیق بخشے۔

چوتھا فائدہ: بندوں کی مدد برحق ہے شرک نہیں۔ نیز مصیبت میں بندوں کی پناہ لینا کسی کی پناہ میں آ جانا سنت صحابہ ہے یہ فائدہ اٰوَوا وَنَصَرُوا فرمانے سے حاصل ہوا کہ مہاجرین مکہ انصار مدینہ کی پناہ میں آئے اور ان سے مدد لی لہٰذا آج اگر ہم گنہگار اپنے رسول کی پناہ لیں اور ان سے مدد مانگیں تو بالکل جائز بلکہ سنت ہے۔ مولانا جامی کہتے ہیں: شعر

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام ہمچو کاہے آدم کوہ گناہ آوردہ ام

پانچواں فائدہ: سارے مہاجرین سارے انصار مخلص مومن ہیں ان کے ایمان کی گواہی رب تعالیٰ نے دی یہ فائدہ اولئک ہم المومنون سے حاصل ہوا جو انہیں منافق کہے وہ خود منافق مرتد اس آیت کا انکاری ہے رب تعالیٰ نے یہاں ان کے ایمان کی گواہی دی۔ دوسری جگہ ان کے تقویٰ کا اعلان فرما دیا۔ والزمہم کلمۃ التقوی اور جگہ انہیں دین وایمان کا معیار فرمایا کہ جو ان کا سا ایمان لائے گا مومن ہوگا۔ فان امنوا بمثل ما امنتم فقد اھتدوا ایک جگہ فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہو چکا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اس کے متعلق پوری تفصیل ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔

چھٹا فائدہ: سارے مہاجرین اور انصار ایمان پر قائم ہیں ان کے ایمان سے پھر جانے کا خطرہ نہیں وہ دنیا و آخرت میں مومن ہیں یہ فائدہ حقا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ حقاً بمعنی ثابتاً ہو رب فرماتا ہے اولئک کتب فی قلوبہم الایمان اللہ نے ان لوگوں کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا۔

ساتواں فائدہ: سارے صحابہ خواہ مہاجر ہوں یا انصار سب ہی عادل متقی اور پرہیزگار ہیں ان میں سے کسی سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو وہ اس پر قائم نہیں رہتے انہیں توبہ نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ لہم مغفرۃ سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: صحابہ سارے برحق عادل متقی معیار ایمان ہیں مگر پھر ان کے درجے مختلف ہیں بعض اعلیٰ بعض بہت ہی اعلیٰ یہ فائدہ اس مذکورہ ترتیب سے حاصل ہوا کہ رب نے پہلے مہاجرین غازین کا ذکر فرمایا پھر انصار کا رب فرماتا ہے۔ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔

پہلا اعتراض: اگر پہلی آیت میں اولیا بمعنی وارثین ہے تو چاہئے کہ سارے کافر ایک دوسرے کے وارث ہوں مشرکین مجوسیوں عیسائیوں یہودیوں اور اس کے برعکس کیونکہ والذین کفروا میں کوئی قید نہیں مگر مسئلہ فقہی یہ ہے کہ مختلف دینوں والے کفار ایک دوسرے کے وارث نہیں۔

جواب: اس کا جواب اشارتاً ابھی تفسیر میں دے دیا گیا کہ یہاں مہاجرین مکہ کے وہ رشتہ دار مراد ہیں جو کافر رہے نہ تو ایمان لائے نہ انہوں نے ہجرت کی اور مطلب یہ ہے کہ اے مہاجر مسلمانو! نہ تو تم اپنے کافر رشتہ داروں کے وارث ہو نہ وہ تمہارے بلکہ وہ خود ایک دوسرے کے وارث ہیں وہ سارے مشرک تھے لہٰذا ایک دوسرے کے وارث تھے۔ روش کلام یہ ہی بتا رہی ہے۔

دوسرا اعتراض: اگر اس آیت بعضہم اولیاء بعض میں اولیا بمعنی دوست مددگار ہو اور معنی یہ ہوں کہ سارے کفار بعض کے

دوست مددگار ہیں تو یہ آیت اس آیت کے خلاف ہے۔ **والقینا بینھم العداوۃ و البغضاء**

جواب: یہاں مسلمانوں کے مقابل ان کی دوستی مراد ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیت میں ان کی آپس کی واقعی دشمنی مراد ہے یعنی وہ لوگ ہیں تو ایک دوسرے کے دشمن مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں سب مل جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو کسی پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

تیسرا اعتراض: یہاں دوسری آیت میں ارشاد ہوا **اولٰئک ھم المومنون حقا** یہی لوگ سچے مومن ہیں تو کیا دوسرے صحابہ یعنی غیر مہاجر مومنین جیسے ابن عباس یا امیر معاویہ ابوسفیان یا فتح مکہ کے دن ایمان لانے والے سچے مومن نہیں نیز تاقیامت کوئی سچا مومن نہیں۔ صرف وہی سچے مومن ہیں حصر کے معنی درست کیسے ہوئے۔

جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ حصر لقا کے لحاظ سے ہی ہے یعنی پکا مومن ہونا مومن رہنا مومن مرنا مومن اٹھنا یقینی صرف ان کے لئے ہے کہ ان سے ان تمام صفات کا وعدہ ہو چکا ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو اللہ سے اپنی استقامت اور حسن خاتمہ کی دعائیں کریں لہٰذا حصر حقیقی ہے۔ دوسرے یہ کہ حصر اضافی ہے منافقین کے مقابلہ میں جو ان حضرات پر طعن کرتے تھے اور کرتے ہیں کہ وہ سچے مومن نہیں یعنی اے منافقو یہی سچے مومن ہیں نہ کہ تم جو ان حضرات پر طعن کرتے ہو۔ تیسرے یہ کہ یہ حصر معیار ہونے کے لحاظ سے یعنی سچے مومن یہ ہی ہیں پھر جو ان کے نقش قدم پر تاقیامت چلے تو وہ بھی ان کے صدقے سے سچا مومن ہوگا چوتھے یہ کہ یہاں حصر منقلب ہے۔ معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ سچے پکے مومن ہیں ان میں کفر وفسق گناہ کا شائبہ بھی نہیں جیسے انما انا بشر کے معنی ہیں۔ بشر ہی ہوں خدا نہیں۔

چوتھا اعتراض: اگر حضرات صحابہ مہاجرین و انصار سارے ہی مومن عادل ہیں تو لھم مغفرۃ کے کیا معنی بخشش معافی تو گناہوں کی ہوتی ہے۔

جواب: ہم سارے صحابہ کو معصوم نہیں مانتے انہیں عادل مانتے ہیں کہ وہ حضرات گناہ پر قائم نہیں رہتے توبہ کر لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ان کی بخشش کر دیتا ہے۔ نیز بخشش کی بہت سی قسمیں ہیں۔ کفر و شرک کی بخشش جو اسلام قبول کرنے سے ہوتی ہے گناہ کبیرہ کی بخشش جو توبہ سے ہوتی ہے گناہ صغیرہ کی بخشش جو نیک اعمال کی برکت سے ہوتی ہے۔ خطاؤں غلطیوں لغزش سے بخشش۔ آخری قسم کی دو بخششیں حضرات صحابہ بلکہ حضرات انبیاء کرام کو عطا ہوئی ہوں۔ شعر

زاہداں از گناہ توبہ کنند عارفاں از گناہ استغفار

پانچواں اعتراض: لھم مغفرت میں حصر کے معنی ہیں یعنی ان ہی کو بخشش ہے تو کیا دوسروں کو بخشش نہیں۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی پچھلے اعتراض کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ ان کی شان کے لائق بخشش واقعی صرف انہیں کے لئے ہے اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ کبیرہ و صغیرہ معاف فرمائے تو ہماری قسمت کھل جائے۔

تفسیر صوفیانہ: کفر بدکاری یوں ہی ایمان و تقویٰ ان میں جوڑنے کی تاثیر بھی ہے اور توڑنے کی بھی۔ گویا قینچی بھی اور سوئی بھی۔ کفر کافر کو سارے کفار سے جوڑ دیتا ہے اور سارے مومنوں سے توڑ دیتا ہے۔ یوں ہی ایمان مومن کو سارے

مومنوں سے جوڑ دیتا ہے اور سارے کافروں سے توڑ دیتا ہے۔ تقویٰ کا بھی یہ ہی حال ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

ناریاں مر ناریاں را طالب اند   نوریا مر نوریاں را جاذب اند

یہاں پچھلی آیت میں کفر کے جوڑ توڑ کا ذکر ہے۔ دوسری آیت میں ایمان تقویٰ کے جوڑ توڑ کا تذکرہ سارے کافر بعضھم اولیاء بعض اور مہاجرین و انصار اگرچہ رشتہ جسمانی وطن میں الگ تھے مگر رشتہ ایمان و تقویٰ کی وجہ سے ھم المومنون حقا کے خطاب سے نوازے گئے۔ اگر اچھوں سے ملنا ہے تو ایمان و تقویٰ اختیار کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مغفرت کے لغوی معنی ہیں چھپانا۔ گنہگار کی مغفرت یہ ہے کہ اس کے گناہ چھپالئے جاویں۔ محبوبوں کی مغفرت یہ ہے کہ رب کی رحمت میں چھپالئے جاویں کہ انہیں کوئی نہ پہچانے مگر صاحب راز ولی کو ولی پہچانتا ہے۔ رزق کریم دنیا میں تو یہ ہے کہ حلال راستہ سے آئے حلال مقصد کے لئے کھایا جائے اور پیٹ میں پہنچ کر گناہوں سے نفرت عبادات کی رغبت پیدا کرے اور آخرت کا رزق کریمہ ہے جو جنت میں ملے گا۔ جو پیٹ میں پہنچ کر مشک کی طرح جسم سے نکل جاوے۔ ہوا یا نجاست نہ بنے۔ رزق سب کو ہی ملتا ہے مگر رزق کریم کسی کسی کو۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ
اور وہ لوگ جو ایمان لائے بعد میں اور ہجرت کی انہوں نے اور جہاد کیا ساتھ تمہارے پس یہ لوگ
اور جو بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا وہ بھی تم ہی میں سے ہیں۔ اور رشتہ والے
وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ
تم میں سے ہیں اور قرابت والے بعض ان کے زیادہ قرب والے ہیں بعض سے اللہ کی
ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں
اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾ ع الربع
کتاب میں تحقیق اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے
بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں مہاجرین اولین اور انصار کے فضائل بیان ہوئے۔ اب اس آیت میں ان مہاجرین کے فضائل کا ذکر ہے جنہوں نے ہجرت ثانیہ یعنی صلح حدیبیہ کے بعد مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی گویا ان اول مہاجرین کے بعد دوم نمبر مہاجرین کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: گذشتہ آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اے مہاجرین مدینہ غیر مہاجر مومنین سے تم کو رشتہ میراث والا حاصل

نہیں۔ مالکم من ولایتهم من شیء اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر وہ لوگ اب بھی ہجرت کرلیں تو تمہارا تعلق ان سے قائم ہو جاوے گا۔ گویا اس آیت میں اس پچھلی آیت کے حکم کی انتہا کا بیان ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ میراث کی بنا ایمان اور ہجرت و نصرت پر ہے نہ کہ جسمانی رشتہ پر۔ اب اس حکم کو منسوخ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ حکم عارضی تھا۔ اب میراث کی بناء ایمان اور رشتہ جسمانی پر ہے۔ **والو الارحام بعضهم اولی ببعض** گویا عارضی حکم اٹھا کر دائمی حکم دیا جا رہا ہے۔ (حضرت ابن عباس)

تفسیر: **والذین امنوا من بعد و هاجروا** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے الذین سے مراد مکہ والے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت کے سارے عرب والے ہوں من بعد میں بعد سے مراد یا تو اس آیت کے نزول کے بعد ہے یا صلح حدیبیہ کے بعد ہے۔ اس کا تعلق ایمان سے بھی ہے اور ہجرت سے بھی اور ہجرت سے مراد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ہے خواہ مکہ معظمہ سے ہو یا حبشہ سے لہٰذا اس میں وہ ہجرت والے حضرات داخل ہیں جنہوں نے پہلے مکہ معظمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف یعنی وہ لوگ جو اس آیت کے نزول کے بعد صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے۔ اور انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی **و جاهدوا معكم** اس فرمان عالی میں ان ثانوی ہجرت والوں کی تیسری صفت کا بیان ہے جہاد سے مراد مالی جانی دونوں جہاد ہیں۔ **معكم** فرما کر یہ بتایا کہ اے اول مہاجرین تم جہاد کرتے ہی رہتے ہو اب جو تم جہاد کرو اس میں یہ ثانوی ہجرت والے تمہارے ساتھ مل کر جہاد کریں کیونکہ تمہارے ساتھ جہاد ان جہادوں سے افضل ہیں جو تمہارے بغیر ہوں تمہارے ہمراہی سے جہاد کا ثواب قبولیت قرب الٰہی بڑھ جاتا ہے۔ **فاولئک معكم** یہ عبارت گذشتہ شرط کی جزاء ہے۔ اولئک سے اشارہ انہیں ثانوی ہجرت والوں کی طرف ہے منکم سے پہلے ملحقون پوشیدہ ہے کم میں خطاب مہاجرین اولین سے ہے جن کا ذکر اوپر سے ہوتا چلا آ رہا ہے یعنی ثانوی ہجرت والے تم سے ملحق ہیں۔ دنیا و آخرت میں ان کا شمار تمہاری مقدس جماعت میں ہوگا۔ تمہاری طرح مومن صحابی، مہاجر، مجاہد مانا جائے گا اور ان ربانی وعدوں میں شامل ہوگا جو تم سے کئے گئے۔ **واولو الارحام بعضهم اولی ببعض** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ اولوا جمع ہے ذو کی بمعنی والا ارحام جمع ہے رحم کی۔ رحم عورت کی بچہ دانی کو کہتے ہیں اصطلاح میں نسبی رشتہ کو رحم کہا جاتا ہے کیونکہ یہ رشتے رحم مادر سے ہی تعلق رکھتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں چونکہ نسبی رشتہ سے میراث ملتی ہے دودھ کے رشتہ سے بالکل نہیں اور سسرالی رشتہ سے صرف خاوند بیوی کو اس لئے اولوالارحام ارشاد ہوا۔ اس میں ذی فرض عصبہ اور ذی رحم سارے وارث داخل ہیں جن کی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی ہے یہاں صرف اجمالی ذکر ہے۔ اولیٰ بمعنی اقرب ہے یا بمعنی احق یعنی ان رشتہ داروں کے بعض اپنے بعض سے زیادہ قریب ہیں یا زیادہ حقدار ہیں۔ میراث کے مقابلہ اجنبیوں اور دور کے رشتہ داروں کے لہٰذا اب مہاجر و انصار آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے بلکہ میراث کی وجہ نسبی قرابت داری ہوگی۔ یہ آیت پچھلی آیت کی ناسخ ہے۔ سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس کا یہ قول ہے فی کتب اللہ یہ عبارت احق کے متعلق ہے یا بذا ثابت پوشیدہ سے تعلق رکھتی ہے کتاب اللہ سے مراد لوح محفوظ ہے یا قرآن مجید کی سورۃ یا بمعنی حکم اللہ ہے۔ (روح

البیان) ان اللہ بکل شی علیم اس فرمانِ عالی میں گزشتہ احکام کی حکمت بیان ہوئی کہ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے اس کے ہر حکم میں حکمت ہے۔ جس وارث کو جتنا دیا حکمت سے دیا اور اب تک جو مہاجرین وانصار کو ایک دوسرے کا وارث بنایا اس میں بھی حکمت تھی اور اب یہ حکم منسوخ فرمایا اس میں بھی حکمت ہے۔ لہٰذا رب کے کسی حکم پر اعتراض نہ کرو۔

خلاصہ تفسیر: مہاجر صحابہ کے چند طبقے ہیں۔ بعض مہاجرین اولین بعض ثانوی ہجرت والے بعض حضرات صاحب ہجرتین یعنی دو ہجرتوں والے کہ پہلے انہوں نے مکہ معظمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف۔ پچھلی آیات میں مہاجرین اولین کے فضائل بیان ہوئے۔ اب ثانوی ہجرت والوں کے فضائل کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے جماعت صحابہ جو لوگ بھی تمہارے ساتھ ہجرت کے بعد یا حدیبیہ کی صلح کے بعد ایمان لائے اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت اور تمہارے ساتھ جہاد کئے وہ لوگ بھی تمہارے ساتھ ہی ملحق ہیں۔ اللہ کے نزدیک ان کا شمار تمہارے ساتھ ہی ہوگا اور اب یہ قانون جاری کیا جاتا ہے کہ آپس میں نسبی رشتہ دار ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اب تک میراث کا جو حکم تھا وہ عارضی تھا کتاب اللہ میں میراث کا دائمی حکم یہی ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس نے جو حکم دیا جان کر دیا۔ اب تک میراث کا یہ ہی حکم مناسب تھا۔ اب یہ ہی حکم مناسب ہے۔ اور اب میراث کا جتنا حصہ جس وارث کو دیا اس میں حکمت ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: سارے صحابہ اللہ کے مقبول بندے ہیں مگر ان کے مراتب میں فرق ہے۔ بڑے مرتبہ والے مہاجرین اولین ہیں پھر ثانوی دو ہجرتوں والے پھر انصار۔ اس کی وجہیں ابھی پچھلی آیت میں بیان کی گئیں۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے او لا الھجرۃ لکنت امرا من الانصار اگر ہجرت نہ ہوتی تو ہم انصار میں سے ہوتے ان مہاجرین میں سب سے اعلیٰ و افضل مہاجر حضرت ابوبکر صدیق ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی یہ فائدہ ترتیب ذکری سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: بعد ایمان کے ہجرت کا درجہ ہے اور ہجرت کے بعد جہاد کا یہ فائدہ ھاجروا کے بعد جاھدوا فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: جو عبادت اللہ کے مقبول بندوں کے ساتھ ادا کی جائے وہ اکیلے یا معمولی لوگوں کے ساتھ والی عبادات سے افضل ہے۔ یہ فائدہ جاھدوا کے ساتھ معکم فرمانے سے حاصل ہوا یعنی صحابہ کرام کے ساتھ جہاد دوسرے جہادوں سے افضل ہے۔ صحابہ علماء، اولیاء، صالحین کے ساتھ نماز دوسری نمازوں سے افضل ہے۔ اب کچھ لو کہ حضرت صدیق کی ہجرت کیسی بے مثال ہجرت ہوگی کہ حضور ﷺ کے ساتھ ہے۔

چوتھا فائدہ: مہاجرین اولین افضل ہیں ثانوی ہجرت والوں سے یہ فائدہ اولئک منکم سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے انہیں مہاجرین اولین کے ساتھ ملحق فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ملحق سے اصلی افضل و اعلیٰ ہے۔

پانچواں فائدہ: اب وراثت صرف رشتہ داری نسبی سے ہوگی۔ ہجرت سے وراثت منسوخ ہو چکی یہ فائدہ اولوا الارحام

بعضهم (الخ) سے حاصل ہوا۔
مسئلہ: جسمانی رشتے تین قسم کے ہیں۔ نسبی، رضاعی، سسرالی میراث صرف نسبی رشتوں سے ملتی ہے۔ رضاعی رشتہ سے بالکل نہیں ملتی۔ سسرالی رشتہ سے صرف خاوند بیوی کو ملتی ہے۔
چھٹا فائدہ: نسبی رشتوں میں ذی رحم قرابت داروں کو بھی میراث ملے گی صرف ذی فرض یا عصبہ تک محدود نہ ہوگی۔ ذی رحم وارث کو جب ملے گی جب کہ ذی فرض یا عصبہ کوئی نہ ہو۔ یہ فائدہ واولوا الارحام سے حاصل ہوا (حنفی) ان رشتوں کی تفصیل ہماری کتاب علم المیراث میں ملاحظہ کرو کہ ذوی الارحام جیسے ماموں، خالہ، نواسے، بھانجی وغیرہ۔
پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بعد والے مہاجرین اگلے مہاجرین یعنی مہاجرین اولین سے ملحق تب ہوں گے جب کہ ان میں تین صفات ہوں۔ ایمان، ہجرت اور ان کے ساتھ جہاد تو جن حضرات کو یہ آخری صفت نصیب نہ ہوئی کیا وہ ان سے ملحق نہ ہوں گے بعض حضرات معذوری کی وجہ سے جہاد نہ کر سکے کیا وہ ان سے ملحق نہیں۔
جواب: اس کا جواب ابھی پہلی آیت میں دیا گیا کہ جہاد کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں چونکہ جہاد (اور وہ بھی حضرات صحابہ کے ساتھ رب کی بڑی ہی نعمت ہے) اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔
دوسرا اعتراض: جہاد تو خود ہی بہت اعلیٰ عبادت ہے پھر اس میں معکم کی قید کیوں لگائی۔ کیا جہاد کے لئے صحابہ کی ہمراہی ضروری ہے۔ اگر ضروری ہے تو صحابہ کے بعد سے قیامت تک جہادوں کا کیا حال ہے۔
جواب: جہاد بذات خود اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے لیکن اگر حضرات صحابہ کرام کے ساتھ میسر ہو جاوے تو اسے اور چار چاند لگ جاتے ہیں۔ نیز ان کے ساتھ جہاد کرنا ان کی ہمراہی بلکہ ان میں داخل ہونے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ان وجوہ سے معکم کا ذکر فرمایا۔
تیسرا اعتراض: اولوالارحام میں صرف ذی فرض اور عصبہ وارث داخل ہیں ذی رحم داخل نہیں۔ اس لئے کہ یہاں ارشاد ہوا فی کتاب اللہ اور کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید کی سورہ نساء ہے وہاں صرف ذی فرض وعصبات کا ہی ذکر ہے لہذا اس سے ذوی الارحام کی وراثت ثابت نہیں ہوتی۔ (شوافع)
جواب: ذی رحم قرابت داروں کا میراث پانا صراحۃً حدیث شریف سے ثابت ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (الخال) وارث من لا وارث کہ ماموں اسکا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ سیدنا عبداللہ ابن مسعود اور بہت سے دوسرے فقہاء صحابہ کا مذہب ہے کہ ذی رحم بھی وارث ہیں ہاں ان کا درجہ ذی فرض اور عصبہ کے بعد ہے۔ یہاں کتب اللہ سے مراد لوح محفوظ ہے یا اللہ کا حکم اس مسئلہ کے دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔
تفسیر صوفیانہ: مکہ شریف اللہ تعالیٰ کا حرم ہے جس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ جانب مشرق چھ میل جانب مغرب بارہ میل جانب جنوب اٹھارہ میل جانب شمال چوبیس میل (روح البیان) ان حدود میں رہنا کعبہ معظمہ کو ایمان کے ساتھ دیکھنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا وہ حرم ہیں جس کے حدود اربعہ غیر محدود ہیں۔ برکت والا وہ ہے جس کا

جسم حرم میں مکہ میں ہے اور دل حرم رسول میں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ سے ہجرت فرمائی تو فتح مکہ سے پہلے وہاں مسلمانوں کو بلا عذر رہنا حرام ہو گیا وہاں سے نکلنا عبادت اور جلد نکلنا اعلیٰ درجے کی عبادت ہو گیا۔ چنانچہ جو مسلمان وہاں سے بہت جلد نکل کر حرم رسول میں پہلے پہنچے انہیں مہاجرین اولین کہا گیا وہ مہاجر اول درجہ کے ہوئے ان کا درجہ بہت بلند۔ جنہوں نے وہاں سے نکلنے میں دیر لگائی حرم رسول میں پیچھے پہنچے وہ دوسرے درجہ کے مہاجرین ہوئے انہیں رب تعالیٰ کی طرف سے رعایت ملی کہ اگر وہ اولین مہاجرین کے ساتھ مجاہدہ کریں تو ان سے ملحق ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ حرم مکہ سے حرم رسول یعنی قرب رسول زیادہ اہم ہے۔ مقدس جگہوں سے قرب بڑی نعمت ہے۔ ایسے صاف قلوب سے قرب اللہ کا کرم ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

مسجدے کہ اندرون اولیا است سجدہ گاہ جملہ است آنجا خدا است
آں مجاز است ایں حقیقت اے خراں نیست مسجد جز درون سرداراں

یعنی اولیاء اللہ کے دل سارے جہاں کی مسجدیں ہیں۔ خدا وہاں ہی ملتا ہے اینٹ گارے کی مسجدیں مجازی مسجدیں ہیں۔ دل والوں کے دل حقیقی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو سالک صادق ہو تو متاخرین میں سے مگر ایمان ہجرت اور جہاد علی النفس کے قدم سے اگلوں کی طرف دوڑے تو انشاء اللہ وہ متقدمین میں شمار ہوگا۔ اللہ کے ہاں شام سویرا نہیں وہاں کے واصل ایک ہی نفس کی طرح ہیں۔ وہ زمان مکان آج اور کل۔ قرب و بعد نیچے اونچے کی قیود سے آزاد ہیں فرماتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری امت بارش کی طرح ہے جس کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ اول اچھی یا آخر۔ حضرت حسن علیہ السلام جب سورہ انفال پڑھتے تو کہتے کہ خوشخبری ہو اس امت کے لئے جن کے پیشرو رسول اللہ ہوں، جن کا قلب اسد اللہ ہوں، جن کا جہاد طاعۃ اللہ ہو جن کی مدد ملٰئکۃ اللہ ہو، جن کا ثواب رضوان اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ چھبیس رجب محترم ۱۳۹۰ھ اٹھائیس ستمبر ۱۹۷۰ء پیر کے دن دس بجے دو پہر کو تفسیر نعیمی کی سورہ انفال بخیر و خوبی ختم ہوئی اور آج ہی سورہ توبہ شروع ہوئی۔ رب تعالیٰ اس تفسیر کی تکمیل کی توفیق دے اسے قبول فرما کر مجھ گنہگار کے لئے گناہوں کا کفارہ اور صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

آیاتہا ۱۲۹	۹ سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۳	رکوعاتہا ۱۶

(نمبر ۹) سورۃ التوبۃ مدینۃ (عدد نزل ۱۱۳)

(نمبر ۹) سورۃ التوبۃ مدنیۃ (عدد نزل ۱۱۳)

۱۷۵۹۰۳	۱۷۵۹۰۶	۱۷۵۹۱۰	۱۷۵۸۹۶
۱۷۵۹۰۹	۱۷۵۸۹۷	۱۷۵۹۰۲	۱۷۵۹۰۷
۱۷۵۸۹۸	۱۷۵۹۱۲	۱۷۵۹۰۴	۱۷۵۹۰۱
۱۷۵۹۰۵	۱۷۵۹۰۰	۱۷۵۸۹۹	۱۷۵۹۱۱

اس سورۃ کے بہت ہی فضائل وارد ہوئے ہیں۔ عاملین زاہدین اس کو اپنے اعمال اور وظائف میں بہت اہمیت دیتے ہیں چنانچہ صحابہ کرام سے مروی ہے کہ جو مسلمان ہر روز بعد نماز اشراق اس سورۃ کو گیارہ بار پڑھے اور حاکم کے سامنے جائے وہ اس سے نرمی کرے اور فرماتے ہیں کہ جو شخص اس سورۃ کے تعویذ کا چلہ کر کے اپنے پاس یا اپنے گھر یا سامان میں رکھے کبھی نقصان نہ ہو اس تعویذ کو پاک پانی میں گھول کر باغ یا کھیت میں ڈالے تو خوب پھل دے۔ احتیاط شرط ہے۔ اس کے کل اعداد ۵۲۸۶۱۵ ہیں۔ چلہ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ نئے چاند کی پہلی جمعرات سے ہر روز اکتالیس دن تک ۴۱ تعویذ اشراق کے وقت لکھے۔ اس کی چال خانہ نمبر ۱۳ میں ہے۔ تعویذ یہ ہے۔

سورة التوبه مدنيه وهى مائة و تسع و عشرون آيه و ستة عشر ركوعا سورہ توبہ مدینہ ہے۔ اس میں سولہ رکوع ایک سو انتیس آیات چار ہزار اٹھتر کلمات دس ہزار چار سو اٹھائیس حروف ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سورہ کی آخری دو آیتیں مکیہ ہیں۔ لقد جاء کم رسول الی لقر (خازن وغیرہ)

اس سورہ کے دس نام ہیں۔ توبہ، براۃ، مقشقشہ، مبعثرہ، فاضحہ، سورہ عذاب، مخزیہ مدمدمہ، مشردہ، مبشرہ۔ چونکہ اس سورہ میں حضرت کعب بن ابن مالک اور ان کے دو ساتھیوں کی عظیم الشان توبہ کا ذکر ہے، لہٰذا سورہ توبہ ہے۔ چونکہ اس میں مشرکین سے بیزاری اور معاہدات سے علیحدگی کا ذکر ہے لہٰذا براۃ۔ نیز یہ سورہ نفاق سے براۃ ہے لہٰذا یہ مقشقشہ ہے نیز اس سورہ میں منافقین کی خبریں شائع کی گئی ہیں اور ان سے اس میں مکمل بحث ہے لہٰذا مبعثرہ ہے چونکہ اس سورہ نے منافقین کو رسوا کر دیا لہٰذا فاضحہ اور سورہ عذاب ہے نیز اس میں منافقین کی ہلاکت ہے لہٰذا مدمدمہ ہے نیز اس نے منافقین کی جماعتوں کو بکھیر کر رکھ دیا لہٰذا مشردہ ہے چونکہ اس سورہ نے منافقین کے پردے چاک کر دیئے لہٰذا مبشرہ ہے (تفسیر خازن وتفسیر کبیر) حضرت سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے جناب حضرت عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ یہ سورہ توبہ ہے فرمایا بلکہ فاضحہ یعنی منافقوں کو رسوا کرنے والی۔ اس سورہ میں منہم منہم اس قدر ارشاد ہوا کہ میں سمجھا کہ کسی منافق کو رسوا کئے بغیر چھوڑے گی ہی نہیں، دیکھو تفسیر خازن۔ خیال رہے کہ تمام سورتوں کے اول میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی گئی۔ ایک اول سورہ میں دوسری درمیان میں انه من سليمان و انه بسم الله الرحمن الرحيم لہٰذا قرآن مجید میں جیسے ایک سو چودہ سورتیں ہیں اتنی ہی بسم اللہ ہیں اس سورہ میں بسم اللہ نہ لکھنے کی چند وجہیں مفسرین نے بیان فرمائی ہیں۔ (۱) کسی نے حضرت عثمان جامع قرآن سے اس کی وجہ پوچھی کہ آپ نے توبہ کو سورہ انفال سے علیحدہ کر کے تو دکھایا ہے مگر بسم اللہ نہیں لکھی۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ فرمایا کہ سورہ انفال ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی اور سورہ انفال آخری دور میں۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس کے اول بسم اللہ لکھنے کا حکم نہ دیا اور ہم پوچھ نہ سکے مگر سورہ توبہ کا مضمون سورہ انفال کے مضمون کے مشابہ تھا کہ یہ دونوں سورتیں ایک ہی سی ہیں۔ یہ بھی احتمال تھا کہ دو ہیں۔ ہم نے ان دونوں احتمالوں کا لحاظ رکھتے ہوئے علیحدہ بھی کیا اور نہیں بھی کیا (ترمذی، ابوداؤد، خازن وغیرہ) اس سے حضرات صحابہ کی انتہائی احتیاط کا پتہ چلا کہ انہوں نے جمع قرآن میں کیسی اہم احتیاط کی ہے۔ (۲) محمد ابن حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علی شیر خدا سے پوچھا کہ آپ حضرات نے سورہ توبہ کے اول بسم اللہ کیوں نہ لکھی فرمایا کہ سورہ توبہ تلوار کے ذریعہ کفار سے امان اٹھانے کے لئے اتری اور بسم اللہ امان کے لئے ہوتی ہے لہٰذا نہ لکھی گئی۔ (۳) تمام سورتوں کے نازل کرنے پر حضرت جبریل بسم اللہ پڑھتے تھے مگر سورہ توبہ کے نزول پر نہ پڑھی۔ (۴) حضور انور ﷺ کی وفات کے بعد جمع قرآن کے موقع پر حضرات صحابہ میں اختلاف ہوا۔ بعض کا خیال تھا کہ سورہ انفال اور توبہ ایک ہی سورت ہے یعنی سبع طوال سے بعض کا خیال تھا کہ یہ دو سورتیں ہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ نہیں فرمایا تھا لہٰذا دونوں جماعتوں کا لحاظ فرما کر علیحدہ نام تو لکھا گیا مگر بسم اللہ نہ لکھی گئی۔ خیال رہے کہ قرآن مجید کے چند حصے ہیں۔ طوال، مئین، مثانی، مفصل۔ اگر انفال اور توبہ ایک سورہ ہو تو یہ طوال میں سے ہوگی کہ اس صورت میں ان کی آیات دو سو چار ہوں گی۔ ۷۵ آیتیں انفال کی ایک سو انتیس توبہ کی۔ (۵) عرب میں دستور تھا اور ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ چھوڑنے اعلان جنگ کرنے کے لئے خط لکھتے ہیں تو اس کے اول بسم اللہ نہیں لکھتے۔ اس قاعدے سے اس سورہ کے اول میں بسم اللہ نہیں لکھی کہ یہ سورت کفار سے معاہدہ ختم کرنے کے لئے آئی۔ (تفسیر کبیر، خازن، صاوی)۔

مسئلہ: دوران تلاوت میں اگر یہ سورت آجاوے تو بسم اللہ پڑھنا ابن حجر کے نزدیک حرام ہے۔ امام کے نزدیک مکروہ لیکن اگر اس سورۃ سے تلاوت کی ابتدا کرے تو اکثر علماء کے نزدیک بسم اللہ پڑھے بعض علماء منع فرماتے ہیں۔ ان کے دو مشہور شعر ہیں۔ شعر

ومهما بقبلها او برأت برأة   تنزيلها بالسيف لست مبسملا

ولا بد منها في ابتدائك سورة   سورها وفي الاجزا خير من تلا (صاوی)

تعلق: سورہ انفال میں کفار پر جہاد کرنے ان کا مال غنیمت بنانے پھر اس غنیمت کے تقسیم کرنے کا ذکر تھا اور ظاہر ہے کہ جہاد انہیں کفار پر ہوگا جن سے ہمارا معاہدہ یا صلح نہ ہو سورہ برأت یعنی توبہ میں، ان کفار کا ذکر ہے جن سے معاہدہ ہو چکا تھا۔ اب معاہدہ ختم کرنا ہوا گویا ایک قسم کے کفار کے ذکر کے بعد دوسرے قسم کے کفار کا ذکر ہے۔ نیز سورہ انفال کی آخری آیات میں مسلمانوں کو آپس میں میل محبت رکھنے ان کی آپس کی میراث کے احکام کا ذکر ہوا۔ اب کفار سے بیزار ہونے پر ان سے تعلقات توڑنے کا حکم ہے۔ گویا جوڑ کے بعد توڑ کا تذکرہ ہے۔ دنیا جوڑ توڑ سے قائم ہے۔ کسی سے جوڑو کسی سے توڑو، زندہ رہو۔

نزول: سورہ برأت شوال ۹ ہجری میں نازل ہوئی۔ فتح مکہ ۸ ہجری میں ہوئی اور حضور ﷺ کا حجۃ الوداع ۱۰ ہجری میں ہے۔ (خازن مدارک، کبیر وغیرہ) فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری کا حج کفار عرب نے دس ذیقعدہ کو ادا کیا۔ کیونکہ وہ مہینوں میں ہیر

پھیر کرتے رہتے تھے۔ اگلے سال یعنی ۱۰ ہجری کا حج صحیح مہینہ صحیح وقت میں ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ ہجری کے حج میں حضرت ابو بکر صدیق کو حج کا امیر بنا کر بھیجا۔ آپ کے پیچھے حضرت علی کو سورۃ براءت کی یہ آیات لوگوں کو سنانے اور ان میں اعلان کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس حج کے حضرت ابو بکر صدیق امیر تھے، حضرت علی مامور حضرت صدیق امام تھے، حضرت علی مقتدی، حضرت ابو بکر صدیق خطیب تھے حضرت علی آپ کا خطبہ لوگوں تک پہنچانے والے۔ اس واقعہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارۃً بتا دیا کہ میرے بعد صدیق خلیفہ ہوں گے اور حضرت علی ان کے وزیر۔ (تفسیر کبیر۔ خازن)

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ
بیزاری ہے جانب سے اللہ اور اس کے رسول کے طرف ان لوگوں کے کہ معاہدہ کیا تم نے مشرکین میں
بیزاری کا حکم سنانا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں کو جن سے تمہارا معاہدہ تھا
الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا
سے پس چل پھر لو زمین میں چار مہینے اور جانو کہ بے شک
اور وہ قائم نہ رہے گا زمین میں چلو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو نہیں تھکا سکتے
اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝٢
تم نہیں ہو عاجز کرنے والے اللہ کو اور تحقیق اللہ رسوا کرنے والا کافروں کا
اور یہ کہ اللہ رسوا کرنے والا ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں حکم تھا کہ مسلمان مسلمانوں کے دوست دلی رہیں۔ اب حکم ہے کہ مسلمان کفار سے بیزار اور ان سے علیحدہ رہیں گویا تقویٰ کے ایک رکن یعنی محبت مومنین کا ذکر پہلے ہوا۔ اس کے دوسرے رکن یعنی کفار سے علیحدگی کا ذکر اب ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں حکم تھا کہ اگر غیر مہاجر مومنین ایسے کفار سے لڑیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو اور تم سے مدد مانگیں تو انہیں مدد نہ دو کہ اس میں وعدہ خلافی ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر ایسے کفار خود ہی بدعہدی کریں تو تم بھی عہد توڑ دو۔ گویا مضبوط معاہدہ کے احترام کا ذکر فرمانے کے بعد ٹوٹے ہوئے معاہدہ کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار کفار کے دوست ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ خبردار مومن کفار کے دوست نہ بنیں کہ کفار کا انجام رسوائی ہے۔

نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں۔ (۱) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے آس

پاس کے تمام کفار سے عہد و میثاق کر رکھا تھا کہ تم ہم سے نہ لڑو، ہم تم سے نہ لڑیں۔ نہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں نہ کسی جنگ میں ایک دوسرے کے خلاف دشمن کو مدد دیں مگر جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ۹ ہجری میں غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کے منافقین اور اردگرد کے کفار نے آپس میں سازش کر کے مسلمانوں کے بیوی بچوں کو ستانا ان کے گھروں کو لوٹنا چاہا مگر ناکام رہے پھر مدینہ منورہ میں غازیانِ تبوک کے متعلق پریشان کن خبریں اڑائیں تاکہ ان کے بیوی بچے پریشان ہوں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ انہوں نے عہد توڑا۔ آپ ﷺ بھی عہد توڑ دیں مگر چار ماہ کی مہلت دے دیں۔ (تفسیر کبیر)

(۲) حضور انور ﷺ نے قریباً سارے مشرکین سے معاہدے کئے ہوئے تھے مگر سواء بنو ضمرہ اور بنو کنانہ کے باقی سارے کفار نے ہر طرح اپنے عہد توڑ دیئے۔ تب یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں جس میں عہد توڑنے والوں کے عہد توڑنے کا حکم دیا گیا۔ نہ توڑنے والوں کے عہد کو پورا کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ (تفسیر کبیر و خزائن العرفان)

(۳) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ہجری میں کفار مکہ سے دس سال کے لئے چند شرطوں پر صلح فرمائی جن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر تمہارے حلیف بنی بکر اور بنی خزاعہ آپس میں لڑیں تو ہم تم دونوں جانب غیر جانبدار رہیں۔ نہ تم بنی بکر کی مدد کرو نہ ہم بنی خزاعہ کی۔ اگلے سال ۷ ہجری میں حضور ﷺ نے عمرہ قضا کیا پھر بنی بکر اور بنی خزاعہ میں آپس میں جنگ ہوئی تو کفار قریش نے اپنے حلیف بنی بکر کی ڈٹ کر مدد کی اور اس معاہدہ کو توڑ دیا۔ تب قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص عمرہ خزاعی حضور ﷺ کی خدمت میں فریاد کرتا ہوا حاضر ہوا اور اس نے بہت دردناک قصیدہ پیش کیا جس میں کفارِ مکہ اور ان کی بدعہدی کا ذکر کیا جس کے چند اشعار یہ ہیں۔ شعر

لاھم انی

فاشد محمدا — حلف ابینا ابیه الا تلدا

قد کتم ولدا وکنا والدا — تمت اسلمنا و لم ننزع ھدا

فانصر ھداک اللہ نصرا اعتدا — وادعو عباد اللہ یاتو مددا

فیھم رسول اللہ قد تجردا — ان سیم خسفا و جھه تربدا

فی فیلق کالجتر بیجدی مربدا — ان قریشا اخلفوک الموعدا

وانقضوا میثاقک الموکدا — وجعلو لی من کدار صدا

وزعمر ان لست ادعوا احدا — وھم اذل و اقل عدوا

ھم بتونا بالحطیم جھدا — وقتلونا رکعا وسجدا

یہ بہت ہی بڑا قصیدہ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یارسول اللہ فریاد ہے کہ کفار مکہ نے آپ ﷺ کا عہد توڑ دیا، ہم کو بے یارو مددگار سمجھ کر بنی بکر سے مل کر ہم پر ٹوٹ پڑے ہماری مدد کو پہنچو۔ اس پر حضور انور ﷺ کے آنسو جاری ہو گئے اور ان کی مدد کا

وعدہ فرمایا۔ ۸ ہجری میں مکہ معظمہ پر چڑھائی کر کے اسے فتح فرمایا۔ ۹ ہجری میں حج کے موقعہ پر حضرت ابوبکر کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ اس موقعہ پر یہ آیات نازل ہوئیں مگر یہ احتمال قوی نہیں کیونکہ کفار مکہ سارے ہی فتح مکہ کے دن ایمان لا چکے تھے۔ اب ان سے یہ خطاب کیسا۔ اولاً حضور انور ﷺ نے ان آیات کے اعلان کا حکم بھی ابوبکر صدیق کو دیا تھا مگر بعد میں لوگوں نے عرض کیا کہ حضور عرب کا دستور یہ ہے کہ معاہدہ یا معاہدہ کا ختم کرنا یا خود سلطان کرے یا سلطان کا قریبی رشتہ دار اور نہیں۔ چنانچہ حضور انور ﷺ نے اس اعلان کے لئے حضرت علی کو بھیجا جو راستہ میں حضرت صدیق اکبر سے مل گئے۔ جناب صدیق اکبر نے پوچھا کہ اے علی تم امیر بن کر آئے ہو یا مامور۔ عرض کیا کہ امیر تو آپ ہی ہیں مامور بن کر آیا ہوں۔ حج آپ کرائیں گے۔ ان آیات کا اعلان میں کروں گا۔ (تفسیر کبیر۔ روح المعانی۔ خازن۔ خزائن وغیرہ) چونکہ حج میں سارے عرب کے قبیلے جمع ہوتے ہیں جن میں عہد توڑنے والے بھی ہیں اور عہد پورا کرنے والے بھی ہیں اور عہد جوڑنے والے بھی اس لئے ان آیات کا اعلان اس موقع پر مناسب ہوا۔

نکتہ عجیبہ: یہاں تفسیر روح المعانی نے عجیب نکتہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ساری امت میں رحمت الٰہی کے مظہر اتم ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ارحم امتی بامتی ابوبکر گویا آپ سراپا جمال ہیں اور یہ آیات نری جلال۔ حضرت علی مظہر جلال ہیں کہ اسد اللہ ہیں۔ شکار شیر ہی کرتا ہے اس لئے ان آیات کا اعلان حضرت علی کے منہ سے بجتا ہے۔ میدانِ عرفات مشابہ ہے میدانِ حشر کے۔ حشر میں جمال بھی ہوگا جلال بھی۔ تو مناسب ہوا کہ اس میدان میں جمال صدیق سے ظاہر ہو اور جلال حضرت علی سے (روح المعانی) حضور ﷺ نے اس موقع پر حضرت صدیق کو حج کا امیر بنایا حضرت علی کو مامور و مقتدی۔ وفات شریف کے موقع پر صدیق کو نمازوں کا امام بنایا تا کہ پتہ لگے کہ حضور ﷺ کے بعد امامِ اکبر اول خلفاء بھی حضرت صدیق ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

تفسیر: براءۃ من اللہ و رسولہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ساری سورتیں بسم اللہ کی ب سے شروع کیں۔ یہ سورہ لفظ براۃ کی ب سے شروع فرمائی۔ بسم اللہ میں ب ایک کلمہ یعنی حرف جر ہے یہاں ب ایک کلمہ کی جز ہے مگر ابتداء ب سے ہی ہے (روح المعانی) ہماری قراۃ میں براۃ ت کے پیش سے ہے۔ ہذہ پوشیدہ کی ایک خبر ایک قراۃ میں براۃ ت کے فتح سے ہے۔ اسمعوا پوشیدہ کا مفعول۔ براۃ کے معنی بیزاری بھی ہے، حفاظت کا ختم ہونا بھی، دور ہونا بھی، علیحدگی کو بھی کہا جاتا ہے۔ فلاں شخص مقدمہ میں بری ہوگیا یا قرض سے بری ہوگیا۔ فلاں شخص سے بری یعنی بیزار ہوں۔ اس سے الگ ہوں، اُس سے الگ ہوں۔ ذمہ دار نہیں براٗت کی تنوین تعظیمی ہے۔ من اللہ و رسولہ من ابتدائیہ ہے اس لئے اس کے الیٰ آرہا ہے جیسے کہا جاتا ہے یہ خط فلاں کی جانب سے ہے فلاں کی طرف۔ لطف یہ ہے کہ براۃ ایک ہے اور اس کے بعد مبتداء دو۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ گویا یہ بیزاری چلی ہے رب کی طرف سے بھی اور اس کے رسول کی طرف سے بھی۔ کیونکہ حضور انور جیسے رب کی رحمتوں کے قاسم ہیں ایسے اس کی ناراضگی کے بھی کہ جس سے حضور بیزار ہو جاویں اس سے رب بھی بیزار ہے۔ کفار نے حضور انور سے عہد شکنی کی تھی رب بھی ان سے بیزار ہوگیا۔ الی الذین عھدتم من المشرکین اگر براۃ

پوشیدہ مبتدا کی خبر ہو تو براۃ موصوف ہے اور من اللہ (الخ) پہلی صفت اور الذین (الخ) دوسری صفت اور یہ اس کی خبر غرضیکہ اس فرمان عالی کی بہت سی تفسیریں ہیں۔ ہر تفسیر کا علیحدہ لطف من المشرکین کا بیان ہے۔ ان مشرکین سے مراد یا تو مشرکین مکہ ہیں تو معاہدہ سے مراد صلح حدیبیہ کا۔ معاہدہ سے مراد وہ معاہدہ ہے جسے پہلے مشرکین مکہ نے ہی توڑا مگر یہ احتمال ضعیف ہے کیونکہ آیات فتح مکہ کے ایک سال بعد نازل ہوئیں اور سارے مشرکین مکہ فتح مکہ کے دن ایمان لا چکے تھے۔ پھر ان سے یہ خطاب کیسے ہوسکتا ہے۔ یا مشرکین سے مراد عام مشرکین عرب ہیں اور معاہدہ سے مراد وہ معاہدہ ہے۔ حضور انور ﷺ نے ان سے کیا تھا کہ ہمارے خلاف نہ تو جنگ کرو اور نہ ہم سے جنگ کرنے والوں کی مدد کرو۔ یہ معاہدہ ان لوگوں نے جب توڑا جبکہ حضور انور ﷺ غزوہ تبوک کے لئے گئے ہوئے تھے۔ یا مشرکین سے مراد عموماً وہ مشرکین ہیں جو حضور انور ﷺ سے عہد کر کے توڑ دیتے تھے جیسا کہ شان نزول میں عرض کیا گیا۔ بہر حال روئے سخن ان ہی کفار سے ہے جو عہد توڑنے میں پہل کرتے تھے۔ عھدتم میں خطاب یا تو صلح حدیبیہ والے صحابہ سے ہے یا عام صحابہ سے۔

نکتہ: اس آیت کریمہ میں براۃ کو نسبت کیا گیا اللہ رسول کی طرف اور معاہدہ کو نسبت کیا گیا مومنوں کی طرف حالانکہ معاہدہ حضور انور ﷺ نے کیا تھا۔ ان نسبتوں میں حضور انور ﷺ کی انتہائی عظمت کا اظہار ہے کیونکہ ٹوٹا ہوا عہد اس قابل نہیں جو حضور ﷺ کی طرف نسبت کیا جاوے۔ ہاں عہد کا توڑنا اس عظمت وجلالت کا اظہار ہے۔ اسے نسبت کیا گیا حضور کی طرف مگر ساتھ ہی رب کا نام لیا تبرکاً یہ بتانے کے لئے کہ حضور انور ﷺ کا کام رب تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ جیسے لاتقدموا بین یدی اللہ و رسولہ یا معاہدہ کے وقت ہی اللہ تعالیٰ کو بھی خبر تھی اور حضور انور ﷺ کو بھی کہ کفار یہ عہد نباہیں گے نہیں۔ ہاں مومنوں کے نباہ کی قوی امید تھی لہٰذا وہ عہد گویا مومنوں نے ہی کیا تھا۔ (روح المعانی)

فسیحوا فی الارض یہ عبارت تو قولوا پوشیدہ کا مفعول ہے یعنی اے گروہ صحابہ یعنی اے گروہ صحابہ ان مشرکوں سے کہہ دو کہ چل پھر لو زمین میں یا کوئی فعل پوشیدہ نہیں تو اس میں التفات ہے کہ پہلے مشرکوں کو غائبانہ الفاظ سے یاد فرمایا پھر خطاب سے۔ سیحوا بنا ہے سیاحت سے جس کے معنی پانی کا زمین میں پھیلنا۔ اصطلاح میں آزادی سے ہر جگہ چلنے پھرنے کو سیاحت کہتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

لو خف ھذا منک ما نلتنی حتی تری حیلہ امامی تسیح (معانی)

غرضیکہ سیر سریٰ اور سیح تینوں میں چلنے پھرنے کے معنی ہیں مگر ان میں بڑا فرق ہے۔ سیر مطلقاً چلنا۔ سریٰ رات میں چلنا اسریٰ بعبدہ لیلا اور سیح آزادانہ چلنا۔ سیحو میں خطاب انہیں کفار سے ہے جن کا معاہدہ ختم ہوا۔ سیحو میں امر مباح کرنے کے لئے ہے۔ الارض سے مراد یا تو زمین عرب ہے یا ساری زمین اگرچہ چلنا پھرنا زمین میں ہی ہوتا ہے مگر ساری زمین میں چلنے کی اجازت ظاہر کرنے کے لئے ارشاد ہوا اربعۃ اشھر یہ ظرف ہے۔ فسیحوا کا چار ماہ کی مہلت اس لئے دی گئی کہ وہ لوگ اس دوران میں اپنے متعلق خوب سوچ بچار کرلیں کہ چار ماہ کے بعد ہمارے لئے یا قتل ہے یا اسلام۔ ممکن ہے کہ وہ سوچ کر مسلمان ہی ہو جائیں۔ یہ مہلت بھی تبلیغ ہے اور رحم خسروانہ کا اظہار۔ اس میں گفتگو ہے چار ماہ سے کونسے چار ماہ

مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد سے چار ماہ یعنی شوال ذی قعدہ ذی الحج اور محرم کیونکہ یہ آیت شروع شوال ۹ ہجری میں آئی۔ بعض نے فرمایا کہ دس ذی قعدہ سے دس ربیع اول تک کیونکہ اس کا اعلان دس ذی قعدہ کو منیٰ شریف میں حج میں ہوا۔ اس سال عرب میں دس ذیقعدہ کو ہی حج کیا گیا تھا۔ یہ دوسرا قول ہی قوی ہے اس کے متعلق اور بہت قول ہیں۔ (معانی، کبیر، خازن) واعلموا غیر معجزی اللہ اے مہلت یافتہ کافرو! تم یقین رکھو کہ تم اس مہلت کے ذریعہ اللہ رسول سے بچ نہیں سکتے۔ تم کہیں بھی جاؤ ان کی قدرت ان کی پکڑ میں ہوؤ گے۔ یہ نہ سمجھو کہ کہیں بھاگ کر ہم ان سے بچ جائیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نام اپنا لیا ہو اور مراد رسول اللہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ تم رسول اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے کیونکہ انہیں پکڑ، قتل کرنا حضور علیہ السلام ہی کا کام ہے۔ ان اللہ مخزی الکفرین اگر کافرین سے مراد عام کافر ہوں تو رسوائی سے مراد آخرت کی رسوائی ہوگی اور اگر وہ خاص کفار مراد ہوں جن کا عہد ختم کیا گیا تو رسوائی سے مراد دنیا میں قتل کی رسوائی آخرت میں دوزخ کے عذاب کی رسوائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کفار کو رسوا کرنے والا ہے اگر رسوائی خواری ذلت سے بچنا ہے تو سچے دل سے ایمان قبول کرلو۔ یہ چار ماہ کی مہلت تم کو رسوائی سے نہیں بچاسکتی۔ اس مہلت میں تم پر خاص مہربانی ہے۔

خلاصۂ تفسیر: اللہ رسول کی طرف سے بیزاری کا اعلان عام ان کفار سے ہے جن سے اے مسلمانو! تم حدیبیہ میں یا دوسرے موقعوں پر معاہدہ کر چکے ہو اور وہ اس معاہدہ پر قائم نہ رہے۔ اس کی خلاف ورزیاں کرتے رہے۔ ان سے اعلانیہ کہہ دو کہ آج سے چار ماہ تک تم زمین میں آزادانہ چل پھر لو سیر و سیاحت کرلو تم کو چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس مہلت سے دھوکا نہ کھانا۔ تم اللہ رسول کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ کہیں جاؤ نہ خانہ میں قلعہ میں کسی ملک میں رہو گے ان کے قبضہ میں اللہ تعالیٰ عنقریب کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ دنیا میں قتل سے آخرت میں آگ کے عذاب سے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۹ ہجری میں دسویں تاریخ منیٰ میں حج کے موقع پر یہ آیات تمام حجاج کو اعلانیہ سنائیں اور چار اعلان کئے۔ (۱) اگلے سال کوئی مشرک حج نہ کرے۔ (۲) کوئی ننگا طواف نہ کرے۔ (۳) جنت میں سوا مومن کے کوئی نہ جائے گا۔ (۴) چار ماہ کے بعد ہمارا کفار سے کوئی عہد نہیں۔ اس کے جواب میں کفار بولے کہ ہماری طرف سے اپنے بھائی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر کردو کہ ہم میں ان میں کوئی معاہدہ نہ رہا۔ اب نیزے ہی ہمارا ان کا فیصلہ کریں گے۔ (کبیر خازن وغیرہ) خیال رہے کہ تین صورتوں میں عہد ٹوٹتا ہے۔ ایک یہ کہ کفار کی طرف سے خیانت بدعہدی ظاہر ہو جاوے۔ ان کے ضرر کا اندیشہ ہو۔ دوسرے یہ کہ معاہدہ وقتی ہو اور اس کی میعاد ختم ہو جاوے۔ تیسرے یہ کہ معاہدے میں یہ شرط ہو کہ ہم جب چاہیں گے اس سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ (تفسیر کبیر) ان شرطوں کا ذکر آگے آرہا ہے۔ الا الذین عھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم (الخ)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضرات صحابہ کرام نے جمع قرآن میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ اس میں شبہات سے بچے ہیں۔ یہ فائدہ سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے سے حاصل ہوا کہ جب ان حضرات کو اس کے مستقل سورہ نہ ہونے کا یقین نہ ہوا اور حضور انور علیہ السلام نے اس پر بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں دیا تو انہوں نے بسم اللہ نہ لکھی اور چونکہ احتمال تھا کہ یہ سورۃ علیحدہ سورۃ ہو تو

اس کا نام لکھ دیا۔ یہ انتہائی احتیاط ہے۔ یہ فائدہ بسم اللہ نہ لکھنے کی پہلی وجہ سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: قہر اور غضب کے کام پر بسم اللہ (الخ) نہیں پڑھنی چاہئے۔ اس لئے ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں الرحمٰن نہیں پڑھتے۔ یہ فائدہ یہاں بسم اللہ (الخ) نہ لکھنے کی دوسری وجہ سے حاصل ہوا کہ بسم اللہ امان کے لئے ہے اور یہ سورۃ امان ختم کرنے کے لئے آئی جیسا کہ حضرت علی کا فرمان ہے۔

تیسرا فائدہ: دربار خدا اور دربار رسول ہے یونہی اس کے برعکس دربار رسول دربار خدا ہے۔ جو وہاں سے ہو وہ یہاں سے ہو جو وہاں سے ہو یہ فائدہ براۃ من اللہ و رسولہ فرمانے سے حاصل ہوا کہ ایک بیزاری بعدا اللہ رسول دونوں کو قرار دیا گیا۔ شعر

نجدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر   جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

چوتھا فائدہ: یونہی اللہ کی رحمتوں کا حال ہے کہ وہ اللہ رسول سے ملتی ہیں۔ ان کا مبداء دونوں آستانے ہیں۔ فرماتا ہے اغناھم اللہ من فضلہ اور فرماتا ہے سیوتینا اللہ و رسولہ من فضلہ بلکہ رب دیتا ہے نبی کریم کے دروازہ سے۔ شعر

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے   حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

پانچواں فائدہ: جس سے حضور انور ﷺ بیزار ہو جائیں تو ناممکن ہے کہ رب تعالیٰ اس سے راضی ہو۔ یہ فائدہ بھی من اللہ و رسولہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کفار عرب نے حضور انور ﷺ سے بدعہدی کر کے حضور ﷺ کو بیزار کیا۔ اللہ بھی بیزار ہو گیا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی گنہگار سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو تو حضور انور ﷺ شفاعت فرما کر اسے راضی کر دیں کہ وہ دنیا میں اسی لئے تو آئے ہیں کہ کل قیامت میں حضور ﷺ کے ایک سجدہ سے جلال جمال میں اور قہر مہر میں تبدیل ہو جاوے گا۔ محشر کا نقشہ بدل جاوے گا۔ شعر

بھیکا وہ تر کوڑ ہیں جو جانیں گڑ کو اور   رب روٹھے گر میل دے گر روٹھے نہیں ٹھور

ہمارے پاس رب کو راضی کرنے والا کوئی کام نہیں۔ انہی کی شفاعت کا بھروسہ ہے۔ شعر

تم قیامت میں بنا دو گے تو بن جائے گی   ورنہ بگڑی ہوئی باتیں ہیں ہماری ساری

دنیا میں دیکھ لو حضور ﷺ کی تشریف آوری سے رب کے قانون حکومت بدل گئے۔ ارشاد ہوا کہ ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم۔

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور انور ﷺ کی بڑی عزت و عظمت ہے کہ جو چیز ان کے آستانہ عالیہ کے لائق نہ ہو وہ ان کی طرف نسبت ہی نہیں کی جاتی۔ یہ فائدہ عہدتم فرمانے سے حاصل ہوا کہ کفار سے معاہدے حضور انور ﷺ نے کئے تھے مگر چونکہ اب وہ معاہدے ٹوٹ گئے تو انہیں مومنوں کی طرف نسبت کیا گیا۔ حضور انور ﷺ کی طرف نہ کیا گیا۔ خیال رہے کہ گناہ حضور ﷺ کے دامن تک نہیں پہنچتے مگر گناہ گاران کے دامن سے ہی وابستہ رہتے ہیں کہ وہ انہیں کو اپنے دامن میں چھپانے کے لئے تو آئے ہیں۔ شعر

عاصیاں وابستۂ داماں تو اے پناہ ما غریباں السلام
اے زہے قسمت کہ تو بر ما حریص جان عالم بر تو قرباں السلام

ساتواں فائدہ: جب کفار کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو جائے یا خیانت کا اندیشہ ہو انہیں اطلاع دے کر معاہدہ توڑ دیا جاوے یہ فائدہ فسیحوا فی الارض (الخ) سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: انسان کو چاہئے کہ رب تعالیٰ کی ڈھیل اور مہلت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاوے موقعہ کو غنیمت جانے اور اپنی اصلاح کر کے اسے راضی کرے۔ یہ فائدہ واعلموا انکم غیر معجزی اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ کوئی بھی اللہ کے قبضے سے باہر نہیں۔

پہلا اعتراض: تم نے سورہ توبہ کے اول میں بسم اللہ نہ لکھنے کی جو وجہ بیان کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو سورہ توبہ کی جگہ بتائی کہ کس جگہ رکھی جاوے نہ یہ بتایا کہ یہ الگ سورہ ہے یا نہیں۔ حضرت عثمان غنی نے اپنی رائے سے اسے یہاں رکھا اور انہیں خود شبہ رہا کہ یہ سورہ انفال کا جزو ہے یا الگ سورہ۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ۔ نے سورتوں کی ترتیب خود دی ہے اور اپنی طرف سے اس میں فرق کیا ہے۔ تو ممکن ہے کہ انہوں نے قرآن میں زیادتی کمی بھی کر دی ہو لہٰذا قرآنِ مجید مشکوک ہے۔ (روافض)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ جمع قرآن اکیلے حضرت عثمان نے نہیں کیا بلکہ اس کے لئے آپ نے صحابہ کی ایک کمیٹی بنائی جس میں حضرت علی بھی شامل تھے تو یہ الزام ان پر بھی آتا ہے نیز حضرت علی و امام حسنین نے اسی قرآن کو نمازوں میں تلاوت کیا۔ اسی پر عمل کیا۔ اس کی اصلاح کبھی نہیں کی۔ اگر اس کی ترتیب وغیرہ میں غلطی تھی تو انہوں نے درست کیوں نہ کیا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ترتیب ان دونوں سورتوں کی حضور انور ﷺ نے دی تھی مگر چونکہ حضرت جبریل نے اس کے اول میں بسم اللہ نہیں پڑھی، حضور ﷺ نے بھی اسکا حکم نہیں دیا۔ حضرت علی نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورۃ امان اٹھائے جانے کے لئے آئی۔ یہی قوی ہے اور زیادہ صحیح ہے۔ حضرات صحابہ صرف جامع قرآن ہیں ترتیب ایک ایک لفظ کی حضور ﷺ ہی نے دے دی تھی کہ ہر آیت کے متعلق حضور ﷺ فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں آیت کے بعد رکھو (از تفسیر کبیر)

دوسرا اعتراض: تمہارے پیش کردہ واقعے سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حضرت ابوبکر صدیق کو اس حج میں امارت سے معزول کر کے حضرت علی کو امیر بنایا۔ معلوم ہوا کہ جناب صدیق امیری کے لائق نہ تھے تو حضور انور ﷺ نے اولاً انہیں امیر بنایا ہی کیوں۔

جواب: یہ محض غلط ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت صدیق کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت علی کو قائم کیا بلکہ حضرت علی کو ان آیات کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا ان وجوہ سے جو ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں۔ اس واقعہ سے تو حضرت صدیق اکبر کی خلافت اولیٰ کا ثبوت ملتا ہے کہ حضور انور ﷺ نے حج کا امیر بنایا تو آپ کو اور بوقت وفات اپنے مصلے پر کھڑا کیا تو آپ کو۔

ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر

اس امامت سے کھلا تم ہو امام اکبر　　　تھی یہی رمز نبی کہتے ہیں حیدر صدیق

خود حضرت علی نے آپ کی خلافت پر یہی دلیل قائم کی کہ ابوبکر کو حضور ﷺ نے ہمارے دین کا امام بنادیا ہم نے انہیں دنیا کا امام بنالیا۔

تیسرا اعتراض: کیا ہوا عہد توڑنا عیب ہے پھر رب نے عہد کیوں توڑا اور برأۃ من اللہ و رسولہ کیوں فرمایا (ہندو)

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ اولاً عہد کو توڑنے والے خود مشرکین و کفار تھے یہ تو اللہ رسول کا رحم و کرم ہے کہ انہیں پھر چار ماہ کی مہلت دے دی پہلے سے انہیں آگاہ کردیا۔ دیکھو تفسیر۔

چوتھا اعتراض: مذکورہ عہد مسلمانوں نے بھی کیا تھا اور حضور ﷺ نے بھی پھر عاھدتم کیوں فرمایا کہ اے مسلمانو! جو عہد تم نے کیا تھا۔

جواب: اس لئے کہ وہ عہد ناقص توڑنے کے قابل ہو چکا تھا۔ ناقص چیز رب تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کے قابل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے نور وابستہ ہے شمع کے ساتھ۔ کوئی شخص شمع گل کر کے یا اس سے دور رہ کر نور حاصل نہیں کرسکتا۔ شمع وسیلہ نور مقصود مگر یہ مقصود اس وسیلہ سے وابستہ ہے یوں ہی حضور انور ﷺ وسیلہ عظمیٰ ہیں۔ خدا رسی کا کوئی شخص کسی وقت میں حضور ﷺ کا دامن چھوڑ کر رب سے نہیں مل سکتا۔ حضور ﷺ کی مہر و قہر سے رب تعالیٰ کا رحم و قہر وابستہ ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی شخص حضور ﷺ کو ناراض کر کے رب کو راضی کر کے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

منبر و محراب سازم بہر تو　　　از محبت قہر من در قہر تو

یوں ہی ناممکن ہے کہ جس سے حضور ﷺ راضی ہوں رب تعالیٰ اس سے ناراض ہوں۔ دیکھو کفار مکہ اور کفار عرب نے جب حضور انور ﷺ سے معاہدہ کیا تو وہ رب تعالیٰ کے عہد اور اس کی امان میں آ گئے۔ اور جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد شکنی کی اور حضور ﷺ ان سے بیزار ہوئے تو رب تعالیٰ بھی بیزار ہوا۔ بلکہ اپنی برأت کا اظہار پہلے فرمایا اور حضور ﷺ کی بیزاری کا ذکر بعد میں اور چونکہ وہ کفار اس عہد سے نکل چکے تھے تو اظہار غضب کے لئے اور ٹوٹے ہوئے عہد کو اپنی اور حضور انور ﷺ کی طرف نسبت بھی نہ کیا بلکہ فرمایا عہدتم۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔ شعر

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی　　　ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

اللہ کی ہر رحمت کا کارخانہ حضور ﷺ کی ذات والا صفات ہے پھر ان نعمتوں رحمتوں کی دکانیں حضور ﷺ کے خدام یعنی اولیاء اللہ کے آستانے ہیں۔ کعبہ معظمہ میں حج، مسجدوں میں نمازیں ملتی ہیں مگر یہ سب چیزیں بنتی ہیں کارخانہ قدرت یعنی مدینہ منورہ میں۔ کھیت میں دانہ اور باغ میں پھل بنتے ہیں پھر دکانوں سے ملتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہم نے میثاق کے دن رب سے ایمان اور تقویٰ و شکر کا وعدہ کیا تھا دنیا میں آ کر توڑ دیا۔ رب نے ہم کو مہلت دی کہ اب بھی سمجھ جاؤ تم کو بچپن

پھر جوانی پھر کہولت (ادھیڑ عمر) پھر بڑھاپا۔ ان چار زمانوں کی مہلت ہے، کسی وقت بھی توبہ کرلو۔ اگر تم نے یہ چار ماہ یعنی چار زمانے غفلت میں گزارے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں یعنی کفرانِ نعمت کرنے والوں کو رسوائی کی سزا دے گا۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ

اور اعلان عام جانب سے اللہ اور اس کے رسول کے طرف لوگوں کے بڑے حج کے دن کہ بے شک

اور منادی پکار دینا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن کہ اللہ بیزار

بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ

اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول پس اگر توبہ کرلو تم پس وہ بہتر ہے واسطے

ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول تو اگر تم توبہ کرو تو تمہارا بھلا ہے اور اگر

وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ

تمہارے اور اگر منہ پھیرو تم پس جان لو کہ بے شک تم نہیں ہو عاجز کرنے والے اللہ کو

منہ پھیرو تو جان لو کہ تم اللہ کو تھکا نہ سکو گے اور کافروں

كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍۙ (۳)

اور خوشخبری دو ان کو کفر کیا جنہوں نے عذاب تکلیف دہ کی

کو خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں مشرکین سے اللہ رسول کی بیزاری کا ذکر تھا اب اس بیزاری کے اعلان کا حکم ہے۔ گویا پچھلی آیت میں واقعی بیزاری کا ذکر تھا۔ یہاں اس واقعی خبر کے اطلاع کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں عہد توڑنے والے کفار سے بیزاری کا ذکر تھا۔ ان کی بدعہدی کی وجہ سے اب سارے مشرکین و کفار سے بیزاری کا ذکر ہے۔ ان کے شرک و کفر کی وجہ سے گویا خاص بیزاری کے بعد عام بیزاری کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں روئے سخن صرف کفار سے تھا۔ الی الذین اب اس آیت میں روئے سخن سارے لوگوں سے ہے۔ مومن ہوں یا کافر۔ عہد توڑنے والے ہوں یا عہد پر پابند کہ فرمایا الی الناس۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں اللہ رسول کی بیزاری کا ذکر ہوا اب اس آیت میں اس کے اعلان کے وقت و اس کی جگہ کا ذکر ہے کہ اے صحابہ تم ہماری بیزاری کا اعلان حج اکبر کے دن مکہ معظمہ میں کرو تا کہ سارے کافر سن لیں۔ ہر جگہ یہ اعلان پہنچ

جائے۔

تفسیر: و اذان من الله و رسوله یہ فرمان عالی یا تو براۃ من اللہ پر معطوف ہے یعنی جملہ کا جملہ عطف تو واؤ عاطفہ ہے یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ اذان من اللہ کی وہی نحوی ترکیبیں ہیں جو براۃ من اللہ کی تھیں کہ یا تو برأت خبر ہے ہذا پوشیدہ کی یا اذان من اللہ مبتدا ہے اور من اللہ (الخ) اس کی خبر۔ اذان یا تو بنا ہے اِذن سے الف کے کسرہ سے بمعنی اجازت یا خبر یا بنا ہے اُذن الف کے پیش سے بمعنی کان عام اطلاع کو اذان اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں عام لوگوں کو سننے کی اجازت ہوتی ہے سب کے کان میں یہ خبر ڈالی جاتی ہے۔ نماز کی اطلاع کو اس لئے اذان کہتے ہیں کہ اس میں نماز کا اعلان عام ہوتا ہے اور سب کو مسجد میں آنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ یہ بروزن امان یا عطا (روح المعانی وروح البیان) الی الناس یہ متعلق ہے اذان مصدر کے یا اس کی خبر ہے ناس سے مراد سارے انسان ہیں۔ مومن ہوں یا کافر بدعہد ہوں یا عہد کے پابند۔ یوم الحج الاکبر یہ اذان کا ظرف نہیں بلکہ الی الناس جس کے متعلق ہے اس کا ظرف ہے (روح المعانی) یوم سے مراد یا تو خاص دن ہے نویں یا دسویں ذی الحجہ۔ حج کا پورا زمانہ آٹھویں تاریخ سے تیرھویں تک جیسے کہا جاتا ہے یوم الجمل یا یوم صفین یعنی جنگ جمل جنگ صفین کا زمانہ ایسے ہی یوم حج اکبر یعنی حج کا زمانہ۔ حج اکبر کے متعلق ۶ قول ہیں۔ (۱) ہر حج حج اکبر ہے عمرئی حج اصغر کیونکہ عمرہ میں حج سے کم کام ہوتے ہیں۔ (۲) صرف حج تو حج اصغر ہے اور قرآن حج اکبر یعنی حج وعمرہ ملا کر ادا کرنا۔ (۳) ذی الحجہ کی نویں تاریخ یعنی عرفہ کا دن حج اکبر ہے کیونکہ حج کا بڑا رکن اس دن ادا ہوتا ہے جس پر حج کا دارومدار ہے یعنی وقوف عرفات۔ (۴) بقر عید کا دن یعنی دسویں ذی الحجہ حج اکبر ہے کیونکہ حج کے زیادہ کام قربانی، سر منڈانا، طواف، زیارت، رمی جمرہ عقبہ اس دن ہوتی ہے۔ سارے ایام تشریق حج اکبر ہیں۔ (۵) جو حج جمعہ کو ہو وہ حج اکبر ہے کیونکہ اس دن عیسائیوں یہودیوں مجوسیوں سب کی عیدیں تھیں۔ اتنی عیدوں کا اجتماع کبھی نہیں ہوا مگر یہاں یہ آخری دو معنی مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ اعلان ۹ ہجری میں ہوا جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ اس سال نہ تو حضور انور ﷺ نے حج کیا اور نہ وہ جمعہ کا دن تھا۔ بلکہ دس ذی قعدہ کو ہوا۔ جسے کفار عرب نے دس ذی الحجہ بنایا ہوا تھا۔ ان کے ماننے ہوئے کے لحاظ سے اسے حج اکبر فرمایا گیا۔ ورنہ واقعہ میں وہ نہ حج کا دن تھا نہ حج کا مہینہ۔ ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ ہماری قرأۃ میں ان الف کے فتحہ سے اذان من اللہ کا مفعول۔ حسن اور اعرج کی قرأۃ میں ان الف کے کسرہ سے ہے یا اس لئے کہ اذان میں قول کے معنی ہیں اور قول کے مفعول میں ان کسرہ آتا ہے یا اس لئے کہ یہاں یقول پوشیدہ ہے۔ (معانی) بری صفت مشبہ ہے براۃ بمعنی بیزار سخت ناراض۔ المشرکین سے مراد سارے کفار ہیں تا قیامت کیونکہ اللہ رسول ہر کافر سے بیزار و ناراض ہیں خواہ کسی قسم کا کافر ہو۔ قرآن مجید میں اکثر مشرک بمعنی کافر ہے یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف مشرکوں سے تو ناراض ہے باقی دہریئے مجوسی یہودی عیسائی سارے کافروں سے راضی ہے۔ ہماری قرآت میں و رسولہ ہے پیش سے یہ معطوف ہے بری کی ضمیر ہو پر۔ یعنی اللہ رسول سارے کفار سے بری ہیں۔ یعقوب اور زید کی قرأۃ میں و رسولہ فتحہ سے ہے۔ ان اللہ بری کے لفظ اللہ پر معطوف۔ یہی قرأۃ حسن ابن ابی اسحاق عیسیٰ ابن عمرو کی ہے یا واؤ بمعنی مع ہے اور رسولہ مفعول معہ حسن کی ایک قرأۃ

ورسولہ کسرہ سے ہے کیونکہ واؤ قسمیہ ہے حرف جار یعنی اللہ مشرکوں سے بیزار۔ اس کے رسول کی قسم جیسے رب نے حضور ﷺ کی عمر آپ ﷺ کے زمانہ، آپ ﷺ کے شہر کی قسمیں قرآن مجید میں فرمائی ہیں۔ ایسے ہی یہاں آپ ﷺ کی قسم ارشاد فرمائی۔ (کبیر، مدارک، روح المعانی) مگر یہ کسرہ کی قرأۃ خطرناک ہے کہ اس میں شبہ ہوتا ہے کہ رسولہ معطوف ہے مشرکین پر اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں اور اپنے رسول سے بیزار ہے۔ (یہ صریح کفر ہے) اس طرح ہرگز نہ پڑھا جائے۔

حکایت: ایک بدوی نے کسی کو اس طرح تلاوت کرتے ہوئے سنا تو بولا کہ اگر رسول اللہ سے اللہ بیزار ہے تو میں بھی بیزار ہوں۔ دوسرے نے اسے گرفتار کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پیش کیا تو بدوی نے وہ قرأۃ بیان کی۔ حضرت عمر نے تب حکم دیا کہ علم نحو مرتب کیا جاوے اور اس کی تعلیم دی جاوے۔ (تفسیر مدارک و روح المعانی) بعض روایات میں ہے وہ صاحب ابوالاسود دوئلی تھے جنہوں نے یہ واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا تب آپ نے علم نحو کے کچھ قواعد جمع کئے۔ (معانی) **فان تبتم فھو خیر لکم:** یہ جملہ نیا ہے جو گذشتہ جملہ پر مرتب ہے اس لئے ف ترتیب کی ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ایک شرط پوشیدہ ہے یہ اس کی جزا ہے اور ف جزائیہ تو تبتم میں خطاب سارے کفار سے ہے اور توبہ سے مراد کفر سے توبہ ہے یعنی مسلمان ہو جانا۔ اس کلام میں التفات ہے کہ مشرکین کا نام لیا گیا پھر ان سے خطاب فرمایا گیا۔ خیر سے مراد دونوں جہان میں بہتر یعنی اے کافرو اگر تم کفر سے توبہ کر لو مسلمان ہو جاؤ تو تمہارے لئے یہ دنیا و آخرت میں بہتر ہے کہ دنیا میں اللہ والوں کی تلوار سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں اللہ کی نار سے۔ **و ان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے جس میں توبہ نہ کرنے کے انجام کا ذکر ہے یعنی اگر تم نے توبہ سے اسلام سے منہ موڑا اور اپنے کفر پر قائم رہے تو یقین رکھو کہ اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے خواہ وہ دنیا میں بھی تم کو عذاب دے اور آخرت میں بھی یا صرف آخرت میں دے۔ **و بشر الذین کفروا بعذاب الیم** یہ جملہ نیا ہے بشر میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے۔ **الذین کفروا** سے معلوم ہوا کہ مشرکین سے مراد کفار ہیں عذاب الیم سے مراد ہے الم و رنج دینے والا۔ لعذاب یعنی دردناک اس ڈرانے کی خبر کو بشارت فرمانا کفار کو ذلیل کرنے کے لئے ہے یعنی ان ضدی کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو کہ وہ اپنی اس ضد پر بہت مار کھائیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اللہ رسول کی طرف سے سارے لوگوں کو اعلان عام ہے جسے وہ اس سال حج اکبر یعنی عرفات کے دن کہتے ہیں عرفہ میں یا قربانی کے دن منیٰ میں تمام کفار تک پہنچا دو کہ اللہ سارے کفار سے ہی بیزار ہے، ان کے کفر کی وجہ سے اور اس کا رسول بھی ان سے بیزار ہے یہ خبر سن کر اگر تم کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو جاؤ تو تمہارے لئے دنیا و آخرت میں بہتر ہے اس میں تمہارا ہی بھلا ہے نہ کہ اللہ رسول کا وہ تم سے بے نیاز ہیں تم مسلمان ہو کر دنیا میں بھی عزت پاؤ گے اور آخرت میں بھی۔ اور اگر تم یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی اسلام سے منہ پھیرے رہے کفر پر ڈٹے رہے تو جان رکھو کہ تم خدا تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سارے ہی کافروں کو نہایت دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام و کلام رب تعالیٰ کے کام و کلام ہیں یہ فائدہ اذان من اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا کیونکہ یہ اعلان حج کے موقع پر حضور ﷺ کی طرف سے ہوا مگر رب نے فرمایا کہ ہماری طرف سے ہے اور ہمارے رسول کی طرف سے اعلان ہے۔

دوسرا فائدہ: کفار زمانہ کفر میں جو کام کریں ان میں سے اکثر پر شرعی احکام جاری ہو جاتے ہیں اگرچہ اسلامی قاعدے سے نہ ہوئے ہوں یہ فائدہ حج اکبر کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو ۹ ہجری کا حج کفار نے دسویں ذی قعدہ کو کیا جو کہ اسلامی قاعدے سے غلط تھا کہ اس کی تاریخ نویں بقرعید ہے۔ ذوالحج سے رب نے حج فرمایا لہٰذا کفار کے آپس کے نکاح پر اسلامی احکام جاری ہو جائیں گے۔ اگرچہ وہ اسلامی قانون کے مطابق نہ ہوئے ہوں۔ ان کی اس نکاح کی اولاد حلالی ہوگی۔ اگر خاوند بیوی مسلمان ہو جاویں تو انہیں دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ وہ کفر کے زمانہ کا نکاح قائم رہے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے سیصلی نارا ذات لھب و امرتہ دیکھو ابولہب کی بیوی جمیلہ کو امراتہ فرمایا حالانکہ اس کا نکاح اسلامی قانون کے مطابق نہ ہوا تھا۔

تیسرا فائدہ: اگر فاسق ظالم سلطان ایک آدھ دن آگے پیچھے حج کرادے جبراً تو گنہگار ہوگا۔ مسلمانوں کا حج ہو جاوے گا۔ یہ فائدہ بھی یوم الحج الاکبر فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ۹ ہجری کے غلط حج کو جو ذی قعدہ میں ہوا، حج فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق و علی مرتضیٰ نے اس میں حج ادا کیا۔

چوتھا فائدہ: اللہ کے ساتھ حضور انور ﷺ کا نام لینا بغیر ف یا ثم کے بالکل جائز اور سنت الٰہیہ ہے یہ فائدہ من اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا لہٰذا یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ رسول نے ایمان دیا۔ اللہ رسول بھلا کریں وغیرہ رب فرماتا ہے اغناھم اللہ و رسولہ۔

پانچواں فائدہ: جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض یا بیزار ہو جائیں اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض یا بیزار ہوتا ہے یہ فائدہ ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ سے حاصل ہوا لہٰذا جس سے حضور ﷺ راضی ہو جاویں تو اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو جاتا ہے۔

چھٹا فائدہ: جو نیکی مبارک دن یا مبارک جگہ میں کی جاوے اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ یہ فائدہ حج اکبر کی پانچویں تفسیر سے حاصل ہوا کہ جو حج جمعہ کو ہو اس کا ثواب ستر حج کے برابر ہے یہی حال ماہ رمضان کا ہے کہ رمضان کا عمرہ حج کے برابر ثواب رکھتا ہے اس مہینہ کی ہر نیکی ستر گنا ہے یونہی اس ماہ میں یا جمعہ کے دن گناہ ستر گناہوں کے برابر ہے۔

ساتواں فائدہ: جو نیکی اللہ کے مقبول بندوں کے ساتھ کی جاوے اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ یہ فائدہ حج اکبر کی چھٹی تفسیر سے حاصل ہوا۔ یعنی جس سال حضور ﷺ نے حج کیا وہ حج اکبر تھا کیونکہ نبی اکبر کے ساتھ کیا گیا نماز فجر اور نماز عصر بہت افضل ہیں کیونکہ ان میں دن رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ فجر کے متعلق رب فرماتا ہے۔ ان قران الفجر کان

مشہود ا اور عصر کے متعلق فرماتا ہے حافظوا علی الصلوات و الصلوۃ الوسطی۔
آٹھواں فائدہ: ہم سب حضور انور ﷺ کے محتاج ہیں حضور ﷺ ہم سے بے نیاز یہ فائدہ فھو خیر لکم سے حاصل ہوا کہ توبہ کرنا اسلام لانا تمہارے ہی لئے بھلا ہے۔ حضور انور ﷺ سورج ہیں۔ ہم سب گویا زمین والے۔ اگر کوئی سورج سے نور نہ لے تو سورج کا کچھ نہیں بگڑتا۔
نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ مومن گنہگار کو عـذاب الیـم یعنی دردناک عذاب سے بچائے گا۔ ذلت رسوائی، دردناک ہمیشہ والا عذاب صرف کفار کو ہے۔ یہ فائدہ وبشـر الـذین کفروا بعذاب الیم سے حاصل ہوا کہ رب نے عذاب الیم کے لئے الذین کفروا فرمایا۔
پہلا اعتراض: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کا اعلان ۹ ہجری کے حج میں حضرت علی سے کرا دیا وہ نہ حج تھا کیونکہ دس ذی قعدہ کو ہوا نہ اکبر تھا۔ کیونکہ وہ جمعہ کو ہوا نہ حضور انور ﷺ نے اس سال حج کیا۔ تو یہاں یوم الاکبر فرمانا کیونکر درست ہوا۔
جواب: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہاں حج کے معنی پانچویں یا چھٹے نہیں بلکہ یہ عمرہ کے مقابل ہے۔ ہر حج حج اکبر ہے۔ عمرہ حج اصغر یعنی چھوٹا حج لہٰذا حج اکبر وہی حج تھا جس میں حضرت علی نے ان آیات کا اعلان فرمایا وہ اگرچہ واقعہ میں دس ذیقعدہ کو ہوا مگر چونکہ کفار نے اسے ذی الحجہ مانا تھا ان کے عرف کے لحاظ سے اسے حج فرمایا گیا اور اگر اس سے مراد حضور انور ﷺ کا حج ہو جو ۱۰ ہجری میں ہوا تب بھی حرج نہیں کہ حضور انور ﷺ نے بھی یہ اعلان اپنے حج میں کیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ اعلان اے حبیب حج اکبر یعنی اپنے حج میں بھی کر دیں ایک اعلان دوبارہ ہو سکتا ہے۔
دوسرا اعتراض: براۃ کے بارے میں ارشاد ہوا الی الـذین عھدتم مگر یہاں اذان کے متعلق ارشاد ہوا الی النـاس اس فرق کی وجہ کیا ہے۔
جواب: وہاں عہد توڑنے والے کفار سے بیزاری کا ذکر تھا۔ غداری بے وفائی کی وجہ سے۔ لہٰذا ان سے ہی خطاب ہوا یہاں مشرکین و کفار سے بیزاری کا ذکر ہے اس لئے للناس ارشاد ہوا کہ مشرکین کفار مومنین سب ہی سن لیں۔ کفار یہ اعلان سن کر مومن بن جاویں، مشرکین یہ سن کر مومن بن جائیں مومنین یہ سن کر اپنے ایمان پر پختہ ہو جاویں۔ ہمیشہ مومن رہیں۔
تیسرا اعتراض: کیا اللہ رسول صرف مشرکوں سے بیزار ہیں دوسرے کافروں سے راضی ہیں۔ بری من المشرکین کیوں فرمایا گیا۔
جواب: ابھی تفسیر میں کہا گیا کہ ان جیسے مقامات پر مشرکین سے مراد سارے کافر ہوتے ہیں چونکہ عرب میں مشرکین بہت تھے دوسرے کافر تھوڑے اس لئے مشرکین کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے ان اللـہ لایغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذالک اس آیت کا مطلب یہ ہی ہے کہ اللہ کسی قسم کا کفر نہیں بخشے گا اور فرماتا ہے ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا

اس کے معنی یہ ہی ہیں کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح کفار سے نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ ایمان لاویں۔

تفسیر صوفیانہ: کعبہ دل تک رسائی حج اصغر ہے اور کعبہ وصال یار تک رسائی حج اکبر ہے۔ نفس امارہ جس میں دنیا کی طرف رغبت ہے گویا مشرک ہے۔ حکم ہو رہا ہے کہ اے مومن جب تو کعبہ وصال میں پہنچے اور تجھے اللہ تعالیٰ یہ حج اکبر نصیب کرے تو تو اپنے نفس امارہ سے خطاب کر کہ اے نفس تو ابھی تک مشرک ہے تجھ سے اللہ رسول بیزار ہیں اگر تو اس کعبہ کا طواف چاہتا ہے تو شرک سے توبہ کر اپنی انا کو فنا کر نفس مطمئنہ بن جا یہ تیرے لئے بہتر ہوگا اور پھر تجھے خطاب ربانی ہوگا۔ یا ایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک لیکن اگر تو اس شرک خفی میں گرفتار رہا تو اللہ کے عذاب کی خبر سن لے یہ ہر حال کعبہ وصال کا طواف اسے نصیب ہوتا ہے جو جذب الٰہی سے مجذوب ہو۔ فرعونی جادوگروں نے سجدہ میں گر کر ایمان قبول کیا فرعون کے ڈرانے پر بولے انا علی ربنا المنقلبون (روح البیان)

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا
سواء ان لوگوں کے کہ عہد کیا تم نے ان سے مشرکین میں سے پھر نہ کی کی انہوں نے
مگر وہ مشرک جن سے تمہارا معاملہ تھا پھر انہوں نے تمہارے عہد میں کچھ کمی نہ کی اور تمہارے
وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ
تم سے کچھ اور نہیں مدد دی انہوں نے اوپر تمہارے کسی کو پس پورا کرو تم طرف ان کے
مقابل کسی کو مدد نہ دی تو ان کا عہد ٹھہری ہوئی مدت تک پورا کرو بے شک اللہ تعالیٰ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝
عہد ان کا تک مدت ان کی بے شک اللہ پسند کرتا ہے پرہیز گاروں کو
پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ان مشرکین کے احکام بیان ہوئے جنہوں نے حضور انور ﷺ سے معاہدہ کر کے توڑ دیا۔ اب ان مشرکین کے احکام بیان ہو رہے ہیں جو اپنے عہد پر قائم رہے گویا غداروں کے بعد وفاداروں کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں براءة من اللہ میں بہت اجمال تھا۔ دھوکا پڑتا تھا کہ جن مشرکین سے بھی معاہدہ ہوا ان سب سے براءة و بیزاری کا اعلان ہو گیا۔ اب اس اجمال کی تفصیل ہو رہی ہے کہ وہاں وہ مشرکین مراد ہیں جنہوں نے

وعدہ شکنی کی ابتداء کی گویا یہ آیت کریمہ گزشتہ آیت کی تفصیل ہے یا تفسیر۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں عہد توڑنے والے مشرکین قریش مکہ وغیرہم کو چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی۔ فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر اب وفاداروں کو نو ماہ تک کی مہلت کا ذکر ہے گویا غداروں کی موت کے بعد اب وفاداروں کی موت کا ذکر ہے۔

نزول: بنی کنانہ میں ایک قبیلہ تھا بنی ضمرہ۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی معاہدہ کیا تھا کچھ شرائط کے ساتھ ان لوگوں نے اپنا معاہدہ من وعن پورا کیا۔ اس اعلان کے وقت ان کے معاہدہ کے نو مہینے باقی تھے۔ اس آیت میں ان کی نو ماہ کی میعاد پوری کرنے کا ذکر ہے۔ یہ آیت کریمہ ان کے متعلق نازل ہوئی۔ (خازن کبیر، روح المعانی، بیان وغیرہ)

تفسیر: الا الذین عھدتم من المشرکین اس عبارت کا تعلق برأۃ من اللہ (الخ) سے ہے یا اس آیت سے من المشرکین سے یا فسیحوا میں جو انتم ضمیر پوشیدہ ہے اس سے الا بمعنی لاکن ہے اور یہ مذکورہ چیزوں سے مستثنیٰ منقطع ہے اگرچہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ میں ایک پوری آیت کا فاصلہ ہو گیا۔ واذان من اللہ سے بعذاب الیم تک مگر چونکہ یہ آیت کریمہ بالکل اجنبی نہیں ہے اس سے تعلق رکھتی ہے کہ اس میں بھی بیزاری کا ذکر ہے اور اس میں بھی، اس لئے فاصلہ مضر نہیں (تفسیر روح المعانی وغیرہ) الذین سے مراد وہی بنی ضمرہ ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اگرچہ اس آیت کا نزول خاص ہے مگر اس کا حکم عام۔ مسلمان اپنا وعدہ پورا کرے خواہ مسلمان سے کیا ہو یا کفار سے جبکہ وہ لوگ عہد شکنی کی ابتداء نہ کریں۔ عھدتم کا مفعول ہ پوشیدہ ہے اصل میں عاھدتموھم تھا۔ من المشرکین میں من یا تو الذین کا بیان ہے یا بعضیت کے لئے ثم لم ینقصوکم شیا یہ عبارت معطوف ہے۔ عھدتم (الخ) پر ثم فرما کر یہ بتایا کہ باوجودیکہ اس عہد ومعاہدہ کو زمانہ گزر گیا مگر انہوں نی عہد شکنی بالکل نہ کی جمہور کی قرأۃ ینقصوکم ہے۔ نقصان سے مشتق اس کا پہلا مفعول کم ہے دوسرا شیا یعنی انہوں نے عہد ومعاہدہ کی شرطوں میں سے کسی شرط کی کمی نہیں کی ساری پوری کیں۔ حضرت عکرمہ اور عمار کی قرأۃ میں ینقضوا کم ہے ضاد نقطیہ سے نقض بنا یعنی اور تمہارے عہد کو بالکل نہ توڑا ہر طرح پورا کیا مگر پہلی قرأۃ قوی ہے کہ جمہور کی ہے نیز آگے اس کے مقابل فاتموا آ رہا ہے اتمام نقصان کا مقابل ہے نہ کہ توڑنے کا (معانی) ولم یظاھروا علیکم احدا یہ عبارت معطوف ہے لم ینقصوکم (الخ) پر عہد توڑنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں براہ راست توڑنا کہ تمہارے مقابلہ میں آ جائیں یا بالواسطہ توڑنا کہ تم سے لڑنے والوں کی فوجی مدد کرنا۔ لم ینقصوکم سے پہلی صورت مراد ہے اور لم یظاھروا (الخ) میں دوسری صورت یعنی انہوں نے براہ راست بھی تم سے جنگ نہ کی اور تمہارے دشمنوں کی مدد بھی نہ کی۔ کفار مکہ نے دوسری قسم کی بدعہدی کی تھی جس کی فریاد رو رو کر عمر ابن سالم نے حضور ﷺ سے یوں کی تھی شعر

لاھم انی ناشد محمدا … حلف ابینا وابیک الاتلدا

ان قریشا اخلفوک موعدا … ونقضوا ذمامک الموکدا

ھم بیتونا بالحطیم ھجدا و قتلونا رکعا و سجدا (تفسیر کبیر)

ولم یظاھروا میں اس طرف اشارہ ہے۔ فاتموا الیھم عھدتم الی مدتھم یہ عبارت الذین عھدتم کی خبر ہے چونکہ اس مبتداء میں شرط کے معنی تھے اس لئے اس کی خبر میں ف جزائیہ لائی گئی۔ اس میں خطاب صحابہ کرام سے ہے لہذا اتموا کا فاعل وہی حضرات ہیں۔ الیھم کا مرجع وہ ہی ضمرہ ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی۔ عہد کی اضافت ھم کی طرف یا مفعول کی طرف ہے یا فاعل کی جانب اس سے مراد وہ ہی معاہدہ ہے جو حضور انور ﷺ نے ان سے کیا تھا۔ مدت سے مراد نو مہینے ہیں جو اس اعلان کے وقت باقی تھے۔ اگر اور زیادہ مدت ہوتی تو وہ بھی پوری کی جاتی یعنی ان لوگوں کے عہد کی باقی مدت پوری کرو کہ اس زمانہ میں ان سے کچھ نہ کہو۔ انہیں چلنے پھرنے جہاں چاہیں جانے آنے کی عام اجازت دو کیونکہ ان اللہ یحب المتقین اپنا عہد پورا کرنا تقویٰ ہے اور عہد پورا کرنے والے متقی۔ اللہ تعالیٰ کو متقی مسلمان بڑے پیارے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! سارے عہد شکن کفار میں اعلان کر دو کہ تم کو چار ماہ کی مہلت ہے اس عرصہ میں سوچ لو۔ مسلمان ہو جاؤ ورنہ مارے جاؤ گے مگر ان میں سے وہ بنی ضمرہ جن سے تمہارا معاہدہ کچھ شرائط کے ماتحت ہے پھر ان لوگوں نے اس دراز مدت میں معاہدہ کی کوئی شرط نہیں توڑی نہ تو انہوں نے اس عرصہ میں تم سے خود جنگ کی نہ تمہارے یا تمہارے حلیفوں کے مقابل دشمنوں کی کسی طرح مدد کی آدمیوں سے یا سامان جنگ سے بلکہ بالکل علیحدہ رہے ان سے کہہ دو کہ تمہارے واسطے یہ اعلان نہیں ہے۔ تمہارے معاہدہ کی مدت باقی ہے یعنی نو مہینہ وہ ضرور پوری کی جاوے گی۔ یہ وعدہ وفائی مومن متقی کی علامت ہے اللہ تعالیٰ متقی پرہیزگاروں سے بہت محبت فرماتا ہے۔ خیال رہے کہ عہد توڑنے والے کفار کو چار ماہ کی مہلت اور ان لوگوں کو نو ماہ کی مہلت دی گئی۔ ان مدتوں کے ختم ہونے کے بعد ان دونوں کے لئے ایک ہی حکم ہوگا۔ اسلام یا تلوار جیسا کہ آگے آ رہا ہے کیونکہ مشرکین عرب کے لئے جزیہ نہیں ان کے لئے دو ہی چیزیں ہیں۔ اسلام یا قتل۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مسلمان پر اشد ضروری ہے کہ اپنے وعدے اور معاہدے بہر حال پورے کرے۔ خواہ مسلمان سے کئے ہوں یا کفار و مشرکین سے۔ یہ فائدہ الا الذین (الخ) سے حاصل ہوا۔ یہ ہی حال امانت اور قرض کا ہے کہ کافر مشرک کی امانت و قرض ادا کرنا ضروری ہے افسوس کہ آج ہم سے یہ صفات جاتی رہیں ہم بد عہدی، خیانت، قرض مار لینے میں مشہور ہو گئے۔ الا ماشاء اللہ رب تعالیٰ ہماری زندگی قرآنی بنائے۔ شعر

گر تو مے خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

دوسرا فائدہ: دشمن کا دوست اس کا مددگار اپنا دشمن ہے۔ اس کے ساتھ دشمن والا سلوک کرنا چاہئے ورنہ اپنی زندگی خطرے میں پڑ جاوے گی۔ یہ فائدہ ولم یظاھروا علیکم (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: دشمن کی مدد خواہ جانی ہو یا مالی یا سامان جنگ سے سب کا یہ ہی حکم ہے۔ یہ فائدہ ولم یظاھروا علیکم کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ کفار مکہ نے بنی بکر کی مدد بنی خزاعہ کے مقابلہ سے ہتھیاروں سے ہی کی تھی کہ حضور انور

ﷺ نے ان پر حملہ فرمادیا اور مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔

چوتھا فائدہ: کامل متقی وہ ہے جس کی عبادات بھی کامل ہوں اور معاملات بھی درست ہوں۔ یہ دونوں تقویٰ کے دو پر ہیں جن سے مومن راہ خدا کو اڑ کر طے کرتا ہے اور اللہ رسول تک پہنچتا ہے۔ یہ فائدہ یحب المتقین سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے عہد پورا کرنے والوں کو متقی فرمایا۔ عبادات آسان ہیں صفائی معاملات مشکل ہے۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ الا الذین عھدتم (الخ) مستثنیٰ ہے براۃ من اللہ (الخ) سے یافسیحوا کی ضمیر سے مگر نحوی قاعدہ یہ ہے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ میں اجنبی کا فاصلہ نہ چاہیے۔ یہاں ایک بڑی آیت و اذان من اللہ (الخ) کا فاصلہ ہوتے ہوئے یہ استثناء کیوں درست ہوا۔ (نحوی)

جواب: اس کے دو جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گئے ایک یہ کہ مستثنیٰ منقطع ہے اور الا بمعنی لکن ہے۔ اس میں فاصلہ درست ہے وہ قاعدہ مستثنیٰ متصل کے لئے ہے۔ دوسرا یہ کہ مستثنیٰ متصل میں بھی اجنبی سے فاصلہ جائز ہے اور آیت کریمہ و اذان من اللہ (الخ) اجنبی نہیں کیونکہ وہاں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری کا ہی ذکر ہے غدار کفار سے اور اس آیت و اذان من اللہ میں بھی انہی کی بیزاری کا ذکر ہے مضمون قریبا یکساں ہے۔ (روح المعانی)

دوسرا اعتراض: لم ینقصو کم شیا میں ہر قسم کی خلاف ورزی کا ذکر ہو گیا۔ پھر لم یظاھروا علیکم علیحدہ کیوں ارشاد ہوا یہ ایک زائد چیز ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ لم ینقصو کم شیا میں براہ راست خلاف ورزیاں مراد ہیں اور لم یظاھروا (الخ) میں بالواسطہ عہد توڑنا مراد ہے یعنی تمہارے دشمنوں کی تمہارے مقابل یا تمہارے حلیفوں کے مقابل کسی طرح کی مدد نہ کریں لہٰذا یہ عبارت مکرر نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ہم سب نے اللہ تعالیٰ سے چند معاہدے کئے ہیں کچھ میثاق کے دن کچھ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے وقت۔ ان معاہدوں میں سے ایک معاہدہ وہ ہے جو ہر نمازی نماز وتر میں کیا کرتا ہے۔ و نخلع و نترک من یفجرک خدایا ہم تیرے دشمنوں کو چھوڑ دیں گے ان سے بے تعلق رہیں گے۔ اب ہم میں سے جو کوئی عبادت نہ کرے یا اللہ کے محبوبوں سے محبت ان کی اطاعت نہ کرے اللہ کے دشمنوں سے نفرت وعداوت نہ رکھے ان سے میل جول رکھے یا ان سے بے تعلق رہے کہ ہمیں کیا۔ وہ جانیں رب جانے۔ وہ رب کے عہد کو توڑتا ہے۔ عذاب الٰہی کا مستحق ہے۔ جسمانی زندگی کے لئے ضروری ہے کہ مفید صحت چیزوں سے تعلق رکھے جیسے غذا، پانی، لباس، مکان اور مضر صحت چیزوں جان کے دشمنوں سے دشمنی رکھے سانپ سے محبت نہ کرے ورنہ جان کھو بیٹھے گا۔ ایسے ہی روحانی زندگی کے لئے اللہ والوں سے محبت ان کی صحبت ان کی اطاعت اختیار کرے اللہ کے دشمنوں کفار و بدکاروں سے نفرت رکھے ورنہ ایمان کھو بیٹھے گا۔ خود گناہ کرنا بھی گناہ ہے اور گناہ کی مدد کرنا بھی گناہ۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا ثم لم ینقصو کم شیاء پھر ارشاد ہوا و لم یظاھروا علیکم احدا یہ آیت کریمہ تقویٰ قلوب کی جامع ہے۔ رب فرماتا ہے۔ و من یعظم شعائر اللہ فانھا من التقوی القلوب جب تمہارے عہد

کو توڑنے والا مجرم ہے تو رب تعالیٰ اس کے رسول سے عہد توڑنے والا کیوں نہ مجرم ہوگا۔

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ

پس جب نکل جائیں حرام ہونے کے مہینے پس قتل کرو مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ تم ان

پھر جب حرمت والے مہینے نکل جاویں تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ انہیں پکڑو

وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ

کو اور پکڑو تم ان کو اور قید کرو ان کو اور بیٹھو تم ان کے لئے ہر گھات میں پس اگر

اور قید کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو

مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا

توبہ کریں وہ اور قائم کریں وہ نماز کو اور دیں وہ زکوٰۃ کو خالی کرو تم

پھر اگر توبہ کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کی

سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

راستہ ان کا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

کی راہ چھوڑ دو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں معاہدہ والے مشرکین کی دو جماعتوں کی امان کا ذکر ہوا۔ غداروں کے لئے چار ماہ عہد پورا کرنے والوں کے لئے بقیہ مدت یعنی ۹ ماہ۔ اب ان مدتوں کے ختم ہو جانے کے احکام کا ذکر ہے گویا امان کے بعد پکڑ کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ امان کے زمانہ میں معاہدین کفار سے کہیں بھی کچھ نہ کہو انہیں آزاد پھرنے دو۔ اب ارشاد ہے کہ یہ زمانہ گزرنے کے بعد انہیں کہیں بھی نہ چھوڑو نہ حل میں نہ حرم میں گویا نہ پکڑنے کے بعد نہ چھوڑنے کا تذکرہ ہے۔ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں عارضی امان کا ذکر تھا جس سے کفار دنیا میں چند ماہ امن سے رہ لیں یعنی عہد و پیمان کی امان اب ان کے لئے دائمی امان کا ذکر ہے جس سے وہ دین و دنیا میں ہمیشہ امن و ایمان سے رہیں یعنی ایمان، نماز وغیرہ فان تابوا و اقاموا الصلوۃ (الخ)

تفسیر: فاذ انسلخ الاشھر الحرم یہ جملہ نیا ہے۔اذا عموم ظرف کے لئے ہے کیونکہ اس سے پہلے دو قسم کے کافروں کے لئے دو مدتیں بیان ہوئیں۔غداروں کے چار ماہ اور وفاداروں کے لئے بقیہ ۹ ماہ اب دونوں مدتوں کے گزرنے کے بعد کا حکم ہے لہٰذا اذا سے مراد جب بھی ہے۔انسلخ بنا ہے انسلاخ سے جس کا مادہ ہے سلخ بمعنی جانور کی کھال کھینچنا جس سے گوشت ننگا ہو جاوے کھال گوشت کو ڈھانپے ہوتی ہے یہ چار ماہ کی مدت ان کو ڈھانپے اپنی امان میں لئے ہوئے تھی۔اس لئے اس مدت کو کھال سے تشبیہ دے کر انسلاخ ارشاد ہوا (روح المعانی) بعض نے فرمایا کہ سال، مہینہ، دن وغیرہ زمانہ زمانیات کو اپنے اندر ایسے لئے ہوتا ہے جیسے کھال گوشت کو اس لئے زمانہ کے گزرنے کو انسلاخ کہتے ہیں۔(روح البیان، معانی، کبیر وغیرہ) عرب کے محاورہ میں مہینہ گزرنے کو انسلاخ شہر کہا جاتا ہے۔ایک شاعر کہتا ہے۔شعر

اذا ما سلخت الشھر اھلک شلہ　　　　کافی قاتلا سلخی المشھور اھلالی

الاشھر جمع ہے شہر کی بمعنی مہینہ اس کی پوری شرح پہلے پارے میں کی جا چکی ہے۔حرم جمع ہے حرام کی حرام کے دو معنی ہیں یا تو وہ حرمت سے بنا بمعنی احترام جیسے بیت الحرام یا مقابل ہے حلال کا۔اصطلاحاً اشہر حرم چار مہینے ہیں۔رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم کو شروع اسلام میں اس زمانہ میں جنگ قتل و غارت سب حرام تھی۔رب فرماتا ہے یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر پھر یہ حرمت منسوخ ہوگئی۔یا تو اجماع امت سے یا اس حدیث سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا ہیں محرم کو بلکہ معاہدہ کے مہینے مراد ہیں غداروں کے لئے چار ماہ دس ذی قعدہ سے دس صفر تک اور وفاداروں کے لئے نو مہینے یعنی ماہ رجب تک یہ ہی قول ہے مجاہد اور محققین مفسرین کا بعض نے اس سے وہ مشہور مہینے مراد لئے مگر قول اول قوی ہے۔(روح المعانی، کبیر، جلالین خازن وغیرہ) اس صورت میں یہ آیت منسوخ نہیں اور اگر اس سے محترم مہینے مراد ہوں تو منسوخ ماننا پڑے گی کیونکہ وہ حکم منسوخ ہو چکا یعنی جب معاہدے والے مہینے گزر جاویں تو تم کو چار چیزوں کی اجازت ہے ایک یہ کہ فاقتلوا المشرکین حیث و جدتموھم یہ عبارت جزا ہے فاذا انسلخ کی ظاہر یہ ہے کہ اقتلوا اباحت کے لئے ہے کیونکہ ممانعت کے بعد ہے۔قتل سے مراد مطلقاً ہلاک کر دینا ہے۔خواہ دھار دار آلے سے ہو یا کسی اور طرح۔المشرکین سے مراد وہ ہی عہد والے مشرکین عرب ہیں جن سے ترک جنگ کا معاہدہ ہوا تھا اور انہوں نے غداری کی تھی۔دوسری قسم یعنی وفادار مشرکین کا قتل اس سے خود سمجھ میں آ جاتا ہے اور ہو سکتا ہے اس سے دونوں قسم کے معاہدین مشرک مراد ہوں۔حیث و جدتموھم یہ فاقتلوا کا ظرف مکان ہے۔اس سے مراد ہے ہر جگہ۔جہاں وہ ملیں حرم میں یا حل میں۔(معانی) جلال الدین سیوطی نے فرمایا کہ اس ایک آیت سے معافی، درگذر، چشم پوشی کی ساری آیات منسوخ ہوگئیں۔علامہ ابن حجر نے فرمایا معافی کی آیات کی ناسخ وہ آیت ہے۔وقاتلوا المشرکین کافۃ بعض نے فرمایا یہ دونوں آیتیں ناسخ ہیں۔جمہور علما فرماتے ہیں کہ یہ آیت تمام کفار کے لئے عام ہے لہٰذا سارے جہان کے کفار عربی ہوں یا عجمی، حبشی ہوں یا رومی سب سے قتال جائز ہے بعض وقت ضروری ہے۔(روح المعانی) دوسرا حکم یہ ہے وخذوھم یہ عبارت واقتلوا پر معطوف ہے پکڑنے سے مراد مشرکین عرب کو قید کرنا ہے نہ کہ غلام بنانا۔کیونکہ مشرکین عرب کو غلام بنانا جائز نہیں۔اسی سے

ہے اخیذ بمعنی قیدی مقصد یہ ہے کہ انہیں قید بنا کر اور سوچنے غور کرنے کی مہلت دو شاید وہ غور کے بعد مومن ہو جاویں۔ تیسرا حکم یہ ہے۔ واحصروھم یہ عبارت معطوف ہے خذوھم پر۔ حصر سے مراد ہے ان کا محاصرہ کرنا یعنی اگر وہ اپنے قلعوں یا بستیوں میں پناہ لے لیں تو تم ان قلعوں بستیوں کا محاصرہ کرلو کہ وہ تنگ آ کر یا مسلمان ہو جائیں یا اپنے کو قتل کے لئے پیش کردیں۔ سیدنا ابن عباس کی یہی تفسیر ہے (خازن) لہٰذا خذوھم اور احصروھم میں فرق ہے۔ واقعدوا لھم کل مرصد یہ چوتھا حکم ہے۔ بیٹھنے سے مراد نگہبانی کرنا اور تاک بندی کرنا ہے۔ لھم کا مرجع وہی کفار ہیں مرصد اسم ظرف رصد کا۔ بمعنی تاک لگانا، انتظار کرنا کہا جاتا ہے اوصدتہ میں فلاں کی تاک میں منتظر رہا۔ مرصد کا ترجمہ گھات نہایت موزوں ہے یعنی ان کے تمام رستے بند کردو جن سے وہ کہیں جائیں آئیں۔ خلاصہ یہ کہ انہیں گلی کوچوں یا شہروں گاؤں میں پھرنے کی اجازت نہ دو۔ ان کے سارے راستے بند کردو احصروا میں قلعوں مکانوں کی تاک بندی کا حکم تھا اور اقعدوا (الخ) میں شہروں گاؤں کی تاک بندی کا حکم ہے۔ یہ احکام جب ہیں جبکہ وہ کفر پر قائم رہیں لیکن فان تابوا و اقاموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم یہ تصویر کا دوسرا رخ تھا توبہ سے مراد کفر سے توبہ ہے یعنی مسلمان ہو جانا۔ نماز قائم کرنے سے مراد نماز پڑھنا شروع کردینا۔ آئندہ پابندی نماز کا عہد کرنا اگر وہ امیر آدمی ہو تو زکوۃ دینے کا وعدہ کرنا کیونکہ زکوۃ اسلام لانے سے ایک سال بعد واجب ہوگی۔ اگر وہ مالدار ہے۔ اگرچہ روزہ حج وغیرہ ارکان اسلام ہیں مگر چونکہ نماز بدنی عبادات میں اور زکوۃ مالی عبادات میں بہت اہم ہے اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جاویں اقرار ا بھی عملاً بھی نماز و زکوۃ اسلام کا ثبوت ہیں اور ہوسکتا ہے کہ نماز و زکوۃ سے مراد سارے ارکان ایمان ہیں۔ دو فرد یں بول کر سارے ارکان مراد لئے جاویں جیسے یومن باللہ و الیوم الاخر یعنی اگر وہ زبان سے کلمہ پڑھ لیں اور عمل سے اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دے دیں تو فخلوا سبیلھم یہ عبارت جزا ہے فان تابوا (الخ) کی۔ خلو بنا ہے تخلیہ سے بمعنی چھوڑ دینا۔ سبیل سے مراد جنس راستہ یعنی ان کے تمام راستے خالی کردو انہیں آزاد چلنے پھرنے دو۔ ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ لغت عربی میں راستہ خالی کرنے سے مراد ہوتا ہے چھوڑ دینا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

خل السبیل لمن یبنی المنار بہ　　　　وابرز زبیروۃ حیث اضطرک القدر

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ مشرکین و کفار سے کلمہ پڑھتے ہی مسلمان ہوتے ہی ساری آفات ٹل جائیں گی۔ اب وہ نو مسلم اور تم پرانے مسلمان احکام و حقوق میں برابر ہو جاؤ گے۔ ان سے کچھ نہ کہو وہ اور تم آزادی میں برابر ہو۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! جب یہ مذکورہ مدت جس میں مشرکین سے جنگ کرنا حرام تھا یعنی غداروں کے چار مہینے اور عہد پورا کرنے والوں کے لئے بقیہ مدت کے نو ماہ گزر جائیں تو تم آزاد ہو۔ انہیں قتل کرو، انہیں قید کرو، ان کے مکانوں، قلعوں کا محاصرہ کرو، ان کے راستوں کی تاک بندی کرو کہ وہ نہ تو کہیں نکلنے پائیں، نہ سفر کرسکیں۔ جب ان پر قابو پاؤ مار دو لیکن اگر وہ کفر سے توبہ کرکے مسلمان ہو جائیں نماز پڑھنے لگیں اگر امیر ہوں تو سال گزرنے پر زکوۃ دینے کا ارادہ کرلیں جس سے ان کے سچے مسلمان ہونے کا ثبوت ہو جاوے تو ان کے راستے کھول دو۔ انہیں چھوڑ دو۔ اب وہ اور تم اسلام میں برابر اور برادر ہو

گئے ہو۔ یہ حکم تو تم کو دیا گیا۔ ہم بھی وعدہ کرتے ہیں کہ ہم غفور یعنی گناہ بخشنے والے بھی ہیں اور رحیم بھی یعنی رحمتیں دینے والے بھی۔ اب ہم ان کو سزا نہ دیں گے بلکہ رحمتیں دیں گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مکرہ یعنی مجبور کا ایمان شرعاً معتبر ہے یعنی اگر کافر جنگ کی حالت میں ایمان لائے تو اسے مسلمان مانا جائے گا اگرچہ ڈر سے ہی مسلمان ہوا! یہ فائدہ فان تابوا سے حاصل ہوا کیونکہ یہاں توبہ کو مطلق رکھا گیا۔ خوشی سے ہو یا جبراً۔

دوسرا فائدہ: نماز اور زکوۃ مسلمان ہو جانے کی علامت ہے کیونکہ یہ دونوں کام نیکیوں کی جڑ ہیں۔ یہ فائدہ **واقاموا الصلوۃ** (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: جو کافر قیدی ایمان تو قبول کرلے مگر نماز نہ پڑھے وہ رہائی کا مستحق نہیں۔ یہ فائدہ **خلوا سبیلھم** سے حاصل ہوا کہ آزادی کو نماز پڑھنے پر موقوف رکھا گیا۔

چوتھا فائدہ: کافر پر مسلمان ہوتے ہی نماز فرض ہے۔ نماز سیکھنے کا زمانہ مہلت نہ ہوگا۔ اگر ظہر کے وقت ایمان لایا تو اسی وقت نماز پڑھے۔ جماعت میں امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے۔ اگر نماز سیکھنے میں کچھ دن لگیں تو ان دنوں کی نماز قضا کرے۔ یہ فائدہ **واقاموا الصلوۃ** سے حاصل ہوا۔ ہاں اگر عورت کافرہ بحالت حیض ونفاس مسلمان ہوئی تو اس پر نماز پاک ہونے پر فرض ہوگی۔

مسئلہ: ہاں نومسلم پر زکوۃ فرض ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ وہ امیر یعنی صاحب نصاب ہو۔ دوسرے یہ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس پر سال گزر جائے۔ غرضیکہ جو پرانے مسلمانوں کے احکام ہیں وہ ہی اس نومسلم کے لئے ہوں گے۔

پانچواں فائدہ: اسلام میں نئے اور پرانے مسلمانوں میں فرق نہیں دونوں یکساں مسلمان ہیں۔ جو شخص مسلمان ہوتے ہی مر جائے وہ پرانے مسلمانوں ہی کی طرح اللہ کی رحمتوں کا مستحق ہے۔ یہ فائدہ **ان اللہ غفور الرحیم** سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہ ہوگا۔ ان کے لئے صرف اسلام یا قتل ہے۔ یہ فائدہ **فان تابوا اقاموا الصلوۃ** سے حاصل ہوا کہ ان کو چھوڑنے کی شرط صرف توبہ اور نماز و زکوۃ قرار دی گئی۔ دوسروں کے متعلق ارشاد ہوا **حتی یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صاغرون**۔

ساتواں فائدہ: مشرکین عرب کو قید کرنا جائز ہے یہ فائدہ **وخذوھم** (الخ) سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے چار باتوں کا حکم دیا یعنی قتل، قید، محاصرہ، ناکہ بندی۔ غلام بنانے کی اجازت نہ دی۔

نواں فائدہ: مشرکین عرب کو حل وحرم ہر جگہ قتل کیا جاوے گا یہ فائدہ **حیث وجدتوھم** سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: محترم مہینوں یعنی رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم میں بھی جہاد جائز ہے اور قتل کفار بھی درست۔ ان میں جنگ کی حرمت منسوخ ہو چکی یہ فائدہ **انسلخ الاشھر الحرم** (الخ) سے حاصل ہوا کہ ارشاد ہوا جب معاہدہ کے مہینے گزر جاویں تو مشرکین کو قتل کرو۔ قتل کی مطلقاً اجازت دی جب بھی ہو ان چار مہینوں میں یا ان کے علاوہ۔

گیارہواں فائدہ: عرب کے اہل کتاب کفار کو غلام بنانا ان پر جزیہ مقرر کرنا سب جائز ہے۔ یہ فائدہ فاقتلوا المشرکین فرمانے سے حاصل ہوا کہ کفار نہ فرمایا مشرکین فرمایا۔ یہ مسائل فقہ کی کتب میں ملاحظہ کرو۔

بارہواں فائدہ: جہاد میں کفار کی شکست کے لئے ہر جائز تدبیر کرنا چاہئے۔ قتل قید محاصرہ وغیرہ یہ فائدہ واقعدوا لھم کل مرصد سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا ہر طرح ان کی تاک میں بیٹھو۔

تیرہواں فائدہ: مومن کی جنگ صرف اللہ کے لئے ہے۔ جس میں نفسانیت کا شائبہ نہیں دیکھو کفار کی عمر بھر کی دشمنی صرف توبہ اور نماز سے ختم ہوگئی۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں اشہر حرم سے مراد محترم مہینے یعنی رجب ذیقعدہ ذی الحجہ محرم اور حکم ہے کہ ان چار ماہ کے بعد مشرکین کو قتل کردو یہ آیت منسوخ ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا۔

جواب: یہ تفسیر قوی نہیں اولاً تو اس لئے کہ وہ مہینے مسلسل نہیں۔ رجب اور ذی قعدہ کے درمیان تین مہینے ہیں۔ شعبان رمضان شوال اور انہیں چار ماہ کی مسلسل امان دی گئی تھی۔ دوسرے اس لئے کہ یہ امان کا اعلان دس ذی قعدہ کو ہوا جب کہ مشرکین نے حج کیا۔ اس حساب سے آخر محرم تک دو ماہ بیس دن کی امان ہوگی نہ کہ چار مہینے۔ تیسرے اس لئے کہ بلا ضرورت آیات کو منسوخ کیا جانا مناسب نہیں لہٰذا قوی یہ ہی ہے کہ یہاں اشہر حرم سے مراد وہ ہی چار ماہ ہیں جن کی انہیں امان دی گئی۔

دوسرا اعتراض: یہاں فاقتلو المشرکین کیوں ارشاد ہوا۔ الکافرین کیوں نہ فرمایا گیا۔ کیا جہاد صرف مشرکین پر ہوتا ہے باقی کفار پر نہیں۔

جواب: یہاں جس قسم کے جہاد کا حکم ہے وہ صرف مشرکین عرب پر ہی ہوتا ہے دوسرے کفار یا عجمی مشرکین پر نہیں ہوتا یعنی صرف قتل یا اسلام دوسروں کے لئے قتل۔ جزیہ اور اسلام اور غلام بنانا لہٰذا المشرکین فرمانا بالکل درست ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیۃ میں انہیں چھوڑنے کی تین شرطیں ارشاد ہوئیں توبہ نماز کی پابندی زکوٰۃ دینا۔ جب یہ تین کام وہ کرلیں تو انہیں چھوڑ دو تو لازم آئے گا کہ انہیں مسلمان ہونے کے بعد بھی ایک سال تک قید رکھا جائے جب سال گزرنے پر زکوٰۃ ادا کریں تب چھوڑا جائے۔ یہ تو بہت مشکل ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ زکوٰۃ دینے سے مراد ہے اس کا ارادہ کرلینا نہ کہ فی الحال دینا۔ یہ ارادہ ان کے ایمان کی علامت ہے جیسے رب فرماتا ہے۔ واقیموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ وہاں یہ ہی مراد ہے کہ نماز روزانہ پڑھے زکوٰۃ سال پر دو یہ فرق یاد رہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب وہ مشرکین نماز پڑھیں تو انہیں چھوڑ دو اور ظاہر ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہوتے ہی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اولاً نماز سیکھے گا جس میں کچھ عرصہ لگے گا پھر پڑھے گا تو کیا اس وقت تک اسے قیدی رکھا جائے۔

جواب: ہر نومسلم کیلئے حکم یہ ہے کہ مسلمان ہوتے ہی نماز پڑھے جماعت میں شریک ہوکر پڑھے جس میں تلاوت نہیں کرتا

پڑتی۔ عملی ارکان دوسروں کے ساتھ ادا کر سکتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ صرف کلمہ پڑھنے پر ہی انہیں نہ چھوڑو بلکہ اطمینان کرلو کہ یہ دل سے مسلمان ہو گیا ہے۔ اس کی علامت نماز شروع کر دینا زکوۃ کا ارادہ کر لینا ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے نمازی کو قتل کر دیا جاوے کیونکہ یہاں تین چیزوں پر کفار کو چھوڑا گیا۔ ایمان، نماز، زکوۃ۔ ان میں سے اگر ایک بھی نہ ہوا سے قتل کیا جائے گا۔ (شوافع)

نوٹ: یہ اعتراض بطور دلیل تفسیر کبیر اور تفسیر بیضاوی نے پیش کیا۔ وہ دونوں شافعی ہیں احناف کے ہاں بے نماز قتل نہیں کیا جائے گا کہ وہ گنہگار ہے کافر نہیں۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی جواب۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو زکوۃ نہ دینے والے کو بھی قتل کیا جائے کہ یہاں اس کا ذکر ہے حالانکہ یہ تمہارا مذہب بھی نہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں نماز پڑھنا ان کے ایمان کی علامت قرار دیا گیا کہ جو قیدی کافر کلمہ پڑھ لے نماز نہ پڑھے اسے نہ چھوڑو۔ جب نماز پڑھنے لگے تب چھوڑو۔ علامت اور ہے حقیقت کچھ اور۔ بعض نے ان جیسے اعتراضات کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے مراد ہے ان کی فرضیت کا قائل ہونا۔ پھر تو آیت صاف ہے کہ نماز یا زکوۃ کا انکار کفر ہے منکر کافر مرتد قابل قتل ہے۔ خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے زکوۃ کے منکروں پر چڑھائی کی تھی نہ کہ زکوۃ کے تارکوں پر۔ ترک زکوۃ کفر نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: انسانی زندگی کے چار دور یعنی بچپن، جوانی، کہولت (ادھیڑ عمر)، بڑھاپا گویا مہلت اور امان کے چار مذکورہ مہینے مبارک ہیں۔ وہ لوگ جو ان میں سے کسی زمانہ میں توبہ کر کے متوجہ الی اللہ ہو جائیں جو یہ زمانے غفلت میں گزار دیں تو ان پر جہاد کرو۔ مشرکین کا قتل ظاہری تلوار سے غافل نفس پر جہاد باطنی تلوار سے اس کا قتل یہ ہے کہ اس کی خواہش کی چیز اسے نہ دی جاوے اور جو اس پر گراں ہے وہ اس سے کرایا جاوے اسے اس طبع اور طبیعت کے خلاف استعمال کیا جاوے۔ کسی نے حضرت امام حسین بن علی صلوۃ اللہ وسلامہ علی جدہ وعلیہا سے پوچھا کہ کون سا جہاد افضل ہے۔ آپ مجاہد تک لہواک اپنی خواہشات پر جہاد کرنا۔ حیث وجدتموہ کا مطلب ہے کہ نفس کو اطاعت میں پاؤ یا گناہ میں، اسے قتل کرو۔ اطاعت میں قتل کے معنی یہ ہیں کہ اسے اس پر قائم رکھو۔ اور اس میں عجب وفخر پیدا نہ ہونے دو۔ امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔ شعر

وراعها وهي في الاعمال سائمة

وان هي استحلت المرعى فلاتسم

یعنی جب نیکیاں کر رہا ہو تب بھی اس کی نگہداشت کرو کہ وہ اس چراگاہ میں چرتا رہے اور طرف بھاگ نہ جائے پھر اگر نفس توبہ کرے غفلت چھوڑ کر متوجہ الی اللہ ہو جائے اور نماز یعنی توجہ الی اللہ پر قائم رہے اور زکوۃ دے یعنی برے عیوب کو چھوڑ دے تو اس پر تم سختی چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ بلاوجہ کسی پر سختی نہیں کرتا۔ (از روح البیان)

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ

اور اگر کوئی مشرکوں میں سے امان مانگے آپ سے تو امان دے دو اسے حتی کہ وہ سن لے

اور اے محبوب اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو کہ وہ اللہ کا

كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ع

کلام اللہ کا پھر پہنچا دو اسے امن کی جگہ اس کی یہ اس وجہ سے ہے کہ تحقیق قوم ہے جو جانتی نہیں

کلام سنے پھر اسے اس کی پناہ کی جگہ پہنچا دو یہ اس لئے کہ وہ نادان لوگ ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کے مضمون سے شبہ ہوتا تھا کہ مذکورین کفار کو مذکورہ مدت گزرنے کے بعد ضرور قتل کیا جاوے گا۔ اب انہیں تبلیغ اسلام نہیں کی جاوے گی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی تبلیغ پہلے ہی کر دی تھی۔ اب اس آیت میں یہ شبہ دور کیا جا رہا ہے کہ نہیں اگر اب بھی وہ تبلیغ کا مطالبہ کریں تو ضرور کی جاوے۔ گویا یہ آیت کریمہ گذشتہ آیات کی تفصیل یا تشریح و تفسیر ہے۔ جس سے پچھلی آیات واضح ہو جاتی ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کی توبہ کا ذکر تھا کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو انہیں چھوڑ دو۔ اب توبہ کے ذریعہ کا ذکر ہے جس سے انہیں توبہ نصیب ہو یعنی مسلمانوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا اور کلام الٰہی سننا گویا توبہ کے بعد تمہید توبہ کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے لئے دائمی نجات کے ذریعہ کا ذکر تھا یعنی مسلمان ہو جانا نماز وغیرہ پر پابندی کرنا اب انہیں کے لئے عارضی نجات کا ذریعہ ارشاد ہو رہا ہے یعنی کلام اللہ سننے کے لئے مہلت مانگنا کہ جب یہ مہلت گزر جائے تو پھر ان کا خون مباح ہو جائے گا۔ کچھ شرائط کے ماتحت جن کا ذکر ابھی ہوگا۔

تفسیر: وان احد المشرکین استجارک ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی علیحدہ جملہ ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ فاقتلوا المشرکین پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہو ان شرطیہ ہے جس کے بعد ایک فعل پوشیدہ ہے جس کی تفسیر استجارک کر رہا ہے کیونکہ ان شرطیہ کبھی اسم پر داخل نہیں ہوتا۔ ہمیشہ فعل پر آتا ہے۔ المشرکین سے مراد وہ ہی مشرکین ہیں جن کی میعاد امان پوری ہو چکی اور ان کا قتل مباح ہو چکا۔ استجار بنا ہے جوار سے بمعنی امان استجارہ امان مانگنا۔ ک میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر یہ حکم تا قیامت باقی ہے بشرطیکہ کسی علامت سے یہ نہ معلوم ہو کہ وہ محض دھوکا دینے اور جان بچانے کے لئے یہ حرکت کر رہا ہے۔ فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ یہ فرمان عالی جزا ہے۔ وان احد (الخ) کی لہٰذا ف جزائیہ ہے اور اجر کا مصدر اجارہ ہے جس کا مادہ بھی جوار ہے۔ اجارہ کے معنی ہیں امان دینا کبھی یہ اجرۃ سے بنتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کرایہ کا معاملہ کرنا یہاں وہ نہیں ہے آخر میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ ہ کا مرجع وہ ہی

مشرک ہے۔ حتیٰ انتہا ہے امان دینے کی حتیٰ یسمع فرما کر یہ بتایا کہ اس امان کی کوئی مدت مقرر نہیں جب تک وہ سننے سمجھنے کی خواہش کرے اسے رکھو۔ سننے سے مراد صرف الفاظ سننا نہیں بلکہ سمجھنا غور کرنا کچھ شبہات ہوں تو ان کو دور کرنا سب ہی ہیں۔ کلام اللہ سے مراد یا پورا قرآن مجید ہے یا سورہ توبہ یا جس قدر سے اس کی تسلی ہو جائے اس قدر سننا۔ تفسیر کبیر نے اس تیسرے احتمال کو ترجیح دی۔ خیال رہے کہ یہاں کلام اللہ سے مراد کلام نفسی نہیں بلکہ یہ ہی قرآن مجید ہے جو پڑھا سنا جاتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کلام اللہ میں قرآن مجید حضور انور ﷺ کے ارشادات سب ہی داخل ہوں کہ وہ بھی کلام اللہ ہیں۔ **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی**۔ **ثم ابلغه مامنه** میں عبارت معطوف ہے۔ فاجرہ پر ثم فرما کر یہ بتایا کہ بہت عرصہ تک بھی انہیں اپنے پاس رکھو کیونکہ ثم مہلت کے لئے آتا ہے۔ ابلغ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو اس کو قتل نہ کرو بلکہ اسے دارالاسلام سے اپنے وطن کی طرف چلا جانے دو یا یہ مطلب ہے کہ اپنے انتظام اسے پہنچا دو۔ مامن اسم ظرف ہے۔ امن کا بمعنی امن کی جگہ اس سے مراد یا اس کا اپنا وطن ہے یا جہاں وہ کہے اور جسے وہ اپنا جائے امن سمجھے۔ **ذلک بانھم قوم لا یعلمون** اس فرمان عالی میں اس حکم کی حکمت ارشاد ہوئی۔ ذلک سے اشارہ اس حکم کی طرف ہے یا سارے ارشادات کی طرف یعنی یہ حکم یا یہ امان۔ یہ ستان پھر انہیں ان کی پناہ گاہ تک پہنچانا۔ بان میں ب سببیہ ہے۔ ھم کا مرجع مذکور مشرکین ہیں یعنی یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ مشرکین نہیں جانتے کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے۔ اس میں کیا خوبیاں بغیر جانے سمجھے یا بغیر بتائے سمجھائے انہیں قتل کر دینا مقصد بعثت کے خلاف ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جن کفار کا زمانہ امن ختم ہو جائے اور ان کا قتل درست ہو جاوے مگر ان میں سے کوئی دلائل اسلام سننے آپ ﷺ کی مجلس پاک میں حاضر رہ کر قرآن کی تعلیم حاصل کرنے اس میں غور کرنے کا شوق ظاہر کرے تو اسے امان دے دو اپنے پاس اس وقت تک رکھو جب تک کہ اس کی تسلی ہو جاوے پھر اگر مسلمان ہو کر ترک وطن اور ہجرت الی المدینہ پر تیار ہو جاوے تو اسے اپنے پاس مستقل رکھو اور اگر مسلمان نہ ہو تو اسے یہاں قتل نہ کرو بلکہ وہ اپنے وطن یا کسی امن کی جگہ جانا چاہے تو اسے وہاں چلا جانے دو یا اسے وہاں پہنچا دو پھر جب کبھی مسلمان کو اس پر قابو ملے تو قتل کر دیں۔

حکایت: ایک مشرک نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اگر اس مقررہ میعاد گزر جانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلام اللہ سننے کا ارادہ کرے تو کیا تم اسے قتل کر دو گے فرمایا نہیں اور آپ نے یہ ہی آیت کریمہ تلاوت کی۔ (تفسیر کبیر و معانی)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مذکور مشرک خود سلطان اسلام سے امان لے اور سلطان کے پاس رہے اس کے ماتحت رہیں اس کے انتظام میں قرآن اور احکام اسلام سنیں یہ درست نہیں کہ کافر مسلمانوں میں پھنس کر کہہ دے کہ ہم کو مہلت دو۔ ہم کسی سے قرآن سن لیں گے۔ یہ فائدہ استجارک اور اجرہ فرمانے سے حاصل ہوا کہ استاذن اور اذن نہیں فرمایا۔ سلطان سے ہی امن لے اور

اس کی امان میں رہے۔

دوسرا فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کی پناہ لینا ان سے امان حاصل کرنا بالکل جائز ہے۔ نہ شرک ہے نہ کفر نہ حرام یہ فائدہ بھی۔ استجارک اور اجرہ سے حاصل ہوا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پناہ دیتے ہیں لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ شعر

یا رسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام ہیچو کاہے آدم کو ہے گنہ آوردہ ام

یا رسول اللہ میں بہت گناہ گار خطا کار ہوں مجھے امان دو روضہ اطہر پر آخری سلام کے بعد عرض کرتے ہیں۔ الامان یا رسول اللہ الایمان یا رسول باللہ الوداع یا رسول اللہ الفراق یا رسول اللہ۔ اس کا ماخذ یہ آیت ہے جب کفار و مشرکین کو حضور ﷺ کے ہاں پناہ اور امان ملتی ہے تو مومنوں کو کیوں نہ ملے گی۔ شعر

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری

تیسرا فائدہ: ذمی کی طرح مستامن کافر کو بھی دارالسلام میں امان ملے گی۔ اس کا جان و مال محفوظ ہوگا کہ نہ اسے قتل کیا جائے گا نہ اس کا مال چھینا جاوے گا۔ ہاں فرق یہ ہے کہ ذمی کو دائمی امان ہوگی۔ مستامن کو عارضی ذمی وہ کافر جو ہماری رعایا بن کر ہمارے ملک میں رہے۔ مستامن وہ کافر جو ویزے پر چند روز کے لئے ملک میں آئے یہ فائدہ بھی اجرہ کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: مستامن کو دارالسلام میں ہمیشہ رہنے کی اجازت نہ ہوگی بلکہ میعاد ختم ہو جانے پر اسے سلامتی سے سرحد پار کر دیا جاوے گا۔ یہ فائدہ حتی یسمع اللہ (الخ) سے حاصل ہوا ہاں اگر وہ ذمی بن کر رہنا چاہے اور حکومت اسلامیہ منظور کرے تو اب وہ مستامن نہیں بلکہ ذمی ہے۔

پانچواں فائدہ: مستامن کو تبلیغ احکام کرنی چاہیے شاید وہ مسلمان ہو جائے۔ یہ فائدہ بھی حتی یسمع اللہ (الخ) سے حاصل ہوا بلکہ مسلمانوں کے اعمال ایسے پاکیزہ ہونے چاہئیں کہ لوگ خود بخود اسلام کی طرف کھچے چلے آویں۔ عملی تبلیغ قولی تبلیغ سے زیادہ موثر ہے۔

چھٹا فائدہ: دین اور عقائد میں تقلید کافی نہیں بلکہ اپنی تحقیق سے اسلام قبول کرنا چاہیے یہ فائدہ بھی حتی یسمع کلام اللہ سے حاصل ہوا کہ کافر کو اتنی مہلت دے کہ وہ کلام الٰہی خود سنے سوچے سمجھے اور مسلمان ہو۔ یہ ہے تحقیق اگر تقلید ہوتی تو کہا جاتا کہ جیسے ہم مومن ہیں تو بھی مومن ہو جا۔ یہ بات خوب خیال میں رکھو۔ (تفسیر کبیر)

ساتواں فائدہ: ایسے کافر کی امان کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں جتنی مدت حاکم مقرر کر لے اسے اختیار ہے۔ یہ فائدہ بھی حتی یسمع کلام اللہ سے حاصل ہوا۔ بعض ذہین لوگ جلد سمجھ جاتے ہیں بعض دیر سے۔

آٹھواں فائدہ: مستامن کافر کو جیسے امان وحفاظت سے اپنے ملک میں رکھا جاوے گا ایسے ہی حفظ و امان کے ساتھ اسے سرحد پار کر دیا جائے گا۔ یہ فائدہ ثم ابلغہ مامنہ سے حاصل ہوا۔ اسلام بہت خودداری اور رواداری دین ہے۔

پہلا اعتراض: حربی کفار کو اس قدر رعائیں کیوں دی گئی ہیں کہ اگر بحالت جنگ خونخوار کافر کلمہ پڑھ لے تو اسے چھوڑ

دو۔ اگرچہ وہ قرآن سننے کا وعدہ کرے تو چھوڑ دو۔

جواب: تاکہ پتہ لگے کہ شعر

جنگ کافر فتنہ و غارتگری است — جنگ مومن سنت پیغمبری است

مسلمان ملک، مال، عزت کے لئے نہیں لڑتا۔ وہ صرف اللہ رسول کے لئے لڑتا ہے۔ کافروں کو مارنے لوٹنے کے لئے نہیں لڑتا۔ کفر کا زور توڑنے یا کفار کو تبلیغ کے لئے لڑتا ہے۔

دوسرا اعتراض: ان قواعد سے مسلمان کافر پر کبھی فتح نہیں پا سکتے کیونکہ کافر مسلمانوں کو بحالت جنگ بے دریغ قتل کرے مگر جب مسلمان کا اس پر داؤ چلے تو وہ یا تو کلمہ پڑھ دے یا کہہ دے کہ مجھے مہلت دو قرآن سنوں گا۔ اب غازی مسلمان کے ہاتھ قرآن وحدیث نے باندھ دیئے کہامت قتل کرو یعنی کفار کے ہاتھوں قتل ہو رہو مگر انہیں قتل نہ کرو ان کے لئے بچاؤ کے دو دروازے ہیں۔ (بعض بے دین)

جواب: اس اعتراض کا جواب تفسیر کبیر نے اس طرح دیا ہے کہ قرآن مجید نے فرمایا ذلک بانھم قوم لایعلمون. یہ امان جاہل بے سمجھ سیدھے سادے کفار کے لئے ہے جن کے متعلق ہمارا اندازہ ہو کہ یہ واقعی تبلیغ چاہتا ہے مگر جب قرآن سے معلوم ہو کہ یہ چالاک ہے اس تدبیر سے اپنی جان بچا رہا ہے تو اس کا یہ حیلہ نہ مانا جاوے۔ (کبیر) رہا کافر کا کلمہ پڑھ دینا ایسے موقعہ پر اس کے متعلق قرآن کریم نے فیصلہ کر دیا۔ قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانھم و لاھم ینظرون. فتح کے دن نہ کافروں کا ایمان قبول ہو نہ انہیں مہلت دی جائے۔ جن احادیث میں ہے کہ کلمہ پڑھنے پر کافر کو قتل نہ کرو وہاں یہ بھی قید ہے کہ لایعلمون والی یعنی اگر قرائن سے معلوم ہو کہ واقعی یہ انجان ہے اور مسلمان ہونا چاہتا ہے چالاک کافر کا حکم یہ نہیں چنانچہ فتح مکہ کے دن جب حضرت خالد ابن ولید کے مقابلہ سے قوم بنی کنانہ بھاگی۔ حضرت خالد نے جب ان پر گھیرا ڈالا تو انہوں نے کلمہ پڑھ دیا جان بچانے کے لئے۔ حضرت خالد نے انہیں قتل کر دیا۔ (جمل۔ خزائن العرفان)

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا حتی یسمع کلام اللہ قرآن مجید سننے سے کیا فائدہ صرف قرآن سننے سے تو ایمان نہیں ملتا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں سننے سے مراد سمجھنے کا منشا ہے لہذا اس میں قرآن، سننا سمجھنا اس کی تفسیر پر غور کرنا اسلام پر سوال و جواب کرنا سب ہی شامل ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا آفات کی جگہ ہے جہاں قدم قدم پر آفتیں ہیں۔ ایسی جگہ پر کہیں پناہ کی سخت ضرورت ہے جس کے دامن میں آکر درندوں اور دیگر مہلکات سے امن ہے ہم جیسے گنہگار اکثر شرک خفی میں گرفتار ہیں۔ یہاں اس آیت میں بظاہر خطاب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر درحقیقت خطاب ہے سارے گنہگاروں سے کہ اے گنہگارو تمہارے لئے امن کی جگہ اگر کوئی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ ہے۔ جو ان کے دامن میں آ گیا وہ رب کے کرم میں آ گیا۔ شعر

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو — کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانہ والے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے کفار شرعی احکام کو نہیں جانتے ایسے ہی نفس اور اس کی صفات اللہ تعالیٰ اور اس کے الطاف کو نہیں جانتے۔ رب تعالیٰ نے اپنے کرم سے اسے مہلت دی تاکہ وہ رب کی اطاعت کی طرف رجوع کرے (از روح البیان) انسان کو چاہئے کہ مرتے مرتے رجوع الی اللہ کرے ہمارا حال تو یہ ہے شعر

شیخ کبیر لہ ذنوب تعجز عن الجمل الخطایا
قد بیضت شعرہ اللیالی وسودت قلبہ الخطایا

مجھ بوڑھے نے اتنے گناہ کئے کہ انہیں اونٹ نہیں اٹھا سکتے میرے بال سفید ہو گئے مگر گناہوں کی وجہ سے دل کالا ہے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا

کیسے ہوگا واسطے مشرکوں کے عہد نزدیک اللہ کے اور نزدیک رسول کے اس کے

مشرکوں کیلئے اللہ اور اس کے رسول کے پاس عہد کیوں کر ہوگا مگر وہ جن سے

الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ

سواء ان لوگوں کے عہد کیا تم نے عزت والی مسجد کے پاس پس جب تک وہ قائم

تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس ہوا تو جب تک وہ تمہارے لئے عہد پر قائم رہیں تو تم ان کیلئے

فَاسْتَقِیْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝

رہیں تمہارے لئے پس قائم رہو تم ان کیلئے تحقیق اللہ محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے

قائم رہو بے شک پرہیزگار اللہ کو خوش آتے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں صحابہ کرام کو کفار سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ دینے کا حکم تھا کہ عہد شکنی تو بری چیز ہے۔ قرآنی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔ **و اوفوا بالعهد** (الخ) اس آیت میں اس شبہ کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کفار نے عہد توڑنے میں خود پہل کی لہٰذا اب وہ عہد قابل وفا نہ رہا۔ گویا یہ آیت کریمہ گذشتہ آیات سے ایک شبہ دور کر رہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کے مضمون سے شبہ ہوتا تھا کہ حدیبیہ کا معاہدہ حدود حرم شریف میں ہوا تھا۔ حرم بڑی عزت والی جگہ ہے وہاں کی ہر چیز کا احترام ہے تو اس معاہدہ کا بھی احترام کرنا چاہئے تھا۔ اب اس حرمت و احترام کا جواب دیا جا رہا ہے۔ **فما استقاموا لكم فاستقيموا لهم** کہ اگر کفار حرم کی حرمت کا خیال رکھیں تو تم بھی خیال رکھو۔ اشہر الحرام بالشہر الحرام

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مشرکین مکہ کی بد عہدیوں کا ذکر ہوا جو حدیبیہ میں معاہدے کر کے پھر گئے۔ اب دوسرے

کفار کی بدعہدیوں کا ذکر ہے یہ تعلق اس صورت میں ہے جبکہ یہاں المشرکین دوسرے بدعہد کفار مراد ہوں۔

چوتھا تعلق: گزشتہ آیات میں ایک عہد کا ذکر ہوا جو مشرکین مکہ نے کیا مگر بدعہدی کی اب آئندہ ہمیشہ کے لئے ایک قانون بنایا جارہا ہے کہ بدعہد کفار کا اعتبار نہ کرو یہ تعلق اس صورت میں ہے کہ المشرکین سے مراد سارے ہی کفار ہوں۔

تفسیر: **کیف یکون للمشرکین عهد** اس فرمان عالی میں کیف سوال کا ہے اور سوال یا تعجب کا ہے یا انکار کا بمعنی لا۔ یہاں یکون بمعنی استقبال ہے۔ ظاہر یہ ہے یکون تامہ ہے عہد اس کا فاعل للمشرکین یا تو یکون کے متعلق ہے یا عہد کا حال المشرکین سے مراد یا تو مشرکین مکہ ہیں جنہوں نے حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدے کئے اور توڑ دیئے یا عرب کے دوسرے قبیلے جو حضور انور ﷺ سے عہد کرکے توڑ چکے تھے یا سارے کفار۔ عہد سے مراد ہے عزت وحرمت والا معاہدہ جس کی مسلمان پابندی کرنے پر مجبور ہوں یعنی مشرکین کے عہد وپیمان قابل اعتبار کیسے ہوسکتے ہیں۔ **عند الله و عند رسوله** یہ عبارت یا تو ظرف ہے مشرکین کا اور وہ صفت ہے عہد کی یا ظرف ہے یکون کا یعنی اللہ رسول کے نزدیک مشرکین کے عہد وپیمان قابل اعتبار نہیں۔ تم بھی ان کا اعتبار نہ کرو۔ **الا الذین عاهدتم عند المسجد الحرام** یہ عبارت مستثنیٰ ہے عہد سے اور اس سے پہلے عہد پوشیدہ ہے۔ الذین سے مراد قتادہ کے نزدیک مشرکین مکہ ہیں جن سے حدیبیہ میں صلح ہوئی۔ سدی، محمد ابن عباد، محمد ابن اسحاق کے نزدیک وہ بنو خزیمہ، بنو مدلج، بنو الدیل ہیں جو بنی بکر کے قبیلے ہیں انہوں نے بھی حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا۔ مجاہد کے نزدیک وہ بنی خزیمہ ہیں۔ (تفسیر خازن) **عاهدتم** میں خطاب حضرات صحابہ کرام سے ہے۔ مسجد حرام سے مراد میدان حدیبیہ ہے جو حدود حرم میں واقعہ ہے۔ گویا کعبۃ اللہ شریف سے قریب ہی ہے۔ خیال رہے کہ حدیبیہ کے میدان کا بعض حصہ حدود حرم میں ہے اس لئے **عند المسجد الحرام** فرمایا گیا۔ اس فرمان عالی سے اس معاہدہ کی عظمت دکھانا مقصود ہے کہ جو کام بھی حرم شریف میں ہو بہت محترم ہو۔ **فما استقاموا لکم فاستقیموا لهم** یہ عبارت الا الذین (الخ) کا بیان ہے چونکہ گزشتہ عبارت میں شرط کے معنی کی بوتھی اسلئے اس پر ف جزائیہ لائی گئی ما استقاموا میں ما بمعنی مادام ہے جس میں شرط کے معنی ہیں۔ اس لئے آگے **فاستقیموا** میں ف جزائیہ آئی۔ استقامت سے مراد ہے عہد وپیمان پر قائم رہنا۔ کفار مکہ اولاً کچھ دن اپنے عہد پر قائم رہے۔ حضور انور ﷺ نے بھی ان سے کچھ تعرض نہ کیا جب انہوں نے بنی خزیمہ کے مقابل بنی بکر کی مدد کی جو معاہدہ کے خلاف تھی تب حضور انور ﷺ نے فتح مکہ فرمایا اور انہیں چار ماہ کی مہلت دی کہ اس عرصہ میں تم لوگ یا مسلمان ہوجاؤ یا کسی اور ملک میں نکل جاؤ۔ وہ سارے کے سارے مسلمان ہوگئے مگر قوی یہ ہے کہ قریش مراد نہیں کیونکہ ان آیات کا نزول قریش کے عہد توڑنے کے بعد ہوا پھر **فما استقاموا** کے کیا معنی لہٰذا ان سے مراد بنی ضمرہ ہیں جنہوں نے وفاء عہد کی اور حضور انور ﷺ نے بھی مدت عہد پوری فرمائی اس بنا پر آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں (تفسیر خازن) مطلب یہ ہے کہ جب تک بنو ضمرہ اس عہد پر قائم رہیں اے صحابہ تم بھی قائم رہو کیونکہ **ان الله یحب المتقین** عہد پورے کرنے والے مسلمان متقی پرہیزگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو پرہیزگار پیارے ہیں۔ متقی کے معنی اس کے اقسام **هدی للمتقین** میں عرض ہوئے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! ان مشرکین یا سارے مشرکین کے عہد و پیمان کا اللہ رسول کے نزدیک اعتبار ہی کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ انہیں اپنا وعدہ توڑتے دیر نہیں لگتی جیسا کہ تم نے بارہا تجربہ کر لیا لہٰذا ان کے ٹوٹے ہوئے عہد و پیمان کو توڑنے میں تم کچھ پس و پیش نہ کرو۔ عہد شکنی کی ابتداء تو یہ کر چکے ہاں مشرکین مکہ کے علاوہ اور جن مشرکوں بنی ضمرہ وغیرہ سے تم نے مکہ معظمہ کے پاس حدود حرم میں عہد کیا اور انہوں نے اب تک کوئی خلاف ورزی نہیں کی تو جب تک وہ اس عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو۔ تم توڑنے کی ابتداء نہ کرو کیونکہ وعدہ پورا کرنا تقویٰ ہے اور وعدہ پورا کرنے والے مومنین متقی ہیں۔ رب تعالیٰ پرہیزگاروں متقیوں سے محبت کرتا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: عموماً کفار و مشرکین بد عہد اور وعدہ خلاف ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے وعدوں کا اعتبار نہ کریں۔ ان سے ہوشیار رہیں۔ یہ فائدہ کیف یکون (الخ) سے حاصل ہوا۔ ان کی وعدہ خلافیوں کا مشاہدہ آج تک ہو رہا ہے۔

دوسرا فائدہ: جب کفار اپنے عہد کا پاس نہ کریں تو ہم بھی ان کے عہد و پیمان کا لحاظ نہ کریں گے۔ ان کے مجرم اور ذمہ دار وہ ہوں گے نہ کہ ہم۔ یہ فائدہ بھی کیف یکون (الخ) سے حاصل ہوا یعنی جس معاہدہ پر کفار و مسلمانوں کا سمجھوتہ ہو گیا۔ اسے کفار نے کلاً یا جزواً توڑ دیا تو اب ہم بھی توڑ دیں گے کہ ابتداء ان کی طرف سے ہوئی جس کی مثال صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ کا واقعہ ہے۔

تیسرا فائدہ: جو عہد و معاہدہ کفار پورا کریں، اس کو ہم بھی پورا کریں گے۔ اس کا توڑنا حرام ہے۔ یہ فائدہ فما استقاموا لکم (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس کی مثال بنی ضمرہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے حدیبیہ والے معاہدہ کی پابندی کی تو حضور انور اور صحابہ کرام بھی اس پر کاربند رہے۔

چوتھا فائدہ: حضور انور ﷺ سے وعدہ خلافی کرنا رب تعالیٰ سے وعدہ خلافی کرنا ہے اور حضور ﷺ کے وعدے پورے کرنا رب کے وعدے پورے کرنا ہے بلکہ حضور ﷺ سے وعدہ رب سے وعدہ یوں ہی حضور ﷺ کا وعدہ رب کا وعدہ ہے جس سے حضور ﷺ جنتی ہونے کا وعدہ کریں اس سے رب نے وعدہ کر لیا یہ فائدہ عند اللہ و عند رسولہ سے حاصل ہوا کہ حدیبیہ میں کفار کے وعدے حضور ﷺ سے ہوئے تھے۔ حضور انور ﷺ نے انہیں اپنی طرف بھی نسبت فرمایا۔

پانچواں فائدہ: جو مسلمان کافر سے بدعہدی کرے وہ بھی متقی نہیں۔ یہ فائدہ یحب المتقین سے حاصل ہوا۔ افسوس ان مسلمانوں پر جو خود مسلمانوں سے بدعہدی کریں۔ انہیں دھوکا دیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین کے وعدوں کا اعتبار نہیں مگر آج دیکھا جا رہا ہے کہ بمقابلہ مسلمانوں کے کفار زیادہ زبان کے پابند ہوتے ہیں پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔

جواب: اس کی وجہ صحبت ہے یعنی ہم کفار کی صحبت میں غدار بدعہد بن گئے اور کفار ہماری صحبت میں رہ کر وفادار بن گئے۔

ہماری خوبیاں انہوں نے لے لیں، ان کی برائیاں ہم نے اختیار کرلیں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ کفار کی یہ عہد پابندیاں اللہ کے خوف سے نہیں بلکہ سیاسی اغراض۔ سے اپنے نفع کے۔ لئے ہوتی ہیں۔

دوسرا اعتراض: حدیبیہ میں جو عہد و پیمان ہوئے تھے ان کے متعلق عند المسجد الحرام کیوں فرمایا وہ جگہ تو کعبہ معظمہ اور حرم شریف سے بہت دور ہے۔

جواب: حرم کے یہی معنی ہیں وہ مسجد جس میں کعبہ معظمہ ہے۔ پورا مکہ شہر حدود حرم جہاں شکار کرنا حرام ہے۔ حدیبیہ کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ حدود حرم میں داخل ہے۔ دوسرا حصہ خارج یعنی حل میں واقع ہے۔ یہ حصہ بمقابلہ دوسرے حصہ کے مسجد حرام سے زیادہ قریب ہے۔ صلح حدیبیہ چونکہ اس حرم والے حصہ میں واقع ہوئی تھی یہ بات بتانے کے لئے یہ ارشاد ہوا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ جب تم سے مشرکین وعدہ وفائی کریں تب تک تم بھی کرو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جب وہ وعدے توڑیں تم بھی توڑ دو۔ تعجب ہے کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو گناہ کرنے کی اجازت دے دی۔ وعدہ خلافی تو گناہ کفار گناہ کریں ہم کیوں کریں (بعض بے دین)۔ کیا اگر کفار جو اشراب زنا پر عامل ہوں تو مسلمان بھی یہ کام کریں۔

جواب: معترض نے آیت کے معنی غلط کئے یہاں ذکر وعدے عہد کا نہیں بلکہ معاہدہ کا ہے یعنی جو عہد دو طرفہ ہوا ہو مسلمان اور کافر سے۔ مگر کافر اس پر قائم نہ رہا اس نے توڑ دیا تو اب مسلمان بھی پابند نہ ہوگا۔ مثلاً جنگ بندی کا معاہدہ دس سال کے لئے ہوا کفار نے دو تین سال کے بعد جنگ چھیڑ دی یا تیاری کرلی تو اب مسلمان خاموش نہ رہیں یہ تو عین انصاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ: کافر و مومن میں ازلی فرق ہے۔ بندوں نے سب سے پہلے وعدہ میثاق کے دن اپنے رب سے کہا کہ رب کی الوہیت اور اپنی بندگی کا اقرار کیا۔ دنیا میں آکر کافر نے وہ وعدہ توڑ دیا۔ مومن نے پورا کیا۔ جو خدا کے وعدے پر قائم نہ رہا وہ اے مسلمانو! تمہارے وعدے پر کیسے قائم رہے۔ کافر کی وفاء وعدہ اتفاقی عارضی ہے اگر یہ عارضی وفا قائم رہے تو مسلمانو تم بھی اپنے اصلی وفا پر قائم رہو لیکن اگر کافر اس عارضی وفا سے ہٹ جائے اپنے اصلی رنگ یعنی بے وفائی ظاہر کرے تو وہ وعدہ۔ وعدہ رہا ہی نہیں۔ تم اے مسلمانو! اسے اس کی سزا دو مگر جو کافر اپنی عارضی وفا پر قائم رہے تو اے مسلمانو! تم اپنی اصلی وفا پر ضرور قائم رہو وہ عارضی چیز کو نہیں چھوڑتا تم اپنی اصلی حالت کو کیوں چھوڑو۔ تم عند اللہ متقی ہو۔ اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً
کیسے ہو اور غالب ہوں وہ تم پر تو نہ خیال کریں تم پر رشتہ داری کا نہ وعدوں کا راضی کردیتے ہیں وہی تم
بھلا کیونکر ان کا حال تو یہ ہے کہ تم پر قابو پائیں تو نہ پائیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸

کر مونہوں سے اپنے اور انکار کرتے ہیں دل انکے اور بہت سے ان کے بدعہد ہیں خرید کی انہوں نے

اپنے منہ سے تمہیں راضی کرتے ہیں ان کے دلوں میں انکار ہے اور ان میں سے اکثر بے حکم ہیں اللہ

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ

اللہ کی آیتوں کے عوض قیمت تھوڑی پس روکا انہوں نے اللہ کے راستہ بے شک برا

کی آیتوں کے بدلے تھوڑے دام مول لیتے ہیں تو اس راہ سے روکا بیشک وہ بہت ہی برے

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹

ہے وہ کام جو وہ کرتے ہیں

کام کرتے ہیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ مشرکین کے عہد و پیمان کا اعتبار نہیں اب اس کی وجہ کا ذکر ہے کہ موقع پاتے ہی اپنے سارے عہد و پیمان طاق میں رکھ دیتے ہیں گویا دعوے کے بعد دلیل کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں صحابہ کرام کو ان مشرکین پر جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا جو اپنے وعدے توڑ بیٹھے تھے۔ اب اس آیت میں اس اجازت کی وجہ بتائی جارہی ہے۔ یہ لوگ اگر موقع پائیں تو تمہاری کوئی رعایت نہ کریں تو تم ان کی رعایت کیوں کرتے ہو۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کی گمراہی کا تذکرہ ہوا اب ان کے گمراہ ہونے کا ذکر ہے کہ وہ خود بھی تمہارے دشمن ہیں اور دوسروں کو تمہارا دشمن بناتے ہیں۔ یہ زہریلے سانپ ہیں ان کا سر کچل دینا ہی اچھا ہے۔

نزول: ایک بار ابوسفیان نے عرب کے قبیلوں کو جمع کیا ان کی پر تکلف دعوت کی کھانا وغیرہ کھلانے کے بعد ان سب کو اپنے عہد معاہدے توڑ دینے کی رغبت دی جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے تھے کہا کہ اپنے عہد و معاہدے توڑ دو اور متفق ہو کر مسلمانوں کو مٹا دو ان کے متعلق آیت کریمہ اشتروا بایت اللہ (الخ) نازل ہوئی (تفسیر روح البیان)

تفسیر۔ کیف و ان یظھروا علیکم یہاں بھی کیف یا تو تعجب دلانے کے لئے ہے یا انکار کے لئے اس کے بعد ایک فعل پوشیدہ ہے یعنی مشرکین کے عہد و پیمان پر کیونکر اعتماد ہو یا اے مسلمانو! تم ان کے قتال سے کیسے بچتے ہو واؤ حالیہ ہے یظھروا بنا ہے ظہر سے جس کے معنی ہیں اوپر ہونا۔ چڑھنا کہا جاتا ہے۔ ظہرت علی السقف میں چھت پر چڑھ گیا ظاہر ہونا اس سے ظہور فتح و نصرت غلبہ۔ رب فرماتا ہے۔ فاصبحو ظاھرین اور فرماتا ہے یظھرہ علی الدین کلمہ قادر ہونا۔ یہاں

بمعنی قدرت غلبہ ہے اس کا فاعل مشرکین کی ضمیر ہے (کبیر) یعنی اے مسلمانو تم ان بدعہد مشرکین سے جنگ کرنے میں تامل کیوں کرتے ہو ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ وقدرت پائیں تو لا یرقبوا فیکم الا و لا ذمۃ یہ عبارت ان یظہروا کی جزا ہے۔ یرقبوا بنا ہے رقب سے بمعنی انتظار کرنا غور کرنا رعایت وحفاظت کرنا۔ رب فرماتا ہے ولم ترقب قولی تم نے میرے کلام کی حفاظت نہ کی اسی سے ہے رقیب اس کا فاعل بھی وہ مشرکین ہیں۔ فیکم میں خطاب مومنین سے ہے الا کے چار معنی ہیں عہد و پیمان ایک شاعر کہتا ہے۔

وجدناهم كاذبا الهم و ذو الال و العهد لا يكذب

اس شعر میں الی بمعنی عہد و پیمان ہے قرابت اور رشتہ داری۔ حضرت حسان کہتے ہیں۔

لعمرک ان الک من قریش کال اشعب من لال الشقام

اس شعر میں الی بمعنی رشتہ داری وقرابت ہے اور تیسرے معنی حلف وقسم ہے اوس ابن حجر شاعر کہتا ہے۔ شعر

لولا بنو مالک والالی مرتبة و مالک فیهم الالاء و اشرف

اس شعر میں الا بمعنی قسم ہے اللہ تعالیٰ کا نام اسی سے ہے ایل یعنی ایل جیسے جبریل اسی سے آل بنا ایل عبرانی زبان میں اسم الٰہی ہے جسے عربی میں اللہ کہتے ہیں اس کے بہت معنی کئے گئے (کبیر، معانی) ذمہ بمعنی عہد و پیمان اس کی جمع ہے ذمم یا ذام جس عہد کے توڑنے پر لوگ برا کہیں وہ ذمہ اسی سے ہے اس سے ہے مذموم یعنی برا کیا ہوا اگر یہ مشرکین تم پر غلبہ وموقعہ پائیں تو تمہاری قرابت داری رشتہ داری کا لحاظ کریں نہ اپنے عہد و پیمان کا لہٰذا تم ان پر اعتماد کیوں کرتے ہو۔ رب فرماتا ہے۔ انهم لا ایمان لهم ان کی قسموں کا اعتبار نہیں۔ ان کا موجودہ حال یہ ہے کہ یرضونکم بافواههم و تابی قلوبهم جب وہ تم سے دبے ہوئے تمہارے سامنے مغلوب ہوتے ہیں تو تم کو میٹھی باتوں جھوٹے وعدوں سے خوش کر دیتے ہیں مگر ان کے دلوں میں تمہاری محبت والفت ذرہ بھر نہیں بلکہ ان میں تمہاری طرف سے عداوت کی آگ بھڑک رہی ہے۔ و اکثرهم فسقون یہ جملہ یا تو نیا ہے واؤ ابتدائیہ یا حالیہ ہے یا فاسق بمعنی بدعہد ہے۔ لہٰذا اکثر فرمانا بالکل درست ہے کیونکہ بعض کفار عہد کے پکے بات کے سچے ہیں اگرچہ کافر ہیں جیسے کفار عرب میں بنی ضمرہ جن کا ذکر ابھی پہلے ہوا بمعنی کفر یا بدکاری نہیں۔ اشتروا بایت الله ثمنا قلیلا اس فرمانِ عالی میں گذشتہ دعویٰ کی دلیل ہے۔ اس آیت کی تفسیر پہلے پارہ میں و لا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا میں گزر چکی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ آیات اللہ سے مراد توریت یا انجیل کی آیات نہیں کیونکہ مشرکین عرب اہل کتاب نہ تھے۔ اس سے مراد یا تو آیات قرآنیہ ہیں کہ کفار عرب نے معمولی لالچ میں قرآن کریم کو نہ مانا یا اس سے مراد عہد و پیمان ہیں جن کا پورا کرنا ملت ابراہیم میں بھی ضروری تھا اور مشرکین عرب اسے مانتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی اس کی تائید ہے اور ثمن قلیل سے مراد ابوسفیان کی وہ دعوت ہے اور ان کے لذیذ کھانے جنہیں کھا کر مشرکین نے حضور علیہ السلام سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ دیئے جس کا ذکر ابھی نزول میں گزرا لہٰذا آیت واضح ہے۔ دنیاوی دولت کو ثمن کیوں کہا اور قلیل کیوں فرمایا اس کی نہایت نفیس ولذیذ وجوہ پہلے پارے میں دیکھو۔ فصدوا عن سبیله یہ عبارت معطوف ہے۔ اشتروا (الخ) پر

صدو لازم بھی آتا ہے اور متعدی بھی۔ یہاں دونوں احتمال ہیں۔ اللہ کی راہ سے مراد یا تو دین اسلام ہے جو خداری کا ذریعہ ہے یا عہد و پیمان پورا کرنا جس سے رب تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کی برکت سے ایمان کی توفیق مل جاوے یعنی یہ لوگ اللہ کی راہ وفاء عہد یا اسلام سے رک گئے۔ یا انہوں نے دوسروں کو بھی اسلام سے روکا یا بدعہدی پر آمادہ کیا۔ یہ عمل ایسا منحوس ہے۔ انهم سآء ما كانوا يعملون اس فرمان عالی میں ان کی بدعہدی کا نتیجہ سنایا گیا یعنی ان کا عمل بہت ہی برا ہے کہ خود بھی برا اور دوسرے برے کاموں کا ذریعہ۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم ان بدعہد بے وفا مشرکین سے جنگ و قتال سے کیونکر اور کیسے بچتے ہو ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر یہ تم پر قابو پائیں تو یہ نہ تو تمہاری قرابت داری کا لحاظ کریں نہ اپنے عہد و پیمان کا۔ تم سے عہد و پیمان کر لیتے ہیں مگر تم سے فوراً جنگ کریں جب وہ تمہارے قبضہ میں ہوتے ہیں تو تم کو چکنی چوپڑی میٹھی نرم باتوں سے خوش کر دیتے ہیں تم سے عہد و پیمان کر لیتے ہیں مگر ان کے دل انکاری ہوتے ہیں ان میں سے اکثر بدعہد ہیں۔ کچھ تھوڑے عہد کے پابند انہوں نے تھوڑے سے دنیاوی مال، عوت کے کھانے کے عوض اللہ کی آیتیں یعنی ملت ابراہیمی کے عہد پورے کرنے کے فرمان بیچ ڈالے پھر اس کا وبال یہ ہوا کہ یہ خود بھی اسلام سے رک گئے اور دوسروں کو بھی روکنے لگے۔ اگر عہد کی پابندی کرتے تو اس عہد کی برکت سے شاید انہیں ایمان کی توفیق مل جاتی۔ ان کے یہ کام بہت ہی برے ہیں اور بہت برائیوں کا پیش خیمہ۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کافر مسلمان کا دوست کبھی نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اس کا سگا باپ بھائی یا بیٹا، اس پر مسلمان کبھی اعتبار نہ کرے یہ فائدہ ان يظهروا عليكم (الخ) سے حاصل ہوا جو کفار حضور انور ﷺ کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ وہ قریباً سارے ہی حضور ﷺ کے رشتہ دار تھے۔

دوسرا فائدہ: مسلمان اللہ رسول کے فرمان کے مقابل کسی کے دباؤ رشتہ کی پرواہ نہ کرے اگر ماں باپ یا پیر استاد امیر نماز وغیرہ سے روکیں تو کبھی نہ مانے یہ فائدہ کیف سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔

تیسرا فائدہ: مومن کو چاہئے کہ ایک سوراخ سے دوبارہ نہ کاٹا جاوے جہاں سے بے وفائی کا تجربہ ہو چکا ہے اس پر آئندہ اعتماد نہ کرے یہ فائدہ بھی کیف فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو بھارت نے مسلمانوں سے کتنے وعدے کئے مگر سب سے پھر گئے۔

چوتھا فائدہ: اکثر کفار زبان کے میٹھے دل کے کڑوے زہر ہوتے ہیں ایسے لوگ بہت خطرناک ہیں۔ یہ فائدہ يرضونكم بافواههم سے حاصل ہوا۔ جنہوں نے ہندوؤں بنیوں کو دیکھا ہے انہیں تجربہ ہے کالا سانپ شور نہیں مچاتا چپکے سے کاٹ اور سلا دیتا ہے۔

پانچواں فائدہ: بعض کفار زبان کے پکے وعدوں کے سچے بھی ہوتے ہیں یہ فائدہ اكثرهم فاسقون سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر مگر ایسے بہت کم ہیں۔

چھٹا فائدہ: دنیاوی نفع کی لالچ میں دین چھوڑ دینا یا دین میں نرمی کرنا طریقہ کفار ہے۔ دین کو مضبوطی سے پکڑو دنیا خود بخود آئے گی۔ دانہ کی تلاش کرو بھوسہ مل جاوے گا۔ یہ فائدہ اشتروا بایات اللہ (الخ) سے ملا۔

ساتواں فائدہ: بعض گناہوں کی نحوست سے انسان ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ **فصدوا عن سبیل اللہ** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ اکثر مشرکین عرب بدعہدیوں کی وجہ سے ایمان سے محروم رہے۔

آٹھواں فائدہ: زبان کا کڑوا دل کا صاف اس سے اچھا ہے جو زبان کا میٹھا دل کا بے ایمان ہو۔ یہ فائدہ **وتابی قلوبھم** سے حاصل ہوا۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو زبان شیریں دل صاف دونوں عطا فرمائے تو اس کا خاص کرم اور مہربانی ہے۔ رب تعالیٰ نصیب کرے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار مومن کے پکے دشمن ہیں۔ موقع پائیں تو رشتہ داری وغیرہ کا بھی لحاظ نہ کریں مگر ابوطالب نے باوجودیکہ ایمان قبول نہ کیا مگر وہ حضور انور ﷺ کے بڑے خدمت گزار خیر خواہ رہے یہ آیت کریمہ کیونکر درست ہوئی۔

جواب: اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت خاص بدعہد کفار کے متعلق ہے جنہوں نے حدیبیہ کا عہد توڑا دوسرے یہ کہ اس آیت کریمہ میں کفار کا اصل حال بیان ہو رہا ہے جو کفار مومنوں کے خدمت گزار رہے وہ ان کا عارضی حال ہے۔ جیسے بعض مومن ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو جاتے ہیں ان کی یہ دشمنی عارضی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہاں ذکران کفار کا ہے جو دل و زبان دونوں کے کافر ہیں۔ ابو طالب صرف زبان کے کافر ہے دل میں وہ ایمان رکھتے تھے یعنی ساتر تھے لہٰذا وہ اس آیت سے خارج ہیں اس لئے ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد اور بچے علی عقیل وغیرہ مومن ہو گئے انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اکثرہم فاسقون۔ بہت سے کافر فاسق یعنی بدکار ہیں حالانکہ سارے کافر ہی فاسق و بدکار ہیں پھر اکثر کیوں فرمایا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں فاسق بمعنی بدعہد ہے واقعی بہت سے کافر بدعہد ہوتے ہیں کچھ زبان کے پختہ بھی۔

تیسرا اعتراض: یہاں فرمایا کہ انہوں نے آیات کے عوض تھوڑی قیمت لے لی ان کے پاس آیات الٰہی تھیں ہی نہیں وہ تو مشرک تھے اہل کتاب نہ تھے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

جواب یہ لوگ اپنے کو ملت ابراہمی کا متبع کہتے اور بہت سے احکام ابراہیمی پر عمل کرتے تھے جیسے مہمان نوازی خدمت کعبہ وغیرہ یہاں آیات اللہ سے مراد وہ ہی ابراہیمی احکام ہیں جو انہوں نے ابوسفیان کی دعوت کھا کر توڑے لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ **فصدوا عن سبیل اللہ** انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا وہ لوگ کسی کو اسلام سے نہ

روکتے تھے ہاں خود کافر تھے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا۔ صدو کے معنی ہیں کو درک گئے اور اگر روکنا مراد ہے تب بھی درست ہے کہ ابوسفیان نے انہیں روٹی کھلا کر بدعہدی کرائی پھر ان لوگوں نے دوسروں کو بدعہدی پر ابھارا۔

تفسیر صوفیانہ دنیا قیمت ہے اور آخرت اصل سامان۔ مبارک وہ جو دنیا سے دین خریدے۔ منحوس ہے وہ جو دین سے دنیا خریدے۔ یہ حرکت ایسا منحوس عمل ہے کہ اس سے بہت سی بدعملیاں پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ **فصدوا عن سبیل اللہ** سے معلوم ہوا۔ وفاء عہد اگر کافر بھی کرے تو انشاء اللہ آخرکار مومن ہو جائے گا کہ یہ ازلی نیک بختی کی علامت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

من ندیدم در جہان جستجو ہیچ اہلیت بہ از خوئے نکو

در پئے خو باش و باخوشخو نشیں خوں پذیری روغن و گل رل میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل کو حسب ذیل نصیحتیں فرمائیں۔ اے معاذ اللہ سے ڈرو، سچی بات کہو، وعدہ پورا کرو، امانت ادا کرو، خیانت سے بچو، پردیسی پر مہربانی کرو، یتیم پر رحم کرو، بات نرم کرو، ہر ایک کو سلام کرو، حساب آخرت کی تیاری کرو، اپنے کو نرم رکھو اور اے معاذ کسی مسلم کو برا نہ کہو۔ سچے کو مت جھٹلاؤ۔ بدکار کی اطاعت نہ کرو، سلطان اسلام کی بغاوت نہ کرو، زمین میں فساد نہ کرو، ہر قسم کے گناہ سے توبہ کرو، چھپے گناہ سے چھپی توبہ کرو، کھلے گناہ سے کھلی توبہ، خود اچھے ہو اور لوگوں کو اچھا بناؤ۔ (روح البیان) شعر

الزم الصدق و التقی و اترک العجب والریاء واغلب النفس و الھویٰ نورق السوال العمی

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ﴿١٠﴾

نہیں لحاظ کرتے وہ کسی مومن میں رشتہ داری کا اور نہ وعدے کا اور یہ لوگ ہیں حد سے آگے

کسی مسلمان میں نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا اور وہی سرکش ہیں

فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ

بڑھنے والے پس اگر توبہ کریں اور قائم کریں نماز کو اور دیں زکوۃ پس وہ بھائی ہیں تمہارے

اور نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی

فِي الدِّينِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١١﴾

دین میں اور تفصیل وار بیان کرتے ہیں ہم آیتیں واسطے اس قوم کے جو علم رکھیں

ہیں اور آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں جاننے والوں کے لئے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ مشرکین عرب حضرات صحابہ کی قرابت داریوں ان سے عہد و پیمان کا لحاظ نہیں کرتے موقع ملتے ہی ان سے جنگ انہیں قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ سارے کفار تا قیامت کسی مسلمان کی قرابت اور معاہدہ کا لحاظ نہیں کرتے نہ کریں گے لہذا تا قیامت مسلمانوں کو ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے گویا خاص کفار کے بعد عام کفار کا حال بیان ہو رہا ہے۔ اس لئے وہاں فیکم ارشاد ہوا ہے یہاں فی مومن۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار کی اسلام دشمنی بیان ہوئی ہے جنہوں نے حدیبیہ میں مسلمانوں سے معاہدے کئے تھے۔ اب ان کفار کی اسلام دشمنی کا تذکرہ ہے جو ابو سفیان کی دعوت کھا کر مسلمان کے خلاف بھڑ کے یا پہلے ان کی بدعہدی کا ذکر ہوا۔ اب ان کے لالچ کا تذکرہ ہے کہ صرف دو روٹیاں کھا کر برے سے برے کام کر لیتے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار کی بری خصلتوں کا ذکر ہوا کہ وہ بدعہد لالچی ہیں۔ اب ان عیوب کے علاج کا تذکرہ ہے۔ ایمان، نماز، زکوۃ فان تابوا (الخ) کہ اگر یہ لوگ ان صفات کو اختیار کر لیں تو ان تمام عیوب سے نجات پا جاویں گے۔

تفسیر: لا یرقبون فی مومن الا و لا ذمۃ ابھی پچھلی آیت میں لا یرقبون الا اور ذمہ کی تفسیر گزری یہاں اتنا سمجھو کہ یرقبون کا فاعل یا تو تا قیامت مشرکین ہیں یا ابو سفیان کے ہاں دعوت کھانے والے عرب کے کافر قبیلے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا فاعل وہ ہی بدعہد کفار ہوں جنہوں نے حدیبیہ کے معاہدے توڑے مگر یہاں پہلا احتمال قوی ہے حق یہ ہے کہ مومن سے مراد ہر مومن ہے۔ عربی ہو یا عجمی۔ اس زمانہ کا ہو یا بعد کا۔ کیونکہ وجہ مخالف مومن کا ایمان ہے یعنی تا قیامت کوئی کافر کسی مسلمان کی قرابتداری کسی وعدے عہد و پیمان کا لحاظ نہ کرے گا۔ یہ بات یاد رکھو اس فرمان عالی کا ظہور آج تک ہو رہا ہے ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ موقع پر کافر اپنے سگے بھائی مومن پر ہاتھ صاف کر دیتا ہے۔ و اولئک ھم المعتدون. یہ فرمان عالی یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ یا لا یرقبون پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ اولئک سے اشارہ انہی مذکورین کفار کی طرف ہے معتدون کے معنی ہیں حد سے بڑھنے والے نہ کہ عہد توڑنے والے یہاں حصر اضافی ہے یعنی ان حالات میں وہ مشرکین ہی حد سے بڑھنے والے ہیں نہ کہ مسلمان۔ ان دونوں کی جنگ ہو تو مسلمان کی طرف وہ جنگ جہاد ہو گی اور کفار کی طرف فساد لہذا آیت واضح ہے۔ فان تابوا و اقاموا الصلاۃ و اتوا الزکوۃ اس فرمان عالی میں رحمت الٰہیہ کا اظہار ہے یعنی مشرکین و کفار یہ سب مذکورہ حرکتیں کر چکنے کے بعد تین کام کر لیں تو ان کو دامن کرم میں لینے کو تیار ہیں۔ توبہ کے معنی ابھی پچھلی آیات میں عرض کئے جا چکے ہیں کہ اس سے مراد کفر سے توبہ ہے یعنی ایمان قبول کر لینا مسلمان ہو جانا نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے ان کی فرضیت کا اعتقاد رکھنا ہے اور ان پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ کر لینا۔ (روح البیان) چونکہ تمام شرعی احکام میں یہ دونوں چیزیں بڑی اہم ہیں کہ نماز بدنی عبادات میں اور زکوۃ مالی عبادات میں اہم اس لئے ان دو کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ورنہ سارے ارکان اسلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ فاخوانکم فی الدین یہ عبارت جزاء ہے فان تابوا کی

لہذاف جزائیہ ہے۔ اخوانکم خبر ہے ھم پوشیدہ کی اور فی الدین الثابون سے متعلق ہو کر اخوانکم کی صفت یعنی تو وہ لوگ تمہارے دینی یعنی اسلامی بھائی ہیں کہ اگرچہ تم پرانے مسلمان ہو اور وہ نئے مسلمان مگر اسلام وایمان میں تم اور وہ برابر ہو کہ سارے احکام تم پر ان پر یکساں ہیں۔ اسلامی ایمانی عزت میں تم اور وہ برابر کے شریک ہیں۔ ونفصل الایت لقوم یعلمون نفصل بنا ہے تفصیل سے بمعنی الگ الگ جداگانہ بیان کرنا اس کے مقابل اجمال ہے آیات سے مراد سارے قرآن مجید کی آیتیں ہیں یا احکام کی آیتیں یا کفار ومشرکین پر جہاد کرنے کی آیتیں یا کفار کے کفر وایمان دونوں حالتوں کے احکام کی آیتیں اس چوتھے احتمال کی تفسیر کو روح البیان نے اختیار فرمایا لقوم کا تعلق نفصل سے ہے۔ علم سے مراد دینی احکام کا علم ہے یا اجتہاد مجتہدین یعنی جیسے ہم نے کفار کے ساتھ جنگ وصلح کے عہد باقی رکھنے توڑنے ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد کے احکام تفصیل وار بیان کئے اسی طرح ہم دوسری آیات تفصیل وار بیان کرتے ہیں مگر جاہلوں کے لئے نہیں بلکہ علماء مجتہدین کے لئے جن میں آیات سے احکام نکالنے کی طاقت ہے۔ قرآن مجید ان کے لئے مفصل ہے سمندر کے موتی خواص کو ہی ملتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان عہد توڑنے والے کفار ہی پر موقوف نہیں سارے کافروں کا یہ ہی حال ہے کہ وہ کسی مومن کی کبھی رعایت نہیں کرتے نہ قرابت داری کا لحاظ کرتے ہیں نہ اپنے وعدہ و پیمان کا۔ جب انہیں موقع ملے مومنوں کو قتل وغارت ایذا رسانی سے باز نہیں آتے وہ ہی ہر قسم کی حدود سے آگے نکلے ہوئے ہیں مومن کی یہ شان نہیں لہذا اے مسلمانو تم ان سے کبھی وفا کی امید نہ رکھنا ان حالات میں اگر تمہاری ان کی جنگ ہو جائے تو فسادی وہ ہیں تم نہیں تم مجاہد ہو لیکن ان مذکورہ حرکات کے باوجود اگر وہ کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو جاویں نماز قائم کرنے، زکوۃ ادا کرنے کے معتقد ہو جاویں کہ انہیں فرض جانیں اور ان پر عمل کرنے کا مضبوط ارادہ کریں تو ان کے گذشتہ سارے گناہ معاف اب وہ تمہارے دینی بھائی ہیں کہ تم اور وہ نفس ایمان میں برابر۔ ہم آیات قرآنیہ تفصیل وار بیان کرتے ہیں مگر کس کے لئے؟ علم واجتہاد والے لوگوں کے لئے۔ ان آیات سے تفصیلی احکام وہی نکالتے ہیں۔ عام مسلمان ان کے واسطہ سے معلوم کریں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: تھوڑے پیسوں دنیاوی لالچ سے دین میں تبدیلی کر دینا عہد توڑنا لوگوں کو اچھے راستہ سے روکنا مومنوں کی قرابت داریوں اس سے کئے ہوئے عہد وپیمان کا لحاظ نہ کرنا انہیں ستانا یہ سب کفار کے عیوب ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہئے۔ یہ فائدہ لایرقبون (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: جب بھی مسلمانوں کی جنگ کفار سے ہو تو مسلمان کی جنگ جہاد ہے کافر کی جنگ جہاد نہیں کیونکہ کافر حد سے نکلا ہوا ہوتا ہے مومن حد میں داخل یہ فائدہ اولئک ھم المعتدون کے حصر سے حاصل ہوا ہے۔

تیسرا فائدہ: مسلمان ہونے کے لئے صرف کلمہ پڑھ لینا ہی کافی نہیں بلکہ ارکان اسلام نماز روزہ زکوۃ حج وغیرہ کی فرضیت کا ماننا بھی ضروری ہے۔ یہ فائدہ واقاموا الصلوۃ (الخ) سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔

چوتھا فائدہ: مسلمان ہونے کیلئے تمام کفریہ عقیدوں سے توبہ کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ فائدہ فان تابوا سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: اسلامی اخوت و بھائی چارہ عالمگیر اخوت ہے اسلام میں عربی عجمی ہندی سندھی کالے گورے کا فرق نہیں یہی اتفاق کچی اخوت ہے ملکی اور قومی اخوتیں عارضی و محدود ہیں یہ فائدہ اخوانکم سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: مسلمان آپس کے بھائی ہیں نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ یہ فائدہ اخوانکم سے حاصل ہوا کہ اخوانکم میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔

ساتواں فائدہ: نفس ایمان و اخوت میں نیا اور پرانا مسلمان دونوں برابر ہیں۔ یہ فائدہ بھی اخوانکم سے حاصل ہوا کہ یہاں پرانے مسلمانوں کو فرمایا گیا کہ یہ نو مسلم تمہارے بھائی ہوں گے۔

آٹھواں فائدہ: اللہ کے نزدیک عالم وہ ہے جس کی نظر آیات پر تفصیلا ہو اس کے بغیر عالم نہیں۔ منطقی فلسفی ہونا آسان ہے مگر عالم دین ہونا مشکل ہے اللہ تعالیٰ عالم دین بنائے یہ فائدہ نفصل الآیات (الخ) سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: قرآن و حدیث صرف علمائے دین کے لئے ہیں۔ عوام کے لئے علمائے دین کے اقوال ہیں۔ وہ ان کی اطاعت کریں اگر عوام قرآن و حدیث سے مسائل نکالنا شروع کر دیں تو بے دین ہو جائیں گے۔ یہ فائدہ لقوم یعلمون سے حاصل ہوا۔ علم طب کی کتابیں کامل حکیموں کے لئے بیماروں کے لئے طبیب کے نسخے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف کفار ہی حد سے بڑھتے ہیں ان کے سوا کوئی نہیں بڑھتا۔ اولئک هم المعتدون ہم سے حصر حاصل ہوا مگر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے مسلمان حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ بڑے بڑے ظلم کرتے ہیں۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں حصر اضافی ہے یعنی اگر بدعہد کفار سے تمہاری جنگ ہو تو فسادی اور حد سے بڑھنے والے وہ ہوں گے نہ کہ تم یا یہ مطلب ہے کہ ایمان کی حد سے بڑھنے والے صرف کفار ہی ہیں نہ کہ مومن۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمارے بھائی وہ ہیں جو مومن ہوں نماز بھی قائم کریں اور زکوۃ بھی دیں کیونکہ یہاں بھائی چارہ کو تین شرطوں پر معلق کیا تو کیا بے نمازی اور بخیل مسلمان ہمارے بھائی نہیں۔

جواب: اس اعتراض کے بہت جواب ہیں آسان اور قوی جواب یہ ہے کہ یہاں نماز قائم کرنے زکوۃ دینے سے مراد ہے ان دونوں کاموں کو فرض جاننا۔ اس کی فرضیت کا انکار نہ کرنا اور واقعی جو کلمہ پڑھے مگر نماز زکوۃ کی فرضیت کا منکر ہو وہ ویسا ہی کافر ہے جیسے کلمہ کا انکاری وہ ہمارا بھائی کیسے ہو سکتا ہے نماز کا عمل اور ہے اس کا عقیدہ کچھ اور۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ آیات قرآنیہ تفصیل وار بیان ہوئیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ آیات قرآنیہ بہت مجمل ہیں حتیٰ کہ نماز زکوۃ کی آیات تک میں بہت اجمال ہے صرف صلوۃ زکوۃ کا نام ہے تفصیل بالکل نہیں پھر یہ فرمان عالی درست کیونکر ہوا۔

جواب: اس اعتراض کا جواب یہاں موجود ہے۔ لقوم یعلمون یعنی آیات قرآنیہ مفصل ہیں علماء کے لئے نہ کہ عوام کے

لئے علماء کرام حدیث شریف اور اجتہاد کے ذریعہ احکام شرعیہ قرآن مجید سے ہی نکالتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ایمان نور ہے کفر تاریکی جیسے نور اندھیرے کا بھائی نہیں نور اور اندھیرا کبھی جمع نہیں ہو سکتے ایسے ہی ایمان و کفر کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوتے اور کبھی کافر مومن کا بھائی نہیں ہو سکتا کہ دو ضدیں جمع نہیں ہوتیں اگرچہ مومن خونی وطنی زبانی پیشہ کے رشتوں سے بھائی ہوں مگر یہ بھائی ہونا عارضی اور محدود ہے جو بہت جلد ٹوٹ جاتا ہے اسی لئے یہاں ارشاد ہوا کہ کافر مومن کے رشتہ دار ہونے کا پاس اور لحاظ نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے مومن بھائی کی میراث کافر کو نہیں ملتی نہ اس کے برعکس۔ اس میں قصور کافر کا ہے۔ اولئک ھم المعتدون ایمان گویا سورج ہے نماز، زکوٰۃ اس کی تجلی اور نورانی شعاعیں جو ظاہر جسم پر پڑتی ہیں۔ سورج آسمان پر ہے اس کی شعاعیں زمین پر۔ یوں ہی ایمان دل میں ہے اس کی شعاعیں نماز روزہ زکوٰۃ جسم میں۔ یہ اعمال ظاہری اس باطنی سورج یعنی ایمان کی دلیلیں ہیں اس لئے ارشاد ہوا و اقاموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ یا یوں کہو کہ ایمان کا تخم دل کی زمین میں ہوتا ہے اس کی شاخیں پھول پھل اعضاء ظاہری ہیں پہلے کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء نمازیں اور زکوٰۃ اس تخم کے پھول پھل یا پھول پھل دار شاخیں ہیں۔ یہ تفصیل علم والوں کو ہی معلوم ہوتی ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِیْ

اور اگر توڑ دیں وہ قسمیں اپنی بعد وعدے کے اپنے اور طعنہ کریں تمہارے دین

اور عہد کرکے اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں تو کفر کے سرغنوں سے

دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ

میں تو لڑو سرداروں سے کفر کے تحقیق وہ وہی تو ہیں نہیں قسمیں ان کی تاکہ وہ باز آ

لڑو بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں اس امید پر کہ شاید وہ باز آئیں کیا اس قوم سے

یَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ

جائیں کیا نہیں جنگ کرو گے تم اس قوم سے کہ توڑیں جس نے قسمیں اپنی اور قصد کیا رسول کو

نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا حالانکہ انہیں

الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ

نکالنے کا اور انہوں نے شروعات کی تم سے پہلی بار کیا ڈرتے ہو ان سے پس اللہ زیادہ حقدار

کی طرف سے پہل ہوئی کیا ان سے ڈرتے ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو

اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾

ہے کہ ڈرو تم اس سے اگر ہو تم ایمان والے

اگر ایمان رکھتے ہو۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں بدعہد کفار کی توبہ اور اس کے احکام کا ذکر تھا فان تابوا (الخ) اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے کہ اگر وہ توبہ کریں بلکہ تمہارے دین ہی کو برا کہنے لگیں اعلانیہ تمہارا انکار کریں تو ان کا کیا حکم ہے گویا نرم احکام کے بعد گرم احکام کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں بدعہد کافروں کے مومن ہو جانے گذشتہ بدعملیوں سے توبہ کر لینے کا ذکر تھا اب انہیں کہ مرتد ہو جانے کا تذکرہ ہے۔ یہ تعلق اس صورت میں ہے جبکہ اس آیت میں مرتدین کا ذکر ہو۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار کا ذکر ہوا جو ایک بار عہد کر کے توڑ بیٹھے ان کے احکام بیان ہوئے اب ان کفار کا تذکرہ ہے جو بار بار عہد کر کے قسمیں کھا کر توڑ دینے کے عادی ہو چکے یعنی ایک بار کے مجرموں کے بعد عادی مجرموں کا تذکرہ ہے۔

نزول: اس کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ (۱) سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیات ابوسفیان ابن حرب حارث ابن ہشام، سہل ابن عمرو، ابوجہل، عکرمہ بن ابوجہل اور تمام سرداران قریش کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے حضور انور ﷺ کو یا تو مکہ میں تنگ کیا حتیٰ کہ آپ ﷺ نکلنے پر مجبور ہو گئے یا حضور انور ﷺ سے حدیبیہ کے عہد کا توڑنا لہٰذا یہ آیت گذشتہ آیات کا نتیجہ ہے۔ (۲) حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیات کفار روم وفارس کے متعلق نازل ہوئیں جن پر عہد فاروقی میں جہاد ہوئے ان آیات میں ایک طرف کی پیش بندی کی گئی ہے۔ (۳) حضرت حذیفہ ابن یمان فرماتے ہیں کہ یہ آیات آئندہ قریب قیامت کفار کے متعلق نازل ہوئیں جو دجال کے مدد و معاون ہوں گے (تفسیر خازن وکبیرہ) اور ہو سکتا ہے کہ یہ آیات کفار قریش کے علاوہ دوسرے عرب قبیلوں کے متعلق آئی ہوں جو حضور انور ﷺ سے عہد کر کے پھر گئے یا یہود مدینہ کے متعلق۔

تفسیر: و ان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم یہ عبارت یا معطوف ہے فان تابوا (الخ) پر اور واؤ عاطفہ ہے یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد سرداران قریش ابوجہل، ابوسفیان وغیرہ ہیں قسم توڑنے سے مراد حدیبیہ کا وعدہ توڑنا ہے مگر یہ قول قوی نہیں کیونکہ ابوجہل غزوہ بدر میں مارا گیا اور ابوسفیان وغیرہ فتح مکہ میں ایمان لا چکے تھے۔ یہ آیات کریمہ فتح مکہ سے ایک سال بعد آئیں لہٰذا یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد دوسرے کافر قبیلے ہیں جو حضور انور ﷺ اور مسلمانوں سے عہد کر کے توڑ چکے تھے۔ ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ اگر یہ توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں تو تمہارے بھائی ہیں اور اگر توبہ نہ کریں عہد توڑنے پر قائم رہیں یا آئندہ توڑیں یا مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو جاویں تو ان کا حکم یہ ہے۔ نکثوا بنا ہے نکث سے بمعنی بنا ہوا سوت کھول دینا۔ رب فرماتا ہے من بعد قوۃ انکاثا اصطلاح میں وعدہ توڑنے کو نکث کہا جاتا ہے وہ ہی مراد ہے ایمان جمع ہے یمین کی بمعنی داہنا ہاتھ اس کا مقابل ہے یسار (بایاں ہاتھ) اصطلاح میں قسم کو یمین کہتے ہیں یا اس لئے کہ اہل عرب قسم کھاتے وقت داہنا ہاتھ ہلاتے تھے یا اس لئے کہ داہنے ہاتھ میں قوت زیادہ ہوتی ہے قسم سے بھی کلام میں

قوت ہوتی ہے (تفسیر کبیر) ایک قرأۃ میں ایمانھم ہے الف کے کسرہ سے کفر کے مقابل (کبیر) مگر ہماری قرأۃ ایمان الف کے فتح سے زیادہ مشہور ہے۔ عہد سے مراد وہ عہد و پیمان ہیں جن پر انہوں نے قسمیں کھائی تھیں۔ وطعنوا فی دینکم یہ عبارت معطوف ہے نکثوا (الخ) پر اس میں کفار کا دوسرا عیب بیان ہوا۔ طعن کے لفظی معنی ہیں، نیزہ مارنا مگر کسی کو عیب لگانا طعنہ دینا بھی طعن کہلاتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ نیزہ کی طرح گھاؤ لگتا ہے بلکہ اس طعن کا زخم جو دل پر لگتا ہے وہ نیزہ کے زخم سے زیادہ سخت ہوتا ہے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ شعر

جراحات السنان لھا التیام ولا التیام ما جرح اللسان

چھری کا تیر کا تلوار کا تو گھاؤ بھرا لگا جو زخم زبان کا رہا ہمیشہ ہرا

دینکم سے مراد اسلام ہے۔ اسلام پر طعنہ کرنے کی چند صورتیں ہیں۔ (۱) اسلامی مسائل پر زبان طعن دراز کرنا (۲) اسلامی عقائد پر طعنے کسنا (۳) کلمہ طیبہ اذان قرآن مجید کعبہ معظمہ کی شان میں گستاخی کرنا (۴) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا کہ باقی گستاخیوں سے توبہ قبول ہے مگر گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ بھی قبول نہیں ان کا گستاخ اگر توبہ کر کے اسلام قبول کرے تو اس کا اسلام معتبر ہے مگر اسے بحق رسول قتل کیا جاوے گا اور بعد قتل اس کا نماز جنازہ اور دفن ہوگا کہ مسلمان ہو چکا ہے۔ جیسے کوئی قاتل مسلمان ہو تو اس کا اسلام قبول ہے مگر اسے قصاصاً قتل کیا جاوے گا۔ حق رسول حق العبد ہے توبہ سے معاف نہیں ہوتا اور حضور انور ﷺ کی عزت و عظمت کسی مقتول کی جان سے زیادہ ہے کہ دونوں جہان حضور ﷺ کی عظمت کے مقابل مچھر کے پر کے برابر نہیں (کتب فقہ۔ روح البیان) روح المعانی نے بہت نفیس تقریر کی ہے حضور ﷺ کی عظمت کو روح ایمان قرار دیا۔

اصل ایمان روح قرآں مغز دیں ہست حب رحمۃ للعالمین

فقاتلوا ائمۃ الکفر یہ عبارت جزا ہے و ان نکثوا کی۔ خیال رہے کہ کفار سے جنگ بہر حال ہوگی خواہ وہ صرف عہد شکنی کریں یا صرف اسلام پر طعن یا دونوں یہاں بجائے ہم کے ائمۃ الکفر فرمایا تاکہ اس جہاد کی اہمیت معلوم ہو ایک سردار کفر کا مار دینا بہت کافروں کے مارنے سے بہتر ہے کہ وہ کفر کی جڑ ہے۔ جڑ کاٹ دو شاخیں خود بخود سوکھ جائیں گی۔ ائمہ جمع ہے امام کی پیشوا بمعنی یہ اصل میں ائمۃ تھا بروزن افعلۃ جیسے مثال کی جمع ہے۔ امثلہ چونکہ اس میں دو میم جمع ہوئے تو پہلے میم کا کسرہ ہمزہ کر دیا اور دونوں میم کا ادغام کر دیا اب دوسری ہمزہ کو باقی رکھو یہ بھی درست ہے اور اسے ی سے بدل دو اور ائمہ پڑھو یہ بھی درست۔ ہماری قرأۃ ائمۃ دو ہمزہ سے ہے۔ انھم لا ایمان لھم اس فرمان عالی میں قتال کی وجہ ارشاد ہوئی اور فرمایا گیا کہ اگر اب وہ تم سے عہد و معاہدے کریں قسمیں بھی کھائیں تب بھی قبول نہ کرو کیونکہ تم نے آزمالیا کہ ان کی قسمیں کچھ نہیں ایک قرأۃ میں لا ایمان ہے۔ الف کے کسرہ یا کفر کا مقابل ایمان یا امن یومن کا مصدر بمعنی امن دینا (تفسیر کبیر) ہماری قرأت زیادہ مشہور ہے بعض لوگوں نے اس آیت کی بنا پر کہا ہے کہ مرتد کی توبہ قبول نہیں (روح المعانی) مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ آگے ہے لعلھم ینتھون۔ اس عبارت کا تعلق بھی فقاتلوا (الخ) سے ہے یعنی تم اس نیت سے جہاد کرو کہ وہ کفار آئندہ اسلام

پر طعنے کرنے مسلمانوں کو ستانے سے باز رہیں۔ تمہاری نیت اس کے سوا اور کچھ نہ ہونی چاہئے محض ایذا رسانی کے لئے جہاد نہ ہو کہ یہ کام مجاہدین کا نہیں بلکہ موذیوں کا ہے۔ (روح المعانی) الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول اس فرمان عالی میں مجاہد مسلمانوں کو کفار کی گذشتہ ایذا رسانیاں یاد دلا کر انہیں جہاد کی رغبت دی جا رہی ہے۔ لفظ الا رغبت دینے کے لئے ہے۔ اس میں یہاں بھی گفتگو ہے کہ اس سے کون سے کفار مراد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے کفار مکہ مراد ہیں اور قسم توڑنے سے مراد حدیبیہ والا عہد توڑنا۔ بنی بکر کی حمایت کرنا اور رسول کے نکالنے سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ میں اس قدر تنگ کرنا کہ آپ ﷺ ہجرت پر مجبور ہو گئے مگر یہ تفسیر اس لئے قوی نہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت وہ سب مسلمان ہو چکے تھے۔ کیونکہ یہ آیات فتح مکہ کے ایک سال بعد آئیں کفار مکہ ۸ ہجری میں مومن ہو چکے پھر ان سے جنگ کرنے کے کیا معنی اس لئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد یہود مدینہ ہیں جنہوں نے غزوہ احزاب کے موقع پر مسلمانوں سے عہد شکنی کی اور کفار عرب سے مل کر حضور انور ﷺ کو مدینہ سے نکال دینے کی کوشش کی مگر یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کے نزول کے وقت یہود مدینہ تو قتل کئے جا چکے تھے اور بنی نضیر مدینہ منورہ سے جلاوطن کر کے خیبر میں آباد کئے جا چکے تھے۔ ان سے جہاد کرنے کے کیا معنی۔ لہٰذا اقوی یہ ہی ہے کہ اس سے دوسرے عربی قبائل مراد ہیں جنہوں نے غزوہ احزاب وغیرہ موقعوں پر مدینہ منورہ پر حملہ کیا حالانکہ وہ حضور انور ﷺ سے معاہدے کر چکے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ حضور انور ﷺ کو مدینہ منورہ میں بھی نہ رہنے دیں اس کی تحقیق تفسیر کبیر اور روح المعانی میں دیکھو وھم بدء وکم اول مرۃ اس فرمان عالی میں کفار کا تیسرا عیب بیان ہوا اگر یہاں کفار مکہ مراد ہیں تو اس ابتداء سے جنگ بدر مراد ہے یعنی انہوں نے ہی تم پر حملہ کی ابتداء کی کہ ان کا قافلہ بخیریت مکہ معظمہ پہنچ گیا تھا مگر وہ جنگ سے نہ رکے اور اگر اس سے یہود مراد ہیں تو ان کا کفار عرب کی امداد کرنا مراد ہے غزوہ احزاب کے موقع پر اور اگر دوسرے قبیلے مراد ہیں تب بھی غزوہ احزاب میں مدینہ منورہ پر حملہ مراد ہے یہ ہی قوی ہے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ اتخشونھم یہ نیا کلام ہے۔ اس کا مقصود بھی مسلمانوں کو جہاد پر رغبت دینا ہے۔ ہم کا مرجع مذکورہ کفار ہیں یعنی اے مسلمانو کیا تم ان کفار سے ڈرتے ہو کہ اگر تم نے ان پر حملہ کیا تو تم کو ان کی طرف سے کوئی آفت و مصیبت پہنچے گی خوف، خشیت، تقویٰ ان سب کا فرق ہم پہلے پارہ میں کر چکے فاللہ احق ان تخشوہ یہ عبارت ایک پوشیدہ جملہ کی علت ہے لہٰذا اس کی ف تعلیلیہ ہے یعنی ان سے ڈرو اللہ سے ڈرو کیونکہ وہ ڈرنے کے لائق ہے لہٰذا اس کے حکم پر جہاد کرو ان کفار کی پرواہ نہ کرو۔ ان کنتم مومنین. اس شرط کی جزا پوشیدہ ہے یعنی اگر تم کامل مومن ہو تو کفار سے نہ ڈرو اللہ سے ڈرو اور ان کفار پر جہاد کرو خیال رہے کہ یہاں ان فرمانا شک کے لئے نہیں اللہ تعالیٰ شک سے پاک ہے نہ صحابہ کرام کا ایمان مشکوک ہے بلکہ اس قسم کی اگر مگر ترغیب کے لئے ہوتی ہے جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر یعنی واقعی تو میرا بیٹا ہے لہٰذا ضرور اطاعت کر۔

خلاصہ تفسیر: وہ بدعہد مشرکین جو توبہ کر کے مسلمان بن جائیں تم نے ان کے کا حکم تو معلوم کر لیا اور اگر وہ مسلمان نہ بنیں اپنے گذشتہ عہد قسمیں توڑیں یا توڑتے رہیں اور تمہارے دین یعنی اسلام پر طعنے کریں خواہ مسائل پر خواہ عقائد پر خواہ شعائر

اللہ پر تو ایسے سردارانِ کفر سے سختی سے جنگ کرو اور اب ان کی قسموں وعدوں کا اعتبار نہ کرو کہ ان کی قسمیں کچھ نہیں جیسا کہ تم تجربہ ہو چکا تمہارے جہاد محض بدلہ لینے انہیں ایذاء دینے کے لئے نہ ہوں بلکہ کفر کا زور توڑنے کے لئے ہوں تاکہ کفار اپنی مذکورہ حرکتوں سے باز آ جائیں۔ اے مسلمانو تم ایسی قوم سے جنگ کیوں نہیں کرتے جنہوں نے تین زیادتیاں کیں ایک یہ کہ تم سے کئے ہوئے عہد و پیمان ان پر قسمیں توڑیں دوسرے یہ کہ تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے نکالنے کی کوشش کی غزوہ بدر یا احزاب کے موقع پر تیسرے یہ کہ بدر یا احزاب میں جنگ کی پہل انہوں نے ہی کی۔ ان میں سے ہر جرم اس قابل ہے کہ ان سے جنگ کی جاوے انہوں نے تین جرم کئے اے مسلمانو کیا تم ان سے لڑنے میں ڈرتے ہو کہ تم کو یہ مصیبت میں ڈال دیں گے اگر تم پختہ مومن ہو تو اللہ سے ہی ڈرو وہی ڈرنے کے لائق ہے اس کا خوف تمام خوفوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ شعر

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے   ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جو شخص بار بار وعدے اور قسمیں توڑ چکا ہو اس کی قسم کا وعدہ کا آئندہ اعتبار نہ کیا جاوے مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں کاٹا جاتا۔ یہ فائدہ و ان نکثوا (الخ) سے حاصل ہوا یوں ہی جو بار بار مسلمان اور کافر ہوتا رہے اس کے اسلام کا اعتبار نہیں۔

دوسرا فائدہ: جو ذمی کافر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے یا اسلام پر آوازے کسے اس کا عہد ٹوٹ جاوے گا اور اسے قتل کیا جاوے گا۔ یہ فائدہ وطعنوا فی دینکم (الخ) سے حاصل ہوا جب ہم مسلمان دوسرے دینوں پر اس قسم کے حملے نہیں کرتے تو دوسرے لوگ ہمارے دین پر حملہ کیوں کریں۔

مسئلہ: ہر قسم کے کفار کی توبہ قبول ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ قبول نہیں اگرچہ اس کے توبہ کرنے سے اسے مسلمان مان لیا جائے گا مگر قصاص کے طور پر اسے قتل ضرور کیا جائے گا جیسے قاتل کافر مسلمان ہو تو اسے قصاص میں ضرور قتل کیا جائے گا مذہب امام مالک یہی ہے اسی پر فتویٰ فقہا حنفیہ دیتے ہیں (کتب فقہ و روح البیان)

مسئلہ: جو شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی چیز کی اہانت کرے وہ کافر ہے حتیٰ کہ نعلین شریف حضور علیہ السلام کے بال مبارک کی توہین کفر ہے۔

حکایت: ہارون رشید بادشاہ کے دستر خوان پر کدو کی ترکاری تھی کسی نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کدو پسند فرماتے تھے۔ ایک اور بانچی بولا کہ لیکن مجھے پسند نہیں امام ابو یوسف نے ہارون رشید سے کہا کہ یہ کافر ہو چکا اگر توبہ کرے تو خیر ورنہ اس کی گردن مار دی جاوے آخر کار اس نے توبہ کی تب اس کی جان بچی (روح البیان) یہ حکم جب ہے جبکہ اہانت کی نیت سے کہے۔

تیسرا فائدہ: جہاد میں یہ کوشش کی جائے کہ سردارانِ کفر پہلے قتل ہوں اس سے فوج کی ہمت ٹوٹے گی اور بغیر خونریزی فتح

نصیب ہوگی انشاء اللہ یہ فائدہ فقاتلوا ائمة الکفر سے حاصل ہوا غزوہ بدر میں پہلے ہلے میں ابوجہل قتل ہو گیا تو رب نے فرمایا مسلمانوں کو بہت شاندار فتح دی یہ ہی حکم باغی، خوارج اور فسادیوں کا ہے کہ سرغنوں کو پہلے ہی ختم کرو تا کہ فتنہ ختم ہو جاوے آج کل فساد کی جڑوں کی خوشامد کی جاتی ہے اوران کے بہکائے ہوؤں پر گولیاں برسائی جاتی ہیں انجام دیکھ رہے ہو۔

چوتھا فائدہ: کافر کی قسم پر شرعی احکام جاری نہیں یعنی کافر اگر زمانہ کفر میں قسم کھائے اور اسلام قبول کرنے کے بعد توڑ دے تو اس پر کفارہ واجب نہیں یہ فائدہ لاایمان لهم سے اشارۃً حاصل ہوا شوافع کے ہاں کفارہ اس پر واجب ہے۔ (کبیر، معانی)

پانچواں فائدہ: جہاد کا مقصد کفار کو ہلاک کرنا نہیں نہ مال غنیمت حاصل کرنا نہ محض ملک گیری بلکہ اس کا مقصد صرف کفر کا زور توڑنا ہے۔ جس سے وہ اسلام کی ترقی میں رکاوٹ نہ بنیں مسلمانوں کو نہ ستائیں یہ فائدہ لعلهم ینتهون سے حاصل ہوا۔ دین کی خدمت کی نیت سے جہاد کرو ملک اور غنیمت انشاء اللہ خود ہی حاصل ہوں گے بلکہ جہاد میں کسی کو جبراً مسلمان بنانا بھی درست نہیں۔ رب فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین۔

چھٹا فائدہ: اپنے شہر سے اللہ کے مقبول بندوں کو نکالنے کی کوشش کرنا بڑی بدنصیبی ہے۔ مقبولوں کے دم قدم سے اللہ کی رحمتیں آتی ہیں۔ نبی کو نکالنے کی کوشش کرنا تو کفر ہے یہ فائدہ وهموا باخراج الرسول سے حاصل ہوا۔ کوشش کرو کہ تمہارا محلہ بستی میں کوئی اللہ کا بندہ رہے جس کی برکت سے محلے بستی کی آفتیں دور ہوتی رہیں۔ رب فرماتا ہے ان الله یدفع عن الذین امنوا۔

ساتواں فائدہ: جس کافر قوم سے ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے اس سے جنگ میں ہم پہل ہرگز نہ کریں اگر وہ پہل کریں تو پھر ہم انہیں ہرگز نہ چھوڑیں یہ فائدہ وهم بدءوکم اول مرة سے حاصل ہوا حربی کفار پر ہم بخوشی جنگ میں پہل کر سکتے ہیں یہ بات قادیانیوں کے خلاف ہے۔

آٹھواں فائدہ: مومن کے دل میں اللہ کا خوف چاہئے غیر اللہ کا خوف نہ چاہئے یہ فائدہ فالله احق ان تخشوه سے حاصل ہوا یعنی خوف اطاعت یا خوف نفرت یا خوف ظلم یا خوف ایذاء وہ کفار کا بلکہ ہر موذی کا ہو سکتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے متعلق رب سے عرض کیا تھا اننا نخاف ان یفرط علینا خوف اور اس کی اقسام و احکام پہلے پارہ میں بیان ہو چکے۔

پہلا اعتراض: یہاں قسم توڑنے والوں عہد و پیمان کے خلاف کرنے والوں سے کون کفار مراد ہیں۔ کفار مکہ تو ان آیات کے نزول سے ایک سال پہلے یعنی فتح مکہ میں ایمان لا چکے تھے۔ یہود مدینہ غزوہ احزاب کے بعد قتل یا جلاوطن کئے جا چکے تھے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ قوی یہ ہی ہے کہ حضور انور ﷺ نے عرب کے بہت سے قبیلوں سے معاہدہ کئے ہوئے تھے ان میں سے اکثر اپنے عہد توڑ بیٹھے وہ ہی اس جگہ مراد ہیں۔

دوسرا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکالنے والے تو کفار مکہ ہی تھے وہ ہی یہاں مراد ہونے چاہئیں وھموا باخراج الرسول اور وہ سب تو ان آیات کے نزول سے ایک سال پہلے ایمان لا چکے تھے۔ یہ معمہ کیونکر حل ہو۔

جواب: یہاں نکالنے کا ذکر نہیں بلکہ نکالنے کا ارادہ کرنے کا ذکر ہے۔ کفار مکہ کے متعلق دوسری جگہ یوں ارشاد ہے اذا اخرجه الذین کفرو ثانی اثنین وہاں کفار مکہ مراد ہیں یہاں عرب کے دوسرے قبیلے مراد ہیں جنہوں نے بارہا حضور انور ﷺ کو پریشان کر کے مدینہ منورہ سے نکالنے کی کوشش کی تھی کفار مکہ نے تو نکالنا چاہا ہی نہ تھا۔ انہوں نے قتل کی کوشش کی تھی جو حضور انور ﷺ کے مکہ معظمہ چھوڑنے کا سبب بنی لہذا آیت بالکل واضح ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کفار جنگ کی ابتدا کریں تو مسلمان دفاع کر سکتے ہیں وہ خود جارحانہ حملہ نہیں کر سکتے ہیں لہذا کبھی مسلمان کو جنگ کی ابتداء نہیں کرنی چاہئے ارشاد ہوا و ھم بد عدکم اول مرۃ (قادیانی)

جواب: یہاں مجاہدین کا کفار سے جنگ کرنے کا ذکر ہے۔ اوپر سے اس کا ذکر چلا آ رہا ہے من بعد عھدھم اور انھم لا ایمان لھم وغیرہ واقعی ان سے ہم جنگ کرنے کی ابتداء نہ کرتے کہ یہ بدعہدی ہے رہے حربی کفار جن سے ہمارا کوئی معاہدہ نہیں ان پر ہر طرح حملہ جائز بلکہ بعض وقت ضروری ہے رب فرماتا ہے قاتلوا المشرکین کافة

چوتھا اعتراض: تم نے کہا کہ کافر کی قسم شرعاً قسم ہی نہیں نہ اس پر شرعی احکام جاری ہوں لا ایمان لھم مگر قرآن مجید نے فرمایا نکثوا ایمانھم بعد عھدھم انہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اس پر ملامت بھی فرمائی معلوم ہوا کہ کفار کی قسمیں معتبر ہیں (تفسیر کبیرہ)

نوٹ: امام رازی شافعی ہیں انہوں نے امام اعظم پر یہ اعتراض بہت قوی سمجھ کر کیا ہے۔ شوافع کے ہاں کفار کی قسم معتبر ہے۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر کافر زمانہ کفر ہی میں قسم کھائے اور اس زمانہ میں توڑ دے تو تمہارے ہاں بھی اس پر کفارہ نہیں اگرچہ بعدہ مسلمان ہو جائے بتاؤ اس پر وان نکثوا ایمانھم کا حکم تم نے جاری نہ کیا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ وہاں ایمان (قسم) سے مراد ان کے عقیدے ہیں یعنی جس کو وہ عہد قسم سمجھتے ہیں اور وہ انہیں بھی توڑ دیتے ہیں۔ شرعی قسم مراد نہیں۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار تین حرکتیں کریں تب ان سے جنگ کی جاوے عہد توڑنا نبی کو نکالنے کا ارادہ کرنا کو جنگ کی ابتداء کرنا دیکھو الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم تو چاہئے کہ اب کسی کافر سے جنگ نہ کی جاوے یہ تین حرکتیں کسی میں جمع نہیں (بعض منکرین جہاد)

جواب: آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دینا کہ ان کفار میں تین وجہیں جہاد کی پائی جاتی ہیں جن میں سے ہر ایک جہاد کی وجہ ہے تو تم ایسے بے دینوں پر جہاد کیوں نہیں کرتے جیسے مہربان باپ کہے کہ میں تیرا باپ ہوں میں نے تجھے پالا تجھے تعلیم دلائی تجھے کاروبار سکھایا تو میری خدمت کیوں نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کوئی باپ یہ کام نہ

کرے تو اس کی خدمت ہی نہ کی جاوے قرآن کی سچی فہم چاہئے۔

تفسیر صوفیانہ: ظاہری کفار سے کبھی کسی کو جہاد نصیب ہوتا ہے مگر باطنی کافروں یعنی نفس امارہ شیاطین برے یار برے خیالات سے ہر شخص کو ہر دم جہاد کرنا پڑتا ہے۔ اے انسان تیرا نفس ہی وہ کافر ہے جو تجھ سے بار بار عہد کر کے پھر جاتا ہے تیرے دین یعنی دینی اعمال میں طعنے کرتا ہے کہ نمازیں کیوں پڑھتا ہے وقت ضائع کرتا ہے، زکوۃ و حج میں پیسہ کیوں برباد کرتا ہے کسی اور جگہ یہ پیسہ لگا۔ ائمہ کفر یہی چیزیں ہیں یہ تیرے دل سے رسول کی عظمت کم کر کے ان کی محبت کو نکالنا چاہتا ہے لہذا اے مومن کے دل اس پر جہاد کر حتی کہ اس نفس امارہ کی طاقت بالکل ختم ہو جائے اور تجھے بہکانا چھوڑ دے۔ شریعت کی تلوار طریقت کے تیروں سے اس پر ایسا جہاد کر کہ یہ فنا ہو کر نفس مطمئنہ بن جاوے شیطانوں کی کثرت برے لوگوں کی قوت نفسانی خیالات سے خوف سے نہ کر۔ اللہ سے ڈر وہ تیرے لئے کافی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر

نفس ما ہم کمتر از فرعون نیست لیک او را عون مارا عون نیست

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ

جنگ کردان سے عذاب دیگا انہیں اللہ تمہارے ہاتھوں سے اور بے مددگار چھوڑ دیگا انہیں

تو ان سے لڑو اللہ انہیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں اور رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر مدد

عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ

اور مدد کریگا تمہاری اوپر ان کے اور شفا دیگا مسلمان قوم کے سینوں کو اور لے جائیگا

دے گا اور ایمان کا جی ٹھنڈا کریگا اور ان کے دلوں کی گھٹن دور فرمائے گا اور اللہ جس

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

غصہ دلوں کا ان کے اور توبہ ڈالتا ہے اللہ اس پر جسے چاہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے

کی چاہے توبہ قبول کرے اور اللہ علم و حکمت والا ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: گذشتہ آیات میں کفار عرب سے جہاد کرنے کی سات وجہیں بیان فرمائی گئی تھیں جن میں سے ہر وجہ جہاد کا سبب تھی۔ بدعہدی، قسمیں توڑنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے نکالنے کی کوشش کرنا، مسلمانوں سے جنگ کی ابتداء کرنا، دین اسلام پر طعنے کرنا، لوگوں کو ایمان سے روکنا، آیات الٰہیہ کو تھوڑی قیمت پر فروخت کرنا۔ یہ سات چیزیں وہ تھیں جو پائی جا چکی تھیں جن کی وجہ سے جہاد کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا اب ان پر جہاد کرنے کے پانچ فائدے اور نتیجے بتائے جا رہے ہیں جو جہاد کے بعد حاصل ہوں گے۔ کفار کو مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب دینا، انہیں رسوا کرنا، مسلمانوں کا مظفر و منصور ہونا،

مومنوں کا دل ٹھنڈا ہونا، مسلمانوں کے دل کی گھٹن دور ہونا غرضیکہ اسباب جہاد کے بعد فوائد جہاد کا ذکر ہے۔
دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ مسلمانوں کو صرف اللہ سے خوف چاہئے اب اس خوف کے نتیجہ کا ذکر ہے اگر خوف خدا نصیب ہو جاوے تو اللہ کی مدد اس کی نصرت انہیں پہنچے گی اور دنیا ان سے ڈرے گی۔
تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو بدعہد کفار سے جہاد کا حکم دیا گیا اب اس کا وہ فائدہ بیان ہو رہا ہے جو مجاہدین کے علاوہ دوسرے ضعیف و کمزور مسلمانوں کو حاصل ہوگا یعنی ان کے دل ٹھنڈے ہونا کہ رب نے کفار کو ہم پر ظلم کرنے کا خوب مزا چکھایا۔
نزول: ہجرت سے پہلے یمن اور سباء کے کچھ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مکہ معظمہ حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے۔ جب یہ لوگ اپنے وطن واپس پہنچے تو اپنے وطن اپنی قوم والوں سے ایذائیں اور تکالیف دیکھیں کہ خدا کی پناہ۔ ان لوگوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیام بھیجا کہ حضور ﷺ کفار کی ایذائیں ہماری برداشت سے باہر ہو چکیں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا خوش ہو جاؤ کہ کشادگی انشاء اللہ قریب ہے بعد ہجرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت کریمہ نازل فرما کر ان یمنی مومنین کے اس واقعہ کو یاد دلایا گیا تاکہ مسلمانوں میں جوش جہاد اور زیادہ ہو۔ (تفسیر روح البیان۔ بیضاوی)
تفسیر: **قاتلوهم يعذبهم الله بايديكم** یہ نیا فرمان عالی ہے جس میں خطاب حضرات صحابہ سے ہے۔ ھم سے مراد وہ ہی مشرکین عرب ہیں جنہوں نے بدعہدیاں کیں۔ یہاں عذاب سے مراد ہے کفر پر موت دینا جو خود بھی عذاب ہے اور آخرت کے تمام عذابوں کا سبب یعنی اے صحابہ کرام ان بدعہد مشرکین پر جہاد کرو۔ اس جہاد کے پانچ نتیجوں میں سے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ تمہارے ہاتھوں کفر پر مارے جائیں یہ قتل بھی ان پر میرا عذاب ہے۔ **ويخزهم** یہ معطوف ہے **يعذبهم** اور دوسرے نتیجہ کے بیان میں خزی یعنی رسوائی سے مراد ہے کفار کا مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہونا (تفسیر معانی) **و ينصركم عليهم** یہ معطوف ہے **يخزهم** پر اور جہاد کا تیسرا فائدہ یعنی اللہ تعالیٰ اے مسلمانو! تم کو ان پر مدد دے گا کہ تم باوجود کم ہونے بے ہتھیار ہونے کے ان پر فتح پاؤ گے۔ اس سے ہماری قدرت تمہارے نبی کے معجزات کا ظہور ہوگا۔ **و يشف صدور قوم مومنين.** عبارت معطوف ہے **ينصركم** پر اور جہاد کا چوتھا فائدہ۔ شفاء سے مراد کلیجہ ٹھنڈا کرنا، دل خوش کرنا، قوم مومنین سے مراد وہ ہی یمن اور سبا کے مسلمان ہیں جو صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے کفار کے ہاتھوں سالہا سال تک بہت مصیبتوں میں گرفتار رہے اب جب وہ ان کو قتل ہوتے قید ہوتے دیکھیں گے تو ان کو ٹھنڈک ہوگی کہ رب تعالیٰ نے ان موذیوں سے ہمارا بدلہ لے لیا اس ٹھنڈک کا ثواب تم کو ملے گا کہ مسلمان کو خوش کرنا بھی ثواب ہے۔ **و يذهب غيظ قلوبهم** یہ عبارت معطوف ہے **يشف صدورهم** پر اور جہاد کا پانچواں فائدہ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ان مسلمانوں کے دلوں کی شفاء کا بیان ہے یعنی شفاء سے مراد ہے ان کا غصہ دور کر دینا مگر قوی یہ ہے کہ یہ علیحدہ چیز ہے دل کی شفا سے مراد تھی ظالم کفار کی سزا اپنی آنکھوں سے دیکھنا اپنا بدلہ دیکھ کر خوش ہونا اور غصہ دور کرنے سے مراد ہے انتظار کی تکلیف دل کی

گھٹن دور کرنا یعنی سالہا سال سے وہ منتظر تھے کہ کب قہر الٰہی کو جوش آوے گا اور کب ہم ان کو ذلیل ہوتے ہوئے دیکھیں گے۔ لہٰذا وہ اور چیز تھی یہ کچھ اور چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ پانچوں وعدے پورے فرما دیئے اور یہ غیبی خبریں دنیا نے اپنی آنکھوں دیکھ لیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے معجزات ہیں۔ ویتوب اللہ علی من یشاء اس میں بھی ایک غیبی خبر ہے کہ تمہارے مقابل آنے والے کفار اور تمہارے ہاتھوں قید ہونے والے قیدی سارے ہی کافر نہ رہیں گے بلکہ بعض مومن ہو جائیں گے۔ یہ خبر بھی ہو بہو واقع ہوئی۔ مقصد یہ ہے کہ تمہارا جہاد بعض کفار کے توبہ کا سبب بنے گا۔ واللہ علیم حکیم یعنی اللہ تعالیٰ علم والا ہے اور حکمت والا بھی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کس ذریعہ سے اور کب ایمان لاوے گا اور کس وقت کون سا کام ہوگا اور کس کام میں دیر ہوتا ہے اس میں رب کی لاکھوں حکمتیں ہیں لہٰذا بندے کو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ انتظار کرنا چاہئے۔ رحمت کا انتظار بھی عبادت ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب کے صحابہ تم وہ سات باتیں تو سن چکے جو کفار پر جہاد کا سبب ہیں۔ اب جہاد کے پانچ فائدے سنو اور ان پر بے تامل جہاد کرو مرضی الٰہی یہی ہے کہ ان بدنصیبوں کو تمہارے ہاتھوں عذاب دے کہ جہاد میں وہ کفر پر مارے جائیں اور برزخ و محشر کے عذاب میں گرفتار ہوں اور چاہتا ہے تمہارے سامنے انہیں رسوا کرے ان کی دنیاوی عزت خاک میں ملا دے کہ وہ مسلمانوں کو ستانے والے تمہارے سامنے قیدی ہو کر پیش ہوں اور تم ان کے فیصلے کرو وہ تمہارے فیصلے پر سر تسلیم خم کریں اور چاہتا ہے کہ تم کو ان پر غیبی امداد کے ذریعے فتح دے دنیا تمہاری فتح دیکھ کر دنگ رہ جائے اور چاہتا ہے کہ جن مسلمانوں کو ان کے ہاتھوں سالہا سال تک تکالیف پہنچیں سخت اذیتیں اور مصیبتیں پہنچیں اب ان مردودوں کے یہ حالات دیکھ کر ان کے کلیجے ٹھنڈے ہوں کہ رب نے ہمارا بدلہ خوب لیا اور چاہتا یہ ہے کہ ان بے کس و بے بس مسلمانوں نے جواب تک انتظار کی گھڑیاں گزاریں ان کے دل گھٹتے رہے اب ان کے دلوں کی گھٹن دور ہو گئی۔ یہ سارے فائدے تمہارے جہاد کرنے پر مرتب ہوں گے پھر یہ خیال رکھو کہ تمہارے جہاد کی بدولت بہت سے کافر توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں گے یعنی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ علم والا ہے اور حکمت والا بھی وہ جانتا ہے کہ کون کب، کہاں اور کس طرح مسلمان ہوگا اور اس کے ہر کام میں صدہا حکمتیں ہیں۔ اب تک مسلمان ان کے ہاتھوں مصیبتوں میں رہے اس میں بھی رب کی حکمت تھی اور اب حالات کے پلٹہ کھانے سے ان گرے ہوؤں کو اٹھانے میں بھی حکمت ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کفر پر مرنا یا مارا جانا اللہ کا عذاب ہے۔ خود بھی عذاب اور صدہا عذابوں کا ذریعہ۔ یہ فائدہ یعذبکم سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس ایمان پر مرنا یا شہید ہونا اللہ کی رحمت ہے خود بھی رحمت اور ہزار ہا رحمتوں کا ذریعہ۔

دوسرا فائدہ: اللہ والوں کے ہاتھ ان کے آستانے رب تعالیٰ کے قہر کا بھی ذریعہ ہیں اور اس کی رحمتوں کا ذریعہ بھی۔ یہ فائدہ بایدیکم فرمانے سے حاصل ہوا۔ جب کفار کو غازی مومنین صحابہ کے ہاتھوں اللہ کا عذاب ملتا ہے تو مومنوں کو ان کے ذریعہ اللہ کی رحمتیں ملتی ہیں ہاتھ ایک ہیں مگر فقیروں کی جھولیاں جدا گانہ بجلی کا پاور ہیٹر میں گرم فریج میں ٹھنڈا۔

تیسرا فائدہ: کفار کے لئے مومن کی قید میں آنا رسوائی ہے کہ اس کے تمام کام نفس کے لئے ہوتے ہیں اور وہ مسلمان سے جنگ کرتے ہیں اپنی سربلندی کے لئے۔ ان کا قید ہونا سرنگونی ہے یہ فائدہ ویخزھم سے حاصل ہوا اس کے برعکس مومن مرے تو شہید اگر کفار کے ہاتھوں قید ہو تو صابر ہو اگر مارے تو غازی کیونکہ اس کے سارے کام اللہ کے لئے ہیں رب راضی ہو گیا تو اس کا مقصد حاصل ہو گیا۔

مرے شہید ہو مارے انہیں تو غازی ہو　　　یہ کام وہ ہے کہ ہر طرح سرفرازی ہو

چوتھا فائدہ: موذی کافر کی موت پر خوشی منانا سنت صحابہ بلکہ سنت انبیاء کرام ہے۔ یہ فائدہ ویشف صدور رھم مومنین سے حاصل ہوا۔ عاشورہ کا دن بنی اسرائیل کے لئے عید کا دن تھا ہمارے ہاں بھی اس دن خوشی میں روزہ رکھنا سنت ہے کیونکہ اس دن فرعون غرق ہوا۔

پانچواں فائدہ: اگر کافر قیدیوں کو قید میں اگرچہ توبہ اور ایمان نصیب ہو جاوے تو اس کے لئے یہ قید و بند اللہ کی رحمت ہے کہ جنت کا ذریعہ ہے یہ بظاہر گرفتاری ہے مگر حقیقتاً دوزخ کے عذاب سے رہائی۔ یہ فائدہ یتوب اللہ علی من یشا سے حاصل ہوا ہے۔

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ علیم و حکیم ہے اس کے ہر کام میں حکمت ہے یہ فائدہ علیم حکیم سے حاصل ہوا مصیبت میں صبر کرے کہ اس کا پھل شیریں ہے۔ شعر

منیش عیش ترش تو زگروش ایام کہ صبر　　　گرچہ تلخ است و لیکن بر شریں دارد

آنکس کہ تو انگرت نمی گرداند　　　او مصلحت تو از تو بہتر داند

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کا غزوات میں مارا جانا اللہ کا عذاب ہے مگر قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم آپ ﷺ کے ہوتے اللہ انہیں عذاب نہ دے گا۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: اس کا جواب تفسیر کبیر و خازن نے یہ دیا ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیات میں عذاب استیصال کی نفی ہے۔ جس میں ساری قوم بالکل تباہ کر دی جاوے۔ جہاد میں بعض کفار کا مارا جانا قومی عذاب نہیں بلکہ شخصی عذاب ہے کہ جس سے بعض کافر مارے جاتے ہیں اور بقیہ لوگ باقی رہتے ہیں مگر فقیر کے نزدیک قوی یہ ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیات میں غیبی عذاب کی نفی ہے جیسے آسمان سے آگ برسنا، صورتیں مسخ ہونا کہ حضور انور ﷺ کی تشریف آوری سے وہ بند ہو گئے ظاہری عذاب قتل و غارت وغیرہ باقی۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں وعدہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کفار پر فتح و نصرت دے گا و ینصر کم علیھم مگر بہت دفعہ مسلمان کفار کے مقابل شکست کھاتے ہیں تو یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

جواب: یہاں یہ وعدہ صحابہ کرام سے کیا گیا۔ عرب کے مشرکین کے مقابل شکست، فتح کا جو پورا ہو چکا جیسا کہ علیھم سے

معلوم ہو رہا ہے ہمارے متعلق وعدہ مشروط ہے۔ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ہم جب بھی مار کھاتے ہیں ایمانی کمزوری اور آپس کی غداری سے۔ شعر

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم — کہ بامن آنچہ کرد است آشنا کرد

اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ ہم جھوٹے ہیں۔ شعر

اللہ کی راہ ہے اب تک کھلی — اور نام و نشاں سب قائم ہیں

اللہ کے بندوں نے لیکن — اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کفار کے مرنے پر خوش ہوتے ہیں کہ فرمایا ویشف صدور هم قوم مومنین حالانکہ دشمن کے مرنے پر خوش نہیں ہونا چاہئے۔ آخر مرنا ہم نے بھی ہے۔

اگر بمرد عدو جائے شادمانی نیست — کہ زندگانی ماتیز جاودانی نیست

جواب: اپنے ذاتی دشمن کی موت پر واقعی خوش نہیں ہونا چاہئے مگر دینی دشمن کے مرنے پر خوشی منانا سنت ہے، عبادت ہے، سنت انبیاء ہے حضور انور ﷺ نے ابوجہل کی موت پر سجدۂ شکر کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ڈوبنے پر روزۂ شکر رکھا جو آج تک چلا آ رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: رب تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے یہ اس کی قدرت ہے کہ کافر مظہر قہر الٰہی ہے مگر اس کے ذریعہ جو مومن کو موت نصیب ہو وہ عین رحمت ہے یعنی شہادت اور مظہر رحمت الٰہی ہے مگر اس کے ذریعہ سے کافر کی موت ہے وہ رب تعالیٰ کا عذاب ہے گویا عذاب ذریعہ رحمت اور رحمت ذریعہ عذاب ہے مومن کا سینہ محبوبوں کی محبت اور دشمنان دین کی نفرت سے بھرا ہونا چاہئے یہ محبت و نفرت ایمان کے دو رکن ہیں ظاہر روح کے دو پر جن سے پرواز کر کے وہ قرب الٰہی میں پہنچتا ہے۔ یہ آیات کریمہ بہت گہری ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وہ رحمت کا بادل ہیں جن کے سبب بعض لہلہا جاتے ہیں اور بعض کملا جاتے ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ

کیا سمجھ لیا تم نے یہ کہ چھوڑے جاؤ گے تم حالانکہ اب تک نہیں جانا اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے

کیا اس گمان میں ہو کہ یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے پہچان نہیں کرائی ان کی جو

يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ

جہاد کیا تم میں سے نہیں بنایا انہوں نے مقابل اللہ کے اور اس کے رسول کے اور نہ مومنین

تم میں سے جہاد کریں گے اور اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا محرم راز

وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

کے راز دار اور اللہ خبردار ہے اس سے جو تم کرتے ہو

راز نہ بنائیں گے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں جہاد کے پانچ فائدے بیان ہوئے جن کا تعلق مومنین اور کفار سے تھا۔ اب اس آیت میں جہاد کا چھٹا فائدہ بیان ہو رہا ہے جس کا تعلق مومنین اور منافقین سے ہے کہ جہاد میں مومن خدمت دین کے لئے جاتے ہیں۔ منافقین کفار کی جاسوسی کے لئے جہاد گویا ان دونوں میں چھانٹ کا ذریعہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جہاد کے ذریعہ کفار رسوا ہوں گے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس جہاد کے ذریعے منافقین رسوا ہو کر مخلص مومنین سے چھٹ جائیں گے گویا کھلے کافروں کی رسوائی کے بعد چھپے کافروں یعنی منافقین کی رسوائی کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے، حکیم بھی اس کے ہر کام میں حکمتیں ہوتی ہیں۔ اب جہاد کی خاص حکمت کا ذکر ہے کہ یہ عبادت اگرچہ بعض دلوں پر گراں ہے۔ مگر اس میں بڑی حکمت ہے گویا پچھلی آیت میں ایک دعویٰ تھا اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔

تفسیر: ام حسبتم ان تترکوا ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب ان ضعفاء مومنین سے ہے جن پر جہاد گراں تھا کہ اس میں تکلیف بہت ہے۔ (روح المعانی) حسبان کے معنی ہیں گمان کرنا۔ خیال باندھنا۔ تترکوا بنا ہے ترک سے بمعنی چھوڑنا یہاں چھوڑنے سے مراد ہے چھوڑے رکھنا۔ جہاد فرض نہ کرنا۔ یعنی کیا تم اس گمان میں ہو کہ تم یوں ہی آزاد چھوڑے جاؤ کہ تم پر جہاد فرض نہ ہو۔ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا ظاہر ہے کہ واؤ حالیہ ہے اور یہ عبارت تترکوا کے فاعل انتم سے حال ہے (روح المعانی) لم کے معنی ہیں نہیں لما کے معنی ہیں اب تک نہیں یعنی لما استغراق زمانہ کے لئے آتا ہے۔ علم سے مراد ظہور اور مشاہدہ کا علم ہے جو کسی چیز کے ہو چکنے کے بعد دیکھ کر حاصل ہوتا ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ علم سے مراد خود معلوم یعنی جہاد ہے (کبیر) کیونکہ سزا و جزاء اللہ کے علم سے نہیں بلکہ معلوم یعنی بندوں کے عمل سے ہے الذین سے مراد مومنین ہیں یعنی ابھی اللہ نے مجاہدین کو جہاد کرتے دیکھا نہیں یا لوگوں کو مجاہدین دکھائے بتائے نہیں۔ ظاہر نہیں کئے یا ابھی تک مجاہدین نے جہاد کیا نہیں۔ و لم یتخذوا من دون اللہ و لا رسولہ و لا المومنین ولیجۃ یہ عبارت معطوف ہے جاھدوا پر اور الذین کا صلہ من دون اللہ (الخ) سے مراد ہیں۔ کفار مشرکین ولیجۃ بنا ہے ولوج سے بمعنی خول اسی سے ہے یلج۔ رب فرماتا ہے یلج الجمل فی سم الخیاط اصطلاح میں غیر جنس کے داخل کرنے کو دلج کہا جاتا ہے یہ واحد اور جمع سب پر بولا جاتا ہے کبھی

اس کی جمع ولائج بھی آجاتی ہے (روح المعانی) یہاں اس سے رازدان مشیر صاحب سرمراد ہے یعنی اب تک ان مخلصین کو نہ دیکھا جو اللہ رسول مومنین کے مقابل میں ان کے دشمن کفار کو اپنا رازدار صاحب اسرار نہیں بناتے۔ یہ رازداری مخلص اور منافق کی پہچانت ہے شاید کوئی طالب علم اللہ سے دھوکا کھاتا یا دھوکہ دیتا کہ اللہ تعالیٰ کو علم غیب نہیں۔ وہ ہر چیز کو اس کے پیدا ہونے کے بعد جانتا ہے جیسے ہشام ابن حکم (کبیر، روح المعانی) یا ہمارے زمانہ میں دیوبندیوں کا سردار مولوی حسین علی واں بھچراں والا (بلغۃ الحیر ان) اس لئے ارشاد ہوا۔ و اللہ خبیر بما تعملون۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سارے کاموں پر خبردار ہے جو تم کر چکے ہو یا کر رہے ہو یا کرو گے سب اس کے علم میں ہے ان اسباب جہاد وغیرہ کے ذریعہ تم کو بتایا دکھایا جاوے گا۔

خلاصہ تفسیر: اے وہ لوگو جن پر حکم جہاد گراں اور جہاد شاق ہے کیا یہ تم سمجھ بیٹھے ہو کہ تم کو یوں ہی آزاد چھوڑ دیا جاوے جہاد فرض نہ کیا جاوے حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نہ دیکھا یا نہ ظاہر کیا جو جہاد کریں اور اللہ رسول اور مومنین کے مقابل ان کے دشمن کفار کو اپنا رازدان نہ بنائیں بحالت جہاد ان کی جاسوسی نہ کریں مخلص مومن ہوں۔ ایسے لوگ مخلص مومن ہیں اور جو جہاد سے جی چرائیں یا جہاد میں جا کر مجاہدین کی خبریں کفار کو پہنچائیں ان کی جاسوسی کریں وہ منافقین ہیں اے مسلمانو یہ خیال نہ کرنا کہ ہم تم سے بے خبر ہیں یہ صرف صرف تمہارے لئے ہے ہم تمہارے اعمال کو ہمیشہ سے جانتے ہیں کہ تم کیا کر چکے ہو کیا کر رہے ہو اور کیا کب کرو گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دنیا دار العمل ہے، آخرت دار الجزاء یہاں اعمال سے جی چرانا آرام طلبی کرنا سخت محرومی ہے یہ فائدہ ام حسبتم سے حاصل ہوا یہاں عمل کی کوشش کرو جزا نہ ڈھونڈو وہاں عمل نہ ہوگا انشاء اللہ جزا ہوگی۔

دوسرا فائدہ: مشکل اور دشوار اعمال سے مخلصین و منافقین کی پہچانت ہوتی ہے مخلص مومن خندہ پیشانی سے انہیں قبول کر لیتا ہے منافق ان سے جی چراتا ہے یہ فائدہ ان تتر کوا سے حاصل ہوا کاشت کے زمانہ میں محنت کی پرواہ نہ کرو یہ محنت کا زمانہ ہی ہوتا ہے جب کھیت کاٹنے کا وقت ہو اور زندگی کی کھیتی خیریت سے کٹے تب آرام کر لینا چاہئے اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

تیسرا فائدہ: آخرت کی سزا و جزاء اللہ تعالیٰ کے علم کی بنا پر نہیں بلکہ دنیا میں اعمال خیر و شر کی بنا پر ہے جب تک عمل نہ ہو تب تک نہ احکام مرتب ہوں نہ سزا و جزا ہو یہ فائدہ لما یعلم اللہ الذین (الخ) سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔

چوتھا فائدہ: مسلمان کو کفار کا جاسوس بننا حرام ہے اس پر اجرت لینا حرام یہ فائدہ ولم یتخذوا من دون (الخ) سے حاصل ہوا یہ کام منافق کیا کرتے ہیں۔

پانچواں فائدہ: کفار کو ملکی اسامیوں پر رکھنا انہیں اپنا رازدار بنانا حرام ہے اور خطرناک بھی یہ فائدہ ولیجہ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے لاتتخذوا بطانۃ من دونکم۔

چھٹا فائدہ: جیسے اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات قدیم اور واجب ہیں ایسے ہی اس کا علم قدیم ہے واجب ہے وہ ہمیشہ سے سب کو جانتا ہے یہ فائدہ خبیر بما تعملون سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ بزدل آرام پسند سخت عبادات خصوصاً جہاد سے گھبراتے تھے اس لئے تو ان کے متعلق اس قسم کی آیات آئیں جن میں انہیں ملامت کی گئی۔ ام حسبتم (الخ) (رافضی)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم حضرت علی کے متعلق کیا کہو گے وہ بھی اس زد میں آئیں گے کیونکہ آیت میں ان کا استثناء نہیں کیا گیا جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں خطاب ہے ضعفاء مومنین سے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ابھی ان کے دلوں میں ایمان پختہ نہیں ہوا تھا پھر ان جیسی آیات سے وہ بہادر شیر دل ہو گئے کہ ساری فتوحات خصوصاً عہد فاروقی کی فتوحات انہیں نے کیں۔ اسلام انہیں نے پھیلایا۔ اس آیت میں ان پر عتاب نہیں بلکہ انہیں جہاد پر بھڑکاتا ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو ہر وقت کسی چیز کا علم نہیں۔ واقعہ ہو چکنے کے بعد اسے معلوم ہوتا ہے دیکھو یہاں ارشاد ہوالم یعلم اللہ اب تک اللہ نے مجاہدین کو جانا نہیں۔

جواب: اس سوال کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ ان جیسی آیات میں علم سے مراد یا مشاہدہ کا علم ہے جسے علم ظہور کہتے ہیں جو کسی چیز کے دیکھنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اس علم پر سزا جزا ہے عام محققین مفسرین نے یہ جواب دیا ہے بعض نے فرمایا کہ یہاں علم سے مراد اعلام ہے یعنی دوسروں کو دکھانا بتانا بعض نے فرمایا کہ یہاں علم سے مراد خود معلوم ہے یعنی ان کا جہاد کرنا وغیرہ۔ غرضیکہ یہاں سے علم کی نفی ہرگز ثابت نہیں۔

تیسرا اعتراض: اگر جہاد کے ذریعہ مخلص و منافق کی چھانٹ ہے تو جب جہاد فرض نہیں ہوا تھا ان کی چھانٹ کیسے ہوتی تھی کیا اس وقت یہ دونوں ملے جلے رہتے تھے جیسے ہجرت سے پہلے کے مسلمان۔ جہاد تو بعد ہجرت فرض ہوا۔

جواب: اس زمانے میں سارے مخلص ہی تھے ان میں منافق کوئی نہ تھا۔ منافقین بعد ہجرت شامل ہوئے جب اسلام کا زور ہوا اور مسلمان ہو کر دنیاوی فوائد بھی حاصل ہونے لگے ہجرت سے پہلے مسلمان ہونا گویا کانٹوں کی سیج پر سونا تھا اور اپنے کو آفات و بلیات میں ڈالنا۔

تفسیر صوفیانہ: قرآن کریم نے بہت جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ مومنین کے معاملہ کو رب کا معاملہ قرار دیا دیکھو فرماتا ہے۔ **یخدعون اللہ و الذین امنوا** منافقین اللہ کو اور مسلمان کو دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو دھوکہ دینے سے مراد رسول اللہ کو دھوکہ دینا اور فرماتا ہے **ولکن اللہ قتلھم** دیکھو مسلمانوں کے فعل کو رب تعالیٰ کا فعل قرار دیا گیا ہے ایسے یہاں **لما یعلم اللہ المجاھدین** میں اللہ کے علم سے مراد ہے مومنین کا علم یعنی اے لوگو ابھی حضرات صحابہ نے تمہارا جہاد اور کفار سے علیحدہ ہونا دیکھا نہیں تم کیسے آزاد چھوڑے جاؤ گے تمہارے ایمان کا ثبوت یہ ہے کہ تم اللہ رسول اور مومنین کے ہو کر رہو۔ اللہ تو پہلے ہی سے علیم و خبیر ہے مومن وہ جسے اللہ کے مقبول بندے مومن جانیں۔ متقی وہ جسے اللہ کے مقبول متقی کہیں۔ رب فرماتا ہے **لتکونوا شھداء علی الناس** لہٰذا مومنوں کو اپنا ایمان اپنے نیک اعمال اس لئے دکھانا چاہئیں کہ کل قیامت میں وہ ہمارے ایمان و تقویٰ کے گواہ ہوں۔ ان کی گواہی بڑی کام آنے والی چیز ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ

نہیں ہے حق مشرکوں کو یہ کہ آباد کریں وہ مسجدیں اللہ کی گواہی دیتے ہوئے

مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے کفر کی گواہی دیکر

عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِؕ اُولٰٓىٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْۚۖ وَ فِی النَّارِ

اوپر جانوں اپنی کے کفر کی یہ لوگ ہیں کہ ضبط ہو گئے عمل ان کے اور آگ میں وہ

ان کا سب کیا دھرا اکارت ہے اور وہ ہمیشہ آگ

هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ

ہمیشہ رہیں گے اس کے سوا نہیں کہ آباد کرتے ہیں مسجد اللہ کی وہ جو ایمان لائے اللہ پر اور آخری

میں رہینگے اللہ کی مسجدیں وہ ہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے اور

الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ یَخْشَ

دن پر اور قائم کی انہوں نے نماز اور دی زکواۃ اور نہ ڈرے مگر اللہ

نماز قائم رکھتے ہیں اور زکواۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی

اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓىٕكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝

سے پس قریب ہے یہ لوگ ہو جائیں ہدایت والوں میں سے

سے نہیں ڈرتے تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں میں ہوں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کی بدعملیوں کا ذکر ہوا۔ عہد توڑنا، قسمیں پوری کرنا، اسلام پر طعنے کرنا وغیرہ۔ اب ارشاد ہے کہ ان کے نیک اعمال قابل اعتبار نہیں جیسے بیت اللہ کی خدمت وغیرہ کیونکہ ان کے پاس ایمان نہیں اور بغیر ایمان کے کوئی نیکی قبول نہیں۔ یعنی گناہوں کا ثبوت پچھلی آیات میں تھا نیکیوں کی نفی ان آیات میں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار ان گناہوں کی وجہ سے دین و دنیا میں عذاب کے مستحق ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کی وجہ سے عذاب سے بچ نہیں سکتے گویا ان کے گناہوں کے مضر ہونے کا ذکر پہلے اور نیکیوں کے مفید نہ ہونے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔

تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ جہاد کفر و اسلام کافر و مومن میں فرق کرنے والا ہے۔ اب ارشاد ہے کہ

اس کے فرق کے لئے کعبہ کی خدمت مسجد میں رہنا کافی نہیں۔
چوتھا تعلق: اب تک کفار کے ان گناہوں کا ذکر ہوا جو سب کے لئے ہیں جیسے بدعہدی وغیرہ۔ اب ان اعمال کا ذکر ہے جو مومن کے لئے نیکی ہیں کفار کے لئے گناہ جیسے خدمت کعبہ وغیرہ۔
شانِ نزول: غزوہ بدر میں جب کفار مکہ گرفتار ہوئے جن میں حضرت عباس بھی تھے تو غازیان بدر نے انہیں ملامتیں کیں حتیٰ کہ حضرت علی نے جناب عباس سے کہا کہ تم کو شرم نہیں کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آئے تم نے رشتے دار کا لحاظ بھی نہیں کیا تب حضرت عباس نے حضرت علی سے عرض کیا کہ آپ ہمارے عیوب گنتے ہیں ہمارے اوصاف پر نظر نہیں کرتے حضرت علی نے فرمایا کہ آپ کے اوصاف کیا ہیں فرمایا ہم خادم کعبہ ہیں ہم حاجیوں کی خدمت کرتے انہیں پانی پلاتے ہیں موقع ملے تو کھانا بھی دیتے ہیں ان پر آپ نظر کیوں نہیں کرتے۔ اس موقع پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں جن سے حضرت عباس کے خیال کی تردید کی گئی۔ (خازن روح البیان، کبیر، معانی وغیرہ۔)
تفسیر: ماکان للمشرکین اس فرمان عالی میں کان دوام کے لئے یہاں نفی بمعنی نہیں ہے وہ بھی دائمی المشرکین سے مراد سارے ہی کفار ہیں خواہ مشرک ہوں خواہ دہریہ خواہ یہود و نصاریٰ اہل کتاب۔ کان کے بعد حقًا یا جائزًا یا لائقًا یا مناسبًا پوشیدہ ہے یعنی کفار کے لئے نہ جائز تھا نہ ہے اور نہ ہوگا ان کا یہ حق ہی نہیں ان کے لئے یہ کام باعث ثواب نہیں بلکہ باعث عذاب ہے اگرچہ وہ اسے خیال میں ثواب سمجھیں۔ ان یعمروا مسجد اللہ یہ کان کا فاعل یا اس کا اسم موخر ہے یعمروا بنا ہے عمرو سے بمعنی آبادی اسی سے ہے تعمیر۔ عمارت اور انسان کی زندگی کے زمانہ کو بھی اس لئے کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں روح جسم کو آباد رکھتی ہے۔ ہماری قرأۃ میں مساجد اللہ ہے بعض کی قرأۃ میں مسجد اللہ واحد ہے مساجد اللہ سے مراد یا تو ساری دنیا کی ساری مسجدیں ہیں یا مسجد حرام شریف۔ چونکہ وہ تمام مسجدوں کا قبلہ ہے اس کو آباد کرنے والے کو تمام مسجدیں آباد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ (خزائن) یا چونکہ اس مسجد کا ہر حصہ علیحدہ ہے اس کا رخ دوسرے حصوں سے جداگانہ ہے۔ کسی حصہ کا رخ مشرق کو کسی کا مغرب کو کسی کا شمال یا جنوب کو کیونکہ کعبہ بیچ میں واقع ہے۔ یہ بات کسی اور مسجد کو حاصل نہیں (روح البیان) ان وجوہ سے اسے مساجد اللہ کہا گیا یعنی اللہ کی مسجدیں کفار کو نہ جائز تھا نہ ہے نہ ہوگا کہ وہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں۔
خیال رہے کہ مسجد آباد کرنے کی گیارہ صورتیں ہیں۔ مسجد تعمیر کرنا، اس میں اضافہ کرنا، اسے وسیع کرنا، اس کی مرمت کرنا اس میں چٹائیاں فرش و فروش بچھانا، اس کی قلعی چونا کرنا، اس میں روشنی و زینت کرنا، اس میں نماز و تلاوت قرآن کرنا، اس میں دینی مدرسہ قائم کرنا، وہاں داخل ہونا، وہاں اکثر جانا آنا، وہاں اذان و تکبیر کہنا، امامت کرنا (تفسیر خازن، کبیر، روح البیان وغیرہ) ان میں سے کوئی کام کفار کے لئے جائز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کو بحالت کفر مسجد نبوی کے ستون سے باندھا اور وفد ثقیف کفار کے لئے مسجد شریف میں ٹھہرایا (روح البیان و خازن تفسیر کبیر وغیرہ) شهدين على انفسهم بالكفر یہ عبارت ان یعمروا کے فاعل سے حال ہے گواہی سے مراد عملی گواہی ہے یا قولی بھی۔ انفس جمع ہے نفس کی بمعنی ذات بالکفر سے معلوم ہوا کہ مشرکین سے مراد کفار ہیں اگرچہ کفار اپنے کو کافر یا مشرک نہ کہیں مگر وہ اپنے اعمال سے اپنے کفر کے

گواہ ہیں۔ بت پرستی تلبیہ میں لاشریک لک لبیک کے بعد الا شریکا واحدا کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنا وغیرہ یہ تمام چیزیں ان کے کفر کی گواہی ہیں۔ اولئک حبطت اعمالھم اس فرمان عالی میں یا تو حضرت عباس کے قول کا جواب ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم یہ یہ نیکیاں کرتے ہیں فرمایا گیا کہ تمہاری تمام نیکیاں سارے اعمال ضبط ہیں ان کے ان اعمال کا گناہ ہونا یعنی یہ چیزیں ساری نیکیاں حبط ہیں ان کا ذکر ہی نہ کرو یا ما کان المشرکین کی وجہ سے اور حبط اعمال سے مراد ہے ان کے ان اعمال کا گناہ ہونا یعنی یہ چیزیں جن پر تم کو ناز ہے تمہارے لئے گناہ ہیں جیسے گندے گندوں کو مسجد میں جانا وہاں نماز وغیرہ پڑھنا گناہ ہے تم دل کے گندوں کے لئے بھی یہ کام گناہ ہے وفی النار ھم خلدون. یہ فرمان عالی یا تو الگ جملہ ہے یا حبطت (الخ) پر معطوف اور اولئک کی خبر یعنی کفار کچھ بھی کریں کعبہ کی خدمت کریں مسجد حرام کو آباد کریں وہ رہیں گے آگ میں ہمیشہ انہیں کوئی عمل آگ کی ہیشگی سے نہیں بچا سکتا۔ انما یعمر مسجد اللہ یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے یہاں تعمیر میں وہ ہی گیارہ احتمال ہیں جو ابھی عرض کئے گئے مساجد اللہ سے مراد یا ساری مسجدیں ہیں یا مسجد حرام شریف انما حصر کے لئے ہیں یہ جملہ یا خبر ہے یا اسلامی قانون یعنی اللہ کی مسجدیں صرف وہ لوگ آباد کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ من امن باللہ و الیوم الاخر یہ عبارت یعمر کا فاعل ہے اللہ کی ذات وصفات بذریعہ نبی ماننا ایمان باللہ اس لئے بالرسول کا ذکر نہیں ہوا۔ رسول پر ایمان عین اللہ پر ایمان ہے اور اس کے برعکس بھی رسول اللہ سے جدا نہیں۔ کلمہ اذان خطبہ تکبیر پڑھ کر دیکھو (تفسیر روح المعانی وخازن، بیضاوی، کبیر وغیرہ) ایمان باللہ ارکان ایمان کا مبداء ہے اور قیامت پر ایمان ارکان ایمان کا منتہا۔ دو کناروں کو لیا گیا درمیان کی ارکان انہی میں آ گئے لہٰذا یہ آیت ایمانیات کی جامع ہے یہاں مسجدیں آباد کرانے والوں کی چار صفات کا ذکر فرمایا ایک ایمان دوسری اور تیسری و اقام الصلوۃ و اتی الزکوۃ یہ عبارت معطوف ہے امن باللہ پر نماز قائم کرنے زکوۃ دینے کا وہی مطلب ہے جو ابھی کچھ پہلے عرض کئے گئے یعنی نماز قائم کرنے زکوۃ فرض ہونے کا اعتقاد رکھے کہ یہ رکن ایمان ہے اور نماز پڑھنا زکوۃ دینا علامات ایمان ہے۔ و لم یخش الا اللہ یہ فرمان عالی معطوف ہے اقام الصلوۃ پر اور مومنین کی تیسری علامت اس فرمان کے تین مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مسجد بنانے اس کے آباد کرنے میں کسی ملامت وغیرہ کا خوف نہیں کرتے نہ ریا و نام نمود کے لئے مسجد بناتے ہیں۔ صرف خوف خدا سے تعمیر کرتے ہیں اس کا مظہر حضرت ابوبکر صدیق ہیں جنہوں نے شروع اسلام میں کفار کے محلہ کے بیچ میں یعنی اپنے دروازہ پر مسجد بیت بنائی جہاں نوافل اور تلاوت کرتے تھے کفار اس وجہ سے انہیں ایذا دیتے تھے مگر آپ پرواہ نہ کرتے (کبیر) دوسرے یہ کہ اپنے کسی دینی کام میں صرف خدا سے ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے کہ اس کے ڈر سے اسلام چھوڑ دیں تیسرے یہ کہ بتوں سے نہیں ڈرتے جیسا کہ کفار مکہ ڈرتے ہیں جس میں یہ چار صفات جمع ہوں ایمان، نماز، زکوۃ، مخلوق سے بے خوفی۔ فعسی اولئک ان یکونوا من المھتدین یہاں عسی فرمانا ان بندوں کے لحاظ سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے۔ وہ احتمال اور تردد سے پاک ہے مہتدین سے مراد جنت کی طرف ہدایت پانے والے در حقیقت یہ مومنین کی پانچویں صفت ہے کہ یہ حضرات ایمان و نیک اعمال کے جامع ہونے کے باوجود اپنی ہدایت خداری پر جنت پانے کا یقین

نہیں کرتے بلکہ امید کرتے ہیں رب کے کرم ورحم کے منتظر رہتے ہیں ان کفار کا کیا حال ہے کہ ڈرتے نہیں اور اکڑتے ہیں۔ کفر و بدکاری کرتے ہیں اور جنت کے مالک بنتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: مشرکین و کفار مسجد حرام کے آباد کرنے کعبہ کی کلید برداری حجاج کی خدمت پر ناز نہ کریں۔ ان کو تو مسجد آباد کرنے کا حق ہی نہیں انہیں یہ کام جائز ہی نہیں جب کہ وہ اپنے شرک و کفر پر خود عملی وقولی گواہیاں دے رہے ہیں بت پرستی بھی کریں اور خدمت کعبہ بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار بھی کریں اور حاجیوں کی خدمت بھی یہ تو ضدین کا اجتماع ہے۔ ان کے سارے نیک کام ضبط ہو چکے یہ بہر حال آگ والے ہیں۔ اس میں انہوں نے ہمیشہ رہنا ہے مسجدیں آباد کرنے کا حق صرف ان لوگوں کو ہے جن میں یہ چار صفات جمع ہوں۔ وہ اللہ پر ایمان رکھیں اس طرح کہ اس کی ذات صفات کو نبی کے ذریعہ سے مانیں اور آخری دن یعنی قیامت کو نبی کی معرفت مانیں ان دونوں عقیدوں یعنی ایمان اور قیامت کے درمیان کے سارے ارکان اسلام کے معتقد ہوں۔ نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں ان دونوں کاموں کو فرض جانیں۔ دین میں خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں کہ اس کے ڈر سے دینی یا نیک اعمال چھوڑ دیں۔ ایسے لوگ ہیں جن کے جنتی ہونے کی امید ہے وہ مسجدیں آباد کرنے کے اہل ہیں ان کے لئے یہ کام باعث ثواب ہے کفار کے لئے یہ کام یعنی آبادی مسجد باعث عذاب۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مسجدیں تعمیر کرنے کا حق صرف مسلمانوں کو ہے کسی کافر کو یہ حق نہیں لہٰذا تعمیر مسجد کے لئے کسی کافر سے چندہ نہ لیا جاوے خصوصاً جب کہ وہ اس کے عوض میں اتنا یا اس سے زیادہ مسلمانوں سے اپنے مندروں کے لئے چندہ طلب کرے جیسا کہ آج کل دیکھا جا رہا ہے یہ فائدہ ما کان للمشرکین (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: مسجد کی چٹائی وہاں روشنی کے لئے تیل امام یا موذن کی تنخواہ مشرک سے قبول نہ کی جاوے۔ یہ سب خرچ مسلمان خود برداشت کریں یہ فائدہ بھی ما کان للمشرکین (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: کفار کو مسجد میں آنے وہاں ان کو اپنی عبادت کرنے کی اجازت نہ دی جاوے کہ مسجد اسلامی عبادات کے لئے ہے نہ کہ کفر و بت پرستی کے لئے یہ فائدہ بھی ما کان للمشرکین (الخ) سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: کفار کو مسجدوں میں بلانا وہاں انہیں منبر پر بٹھا کر تقریر کرانا ان کی تعریفیں کرنا حرام ہے یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ کفار مشرکین بحکم قرآن پاک نجس ہیں انما المشرکون نجس اور مسجدوں کو پاک و صاف رکھنا ضروری۔ رب فرماتا ہے ان طھرا بیتی للطائفین و العاکفین و الرکع السجود اس لئے انہیں داخلہ کی اجازت نہ دی جاوے۔ (کبیر)

مسئلہ: مجبوراً یا ضرورتاً کفار کو مسجد میں آنے کی اجازت دینا جائز ہے۔ وہ مسلمان کی اجازت لے کر آ سکتے ہیں۔ لہٰذا مشرکین راج مزدور یا انجینئر مسجد میں بلائے جا سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ ابن اثال کو جب وہ مشرک تھے مسجد نبوی کے ستون سے باندھا۔ قبیلہ بنی ثقیف کو جو کفار تھے مسجد نبوی شریف میں ٹھہرایا جیسا کہ ابھی تفسیر میں کہا گیا مگر اس

صورت میں خیال رہے کہ ان کے کپڑے جوتے بدن گندے نہ ہوں کہ مسجد گندی کریں۔

پانچواں فائدہ: کفار کے لئے مسجدیں بنانا وہاں رہنا وہاں خدمت کرنا ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے جیسے جنبی حائضہ کے لئے وہاں داخل ہونا تلاوت کرنا گناہ ہے۔ یہ فائدہ ما کان للمشرکین کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس کے معنی ہوں کہ کفار کو یہ کام جائز نہیں جیسا کہ ابھی تفسیر میں کہا گیا۔

چھٹا فائدہ: کفار کی بنائی ہوئی نہ مسجد ہے نہ اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں نہ نماز پڑھنے میں مسجد کا ثواب ہے جیسے مسجد ضرار میں۔ یہ فائدہ ما کان للمشرکین (الخ) سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: مسلمان کے لئے مسجد میں اس کی مرمت کرنا اس کی قلعی چونا کرنا وہاں اعلیٰ فرش بچھانا وہاں روشنی کرنا وہاں بڑی راتوں میں چراغاں کرنا وہاں جھاڑو صفائی کرنا وہاں حاضر ہوتے رہنا اسے آباد رکھنے کا شوق ہونا وہاں دینی تعلیم دینا وہاں دینی مدرسے جاری کرنا سب کام بڑی اعلیٰ عبادات ہیں کہ یہ سب تعمیری یعنی آبادی مسجد میں داخل ہے یہ فائدہ انما یعمر مساجد اللہ سے حاصل ہوا (تفسیر روح البیان وغیرہ)

آٹھواں فائدہ: مسجد بنانے یا اسے آباد کرنے یا وہاں باجماعت نماز ادا کرنے کا شوق صحیح مومن ہونے کی علامت ہے ان شاء اللہ ایسے لوگوں کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یہ فائدہ انما یعمر مساجد اللہ (الخ) کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ یہ جملہ خبریہ ہو اور اس کے معنی یہ ہوں کہ اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

مسئلہ: مسجد کی روشنی ان شاء اللہ قبر کی روشنی کا ذریعہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد بیت المقدس کے منارہ پر کبریت احمر کی روشنی کی تھی جس کی روشنی میں بارہ میل مربع تک عورتیں چرخہ کات لیتی تھیں (روح البیان) اسے بخت نصر ظالم نے گل کیا اور یہاں کا سارا سامان بابل لے گیا (روح البیان) مسجد نبوی شریف میں پہلے کھجور کی لکڑیاں جلا کر روشنی کی جاتی تھی پھر حضرت تمیم داری ایک سفر سے قندیلیں تیل اعلیٰ زنجیریں اپنے ساتھ لائے اور مسجد نبوی کے ستون میں آویزاں کیں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا اے تمیم داری تم نے ہماری مسجد روشن کی اللہ تمہاری قبر روشن کرے (روح البیان یہ ہی مقام)

مسئلہ: مسجد نبوی میں سب سے پہلے اعلیٰ درجے کے فرش حضرت عمر نے بچھائے تھے اس سے پہلے وہاں بجری تھی۔ سب سے پہلے رمضان کی راتوں خصوصاً ختم قرآن کی رات مسجد نبوی میں شاندار چراغاں حضرت عمر نے کیا جسے حضرت علی نے دیکھ کر کہا اے عمر تم نے مسجد نبوی روشن کی خدا تمہاری قبر منور کرے (روح البیان) مسجد نبوی کی شاندار عمارت سب سے پہلے حضرت عثمان غنی نے بنوائی۔ خیال رہے کہ مسجد میں قندیل جلانے والے تمیم داری ہیں اور پہلے بہت سی قندیلیں روشن کرنے والے حضرت عمر ہیں لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

مسئلہ: مسجد کی عمارات وہاں کی زینت وہاں اچھا مصلےٰ اس میں دین اسلام کی زینت ہے یوں قرآن کریم کو بڑے سائز میں چھپانا اس کی مزین آیتیں سنہری نقشین بنانا اس کی جلد اعلیٰ درجہ کی باندھنا یوں ہی بزرگان دین کی قبور پر گنبد بنانا وہاں

چادر و پردے ڈالنا سب سے ہی اچھا ہے کہ اس سے دین کی عزت ہے (روح البیان و شامی) جب ہمارے مکانات عالی شان بننے لگے تو اس سے اللہ کی مسجد بزرگوں کے مقبرے اعلیٰ کیوں نہ ہوں۔

نواں فائدہ: جماعت کی نماز مسجد میں پڑھنا بہتر ہے. جماعت سے گھر میں نماز پڑھنے میں جماعت کا ثواب ملے گا مگر مسجد کا نہ ملے گا۔ شعر

نماز آں بہ کہ در مسجد گذاری — دو صد محراب گردد خانہ داری

یہ فائدہ بھی انما یعمر (الخ) سے حاصل ہوا۔ حضرت ابوسعید خدری مرفوعاً فرماتے ہیں کہ تم جسے مسجد میں حاضری کا عادی دیکھو اس کے ایمان کی گواہی دو اور یہی آیت تلاوت فرمائی (ترمذی خازن) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مسجد میں روشنی کرے صبح و شام مسجد میں آنے کا عادی ہو رب تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی تیار فرمائے گا۔ (مسلم بخاری خازن) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مسجد میں روشنی کرے جب تک اس کا چراغ روشن رہے گا اس کے لئے فرشتے دعاء رحمت کرتے رہیں گے (کبیر) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین میں میرے گھر میری مسجدیں ہیں جو مومن گھر سے وضو کر کے مسجد میں آوے وہ میرا مہمان ہے (کبیر) بہر حال آبادی مسجد اللہ کی بڑی عبادت ہے۔ خدا نصیب کرے۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ کفار کو اسلامی مسجدوں میں اپنی عبادات کرنے کی اجازت نہیں مگر حدیث شریف میں ہے کہ نجران کے عیسائی مسجد نبوی شریف میں آئے اور انہوں نے اس مسجد میں عیسائیوں والی نماز پڑھی۔ حضور انور ﷺ نے نہ روکا نہ کسی صحابی کو روکنے دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار اپنی عبادات ہماری مسجدوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ (صلح کلی)

جواب: یہ کہیں ثابت نہیں کہ حضور انور ﷺ نے انہیں اپنی عبادات ادا کرنے کی اجازت دی ہو۔ ہوا یہ کہ جب عیسائی مسجد نبوی میں آئے تو نماز عصر ہو رہی تھی ان لوگوں نے گوشہ مسجد میں اپنی عیسائیوں والی نماز شروع کر دی۔ اخلاق مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز تڑائی نہیں بلکہ پوری کر لینے دی جیسے ایک بدوی نے محراب النبی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے پیشاب کر لینے دو بعد میں مسجد دھلوا دی۔ اس سے لازم یہ نہیں کہ مسجدوں کی محرابوں میں پیشاب کرنے کی اجازت ہے۔ ایسے ہی یہاں ہوا کیا کوئی مسلمان گوارا کرے گا کہ ہندو ہماری مسجدوں میں بت رکھیں ان کی پوجا کریں گھنٹ بجائیں پھر تو مسجدیں مندر بن جائیں گی حیرت ہے کہ مندروں گرجاؤں میں ہماری نماز مکروہ و ممنوع ہو مگر ان کی پوجا پاٹ مسجدوں میں جائز ہو۔ رب سمجھ دے۔

دوسرا اعتراض: تم نے کہا کہ کفار مکہ و مشرکین مسجد میں نہ آئیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ثقیف کو مسجد میں ٹھہرایا۔ ثمامہ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھا حالانکہ وہ مشرک تھے بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اگر تمہارا مسئلہ درست ہے تو ہندو معمار مزدوروں سے مسجد تعمیر نہ کرائی جائے حالانکہ دن رات یہ کام ہوتا ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ کفار مومنوں کی اجازت کے بغیر مسجد میں نہیں آ سکتے۔ قبیلہ بنی

ثقیف اور ثمامہ حضور انور ﷺ کی اجازت سے آئے تھے۔

تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ مسجد میں جھاڑو کفار نہیں دے سکتے کہ یہ بھی آبادی مسجد میں داخل ہے مگر حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضور انور ﷺ کی مسجد میں ایک یہودی بچہ حضور ﷺ کے زمانہ پاک میں جھاڑو دیتا تھا تمہارا یہ قول اس حدیث کے خلاف ہے۔

جواب: وہاں حضور انور ﷺ کو علم تھا کہ جھاڑو ہی اس بچے کے ایمان کا ذریعہ بنے گی اور ہوا بھی ایسا ہی۔ یہ خصوصی اجازت تھی۔

چوتھا اعتراض: بحکم قرآن کفار اور مشرکین نجس ہیں وہ احتلام پر نہاتے نہیں تھے پیشاب کے بعد استنجا نہیں کرتے۔ رب فرماتا ہے **انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا** پھر حضور انور ﷺ نے مذکورہ واقعات میں انہیں مسجد میں آنے کی اجازت کیوں دی۔

جواب: ان لوگوں پر طہارت کے شرعی احکام جاری نہیں ہوتے یعنی ان پر منی نکالنے سے غسل پیشاب پاخانہ سے استنجا شرعاً فرض نہیں ہے لہٰذا وہ شرعی نجس نہیں۔ آیت کریمہ انما المشرکین نجس میں نجاست اعتقادی مراد ہے اور مسجد حرام میں نہ آنے سے مراد حج کے لئے نہ آنا ہے اس لئے وہاں نجس میم کے فتحہ سے ہے اور نہ آنے کے ساتھ ارشاد ہے **بعد عامهم هذا** یعنی اس سال کے بعد نہ آئیں لہٰذا اس آیت و حدیث میں تعارض نہیں۔ ہاں اس کا خیال رکھا جاوے کہ ان کے کپڑے اور جسم تر نجس نہ ہوں کہ مسجد کا فرش نجس ہو جاوے۔

پانچواں اعتراض: آخر اس میں حرج ہی کیا ہے کہ کفار بے تکلیف ہماری مسجدوں میں آ جایا کریں اس سے کیوں منع فرمایا گیا ہے ہماری مسجدوں میں وہ اپنی عبادت کریں ان کے مندروں گرجاؤں میں ہم عبادت کریں (صلح کل)۔

جواب: اس کی بہت سی حکمتیں یہاں تفسیر نے ارشاد فرمائیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مسجدیں اللہ کی توحیدی عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں تاکہ شرکیہ عبادت کے لئے۔ ان کا ہماری مسجدوں میں آنا ایسے ہی ہے جیسے ہم باورچی خانہ میں کتے گدھے پالیں۔ ہمارا ان کے مندروں میں عبادات کے لئے جانا ایسا ہی ہے جیسے ہم پاخانہ میں بیٹھ کر روٹی پکائیں دوسرے یہ کہ اجتماع سخت فساد و خونریزی کا ذریعہ ہے ہم نماز پڑھ رہے ہوں وہ اس جگہ مسجد کے اندر باجے گھنٹے بجا رہے ہوں اکثر جگہ مسجد کے باہر باجا بجانے پر فساد ہو جاتے ہیں تو اگر مسجد کے اندر بجیں تو کیا حال ہو۔

تفسیر صوفیانہ: حقیقی مسجدیں اللہ والوں کے دل ہیں جو ہر قسم کے عیوب سے پاک و صاف ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

شعر

مسجدے کز اندرون اولیا است	سجدہ گاہ جملہ است آنجا خدا است
آں مجاز است ایں حقیقت اے خراں	نیست مسجد جز درون سروراں

اس لئے مومن کا دل ستانے کو مسجد ڈھانے سے زیادہ گناہ کہا جاتا ہے۔ ایک پنجابی شاعر کہتا ہے۔ شعر

مسجد ڈھاوے مندر ڈھاوے ڈھاوے جو کجھ ڈھیندا ——— اک مومن دا دل نہ ڈھائیں اس وچ سوہنا رہندا

فرمایا گیا کہ دلوں کی مسجد کو مشرکین یعنی نفس امارہ اور اس کے ساتھیوں سے یوں ہی برے لوگوں سے آباد نہ کراؤ کہ اس میں برے اور بروں کی محبت رہے۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ دل میں یار بھی رہے اور اغیار بھی۔ ان مسجدوں کو وہ اللہ والے آباد کریں جو ایمان تقویٰ خوف خدا ساری صفات سے موصوف ہوں۔ یہ لوگ ہدایت حقیقی پر ہیں یہ یار کے پاس ہیں جو ان کے پاس ہیں وہ بھی یار کے پاس ہیں دل کی مسجد کی آبادی ذکر اللہ سے ہے اور ذکر اللہ ذاکرین کی نظر کرم سے نصیب ہوتا ہے اس مسجد کو ان سے آباد کراؤ۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
کیا بنالیا تم نے پانی پلانا حاجیوں کو اور آباد کرنا مسجد حرام کو مثل اس کے جو ایمان لایا اللہ اور
تو کیا تم نے حاجیوں کی سبیل اور مسجد حرام کی خدمت اس کے برابر ٹھہرائی جو اللہ
كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ
آخری دن پر اور جہاد کیا اس نے راستے میں اللہ کے نہیں برابر ہیں یہ نزدیک
اور قیامت پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کے
عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ﴿۱۹﴾
اللہ کے اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ظلم والی قوم کو
نزدیک برابر نہیں اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار کو مسجدوں خصوصاً مسجد حرام کی خدمت کا حق نہیں اب ارشاد ہے کہ کفار یہ کام کریں تو وہ اس کی وجہ سے ان مومنوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو ایمان اور جہاد سے مشرف ہوں گویا پہلے فاعلوں کا ذکر تھا اب فعلوں کا تذکرہ ہے یعنی مسجد حرام کی آبادی حجاج کی خدمت اور ایمان و جہاد۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات ایمان، تقویٰ، خوف خدا کا ذکر ہوا جس میں تین صفات ہوں اسے مسجد حرام کی آبادی کا حق ہے۔ اب ارشاد ہے کہ یہ تین کام مسجد کی آبادی حجاج کی خدمت سے بھی افضل ہیں یعنی وہ مسلمان جسے یہ تین کام کامل درجہ کے حاصل ہیں مگر اسے خدمت بیت اللہ میسر نہیں وہ اس مسلمان سے افضل ہے جسے خدمت کعبہ تو میسر ہے مگر جہاد فی سبیل

اللہ اور صحبت رسول اللہ میسر نہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں یہ ذکر ہوا کہ متقی اللہ سے خوف رکھنے والا مومن اسے ہدایت جنت کی امید ہونی چاہئے۔ فعسی اولئک (الخ) مگر خدمت کعبہ، خدمت حجاج کرنے والے کافر کو یہ امید نہیں کیونکہ ہدایت جنت کا ذریعہ ایمان ہے نہ کہ صرف آبادی کعبہ۔

شانِ نزول: اس آیت کریمہ کے متعلق مجھے چند روایات ملی ہیں۔ (۱) ایک بار طلحہ ابن شیبہ اور حضرت عباس ابن مطلب اور حضرت علی جمع ہوئے حضرت طلحہ نے کہا کہ مجھے اللہ نے عزت دی ہے کہ میں کعبہ معظمہ کا کلید بردار ہوں چاہوں تو کعبے کے اندر سو رہوں کسی اور کو یہ شرف حاصل نہیں حضرت عباس نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے عزت دی ہے کہ میں زم زم کنویں سے نکالتا ہوں اور حجاج کو پانی پلاتا ہوں۔ سقایا کی خدمت مجھے میسر ہے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے یہ عزت دی ہے کہ میں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔ حضور ﷺ کی صحبت میں رہا ہوں۔ حضور انور ﷺ کے ساتھ جہاد مجھے میسر ہوئے ہیں گویا کعبہ کی خدمت ان دو نے بیان کی کعبہ کے والی امت کے رکھوالی حضور انور ﷺ کی صحبت حضرت علی نے بیان کی حضرت علی کی تائید میں یہ آیات نازل ہوئی (تفسیر کبیر و خازن روح البیان۔ معانی وغیرہ) **خیال رہے** کہ اس وقت حضرت طلحہ اور عباس مومن نہ ہوئے تھے بعد میں حضرات ایمان لائے اور طلحہ کے پاس چابی اور حضرت عباس کے پاس سقایہ زم زم حضور ﷺ نے باقی رکھی جو اب تک ان کی اولاد میں ہے (تفسیر صاوی خازن) (۲) غزوہ بدر میں حضرت عباس دل میں ایمان لا چکے تھے ان سے حضرت علی نے فرمایا کہ چچا جان میری طرح تم بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ جاؤ انہوں نے کہا کہ مجھے مکہ معظمہ میں مسجد حرام کا آباد کرنا، حجاج کو پانی پلانا، زم زم کنوئیں سے نکالنا وغیرہ میسر ہیں اگر میں مدینہ منورہ آ گیا تو ان سب سے محروم ہو جاؤں گا۔ ان کی تردید اور حضرت علی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی (روح المعانی بروایت مسلم) (۳) ایک بار مشرکین مکہ نے یہود سے کہا کہ ہم لوگ مسجد حرام کی آبادی، حجاج کی خدمت، قیدیوں کو چھڑانا، کعبہ کی نگرانی کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی ان تمام فضائل سے محروم ہو چکے ہیں۔ بتاؤ بہتر کون ہے۔ یہود بولے تم لوگ۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (۴) حضرت نعمان ابن بشیر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جمعہ کا دن تھا بعد نماز فجر کچھ لوگ منبر شریف کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے بعض نے کہا کہ حجاج کو پانی پلانا بڑی ہی نیکی ہے بعض نے کہا مسجد حرام کی آبادی بڑی نیکی ہے بعض نے کہا جہاد فی سبیل اللہ بہترین عبادت ہے حضرت عمر نے فرمایا کہ منبر رسول کے پاس شور نہ مچاؤ میں آج بعد نماز جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا فیصلہ کرالوں گا اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں جہاد کی فضیلت ظاہر کی گئی (روح المعانی، بروایت مسلم، ابوداؤد، ابن جریر، ابن منذر، روح البیان) (۵) عموماً مشرکین مکہ اپنے کو حضرات صحابہ سے افضل کہا کرتے تھے کہتے تھے کہ ہم کو سقایہ حجاج خدمت کعبہ وغیرہ میسر ہے جس سے مسلمان محروم کر دیئے گئے ہیں ان کی تردید میں یہ آیت آئی (روح المعانی) مگر قوی یہ ہے کہ نمبر ۲ اور نمبر ۴ کی روایات درست ہیں کیونکہ مہاجر صحابہ مومنین کا مقابلہ غیر مہاجر صحابہ ساقی حجاج خادم کعبہ مومنین سے کیا گیا ہے نہ کہ کفار سے کیونکہ ارشاد ہے اعظم درجۃ عند اللہ جس سے معلوم ہوتا

ہے کہ دونوں درجے والے ہیں مگر مہاجرین مجاہدین مومن بڑے درجے والے اور ظاہر ہے کہ مشرک وکافر عنداللہ درجے والا ہوتا نہیں پھر اعظم درجۃ کے کیا معنی ہیں۔

تفسیر: **اجعلتم سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام** اس فرمانِ عالی میں سوال انکار یا سرزنش کے لئے ہے جعل بمعنی خلق نہیں کیونکہ انسان کسی چیز کا خالق نہیں ہوتا بلکہ بمعنی صیر ہے یعنی بنانا اور مراد ہے اپنے دل میں ایسا بنانا یا سمجھنا۔ اس میں خطاب ان غیر مہاجر مسلمانوں سے ہے یا مشرکین مکہ سے جو سمجھے ہوئے تھے کہ ایمان و ہجرت و جہاد سے ہماری خدمات کعبہ بہتر ہیں یا برابر ہیں جیسا کہ شانِ نزول کی روایت سے معلوم ہوا۔ سقایا اصل میں مصدر ہے جیسے رعایۃ، روایۃ، عمارت صیاقۃ وقایۃ اہل عرب اس ظرف کو سقایا کہتے ہیں جس میں پانی بھر کر لوگوں کو پلایا جاتا ہے یعنی سبیل یا پنجابی متی حضرت عباس حج کے موسم میں زمزم میں کشمش بھگو کر ایک بڑے برتن میں رکھ دیتے تھے جس سے حجاج یہ شربت پئیں اور اس پر فخر کرتے تھے (تفسیر صاوی) یہاں ساقیہ سے مراد یا معنی مصدر میں ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ پہلے لحاظ سے ہے ہمارا ترجمہ دوسرا اعتبار سے۔ عمارہ بمعنی آبادی یا خدمت ہے۔ دوسرے اس کا ذکر ابھی پچھلی آیات میں انما یعمر کی تفسیر میں ہو چکی۔ مسجد حرام وہ مسجد مبارک جس میں خانہ کعبہ ہے سقایہ جعلتم کا پہلا مفعول ہے اور دوسرا مفعول **کمن امن باللہ** ہے۔

خیال رہے کہ یہاں لفظ اہل پوشیدہ ہے تاکہ تشبیہ ذات کی ذات سے ہو اس کی تائید حضرت امام باقر، عبداللہ بن زبیر، ابو جعفر وغیرہم کی قرأۃ ہے ان کی قرأۃ میں سقاۃ الحاج وعمرۃ المسجد الحرام ہے سقات جمع ساقی کی جسے نحاۃ جمع نامی کی راۃ جمع رامی کی اور عمر عین و میم کے فتحہ سے جمع عامر کی اس کی قرأۃ میں معنی ہوئے کہ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے والوں مسجد حرام کو آباد کرنے والوں مومنین مجاہدین کی مثل سمجھ لیا اور ہو سکتا کہ کمن امن میں صفات پوشیدہ ہوں بہر حال یہاں صفت کی تشبیہ ذات سے نہیں (روح المعانی، جلالین، کبیر، روح البیان) **کمن امن باللہ و الیوم الاخر** یہ عبارت جعلتم کا دوسرا مفعول ہے ایمان باللہ کے معنی ابھی پچھلی آیت میں عرض کئے گئے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو نبی ماننا ایمان ہے لہٰذا اس میں ایمان بالرسول داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کو واحد، ستار، غفار وغیرہ اس لئے مانو کہ محمد رسول اللہ نے فرمایا ارکان ایمان کی دو حدیں ارشاد ہوئیں باقی ارکان اس میں آ گئے یعنی تولید سے لے کر قیامت تک کے سارے ارکان ایمان کو حضور ﷺ کی معرفت مانے۔ **و جھد فی سبیل اللہ** یہ عبارت معطوف ہے امن باللہ (الخ) پر چونکہ حضرت علی نے حضرت عباس سے جہاد کا ہی ذکر فرمایا تھا اس لئے یہاں بھی خصوصیت ہے سے جہاد کا ذکر فرمایا گیا دوسری عبادت کا ذکر نہیں ہوا نیز اس کا مطلب یہ نہیں کہ غیر مجاہد مومن کافر سے افضل نہیں نفس ایمان کفر سے مومن کافر سے بدرجہا افضل ہے چہ جائے کہ جو صحابی مجاہد ہو **خیال** رہے کہ کفار مکہ یا حضرت عباس نے خدمت کعبہ وغیرہ کو حضور انور ﷺ کی صحبت اور جہاد سے بہتر کہا تھا۔ رب نے ان کے جواب میں فرمایا کہ بہتری تو دور ہے وہ تو ان حضرات کے برابر بھی نہیں۔ چنانچہ فرمایا **لا یستون عند اللہ** یہ دونوں جماعتیں اللہ کے نزدیک برابر بھی نہیں مومن صحابی مجاہد دوسروں سے کہیں افضل ہیں چہ جائیکہ دوسرے ان سے افضل ہیں۔ اس صاف فرمان کے باوجود کفار مکہ نہ مانیں گے وہ اپنے ہی کو افضل کہے جائیں گے کیونکہ **واللہ لا یھدی القوم الظلمین**۔ اللہ کافر

قوم کو حق ماننے کی توفیق نہیں دیتا۔ اسلامی مسائل کو حق وہ مانے گا جو پہلے مسلمان بنے گا اس صورت میں یہ فرمان عالی بالکل واضح ہے یا یہاں ظالمین سے وہ کفار مراد ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آ چکا اور ہدایت سے مراد ہے مقصود پر پہنچا دینا۔ دینی احکام نبی قبول کر لینا نہ رہبری تو معنی یہ ہوئے کہ جو علم الٰہی میں کافر ہیں انہیں قول رسول فرمان قرآن قبول کرنے کی ہدایت نہیں ملتی۔ ہدایت کے معنی اس کے اقسام ہم اهدنا الصراط المستقيم کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے طلحہ وعباس یا اے قریش مکہ کیا تم نے یہ غضب کیا کہ حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام شریف کی خدمت کو مومنوں کے اللہ و رسول و آخرت پر ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے بہتر سمجھ لیا۔ تم نے سخت غلطی کی۔ تمہارے یہ اعمال مکہ معظمہ میں رہ گئے اور مومنوں کے وہ اعمال مکہ معظمہ سے دور مگر جناب مصطفیٰ کے حضور رہ کر نیز تم یہ مذکورہ اعمال کرنے والے اور مومن حضور ﷺ کی صحبت میں رہنے والے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے افضل تو کیا برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ تم کعبہ کو دیکھنے والے جو لوگوں کو حاجی بناتا ہے وہ چہرۂ مصطفیٰ دیکھنے والے جو مومن کو صحابی بناتا ہے تم کعبہ کے حرم میں رہنے والے جس کے حدود چند میل ہیں وہ حرم رسول میں رہنے والے جس کے حدود شریف مشرق و مغرب ہیں تم اوس حرم میں رہنے والے جہاں جانور کو شکار سے امن ملتی ہے وہ اس حرم میں رہنے والے جہاں گنہگار کو عذاب سے امن ملتی ہے۔

شعر

خوف نہ کر ذرا رضا تو ہے عبد مصطفیٰ تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

مگر تم یہ باتیں مانو گے نہیں کیونکہ رب تعالیٰ کافر کو فرمان خدا اور رسول ماننے کی ہدایت نہیں دیتا ہدایت اعمال ہدایت ایمان کے بعد ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی ایسی طرفداری فرماتا ہے کہ جو ان پر اعتراض کرے اس کا خود جواب دیتا ہے دیکھو مشرکین مکہ یا حضرات طلحہ اور عباس نے جانثاران مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی بڑائی بیان کی تو رب نے انہیں جواب دیا اس زمانے میں بذریعہ وحی جواب دیا تھا اب مخلوق کی زبان سے جواب دلوایا جاتا ہے آج کسی مقبول بندے کی کوئی برائی کرے تو دنیا اس کا منہ نوچ لیتی ہے یہ ہے خدا تعالیٰ کا جواب جو تا قیامت جاری رہے گا۔

دوسرا فائدہ: کعبہ کے پاس رہنے سے حضور انور ﷺ کے پاس رہنا افضل ہے۔ دیکھو ان لوگوں نے حضرات صحابہ سے فخریہ طور پر کہا تھا کہ ہم کعبہ کے خدام ہیں۔ رب نے جواب دیا کہ یہ صحابہ میرے محبوب کے خدام امن باللہ ہیں یہ ہی تو فرمایا حضور ﷺ کے غلام کا دوسرا نام مومن ہے کعبہ حاجی بناتا ہے حضور ﷺ مومن کو صحابی بناتے ہیں۔

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ، کتاب اللہ قرآن مجید عرش و فرش سب سے افضل ہیں کہ ان کے صحبت یافتہ کعبہ والوں قرآن والوں سے افضل۔ اس کی مفصل بحث ہماری کتاب مرات جلد ہشتم میں ملاحظہ کرو۔

چوتھا فائدہ: نبی کی اولاد نبی کا رشتہ دار ہونا کمال نہیں بلکہ نبی کا امتی یعنی مومن ہونا کمال ہے۔ دیکھو اس آیت کریمہ میں

حضور علیہ السلام کے رشتہ داروں پر مومن مہاجرین و انصار کو فضیلت دی گئی ہے جو حضور علیہ السلام کے امتی اور مجاہد صحابی تھے کہ فرمایا لا یستون عند اللہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کو ڈبو دیا گیا کہ وہ نبی کا بیٹا تو تھا مگر امتی نہ تھا۔ اجنبی مومنوں کو بچا لیا گیا کشتی میں سوار کر لیا گیا کیونکہ وہ اگرچہ نبی کی اولاد نہ تھے مگر امتی تھے ہاں جسے اللہ تعالیٰ نبی سے نسب اور نسبت دونوں عزتیں بخشے تو سبحان اللہ بڑی ہی خوش نصیبی ہے۔

پانچواں فائدہ: ایمان کے بغیر کوئی نیکی کہیں رہنا کہیں رہ کر عبادت کرنا قبول نہیں سب کی قبولیت کے لئے ایمان ایسا ضروری ہے جیسا نماز کے لئے وضو۔ یہ فائدہ کمن امن باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو مشرکین کو ان کے شرک کی وجہ سے مکہ معظمہ میں رہنا کعبہ کی خدمت کرنا وغیرہ کچھ مفید نہ ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا ہے کہ غیر صحابی مومن مجاہد صحابی غیر مجاہد سے افضل ہو کہ یہاں حضرت عباس و طلحہ سے فرمایا گیا کہ مدینہ کے مومن مجاہد تم سے افضل ہیں اگرچہ تم کعبہ کے خدام ہو تو چاہئے کہ قیامت تک مجاہدین مومنین ان صحابہ سے افضل ہوں جو کہ جہاد نہ کر سکے۔

جواب: یہاں صحابہ کے متعلق گفتگو ہے کہ صحابی مجاہد غیر مجاہد صحابی سے افضل ہے اگرچہ غیر مجاہد خادم کعبہ ہی کیوں نہ ہو بعد کے لوگ اگرچہ کتنے ہی نیک ہوں مگر صحابی کے گرد قدم کو نہیں پہنچتے یہاں صحابی کا صحابی سے مقابلہ ہے نہ کہ تمام دنیا کے مجاہدوں غوث و قطب سے۔ ایک صحابی جو ایک آن کے لئے حضور علیہ السلام کی صحبت میں بیٹھا وہ افضل ہے اس کے دلائل ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔

دوسرا اعتراض: اگر یہ آیت کریمہ مشرکین مکہ کے جواب میں آئی جو اپنے کو مومنین صحابہ سے افضل کہتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اچھے تو وہ بھی ہیں مگر مومن صحابہ ان سے زیادہ اچھے ہوں حالانکہ مشرک تو کسی طرح اچھا نہیں ہو سکتا۔

جواب: اس کا جواب انشاء اللہ اگلی آیت اعظم درجۃ عند اللہ کی تفسیر میں دیا جائے گا یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہاں مشرکین کے عقیدے پر گفتگو ہو رہی ہے کہ تمہارے عقیدے میں خدمت کعبہ حجاج کو پانی پلانا تمہارے لئے افضل ہے اگر تمہارا یہ خیال درست ہو تب بھی مومنین غازی تم سے افضل ہونے چاہئیں کہ تم جسمانی عبادات کرتے ہو اور وہ دلی عبادت تم آرام کی عبادت کرتے ہو وہ میدان جہاد میں جان مال کی بازی لگاتے ہیں۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا مگر قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ھدی للعلمین ہیں سارے جہانوں کے لئے ہدایت کیا کفار جہانوں سے الگ ہیں۔

جواب: ہدایت بمعنی راہ دکھانا سب کو ہے مگر ہدایت بمعنی قبول توفیق دینا منزل پر پہنچانا کسی نصیب والے کو میسر ہے قرآن و حدیث کا ہدایت دینا عام ہے مگر ہدایت لینا عام نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں کعبہ والوں اور محبوب والوں کعبہ میں رہنے والے دامن محبوب میں پلنے والوں کے عجیب مناظرے اور عرش والے رب کے عجیب فیصلہ کا ذکر ہے کعبہ والوں نے کہا کہ ہم کعبہ کے حرم میں رہنے والے ہیں

مدینہ والوں نے کہا ہم محبوب کے حرم میں رہنے والے ہیں انہوں نے کہا ہم خدام کعبہ کے ہیں یہ بولے ہم خدام آستانہ ہیں رب تعالیٰ نے عجیب فیصلہ فرمایا کہ یہ مہاجر وہ لوگ ہیں جنہوں نے جہاد یعنی مشقت فی سبیل اللہ کی اس طرح کہ بمشکل تمام کعبہ کو چھوڑ کر مکہ سے سفر کر کے مدینہ، منزل بہ منزل میرے محبوب تک پہنچے گویا مجھ تک پہنچے انہوں نے ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاوک کی عملی تفسیر کر کے دکھائی۔ شعر

مہاجر چھوڑ کر کعبہ بسے آ کر مدینہ میں — مدینہ ایسی بستی ہے مدینہ ایسی بستی ہے

یہ دونوں برابر نہیں کہ تم کعبہ والے ہو یہ محبوب والے ہیں تو اللہ والے ہی عشاق کہتے کہ کعبہ میں رہنے والے مدینہ میں رہنا افضل ہے۔ اگرچہ کعبہ کی عبادت کا ثواب زیادہ ہے مگر مدینہ کی عبادات کا قرب الٰہی زیادہ ہے۔

روح نماز ہے یہی اصل نماز ہے یہی — میں تیرے روبرو رہوں تو میرے روبرو رہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاد فی سبیل کا ایک ڈھانچہ ہے دوسری روح۔ ایک مجاز ہے دوسرا حقیقت۔ جس جہاد سے کفار کو مغلوب کیا جاوے۔ ملک وغنیمت حاصل ہو وہ مجازی جہاد ہے۔ جس میں جہاد سے نفس امارہ کو مغلوب کیا جائے اور عشق رسول خوف خدا میسر ہو وہ جہاد حقیقی ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ان اللہ لمع المحسنین اس لئے یہاں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کو ملا کر ذکر فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ
وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی جہاد کیا اللہ کی راہ میں مالوں سے اپنے
وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں لڑے
وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ
اور جانوں سے اپنی بڑے ہیں درجے میں نزدیک اللہ کے اور یہ لوگ
اللہ کے ہاں ان کا درجہ بڑا ہے اور وہ ہی مراد کو پہنچے
الْفَآىٕزُوْنَ ۝۲۰ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ
کامیاب ہیں خوشخبری دیتا ہے ان کو رب ان کا رحمت کی اپنی طرف سے اور رضامندی کی اور
ان کا رب انہیں خوشی سناتا ہے اپنی رحمت اور اپنی رضا اور ان باغوں کی جن میں
جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ۝۲۱ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ
جنتوں کی ان کیلئے ان میں نعمتیں ہیں ہمیشہ کی ہمیشہ رہیں گے اس میں تحقیق اللہ
انہیں دائمی نعمت ہے ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے بے شک اللہ کے پاس

اللّٰہَ عِنْدَہٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ

اس کے نزدیک ثواب ہے بڑا

بڑا ثواب ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں یہ تو بتایا گیا ہے کہ مومنین مجاہدین اور دوسرے لوگ برابر نہیں مگر یہ نہ بتایا گیا تھا کہ ان میں افضل کون ہے اور مفضول کون۔ اب اس آیت کریمہ میں اس امر کا فیصلہ کیا جارہا ہے کہ مومن مجاہدین افضل ہیں کہ دوسرے لوگ مفضول گویا یہ آیات گذشتہ آیات کی تفصیل بلکہ تفسیر وتشریح ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ مومن مجاہدین اور دوسرے لوگ برابر نہیں مگر اس کی دلیل بیان نہیں ہوئی تھی کہ کیوں برابر نہیں۔ اب ان آیات میں اس دعوے کی دلیل ارشاد ہے کہ مسجد نبوی مسجد حرام کی آبادی حجاج کی خدمت وغیرہ آرام کی عبادات وغیرہ ہیں جن سے ناموری بھی ہوتی ہے اور دولت بھی ملتی ہے۔ مگر ہجرت و جہاد مشقت والی عبادتیں ہیں تم لوگ اپنی عبادات سے کماتے ہو یہ مہاجرین مجاہدین گنواتے بلکہ لٹاتے ہیں مہاجر وطن گنواتے ہیں اور مجاہد مال وجان لٹاتے ہیں گویا پچھلی آیات میں دعویٰ تھا ان آیات میں اس کی دلیل ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہے کہ مجاہدین اور مومنین اور دوسرے لوگ برابر نہیں اب ارشاد ہورہا ہے کہ دونوں نہ دنیا میں برابر ہیں نہ آخرت میں۔ ان مجاہدین کو دنیا میں رب کی طرف سے بشارتیں ہیں آخرت میں جنت کی نعمتیں وہ بھی اعلیٰ درجہ کی۔ دوسروں کو یہ نصیب نہیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ظالمین یعنی کافرین کی پھٹکار کا ذکر تھا کہ اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا۔ اب مومنین مہاجرین کی رحمت کا ذکر ہے کہ اللہ انہیں کیا کیا نعمتیں دیتا ہے۔ گویا محرومین کے بعد مرحومین کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: الذین امنوا و ھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم و انفسھم ظاہر یہ ہے کہ الذین سے مراد حضرات صحابہ کرام ہوں جنہیں ایمان شعوری عطا ہوا کہ وہ حضور انور ﷺ کی ذات وصفات معجزات حالات ملاحظات آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لائے بلکہ انہوں نے وہ آنکھ دیکھ لی جس نے خدا کو دیکھا تو ان آنکھوں کے واسطے سے انہوں نے خدا تعالیٰ کو دیکھ لیا۔ اس ایمان میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ شعر

جن نیناں نے دلبر دیکھا وہ نیناں تکیاں ۔۔۔ تو ملیوں تو دلبر ملیوں جن آساں لگ پیاں

اس ایمان شہودی کی تمنا حضرات ابراہیم نے کی تھی۔ ولکن لیطمئن قلبی اور ہجرت سے مراد ہے مکہ معظمہ سے مدینہ کی طرف بلکہ اپنے طرف سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنا گویا وطن چھوڑنا حضور ﷺ کو پالینا یہ ہجرت بھی ان کے سوا تا قیامت کسی کو میسر ہوگی نہیں اور جہاد سے بھی حضور انور ﷺ کے ساتھ رہ کر جہاد کرنا مراد ہے اگر شہید ہوں تو

حضور انور ﷺ کو تکتے تکتے جان نکلے شعر۔

نام نامی رہے ان کا ورد زباں ذکر ہوتا رہے سانس چلتا رہے
آخری وقت ہو ان کے قدموں میں سر دید ہوتی رہے دم نکلتا رہے

ایسا جہاد بھی ان کے سوا کسی کو میسر نہ ہوا۔ سبیل اللہ سے مراد اخلاص تام ہے جس میں دنیا طلبی کو بالکل دخل نہ ہو۔ اموال میں ہر قسم کا مال داخل ہے اور یہاں ان صحابہ کی فضیلت ان صحابہ پر بیان ہو رہی ہے جو ایمان لائے مگر اپنے گھروں میں آرام سے رہے۔ خدمت کعبہ حجاج کی تواضع کو ان کاموں سے افضل سمجھتے رہے اس صورت میں آیت کریمہ بالکل واضح ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں اور ہو سکتا ہے کہ الذین سے مراد تا قیامت مومنین ہوں اور ہجرت و جہاد سے عام ہجرتیں اور جہاد ہوں تب مقابلہ دوسرے مسلمانوں سے ہوگا یعنی مومنین مہاجرین مجاہد دوسرے ان عام مسلمانوں سے بہتر ہیں جو ہجرت و جہاد نہ کر سکے اب مقابلہ حضرات صحابہ سے نہ ہوگا کیونکہ مقابلہ جنس کا جنس سے ہوتا ہے ہم لوگ اور درجہ کے مومن مہاجر اور مجاہدین حضرات صحابہ کرام کسی اور ہی اعلیٰ درجے کے مومن ہیں۔ ان کے ایک نظر حضور ﷺ کو دیکھنے پر ہمارے عمر بھر کے نیک اعمال قربان ہوں۔ اعظم درجة عند الله یہ فرمان عالی الذین کی خبر ہے اس کی تفسیر میں بہت دشواری محسوس ہوگی ہے قوی یہ ہے کہ اگر یہ مقابلہ حضرات صحابہ کا مشرکین عرب سے ہے تو بمعنی عظیم ہے نہ کہ بمعنی تفضیل کیونکہ مشرکین کا اللہ کے نزدیک کوئی درجہ نہیں تا کہ یہ لوگ ان سے بڑے درجہ میں ہوں جیسے افمن یهدی الی الحق احق ان یتبع ام من لا یهدی (الخ) وہاں احق بمعنی احقیق ہے جیسے قل الله خیر ام عما یشرکون یا جیسے اذالک خیر ام شجرة الذین قوم یا جیسے اصحاب الجنته یومئذ خیر مستقرون و احسن مقیلا ان سب آیات میں لفظ خیر مقابلہ کے لئے نہیں (تفسیر کبیر) اور اگر مجاہد مہاجر و مومنین یا مہاجر و مجاہد صحابہ کا مقابلہ غیر مہاجر غیر مجاہدین مومنین یا صحابہ سے ہے تو اعظم اپنے ہی معنی میں ہے یعنی بہت ہی بڑے دوسرے لوگ کم بڑے۔ درجہ سے مراد مرتبہ، رتبہ، عزت و کرامت ہے نہ کہ مکان منزل (خازن بیان) عند اللہ سے مکان و جگہ کا قرب مراد نہیں کہ رب تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے بلکہ عندیت قرب کی۔ جیسے رب فرماتا ہے و من عنده لا یستکبرون من عبادته۔ و اولئک هم الفائزون۔ یہ عبارت حصر کے لئے ہے یعنی صرف یہی لوگ کامیاب ہیں اگر بمقابلہ مشرکین ہے تو مطلب ظاہر ہے کہ صرف یہ لوگ کامیاب ہیں مشرکین کامیاب نہیں۔ اگرچہ وہ کعبہ کی حفاظت کریں یا حاجیوں کی خدمت اور اگر مقابلہ دوسرے مومنین سے ہے تو فوز سے مراد اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہے یعنی اگرچہ دوسرے مومن بھی کامیاب ہیں مگر یہ حضرات اول درجہ کے کامیاب فوز کے معنی ہیں دین و دنیا میں کامیابی پانا سعادت پانا مراد کو پہنچنا۔ یبشرهم ربهم برحمة منه یہ ان خوش نصیبوں کی تیسری سعادت ہے۔ مبشر بنا ہے بشارت سے بشارت وہ خوشخبری جس کو سن کر بشرہ یعنی چہرہ کھل جائے یہ مضارع بمعنی حال یا بمعنی استقبال یعنی دنیا میں ہی رب تعالیٰ انہیں خوشخبری دیتا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے یا اس طرح کہ دنیا انہیں ولی مقبول محبوب مانتی ہے ان کے عرس ختم کراتی ہے کہ یہ اللہ کی بشارت ہے یا مرتے وقت فرشتوں کے ذریعے خوشخبری دے گا۔ یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک یا قیامت میں

جنت میں براہ راست رب خوشخبری دے گا یا بذریعہ ملائکہ کے رحمت کی تنوین عظمت کی ہے یعنی بڑی ہی رحمت کی۔ اس سے مراد گناہوں کی معافی بے شمار عطیات خسروانہ کی عطا رحمت سے مراد رحمت خاصہ ہے جو ان لوگوں کو عطا ہوگی دوسرے مسلمانوں کو نہیں۔ ورضوان یہ معطوف ہے رحمت سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا کبھی ناراض نہ ہونا خیال رہے کہ اللہ کی رضا دوسری نعمتوں سے بڑھ کر ہے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اس رحمت و رضوان سے مراد یا تو دنیا میں رحمت و رضا کی عطا ہے کہ رب کی رحمت سے انہیں ایمان ملا۔ اعمال خیر کی توفیق ملی پھر وہ عمل قبول ہوئے اور رب تعالیٰ ان سے راضی ہوا یا جنت ورضا مراد ہے۔ رب تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا کہ تم کو ایسی نعمت دوں گا جو تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہے وہ یہ کہ تم سے راضی رہوں گا۔ کبھی ناراض ہوں گا ہی نہیں اللہ نصیب کرے۔ **وجنت لهم فيها نعيم مقيم** یہ عبارت معطوف ہے رضوان پر چونکہ ایک ایک جنتی کو بہت سی جنت کی نعمتیں عطا ہوں گی اس لئے جنات جمع ارشاد ہوا لہم یا تو جنت کی صفات ہے اور لام ملکیت کا یعنی یہ باغات ان کی ملکیت ہوں گے یا لہم خبر مقدم ہے اور نعیم مقیم مبتدا موخر ہم کا مرجع وہ جنتی لوگ ہیں فیہا کی ضمیر یا جنات کی طرف ہے یا رحمت کی طرف نعیم کے معنی ہیں نعمت یا وہ نعمت جو کامل ہو اور کسی تکلیف سے مخلوط نہ ہو مقیم دائمی کہ نہ نعمت فنا ہو نہ نعمت والے اور نہ نعمت ان سے منتقل ہو نہ وہ نعمت سے نیز کسی نعمت کے لئے کوئی موسم مقرر نہ ہو ہمیشہ رہے نیز کسی نعمت سے جنتی کا پرہیز نہ ہو۔ طبی و شرعی ممانعت نہ ہو۔ **خلدين فيها ابدا** یہ فرمان عالی لہم کی ضمیر سے حال ہے اور یا تو مقیم کا بیان ہے یا تصویر کا دوسرا رخ کہ نعمتیں ہمیشہ رہیں کیونکہ وہ مقیم ہیں اور وہ ہمیشہ رہیں کیونکہ وہ خالدین ہیں فیہا کا مرجع یا جنات ہے یا رحمت یا نعیم ابد فرما کر بتایا کہ خلود بمعنی دوام ہے نہ کہ بمعنی دراز قیام۔ **ان الله عنده اجر عظيم** یہ فرمان عالی یا پہلے فرمان کی تاکید ہے تو اجر عظیم سے مراد وہ ہی مذکورہ نعمت ہے یا یہ علیحدہ خبر ہے تو اجر عظیم سے مراد مذکورہ نعمتوں کے علاوہ اور نعمتیں مثلاً وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بلکہ خود رب تعالیٰ کا دیدار جو تمام نعمتوں سے اعلیٰ و افضل ہے۔ عظیم فرما کر بتایا کہ وہ ثواب تمام دنیا سے بڑا تمہارے خیال تمہارے اعمال سے بڑا۔ ابھی تمہارا خیال بھی وہاں تک نہ پہنچے گا انشاء اللہ دیکھ کر ہی معلوم ہوگا۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تین صفات بیان فرمائیں۔ ایمان، ہجرت، مالی جانی جہاد کے مقابلے میں تین عطاؤں کا ذکر فرمایا۔ رحمت، رضوان اور جنت، ان دونوں کی ترتیب ایسی پیاری ہے کہ سبحان اللہ۔ پہلے ایمان کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ تمام عبادات کی جڑ ہے۔ پھر ہجرت کا کیونکہ یہ جہاد کی موقوف علیہ ہے کفار میں پھنسے ہوئے مسلمان جہاد نہیں کر سکتے دارالاسلام میں پہنچ کر ہی کر سکتا ہے۔ پھر جہاد کا۔ جہاد میں مالی جہاد کا ذکر پہلے کہ مال اولاً خرچ کیا جاتا ہے اور جانی جہاد کا ذکر بعد میں ہے کیونکہ جان بعد میں ہے یوں ہی جزائیں پہلے رحمت کا ذکر ہوا جو ایمان کی جزاء ہے کیونکہ یہ ایمان پر موقوف ہے اور ایمان کی طرح تمام نعمتوں سے عام بھی پہلے بھی پھر رضوان کا ذکر ہوا جو احسان کی انتہا ہے یہ جہاد کی جزا قرار پائی ہے کہ مجاہد نے جہاد میں مال و جان کی قربانی دی ہے۔ رب نے انہیں اس کے عوض اپنی رضاء عطا کی پھر جنتیوں کا ذکر ہوا۔ ہجرت کی جزاء کہ مہاجر نے راہ خدا میں اپنا وطن چھوڑا تو رب نے انہیں بہترین وطن یعنی جنت عطا فرمائی چونکہ

ہجرت میں اپنی دولت عزیز و اقارب گھر بار ہی چھوڑنا پڑتا ہے اس کے عوض رب نے فرمایا کہ انہیں وہاں کی نعیم مقیم بخشیں (روح المعانی) اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں جیسا کہ ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ کرتے ہیں۔ مہاجر مجاہدین مومن غیر مجاہدین غیر مہاجر کے برابر نہیں کیونکہ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں اخلاص سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑے درجے والے ہیں۔ یہ ہی لوگ اول درجے کے کامیاب ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بواسطہ رسول اور بواسطہ زبان خلق بشارت دیتا ہے اور مرتے وقت فرشتوں کے واسطے سے قبر و جنت میں بلاواسطہ بشارت دے گا اپنی رحمت خاصہ کی اپنی رضامندی کی اور ایسی جنتوں کی جوان دائمی ملک ہوں گی ان کو نہ فنا ہے نہ موسم وغیرہ کی پابندی ادھر یہ لوگ بھی اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ وہاں سے نکلیں گے نہ انہیں موت آئے۔ ان کے لئے اللہ کے نزدیک اور بہت بڑے ثواب ہیں۔ رہے غیر مہاجر یا غیر مجاہد مومنین اگرچہ جنتی ہیں مگر ان کے درجے ان کے برابر نہیں۔ رہے مکہ معظمہ کے مشرکین وہ اگرچہ حفاظت کعبہ آبادی مسجد حرام خدمت حجاج کریں وہ ان میں سے کسی ثواب کے مستحق نہیں اولاً تو وہ ایمان سے محروم ہیں دوسرے وہ ایسی عبادتیں کرتے ہیں جن میں تکلیف کوئی نہیں آرام دہ عبادت کے ساتھ ہی مالی آمدنی اور عزت یہ عبادات کے ذریعے کماتے ہیں وہ مومنین گنواتے ہیں کہ ہجرت کر کے اپنے گھر بار مال دولت عزیز و اقارب چھوڑ کے جہاد کر کے اپنا مال اپنی جان قربان کی یہ لوگ ان کے درجہ کو کیسے پہنچ سکتے ہیں۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ایمان ہجرت جہاد سے افضل ہے یہ فائدہ مذکورہ ترتیب سے حاصل ہوا کہ ہجرت کا ذکر جہاد سے پہلے ہوا۔

دوسرا فائدہ: مہاجرین صحابہ حضرات انصار سے افضل ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کے لئے ترک وطن کیا اس لئے ہمیشہ سے مہاجرین کا ذکر قرآن مجید میں انصار سے پہلے ہوتا ہے۔ من المهاجرین فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو ہم انصار میں سے ہوتے۔ مگر خیال رکھنا کہ انصار کی شان بھی ہمارے وہم و گمان سے وراء ہے یہ ہمارے نبی کے میزبان ہوئے مہاجرین پناہ اسلام کی اشاعت کرنے والے ہیں۔ فرمایا نبی نے کہ ہم نے سب کے احسانات کے بدلے کر دیئے سوا ابوبکر صدیق کے اور انصار کے ان کا بدلہ رب تعالیٰ سے کروایا جائے گا۔

تیسرا فائدہ: جہاد تین طرح کا ہے صرف مالی جہاد جیسے کسی مجاہد کو سامان جہاد دے کر محاذ پر بھیجنا۔ صرف جانی جہاد خود میدان میں جانا جیسا مساکین مجاہد کرتے تھے جان و مال دونوں سے جہاد کہ خود بھی میدان میں جانا اور دوسرے مجاہدین کو سامان بھی دینا جیسے حضرت عثمان غنی صدیق اکبر کے جہاد۔ ان سب میں آخری جہاد سب سے افضل ہے یہ تینوں فائدے اولئک اعظم درجة سے بھی حاصل ہوئے۔

چوتھا فائدہ: بہتر یہ ہے کہ جہاد میں ہر قسم کا مال خرچ کرے۔ کھانا، کپڑا، سواری، ہتھیار یہ فائدہ اموالهم جمع فرمانے سے اشارۃً حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: جہاد میں صرف ملک گیری، غنیمت، ناموری کی نیت نہ ہو بلکہ محض اللہ رسول کی خوشنودی اس کی رضا کی

نیت ہو بلکہ ہجرت میں صرف پناہ لینے مال دولت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو رضاء الٰہی مقصود ہو یہ فائدہ فی سبیل اللہ فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔

چھٹا فائدہ: حضور انور ﷺ کے کام درحقیقت رب تعالیٰ کے کام ہیں۔ دیکھو ان حضرات کو خوشخبری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی مگر ارشاد ہوا یبشرھم ربھم جیسا کہ اس کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔

ساتواں فائدہ: مخلوق میں اپنا اچھا چرچا اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔ یہ فائدہ یبشرھم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ بشارت سے مخلوق کی گواہی مراد ہے کہ فلاں شخص ولی ہے مقبول ہے وغیرہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی واجعل لی لسان صدق فی لاخرین خدایا میرا اچھا چرچا دنیا میں رکھ۔ دیکھ لو آج یہودی عیسائی مسلمان بلکہ ہندو بھی ان کی تعریفیں کر رہے ہیں حتیٰ کہ درود ابراہیمی میں آپ پر درود پڑھا جاتا ہے حضور ﷺ کے ساتھ حج، قربانی، ختنہ، کعبہ معظمہ بلکہ خود شہر مکہ، مقام ابراہیمی، آب زمزم اور سب سے بڑھ کر حضور انور ﷺ جناب ابراہیم کی یادگار ہیں۔ علیہ السلام۔

آٹھواں فائدہ: اللہ کی رضا تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہے۔ یہ فائدہ ورضوان کو رحمت کے بعد ذکر فرمانے سے حاصل ہوا۔ رضاء الٰہی کے لئے امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں مصیبتیں جھیلیں۔ اس رضا کے لئے جہاد، ہجرت، نمازیں بلکہ ساری عبادتیں کی جاتی ہیں۔

نواں فائدہ: جنت اور وہاں کی نعمتیں یوں ہی جنتی اور ان کا نعمتوں سے فائدہ اٹھانا یہ سب کے سب فنا سے محفوظ ہیں۔ ان سب کے لئے دائمی بقا ہے یہ فائدہ نعیم کو مقیم فرمانے اور جنتیوں کے متعلق خالدین فیھا ابداً فرمانے سے حاصل ہوا۔ یہ مضمون بہت وسیع ہے۔

پہلا اعتراض: رب تعالیٰ نے تو یہ فرمایا کہ مومن مہاجرین بڑے درجے والے ہیں یہ نہ فرمایا کہ کس سے بڑے ہیں یعنی عظیم اسم تفضیل ہے۔ مفضل تو الذین امنوا ہے مفضل علیہ کون ہے۔

جواب: اگر اعظم بھی عظیم ہے تب تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر اپنے معنی اسم تفضیل میں ہے تو مفضل علیہ کا ذکر نہیں کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ سب سے اعظم ہیں۔ ایسے موقعوں پر کسی چیز کا پوشیدہ کرنا عموم اور اطلاق کا فائدہ دیتا ہے۔

دوسرا اعتراض: تو کیا آج کل کے وہ مومن جو مہاجر بھی ہوں اور مجاہد بھی وہ ان صحابہ سے افضل ہیں جو مجاہد مہاجر نہ تھے کیونکہ اعظم کے معنی ہیں سب سے افضل۔

جواب: اگر امنوا سے مراد شہودی ایمان یعنی حضور انور ﷺ کو دیکھ کر ایمان لانا حاجروا سے مراد ہو مدینہ طیبہ ہجرت کر کے حضور ﷺ کے پاس آنا اور جہاد مراد ہو حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کرنا۔ حضور کو تکتے تکتے شہید ہونا تب یہ سوال پیدا ہوتا ہی نہیں کیونکہ اب آیت کے معنی یہ ہیں کہ مجاہدین و مہاجرین صحابہ غیر مہاجرین غیر مجاہدین صحابہ سے اعظم ہیں ہم جیسے مجبوروں کا ذکر ہی نہیں اور اگر مطلقاً مومن مہاجر مجاہد لوگ مراد ہوں تو مقابلہ جنس کا جنس سے ہوتا ہے اب معنی یہ ہوں گے عام مہاجر مجاہد مومنین عام غیر مجاہد غیر مہاجرین سے عظیم ہیں اور مہاجر مجاہد صحابہ غیر مجاہد صحابہ سے عظیم ہیں یعنی غیر صحابی کا مقابلہ صحابی سے نہ

ہوگا۔

لطیفہ: حضرت محدث کچھوچھوی قدس سرہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ غوث اعظم کا درجہ بڑا ہے یا امام اعظم کا تو جواب دیا کہ غوث اعظم حضرات اولیاء اللہ کے چوٹی کے سردار ہیں اور امام اعظم حضرات علماء فقہا کے چوٹی کے سردار ہیں دونوں کا درجہ بڑا ہے۔ مقابلہ ایک طبقہ کے لوگوں سے ہوتا ہے اگر کوئی پوچھے کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کا درجہ بڑا ہے یا کلکٹر کا تو غلط سوال کرتا ہے یہ دونوں اپنے اپنے محکمہ کے چوٹی کے افسر ہیں ہاں یہ پوچھو کہ تھانیدار کا درجہ بڑا ہے یا سپرنٹنڈنٹ پولیس کا تو سوال درست ہوگا یہ دونوں ایک ہی محکمہ کے افسر ہیں حضرات صحابہ اور طبقے کے مسلمان ہیں جن کے قدم تک دوسروں کے سر کی رسائی نہیں ہوتی ان سے دوسروں کا مقابلہ کیسا۔

تیسرا اعتراض: کیا امام حسین سے حضرت بلال وعثمان وقاری افضل ہیں کہ وہ حضرات مومنین، مہاجر، مجاہد سب ہی کچھ ہیں اور حضرت حسین نہ مہاجر ہیں اور نہ مجاہد۔

جواب: کربلا نے حضرت حسین کو یہ تمام منازل طے کرا دیں وہ اس سفر میں بے مثال غازی، بے مثال مہاجر، بے مثال مجاہد بے مثال روزے دار گھر بار راہ خدا میں لٹانے والے ہوئے۔ کون کہتا ہے کہ وہ مہاجر و مجاہد نہ تھے تا قیامت مہاجرین و مجاہدین کی ہجرت و جہاد ان کے قدم کے صدق سے قبول ہوں گے۔ شعر

شاہ است حسین بادشاہ است حسین — دین است حسین دین پناہ است حسین

جاں داد نہ داد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

چوتھا اعتراض: اگر اس آیت میں مومن صحابہ کا مقابلہ مشرکین مکہ سے کیا ہے جیسا کہ ایک شان نزول سے معلوم ہو چکا تو اعظم فرمانا کیونکر درست ہو کیونکہ مشرکین کا تو کوئی درجہ عنداللہ ہے ہی نہیں پھر ان سے بڑا اور درجے والا ہونے کے کیا معنی۔

جواب: مفسرین خصوصا تفسیر کبیر نے اس کے چند جواب دیئے ہیں۔ (۱) یہ فرمان عالی مشرکین مکہ کے عقیدے کے لحاظ سے ہے جو اپنے کو حفاظت کعبہ عمارۃ مسجد حرام خدمت حجاج کی وجہ سے سب سے بڑا کہتے تھے فرمایا کہ تم سے بڑے مومن مہاجرین ہیں کہ تمہاری عبادات آرام کی ہیں جن میں نفسانی نفع ہے ان کی عبادات مشقت کی ہیں جن میں بظاہری دنیاوی نقصان ہی نقصان ہے۔ (۲) ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ یہ مہاجر مجاہدین مومنین دوسرے غیر مہاجر نیز مجاہدین مومنین سے بھی افضل و اعظم ہیں تو اے مشرکو تم کس شمار میں ہو۔ (۳) یہاں اعمال کا مقابلہ اعمال سے ہے یعنی اے مشرکو تمہارے مذکورہ اعمال خدمت کعبہ وغیرہ سے ایمان آبادی مسجد حرام سے ہجرت، خدمت حجاج سے جہاد افضل ہے تو اے کافرو تمہارا تو ذکر ہی کیا ہے تمہارے یہ اعمال تو بالکل باطل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: حق تعالیٰ نے یہاں تین نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ رحمت، رضوان، جنات، گناہگاروں کے لئے رب تعالیٰ کی رحمت ہے اطاعت شعاروں کے لئے اس کی رضا اور سب مومنوں کے لئے جنات مگر ان میں رحمت کا ذکر پہلے کیا تاکہ گنہگار اس کے امیدوار ہو جائیں پتہ لگے کہ تمام جہان کے گنہگاروں کے گناہوں سے اس کی رحمت زیادہ ہے۔ شعر

گنہ ما فزوں شود ز شمار عفوت افزوں تر از گناہ ہمہ

قطرۂ آب رحمت تو بس است شستن نامہ سیاہ ہمہ

دریاء رحمت کا ایک قطرہ ہم سب گنہگاروں کا سیاہ دفتر دھونے کے لئے کافی ہے مگر چاہئے یہ کہ گنہگار رحمت غفار کا طلبگار رہے۔ طلب بڑی اچھی چیز ہے۔ شعر

دنیا داری و آخرت طلبی ایں ناز نجانہ پدر باید کرد

اللہ دین کا خادم بنائے متخادم نہ بنائے۔ خادم وہ جو مخدوم کی خدمت اس کے لئے کرے متخادم وہ جو مخدوم کی خدمت اپنے فائدہ اپنی غرض کے لئے کرے کفار مکہ کعبہ وغیرہ کے خادم نہ تھے متخادم تھے۔ مومنین مدینہ اگرچہ کعبہ سے دور تھے مگر کعبہ کے خادم تھے۔ انہوں نے ہجرت و جہاد کعبہ کی خدمت کے لئے ہی کئے (از روح البیان) عبدیت اور عندیت دونوں ہی اچھی چیزیں ہیں مگر عبدیت سے عندیت یعنی قرب الٰہی بہت افضل و اعلیٰ ہے۔ رب فرماتا ہے و من عنده لا یستکبرون اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ ان اللہ عندہ اجر عظیم جس سے اشارۃً بتایا گیا کہ اجر عظیم کے ساتھ ساتھ انہیں عندیت کا درجہ بھی ہوگا اللہ تعالیٰ کے بعض بندے رحمت سے راضی بعض جنت سے بعض رضوان سے اور بعض رحمان سے۔ اس آیت کریمہ میں اشارۃً ان چاروں بندوں کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ آخری لوگ پہلوں سے افضل ہیں اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا۔ باقیوں کے لئے رحمت و رضوان۔ جنات کا ذکر بعد میں فرمایا گیا۔ (تفسیر کبیر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ
اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے نہ بناؤ تم اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست
اے ایمان والوں اپنے باپ اور بھائیوں کو دوست نہ سمجھو
اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ
اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان پر اور جو محبت کرے گا ان سے پس
اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ
یہی لوگ ظالم ہیں فرماؤ اگر ہوں تمہارے باپ اور بیٹے تمہارے بھائی
تو وہ ہی ظالموں میں ہے تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی
وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ

تمہارے اور بیویاں تمہاری اور کنبہ تمہارا اور وہ مال جو کمائے تم نے اور وہ بیوپار جو ڈرتے

اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا

كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ

ہو تم اس کے گھاٹے سے اور وہ مکانات کو پسند کرتے ہو تم زیادہ پیارے طرف تمہارے اللہ اور رسول سے اور

تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول

جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

جہاد سے اس کی راہ میں پس انتظار کرو تم یہاں تک کہ لائے اللہ حکم اپنا اور اللہ نہیں

اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۟

ہدایت دیتا بدکار قوم کو

اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار پر جہاد کرنے کا حکم دیا گیا اب کافر قرابت داروں سے رشتہ توڑ لینے ان سے علیحدہ ہو جانے کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے۔ گویا اجنبی کفار کے بعد قرابت کفار کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار کی نگرانی کعبہ، تعمیر مسجد حرام، خدمت کعبہ کچھ کام نہ آئے گی اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ انہیں مومن صحابہ کی قرابت داری بالکل مفید نہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ مجاہدین مہاجر مومنین بڑے درجے والے ہیں اب ارشاد ہے کہ کفار سے دلی تعلق رکھنے والے لوگ بدترین ہیں گویا تصویر کا ایک رخ پہلے دکھایا گیا دوسرا رخ اب دکھایا جا رہا ہے۔

شانِ نزول: (۱) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو وہاں سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا واجب ہو گیا۔ بلا عذر وہاں رہنا حرام ہو گیا۔ اس پر بعض نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے بال بچے ان سے لپٹ گئے اور بولے کہ ہم کو بے یار و مددگار کس پر چھوڑے جاتے ہو تمہارے پیچھے ہم برباد ہو جائیں گے اس پر وہ ہجرت سے رک گئے۔ ان کے متعلق پہلی آیت لا تتخذوا آ جاہ کم نازل ہوئی۔ یہ قول مجاہد کا ہے (خازن، کبیر، روح البیان) مگر یہ قوی نہیں کیونکہ یہ آیات

فتح مکہ کے ایک سال بعد نازل ہوئیں اس وقت مکہ معظمہ کے سارے باشندے مسلمان ہو چکے تھے اور وہاں سے ہجرت کرنے کا سوال ہی نہ رہا تھا۔ (تفسیر کبیر و خازن و روح البیان) (۲) ایک صحابی حاطب ابن بلتعہ نے فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادوں سے کفار مکہ کو ایک عورت کے ذریعے مطلع کرنے کی کوشش کی وہ عورت اور اس کے پاس سے یہ خط پکڑے گئے ان کے متعلق یہ آیات کریمہ (خازن، روح البیان) (۳) جب سورۃ کی گذشتہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانوں کو کفار سے تعلق توڑنے ان سے بیزاری کا حکم دیا گیا تو بعض حضرات نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ حضور ﷺ یہ کیسے ہو سکے گا۔ اس سے تو ہمارے تجارتی کاروبار تک تباہ ہو جائیں گے اور اپنے بھائی بھتیجوں کو کیسے چھوڑا جائے گا تو اس پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں (خزائن العرفان روح البیان کبیر) (۴) جو شخص پہلے مسلمان ہو کر مدینہ منورہ میں آئے پھر مرتد ہو کر بھاگ گئے ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں جن میں ان مرتدین کے قرابت دار مومنین کو ان سے بے تعلق ہو جانے کا حکم دیا گیا (تفسیر مدارک)

تفسیر: یا ایھا الذین امنوا اگرچہ ان آیات کا نزول ایک خاص جماعت یا خاص شخص کے متعلق ہے مگر اس کا حکم تا قیامت مسلمانوں پر جاری ہے۔ اس لئے الذین امنوا سے صرف حضرات صحابہ مراد نہیں بلکہ تا قیامت سارے مومنین مراد ہیں۔ چونکہ آیات کا حکم نفس پر شاق تھا اس لئے پہلے پیارے القاب سے خطاب کیا پھر حکم سنایا تا کہ خطاب کی لذت سے یہ مشکل حکم آسان ہو جاوے چونکہ ایمان ایک روشنی ہے کفر تاریکی اس لئے صفت ایمان کا ذکر فرمایا کہ کافر اگرچہ تمہارا باپ بیٹا ہو مگر وہ ہے تمہاری ضد تم سے اس کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ یہ خطاب نہایت ہی موزوں ہے۔ لا تتخذوا اباء کم و اخوانکم اولیاء یہ ہے وہ حکم جس کے لئے ہم کو پکارا گیا۔ لاتتخذوا عام ہے۔ سمجھنا کہنا دوستوں کا سا برتاؤ کرنا اس میں سب ہی داخل ہے چونکہ یہاں ولایت کا ذکر ہے نہ کہ محبت کا اس لئے صرف باپ و بھائی کا ذکر ہوا ولایت میں محبت اور مدد و نصرت دونوں کا اعتبار ہے (روح المعانی) ولایت وہ محبت ہے جس میں رائے مشورہ مدد سب ہی ظاہر ہے کہ ایسی محبت بیوی بچوں سے نہیں ہوتی اس لئے صرف باپ داداؤں اور بھائیوں کا ذکر ہوا اولیاء جمع ہے ولی کی اس کے بہت معنی ہیں۔ قریب، مددگار، دوست والی وارث وغیرہ یعنی اے مومنو اپنے باپ داداؤں بھائیوں کو اپنا دوست نہ جانو نہ کبھو ان سے دوستی و محبت کا برتاؤ کرو ان استحبوا الکفر علی الایمان یہ لا تتخذوا کی شرط موخر ہے۔ استحباب بنا ہے حب سے بمعنی محبت کرنا چونکہ اس میں اختیار اور حرص کے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے بعد علی مقابلہ کا آیا یعنی اگر وہ ایمان کے مقابل کفر پسند کریں اسے اختیار کریں اس شرط سے یہ بتایا کہ اگر وہ ایمان کی طرف مائل ہوں اور تم کو امید ہو کہ تمہارے ساتھ رہنے سے تمہارے اخلاق کے برتاؤ سے وہ مسلمان ہو جائیں گے تو تم ضرور ان سے محبت کا برتاوا کرو۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں کافر باپ دادوں بھائیوں کی محبت سے منع فرمایا گیا ہے نہ کہ پدری مادری برادر کے حقوق ادا کرنے سے لہٰذا ان کا حق ضرور ادا کیا جائے۔ محبت اور ادائے حق میں بڑا فرق ہے۔ فرماتا ہے وبالوالدین احسانا وہاں والدین مطلق ارشاد ہوا یوں نہ فرمایا وبالوالدین المومنین احسانا یہ بات دھیان میں رہے لہٰذا یہاں نہ تو آیات میں تعارض ہے نہ اس آیت اور ان احادیث

میں جن میں کافرماں باپ سے سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ ومن یتولھم منکم فاولئک ھم الظلمون. اس فرمان عالی میں ان سے دوستی رکھنے کا نتیجہ ارشاد ہوا اور منکم میں خطاب مومنین سے ہے لفظ ظالم گنہگاروں اور کافروں دونوں کو شامل ہے یعنی جو مسلمان خواہ کسی درجے کا ہو ان کا باپ دادوں سے محبت قلبی زبانی دلی رکھے تو وہ ظالم ہے اگر ان کے عقائد سے محبت رکھے تو خود کافر ہے کہ کفر سے راضی ہونا کفر ہے اگر ان کی ذات سے محبت رکھے تو سخت گنہگار ہے یہاں من کا عموم اور دوستی کے مطلق ہونے کا خیال رہے۔ قل ان کان اباء کم و ابناء کم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم اس آیت کریمہ میں آٹھ چیزوں کا ذکر ہے پانچ قرابتدار باپ دادے بیٹے بھائی بیو یا کنبہ والے اور تین قسم کے مال۔ کمایا ہوا مال، تجارتی مال، مکانات، کوٹھیاں، بلڈنگیں وغیرہ ان کی ترتیب بڑی پیاری ہے۔ ان پانچ قرابتداریوں میں پہلے تین تو نسبی قرابت دار مذکور ہوئے پہلے باپ دادوں کا ذکر ہوا پھر اولاد کہ ان سے قدرتی طور پر انسان کو بہت محبت ہوتی ہے۔ خصوصا بیٹے سے آباء میں باپ اور بیٹوں کے مقابلہ میں کم آباء میں باپ دادے اور ابناء میں بیٹے پوتے داخل ہیں۔ اس کے بعد بھائیوں کا ذکر فرمایا کہ ان سے محبت ماں باپ اور بیٹوں کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے۔ بھائیوں میں سگے سوتیلے سارے بھائی داخل ہیں کہ یہ قوت بازو ہوتے ہیں۔ نسبی رشتہ داروں کے بعد نکاحی رشتہ داروں یعنی بیویوں کا ذکر فرمایا خیال رہے کہ لفظ ازواج زوج کی بھی جمع ہے اور زوجہ کی بھی۔ یہاں زوجہ کی جمع ہے کیونکہ خطاب مردوں سے ہے۔ عشیرہ سارے کنبہ والے جن سے انسان کا معاشرہ قائم ہے خواہ نسبی ہو یا سسرالی۔ یہ لفظ بنا ہے عشرہ سے بمعنی صحبت یعنی وہ رشتہ دار جن سے عموماً خلط ملط صحبت رہتی ہے۔ و اموال اقترفتموھا یہ معطوف ہے عشیرہ پر اس میں منقولی اور غیر منقولی ہر مال داخل ہے اس لئے اموال جمع ارشاد ہوا۔ اقتراف کے معنی ہیں کسی چیز کو اپنی جگہ سے ہٹانا اصطلاح میں کمانے کو اقتراف کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے دوسرے کا مال اس سے منتقل کر کے اپنے قبضہ میں لایا جاتا ہے کمائی کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اپنی محنت سے کمایا ہوا مال انسان کو زیادہ پیارا ہوتا ہے (روح المعانی و تفسیر نور العرفان) ایک قرأۃ میں عشیرات ہے مگر وہ قوی نہیں کیونکہ عشیرہ کی جمع عشائر آتی ہے نہ کہ عشیرات (کبیر) و تجارۃ تخشون کسادھا یہ عبارت معطوف ہے اموال پر تجارت سے مراد یا تو تجارتی مال ہے جو فروخت کرنے کے لئے خریدا گیا ہو یا تجارتی کاروبار و دکانداری کساد بمعنی نقصان گھاٹا معمولی ہو یا بڑا یعنی وہ تجارتی مال یا تجارتی کاروبار جس کے متعلق کو اندیشہ ہو کہ اگر ہمارے تعلقات کفار سے نہ رہے تو مال فروخت نہ ہوگا یا کاروبار میں خسارہ ہو جائے گا کیونکہ انہیں سے تو ہماری تجارت چل رہی ہے۔ و مسٰکن ترضونھا یہ عبارت معطوف ہے تجارۃ پر مساکین جمع ہے مسکن کی بمعنی جائے سکونت یعنی مکانات کوٹھیاں بلڈنگ جو تم نے بڑے شوق سے بنوائیں ان میں رہنا سہنا بہت مرغوب ہے ہجرت یا جہاد سے ان کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو۔ احب الیکم من اللہ و رسولہ یہ خبر ہے کان کی اب تک کی ساری مذکورہ چیزیں اس کا اسم تھیں احب تفصیل فرما کر یہ بتایا کہ اللہ رسول اور ان مذکورہ چیزوں سے محبت کرنا برا نہیں ہاں اللہ رسول اور جہاد وغیرہ کے مقابل زیادہ محبت کرنا برا ہے (معانی) اس مقابلہ میں بتایا گیا کہ اللہ رسول سے طبعی محبت زیادہ چاہئے نہ کہ محض عقلی محبت چونکہ جہاد میں اکثر ان پسندیدہ چیزوں کے چھوٹنے کا ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ نماز روزہ

وغیرہ اس لئے صرف جہاد کا ذکر ہوا نماز وغیرہ کا ذکر نہ فرمایا گیا۔ **و جهاد في سبيله فتربصوا حتى ياتي الله بامره** اس امر یعنی فرمان کے متعلق مفسرین کے بہت قول ہیں مگر قوی یہ ہے کہ اس سے مراد دنیاوی یا اخروی عذاب ہے یا کفار کے مقابل مسلمانوں کا مغلوب ہو جانا اپنی دنیاوی آرام طلبی کی وجہ سے یعنی پھر تم انتظار کرو اس وقت کا جب اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی تم تک پہنچے یعنی تمہاری مغلوبیت کفار کا غلبہ تمہاری شان و شوکت میں کمی آ جانا ان کے دلوں سے تمہارا خوف نکل جانا کیونکہ دنیا میں سپاہی قوم کو عزت سے جینے کا حق ہے اللہ تعالیٰ بزدل اور کمزور قوم کو پسند نہیں کرتا۔ شعر

تن بے جان سے بیزار ہے رب خدا زندہ ہے زندوں کا خدا ہے

والله لايهدى القوم الفسقين۔ یہ فرمان عالی گزشتہ حکم کی وجہ ہے یعنی ایسے لوگ فاسق اور حد کے توڑنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو دنیا میں عزت و آبرو سے رہنے سہنے کی راہ نہیں دکھاتا دنیا کی عزت دین پر قائم رہنے سے ملتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے ایمان والوں اگر تمہارے باپ یا دادے بھائی بھتیجے ایمان کے مقابل کفر سے محبت کریں کہ اسے اختیار کریں تو تم انہیں اپنا دوست اپنا ولی وارث کسی طرح نہ بناؤ۔ قول عمل ہر طرح ان سے بیگانہ ہو جاؤ۔ خیال رکھو کہ اسی حالت میں جو مسلمان انہیں دوست جانے مانے یا کہے وہ ظالم ہو گیا۔ اگر ان کے کفر سے محبت کرے تو خود کافر ہو گا کہ کفر سے محبت کفر ہے اور اگر ان سے دنیاوی محبت کرے تو سخت گنہگار و فاسق ہو گا۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ سارے مسلمانوں سے اعلانیہ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ دادے تمہارے بیٹے پوتے تمہارے بھائی بھتیجے تمہاری بیویاں بلکہ تمہارے سارے سسرالی نسبی رشتہ دار کنبے والے اور تمہارے خود اپنے کمائے ہوئے مال اور تمہارے تجارتی کاروباری جس کے متعلق تم کو اندیشہ ہو کہ اگر ہم کفار سے تعلق چھوڑ دیں تو اس میں خسارہ ہو جاوے گا اور تمہاری پسندیدہ کوٹھیاں بلڈنگیں جنہیں تم نے شوق سے رہنے سہنے کے لئے بنایا ہے یہ چیزیں تم کو اللہ رسول سے زیادہ پیارے جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ پسند ہوں کہ ان کی وجہ سے تم اللہ رسول کے فرمان نہ مانو جہاد سے جان چھڑاؤ تو پھر اللہ کے عذاب کا انتظار کرو اس وجہ سے تم بزدل ہو جاؤ گے اور کفار تم پر چڑھ جائیں گے جس سے نہ تمہاری عزت رہے گی نہ وقار کیونکہ ایسے دنیا طلب آرام طلب لوگ فاسق ہیں اللہ تعالیٰ فاسق کو راہ ہدایت دکھاتا ہی نہیں ان کو ہمیشہ الٹی ہی سوجھتی ہے وہ مال عہدہ کفار کی خوشامد کو ہی ترقی و عزت سمجھنے لگتے ہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: سب سے بڑھ کر اللہ رسول کا حق ہے کہ اس کے مقابل نہ ماں باپ کا حق ہے نہ کسی اور کا فائدہ **لا تتخذوا** (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: کافر مومن کا کبھی دوست نہیں ہو سکتا اگرچہ عزیز رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ یہ فائدہ لفظ اولیاء سے حاصل ہوا اس کا تجربہ برابر ہو رہا ہے جیسے تاریکی کو روشنی سے الفت نہیں۔ سانپ کو انسان سے محبت نہیں ایسے ہی کافر کو مومن سے محبت نہیں ہوتی اگر مومن ان سے محبت کرے تو سخت غلطی ہے۔

تیسرا فائدہ: کافر ماں باپ بھائی بھتیجوں سے محبت کرنا انہیں اپنا دوست سمجھنا غلط ہے مگر ان کے حقوق شرعیہ ضرور ادا کرنے ہوں گے یہ فائدہ بھی اولیاء فرمانے سے حاصل ہوا جیسے کافر قرض خواہ کا قرضہ اس کی امانت ضرور ادا کرنی ہوگی ایسے ہی کافر ماں باپ کے حقوق مادری پدری ضرور ادا کرنے ہوں گے۔ رب فرماتا ہے وبالوالدین احسانا وہاں والدین میں مومن کی قید نہیں اس کے متعلق احادیث شریف بہت ہیں فقہاء کرام نے اس کی بہت تفصیل فرمائی ہے علماء فرماتے ہیں کہ اگر بوڑھے یا بے دست و پا ماں باپ جو مشرک ہوں بت خانہ میں جانا چاہیں تو مسلمان بیٹا نہ پہنچائے کہ یہ کفر پر امداد دینا ہے لیکن اگر بت خانہ سے گھر واپس آنا چاہیں تو لے آئے کہ یہ ان کے ساتھ بھلائی ہے۔

چوتھا فائدہ: اگر کوئی کافر بے خبری سے کفر میں گرفتار ہے اس کے متعلق امید ہے کہ اگر نرمی سے اور محبت سے سمجھایا جاوے تو مومن بن جاوے گا اس سے اخلاق و محبت سے پیش آنا بالکل جائز ہے کہ کافر سے محبت نہیں بلکہ تبلیغ اسلام سے ہے یہ فائدہ ان استحبوا الکفر علی الایمان سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: کفار سے دینی دوستی و محبت کفر ہے اور قومی یا خاندانی محبت حرام بھی ہے خطرناک بھی۔ یہ فائدہ ومن یتولھم منکم (الخ) سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: عیسائی اور یہودی عورت سے مسلمان نکاح کر سکتا ہے اور بعد نکاح اس کے حقوق زوجیت بھی ادا کرے مگر نہ اس سے دلی محبت کرے اور نہ اسے اپنا رازدار بنائے جس سے وہ اسے نقصان پہنچا سکے اگر ان احتیاطوں پر قادر ہو تو نکاح کرے ورنہ ہرگز نہ کرے وہ پلید مسلمان جس کے اس نکاح سے کافر بن جانے کا خطرہ ہو اسے یہ نکاح کرنا حرام ہے اس کے لئے شامی وغیرہ کتب فقہ کا مطالعہ کرو۔

چھٹا فائدہ: جب خالق و مخلوق کے حقوق کا مقابلہ ہو جائے کہ مخلوق کا حق ادا کرنے سے خالق کا حق ادا نہ ہو سکے گا تو خالق کا حق مقدم ہے کہ رب کا حق ادا کرے مخلوق کا حق ادا نہ کرے۔ اگر آقا یا ماں باپ نماز کے وقت اپنی خدمت لینا چاہیں جس سے نماز جاتی رہے تو نماز پڑھے ان کی خدمت نہ کرے یہ فائدہ ان کان اباء کم (الخ) سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: دنیا کی چیزوں سے محبت کرنا حرام نہیں ہاں اللہ رسول کے مقابلہ محبت یا کفر حرام۔ یہ فائدہ احب اسم تفضیل فرمالینے سے حاصل ہوا یہ جائز محبتوں کے متعلق عرض کیا گیا ناجائز محبتیں بہر حال حرام ہیں جیسے اجنبی عورت سے محبت۔

آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اسی درجہ کی چاہئے جس قسم اور جس درجہ کی محبت اللہ تعالیٰ سے کرے یہ فائدہ من اللہ و رسولہ فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں واؤ ارشاد ہوا ف ارشاد نہ ہوئی یعنی فرسولہ نہ فرمایا گیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے حاصل ہوتی ہے جیسے رب کی اطاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نصیب ہوتی ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت طبعی چاہئے نہ کہ محض عقلی کیونکہ یہاں باپ دادے اولاد بیویاں

مال وغیرہ سے مقابلہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان چیزوں سے محبت طبعی ہوتی ہے نہ کہ محض عقلی طبیعت اور دل کا رجحان اللہ رسول کی طرف زیادہ چاہئے ان پر دل و جان نچھاور کرنا چاہئے۔ رب تعالیٰ نصیب کرے۔ شعر

ذرہ عشق نبی از حق طلب   سوز صدیق و علی از حق طلب

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے   دل مرتضٰی سوز صدیق دے

دسواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعظمت واطاعت والی چاہئے برابر والی نہ چاہئے یہ فائدہ من اللہ و رسولہ فرمانے سے حاصل ہوا حضور ﷺ سے محبت اللہ کی سی کرو۔

گیارہواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور ﷺ کی محبت ہونا شرک نہیں بلکہ ایمان کا رکن ہے۔ یہ فائدہ بھی ورسول فرمانے سے حاصل ہوا۔

بارہواں فائدہ: دل میں حضور ﷺ کی محبت نہ ہونا کفر ہے۔ جس پر عذاب آجانے کا اندیشہ ہے۔ یہ فائدہ فتربصوا (الخ) سے حاصل ہوا کہ اس پر عذاب سے ڈرایا گیا فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ میں اسے اس کی اولاد ماں باپ اور تمام انسانوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں یعنی نفس ایمان اس محبت پر موقوف ہے۔

پہلا اعتراض: یہاں پہلی آیت میں صرف دو رشتہ داروں کا ذکر ہوا ہے ابناء کم و اخوانکم تمہارے باپ دادے اور تمہارے بھائی مگر دوسری آیت کریمہ میں پانچ رشتہ داروں اور تین قسم کے مالوں کا ذکر ہوا اس فرق کی وجہ کیا ہے۔

جواب: دو وجھوں سے ایک یہ کہ پہلی آیت کریمہ میں ولایت کا ذکر ہے دوسری میں محبت کا۔ ولایت محبت سے خاص ہے۔ ولایت صرف باپ بھائی سے ہوسکتی ہے یعنی وہ محبت جس میں مدد مشورہ وقوت شامل ہو مگر صرف محبت سے ہوسکتی ہے دوسرے یہ کہ دوسری آیت کریمہ میں اللہ رسول کے مقابلہ میں محبت کا ذکر ہے۔ جو کسی سے بھی جائز نہیں خواہ رشتہ دار ہوں یا انسان یا کوئی اور مخلوق ان وجوہ سے وہاں بہت کا ذکر ہے۔

دوسرا اعتراض: پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر تمہارے باپ بھائی کفر کو ایمان پر پسند کریں تو انہیں ولی نہ بناؤ تو کیا اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں ولی دوست بنالینا جائز ہے۔ کفار سے محبت تو بہر حال حرام ہے۔

جواب: اگر ان کے دل میں کفر کی محبت مضبوط نہیں ہے صرف دھوکے میں ہیں اگر انہیں محبت واخلاق سے تبلیغ کی جاوے تو مسلمان ہو جاویں تو ان سے ضرور محبت کرکے انہیں مسلمان کیا جائے حتیٰ کہ شروع اسلام میں انہیں زکوٰۃ دینا بھی جائز تھی۔ یعنی مولف القلوب۔

تیسرا اعتراض: اگر کفار سے محبت نہیں تو کافرہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیوں جائز ہے جب ان سے نکاح ہوگا تو لامحالہ محبت بھی ہوگی۔

جواب: ایسا کمزور دل آدمی جو ادائے حقوق اور محبت میں فرق نہ کرسکے بیوی سے محبت میں گرفتار ہو جاوے اسے عیسائی یا یہودن سے نکاح کرنا ہرگز جائز نہیں کہ اس میں اس کے ایمان کا خطرہ ہے یہ نکاح اسی قوی الایمان کو درست ہے جو اس بیوی

کے صرف حقوق ادا کرے اور اسے تدبیر سے مسلمان بنانے کی کوشش کرے اس کی محبت میں پھنس نہ جائے اسے اپنا خاص مشیر رازدار نہ بنائے اس سے ملک تباہ ہو چکے ہیں محبت اور ادائے حقوق میں بڑا فرق ہے اسی لئے مسلمان عورت کا نکاح یہودی عیسائی مرد سے جائز نہیں کہ بیوی اس پر قادر نہ ہو سکے گی۔

چوتھا اعتراض: اگر حضور ﷺ کی محبت سارے عزیزوں اور مال وغیرہ سے زیادہ ہونا ایمان کے لئے ضروری ہے تو آج کوئی بھی مسلمان نہیں بڑے بڑے لوگ بال بچوں کی محبت میں پھنس کر حضور انور ﷺ کی بہت سی نافرمانیاں کر لیتے ہیں ایک طرف بیوی بچوں کی ضد ہوتی ہے دوسری طرف حضور ﷺ کا فرمان وہ بچوں کی ضد پوری کرنے کو چوری، رشوت سود وغیرہ لیتے ہیں۔

جواب: تم نے مقابلہ غلط کیا۔ محبتوں کا مقابلہ کفر و ایمان کے موقع پر ہوتا ہے۔ ہم نے جاہل ماں باپ کو دیکھا ہے کہ اگر ان کا اکلوتا بیٹا کافر ہو جائے تو اس پر تھوک دیتے ہیں۔ اس کی شکل نہیں دیکھتے۔ ابھی پاکستان و ہندوستان کی جنگ جب ۱۹۶۵ء میں ہوئی تو جاہل بے علم ماؤں کے اکلوتے لعل شہید ہوئے ان کی لاش ماں کے پاس آئی تو انہوں نے بجائے ماتم کرنے کے اس پر خوشی کی کہ میرا بچہ اللہ رسول کی راہ میں قربان ہوا گجرات کی ایک ماں یہ کہتی سنی گئی کہ میں نے اپنے سوہنے بیٹے کو اپنے سوہنے نبی کے نام پر ان کے دین پر قربان کیا تاکہ قیامت میں میرا حشر حضرت فاطمہ زہرا کی لونڈیوں باندیوں میں ہو۔ یہ غلبہ محبت رسول رہے گناہ وہ کبھی غفلت سے بھی ہو جاتے ہیں کبھی بیمار بد پرہیزی کر کے زیادہ بیمار ہو جاتا ہے حالانکہ اسے جان عزیز ہے بعض صحابہ کو رجم کیا مگر فرمایا گیا انہ یحب اللہ و رسولہ یہ اللہ رسول کا پیارا ہے۔ اے اللہ ہم کو اپنا خوف رسول کی محبت نصیب کر۔

تفسیر صوفیانہ: یہ آیات کریمہ اللہ رسول کی محبتوں کی اصل ہیں۔ انسان کے پاس چند چیزیں ہیں جسم نفس دل ارواح نسبی رشتہ داروں سے محبت جسمانی رشتہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ان کا ذکر اٰباء کم و ابناء کم میں ہوا۔ بیوی سے محبت نفسانی رشتہ ہے اس سے خونی رشتہ یعنی نسب نہیں۔ یونہی مال کوٹھیاں باغ وغیرہ سے محبت نفسانی تعلق ہے ان چیزوں میں تمام دنیاوی تعلقات رشتے داخل ہیں مگر اللہ رسول سے محبت روحانی رشتہ کی بنا پر ہے چونکہ روح ان دونوں سے قوی ہے تو چاہئے کہ روحانی محبت بھی ان تمام سے زیادہ ہو۔ یہ ہی مدار ایمان ہے۔ اگر کسی کا نفس و جسم اس کے دل و روح پر غالب ہے اور اسے جسمانی نفسانی رشتہ و تعلق والے اللہ رسول سے زیادہ پیارے ہیں تو وہ کافر مطلق ہے۔ اس میں ایمانی شائبہ بھی نہیں۔ اب پڑھو وہ فرمان عالی لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ والدہٖ و والدہ و الناس اجمعین بعض لوگ کہتے ہیں کہ محبت کی پرکھ اطاعت سے ہے۔ وہ یہ شعر پڑھتے ہیں۔

یعص الرسول و انت تظھر حبہ	ھذا العمری فی العقال بدیع
لو کان حبک صادقا لا طعتہ	ان لمحب لمن یحب مطیع

اگر تم اللہ رسول کے سچے محبت والے ہوتے تو ان کی اطاعت کرتے دوست دوست کا مطیع ہوتا۔ یہ قاعدہ درست نہیں منافقین حضور علیہ السلام کی اطاعت کرتے تھے مگر محب نہ تھے بعض لوگ کبھی گناہ کر لیتے تھے مگر محب تھے حضور انور حضرت ماعز کو رجم کرایا بعض شرابِ پینے والوں کو کوڑے لگوائے بعض کے ہاتھ کاٹے مگر ان پر لعنت نہ کرنے دی بلکہ فرمایا کہ اللہ رسول کے پیارے ہیں محبت کی اہل محبت کے نزدیک چند علامات ہیں (۱) محبوب کا زیادہ چرچہ من احب شیاً اکثر ذکرہ (۲) محبوب کی عیب جوئی برداشت نہ کرنا (۳) محبوب کی خوبیاں تلاش کرنا، ان کا چرچہ کرنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ان تقوموا اللہ مثنی و فرادی ثم تتفکروا مابصاحبھم من جنہ یعنی اے لوگو تم پر جو میرا حق ربوبیت ہے اس خاطر ایک ایک دو دو جمع ہو کر غور کرو کہ تمہارے دل و جان کے ایمان کے ساتھی محمد مصطفیٰ نہیں جنون نہیں۔ پتہ لگا کہ حضور علیہ السلام کے اوصاف میں غور کرنا حق ربوبیت ادا کرنا ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے روح ہمارے دلوں کی نسبت بھی ہے نسب بھی نسبت تو یہ کہ ہم مومن ہیں حضور علیہ السلام ایمان ہم بھکاری ہیں حضور داتا۔ نسب یہ کہ حضور علیہ السلام اصل ہیں ہم سب فرع۔ انا نور من نور اللہ و کل الخلق من نوری شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ شعر

تو اصل وجود آمدی از نخست دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

اور محبت یا نسبت سے ہوتی یا نسب سے جب حضور علیہ السلام سے دونوں تعلق ہیں تو ان سے محبت بھی سب سے زیادہ چاہئے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ

البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ نے بہت موقعوں میں اور دن

بے شک اللہ نے بہت جگہ تمہاری مدد کی اور حنین کے دن

اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْــٴًـا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ

حنین کے جبکہ پسند آئی تم کو زیادتی تمہاری پس نہ دفع کیا اس نے تم سے کچھ بھی اور تنگ

جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہو کر

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۟ۚ (۲۵)

ہوگئی اوپر تمہارے زمین باوجود اسکے کہ فراخ تھی پھر لوٹے تم پیٹھ دے کر پھر گئے

کہ تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر گئے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو دین کی خاطر کفار ماں باپ قرابت داروں سے تعلق چھوڑنے کا حکم دیا گیا جو

فطری طور پر نفس پر گراں تھا۔ اب انہیں اسلامی غزوات خصوصاً غزوۂ حنین کا واقعہ یاد دلایا جا رہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کامیابی زیادہ تعداد اور زیادہ مال سے نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے لہٰذا تم ان کفار سے مل کر اپنی تعداد بڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم مانگو۔ خلاصہ یہ ایک گراں حکم پچھلی آیت میں دیا گیا اب تسلی اس آیت کریمہ میں دی جارہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اللہ رسول کے مقابلہ میں تجارت اور مکانات کوٹھیوں بلڈنگوں کی محبت سے منع فرمایا گیا اب واقعہ حنین کا ذکر ہے جس میں مسلمانوں کو پہلے ظاہری شکست اور فوراً بعد شاندار فتح ہوئی جس سے پتہ چلا کہ دنیا کی زیادہ محبت ذریعہ ہے ضعف اور کمزوری کا اور دین سے محبت ذریعہ ہے قوت و فتح مندی کا جو دین حاصل کرنا چاہے گا اس کو دنیا خود بخود حاصل ہوگی۔ تم اللہ رسول کی خوشنودی حاصل کرو دنیا تمہارے قدموں میں ہوگی۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں حکم دیا گیا تھا کہ اگر تمہارے باپ دادے بھائی بھتیجے ایمان پر کفر کو اختیار کریں تو تم ان سے رشتہ توڑ لو۔ اب اس کی جیتی جاگتی تصویر و تفسیر دکھائی اور بتائی جارہی ہے یعنی غزوہ حنین کا واقعہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دودھ کی ماں حلیمہ سعدیہ ہوازنیہ کی قوم ہوازن سے اللہ کے لئے جنگ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ آخر کار مسلمان ہو گئے لہٰذا استقامت تمہارے کافر قرابت داروں کو اسلام کی طرف کھینچ لے گی۔

نزول واقعہ غزوہ حنین: ان آیات کا نزول غزوہ حنین کے متعلق ہے جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳یا ۱۷ رمضان ۸ ہجری میں مکہ معظمہ فتح کیا۔ دس ہزار صحابہ کے لشکر جرار کے ساتھ مکہ معظمہ سے تین دن کی راہ پر طائف کے قریب ایک مقام ہے حنین جہاں کی حضرت حلیمہ تھیں۔ وہاں کے دو قبیلے سخت سرکش تھے ہوازن اور ثقیف ان قبیلوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و شوکت بہت بڑھتی جارہی ہے۔ اگر یہ ہی حال رہا تو وہ ہم پر بھی غالب آجائیں گے اس لئے ہم دونوں قبیلے متفق ہو کر ان پر حملہ کردیں انہیں پتہ چل جاوے گا کہ ہم کیسے بہادر ہیں۔ غرضکہ وہ دونوں قبیلے مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کرنے لگے۔ حضور انور ﷺ نے یہ حالات معلوم کر کے ان پر حملہ کی تیاری کی۔ دس ہزار فاتحان مکہ اور دو ہزار فتح مکہ میں ایمان لانے والے کل بارہ ہزار غازیوں کی جماعت لے کر شروع شوال ۸ ہجری شنبہ کے دن مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے اور دس شوال آٹھ ہجری منگل کے دن مقام حنین میں پہنچے۔ مقابلہ میں ہوازن اور بنی ثقیف دونوں قبیلے آئے۔ ہوازن کا سردار مالک ابن عوف تھا ثقیف کا سردار کنانہ ابن عبد تھا ان دونوں قبیلوں کی تعداد چار ہزار تھی۔ بعض مسلمانوں نے جو غالباً سلمہ ابن سلامہ ابن رقیس انصاری تھے کہا کہ آج ہم کفار سے تین گنا ہیں ہرگز مغلوب نہ ہوں گے۔ یہ قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہوا کہ ان کی نظر اپنی کثرت پر گئی اللہ کی مدد پر نہ گئی (مدارج النبوۃ، خازن، کبیر، معانی وغیرہ) آخر کار گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ہوازن اور ثقیف بھاگ نکلے مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا ان کے ساتھ مال بہت زیادہ تھا مسلمان مال غنیمت جمع کرنے انہیں قید کرنے میں مشغول ہوئے کہ دونوں قبیلوں نے پلٹ کر بہت زور سے حملہ کیا۔ یہ لوگ تیر اندازی نشانہ بازی میں بہت ماہر تھے۔ ان کے تیروں کی بارش سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور ان میں

بھاگڑ مچ گئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام پر ڈٹے رہے بلکہ آگے بڑھتے رہے۔ حضور ﷺ کے ساتھ حسب ذیل حضرات تھے۔ عباس بن عبدالمطلب، ابوسفیان ابن حارث ابن عبدالمطلب، جعفر ابن ابوسفیان ابن حارث، علی ابن ابی طالب، ربیعہ ابن حارث، فضل ابن عباس، اسامہ بن زید، ایمن ابن عبید جو حضور کی حفاظت میں شہید ہو گئے۔ ابوبکر صدیق، عمر ابن خطاب یہ دس حضرات ساتھ رہے۔ حضرت عباس نے اس کے متعلق اشعار کہے ہیں۔ (روح المعانی)

نصرنا رسول اللہ فی الحرب تسعة ۔۔۔ وقد قدمن قد منهم و اقشعوا

وعاشرنا لا فی الحمام بنفسه ۔۔۔ بما مسه فی اللہ لا ينوجع

ان کے علاوہ ایک سو حضرات اور تھے جو جمے رہے مگر وہ حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ تھے اپنے اپنے مرکزوں میں تھے۔ (صاوی) کفار نے حضور انور ﷺ پر یکبارگی حملہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے خچر سے تلوار سونت کر اترے انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب حضور انور ﷺ کی یہ شجاعت بے مثال دیکھ کر کفار کائی کی طرح پھٹ گئے۔ اس وقت حضرت عباس حضور ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے تھے اور ابوسفیان ابن حارث رکاب شریف۔ حکم دیا کہ عباس ان مسلمانوں کو پکارو کہ میں یہاں ہوں تم کہاں جارہے ہو۔ حضرت عباس کی آواز آٹھ میل تک سنی جاتی تھی (صاوی) حضرت عباس نے پکارا اے سورۂ بقر والوں اے مدینہ والو رسول اللہ یہاں ہیں ادھر آؤ۔ سب لبیک لبیک کہتے ہوئے لوٹ پڑے اور حضور انور ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ایک مٹھی کنکر کفار کی طرف پھینکے جو ان کی آنکھوں میں ایک ایک پڑا اور فرمایا۔ یہ لڑائی گرم ہونے کا وقت ہے۔ پھر جو مسلمانوں نے حملہ کیا تو رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کے صدقہ مسلمانوں کو شاندار فتح عطا فرمائی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو بہت مال غنیمت ہاتھ لگا۔ چھ ہزار قیدی جن میں عورتیں بچے بہت تھے۔ چوبیس ہزار اونٹ۔ بکریوں کا تو شمار ہی نہیں۔ ان قیدیوں میں رسول اللہ کی دودھ کی بہن یعنی حلیمہ کی بیٹی بھی تھیں۔ حضور ﷺ نے ان کا بہت احترام فرمایا انہیں بہت مال دے کر آزاد فرما دیا۔ یہ اپنی قوم میں پہنچیں اور حضور انور ﷺ کے رحم و کرم کا ذکر کیا وہ سب ہی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ حضور انور ﷺ نے ان کے قیدی واپس فرما دیئے (صاوی وغیرہ) پھر حضور انور ﷺ یہاں سے ہی طائف تشریف لے گئے پھر مقام جعرانہ میں حضور انور ﷺ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ یہاں سے ہی حضور ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ کیا۔ اس موقع پر حضور انور ﷺ نے ابوسفیان بن حرب، صفوان ابن امیہ، عیینہ ابن حصین، اقرع ابن حابس کو سو سو اونٹ عطا فرمائے (خازن) شعر

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا ۔۔۔ ان کے دست سخاوت پہ لاکھوں سلام

خیال رہے کہ اس غزوہ میں فرشتوں کا شریک ہونا ثابت ہے مگر ان کا مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کرنا ثابت نہیں۔ انہوں نے یہ عمل صرف غزوہ بدر میں کیا حضور انور ﷺ نے حنین سے فارغ ہو کر غزوہ طائف فرمایا۔ اس کا محاصرہ کیا حتی کہ اسے فتح فرماتے ذی قعد کا مہینہ آ گیا۔ غزوۂ طائف میں مسلمانوں کے امیر ابو عامر شہید ہوئے۔ ذی قعد میں جعرانہ سے عمرہ فرمایا پھر غزوہ اوطاس فرمایا۔ اس موقع پر انصار کا وہ واقعہ پیش آیا کہ حضور انور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ لوگ اپنے

گھر مال غنیمت لے کر جائیں تم محمد رسول اللہ کو لے کر جاؤ (دیکھو مسلم بخاری وغیرہ خازن) اس واقعہ کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔

میں نے آج یکم رمضان ۱۳۹۰ھ مطابق دوم نومبر ۱۹۷۰ء دوشنبہ کے دن یہ واقعہ لکھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ سے فاتح و بدر وحنین کے صدقے ہمارے پاکستان کو قوت دے یہاں امن و امان دے اور یہاں حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم فرمائے۔ آمین۔

تفسیر: لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ان واقعات کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے انہیں لام اور قد کی تاکید سے شروع فرمایا۔ نصرت سے مراد ہے غیبی امداد خواہ بذریعہ فرشتوں کے ہو یا کفار کے دلوں میں رعب ڈال کر اور مسلمانوں کو ہمت جرأت عطا فرما کر۔ اس میں خطاب حضرات صحابہ کرام مجاہدین سے ہے۔ مواطن جمع ہے موطن کی بمعنی جاء قیام۔ یہاں مراد ہے غزوات کے موقع۔ اس وقت تک اتنے چھوٹے بڑے غزوات وسرایہ ہو چکے تھے جن میں بدر، قریظہ، بنی نضیر، حدیبیہ فتح مکہ وغیرہ مشہور (روح المعانی) مواطن خود جمع منتہی الجموع کثیرہ فرما کر ان کی زیادتی کی اور تاکید فرما دی یعنی اے صحابیو! اللہ تعالیٰ نے بہت سے غزوات کے موقعوں پر تمہاری مختلف صورتوں سے مدد فرمائی ویوم حنین یہ عبارت یا تو اذکروا پوشیدہ فعل کا مفعول ہے یعنی غزوہ حنین کا دن یاد کرو۔ تب تو کوئی اشکال نہیں۔ تفسیر جلالین اور صاوی نے اسی کو اختیار کیا۔ باقی وطن پر معطوف ہے اور نصرکم کا ظرف اگرچہ مواطن ظرف مکان ہے اور یوم حنین ظرف زمان قوی یہ ہے کہ یہ عطف جائز ہے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ مواطن ظرف زمان بھی ہو سکتا ہے جیسے کہا جاتا ہے مقتل حسین یعنی حضرت حسین کی شہادت کا زمانہ تو بے تکلف عطف جائز ہے۔ اس غزوہ میں فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمائی گئی جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے۔ اذا عجبتکم کثرتکم یہ عبارت یوم حنین کا بدل ہے اور اس کا تعلق صرف یوم حنین سے ہے نہ کہ مواطن کثیرۃ سے کیونکہ حضرات صحابہ کو اپنی زیادتی و کثرت تعداد پر ناز صرف حنین کے دن ہی ہوا تھا۔ اعجاب بنا ہے عجب سے بمعنی پسند آنا۔ یہاں اترانے ناز کرنے کا پسند آنا مراد ہے نہ کہ شکریہ کا۔ فلم تغن عنکم شیئا اس فرمان عالی میں ف ہے تو عاطفہ مگر اترانے کا نتیجہ بیان فرمانے کے لئے تغن بنا ہے اغناء سے بمعنی بے نیاز کرنا مگر جب اس کے بعد مفعول آ جاوے تو بمعنی دفع کرنا ہوتا ہے وہ معنی یہاں ہیں کیونکہ آگے اس کا مفعول شیئا آ رہا ہے۔ خیال رہے کہ اعجبتکم میں بھی کم ضمیر جمع تھی اور یہاں عنکم میں بھی کم ضمیر جمع ہے مگر وہاں ایک دو آدمیوں کا فعل سب کی طرف نسبت کیا گیا کیونکہ اپنی زیادتی پر ناز عام صحابہ نے نہ کیا تھا۔ صرف ایک دو نے کہا تھا۔ یہاں عنکم میں سب سے ہی خطاب ہے یعنی اے جماعت صحابہ جب تم میں سے بعض کو اپنی کثرت پر ناز ہوا تو تمہاری جماعت تمہاری کثرت نے جنگ کی کسی آفت کو تم سے دفع نہ کیا۔ اگر تم ناز نہ کرتے تو یہ ہی جماعت بلکہ بہت چھوٹی جماعت سب کچھ کر لیتی۔ دیکھو بدر میں کیا ہوا۔ و ضاقت علیکم الارض بما رحبت یہ فرمان عالی معطوف ہے لم تغن (الخ) پر اور دوسرے نتیجہ کا ذکر ہے۔ الارض سے مراد زمین حنین ہے مارحبت میں ما مصدریہ ہے ب بمعنی باوجود ہے رحب بمعنی وسعت و فراخی یعنی تم میں بھاگڑ پڑی تو حنین کی زمین باوجود بہت فراخ ہونے کے تم پر تنگ ہوگئی کہ تم کسی جگہ اطمینان

سے نہ بیٹھ سکے۔ جیسے تنگ جگہ سے انسان بھاگتا ہے تم ایسے بھاگنے لگے۔ خیال رہے کہ اس فرمانِ عالی میں خطاب ان ہی حضرات سے ہے جن کے قدم اکھڑ گئے تھے۔ اس خطاب میں حضور انور سید الاجمعین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعض مخصوص جانثار صحابہ جن کی تعداد ایک سو سے زیادہ تھی جو وہاں جمے رہے وہ اس خطاب میں داخل نہیں کہ وہ تو اطمینان سے اپنی جگہ رہے۔ ثم ولیتم مدبرین۔ یہ عبارت ضاقت علیکم (الخ) کا بیان ہے ثم صرف ترتیب بیانی کے لئے ہے ولیتم بنا ہے تولیہ سے بمعنی پھرنا۔ مدبرین بنا ہے ادبار سے بمعنی دبر یعنی پیٹھ دکھانا یہ ولیتم کے فاعل سے حال ہے یعنی پھر یہ بھی سن لو کہ تم کفار کی طرف پیٹھ کرتے ہوئے لوٹے کہ اسی میدان میں دوڑتے پھرے۔ یہ انجام ہوا اترانے کا رب کے کرم کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! یہ خیال نہ کرنا کہ کفار سے الگ ہو جانے کی صورت میں ہم تھوڑے اور بے مددگار رہ جائیں گے۔ زیادہ جماعت بڑے کام کی چیز ہے اس گمان میں نہ رہو۔ تم اپنی تاریخ کو دیکھو کہ رب تعالیٰ نے بہت سی جنگوں کے موقعوں پر تمہاری غیبی مدد فرمائی اور تم تھوڑے ہونے کے باوجود کفار کی بڑی جماعت پر غالب آئے دیکھو جنگ بدر، غزوہ بنی نضیر و بنی قریظہ، حدیبیہ، خیبر، تبوک، فتح مکہ وغیرہ اتنی جنگیں ہیں جن میں تم معجزہ کے طور پر غالب آتے رہے۔ زیادہ جماعت کا حال دیکھنا ہے تو غزوہ حنین کو یاد کرو کہ اس جنگ میں تم بارہ ہزار تھے تمہارے مقابل ہوازن ثقیف صرف چار ہزار۔ تم میں سے بعض لوگوں کو اپنی کثرت پر ناز ہو گیا وہ اتراتے ہوئے بولے کہ آج ہم کفار سے تھکنے ہیں ضرور غالب آئیں گے اس ناز کا انجام یہ ہوا کہ تمہاری زیادتی کچھ کام نہ آئی۔ تمہارے قدم اکھڑ گئے اور تم پر میدانِ حنین باوجود وسیع ہونے کے ایسا تنگ ہو گیا کہ تم کو کہیں قرار نہ پڑا۔ تم یوں ہی ادھر ادھر بھٹکنے لگے کفار سے پیٹھ پھیر کر دوڑ پڑے۔

لطیفہ: سلطان متوکل علی اللہ ایک بار بیمار پڑا اس نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دے تو مال کثیر خیرات کروں گا۔ اسے رب نے شفا دی۔ اس نے علماء سے پوچھا کہ مال کثیر کتنا ہوتا ہے۔ میں کتنا خیرات کروں۔ علماء کا اس پر اختلاف رہا۔ اس نے حضرت علی ابن محمد ابن علی ابن موسیٰ کاظم سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا اسی دینار خیرات کرے کہ یہ مثال کثیر ہے۔ آپ نے اس آیت سے دلیل لی۔ فی مواطن کثیرۃ کہ رب نے اسی غزوات کو کثیر فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اسی عدد کثیر ہے جب گنے گئے تو حنین سے پہلے اسی غزوات ہوئے تھی۔ (روح المعانی) تفسیر کبیر نے حنین سے پہلے اسی غزوات گنے ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: غزوہ حنین تمام غزوات میں عجب شان والا ہے۔ اس غزوہ میں قدرت نے تین شانیں دکھائیں۔ اولاً مسلمانوں کی فتح پھر ظاہری شکست پھر کچھ دیر بعد شاندار فتح۔ تین رنگ صرف اسی غزوہ میں ہوئے۔ یہ فائدہ اشارۃً یوم حنین سے ہوا۔

دوسرا فائدہ: حضرات صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے نہایت مقبول بندے ہیں کہ ان کی معمولی خطا پر فوراً تنبیہ کر دی جاتی ہے۔ یہ خاص محبوبیت کی علامت ہے۔ دیکھو حنین میں بعض حضرات نے صرف یہ کہا کہ آج ہم کثرت جماعت کی وجہ سے فتح پائیں

گے۔ فوراً انہیں تنبیہ کر دی گئی کہ اولاً شکست دکھادی۔ دیکھو یعقوب علیہ السلام نے جب یوسف علیہ السلام کو اپنے بیٹوں کے ساتھ بھیجا تو اللہ کی امان کا ذکر کرنا بھول گئے تو سال ہا سال کی جدائی ہوگئی۔ یہ ہوئی تنبیہ پھر جب بنیامین کو اپنے بیٹوں کے ہمراہ مصر بھیجا تو فرمایا فاللہ خیر حافظاً۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام بھی مل گئے۔ ہم جیسے گنہگار سینکڑوں گناہ کریں ادھر کچھ پرواہ نہ کریں کہ ہم میں وہ محبوبیت کہاں یہ فائدہ اذا عجبتکم کثرتکم سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: مسلمان کو چاہیے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔ اسباب جمع کرے مگر خالق اسباب پر نظر رکھے۔ اس کا نتیجہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ یہ فائدہ اس پورے واقعہ غزوہ حنین سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: جنگ حنین میں جن صحابہ کے قدم اکھڑ گئے وہ سب متقی ہیں اس گھبراہٹ سے وہ ایمان سے نہ نکلے نہ تقویٰ سے یہ فائدہ نصرکم اور اعجبتکم خطاب کے الفاظ سے حاصل ہوا کہ انہیں رب تعالیٰ نے مومن کر کے خطاب فرمایا پھر انہیں سے یہ معرکہ فتح کرایا جیسا کہ اگلی آیت سے ظاہر ہوگا۔

پانچواں فائدہ: کبھی بعض حضرات کی خطا تمام جماعت کی طرف منسوب ہو جاتی ہے اور اس کا اثر سب پر پڑ جاتا ہے۔ یہ فائدہ واعجبتکم (الخ) سے حاصل ہوا کہ حنین میں بعض لوگوں سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ اپنی کثرت پر ناز کر بیٹھے مگر خطاب سب سے ہوا اعجبتکم اور اس کا نتیجہ سب کو دیکھنا پڑا۔ اس کا خیال رہے۔

چھٹا فائدہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاں اور تمام خوبیوں سے موصوف ہیں آپ ﷺ بڑے شجاع بڑے بہادر بھی ہیں یہ فائدہ ولیتم مدبرین سے حاصل ہوا کہ اس میں خطاب صرف صحابہ سے ہے اس میں حضور انور ﷺ اور آپ ﷺ کے مخصوص ساتھی داخل نہیں ہیں۔ شعر

تھا ایسا رن قضا و آسماں بھی تھرتھراتی تھی　　　محمد تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی

دیکھو ایسے نازک موقع پر حضور ﷺ کے قدم نہ اکھڑے۔ سب کے مقابل اکیلے ہی خچر سے اتر پڑے۔ ہمارا نبی بہادروں کا بادشاہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ساتواں فائدہ: ماں کے عزیزوں قرابت داروں سے سلوک بڑی اچھی چیز ہے۔ دیکھو حضور انور ﷺ نے ہوازن کو قیدیوں کو اس لئے آزاد فرمادیا کہ وہ جناب حلیمہ کے ہم قوم تھے حالانکہ حضرت حلیمہ صرف دودھ کی والدہ تھیں اور ابھی ہوازن سے سخت جنگ ہو چکی تھی جیسا کہ نزول میں عرض کیا گیا۔ پھر سگی ماں کے مومن قرابت داروں کا کیا پوچھنا۔ ان کے ساتھ سلوک ماں، باپ کی خوشنودی کا سبب ہے۔

مسئلہ: جب اپنے قرابت داروں ماں باپ کے حق کا یہ حال ہے تو حضور انور ﷺ کے ماں باپ حضور انور ﷺ کے قرابت داروں کے حق کا کیا پوچھنا۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ غزوۂ حنین میں کفار چار ہزار تھے مومن بارہ ہزار پھر کہا کہ ان میں سے چھ ہزار قیدی ہوئے یہ کیسے اگر وہ سارے قید ہو گئے ہوتے تب بھی دو ہزار زیادہ کیسے۔

جواب: جنگی جوان چار ہزار تھے مگر قید ہونے والے ان کے بچے عورتیں بوڑھے سب ہی تھے۔

دوسرا اعتراض: تم نے کہا کہ غزوۂ حنین سے پہلے اسی غزوات ہو چکے تھے مگر بخاری شریف میں ہے کہ حضور انور ﷺ نے کل انیس غزوات کیے پھر یہ تمہارا قول کیونکر درست ہوا۔

جواب: مشہور غزوات تو واقعی انیس ہوئے مگر کل غزوات سرایا جھڑپیں وغیرہ سب ملائی جائیں تو واقعی اسی ہیں۔ جیسے بیر معونہ، عرینہ والے اور حضرت خبیب کے قتل کا واقعہ وغیرہ۔ لہٰذا دونوں قول درست ہیں۔

تیسرا اعتراض: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے تمام قیدی کیوں چھوڑ دیئے ان میں کیا خصوصیت تھی۔

جواب: اس لئے کہ ہوازن جناب حلیمہ کے ہم قوم اور ہم وطن تھے ان کی نسبت یہ رعایت کی گئی۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کا توکل اللہ پر نہ تھا اپنی جماعت و کثرت پر توکل تھا۔ یہ بات مومن کی شان کے خلاف ہے۔

جواب: مقبولوں کی واردات لوگوں کے لئے ہدایت ہوتی ہیں۔ اس واقعہ میں قیامت تک کے مسلمانوں کو توکل کی تعلیم ہے۔ ان کے یہ واردات بھی تبلیغ ہیں۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پوری جماعت مل کر بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دفع بلا نہیں کر سکتے دیکھو فرمایا گیا فلم تغن عنکم شیا پھر تم کیسے کہتے ہو کہ اولیاء صحابہ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دافع بلا ہیں۔ غزوہ حنین میں نبی اور صحابہ سب ہی موجود ہیں مگر اولاً ہزیمت ہو گئی۔ (وہابی)

جواب: ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مقبول بندے اللہ کے حکم اس کے ارادے سے دافع البلاء تو کیا دافع جملہ بلا ہیں۔ اس کے بغیر حکم اس کا مقابلہ کر کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ شعر

شافع روز جزا تم پہ کروڑوں درود
دافع جملہ بلا تم پہ کروڑوں درود

یہاں یہ بتایا گیا کہ تم نے اپنی نظر ہم سے ہٹا کر زیادتی تعداد پر لگائی تو ہم نے تمہاری فتح نہ چاہی تو تم مشکل میں پڑ گئے۔ پھر جب ہم نے چاہا تو وہی جماعت فاتح حنین بن گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کے متعلق فرماتے ہیں بھم یرزقون و لھم یمطرون لوگوں کو ان کی برکت سے بارشیں اور روزیاں ملتی ہیں۔ رب تعالیٰ ضعفاء مومنین کے متعلق فرماتا ہے جو مکہ معظمہ میں رہ گئے تھے لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا اگر یہ لوگ مکہ سے نکل جاتے تو ہم مکہ والوں کو عذاب دے دیتے اور فرماتا ہے و ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے گا حالانکہ ان میں آپ ﷺ ہیں یہ ہے دفع بلا۔

چھٹا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد سے بھاگنے کو گناہ کبیرہ فرمایا و التولی یوم الزحف حضرات صحابہ غزوۂ حنین سے بھاگ گئے انہوں نے گناہ کبیرہ کیا۔ یہ ہے فسق معلوم ہوا کہ صحابہ فاسق تھے۔

جواب: جی ہاں گناہ ہوا مگر اس کی معافی کا اعلان بھی ہو گیا اور انہوں نے اس جنگ میں فتح حاصل کر کے کفارہ ادا کر دیا۔ معافی کے بعد اس گناہ کا طعنہ دینا گناہ ہے۔ ہم حضرات صحابہ کو معصوم نہیں مانتے۔ عادل مانتے ہیں۔ عادل وہ جو گناہ پر قائم نہ رہے معصوم صرف حضرات انبیاء کرام یا فرشتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے فوج کی کثرت بغیر اللہ کی مدد کے ملک فتح نہیں کر سکتی اس کثرت پر توکل نہ چاہئے یوں ہی صرف کثرت اعمال طاعات عبادات بغیر رضاء الٰہی فتح باب جنت نہیں کر سکتے۔ اعمال اس کا سبب ہیں نہ کہ علت۔ لہٰذا عابدین زاہدین کو چاہئے کہ اپنے اعمال پر نازاں نہ ہوں بلکہ ہمیشہ اس کے دروازہ پر عجز و نیاز کے ساتھ حاضر رہیں۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔ شعر

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافری است　　　راہ رو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

اپنے عقل و اعمال پر توکل طریقت میں کفر ہے۔ توکل رب پر چاہئے یہ واقعہ حنین بہت سی باتوں کا سبق دے رہا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ ایک ہی بات ایک زبان کے لئے رحمت ہوتی ہے دوسری کے لئے زحمت یعنی تکلیف۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا رب ارنی انظر الیک خدایا مجھے اپنا جمال دکھا میں دیکھوں وہ محبوب رہے بنی اسرائیل نے کہا ارنا اللہ جھرۃ ہم کو اللہ تعالیٰ کا جمال دکھا دو وہ مصیبت میں پڑ گئے۔ دیکھو حضور انور ﷺ نے بھی فرمایا کہ بارہ ہزار کا لشکر کمی کے باعث مغلوب نہ ہوگا۔ وہ فرمان برحق ہے۔ یہ ہی حنین کے سپاہیوں نے کہا کہ ہم بارہ ہزار ہیں مغلوب نہ ہوں گے وہ تکلیف میں پڑ گئے کیونکہ یہاں دل کا ناز اترانا شامل تھا۔ حضور ﷺ کی انا فتانی اللہ بھی لہٰذا احکام میں فرق ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

آب دریا مردہ را بر سر نہد　　　چوں رود زندہ ز دریا کے رہد

مردہ کو دریا نہیں ڈبوتا۔ زندہ کو غرق کر دیتا ہے۔ اس دربار معرفت میں نفس مردہ کر کے غوطہ لگاؤ پار ہو جاؤ گے۔ انا کو لے کر کود و گے غوطے کھاؤ گے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ

پھر اتارا اللہ سکینہ اپنا اوپر اپنے رسول کے اور اپنے مومنوں کے اور اتارے

پھر اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول پر اور وہ لشکر اتارے جو تم نے

وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ ذٰلِكَ

لشکر کہ دیکھا نہیں تم نے انہیں اور عذاب ان لوگوں کو کفر کیا جنہوں نے اور یہ ہے

نہ دیکھے اور کافروں کو عذاب دیا اور منکروں کو یہ ہی سزا ہے

جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ
بدلہ کافروں کا پھر توبہ ڈالے گا اللہ پیچھے اس کے
پھر اس کے بعد اللہ جسے چاہے گا توبہ دے گا اور اللہ
يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾
اوپر اس کے جس کو چاہے گا اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے
بخشنے والا رحم والا ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں مسلمانوں کے حنین میں قدم اکھڑ جانے کا ذکر ہوا۔ اب انہی مسلمانوں کے قدم جم جانے اور میدان جیت لینے کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ گویا غزوہ کا ایک رخ پچھلی آیت میں دکھا گیا۔ دوسرا رخ اب دکھایا جا رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا اجمالی ذکر ہوا لقد نصرکم اللہ (الخ) اب اس اجمال کی تفصیل ہو رہی ہے کہ اس غزوہ میں رب نے تین طرح مسلمانوں کی مدد کی جیسا کہ تفسیر میں عرض ہوگا۔ انشاء اللہ۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ غزوات و جنگ میں صرف لشکر کی زیادتی فتح کے لئے کافی نہیں اب کافی ہونے والی چیزیں جن کی فتح میں ضرورت ہے ان کا بیان ہے یعنی سکینہ اتارنا وغیرہ گویا ناکافی چیزوں کے بعد کافی چیزوں کا ذکر ہے۔

تفسیر: ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المومنین چونکہ یہ واقعہ یعنی سکینہ کا نزول گذشتہ مذکورہ واقعہ سے کچھ دیر بعد ہوا اس لئے یہاں ثم ارشاد ہوا چونکہ یہ اطمینان و سکون غیبی تھا جس کا تعلق عرش عظیم سے تھا اس لئے انزل فرمایا گیا یعنی اوپر سے اتارا اور ایک دم اتارا۔ سکینہ بنا ہے سکون سے بمعنی دلی اطمینان، دل کا چین اس کی تفسیر اور اقسام دوسرے پارہ کے اخیر میں سکینۃ من ربکم کی تفسیر میں گزر چکی۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر یا تو برکت کے لئے ہے در اصل انہیں پر سکون قلبی اتارا جن کو بے قراری بے چینی ہو گئی تھی۔ حضور انور ﷺ تو اول سے ہی مطمئن تھے جیسے رب فرماتا ہے یاایھا النبی اذا طلقتم النساء میں حضور انور ﷺ کا ذکر برکت کے لئے ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کے دل کا چین اور بھی زیادہ فرما دیا چین پر چین نازل کیا جیسے یاایھا النبی اتق اللہ یا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو بے چینی کفار کے سخت حملہ کی وجہ سے تھی۔ حضور انور ﷺ کو رنج و قلق ان مسلمانوں میں ہلچل پڑ جانے کی وجہ سے تمام مفسرین نے دوسری توجیہ کو اختیار کیا۔ مومنین سے مراد یا تو بھاگ جانے والے مومنین ہیں یا اپنے مقام پر ڈٹے رہنے والے یا دونوں تیسرا

احتمال قوی ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رب تعالیٰ نے سکون اپنے محبوب کو دیا حضرات صحابہ کو دینے کے لئے حضور انور ﷺ کو ملا حضور ﷺ کے ذریعہ سب مسلمانوں کو و انزل جنودا لم تروھا یہ دوسری نعمت ہے جو غازیان حنین کو عطا ہوئی۔ چونکہ دلوں کا چین انہیں پہلے دیا گیا جس کی وجہ سے وہ بھاگتے ہوئے لوٹ پڑے اور حضور انور کے گرد جمع ہو گئے پھر فرشتوں کا نزول ہوا اس لئے انہیں جنود یعنی لشکروں سے تعبیر کیا۔ لم تروو فرما کر یہ بتایا کہ صرف مسلمان غازیوں نے انہیں نہ دیکھا۔ حضور انور ﷺ نے بھی دیکھا اور مقابلہ کرنے والے کفار نے بھی۔ جس سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی چنانچہ ہوازن قیدیوں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ ابلق اور سفید گھوڑوں والے کہا گیا جو جنگ کی حالت میں تمہارے ساتھ تھے۔ خیال رہے کہ ان فرشتوں کی تعداد ایک قول کے مطابق سولہ ہزار تھی۔ یعنی مسلمانوں اور کافروں کے لشکروں کی مجموعی تعداد کے مطابق اس میں اور قول بھی ہیں یہ بھی خیال رہے کہ اس غزوہ میں فرشتوں نے کفار سے جنگ نہ کی بلکہ صرف ان کی ہمتیں توڑ دیں۔ جنگ صرف غزوۂ بدر میں کی۔ نیز یہ فرشتے کفار کو ہلاک کرنے نہیں آئے تھے ورنہ ایک کافی تھا۔ و عذب الذین کفروا سے مراد وہ ہوازن وثقیف ہیں جو مسلمانوں کے مقابل آئے تھے اور ہوسکتا ہے کہ عاب سے مراد آخرت کا عذاب یعنی برزخی سزائیں۔ تو کفروا سے مراد وہ ہوازن وثقیف ہیں جو کفر پر مارے گئے کیونکہ باقی ہوازن تو بعد میں مسلمان ہو گئے۔ خیال رہے کہ ہوازن شکست کھا کر اوطاس کی طرف بھاگے جہاں ان کے بال بچے اور بہت مال تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے ابو عامر کی سرکردگی میں لشکر بھیجا وہاں جنگ ہوئی اور وہاں بھی انہوں نے سخت شکست کھائی۔ ان کے بال بچے قید ان کے بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ ہوازن کا امیر مالک ابن عوف اوطاس سے طائف بھاگا۔ طائف کا مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ یہاں ابو عامر شہید ہوئے اور طائف فتح ہوا۔ اس دوران میں ماہ ذی قعد آ گیا۔ حضور انور ﷺ نے مقامِ جعرانہ میں واپس آ کر یہ غنیمتیں تقسیم فرمائیں۔ جعرانہ ایک عورت ریطہ بنت سعد کا لقب تھا۔ اس کے نام سے یہ مقام جعرانہ کہلاتا ہے۔ یہ ہی عورت دن بھر سوت کات کر رات کو توڑ دیتی تھی جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کالتی نقضت غزلھا یہاں سے ہی حضور انور ﷺ نے عمرہ کیا۔ یہاں سے سترجیوں نے عمرہ کیا ہے جسے آج بڑا عمرہ کہتے ہیں۔ (روح البیان) و ذلک جزآء الکفرین. ذالک سے اشارہ مذکورہ عذاب کی طرف ہے الکافرین سے مراد جنگ حنین میں مسلمانوں سے لڑنے والے کفار ہیں۔ یا وہاں کفر پر مرنے والے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا جیسے عذاب میں دو احتمال تھے۔ ایسے ہی یہاں بھی کافرین میں دو احتمال ہیں یہاں تک تو مومنوں پر رب کے فضل کفار پر قہر کا ذکر ہوا اب دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے۔ ثم یتوب اللہ من بعد ذلک علی من یشآء چونکہ ہوازن کے اسلام کا واقعہ فتح حنین سے کچھ دن بعد ہوا اس لئے یہاں ثم ارشاد ہوا توبہ سے مراد ہے اسلام کی توفیق دینا ذالک سے اشارہ مذکورہ غزوۂ حنین کے واقعات کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ غزوۂ حنین کے بعد جس کافر کو چاہے گا کفر سے توبہ کرنے اسلام قبول کرنے کی توفیق دے گا۔ چنانچہ اس کے بعد ہوازن کے کچھ سردار اپنی قوم کے نمائندے بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اخلاص سے مسلمان ہوئے۔ حضور انور ﷺ نے ان کے سارے قیدی چھوڑ دیئے کہ بی بی حلیمہ دائی کے ہم وطن ہم

قوم تھے۔ واللہ غفور رحیم۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا ہے۔ بڑا ہی مہربان ہے اگر بندہ اس کے دروازہ پر عاجزی کر کے حاضر ہو اور سچی توبہ کرے تو برسوں کے گناہ ایک آن میں معاف کر دیتا ہے اور اس پر ایسی مہربانیاں کرتا ہے کہ اس کے وہم گمان سے وراء ہوں چنانچہ یہ ہی ہوا جو عرصے کے کافر و مجرم تھے، آخر کار مومن ہوئے۔ صحابی ہوئے چنانچہ انہیں کا سردار مالک ابن عوف جو مسلمانوں سے پہلے حنین میں پھر اوطاس میں پھر طائف میں لڑا آخر کار مومن ہوا اور عہد فاروقی میں ملک شام کا بہت سا حصہ اس نے فتح کر کے اسلامی ممالک میں شامل کیا (روح البیان) اس کا حال یہ ہو گیا۔ شعر

آں کس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند — فرزند و عیال و خانماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی — دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند

وہ تو زبانِ حال سے یوں کہتا تھا۔ شعر

ما ہرچہ داشتیم فداء تو کردہ ایم — جاں را اسیر بند ھوائے تو کردہ ایم
ما کردہ ایم ترک خود و ہر دو کون نیز — و انہا کہ کردہ ایم برائے تو کردہ ایم

اللہ تعالیٰ ان مقبولوں کے صدقہ ہم کو بھی سچی توبہ نیک اعمال کی توفیق دے آمین۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو تم نے زیادہ لشکر بہت سامان کا تو انجام دیکھ لیا کہ اگر رب کرم نہ کرے تو یہ سامان کچھ نہیں بناتا اب ہماری شان دیکھو کہ ہم نے اس غزوۂ حنین میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دل کا چین و سکون غیبی طریقہ سے نازل فرمایا ان کے ذریعہ مسلمانوں کو بخشا کہ حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عباس نے پکارا کہ مسلمانو! کہاں جاتے ہو۔ قرآن والو قرآن دینے والے محبوب کی طرف آؤ۔ اس آواز نے صور اسرافیل کا کام کیا سب کے دلوں میں چین آ گیا۔ سب لوٹے اور حضور انور ﷺ کے گرد جمع ہو گئے ادھر رب تعالیٰ نے سولہ ہزار فرشتے نازل فرمائے۔ جن کو مسلمانوں نے تو نہ دیکھا مگر کفار نے دیکھا جس سے ان کے دل ڈر گئے ہمتیں ٹوٹ گئیں یعنی ادھر مسلمانوں کو جرأت و ہمت بخشی ادھر کفار کی ہمتیں پست فرما دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کو دنیاوی عذاب یعنی شکست نے آ لیا۔ کفار کا بدلہ یہ ہی ہوتا ہے پھر اس کے بعد اللہ نے انہیں کفار کو جو مسلمانوں سے تین جگہ لڑے۔ حنین میں اوطاس میں طائف میں اور تینوں جگہ شکست کھائی توبہ کی توفیق دی کہ یہ ہی کفار مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسلمان بنے صحابی بنے بعد میں ان میں سے بعض غازی بنے اللہ تعالیٰ گناہ بخشنے والا بھی ہے رحم و کرم فرمانے والا بھی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ہر حال میں خصوصاً جہاد میں دل کا سکون و چین اللہ کی بڑی نعمت ہے گھبرائی ہوئی فوج شکست کھا جاتی ہے۔ مطمئن فوج اگرچہ تھوڑی ہو غالب آ جاتی ہے یہ فائدہ انزل اللہ سکینتہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو دنیا و آخرت میں دل کا چین نصیب کرے۔

دوسرا فائدہ: حقیقی چین وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت عطا ہو۔ یہ فائدہ علی رسولہ کے بعد علی

المومنین فرمانے سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے الابذکر اللہ تطمئن القلوب اس آیت میں ذکر اللہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور کا نام ذکر اللہ بھی ہے رب فرماتا ہے ذکرا رسولا اور فرماتا ہے انما انت مذکر۔

تیسرا فائدہ: گناہ کبیرہ سے انسان کافر نہیں مومن ہی رہتا ہے۔ یہ فائدہ و علی المومنین سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان غازیوں کو مومن فرمایا جو اس وقت جہاد سے بھاگ رہے تھے حالانکہ جہاد سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے (روح البیان) خصوصاً جبکہ گناہ کے ساتھ خوف خدا بھی ہو۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔ شعر

بہوش دامن عفوی بذلت من ست   کہ آب روی شریعت بدمن قد نزود

چوتھا فائدہ: غزوۂ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ تو گھبراہٹ آئی نہ آپ ﷺ کے قدم پیچھے ہٹے۔ آپ ﷺ کفار کی طرف ہی بڑھتے رہے۔ یہ فائدہ علی المومنین فرمانے سے حاصل ہوا جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قسم کی سکینہ اتری مومنین پر دوسری قسم کی۔

پانچواں فائدہ: جنگ بدر کی طرح غزوۂ حنین میں بھی فرشتے آئے۔ مسلمانوں کی مدد کے لئے مگر فرق یہ ہے کہ بدر میں فرشتوں نے کفار سے جنگ بھی کی حنین میں جنگ نہ کی۔ یہ فائدہ و انزل جنودا سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: بدر میں مسلمانوں نے فرشتوں کو دیکھا مگر حنین میں مسلمانوں نے نہ دیکھا وہاں کفار کو نظر آئے۔ یہ فائدہ لم تروا ھا سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: کفار کے لئے غزوات میں موت عذاب الٰہی ہے مگر مومن کے لئے اللہ کی رحمت۔ وہاں کافر کی موت حرام موت ہے مومن کی موت شہادت ہے یہ فائدہ و عذب الذین کفروا (الخ) سے حاصل ہوا۔ مومن کی حالت تو یہ ہوتی ہے شعر

مرے شہید ہو مارے انہیں تو غازی ہے   یہ کام وہ ہے کہ ہر طرح سرفرازی ہے
مار آئے تو غازی مر گئے تو شہید   لٹ گئے تو روزہ لوٹ لائے تو عید

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ غزوۂ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی اور آپ ﷺ کے قدم بھی اکھڑ گئے تھے ورنہ آپ پر سکینہ اتارنے کے کیا معنی۔ سکون اس کو دیا جاتا ہے جسے بے چینی ہو۔

جواب: یہ بات عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ تمام احادیث و تواریخ میں ہے کہ حضور انور ﷺ اس وقت کفار ہی کی طرف بڑھ رہے تھے نیز اگر حضور انور ﷺ کے قدم اکھڑ گئے ہوتے تو مسلمانوں قدم کہاں اور کیسے جمتے۔ اس سوال کا جواب ہم تفسیر میں دے چکے ہیں کہ حضور انور ﷺ پر سکینہ کا نزول اور قسم کا تھا مسلمانوں پر اور قسم کا۔ سکینہ کے نزول سے حضور ﷺ کا سکون اور بڑھ گیا تھا۔ دیکھو تفسیر۔

دوسرا اعتراض: حضرت سلمہ ابن کوقر فرماتے ہیں کہ مررت برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہزما۔ میں حضور انور ﷺ سے بھاگنے کی حالت میں ملا۔ معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ بھی بھاگڑ میں شریک تھے۔

جواب: اگر یہ روایت درست ہو تو اس میں منہزما حضرت سلمہ کا حال ہے نہ کہ حضور انور ﷺ کا حال یعنی اس وقت میں بھاگ رہا تھا (روح البیان) ورنہ مررت نہ کہتے گزرتا وہی ہے جو ٹھہرے ہوئے کے پاس سے ہو۔ دونوں بھاگتے ہوں تو اس کو گزرنا نہیں کہا جاتا۔ معترض کو عقل سے کام لینا چاہئے جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں رایت ربی فی احسن صورۃ میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا یعنی اس وقت میری صورت اچھی تھی کہ میں لباسِ نوری میں تھا۔

مسئلہ: جو شخص حضور انور ﷺ کی طرف بھاگنے کی نسبت کرے وہ کافر ہے کہ حضور انور ﷺ کی توہین کرتا ہے۔ حضور ﷺ اشجع الاشجعین ہیں۔ حضور ﷺ جیسا بہادر کوئی پیدا نہیں ہوا (روح البیان)

تیسرا اعتراض: حنین میں جب مسلمانوں نے فرشتوں کو دیکھا ہی نہیں تو ان کے اتارنے کا کیا فائدہ۔

جواب: انہیں کفار نے دیکھا جس سے ان کی ہمتیں پست پڑ گئیں۔ مسلمانوں کے دل قوی ہو گئے۔ اگر چہ فرشتے انہیں نظر نہ آئے۔ نورانی مخلوق نظر نہ آئے جب بھی اس کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ ناری ابلیس نظر نہیں آتا اور دل میں اثر کر دیتا ہے۔ نار سے نور کی طاقت زیادہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس موقع پر حضور انور ﷺ نے ایک مٹھی کنکر کفار کی طرف پھینکے جو ان کی آنکھوں پر پڑے۔ فرعون کے مقابلہ کے وقت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو سانپ بنایا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ عصاء موسوی سے بڑھ گیا کہ اس معجزہ سے فرعون نے شکست نہیں مانی مگر یہاں تمام کفار نے شکست مان لی۔ رب کے فرشتے مومنین کو نظر نہ آئے مگر ان کی آمد سے مومنوں کے دل مطمئن ہو گئے۔ بصارت نے انہیں نہ دیکھا مگر بصیرت نے دیکھا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ سکینہ فرشتوں کی ایک خاص جماعت ہے جو بحکم رب العالمین گھبرائے ہوئے دل کو تھام لیتی ہے جس سے دل کو سکون نصیب ہوتا ہے۔ یہ خاص موقعوں میں خاص بندوں پر نازل ہوتی ہے۔ ان کے اس قول کی تائید اس آیت سے ہوئی ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا و لا تحزنوا (الخ) کبھی بزرگوں کے تبرکات سے سکونِ قلبی حاصل ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے فی سکینۃ من ربکم و بقیۃ مما ترک ال موسی و ال ھارون کبھی بزرگوں کی صحبت کبھی اللہ کا ذکر سکینہ ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب غزوۂ حنین میں ملائکہ لشکر در لشکر حاضر ہوئے یہ اور تھے اور سکینہ کچھ اور یہ سامان مسلمانوں کے سکون کا باعث ہوا کفار کے عذاب کا سبب۔ بہر حال یہ آیت کریمہ بہت جامع آیت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ
اے لوگو جو ایمان لا چکے اس کے سوا نہیں کہ سارے مشرک (کفار) ناپاک ہیں پس نہ قریب آئیں
اے ایمان والو مشرک بڑے ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام

الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ

مسجد حرام کے پیچھے ان کے اس سال اور اگر خوف کرو تم غریبی کا پس عنقریب غنی

کے پاس نہ آئیں اور اگر تمہیں محتاجی کا ڈر ہے تو عنقریب اللہ تمہیں دولتمند

يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ إِنْ شَآءَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾

کردے گا تم کو اللہ اپنی مہربانی سے اگر چاہے گا بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے

کردے گا اپنے فضل سے اگر چاہے بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں غزوہ کا واقعہ بیان ہوا جس سے پتہ لگا کہ اسباب کے مقابل مسبب الاسباب پر توکل چاہئے اب اس کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے کہ مشرکین مکہ اگر حج کرنے نہ آئیں تو اے مکہ والو تم بھوکے نہ مرو گے۔ رازق رب تعالیٰ ہے نہ کہ مشرکین عرب۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن غازیوں پر نزول سکینہ کا ذکر ہوا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مکہ والو تم مشرکوں کو حج سے روک دو تو تم پر بھی سکینہ اترے گا۔ وہ واقعہ تمہارے لئے سبق ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات سے پتہ لگا کہ کفار اللہ کی رحمت سے دور ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ وہ بیت اللہ سے بھی دور ہیں۔ گویا رحمت اللہ سے دور ہونے کے بعد بیت اللہ سے دوری کا ذکر ہے۔

شانِ نزول: جب ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق کی سرکردگی میں حضرت علی نے سورہ برأت کا اعلان کیا اور فرمایا کہ سال آئندہ سے کوئی مشرک حج نہ کرے، نہ کوئی ننگا تو مشرکین عرب نے مکہ کے مسلمانوں سے کہا کہ تم نے ہم کو حج سے تو روک دیا تم بھی اس کا انجام دیکھ لینا۔ کیونکہ حج میں سامانِ تجارت ہم ہی باہر سے لاتے ہیں تمہاری آمدنیاں ہمارے ہی ذریعہ ہوتی ہیں۔ اگر ہم نے آنا چھوڑ دیا تو تم بھوکے مر جاؤ گے۔ اس پر بعض مکہ والے کچھ پریشان ہوئے تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کو تسلی دی گئی کہ رازق اللہ ہے اس پر توکل کرو۔ تم کو انشاء اللہ پہلے سے زیادہ روزی عطا فرمائے گا۔ (کبیر، خازن، روح المعانی)

تفسیر: یاایھا الذین امنوا چونکہ اس آیت کریمہ کا حکم کہ مشرکین حج و عمرہ کو نہ آئیں فطری طور سے نفس پر شاق تھا کہ بظاہر عام آمدنی انہیں سے ہوتی تھی اور صدیوں سے وہ لوگ حج کرتے تھے ایک دم ان کا حج روک دینا آسان نہ تھا۔ اس مضمون کو پیار سے خطاب مبارک ندا سے شروع فرمایا تاکہ اس ندا کی لذت سے اس پر عمل آسان ہو جاوے۔ نیز اس خطاب سے یہ بتایا کہ کفار سے نفرت ایمان کا تقاضا ہے کیونکہ مومن پاک ہے مشرکین ناپاک۔ پاک اور ناپاک کا اجتماع کیسا۔ انما

المشرکون نجس انما حصر کے لئے ہے اس میں مشرکین کو نجس میں منحصر کیا گیا ہے نہ کہ نجس کو مشرکین میں یعنی یہ معنی نہیں کہ مشرکین ہی نجس ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ مشرکین نجس ہی ہیں ان میں پاکی کا شائبہ بھی نہیں۔ ان جیسی آیات میں مشرکین سے مراد سارے کفار ہوتے ہیں خواہ مشرک ہوں یا عیسائی یہودی۔ (روح البیان) نجس یا تو مصدر ہے نجس ینجس کا تو اس سے پہلے ذو پوشیدہ ہے۔ یا صفت مشبہ بروزن حسن تو کچھ پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں اور ہو سکتا ہے کہ نجس مصدر ہو اور کچھ پوشیدہ نہ ہو جیسے زید عدل۔ یعنی کفار نری گندگی ہیں۔ قوی یہ ہی ہے کہ یہاں نجاست سے مراد عقائد کی نجاست ہے یعنی ان کے عقیدے گندے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے نجاست حکمی بھی مراد ہو کہ وہ جنابت میں غسل نہیں کرتے ہو سکتا ہے کہ نجاست حقیقی مراد ہو کیونکہ کفار کے کپڑے جسم گندے ہوتے ہیں وہ پیشاب سے پرہیز نہیں کرتے بلکہ گائے کا پیشاب و گوبر کو پاک بلکہ پاکی کا ذریعہ سمجھتے ہیں جیسا کہ آج بھی ہندوؤں میں دیکھا جا رہا ہے اسی ہاتھ سے گوبر کا اپلا توڑا پھر وہی ہاتھ پانی اور آٹے میں ڈال دیتے ہیں مگر قوی قول پہلا ہی ہے یعنی عقائد کی گندگی مراد ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔ فلا یقربوا المسجد الحرام اس فرمان عالی میں ف سببیہ ہے یعنی چونکہ وہ نجس ہیں لہٰذا مسجد حرام کے قریب بھی نہ آئیں۔ قریب سے مراد داخل ہونا ہے مبالغہ کے لئے قریب کا ذکر فرمایا جیسے فلا تقربا ھذہ الشجرۃ مسجد حرام سے مراد یا تو صرف مسجد حرام شریف ہے یا حدود حرم جس کے حدود اربعہ یہ ہیں براستہ مدینہ تین میل، براستہ عراق سات میل، براستہ طائف و جعرانہ نو میل براستہ جدہ دس میل (روح البیان) قوی یہ ہے کہ حج و عمرہ یا نماز و دیگر عبادات کے لئے کفار کا مسجد حرام میں آنا حرام ہے دنیاوی وجہ سے کچھ دیر کے لئے آسکتے ہیں جیسے سلطان اسلام مکہ میں ہو اور باہر سے کوئی کافر اس سے ملنے آئے تو آسکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے ارشاد ہے بعد عامھم ھذا اس فرمان عالی میں ہذا سے مراد ہے ۹ ہجری کا سال یعنی اس سال کے بعد اگلے سال نہ آئیں یعنی حج کرنے نہ آئیں اگر مطلقاً آنا منع ہوتا تو سال کی قید نہ ہوتی یعنی اگلے سال سے یہ حج و عمرہ کرنے نہ آئیں یوں ہی اور کسی مسجد میں کفار اپنی عبادات کرنے داخل نہ ہوں کہ اس حکم اور احترام کے کام میں ساری مسجد یکساں ہیں۔ و ان خفتم عیلۃ اس فرمان عالی میں مسلمانوں کے شبہ کا جواب ہے۔ عیلۃ بنا ہے عیل سے بمعنی بھوک فقر عول بمعنی پرورش ہے اس سے ہے عیال یعنی ماں باپ کے ذریعہ پرورش پانے والے یعنی اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ کفار کو حج سے روک دیئے جانے سے مکہ والے بھوکے مریں گے تو خیال رکھو کہ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ یہ عبارت ان خفتم کی جزا نہیں بلکہ پوشیدہ جزا کی وجہ ہے لہٰذا ف جزائیہ نہیں بلکہ تعلیلیہ ہے اس میں خطاب انہیں مکہ والوں سے ہے جن کو یہ دھڑکا لگا تھا۔ یغنی بنا ہے اغنم سے بمعنی بے نیاز کر دینا۔ یعنی اس کا غم نہ کرو کیونکہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم کو اپنے فضل و کرم سے تمام کفار سے بے نیاز کر دے گا کہ کفار حج کو نہ آئیں اور تم عیش کرو۔ انشاء اللہ یہ فرمان عالی شک کے لئے نہیں بلکہ برکت کے لئے ہے جیسے لقد خلن المسجد الحرام انشاء اللہ میں ہے اس میں بندوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ ہر نعمت کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے جانیں اس پر کوئی چیز واجب نہیں نہ کسی کا اس پر حق ہے۔ ان شاء ان اللہ علیم حکیم۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کفار کو مکہ معظمہ سے روک دینے میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں جو تم کو بعد میں معلوم ہوں گی

اورتم کو کس ذریعہ سے روزی ملے گی یہ اللہ کے علم میں ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا چنانچہ اس سے نجد، بتالا، جرش وغیرہ کوایمان کی توفیق بخشی۔ یہ لوگ حج کو آنے لگے اور ساتھ ہی تجارتی سامان لانے لگے۔ ان کی تجارات پہلے سے بھی زیادہ چمک گئیں۔ پھر عہد فاروقی میں تو بہت ملک فتح ہوئے ہر طرف سے مسلمان حج کو آنے لگے۔ اب بھی وہاں دیکھ لو کہ مکہ معظمہ کی سی منڈی بڑے بڑے شہروں میں نہیں اور جو نعمتیں وہاں ملتی ہیں دوسری جگہ دستیاب نہیں ہوتیں۔ یہ ہے وعدۂ ربانی کا ظہور۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! مشرکین و کفار عقائد خیالات کے بڑے گندے ہیں گھنونے ہیں لہٰذا اس سال تو انہیں حج کر لینے دو سال آئندہ سے یہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں، نہ حج کریں نہ عمرہ نہ زیارات اگر تم کو یہ خطرہ ہو کہ ان کے حج و عمرہ سے روک دیئے جانے سے ہم لوگ فقیر ہو جائیں گے کیونکہ ہمارا گزارا حج کی آمدنی پر اور باہر سے تجارتی مال آنے پر ہے کفار ہی تجارتی مال لاتے ہیں انہیں سے ہم کو آمدنیاں ہوتی ہیں ان کو روک دیا گیا تو ہمارا کیا بنے گا۔ اس کا خیال نہ کرو۔ انشاء اللہ ہم تم کو غنی و بے نیاز کر دیں گے کہ کفار کے بغیر آئے ہی تمہارے کاروبار خوب چمکیں گے اتنا یاد رکھو کہ اللہ علم والا بھی ہے حکمت والا بھی ہے وہ جانتا ہے کہ کس کو کیسے پرورش کیا جاتا ہے۔ اس نے جو کفار کو مکہ معظمہ سے روکا ہے اس میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں شعر

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن   کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

خیال رہے۔ کفار و مشرکین کے متعلق چند قول ہیں۔ (۱) یہ لوگ کتے سور کی طرح نجس العین ہیں اگر ان کو ہاتھ لگ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے ان کے کپڑے ان کے برتن وغیرہ نجس ہیں ان کا استعمال درست نہیں یہ قول زیدیہ شیعوں کا ہے (تفسیر خازن، روح المعانی و کبیر) ان کا یہ شعر ہے۔

نجس العین کہ شود طاہر   سگ و خوک است و میت و کافر

(۲) ان کے جسم تو پاک ہیں مگر یہ کسی مسجد میں کسی وجہ سے کام کے لئے نہیں آسکتے۔ یہ قول امام مالک کا ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی) (۳) مشرکین و کفار ہیں تو پاک مگر مسجد حرام میں کسی غرض سے نہیں جا سکتے۔ دوسری مسجدوں میں جا سکتے ہیں۔ یہ قول امام شافعی کا ہے (کبیر) (۴) آدمی مطلقاً پاک ہے خواہ مومن ہو یا مشرک و کافر وہ ہر مسجد میں اور مسجد حرام میں مسلمانوں کی اجازت لے کر داخل ہو سکتے ہیں اپنی عبادات کسی مسجد میں نہیں کر سکتے۔ یہ قول امام اعظم ابو حنیفہ کا ہے۔ یہ ہی قول نہایت قوی ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کفار و مشرکین کے عقائد نجس و گندے ہیں نہ کہ جسم۔ وہ مسجدوں میں اپنی عبادت نہیں کر سکتے۔ دوسرے کام کے لئے مسلمانوں کی اجازت سے آسکتے ہیں۔ یہ فائدہ **فلا یقربو المسجد الحرام بعد عامھم ھذا** سے حاصل ہوا۔ اس مسئلہ پر چند دلائل قائم ہیں۔ (۱) رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش

ابو طالب کے گھر کرائی۔ اگر یہ لوگ کتے سور کی طرح نجس ہوتے تو رب تعالیٰ اپنے نبیوں کی پرورش ان نجس لوگوں کے ہاں نہ کراتا (۲) اس آیت میں ارشاد ہوا کہ مشرکین اس سال کے بعد اگلے سال سے مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔ معلوم ہوا کہ انہیں حج سے روکا جارہا ہے نہ کہ مطلقاً آنے سے۔ ورنہ فرمایا جاتا کہ آج سے ہی کبھی نہ آئیں۔ (۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے بچے کو مسجد نبوی شریف میں جھاڑو دینے کی اجازت دی تھی وہ جھاڑو دیا کرتا تھا۔ آخر کار مومن ہو کر فوت ہوا مگر جھاڑو دیتے وقت تو کافر ہی تھا۔ (۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار کفار کی ایک جماعت کو مسجد میں اتارا (۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین مسجد میں کچہری کرتے تھے وہاں ہی مقدمات طے کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ مقدمات مسلمانوں کے بھی آتے تھے کفار کے بھی وہ بھی مقدمہ کے سلسلہ میں مسجد میں حاضر ہوتے تھے۔ (۶) اگر مشرکین نجس العین ہوں تو مسلمانوں کی زندگی ناممکن ہو جاوے آج اکثر و بیشتر چیزیں امریکہ انگلستان سے آتی ہیں جنہیں ہر ملک کے مسلمان استعمال کرتے ہیں۔ (۷) اگر کفار کا مسجد میں آنا مطلقاً منع ہو تو آج مشکل پڑ جاوے۔ اکثر مستری، مزدور، انجینئر کفار ہوتے ہیں جن سے مسجدیں تعمیر کرائی جاتی ہیں۔ ان کے بغیر کام نہیں چلتا۔ بہر حال مذہب حنفی بہت قوی ہے۔

دوسرا فائدہ: کفار و مشرکین کو نہ تو مسجد حرام میں حج یا عمرہ کرنے کی اجازت ہے نہ عام مسجدوں میں اپنی عبادات کی اجازت۔ یہ فائدہ **فلا یقربوا المسجد الحرام** (الخ) سے حاصل ہوا تمام مسجدیں احترام اور احکام میں مسجد حرام کی طرح ہی ہیں۔

تیسرا فائدہ: اللہ کے فضل سے کوئی مومن نجس نہیں سب پاک ہیں۔ حتیٰ کہ بے وضو، جنبی، حائضہ بھی خود نجس نہیں اس کی نجاست حکمیہ ہے اگر مومن کے جسم پر گندگی لگ جاوے تب بھی مومن نجس نہیں یہ نجاست بدن پر ہے اور عارضی۔ یہ فائدہ **انما المشرکون نجس** کے انما سے حاصل ہوا۔ انما حصر کے لئے ہے اگر مومن بھی نجس ہو تو انما کا حصر کیا۔ حصر یا دو طرفہ ہے یا اول کا دوسرے میں جیسے **انما الھکم الہ واحد** میں حصر دو طرفہ ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں **المومن لا ینجس**۔

چوتھا فائدہ: اگر مشرک یا کافر کو سات سمندروں میں غسل دیا جاوے تب بھی وہ نجس ہی ہے کیونکہ اس کی نجاست شرک کی وجہ سے ہے اور شرک پانی سے نہیں ایمان سے ہی دھلتا ہے۔ یہ فائدہ **المشرکون** فرمانے سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: ہر قسم کے مشرکین نجس ہیں خواہ وہ دو خدا مانیں یا دو سو۔ یوں ہی ہر قسم کے کفار نجس ہیں خواہ وہ دہریے ہوں یا نبی کے منکر۔ یہ فائدہ **المشرکون** کو جمع استغراقی فرمانے سے حاصل ہوا۔ یہ لفظ شخصی اور نوعی دونوں قسم کے عموم کے لئے ہے۔

چھٹا فائدہ: مشرک و کافر کی نجاست عارضی نہیں بلکہ ذاتی ہے۔ وہ بذات خود نجس و ناپاک ہے۔ یہ فائدہ نجس جیم کے فتحہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ نجس جیم کے کسرہ سے عارضی ناپاک کو بھی کہتے ہیں۔ کپڑا نجس ہو جاتا ہے جیم کے کسرہ سے مگر پیشاب پاخانہ نجس ہے جیم کے فتحہ سے۔

ساتواں فائدہ: انسان کو مخلوق پر اعتماد نہیں چاہئے بلکہ خالق پر چاہئے۔ یہ فائدہ **یغنیکم اللہ** فرمانے سے حاصل ہوا۔

سب کچھ نہیں کر سکتے۔ رب سب کچھ کر سکتا ہے۔ دیکھ لو مشرکوں کو حج سے روکا تو اہل مکہ بھوکے نہ مرے۔ پاکستان سے کفار سے چلے گئے تو مسلمان بھوکے نہ مرے بلکہ پہلے سے زیادہ مزے میں ہو گئے۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ جس کسی کو جو کچھ دیتا ہے محض اپنے فضل وکرم سے دیتا ہے اس پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ یہ فائدہ من فضلہ سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: یقینی چیزوں پر بھی انشاء اللہ کہہ لینا تبرک کے لئے جائز ہے۔ یہ فائدہ انشاء اللہ فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب نے اہل مکہ کو غنی فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ رب کا وعدہ یقینی مگر ساتھ ہی انشاء اللہ بھی فرمادیا۔ فرماتا ہے لقد خلن المسجد الحرام انشاء اللہ لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ میں انشاء اللہ مسلمان ہوں۔

دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر اعتراض کرنا نہیں چاہئے، خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ یہ فائدہ علیم حکیم سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: مشرکین کتوں اور سوروں کی طرح نجس العین ہیں ان کھانا وہ سب ہی نجس ہے دیکھو یہاں نجس جیم کے فتحہ سے ارشاد ہوا۔ چنانچہ ابن مردویہ اور ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا جو مشرک سے مصافحہ کرے وہ وضو کرے یا ہاتھ ہی دھوئے نیز ابن مردویہ نے بروایت ہشام ابن عروہ سے روایت کی کہ ایک بار حضرت جبریل حضور انور ﷺ کی خدمت میں آئے آپ ﷺ نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو جناب جبریل نے ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا مصافحہ کیوں نہیں کرتے عرض کیا یارسول اللہ آپ ﷺ نے ایک یہودی کا ہاتھ پکڑا تھا۔ حضور انور ﷺ نے پانی منگوا کر وضو کیا۔ تب حضرت جبریل سے مصافحہ کیا (تفسیر روح المعانی) معلوم ہوا کہ کفار نجس العین ہیں۔ (زیدی شیعہ)

جواب: یہ روایات صحیح نہیں دو وجہوں سے۔ ایک یہ کہ نجس العین کے چھونے سے نہ وضو ٹوٹے نہ ہاتھ دھونا واجب ہو۔ کتے سور کو چھونے سے وضو نہیں کیا جاتا دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک بادشاہوں کے ہدایا تحفے قبول فرمائے انہیں استعمال کیا نیز حضرات صحابہ کرام غزوات میں کفار کے کھانے کپڑے ان کی چیزیں غنیمت میں لیتے اور استعمال کرتے تھے۔ یہ آیت بتارہی ہے کہ یہاں نجاست حقیقیہ مراد نہیں کیونکہ یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ انہیں ہاتھ نہ لگاؤ بلکہ ارشاد ہوا کہ اگلے سال سے مسجد حرام واپس نہ آئیں باقی اور کسی چیز سے ممانعت نہیں کی۔ اگر تمہاری پیش کردہ احادیث صحیح بھی ہوں تو وہ حضور انور ﷺ کے ان اعمال شریفہ سے منسوخ ہیں کیا تم یہ ماننے پر آمادہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کلیم اللہ اور حبیب اللہ کو سالہا سال تک نجس چیزوں سے پالا یعنی فرعون اور کفار مکہ ابو طالب کے کھانے کپڑے سے۔ خدا عقل دے۔

دوسرا اعتراض: کفار کو کسی مسجد میں کام کے لئے آنا درست نہیں ان کا مسجدوں میں داخلہ حرام ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا فلا یقربوا المسجد الحرام اور تمام مسجدیں احکام اور احترام میں برابر ہیں۔ (امام مالک)

جواب: اس آیت میں مشرکین پر صرف ایک پابندی لگائی کہ وہ اگلے سال سے مسجد حرام کے قریب نہ ہوں اگلے سال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حج کے لئے نہ آئیں لہٰذا ان کا داخلہ اور کاموں کے لئے جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ کافر سمندروں میں غوطہ دینے غسل دینے سے پاک نہیں ہوتا وہ تو کلمہ طیبہ کے پانی سے پاک ہوتا ہے۔ ہاں نفس امارہ وہ نجس العین ہے جو پانی سے پاک نہیں ہوتا بلکہ اسے عشق رسول کی آگ میں جلا کر اس کی حقیقت تبدیل کر دو۔ پاک ہو جاوے گا۔ پاخانہ پانی سے نہیں بلکہ راکھ بن جانے سے پاک ہوتا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّ
جہاد کرو ان لوگوں سے جو نہ تو ایمان لائے ہیں اللہ پر نہ آخری دن پر اور نہیں حرام
لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور نہیں مانتے اس چیز
مُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ
جانتے اسے جو حرام کی اللہ اور اس کے رسول نے اور نہیں اختیار کرتے دین سچا یعنی
کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ
وہ لوگ جو دیئے گئے کتاب یہانتک کہ دیں وہ جزیہ ہاتھ سے حالانکہ وہ
وہ جو کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں
وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ؁۲۹
ذلیل ہوں
ذلیل ہوں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مشرک کے احکام بیان ہوئے کہ انہیں مسجد حرام کے پاس نہ آنے دو۔ ان سے جنگ کرو وغیرہ۔ اب اہل کتاب کے احکام بیان ہو رہے ہیں کہ ان سے صرف جنگ ہی واجب نہیں بلکہ جزیہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ گویا ایک قسم کے کفار کے بعد دوسری قسم کے کفار کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ مشرکین کے حج نہ کرنے سے مکہ والو تم فقیر نہ ہو جاؤ گے۔ اللہ تم کو غنی کر دے گا۔ اب اہل کتاب سے جزیہ لینے کا ذکر ہے جس سے پتہ لگا کہ تم کو جزیہ وغیرہ کے ذریعہ غنی کر دے گا۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دی گئی تھی اب جہاد کا انجام بتایا جا رہا ہے کہ اس سے مسلمان سلطان بنیں گے کفار ان کی رعایا جو انہیں ٹیکس وغیرہ دے کر ان کے زیر فرمان رہیں گے۔ جہاد بظاہر ہلاکت ہے در حقیقت بقا

کا ذریعہ۔

شانِ نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند قول ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے مسلمانوں کو روم کے عیسائیوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ تب آپ ﷺ کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ کلبی فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنی قریظہ اور بنی نضیر یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی (تفسیر خازن، صاوی) مگر اس پر یہ ہے کہ سورۂ توبہ کی یہ آیت ۸ ہجری سے پہلے نازل ہوئیں۔ ان کا اعلان ۹ ہجری کے حج میں ہوا اور بنی قریظہ و بنی نضیر کا واقعہ اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ اس سورت کی شروع کی چالیس آیات وہ ہیں جن کا اعلان ۹ ہجری حج میں ہوا۔

تفسیر: **قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ و لا بالیوم الآخر** اس فرمان عالی میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام سے ہے۔ حضور ﷺ کے طفیل سارے جہان کے جہاد کر سکنے والے مسلمانوں سے۔ قاتلوا میں جارحانہ اور مدافعانہ دونوں قسم کے جہاد داخل ہیں۔ مسلمانوں کو ہر قسم کے جہاد کی اجازت ہے۔ ہاں پہلے صرف مدافعانہ جہاد کی اجازت تھی۔ **و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا** (الخ) پھر ہر قسم کے جہاد کی اجازت۔ ان جیسی آیات میں دی گئی **الذین** (الخ) سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ یہ دونوں قومیں اگرچہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کو ماننے کی دعویدار ہیں مگر درحقیقت دونوں صحیح طرح نہیں مانتے۔ عیسائی اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا مانتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو۔ یوں ہی یہودی جنت میں کھانے پینے کی نعمتوں کے منکر ہیں۔ عیسائی جنت میں صرف روحانی داخلہ مانتے ہیں نہ کہ جسمانی نیز یہ لوگ ان دونوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر مانتے ہیں لہٰذا ان پر ایمان نہیں رکھتے بہر حال یہ فرمان عالی بالکل درست ہے۔ **و لا یحرمون ما حرم اللہ و رسولہ** یہ عبارت معطوف ہے **لا یؤمنون** پر اس میں یہود و نصاریٰ کے دوسرے دو جرموں کا ذکر ہے۔ یحرمون بنا ہے تحریم سے بمعنی حرام جاننا یا حرام ماننا (الخ) یحرمون کا مفعول ہے ما حرم بنا ہے تحریم سے بمعنی حرام کرنا۔ ظاہر یہ ہے کہ رسولہ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں الرسول یا رسولہ بغیر کسی قید کے آتا ہے وہاں حضور انور ﷺ ہی مراد ہوتے ہیں یعنی ان چیزوں کو حرام نہیں جانتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حرام کیا جیسے سور، مردار، شراب، سود، جوا وغیرہ یا جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں حرام کیا جیسے ریچھ، بھیڑیا، شیر وغیرہ کہ وہ یہ سب کھاتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ رسولہ سے مراد حضور ﷺ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام ہوں جنہیں یہود و عیسائی رسول مانتے ہیں یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے توریت و انجیل میں حرام کیں اور جو چیزیں ان نبیوں نے حرام کیں انہیں یہ حرام نہیں سمجھتے بلکہ ان کتابوں میں تحریف کر کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر لیتے ہیں (روح المعانی) **خیال رہے** کہ آسمانی کتاب کے منسوخ ہو جانے کے بعد اس میں تحریف کرنا جہاد کا باعث نہیں اگرچہ جرم وہ بھی ہے (روح المعانی) **و لا یدینون دین الحق** یہ یہود و نصاریٰ کے پانچویں عیب کا بیان ہے الذین (الخ) پر معطوف۔ یدینون بنا ہے دین سے بمعنی اعتقاد و قبول سے دین الحق یا تو یدینون کا مفعول مطلق ہے تو دین بمعنی قبول کرنا یا مفعول بہ تو بمعنی مدت ہے۔ حق یا تو اسماء اللہ میں سے ہے یعنی اللہ کا دین کہ اب صرف اسلام ہی اللہ کا دین

ہے وہ منسوخ دین اب اللہ کا دین نہ رہے انہیں اختیار کرنا اب کفر ہے۔ یا حق بمعنی ثابت لازم غیر منسوخ ہے اور دین صفت یعنی یہ لوگ اللہ کا دین اسلام یا مضبوط نہ منسوخ ہونے والا دین اختیار نہیں کرتے اور ہوسکتا ہے کہ حق بمعنی سچ ہو باطل کا مقابلہ کہ اب منسوخ دین باطل ہو چکے اسلام ہی حق ہے **ان الدین عند اللہ الاسلام** یعنی وہ سچا دین اسلام قبول نہیں کرتے۔ **من الذین اوتوا الکتب** یہ بیان ہے الذین (الخ) کا لہذا اس میں من بیانیہ ہے تبعیضیہ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔ جس میں توریت و انجیل بلکہ زبور سب ہی داخل ہیں لہذا الذین سے مراد سارے اہل کتاب کفار ہیں یہود و عیسائی یا داؤدی اس عبارت میں بتایا گیا کہ یہاں مشرکین مراد نہیں کہ اگرچہ جہاد سب پر ہوگا مگر جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جاوے گا مشرکین عرب سے نہیں۔ (عند الاحناف) شوافع کے ہاں عرب و عجم ہر جگہ مشرکین کا یہ ہی حکم ہے جیسا کہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض ہوگا۔ **حتی یعطوا الجزیۃ** یہ فرمان عالی قاتلو (الخ) کی انتہا ہے عطا سے مراد قبول کر لینا۔ اپنے ذمہ لازم کر لینا ہے کیونکہ اگر یہود و نصاری جزیہ دینا منظور کر لیں تو ان پر جہاد نہ ہوگا، دینے کا انتظار نہیں کیا جاوے گا۔ جزیہ بنا ہے جزی سے بمعنی بدلہ یعنی اداء قرض۔ چونکہ یہ رقم قتل کا بدلہ ہے کہ اس سے اہل کتاب پر جہاد نہیں ہوتا نیز اس کا ادا کرنا کفار پر ہر سال لازم ہوتا ہے اس لئے اسے جزیہ کہا جاتا ہے اس کی جمع جزی ہے جیسے لحیہ کی جمع لحی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ لفظ معرب ہے گزیہ کا بمعنی ٹیکس و خراج۔ یعنی یہ لفظ عجمی ہے جسے عربی بنایا گیا (روح البیان و روح المعانی) **خیال رہے** کہ جزیہ لینا کفار پر ظلم نہیں بلکہ یہ حق حفاظت ہے کہ ہم کفار کی ہر طرح حفاظت کا انتظام کرتے ہیں اس کے معاوضہ میں ان سے ایک حقیر رقم لے لیتے ہیں۔ اس کے مقابل مسلمانوں پر بہت خرچ لازم ہیں۔ زکوۃ، قربانی، فطرانہ، دوسرے ضروری چندے۔ آج موجودہ حکومتیں مختلف ٹیکسوں کے بہانے رعایا سے پچاس فی صدی سے زیادہ رقمیں وصول کر لیتی ہیں۔ **عن ید** یہ متعلق ہے **یعطوا** کا عربی میں یہ لفظ بہت معنی میں آتا ہے۔ ہاتھ، نقد، ید البدیہ، غلبہ، رحمت و کرم۔ **ید اللہ فوق ایدیہم** اطاعت و فرمانبرداری، قدرت وغیرہ (روح المعانی) یہ ہی چند احتمال ہیں (۱) ید بمعنی ہاتھ اور اس سے دینے والے کافر کا ہاتھ ہے۔ یعنی کافر خود اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرے کسی کے ہاتھ نہ بھیجے۔ (۲) ید بمعنی ہاتھ ہے اور ہاتھ سے مراد لینے والے حاکم اسلام کا ہاتھ ہے اور عن سببیہ ہے۔ (۳) ید بمعنی غنی اور عن سببیہ ہے یعنی کافر غنی اپنے غنا کی وجہ سے جزیہ دے فقیر کافر پر جزیہ نہیں۔ (۴) ید بمعنی اطاعت ہے یعنی کفار مسلمانوں کی اطاعت کرتے ہوئے جزیہ دیں نہ کہ سرکشی کرتے ہوئے۔ (۵) ید بمعنی انعام و احسان ہے یعنی کفار احسان کی بنا پر جزیہ دیں کہ مسلمان انہیں قتل نہیں کرتے بلکہ ان کی حفاظت ان کا انتظام کرتے ہیں۔ (۶) ید بمعنی نقد ہے یعنی جزیہ نقد دینا ہوگا۔ اس کا ادھار نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک پیشگی یعنی شروع سال میں۔ شوافع کے ہاں آخری سال میں (کبیر) (۷) ید بمعنی عجز و انکساری ہے یعنی رعایا کا سا عجز و انکسار کرتے ہوئے جزیہ دیں نہ کہ اکڑتے اور دھونس جماتے۔ (۸) ید بمعنی نعمت ہے یعنی کفار جزیہ کو نعمت سمجھ کر ادا کریں بخوشی اسے بوجھ جرمانہ سمجھ کر نہ دیں کیونکہ وہ اس وجہ سے قتل و غارت سے بچے ہیں۔ (روح المعانی، کبیر) (۹) ید بمعنی غلبہ ہے یعنی مسلمانوں کو اپنا سلطان مانتے اپنے کو رعایا سمجھتے ہوئے جزیہ دیں نہ کہ انہیں محتاج سمجھ کر (معانی) **وھم صغرون** یہ عبارت حال ہے یعطوا کے فاعل

ہم سے صاغر بنا ہے صغیر سے بمعنی چھوٹا ہونا، ذلیل و حقیر ہونا۔ یعنی وہ ادا جزیہ کے وقت اپنا چھوٹا ہونا مسلمان بادشاہ کو اپنے سے بڑا ظاہر کریں اس طرح کہ (۱) سواری پر سے نہ دیں بلکہ نیچے اتر کر دیں۔ (۲) اپنا ہاتھ اونچا کر کے نہ دیں بلکہ لینے والے ہاتھ کی طرح نیچا رکھیں (۳) کسی کے ہاتھ نہ بھیجیں منی آرڈر نہ کریں خود کچہری میں حاضر ہو کر دیں۔ (عام تفاسیر)

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! ان لوگوں پر مدافعانہ اور جارحانہ ہر طرح سے جہاد کرو جو نہ تو صحیح معنی میں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ قیامت و جنت و دوزخ پر اور نہ اللہ تعالیٰ کی حرام فرمودہ چیزوں کو حرام جانتے ہیں نہ رسول اللہ کی حرام فرمودہ کو۔ اور نہ وہ سچے غیر منسوخ دین یعنی اسلام کو قبول کرتے ہیں یعنی اہل کتاب سے حتیٰ کہ وہ لوگ اپنے ہاتھ سے نقد جزیہ (ٹیکس) ادا کریں۔ اسی طرح کہ وہ اپنے کو مسلمانوں کی رعایا ان کے سامنے عاجز جانتے ہوئے ٹیکس حاضر کریں نہ کہ اکڑتے ہوئے احسان دھرتے ہوئے تاکہ اسلام کی سربلندی ظاہر ہو۔

احکام جزیہ

جزیہ کے متعلق چار چیزیں قابل تحقیق ہیں۔ (۱) جزیہ کی حقیقت کیا ہے۔ (۲) جزیہ کس سے لیا جائے گا۔ (۳) جزیہ کی مقدار کیا ہے۔ (۴) جزیہ کب لیا جائے گا۔

جزیہ کی حقیقت: تمام حکومتیں ہمیشہ سے اپنی رعایا سے کچھ مال بطور ٹیکس وصول کرتی ہیں جس سے ملک کے مختلف انتظامات کئے جاتے ہیں کیونکہ کوئی کام بغیر روپیہ نہیں ہو سکتا اسی طرح اسلامی ممالک میں مسلمانوں سے مختلف طرح کے ٹیکس لئے جاتے ہیں اور کفاروں سے حق سلطنت جو روپیہ وصول کیا جاتا ہے، اسے جزیہ کہتے ہیں۔ یہ روپیہ وصول کر کے ان کو ہر طرح کے شہری حقوق دیئے جاتے ہیں ان کے جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے حتیٰ کہ اگر مسلمان انہیں قتل کر دے تو اسے قصاص میں قتل کیا جاوے گا اور اگر مسلمان ان کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کٹے گا فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **دماء هم واموالهم كاموالنا** آج مسلمانوں کو بدنام کرنے والی قومیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کتنے قسم کے بھاری ٹیکس اپنی رعایا سے وصول کرتے ہیں۔

جزیہ کس سے لیا جاوے گا: کفار چار قسم کے ہیں۔ مرتدین، مشرکین عرب، اہل کتاب، مشرکین عجم۔ پہلی دو قسموں سے جزیہ قطعاً نہ لیا جاوے گا۔ ان کے لئے یا اسلام ہے یا قتل یعنی مرتدین اور مشرکین عرب۔ اہل کتاب عجمی ہوں تو ان سے بالاتفاق جزیہ لیا جاوے گا اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ان کے لئے یا اسلام ہے یا جزیہ یا قتل۔ رہے عرب کے اہل کتاب ان سے احناف کے ہاں جزیہ لیا جاوے گا۔ یہ قول امام شافعی کا ہے۔ امام یوسف فرماتے ہیں کہ ان پر جزیہ نہیں۔ ان کے لئے بھی قتل یا اسلام۔ مشرکین عجم۔ ان سے احناف کے نزدیک جزیہ لیا جاوے گا۔ (عند الاحناف) شوافع کے ہاں نہیں۔ امام مالک و اوزاعی فرماتے ہیں کہ سوائے مرتد کے تمام ملکوں کے تمام کفار سے لیا جا سکتا ہے۔ (خازن، کبیر، روح المعانی وغیرہ) رہے مجوس وہ اہل کتاب کے حکم میں ہیں اگرچہ ان کی عورتوں سے نکاح، ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔ فرمایا نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے کہ مجوس سے اہل کتاب کا سا معاملہ کرو سواء نکاح و ذبیحہ کے (خازن، روح المعانی) **خلاصہ** یہ ہے کہ سواء مرتدین اور مشرکین عرب باقی تمام کفار سے جزیہ لیا جا سکتا ہے پھر یہ جزیہ صرف بالغ، غنی، مرد پر واجب ہوگا۔ کافرہ عورتیں، بچے وہ فقیر جو کمائی نہ کر سکیں، یوں ہی غلام پر جزیہ نہیں (خازن، معانی، کتب فقہ) اگر کافر جزیہ مقرر ہنے کے بعد مسلمان ہو جاوے تو اس سے جزیہ ختم ہو جاوے گا۔ احناف کے نزدیک اور جاری رہے گا شوافع کے ہاں (کبیر)۔

جزیہ کی مقدار: جزیہ دو قسم کا ہے۔ ایک وہ جو صلح اور فریقین یعنی سلطان اسلام اور کفار کی رضامندی سے طے ہو اس کی مقدار مقدر نہیں۔ جس قدر پر صلح ہو جاوے وہ ہی دینا ہوگا۔ چنانچہ حضور انور ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے بارہ سو جوڑے سالانہ پر صلح فرمائی۔ دوسرا وہ جو سلطان اسلام فتح حاصل کر کے خود مقرر کرے اس کی مقدار حسب ذیل ہے۔ (۱) مالدار پر اڑتالیس درہم سالانہ ہر ماہ چار درہم یعنی سوا روپیہ۔ درمیانہ لوگوں پر چوبیس درہم سالانہ یعنی دو درہم (نو آنہ) ماہوار۔ تندرست فقیر جو کمائی کر سکے بارہ درہم سالانہ یعنی ایک درہم (ساڑھے چار آنہ) ماہوار۔ حضرت عمر، عثمان وعلی نے یہ ہی مقرر فرمایا رضی اللہ علیہم اجمعین (روح المعانی)

جزیہ کب لیا جاوے: امام اعظم کے نزدیک پیشگی لیا جاوے یعنی سال یا مہینہ شروع ہونے پر مگر امام شافعی کے ہاں سال یا مہینہ گزرنے پر دیکھو تفسیر کبیر و خازن و روح المعانی۔ جو کافر آدھا سال بیمار رہے اس سے جزیہ معاف ہے (روح البیان) غور کرو کہ کتنی معمولی رقم کتنے شرائط سے لی جاتی ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: نماز روزے عبادت کی طرح جہاد بھی ایک عبادت ہے جو شرائط پائے جانے کے وقت تا قیامت جاری ہے۔ وہ کبھی منسوخ نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ **قاتلوا الذین** سے حاصل ہوا کہ قاتلوا بھی **اقیموا الصلوۃ و اتو الزکوۃ** کی طرح امر ہے۔

دوسرا فائدہ: جہاد جارحانہ بھی جائز ہے اور مدافعانہ بھی۔ اس میں دفاع کی قید نہیں۔ یہ فائدہ **قاتلوا الذین** (الخ) کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا کہ جہاد میں یہ شرط نہیں کہ جب کفار تم پر حملہ کریں تو اس کا دفاع کرنا تم ان پر حملہ نہ کرنا۔

تیسرا فائدہ: سارے کفار پر جہاد کیا جاوے گا۔ خواہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب یا دہریئے یا اور کفار۔ یہ فائدہ **لا یومنون** کے عموم سے ہوا۔

چوتھا فائدہ: جو سارے ایمانیات کو اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر واسطہ مانے وہ کافر ہے۔ درحقیقت وہ رب کو مانتا ہی نہیں۔ یہ فائدہ **لا یومنون باللہ** (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو یہود و نصاریٰ جو اللہ، قیامت، سب ہی کو مانتے ہیں مگر قرآن نے فتویٰ دیا کہ **لا یومنون باللہ** (الخ) دیکھو شیطان سارے ایمانیات مانتا ہے مگر کافر ہے کیونکہ وہ نبوت سے الگ ہو کر انہیں مانتا ہے۔

پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حرام و حلال کا اختیار دیا یہ فائدہ **حرم اللہ و رسولہ** فرمانے سے

حاصل ہوا کہ حرم کا فاعل اللہ اور اس کا رسول۔ دونوں ہیں قرآنی حرام کی ہوئی چیزیں اللہ کی حرام فرمودہ ہیں۔ جیسے سور، شراب، حدیث شریف کی محرمات حضور ﷺ کی حرام کی ہوئی ہیں جیسے کتا، بلا، بندر وغیرہ۔

چھٹا فائدہ: اب اسلام کے سوا سارے دین باطل ہیں صرف اسلام حق ہے۔ یہودیت، نصرانیت، شرک وغیرہ سب ہی باطل ہیں یہ فائدہ ولا یدینون دین الحق سے حاصل ہوا کہ رب نے یہود و نصاریٰ کے متعلق یہ فرمایا کہ وہ دین حق اختیار نہیں کرتے۔ معلوم ہوا کہ ان کے دین اب حق نہیں۔

ساتواں فائدہ: اہل کتاب سے مطلقاً جزیہ لینا جائز ہے خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے۔ یہ فائدہ حتی یعطوا الجزیۃ (الخ) سے حاصل ہوا کہ یعطوا کا فاعل مطلقاً اہل کتاب کو قرار دیا گیا۔

آٹھواں فائدہ: جب کفار جزیہ دینا قبول کرلیں تو ان سے جنگ نہ کی جاوے بلکہ اب ان کی حفاظت کی جاوے۔ انہیں شہری حقوق دیئے جائیں۔ یہ فائدہ حتی یعطوا (الخ) سے حاصل ہوا۔ حتیٰ انتہا کے لئے ہے۔ جزیہ پر جنگ کی انتہا ہوگی۔

نواں فائدہ: ذمی کافر جزیہ نقد دے گا، ادھار نہیں۔ خود آکر دے گا، کسی آدمی یا منی آرڈر کے ذریعہ نہ بھیجے گا۔ یہ فائدہ عن ید کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: جزیہ ادا کرتے وقت کافر اپنی قومیت ظاہر نہ کرے بلکہ عجز و انکساری کا اظہار کرے۔ اپنا احسان سلطان اسلام پر نہ جتائے بلکہ اس کا احسان مانے کہ اس نے جزیہ قبول کرلیا۔ یہ فائدہ وھم صاغرون سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: کفار پر جہاد صرف مدافعانہ کئے جاویں جارحانہ نہ کئے جاویں یعنی جب وہ ہم پر حملہ کریں تو ہم اپنا بچاؤ کریں ان پر حملہ نہ کریں۔ رب فرماتا ہے و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین اور فرماتا ہے و لا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ (مرزائی)

جواب: یہ غلط ہے کیونکہ یہاں قاتلوا مطلقاً ارشاد ہوا اس میں دفاع کی قید نہیں۔ تمہاری پیش کردہ آیت ان جیسی آیات جہاد سے منسوخ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف احد اور خندق میں مدافعانہ جہاد کئے باقی تمام جہاد خیبر، تبوک، بلکہ خود بدر بلکہ فتح مکہ، حنین وغیرہ تمام غزوات جارحانہ کئے۔

دوسرا اعتراض: تعجب ہے کہ مسلمان روپیہ لے کر کفر و شرک کی اجازت دیتے ہیں۔ کیا روپیہ ادا کرنے سے کفر درست ہوگیا۔ (ابن راوندی)

جواب: اس کا جواب تفسیر کبیر اور روح المعانی نے یہ دیا ہے کہ جزیہ شرک و کفر کی اجازت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ انہیں قتل سے بچانے اپنے ملک میں رہنے سہنے کی اجازت دینے کے لئے ہوتا ہے۔ دیکھو اس آیت میں جزیہ کو قتال و جہاد کی انتہا قرار دیا گیا کہ قاتلوھم فرمانے کے بعد فرمایا حتی یعطوا الجزیۃ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہمارے ملک میں ذمی کفار کو مذہبی آزادی ہوگی۔ رب فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین۔

تیسرا اعتراض: اگر کوئی مسلمان عیسائی یا یہودی ہو جاوے تو کیا اس سے بھی جزیہ لیا جاوے گا کہ وہ بھی اہل کتاب ہو

گیا۔

جواب: وہ اہل کتاب نہیں بلکہ مرتد ہوتا ہے، مرتد پر جزیہ نہیں۔ اس کے لئے صرف قتل یا اسلام ہے۔ رب فرماتا ہے تقاتلونهم او یسلمون.

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار سے جزیہ بھی لیا جاسکتا ہے مگر حضور انور ﷺ نے فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ یعنی مجھے حکم دیا گیا کہ اس وقت تک لوگوں سے جہاد کروں حتی کہ وہ کلمہ پڑھ لیں جس سے معلوم ہوا صرف اسلام پر جہاد ہوگا۔ جزیہ کوئی چیز نہیں۔ آیت وحدیث میں تعارض ہے۔

جواب: اس کا تفصیلی جواب ہم نے مرآت شرح مشکوۃ میں تفصیل سے دیا ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ وہاں الناس سے مراد مشرکین عرب ہیں واقعی ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا ان کے لئے صرف اسلام یا قتل ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حدیث شریف میں حتی بمعنی کی ہے بمعنی انتہا نہیں یعنی مجھے یہ حکم ہے کہ جہاد جزیہ دولت ملک حاصل کرنے کے لئے نہ کروں بلکہ اسلام پھیلانے کے لئے کروں۔ اور اس آیت میں حتی انتہا کے لئے ہے لہذا آیت وحدیث میں تعارض نہیں۔

پانچواں اعتراض: کفار پر جزیہ لگانا اسلام کا ظلم ہے۔ (عام کفار)

جواب: ابھی تفسیر میں ہم جزیہ کی حقیقت عرض کرچکے کہ یہ ظلم نہیں بلکہ حق حکومت ہے۔ مسلمانوں پر جانوروں وغیرہ کی زکوۃ واجب ہے۔ کفار رعایا پر اس کے مقابل بہت معمولی ٹیکس لیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہم ان کی حفاظت ان کا ملکی انتظام کرتے ہیں۔ آج حکومتیں رعایا سے بہت قسم کے بھاری ٹیکس لگاتی ہیں۔ تعجب ہے کہ یہ بھاری ٹیکس نہ تو ظلم ہوں اور چند پیسے ماہوار لینا ظلم ہو جاوے۔

چھٹا اعتراض: کیا سارے کفار سے جزیہ لیا جاوے گا یا ان میں سے کوئی مستثنیٰ بھی ہوگا۔

جواب: یہ جزیہ قتال کا مقابل ہے جو قتال کرتے ہیں ان پر جزیہ ہے لہذا عورت بچے بے دست و پا کافر، پوپ، پادری جو دنیا سے الگ تھلگ رہتا ہو، یوں ہی فقیر نا قابل کمائی ان میں سے کسی پر جزیہ نہیں۔ (روح البیان)

تفسیر صوفیانہ: نفس امارہ گویا کافر ہے قلب گویا مومن، ان کی جنگ ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ نفس طالب دنیا ہے اور دل طالب دین دل والوں پر طلب دنیا محبت دنیا حرام ہے کیونکہ محبت دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے جیسے کفار نے دین کے مقابل دنیا قبول کی تو ان پر جہاد جزیہ قائم کیا گیا۔ یوں ہی نفس پر جہاد بھی کرو اس پر جزیہ بھی لگاؤ۔ نفس امارہ کا جزیہ اس کے خلاف اعمال کرنا ہے حتی کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر قلب کے تابع ہو جاوے اور عزت و دولت دل کو میسر ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

آنچہ در فرعون بود اندر توست   لیک از در بات و محبوس چیست

آتشت را ہیزم فرعون نیست   زانکہ چوں فرعون او را عون نیست

نفس کو یہاں تک مجبور و مقہور کرو کہ وہ امارہ کے بجائے مطمئنہ بن جائے اور دل کے ماتحت ہو جاوے۔ (روح البیان)

عقل زیر حکم دل یزداں نیست   چوں زدل آزاد شد شیطانی است

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ

اور کہا یہودیوں نے کہ عزیر بیٹے ہیں اللہ کے اور کہا عیسائیوں نے کہ

اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے مسیح اللہ کا

ابْنُ اللَّهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ

مسیح بیٹے ہیں اللہ کے یہ قول ہے ان کا مونہوں سے ان کے مشابہت کرتے

بیٹا ہے یہ باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں اگلے کافروں

كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ۝

ہیں وہ ان کے قول کی جنہوں نے کفر کیا پہلے سے غارت کرے انہیں اللہ کیسے اوندھے کئے جاتے ہیں

کی سی بات بناتے ہیں اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے کئے جاتے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ یہود و نصاریٰ نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت پر اب اس کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ دونوں جماعتیں اللہ کے لئے بیٹا ثابت کرتی ہیں جو رب تعالیٰ کو اس طرح مانے وہ اللہ کا ماننے والا ہی نہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لے سکتے ہو مشرکین سے نہیں اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ اگرچہ یہود و نصاریٰ عام مشرکین سے بدترین مشرک ہیں کہ مشرکین تو اپنے معبودوں کو خدا کا بندہ کہہ کر پوجتے ہیں مگر یہ بدنصیب حضرت عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا کہہ کر پوجتے ہیں مگر چونکہ یہ لوگ اپنے کو نبیوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اگرچہ جھوٹی نسبت ہی نہیں اس لئے ان کے احکام مشرکین سے ہلکے ہیں کہ ان سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ ان کی عورتیں اور ذبیحہ بھی حلال ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ یہود و نصاریٰ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر جزیہ دیا کریں۔ اب اس ذلت کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے ذلیلوں کے سے کام کئے محبوب نبیوں کو خدا کا بیٹا کہا انہیں بدنام کیا۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ ان دونوں جماعتوں نے دین اختیار نہیں کیا۔ اب ان کے دین کے ناحق ہونے کا ذکر اس آیت میں فرمایا گیا کہ ان کا دین ایک وقت میں حق تھا۔ انہوں نے منسوخ دین کو بگاڑ کر اختیار کیا یعنی ان کا دین منسوخ بھی ہے بگاڑا ہوا بھی۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہود کی

ایک جماعت حاضر ہوئی۔ سلام ابن مشکم، نعمان ابن اوفی، شاس ابن قیس، مالک بن صیف بعض روایات میں ہے کہ فخاص ابن عازروا جس نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے ہم غنی یہ وہ ہی فخاص ہے۔ ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اسلام کیسے قبول کریں اور آپ ﷺ پر ایمان کیسے لائیں آپ ﷺ نے ہمارے قبلہ کی طرف نماز چھوڑ دی یعنی بیت المقدس کی طرف اور آپ ﷺ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ انہیں اللہ کا بندہ کہتے ہیں اگر آپ ﷺ یہ دو کام نہ کرتے تو ممکن تھا کہ ہم ایمان لے آتے ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن، تفسیر کبیر، روح المعانی، روح البیان، صاوی وغیرہ)

تفسیر: و قالت الیهود ظاہر یہ ہے کہ یہود سے مراد سارے یہودی ہیں کہ وہ سب ہی یہ عقیدہ رکھتے تھے اور ہوسکتا ہے کہ یہاں یہود کی وہ جماعت مراد ہو جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت قدس میں مذکورہ گفتگو کرنے حاضر ہوئی۔ انہیں یہود یا تو اس لئے کہتے ہیں کہ یہود ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں یا اس لئے کہ انہوں نے انا ھدنا الیک کہہ کر توبہ کی تھی۔ چونکہ یہ ایک جماعت کا نام ہے اس لئے قالت مونث ارشاد ہوا۔ عزیر ابن اللہ یہ قالت کا مفعول اس کا مقولہ ہے خواہ قول سے مراد زبانی قول ہو یا دلی قول یعنی اعتقاد۔ لفظ عزیر اگر عربی لفظ ہے تو منصرف ہے اور اگر عجمی لفظ ہے تو عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف۔ روح المعانی نے فرمایا کہ چونکہ یہ تصغیر ہے اور سوا عربی لفظ کے تصغیر کسی کی نہیں ہوتی لہذا یہ منصرف ہے۔ اس کی تنوین نون غنہ میں تبدیل ہو کر ابن کی ب سے مل گئی۔ ہم حضرت عزیر علیہ السلام کا پورا واقعہ تیسرے پارہ میں او کالذی مر علی قریۃ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ آپ کا نام حضرت عزیر ابن شرحیا ہے۔ یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے حضرت لاوی ابن یعقوب کی نسل سے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام آپ کے چودھویں دادا ہیں (روح البیان) چونکہ آپ سو برس تک وفات یافتہ رہ کر زندہ ہوئے نیز آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ایک نابینا بے دست و پا عورت کو شفا دی نیز آپ نے توریت شریف دنیا سے برباد ہو چکنے کے بعد زبانی لکھوا دی ان وجوہ سے انہیں یہود خدا کا بیٹا کہتے ہیں بعض یہود آج کل اس عقیدے کا انکار کرتے ہیں مگر جھوٹے ہیں اپنے کو چھپاتے ہیں۔ و قالت النصری یہ عبارت معطوف ہے و قالت الیهود (الخ) پر۔ عیسائیوں کو نصاریٰ اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ سے طلب مدد کے وقت کہا تھا نحن انصار اللہ ہم ہیں اللہ کے دین یا اللہ کے نبی کے مددگار گویا ناصر کی جمع ہے جیسے حضور انور ﷺ کے ایک صحابہ کی جماعت کا نام انصار ہے۔ اس لفظ کی تحقیق پہلے پارہ میں ہو چکی۔ المسیح ابن اللہ یہ جملہ قالت کا مفعول یہ اس کا مقولہ ہے۔ مسیح عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے بمعنی ماسح یعنی چھو کر مردوں کو زندہ اندھوں کوڑھیوں کو تندرست کرنے والے یا مساحت سے بنا بمعنی ہمیشہ سیر و سیاحت میں رہنے والے کہ آپ نے کہیں اپنا گھر نہ بنایا۔ دجال کا لقب بھی مسیح ہے مگر وہاں مسیح بمعنی ممسوح ہے یعنی کانا۔ خیال رہے کہ عیسائیوں کی جماعت یعقوبیہ تو حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتی ہے دوسری جماعت نسطوریہ اور ثالث ثلثہ تیسرا خدا مانتی ہے اور تیسری جماعت ملکانیہ انہیں عین خدا مانتی ہے کہ خدا نے ان میں حلول کر لیا تھا۔ یعقوب ملکان اور نسطور تین شخصوں کے نام ہیں جو ایک یہودی بولص کے شاگرد ہیں۔ بولص عیسائیوں کا بڑا

سخت دشمن تھا۔ وہ بطورِ فریب عیسائی بن کر عیسائیوں میں عابد زاہد بڑا پادری بن کر رہا لوگوں کی نگاہ سے چھپا رہا اور اس نے انجیل کے تین نسخے تیار کر کے ان تین شاگردوں کو الگ الگ دیئے اور ہر ایک سے کہا کہ اصل انجیل یہ ہے میرے مرنے کے بعد اسی کی تبلیغ کرنا اور عیسیٰ مسیح پر قربانی کے نام سے اپنے کو صلیب کے سامنے ذبح کر لیا۔ اس کے ان تین شاگردوں نے الگ الگ علاقوں میں ان تین مذہبوں کی اشاعت کی جس سے عیسائیوں میں سخت اختلاف لڑائیاں ہوئیں (تفسیر کبیر، خازن، روح المعانی وغیرہ) یہاں النصاریٰ سے مراد یعقوبیہ فرقہ ہے لہٰذا آیات قرآنیہ میں تعارض نہیں کہ اس نے عیسائیوں کے مختلف قول نقل فرمائے۔ **ذلک قولھم** یہ ان کی بکواس کی تردید ہے یعنی یہ وہ بات ہے جو وہ اپنے منہ سے کہتے ہیں جس کے معنی دلیل کوئی نہیں۔ گویا مہمل بے معنی الفاظ ہیں جو صرف منہ میں رہتے ہیں اگر چہ ہر بات منہ سے ہی کہی جاتی ہے مگر یہ عرب کا محاورہ ہے کہ ہر بکواس لایعنی کلام کو کہتے ہیں کہ یہ اس کے منہ کی بات ہے نہ دماغ میں پہنچتی ہے نہ کسی کے دل میں اترتی ہے۔ **یضاھئون قول الذین کفروا** یہ فرمانِ عالی معطوف ہے **ذلک قولھم** (الخ) پر اور مذکورہ اہل کتاب کے دوسرے عیب کا بیان ہے۔ **یضاھئون** بنا ہے مضاہاۃ سے جس کا مادہ ضھئی ہے مضاہات بمعنی مشابہت یا موافقت آتا ہے۔ ہ کے بعد کی ہمزہ دراصل ی تھی۔ جس عورت کو نہ حیض آتا ہو نہ اس کے پستان ہوں، اسے امراۃ ضہیا کہتے ہیں یعنی عورت مردوں سے مشابہ (روح المعانی) قوی یہ ہے کہ **یضاھئون** کا فاعل یہود و نصاریٰ دونوں ہیں اور **الذین کفروا** سے مراد ہیں مشرکین جو ان دونوں سے پرانے ہیں۔ یعنی یہ یہود و نصاریٰ اپنے سے پہلے کفار یعنی مشرکین کے عقیدے کے مشابہ ہیں کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں اور یہ نبیوں کو اللہ کا بیٹا۔ رب کے لئے اولاد مانتے ہیں دونوں یکساں ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **یضاھئون** کا فاعل عیسائی ہیں اور **الذین کفروا** سے مراد یہودی یعنی عیسائی رب کے لئے اولاد مانتے ہیں یہود کے مشابہ ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ **یضاھئون** کا فاعل پچھلے یہود و نصاریٰ ہیں اور الذین کفروا سے مراد ان کے متقدین یعنی یہ پچھلے یہود و نصاریٰ اگلے گذشتہ باپ دادوں کے مشابہ ہیں اور جو وہ کہہ گئے یہ بھی کہتے ہیں صرف ان کی پیروی میں، سوچتے سمجھتے کچھ نہیں۔ **قٰتلھم اللہ** یہ فرمانِ عالی یا اظہارِ غضب کے لئے ہے یا تعجب دلانے کے لئے۔ بددعا کے لئے نہیں کہ رب تعالیٰ دعا یا بددعا دینے سے پاک ہے۔ اہل عرب قاتلہ اللہ یا کہ لعنہ اللہ غضب ظاہر کرنے کے لئے کہا کرتا ہے یعنی خدا انہیں مارے یا غارت کرے۔ وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا۔ (معانی) بعض نے فرمایا کہ یہ بظاہر بددعا درحقیقت آئندہ کی خبر کہ اللہ تعالیٰ آئندہ انہیں ہلاک کرے گا۔ (روح البیان) انی یوفکون۔ لفظ انی کی تحقیق ہم دوسرے پارہ میں قالو حرثکم انی شئتم میں کر چکے ہیں کہ یہ کبھی بمعنی کہ ہوتا ہے تو اس میں من کے معنی شامل ہوتے ہیں یعنی کہاں سے جیسے یا مریم انی لک ھذا یا بمعنی کیف ہوتا ہے یعنی کیسے یا جیسے یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ یوفکون بنا ہے افک سے بمعنی پھرنا تہمت کو بھی افک کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقت سے پھری ہوتی ہے اس کا نائب فاعل یہود و نصاریٰ دونوں ہیں یعنی ان پر خدا کی مار ہے۔ یہ حقیقت سے پھرے جاتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم غور تو فرماؤ کہ یہود تو زبان سے کہتے اور دل سے عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے نبی

عزیر ابن شرخیا اللہ کے بیٹے ہیں اور یہ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم اللہ کے بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ اولاد والا ہے۔
یہ بکواس ایسی ہے جو صرف ان کی زبان سے سنی جاتی ہے نہ تو عاقل کے دماغ میں بیٹھے نہ کسی کے دل میں اترے۔ عقل ونقل کا
تقاضا کہ مصرع (جو تیرے سوا ہے وہ ہے تیرا بندہ) ابنیت اور عبدیت کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ دونوں حضرات اللہ کے بندے
ہیں نہ کہ اس کے بیٹے۔ یہ دونوں باوجود اہل کتاب ہونے کے اس عقیدے میں پرانے مشرکین کے عقیدے کے مشابہ
ہیں۔ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور یہ ان بزرگ نبیوں کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ رب تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے ہیں۔
دونوں یکساں ہیں۔ انہیں خدا غارت کرے یہ کہاں بہکے جا رہے ہیں کہ توریت وانجیل پڑھ کر اور اپنے نبیوں کی تعلیم جانتے
ہوئے ایسے گندے عقیدے رب تعالیٰ کے متعلق رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ مشرکین سے زیادہ مجرم ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: عیسائی اور یہودی ابنیت کے عقیدے میں یکساں ہیں کہ دونوں ایک ایک نبی کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ یہ فائدہ قالت الیھود اور قالت النصاری (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: یہود ونصاریٰ مشرکین سے بڑھ کر مشرک ہیں۔ کیونکہ مشرکین تو اپنے معبودوں کو خدا کا بندہ مان کر اس کا شریک کہتے ہیں مگر یہ دونوں ان نبیوں کو خدا کا بیٹا مان کر اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ فائدہ ابن اللہ فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کے بیٹا بیٹی ماننا ایسا گھنونا عقیدہ ہے جسے کوئی معمولی عقل والا بھی قبول نہیں کر سکتا۔ اس کے وجوہ ہم تیسرے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہ فائدہ قولھم بافواھھم سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: یہود ونصاریٰ دونوں مشرکین سے بالکل مشابہ ان سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ فائدہ یضاھئون (الخ) سے حاصل ہوا اگر چونکہ انہیں نبی سے نسبت حاصل ہے اگرچہ غلط ہی سہی اس لئے ان کے احکام مشرکین سے ہلکے ہوئے۔

پانچواں فائدہ: انسان اگر سیدھا چلے تو فرشتوں سے بڑھ جائے اور اگر ٹیڑھا چلے تو ابلیس سے بدتر ہو جاوے یہ فائدہ انی یوفکون سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: عموماً یہودی کہتے ہیں کہ ہم حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ انہیں خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔

جواب: ہم کو کبھی یہود سے ملنے بلکہ انہیں دیکھنے کا بھی موقع نہیں ملا۔ نہ ان سے ہم نے یہ سنا پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے اور اگر کہتے بھی ہوں تو جھوٹے ہیں، اپنے کو چھپاتے ہیں۔ قرآن وحدیث یعنی اللہ رسول سچے ہیں۔

دوسرا اعتراض: قرآن کریم نے عیسائیوں کے عقیدے کا ذکر یہاں اس طرح کیا کہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں کبھی کہا کہ وہ انہیں تیسرا خدا (ثالث ثلثۃ) کہتے ہیں۔ کہیں فرمایا کہ وہ انہیں عین خدا کہتے ہیں۔ انما اللہ عیسی ابن مریم ان میں سے کون سی بات درست ہے اور قرآن کریم میں اختلاف بیان کیوں ہے۔

جواب: قرآن مجید کے یہ تینوں بیان درست ہیں۔ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ عیسائیوں کے تین فرقے ہیں۔ ایک فرقہ

کا عقیدہ ابن اللہ کا ہے، دوسرے کا خدا تیسرے کا عین اللہ ہونے کا۔ قرآن مجید نے مختلف مقام پر ان کے مختلف فرقوں کا عقیدہ بیان فرمایا۔

تیسرا اعتراض: قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ شرک میں مشرکین کی طرح ہیں کہ فرمایا یضاھئون قول الذین کفروا پھر ان کے احکام مختلف کیوں ہوئے کہ عرب کے یہود و نصاریٰ سے جزیہ قبول کیا گیا۔ ان کی عورتوں سے نکاح ان کا ذبیحہ حلال کیوں ہوا۔

جواب: اس لئے کہ یہ اپنے کو نبی اس کی کتاب کی طرف نسبت کرتے ہیں اس نسبت نے یہ فرق پیدا کر دیا۔ رب تعالیٰ کے فیصلے درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: عالم اجسام میں نسبت سے قومیں بنتی ہیں عالم ارواح میں نسبت سے مردودوں کی طرف نسبت مردود کر دیتی ہے۔ مقبولوں کی طرف اگر نسبت درست ہے تو مقبول بنا دیتی ہے۔ اگر نادرست اور غلط بھی ہے تو بھی کچھ نہ کچھ اپنا رنگ دکھا دیتی ہے۔ دیکھو اس آیت میں ارشاد ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے عقیدے مشرکین کے عقائد کی طرح ہیں کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور یہ اہل کتاب ہو کر حضرت عزیر اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں بلکہ یہ مشرکین سے بدتر ہیں کہ مشرکین تو اپنے اکثر معبودوں کو اللہ کا بندہ مانتے ہیں مگر یہ اپنے معبودوں کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں پھر مشرکین نہ تو کسی نبی کے امتی ہیں نہ کسی آسمانی کتب کے قائل۔ یہ لوگ اپنے کو موسوی یا عیسوی کہیں توریت وانجیل کے قائل ہیں پھر ایسے گندے عقیدے رکھتے ہیں مگر یہ سب کچھ ہوتے ان کے احکام مشرکین سے ہلکے ہیں۔ کیوں۔ اس لئے کہ ان کو اللہ کے محبوب نبیوں سے نسبت ہے اگرچہ غلط ہی سہی۔ جب غلط نسبت کا فیض ہو جاتا ہے تو اگر صحیح نسبت میسر ہو جاوے تو اس کا فیض کا کیا پوچھنا۔

لطیفہ: ایک چور کسی گھر سے چوری کر کے نکلا۔ گھر والے جاگ گئے، شور مچایا محلے والے اس کے پیچھے دوڑے چور گھبرا کر مسجد میں گھس گیا۔ چوری کا مال دروازے پر چھوڑ کر خود مسجد پہنچا اور یوں ہی بے وضو نماز کی نیت باندھ لی۔ پیچھے سے محلے والے پہنچ گئے۔ وہ سمجھے کہ چور تو دیوار پھلانگ کر بھاگ گیا ہے یہ تو کوئی نیک بندہ تہجد پڑھ رہا ہے۔ لوا ادھر ادھر بھاگے اتنے میں چور نے سلام پھیرا۔ بولے صوفی جی کیا تم نے چور کو دیکھا ہے۔ وہ بولا نہیں۔ خیر یہ لوگ مال لے کر واپس ہوئے۔ چور کا دل لوٹ گیا۔ سجدہ میں گر کر بولا کہ مولا میں نے جھوٹی نماز پڑھی مسجد سے جھوٹی نسبت پیدا کی تو صوفی کہلایا۔ اگر سچی نماز پڑھتا تو میرا مقام کیا ہوتا۔ آخر کار توبہ کر کے نیک بندہ بن گیا۔ یہ ہے نسبت کی بہار۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی نسبت عطا فرمائے۔

حکایت: یہ تاریخی واقعہ مشہور و معروف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ معظمہ سے بت نکالے تو سارے بتوں کا کنکریٹ بنوا کر سڑک پر بچھوا دیا کہ اس پر گدھے گھوڑے پیشاب کریں لوگ قدموں سے روندیں مگر جو بت حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کے نام کے تھے، انہیں دفن کرا دیا۔ یہ فرق کیوں۔ صرف نام کا احترام نسبت کا لحاظ یہ قاعدہ یاد رہے بہت کارآمد ہے۔

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِیْحَ

بنالیا انہوں نے پادریوں کو اپنے اور درویشوں کو اپنے رب سوا اللہ کے اور مسیح

انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو اور انہیں

ابْنَ مَرْیَمَۚ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًاۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَؕ

بیٹے مریم کو حالانکہ نہیں حکم دیئے گئے وہ مگر یہ کہ عبادت کریں معبود ایک کی

حکم نہ دیا تھا مگر یہ کہ ایک اللہ کو پوجیں اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اسے پاکی ہے

سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے پاکی ہے اس کی اس سے جو شرک کرتے ہیں

ان کے شرک سے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں یہود و نصاریٰ کے مشرک ہونے کی ایک وجہ بیان ہوئی یعنی ان کا حضرت عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا۔ جیسے مشرکین فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ ان دونوں کے مشرک ہونے کی وجہ بیان ہو رہی ہے یعنی ان کا اپنے پوپ پادریوں کو رب کی طرح ماننا جیسے مشرکین اپنے پنڈتوں کو مانتے ہیں کہ ان کی باتیں رب تعالیٰ کے احکام کی طرح قابل عمل جانتے ہیں گویا ان کے اعتقادی شرک بیان فرمانے کے بعد عملی شرک کا ذکر ہو رہا ہے

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ یہود نے ایک نبی کو عیسائیوں نے دوسرے نبی کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ اب ارشاد ہے کہ ان دونوں نے بہت سے اپنے عالموں درویشوں کو خدا کا شریک مانا گویا ایک ایک کو شریک جاننے ماننے کا ذکر فرما کر بہت سوں کو شریک ماننے کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ یہود اور نصاریٰ کے عقیدے صرف ان کے منہ کی بکواس ہے جس پر نہ کوئی دلیل قائم ہو نہ اس میں کوئی حقانیت۔ اب ان کی اسی قسم کی بکواس کا ذکر ہے جس کا سر ہے نہ پاؤں یعنی اپنے پوپ و پادریوں کو رب کی طرح ماننا۔

تفسیر: اتخذوا احبارھم و رھبانھم آتخذوا بنا ہے اخذ سے بمعنی لینا، پکڑنا، بنانا یہاں بمعنی ماننا عقیدہ رکھنا ہے یعنی دل

ہیں اعمال میں انہیں کدا پکڑنا اس لئے دو مفعول چاہتا ہے۔ قوی یہ ہے کہ اس کا فاعل یہود و نصاریٰ دونوں ہیں کیونکہ آگے دونوں کے پوپ پادریوں کا ذکر ہے۔ احبار جمع ہے حبر کی ح کے فتحہ یا کسرہ سے اس کی جمع احبار بھی ہے اور حبور بھی۔ یہ ماخوذ ہے تحبیر سے جس کے معنی ہیں حسن بیان۔ یعنی جو اپنا دلی مقصد عمدہ طریقے سے بیان کر سکے یعنی فصیح اللسان۔ یہ لفظ علماء یہود پر بھی بولا جاتا ہے اور علماء اسلام پر بھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس کو حبر الامت کہا جاتا ہے (روح المعانی) یہاں مراد علماء یہود ہیں جنہیں آج کل پوپ کہا جاتا ہے۔ رہبان جمع ہے راہب کی جس کا مادہ رہب ہے بمعنی خوف۔ یعنی وہ عابد جس کے چہرے پر خوف و عبادات کے آثار نمودار ہوں۔ رہبانیت ترک دینا کو کہا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم **لا رھبانیہ فی الاسلام** یہاں عیسائیوں کے تارک الدنیا پادری مراد ہیں جو اچھا کھانے اچھا پہننے سے دور رہتے ہیں اور بہت مشقتیں جھیلنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ احبار و رہبان مفعول اول ہے **اتخذوا کا اربابا من دون اللہ** یہ اتخذوا کا دوسرا مفعول ہے ارباب جمع ہے رب کی بمعنی پالنے والا۔ یہاں مراد ہے رب کی طرح کیونکہ یہود و نصاریٰ اپنے علماء کو رب نہیں کہتے تھے بلکہ ان کے ساتھ رب کا سا عقیدہ رکھتے تھے مثلاً اللہ رسول کے مقابلہ میں ان کی اطاعت کرنا کہ اللہ رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھنا ان کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام جاننا ان عالموں کے کہنے سے۔ نیز انہیں سجدے کرنا ان سے اپنے گناہ معاف کرانا۔ جیسا کہ اب بھی عیسائیوں میں مروج ہے۔ دون کے بہت معنی ہیں۔ دور، الگ، مقابل، کنا ہوا، سوا، یہاں یا تو بمعنی مقابل ہے یا سوا۔ **و المسیح ابن مریم** یہ عبارت معطوف ہے رہبانہم پر۔ حضرت مسیح کو عیسائی خدا کی مثل یعنی خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ رب کا بیٹا بھی رب ہوگا اس لئے یہ الزام ان پر درست ہے۔ یوں سمجھو کہ وہ لوگ اپنے پوپ و پادریوں کو عملاً رب سمجھتے کہ ان کے ساتھ رب کا سا معاملہ کرتے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کو اعتقاداً اپنا رب مانتے تھے چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہے اس لئے آپ کو ماں کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔ **و ما امروا الا لیعبدوا الھا واحدا** اس فرمان عالی میں ان دونوں قوموں پر عتاب کا اظہار ہے یعنی توریت و انجیل اور تمام آسمانی کتابوں میں ان لوگوں کو یہ ہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک اللہ کی ہی عبادت کریں۔ انہوں نے اللہ کے مقابل دوسروں کو حرام و حلال کرنے کا مالک مان کر انہیں سجدہ کر کے ان سے اپنے گناہ بخشوا کر ان کی عبادت کی۔ یعنی دلی اور اعتقادی عبادت لہٰذا انہوں نے ساری آسمانی کتابوں کی مخالفت کی۔ **لا الہ الا ھو** اس فرمان عالی میں واقعہ کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا واقعی کوئی لائق عبادت نہیں ہر قسم کی عبادت اسی کو لائق ہے اعتقادی عبادت ہو یا بدنی یا مالی۔ **سبحنہ عما یشرکون**۔ اس فرمان عالی میں یہود و نصاریٰ کو صراحۃً مشرک فرمایا گیا اور ان کے مذکورہ عقیدوں کو شرک قرار دیا گیا۔ **سبحنہ** کے متعلق بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ ایک پوشیدہ فعل کا مفعول مطلق ہے۔ اصل میں **سبحوا ہ سبحانا** تھا چونکہ یہ مفعول بہ کی طرف مضاف ہو گیا اس لئے اس کے فعل کا پوشیدہ کرنا واجب و لازم ہو گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں جماعتوں کے تمام شرکیہ اعمال سے پاک بے نیاز ہے وہ

وحدہ لاشریک لہ ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ یہود و نصاریٰ کا ایک قسم کا شرک تو سن چکے اب ان کا دوسری نوعیت کا شرک یعنی یہود نے اپنے پوپوں کو عیسائیوں نے اپنے پادری راہبوں کو اللہ کے سوا رب مان رکھا ہے کہ انہیں رب تعالیٰ کے مقابل حرام و حلال کا مالک مانتے، انہیں سجدے کرتے ہیں ان سے اپنے گناہ معاف کراتے ہیں۔ عیسائیوں نے حضرت مسیح ابن مریم کو اعتقاداً بھی رب مان لیا کہ انہیں خدا کا بیٹا مانا غرض کہ یہ لوگ عملاً و اعتقاداً مشرک ہیں حالانکہ توریت و انجیل اور تمام آسمانی کتابوں میں انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اعتقادی عملی ہر طرح کی عبادت صرف رب تعالیٰ کی ہی کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے بے نیاز ہے۔ وہ ان کو اس جرم کی سخت سزا دے گا۔ ترمذی میں حضرت عدی ابن حاتم سے روایت کی فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی۔ فرمایا اے عدی اس بت کو اتار دو اور میں نے حضور انور ﷺ کو سورۂ توبہ کی یہ آیت تلاوت کرتے سنا اور فرماتے سنا کہ یہود و نصاریٰ اپنے پوپ پادریوں کو پوجتے نہ تھے مگر جب ان کے پوپ پادری کسی چیز کو حلال کر دیتے تو اسے حلال سمجھ لیتے اور اگر حرام کر دیتے تو اسے حرام سمجھ لیتے (یعنی رب کے حکم کے خلاف) حضرت عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں۔ شعر

وھل بدل الدین الا الملوک

و احبار سوء و رھبانھا (خازن)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ رسول کے حکم کے مقابلہ میں کسی اور کا حکم ماننا اس کے حکم کو اچھا جاننا قرآن و حدیث کے احکام کو نا قابل عمل یا برا جاننا صریح کفر ہے۔ ایسا شخص بدتر ہے اس لئے گویا دوسروں کو الٰہ مان لیا۔ یہ فائدہ **اتخذوا احبارھم (الخ)** سے حاصل ہوا۔ افسوس ہے کہ یہ بیماری آج بہت سے کلمہ پڑھنے والوں میں پیدا ہو گئی ہے خصوصاً بھنگی چرسی بے نماز پیروں کے مریدوں میں یہ وہ ہی بیماری ہے جو یہود و نصاریٰ میں تھی اور ہے جسے قرآن مجید نے یہاں بیان فرمایا۔

دوسرا فائدہ: اللہ رسول کے مقابلہ میں کسی اور کی اطاعت کرنا۔ یہ درپردہ اسے الٰہ بنانا ہے۔ فرماتا ہے **من اتخذ الھه ھواه**

تیسرا فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے یہ فائدہ **المسیح ابن مریم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ اگر آپ کا باپ ہوتا تو یا تو دوسرے نبیوں کی طرح آپ کا صرف نام قرآن مجید میں آتا یا پھر باپ کی طرف آپ کو نسبت کیا جاتا۔ رب فرماتا ہے۔ **ادعوھم لآبائھم**

چوتھا فائدہ: توریت و انجیل بلکہ تمام آسمانی کتب میں توحید اور عبادت کا حکم دیا فروع میں اختلاف ہو سکتا ہے مگر اصول دین ساری کتب کے یکساں ہیں۔ یہ فائدہ توریت و انجیل سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: یہود و نصاریٰ سارے اہل کتاب مشرک ہیں اگرچہ ان کے احکام کھلے مشرکوں سے کچھ ہلکے ہیں یہ فائدہ وما امروا (الخ) سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: اللہ رسول کے سوا کسی کو حرام و حلال کا مختار ماننا کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال کرے جسے چاہے حرام کرے شرک ہے کہ اس نے دوسرے کو رب مان لیا۔ یہ فائدہ اربابا کی تفسیر سے حاصل ہوا جس کے متعلق ابھی تفسیر میں حدیث شریف پیش کی گئی۔

ساتواں فائدہ: خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدۂ تحیہ کرنا حرام ہے اور سجدۂ عبادت کرنا شرک۔ یہ فائدہ بھی اربابا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: کسی کو گناہ بخشنے کا مختار ماننا یہ بھی شرک ہے گناہ بخشنا سزا دینا رب تعالیٰ ہی کی صفت ہے یہ فائدہ بھی اربابا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ عیسائی اپنے ہفتہ بھر کے گناہ تفصیل وار اتوار کے دن پادری صاحب کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ پادری صاحب کہتے ہیں جا بیٹا معاف کر دیئے۔ معاف ہو گئے۔ یہ شرک ہے۔ **مگر خیال رہے** کہ یہ گناہ معاف کرانے کا ذکر ہے حق تو حق والا معاف کرتا ہے۔ قرضہ قرضخواہ سے معاف کراؤ، یوں ہی بخشنا اور بخشوانا ان میں فرق ہے بخشوانا شفاعت ہے جو حضرات انبیاء و اولیاء کے لئے ثابت ہے۔ **وصل علیهم ان صلوٰتک سکن لهم** اور فرماتا ہے استغفرله منک …… وللمومنین. وغیرہ۔

نواں فائدہ: عبادت اور اطاعت میں فرق ہے۔ عبادت صرف رب تعالیٰ کی ہو سکتی ہے لاتعبدوا الا ایاہ مگر اطاعت اللہ تعالیٰ کی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اور حکم والے علماء کی بھی۔ اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ یہ فائدہ بھی اربابا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: شرک عملی بھی ہوتا ہے اعتقادی بھی۔ کسی بندے سے رب کا سا معاملہ کرنا یہ شرک عملی ہے۔ یہ فائدہ اس آیت سے حاصل ہوا کہ احبار و رھبان کو بھی عیسائیوں نے رب بنایا اور مسیح ابن مریم کو بھی مگر احبار و رھبان کو عملی طور پر اور مسیح کو اعتقادی طور پر۔

پہلا اعتراض: تم لوگ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حرام و حلال کا مالک سمجھتے ہو۔ تم نے بھی حضور ﷺ کو رب مان لیا۔ تم بھی عیسائیوں کی طرح مشرک ہو۔ (دیوبندی وہابی)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ تمہارے پیشوا مولوی محمود الحسن صاحب نے بھی فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد از خدا مالک احکام ہیں دیکھو اس کا مفصل حوالہ ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ اور جاء الحق حصہ اول میں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ بے شک رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مالک احکام بلکہ مالک کونین بنایا **ولایحرمون ما حرم اللہ و رسولہ** معلوم ہوا کہ رسول اللہ حرام کر سکتے ہیں اور فرماتا ہے **ویحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث** ہمارے رسول لوگوں کے لئے طیب چیزیں حلال کرتے ہیں خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں۔ اور فرماتا ہے **ولاحل لکم بعض الاحرم علیکم** اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھو۔ عیسائیوں کا اپنے پوپ پادریوں کو حرام و حلال کا مالک سمجھنا شرک ہے کہ رب نے انہیں مالک بنایا نہیں۔ اب وہ جو کچھ حرام و حلال کریں گے رب کے مقابلہ میں کریں گے۔ مومنوں کا حضور ﷺ کو مالک احکام ماننا ایمان ہے کہ رب نے انہیں مالک احکام بنایا اب وہ جو کچھ حکم کریں گے رب کی مرضی سے کریں گے۔ مشرک کا پتھر کی طرف سجدہ کرنا گنگا جل کی تعظیم شرک ہے۔ مسلمان کا کعبہ کی طرف سجدہ کرنا زم زم کی تعظیم کرنا عین ایمان ہے۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔

دوسرا اعتراض: تم بھی عیسائیوں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہ معاف کراتے ہو۔ شعر

بخش دو میری خطائیں .... بھیج دو اپنی عطائیں .... یا نبی سلام علیک

پڑھا کرتے ہو۔ تم بھی انہی کی طرح مشرک ہو۔

جواب: ہم حضور انور ﷺ سے گناہ نہیں بخشواتے بلکہ حضور انور ﷺ کے مارے ہوئے حقوق بخشواتے ہیں۔ ہر گناہ میں رب تعالیٰ کا بھی حق مارا جاتا ہے اور حضور انور ﷺ کا بھی۔ مثلاً ہمارا نماز نہ پڑھنا رب تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے حضور انور ﷺ کی تکلیف کا سبب عزیز علیہ ماعنتم اور حق حقدار ہی معاف کرتا ہے۔

تیسرا اعتراض: تم لوگ قرآن و حدیث کے مقابل اپنے امام مجتہد ابو حنیفہ کی بات مانتے ہو تم کو آیات قرآنیہ حدیث نبویہ دکھائیں مگر تم فقہ حنفیہ ہی دیکھتے ہو (غیر مقلد) تم نے امام اعظم کو ارباب من دون اللہ مان لیا۔ دیکھو اس جگہ تفسیر روح المعانی اور تفسیر کبیر نے یہ دکھڑا رویا ہے۔

جواب: ہم حدیث و قرآن کو امام اعظم سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تمہارے ترجے تفسیر شرح پر اعتماد نہیں کرتے ہم تمہارے مقابل ان کو مانتے ہیں نہ کہ اللہ رسول کے مقابل اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیکھو۔ امام رازی خود شافعی ہیں، ابو موسیٰ حنفی وہ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں تم ان پر بہتان باندھتے ہو۔ وہ تو موجودہ بے دین پیروں کے معتقدین کے متعلق یہ فرما رہے ہیں دیکھو ان کی تفاسیر یہ ہی مقام۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر گناہ کفر ہے اور سارے گناہ گار کافر۔ کیونکہ بندہ گناہ کرتے وقت شیطان کو اپنا الٰہ مان لیتا ہے تب ہی تو اس کی اطاعت کرتا ہے لہٰذا وہ بھی عمل مشرکوں میں داخل ہے۔ (خوارج)

نوٹ ضروری: خارجی لوگ فاسق کو کافر مانتے ہیں۔ ان کا یہ قول ہے۔

جواب: تفسیر کبیر نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا گنہگار آدمی نہ تو گناہ کو اچھا سمجھتا ہے نہ شیطان کو اپنا پیشوا مانتا ہے وہ اپنے کو گنہگار کہتا ہے۔ شیطان پر پھٹکار ہی کرتا ہے لہٰذا اس نے شیطان کو الٰہ نہ مانا۔ کسی کے بہکانے میں آ کر گناہ کرنا اور چیز ہے اسے الٰہ ماننا دوسری چیز۔ یہاں تو ان کا ذکر ہے جو پوپ پادری کو اپنا پیشوا سمجھ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: احکام الٰہیہ کے نافذ ہونے کی جگہ حضرات انبیاء کرام ہیں۔ یہ حضرات اللہ کے خلیفہ بلکہ دار الخلافہ ہیں کچھ احکام ان کی زبان سے جاری ہوتے ہیں وہ ربانی احکام ہوتے ہیں اور کچھ احکام ان کے دل سے جاری ہوتے ہیں بطور الہام وہ بھی ربانی ہوتے ہیں۔ قرآن، فرمان، الہام، سب ہی رب کی طرف سے ہیں۔ ان ھو الا وحی یوحی حتٰی کہ اگر ان کا کوئی حکم کسی کے لئے قرآن کے خلاف بھی ہو تو اس کے لئے وہ ہی حکم ربانی ہے۔ جس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ حضرت ابو خزیمہ انصاری کی ایک گواہی دو گواہیاں بنا دیں، حضرت سراقہ کو سونے کے کنگن پہننے کی اجازت دے دی۔ حضرت علی کے لئے فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرا نکاح منع فرما دیا۔ ایک صاحب کے لئے صرف نمازیں ہی رکھیں۔ یہ سب احکام ربانیہ ہیں اور اطاعت رسول میں داخل ہیں۔ مگر اللہ کے دشمن احبار اور رہبان ان کی اطاعت کرنا انہیں ارباب من دون اللہ ماننا ہے۔ ان لوگوں کا مطیع مشرک ہے مگر نبی کا مطیع سچا پکا مومن ہے ہاں جو کسی نبی کو اللہ کا بیٹا کہا اس نے نبی کو الٰہ مان لیا۔ وہ یشرکون میں داخل ہے۔ نبی اللہ، ولی اللہ کی شان اور ہے۔ ولی من دون اللہ کا حال کچھ اور۔ وہ حضرات رب نہیں رب کے حبیب ہیں۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ

ارادہ کرتے ہیں یہ کہ بجھادیں نور اللہ کا مونہوں سے اپنے اور انکار کرتا ہے اللہ

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور منہ سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا

يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

مگر یہ کہ پورا کرے نور کو اپنے اگر چہ ناپسند کریں کافر وہ اللہ وہ ہے جس نے بھیجا رسول

پورا کرنا پڑے برا مانیں کافر وہ ہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ

کو اپنے ساتھ ہدایت کے اور سچے دین کے تاکہ غالب کرے سارے دینوں پر اگر چہ ناپسند

بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے پڑے برا

الْمُشْرِكُوْنَ
کریں　مشرک　لوگ
مانیں　مشرک

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کا اپنے دینوں میں تبدیلی کرنے انہیں مٹانے کا ذکر ہوا اب ان آیات میں انہیں کی دین اسلام کو مٹانے کے متعلق ناکام کوشش کا تذکرہ ہے۔ گویا ان کے لازم عیوب کے بعد متعدی عیب کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو حکم تھا کہ اہل کتاب سے ذلت کے ساتھ جزیہ لو اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ یہ لوگ اللہ کے عزت والے بندے کو ذلیل کرنے والے، دین کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں گویا حکم پہلے دیا گیا اس کی وجہ اب بیان ہو رہی ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ذکر ہوا کہ یہ لوگ ذلیل پوپ پادریوں کو رب کا شریک مان لیتے ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ یہی بے وقوف اللہ کے عزیز نبی کی مخالفت کرتے ہیں انہیں نبی نہیں مانتے۔ گویا ان کی افراط کا ذکر فرمانے کے بعد تفریط کا تذکرہ ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں یہودیت اور عیسائیت منسوخ دینوں کی کمزوری بتائی گئی کہ اسے لوگوں نے بدل کر رکھ دیا۔ اب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پختگی مضبوطی کا تذکرہ ہے یہ کسی مجموعی کوشش سے نہ مٹے نہ بدلا جائے۔

لیظهره علی الدین کله

تفسیر: یریدون یہ جملہ نیا ہے۔ یریدون بنا ہے ارادۃ سے یہاں ضروری ارادہ مراد نہیں بلکہ ارادہ سے کوشش مراد ہے۔ کوشش خواہ قولی ہے یا عملی یا مالی یا قلمی یا تلوار کی۔ کیونکہ اسلام کو مٹانے میں ہر قسم کی کوشش کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اس کا فاعل مذکورہ دونوں قومیں یہود و نصاریٰ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ سارے کفار فاعل ہوں۔ یریدون مضارع استمراری ہے کیونکہ ان کی کوشش دائمی ہے جواب تک دیکھنے میں آ رہی ہے۔ ان یطفئوا نور اللہ یہ عبارت یریدون کا مفعول بہ ہے اطفاء سے بمعنی آگ بجھانا اس طرح کہ آگ کا وجود ختم کر دیا جاوے جس سے اس کی روشنی بھی جاتی رہے مگر محاورہ میں صرف روشنی دور کر دینے کو اطفاء کہتے ہیں۔ خصوصاً جبکہ اس کے بعد چراغ یا نور مذکور ہو وہ ہی یہاں مراد ہے چونکہ اسلام قرآن حضور ﷺ کے معجزات بلکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روحانی نور ہیں اس لئے ان کے مٹانے باطل کرنے کو اطفاء یعنی بجھانا کہا گیا۔ نور وہ جو ظاہر بالذات ہو مظہر للغیر ہو۔ روشنی نور حسی بھی ہوتا ہے جیسے چراغ، سورج، چاند تارے اور معنوی بھی جیسے علم، ایمان، دلائل اور قرآن اور حضور انور ﷺ کی ذات بابرکات اگرچہ سارے نور اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں مگر

جس کے روشن کرنے میں کسی بندے کی کوشش کو دخل نہ ہو براہ راست رب نے روشن کیا وہ نور اللہ یعنی اللہ کا نور ہے۔ جیسے محسوسات میں سورج چاند تارے اور معقولات میں قرآن مجید اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہاں نور اللہ سے مراد یا دین اسلام ہے یا دلائل توحید یا حضور انور ﷺ کے معجزات تو اس کے بجھانے سے مراد انہیں نہ ماننا نہ دوسروں کو ماننے دینا۔ انہیں مٹا دینا یا اس سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو بجھانے سے مراد حضور ﷺ کا دین مٹانا، حضور ﷺ کے قرآن کو شائع نہ ہونے دینا، حضور ﷺ کا ذکر روکنا، حضور ﷺ کے فضائل سے چڑ جانا، آپ ﷺ میں عیب نکالنے کی کوشش کرنا، قرآن نے بہت جگہ حضور ﷺ کو نور فرمایا ہے اور نور گر سراج منیر بھی۔ وہ آیات اس آیت کی تفسیر ہیں۔ اگلی آیت میں بھی حضور انور ﷺ کا ہی ذکر آ رہا ہے اس لئے ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد حضور انور ﷺ ہیں چونکہ حضور انور ﷺ مال و دولت، ملک و سلطنت وغیرہ کی وجہ سے نہیں چمکے بلکہ انہیں چمکانے والا براہ راست اللہ تعالیٰ ہے نیز حضور ﷺ کسی کے بجھائے بجھ نہیں سکتے ان وجوہ سے حضور ﷺ کو نور اللہ فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ کفار ہمیشہ سے حضور انور ﷺ کے پیچھے پڑے رہے اور پڑے رہتے ہیں۔ قرآن اور اسلام کے پیچھے تو بعد میں پڑتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ حضور انور ﷺ شمع اسلام ہیں قرآن وغیرہ اس کی شعاعیں۔ شمع بجھا دو، شعاعیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ اس کا یہاں ذکر ہے۔ لہٰذا فقیر کے نزدیک نور اللہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ **بافواھھم** یہ فرمان عالی یطفئون کے متعلق ہے اس میں ب مددکی ہے۔ افواہ جمع ہے فوہ کی بمعنی منہ۔ اس سے مراد یا زبان ہے یا ان کی بکواس۔ اسلام قرآن اور حضور ﷺ کے خلاف یا مراد پھونکیں ہوں۔ رب نے ان کی تمام کوششوں کو ان کی منہ سے نکلی ہوئی پھونکیں فرمایا کہ جیسے منہ کی پھونک سورج تک نہیں پہنچتی ایسے ہی ان کی کوشش ذات پاک مصطفیٰ تک نہیں پہنچتی۔ خیال رہے کہ آگ میں پھونک مارتے ہیں، اسے تیز کرنے کے لئے، چراغ میں پھونک مارتے ہیں اسے بجھانے کے لئے بھی۔ یہاں دوسری قسم کی پھونک مراد ہے، اس لئے نور اللہ ارشاد ہوا۔ **و یابی اللہ الا ان یتم نورہ** یہ فرمان عالی کفار کے ارادہ کو باطل فرمانے کے لئے ہے۔ یابی بنا ہے ابا سے بمعنی انکار نہ کرنا۔ نہ ماننا اور باز نہ رہنا۔ چونکہ اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے اس لئے اس کے معنی نہ ماننا قبول کرتا ہیں۔ کمال اور تمام کا فرق ہم **الیوم اکملت لکم دینکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے کہ ذات کو پورا کرنا کمال ہے صفات کو پورا کرنا اتمام۔ اگر نور سے مراد دین اسلام تو اتمام کے معنی کلمہ طیبہ کا بلند کرنا۔ اسلام کو عزت دینا، اسے دنیا میں پھیلانا اور شائع کرنا ہے اور اگر نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو اتمام سے مراد حضور ﷺ کی عزت تمام دنیا میں ظاہر کرنا۔ آپ ﷺ کا چرچا آپ ﷺ کا ذکر جاری کرنا یعنی اللہ تعالیٰ اس کے سوا کچھ اور نہ مانے گا کہ اپنے نور یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ان کا چرچا ان کا ذکر خیر پورا پورا شائع ہو۔ **ولو کرہ الکفرون.** اگرچہ تمام جہان کے سارے کافر اسے ناپسند کریں۔ یہاں ناپسندیدگی سے مراد دل سے ناراض ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے خلاف ہر طرح کی کوشش کریں۔ کافروں سے مراد ہر قسم کے کافر ہیں۔ مشرکین ہوں یا یہودی عیسائی یا مجوسی پارسی وغیرہم کیونکہ اسلام کی مخالفت حضور انور ﷺ کی دشمنی میں سب متفق ہیں مگر کچھ نہ کر سکے ہیں نہ کر سکیں گے۔ رب کے مقابل سب کچھ نہیں کر سکتے۔ **ھو الذی** یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی گویا تفسیر ہے یہاں ہو سے مراد

ذات الٰہی ہے اور الذی سے مراد شان الٰہی رحمت الٰہی ھوالذی وہاں ارشاد ہوتا ہے جہاں رب تعالیٰ اپنی قدرت اپنی خاص رحمت کا ذکر فرماتا ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی شان بھی ہیں اس کی رحمت بھی۔ اس وجہ سے ھوالذی ارشاد ہوا یعنی اگر میری شان میری رحمت دیکھنی ہے اگر تم نے مجھے جاننا ہے پہچاننا ہے تو اس طرح جانو کہ میں وہ رحمت والا شان والا قدرت والا ہوں جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تحفوں کے ساتھ بھیجا۔ شعر

محمد مصطفیٰ یعنی خدا کے شان کے صدقے

میں ہر ہر آن یارب ان کی ہر ہر آن کے صدقے

ارسل رسوله یہ عبارت الذی کا صلہ ہے۔ ہمارے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے خلقکم و ما تعملون مگر حضور ﷺ کی تشریف آوری کے لئے ارسل، بعث اور جاء ارشاد ہوتا ہے کیونکہ ہم صرف مخلوق ہیں حضور انور ﷺ اللہ کی مخلوق بھی ہیں مبعوث بھی، رسول مرسل بھی۔ نیز ہم سب یہاں اپنے کام کے لئے آئے ہیں، حضور انور ﷺ رب کے کام و احکام کے لئے۔ ہم یہاں بننے کے لئے آتے ہیں، وہ سب کچھ بن کر دوسروں کو بنانے کے لئے۔ ان کا دنیا میں آنا ایسا ہوتا ہے جیسے حاکم کا تبادلہ ہو کر کسی جگہ پہنچنا۔ نبی پیغام رساں کو کہتے ہیں۔ رسول فیضان رساں کو۔ حضرت جبرائیل نے حضرت مریم سے کہا انما انا رسول ربک لاھب لک غلام زکیا یہ ہے رسالت کی شان۔ رسولوں کا تعلق رب تعالیٰ سے لینے کا ہوتا ہے۔ مخلوق سے دینے کا۔ اس لئے انہیں رسولہ بھی کہا جاتا ہے اور رسولنا یا رسولکم۔ قرآن مجید میں جہاں الرسول یا رسول اللہ یا رسولہ مطلق ارشاد ہوتا ہے وہاں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتے ہیں۔ وہ ہی یہاں مراد ہیں۔ بالھدی و دین الحق یہ عبارت پوشیدہ مصحفا یا متلبسا یا ملزوما وغیرہ کے متعلق ہو کر رسولہ کا حال ہے۔ ہدیٰ سے مراد قرآن مجید ہے اور دین حق سے مراد اسلام ہے یا ہدیٰ سے مراد ہے حضور انور ﷺ کا خود ہدایت یافتہ ہونا اور دین حق سے مراد لوگوں کو ہدایت دینا ہے دین سے مراد ملت ہے الحق یا تو رب تعالیٰ کا نام ہے یعنی اللہ کی پسندیدہ ملت یا حق بمعنی مضبوط، نا قابل نسخ اس معنی سے صرف دین محمدی حق ہے باقی گذشتہ نبیوں کے دین قابل نسخ تھے۔ یعنی رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کو قرآن اور اسلام سے موصوف بنا کر بھیجا یا خود ہدایت یافتہ اور لوگوں کا ہادی بنا کر بھیجا۔ لیظھرہ علی الدین کلہ یہ اس کے متعلق ہے۔ جس میں ارسال کی حکمت ارشاد ہوئی۔ اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔ آسان اور قوی تفسیر یہ ہے کہ یظہر بنا ہے اظہار سے بمعنی غالب کرنا۔ اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔ ہ سے مراد یا دین اسلام ہے یا قرآن یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم الدین میں الف لام جنسی یا استغراقی ہے۔ جس سے دین اسلام کے علاوہ سارے دین مراد ہیں۔ خواہ آسمانی ہوں جیسے یہودیت یا نصرانیت یا نفسانی خود ساختہ دین جیسے شرک، دہریت وغیرہ۔ اگر ہ سے مراد حضور انور ﷺ ہیں تو دین سے مراد سارے دین والے بزرگ ان کے بانی ماننے والے مراد ہوں گے (روح المعانی) یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ دین اسلام یا قرآن کو تمام دینوں پر غالب تمام دینوں کا ناسخ کرے۔ خود منسوخ نہ ہو یا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دینوں کے بانیوں ان کے سرداروں پر غالب کرے کہ ان کا چرچا ان کا ذکر خیر، ان کی عزت ان کی نعت خوانی تمام بانیان دین سے زیادہ ہوں۔ لہٰذا آیت کریمہ

بالکل واضح ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس فرمان کا ظہور قریب قیامت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ہوگا کہ ساری دنیا میں صرف اسلام ہوگا۔ بعض نے فرمایا کہ یظہر کے معنی ہیں مطلع کریں اور دین سے مراد اسلام ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے اسلام کے سارے اصولی فروعی مسائل پر مطلع کرے۔ مگر پہلی تفسیر قوی بھی ہے آسان بھی جس پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ ولو کرہ المشرکون. اس فرمان عالی میں مشرکین سے مراد یا عرب کے مشرکین ہیں یا تمام جہان کے مشرک یا سارے کفار یا حضور انور ﷺ کی عزت وعظمت سے جلنے والے بے دین کہ وہ کافر و مشرک ہیں یعنی اگرچہ یہ سب جلتے بھنتے رہیں۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان دونوں آیتوں کی چند تفسیریں ہیں۔ نور اللہ سے مراد قرآن ہو یا اسلام یا حضور انور ﷺ کے معجزات یا اسلام کی حقانیت کے دلائل یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم ان میں سے قوی اور آسان اور لذیذ تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ دنیا بھر کے کفار دل سے چاہتے ہیں زبان، قلم، دولت، زر، زور سے کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کے نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں کہ حضور ﷺ کو شہید کر دیں ان کا ذکر بند کر دیں ان کا نام مٹا دیں ان کا قرآن ان کا اسلام ختم کر دیں مگر تمام جہان کی پھونکوں سے سورج سیاہ نہیں پڑتا۔ تمام کفار کی کوششوں سے محمد مصطفیٰ کا چرچا کم نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنا نور پورا کرنے کے سواء کسی اور چیز سے راضی نہیں ہے۔ اسے ضرور پورا کرے گا۔ اگرچہ کفار اسے ناپسند کریں اور ہر طرح کا زور لگائیں۔ اے میرے بندو اگر تم مجھے جاننا پہچاننا چاہتے ہو تو اس طرح پہچانو کہ اللہ تعالیٰ وہ قدرت والا رحمت والا کرم فرمانے والا ہے کہ اس نے اپنے رسول، رسولوں کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت سے متصف کر کے مضبوط پائیدار نہ مٹنے والا ناقابل تنسیخ دین دے کر ساری مخلوق کی طرف ہمیشہ کے لئے بھیجا تاکہ وہ محبوب کو تمام آسمانی اور نفسانی دینوں کے بانیوں پر غالب کرے۔ ہمیشہ غالب رکھے کہ ان کا چرچا ان کے محامد ان کی نعتیں تمام دینوں کے پیشواؤں پر غالب رہیں اگرچہ مشرکین مکہ یا دنیا بھر کے مشرک یا تمام دنیا کے کفار یا حضور ﷺ کے ذکر سے جلنے والے اسے ناپسند کریں۔ شعر

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے دشمن ترے — نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچہ تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے — یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں یعنی اللہ کا روشن کردہ۔ یہ فائدہ نور اللہ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ اس سے مراد حضور انور ﷺ ہوں۔ اس کی تفسیر وہ آیات ہیں۔ قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین اور فرمان عالی سراجا منیرا۔ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر کے آخر میں فرمایا کہ قرآن مجید میں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں۔

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہمیشہ سے نبی پاک کو گھٹانے اور دبانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں اور

کرتے رہیں گے۔ یہ فائدہ یریدون لیطفؤا (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: مگر ان میں سے کوئی اپنے اس ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہوگا۔ حضور ﷺ وہ چمکتا سورج ہیں جو سارے کفار کی پھونکوں سے نہیں بجھ سکتے۔ یہ فائدہ الا ان یتم نورہ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: حضور انور ﷺ کی شان گھٹانے کی کوشش کرنے والے ان کے ذکر سے چڑنے والے ان کی عظمت سے جلنے والے بحکم قرآن کریم کافر ہیں۔ یہ فائدہ ولو کرہ الکافرون سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے جلنے والوں کو کافر کہتا ہے۔ لیغیظ بھم الکفار بندوں کو رب پر ناز ہے قدرت کو حضور ﷺ پر۔

پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ جس سے ایمان ملے وہ صرف حضور انور ﷺ ہیں اگر کوئی رب تعالیٰ کی ذات وصفات کو زمین وآسمان کے ذریعہ جانے وہ موحد ہے مگر مومن نہیں۔ یہ فائدہ ھو الذی (الخ) سے حاصل ہوا۔ شعر

وہ آئے اس جہاں میں حسن مطلق کی ادا بن کر
نشانِ بے نشاں بن کر زبانِ بے زباں بن کر

چھٹا فائدہ: ہم سب اللہ کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بندے بھی ہیں اور مخلوق بھی اور اس کے رسول بھی۔ مخلوق اور مرسل کا فرق ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ یہ فائدہ ارسل اور رسولہ سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: ہدایت اور سچا دین حضور انور ﷺ سے ایسے وابستہ اور لازم ہیں جیسے سورج سے دھوپ۔ حضور انور ﷺ کو چھوڑ کر نہ کسی کو ہدایت مل سکتی ہے نہ دین حق۔ یہ فائدہ بالھدیٰ کی ب سے حاصل ہوا۔ اگر صرف قرآن سے ہدایت مل جاتی تو حضور انور ﷺ کو کیوں بھیجا جاتا۔

آٹھواں فائدہ: حضور انور ﷺ کبھی ہدایت اور دین حق سے الگ نہ ہوئے۔ جیسے دھوپ کبھی سورج سے الگ نہیں ہوتی یہ فائدہ بھی بالھدیٰ کی ب سے حاصل ہوا۔ جو کوئی انہیں ایک آن کے لئے گمراہ نہ مانے وہ خود گمراہ بے دین ہے۔ رب فرماتا ہے ما ضل صاحبکم و ما غوی۔

نواں فائدہ: اسلام ہی دین حق ہے یعنی نا قابل نسخ دین۔ باقی تمام نبیوں کے دین قابل نسخ تھے، منسوخ ہو گئے۔ یہ فائدہ دین الحق کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ حق سے مراد مضبوط ہو۔ دیکھو تفسیر۔

دسواں فائدہ: اگرچہ کسی جگہ کسی وقت مسلمان کفار سے دب جائیں مگر دینی غلبہ ہمیشہ اسلام ہی کو حاصل رہے گا۔ یہ فائدہ لیظھرہ (الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھ لو آج بھی قرآن مجید تمام دینوں کی کتابوں توریت، انجیل، زبور، وید، شاستروں پر غالب ہے۔ اسی قرآن کے حافظ ہیں۔ اسی قرآن کی تفسیریں ایک لاکھ سے زیادہ لکھی جا چکی۔ یہ ہی قرآن سب سے زیادہ چھپتا ہے، یہ ہی قرآن سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے، یہ قرآن بغیر سمجھے مزہ دیتا ہے، سننے دلوں کو تڑپا دیتا ہے، اسلام کی مسجدیں تمام دینوں کے عبادت خانوں پر غالب ہیں۔ اسلام کا مکہ مدینہ سارے دینوں کے مقدس مقامات پر غالب کہ اس کا حج وزیارت ہر سال ہوتا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ اسلام کا رمضان ربیع الاول تمام دینوں کی مقدس تاریخوں پر غالب ہے۔

گیارہواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دینوں کے پیشواؤں پر غالب ہیں۔ دیکھ لو، آج بھی جتنا چرچہ جتنی تعتیں حضور ﷺ کی ہیں اتنی کسی کی نہیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ حضور انور ﷺ کی سوانح عمریاں تواریخ لکھی گئیں، حضور ﷺ ہی کے غلاموں میں اولیاء اللہ ہیں اور کسی دین میں نہیں۔ جتنے قصیدے حضور ﷺ کے شہر مدینہ منورہ کے لکھے گئے اتنے کسی کے نہیں لکھے گئے حتیٰ کہ مدینہ پاک کی گلی کوچوں کی وہاں کی ہر چیز کی تواریخ لکھی گئیں۔ یہ ہے لیظھرہ علی الدین کلہ کی تفسیر۔

بارہواں فائدہ: جو حضور انور ﷺ کے ذکر اور عظمت سے جلے وہ کافر بھی ہے۔ مشرک بھی۔ یہ فائدہ الکافرون اور المشرکون سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان بدنصیبوں کو کافر بھی کہا اور مشرک بھی۔

پہلا اعتراض: نور اللہ سے مراد دین اسلام ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور ﷺ بشر ہیں نور نہیں رب فرماتا ہے قل انما انا بشر مثلکم حضور ﷺ ہماری مثل ہیں ہم تو نور نہیں لہذا حضور ﷺ بھی نور نہیں۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسری تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو تم کہو گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مثل ہیں اور ہم نبی نہ رسول شفیع نہ رحمت للعالمین تو حضور ﷺ بھی کچھ نہیں (معاذ اللہ) جواب تحقیقی یہ ہے کہ مثلکم میں صرف ایک بات میں مثلیت کا ذکر ہے یعنی خالص بشر ہونا، عبد ہونا، کہ الوہیت کا شائبہ نہ ہو، نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے۔ نہ اس کے بھائی بھتیجے حضور ﷺ نورانی بشر ہیں۔ حضور ﷺ کے نور ہونے پر بہت آیات بہت سی احادیث وارد ہیں، اس کے لئے ہماری کتاب رسالہ نور دیکھو۔

دوسرا اعتراض: اگر اس آیت میں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو نور پورا کرنے کے کیا معنی۔ کیا حضور ﷺ پہلے ناقص تھے۔

جواب: پورا کرنے سے مراد ہے حضور ﷺ کا ظہور پورا کرنا کہ دنیا میں آپ ﷺ کی دھوم مچ جائے کسی کے روکے آپ ﷺ کا چرچا آپ ﷺ کا دین نہ رکے، جیسے سورج دوپہر میں تیز چمکتا ہے یہ تیزی اس کے ظہور کی ہے ورنہ وہ تو ہر وقت کا منیر ہے۔

تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ہدایت سے الگ نہ ہوئے۔ مگر قرآن مجید فرماتا ہے ووجدک ضالا فھدی ہم نے آپ ﷺ کو گمراہ پایا تو ہدایت دے دی تمہارا قول اس آیت کے خلاف ہے۔

جواب: اس آیت کریمہ میں جو کوئی ضالاً کے معنی گمراہ کرے، وہ خود گمراہ ہے۔ حضور ﷺ کو گمراہی سے کوئی نسبت نہیں۔ رب فرماتا ہے ماضل صاحبکم و ماغوی تمہارے ساتھ رہنے والے محبوب نہ کبھی گمراہ ہوئے نہ بہکے اس آیت میں ضالا کے معنی ہیں نشان ہدایت یعنی تم کو بہت بلند و بالا نشان ہدایت پایا۔ تمہارے ذریعہ تمام جہان کو ہدایت دے دی۔ اس لئے فھدک نہیں کہ تمہیں ہدایت دی۔

چوتھا اعتراض: رب تعالیٰ فرماتا ہے ماکنت تدری ماالکتب و لا الایمان تم جانتے ہی نہ تھے کہ کتاب کیا ہے اور

ایمان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ چالیس سال تک حضور انور ﷺ کو ایمان کا بھی پتہ نہ تھا۔ قرآن نے اتر کر حضور ﷺ کو ایمان بتایا اور جسے ایمان کا پتہ نہ ہو وہ گمراہ ہوتا ہے۔ پھر تمہارا یہ دعویٰ کیونکر درست ہوا۔

جواب: اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ حیرت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو ماں کی گود میں اپنی نبوت، کتاب الٰہی، نماز، ماں کی خدمت سب کی خبر ہو کہ آپ نے فرمایا قال انی عبدالله اتانی الکتاب و جعلنی نبیا۔ مگر سید الانبیاء کو ایمان کی خبر نہ ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس آیت ما کنت تدری میں علم کی نفی نہیں بلکہ درایت کی نفی ہے درایت کہتے ہیں عقل انداز سے اٹکل قیاس سے جاننا جس میں غلطی کا اندیشہ نہ ہو۔ واقعی حضور انور ﷺ کو ان چیزوں کا علم اٹکل قیاس سے نہ تھا بلکہ وحی الٰہی سے تھا یعنی الہام القاء ربانی جو وحی کی قسم ہے قرآن کی پہلی آیت کے نزول کے وقت آپ عبادت و اعتکاف میں تھے۔

پانچواں اعتراض: یہاں رب نے وعدہ فرمایا کہ حضور انور ﷺ کو یا اسلام کو تمام دینوں پر غالب کرے گا مگر دیکھا جا رہا ہے کہ بہت جگہ بلکہ قریبا ہر جگہ مسلمان بہت پستی میں ہیں۔ بعض جگہ سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹ چکا ہے پھر یہ وعدہ کیسے پورا ہوا۔

جواب: یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا دین اسلام کے غلبہ کا ذکر ہے نہ کہ مسلمانوں کے ہمیشہ دوسری قوموں پر غالب رہنے کا۔ مسلمان غالب رہیں یا مغلوب مسلمانوں کا دین تمام دینوں پر مسلمانوں کا نبی تمام دینی پیشواؤں پر غالب ہیں اور رہیں گے اس کی تفصیل ابھی فائدوں میں ہم نے عرض کر دی ہے۔ مسلمانوں کے لئے ارشاد ہے و انتم الاعلون ان کنتم مومنین۔

تفسیر صوفیانہ: بعض چیزیں بندوں کی روشن کردہ ہوتی ہیں جیسے چراغ گیس بجلی وغیرہ انہیں بندہ گل بھی کر سکتا ہے اور بعض چیزیں رب تعالیٰ کی روشن کردہ ہیں۔ انہیں سارے بندے مل کر نہیں بجھا سکتے۔ جیسے سورج یوں ہی عالم روحانیات میں بعض اپنی کوشش یا کسی اور کوشش سے چمکتے ہیں، وہ جلد بجھ جاتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے روشن کردہ نور ہیں اس لئے انہیں نور اللہ کہا گیا۔ وہ تمام دنیا کی کوششوں سے نہیں بجھ سکتے بلکہ چاند تارے جو سورج سے روشن ہیں انہیں کوئی نہیں بجھا سکتا یوں ہی حضرات صحابہ اور اولیاء اللہ علماء ربانی حضور انور ﷺ سے روشن ہیں انہیں کوئی گل نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ اب تک مشاہدہ ہو رہا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں ہم سب بندوں کو اپنی بندگی رب کی ربوبیت پر ناز ہے کہ ہم رب کے بندے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ بندے ہیں کہ دست قدرت کو ان پر ناز ہے کہ ہم محمد مصطفیٰ کے رب ہیں۔ رب سے حضور ﷺ کا وجود ہے مگر حضور ﷺ سے رب کا ظہور ہے، اس لئے ارشاد ہوا۔ ھو الذی ارسل رسوله (الخ) یہاں یہ تو فرمایا کہ رب نے اپنا رسول بھیجا مگر یہ نہ فرمایا کہ کس کے پاس بھیجا تا کہ معلوم ہو کہ سب کے پاس بھیجا۔ خالق کے پاس سے آئے مخلوق کے پاس آئے۔ لقد جاء کم رسول اور لیکون للعلمین نذیر اور وما ارسلناک الا رحمة للعلمین۔ رب کی ربوبیت حضور ﷺ کی نبوت سب کو عام ہے۔

جس کے گھیرے میں ہیں انبیاء و رسل — اس ہمہ گیر بخشش پہ لاکھوں سلام

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے تحقیق بہت سے پوپ اور راہب (عیسائی درویش)

اے ایمان والو بے شک بہت پادری اور جوگی لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ

لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

البتہ کھاتے ہیں مال لوگوں کے باطل ذریعہ سے اور روکتے ہیں وہ اللہ کے

کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ

اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ

راستہ سے اور وہ لوگ جو جمع کرتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے

میں خرچ نہیں کرتے اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے ہیں انہیں اللہ کے راستہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

ہیں انہیں اللہ کے راستہ میں پس بشارت دو انہیں درد ناک عذاب کی

انہیں خوشخبری سناؤ درد ناک عذاب کی

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ماتحت کتابیوں کا ذکر ہے کہ انہوں نے پوپ پادریوں کو اپنا معبود بنالیا اب ان کے سرداروں کی بدکرداریوں کا ذکر ہے کہ وہ حرام خور ہیں یعنی ان کا آوے کا آوا ہی خراب ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں اہل کتاب کے سرداروں کی بدعقیدگی کا ذکر تھا کہ لوگ انہیں رب بناتے ان کی پرستش کرتے ہیں اور یہ منع نہیں کرتے اب ان کی بدعملی کا ذکر ہے کہ یہ لوگ معاملات کے خراب ہیں کہ لوگوں کا مال حرام ذریعوں سے کھاتے ہیں گویا ان کے عقیدے بھی خراب ہیں اور اعمال بھی۔

تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام پر غالب آ کر رہیں گے ان کا دین سب دینوں پر غالب آ کر رہے گا۔ اب ارشاد ہے کہ اس غلبہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے والے پوپ پادری ہیں جو لوگوں کو اسلام سے روکتے ہیں۔ یہ رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ گویا اسلام کی ترقی کا ذکر پہلے ہوا اس کی رکاوٹوں کا ذکر اب ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اسلام کی ترقی حضور انور ﷺ کے غلبہ سے کفار و مشرکین کراہت کرتے

ہیں اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ رشوت خوار سرداری کے بھوکے ہیں، اسلام کے غلبہ سے ان کو خطرہ ہے کہ ہماری رشوتیں بند سرداری ختم ہو جاوے گی۔

تفسیر: یایھا الذین امنوا اگر چہ اس آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کے پوپ پادریوں کی بدعملیوں کا ذکر ہے مگر خطاب مسلمانوں سے کیا گیا تاکہ مسلمان ان عیوب سے بچے رہیں۔ یہ رب تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ مسلمانوں کو پکار کر کبھی محبوبوں کے اوصاف سناتا ہے تاکہ ان کی پیروی کریں کبھی مردودوں کے عیوب سناتا ہے تاکہ یہ ان سے بچے رہیں۔ صفت ایمان سے پکار کر یہ بتایا کہ تمہارا تعلق ہم سے اس لئے ہے کہ تم مومن ہو۔ ہمارے حبیب کے غلام ہو۔ اس کے علاوہ اور تمہاری کوئی چیز ہم سے تعلق پیدا کرنے والی نہیں۔ دولت، عزت، اولاد، ملک، زبان وغیرہ۔ اس خطاب میں از حضرات صحابہ تا ہم جیسے گنہگار سب ہی داخل ہیں۔ ان کثیرا من الاحبار و الرھبان اس فرمان عالی میں کثیر فرما کر یہ بتایا کہ یہ عیب سارے پوپ پادریوں میں نہیں بلکہ اکثر میں ہیں کہ کچھ تھوڑے اس سے بچے ہوئے بھی ہیں۔ امید ہے کہ وہ بچے ہوئے اسلام قبول کر لیں۔ دیکھو حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی یہود کے بڑے پوپ حبر تھے مگر حضور ﷺ پر ایمان لے آئے جو چیز عقل مار دیتی ہے وہ ہے طمع جو اس سے خالی ہو تو امید ہے کہ برائی سے بچ جاوے ابھی کہا جا چکا ہے کہ احبار یہود کے پوپ تھے اور رہبان عیسائی کے راہب تارک الدنیا گوشہ نشین۔ لیاکلون اموال الناس یہ فرمان عالی ان کی خبر ہے اکل کے معنی ہیں کھانا، ل سے مراد ہے وصول کر لینا کیونکہ انسان کسی کا مال لے کر کھایا ہی کرتا ہے یا اس کے معنی ہیں استعمال کرنا۔ اموال سے مراد وہ مٹھائیاں ہیں جو ان کے ماتحت انہیں بطور چڑھاوے دیا کرتے تھے یا مطلب یہ ہے کہ وہ پیسہ کپڑا وغیرہ جو اپنے ماتحتوں سے وصول کرتے ہیں اسے بیچ کر کھانا خرید کر کھاتے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے فلاں آدمی اپنا مکان جائیداد بیچ کر کھا گیا ایک شاعر کہتا ہے۔ مصرع یاکلن کل لیلۃ اکافا میری اونٹنیاں ہر رات اپنا پالان کھا جاتی ہیں یعنی پالان کی قیمت سے چارہ خرید کر کھلانا پڑتا ہے۔ مگر اموال جمع فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کے مال وصول کرتے تھے۔ الناس سے مراد ان کے ہم مذہب ماتحت ہیں۔ بالباطل اس فرمان عالی کا تعلق لیاکلون سے ہے اس میں ب مدد اور ذریعہ کی ہے۔ باطل ہر ناجائز کام ہے جو خود بھی برا ہو اور اس کے ذریعہ سے حاصل کیا ہوا مال بھی حرام۔ یہاں اس سے مراد ہے پوپوں کا رشوتیں لے کر توریت کے احکام بدل دینا یا نرم کر دینا جیسے توریت میں زانی کو سنگسار کر دینے کا حکم تھا مگر انہوں نے امیر زانیوں سے رشوت لے کر اس کی سزا صرف منہ کالا کر کے بازار میں جلوس نکال دینا مقرر کر دیا۔ یا انہوں نے توریت کی وہ آیات چھپائیں جن میں حضور انور ﷺ کی نعت تھی تاکہ ہمارے ماتحت لوگ مسلمان نہ ہو جائیں اور ہماری آمدنیاں بند نہ ہو جائیں۔ بہر حال ان کی چالبازیاں بڑی خطرناک تھیں۔ و یصدون عن سبیل اللہ یہ فرمان عالی معطوف ہے لیاکلون پر یصدون بنا ہے صد سے اس کے معنی روکنا بھی ہیں اور خود رکنا بھی یعنی متعدی بھی ہے لازم بھی۔ سبیل اللہ سے مراد دین اسلام ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد توریت و انجیل کی وہ آیات ہوں جن میں حضور انور ﷺ کی بشارتیں ہیں اور اسلام کے موافق احکام (روح المعانی) مگر پہلی تفسیر قوی ہے یعنی یہ سردار لوگوں کو اسلام سے یا توریت کے اصلی احکام سے روکتے

ہیں یا خود رکتے ہیں کہ جان بوجھ کر اس طرف نہیں آتے۔ **والذین یکنزون الذھب و الفضۃ** یہ فرمان عالی یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ اور **الذین** سے مراد وہ مسلمان ہیں جو زکوۃ نہیں دیتے چونکہ کنجوس مسلمانوں کی یہ حرکت پوپ پادریوں کی حرکات مذکورہ کی طرح محبت مال کی وجہ سے تھی، اس لئے ان کا ذکر ان پادریوں کے ساتھ کیا اور ہوسکتا ہے کہ یہ عبارت معطوف ہو گذشتہ جملہ پر اور الذین سے مراد وہ ہی مذکورین پوپ پادری ہوں اور اس میں ان کے تیسرے عیب کا ذکر ہے یعنی بخل و کنجوسی مگر پہلا احتمال قوی ہے کیونکہ شرعاً کفار پر نہ زکوۃ ہے نہ اور صدقے۔ یکنزون بنا ہے کنز سے بمعنی جمع کرنا۔ چنانچہ عربی میں موٹی اونٹنی کو ناقہ کناز اللحم کہتے ہیں۔ اس میں دفن کرنا ضروری نہیں دفن کرو یا بنک یا گھر میں رکھو اگر یہ پوپ پادریوں کا ذکر ہے تو کنز سے مراد ہے حرام ذریعہ سے مال حاصل کر کے جمع کرنا اور اگر بخیل مسلمان مراد ہیں تو اس سے مراد مال جمع کرنا اور اس میں سے زکوۃ صدقہ واجبہ ادا نہ کرنا۔ (روح المعانی و بیان وغیرہ) ذہب کے لفظی معنی ہیں جانا، جانے والی چیز یعنی ذھاب کا صفت مشبہ مگر محاورہ میں سونے کو ذہب کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی ایک کے پاس رہتا نہیں ہے، بہت جلد جاتا منتقل ہو جاتا ہے نیز یہ جا کر فائدہ دیتا ہے رہ کر نہ کھانے میں آئے نہ پینے میں۔ شرعاً اس کا برتنا بھی حرام ہے۔ فضہ بنا ہے فضی سے بمعنی بکھرنا متفرق ہونا اصطلاح میں چاندی کو فضہ کہتے ہیں کیونکہ یہ بہت جلد متفرق ہو جاتی ہے۔ (روح البیان)
و لا ینفقونھا فی سبیل اللہ یہ فرمان عالی یکنزون پر معطوف ہے اور کنز کا بیان ہے یعنی کنز جس پر وعیدیں آئی ہیں وہ مال ہے جس میں صدقہ واجبہ نہ نکالا جائے۔ یہاں من پوشیدہ ہے اصل میں **لاینفقون منھا** ہے اس کی تفسیر وہ آیات ہیں۔ **خذ من اموالھم صدقۃ** اور **مما رزقناھم ینفقون** وغیرہ کیونکہ زکوۃ میں سارا مال نہیں دیا جاتا ہے بلکہ کچھ حصہ اگر اس سے زکوۃ مراد ہے تو سبیل اللہ سے مراد فقراء مساکین کی خدمت کرنا ہے کیونکہ زکوۃ میں فقیر کو مالک کرنا ضروری ہے اور اگر خرچ سے ہر صدقہ مراد ہے تو سبیل اللہ سے سارے کار خیر مراد مسجدیں خانقاہیں وغیرہ کی تعمیر بھی اس میں داخل ہے۔ خیال رہے کہ یہاں چاندی سونے سے مراد ان کا نصاب ہے کیونکہ نصاب سے کم میں زکوۃ واجب نہیں اس میں تمام شرائط زکوۃ ملحوظ ہیں جو احادیث شریفہ میں وارد ہیں۔ قرض سے فارغ ہونا سال گزارنا وغیرہ۔ **فبشرھم بعذاب الیم** یہ فرمان عالی خبر ہے **الذین** کی چونکہ اس میں شرط کے معنی تھے اس لئے خبر میں ف لائی گئی۔ یہاں ڈرانے کو بشارت فرمانا انتہائی غضب کے لئے ہے یعنی ایسے بخیلوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو خیال رکھو کہ بہت سے یہود کے پوپ عیسائیوں کے راہب بظاہر مقدس معلوم ہوتے ہیں مگر ان کا حال یہ ہے کہ اپنے ماتحتوں کے مال حرام ذریعوں سے لیتے ہیں کہ ان سے رشوت لے کر شریعت کے احکام بدلتے ہیں تم ان کی طرح ہرگز نہ ہونا یہ بھی خیال رکھنا کہ جو لوگ سونا چاندی جوڑتے رہتے ہیں اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے زکوۃ نہیں نکالتے، ایسے لوگوں کو سخت دردناک عذاب کی بشارت ہے خیال رہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے خیال میں بالکل ظاہری معنی پر ہے وہ کہتے تھے کہ مسلمان کو حاجت سے زیادہ مال رکھنا حرام ہے جو کھانے پینے سے بچے وہ سب خیرات کر دے۔ وہ یہاں من پوشیدہ نہیں مانتے، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ شروع اسلام میں یہ ہی حکم تھا کیونکہ

لوگوں کو اس وقت مال کی سخت ضرورت تھی۔ حتیٰ کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنا ممنوع تھا۔ جب حکم زکوۃ آ گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (دیکھو تفسیر خازن اور روح المعانی) مگر یہ دونوں قول غلط ہیں پہلا تو اس لئے کہ اگر حاجت سے زیادہ مال رکھنا ہی حرام ہو تو زکوۃ حج میراث وغیرہ سارے شرعی احکام ختم ہو جائیں گے کہ یہ کام بغیر مال جمع کئے ہوئے ممکن نہیں۔ دوسرا اس لئے کہ حضرت عثمان غنی اور بعض انصار بڑے مالدار تھے۔ کبھی ان کو یہ حکم نہ دیا گیا کہ اپنا سارا مال خیرات کر دو نہ جبراً ان کا مال فقراء میں تقسیم کیا گیا۔ لہٰذا یہاں بعض مال خیرات کرنا ہی مراد ہے اور صرف صدقہ واجبہ ہی مراد ہے جیسا کہ اسی وعید سے معلوم ہوا۔

لطیفہ: یہاں تفسیر خازن اور روح المعانی نے بیان فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت ابوذر غفاری دونوں ملک شام میں تھے اس آیت کے متعلق ان دونوں بزرگوں کا مناظرہ ہو گیا۔ حضرت ابوذر فرماتے تھے کہ ضرورت سے بچا ہوا سارا مال خیرات کر دینا فرض ہے۔ امیر معاویہ کہتے تھے کہ صرف زکوۃ فرض۔ حتیٰ کہ یہ شکایت امیر المومنین عثمان غنی تک پہنچی۔ آپ نے جناب ابوذر کو مدینہ منورہ طلب فرمایا انہیں دیکھ کر حضرات صحابہ جمع ہو گئے اور ان سے مناظرہ کرنے لگے۔ حتیٰ کہ کعب احبار نے فرمایا کہ سخت تر دین یہودیت ہے اور آسان ترین اسلام ہے۔ جب یہودیت میں سارا مال خیرات کرنا فرض نہیں تو اسلام میں کیسے فرض ہو گا۔ حضرت ابوذر کو غصہ آیا، لاٹھی اٹھائی اور حضرت کعب سے بولے، بھجیر جا یہودی۔ کعب بھاگے اور حضرت عثمان کے پیچھے چھپ گئے مگر ابوذر نے انہیں لاٹھی مار ہی دی جو انہیں یا حضرت عثمان کو لگی ہر طرف سے ابوذر پر سوالات کی بوچھاڑ ہو گئی کہ پھر زکوۃ، فطرہ، میراث، حج کیسے ہوں گے۔ اب یہ حال ہو گیا کہ جہاں ابوذر بیٹھتے لوگوں کا ہجوم ہو جاتا اور یہ ہی بحث چھڑ جاتی تب حضرت عثمان نے مشورہ دیا کہ ابوذر تم مقام ابذہ میں چلے جاؤ۔ چنانچہ آخر دم تک آپ وہاں ہی رہے۔ یہ ہے ابوذر کا واقعہ جسے شیعوں نے بہت کانٹ چھانٹ کر بیان کیا اور اس سے حضرت عثمان کو ظالم وغیرہ کہا ہے۔ دیکھو تفسیر روح المعانی یہ ہی آیت۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ناجائز حرام ذریعوں سے جو مال حاصل کیا جاوے وہ حرام ہے۔ یہ فائدہ بالباطل سے حاصل ہوا لہٰذا رشوت، سود، جوا، مجرم کی غلط وکالت کر کے اس سے اجرت لینا، غلط فتوے، غلط غلط وعظوں کے معاوضے سب حرام ہیں۔ جو مسلمان یہ کام کرے وہ یہودی یوپوں اور عیسائی پادریوں کے سے کام کرتا ہے۔

مسئلہ: حرام کام کی اجرت حرام ہے۔ یوں ہی اپنے پر جو کام فرض عین ہو اس کی اجرت ممنوع۔ جائز مستحب کاموں کی اجرت جائز ہے۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔ گا بجا کر پیسہ کمانا حرام ہے دینا بھی حرام لینا بھی حرام۔

دوسرا فائدہ: کسی کو نیک راستے سے نیک کام سے روکنا بھی حرام ہے۔ یہ فائدہ یصدون عن سبیل اللہ سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: غلط فتویٰ پر پیسہ لینا حرام کہ حرام کام کی اجرت ہے۔ صحیح مسئلہ بتانے پر اجرت لینا ممنوع ہے کہ مسئلہ بتانا

فرض ہے۔ اس پر اجرت کیسی۔ ہاں صحیح فتوٰی لکھنے پر اجرت لینا جائز ہے کہ لکھنا فرض نہیں۔ رب فرماتا ہے ولا یضار کاتب و لا شہید یوں ہی امام، تعلیم قرآن، تعویذ وغیرہ پر اجرت لینا جائز ہے۔ یہ مسائل ہم تفصیل سے ولا یضار کاتب و لا شہید کی تفسیر میں عرض کر چکے۔

چوتھا فائدہ: سونا چاندی اور دوسرے قسم کے مال جمع کرنا حرام نہیں ہاں زکوٰۃ نہ دینا جرم ہے تھوڑا مال جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے کنز ہے، بہت سارہ مال جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ کنز نہیں۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرات صحابہ سمجھے کہ مال جمع کرنا ہی حرام ہے۔ اس پر انہیں بہت فکر ہوئی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں اس مسئلے کو حل کرتا ہوں۔ آپ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا تو نبی کریم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے زکوٰۃ اس لئے فرض کی ہے تاکہ بقیہ مال طیب و طاہر ہو جاوے (خازن، معانی)

پانچواں فائدہ: علماء کو چاہئے کہ لوگوں کو گناہوں پر عذاب الٰہی سے ڈراتے رہیں خود بھی خوف خدا دل میں رکھیں۔ یہ فائدہ فبشرھم (الخ) سے حاصل ہوا۔ تبلیغ کے لئے اللہ سے خوف دلانا امیدوار کرنا ضروری ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں پوپ پادریوں کے عیوب بیان ہوئے تو اس میں خطاب مسلمانوں سے کیوں کیا گیا۔ یا ایھا الذین امنوا یہاں خطاب انہیں پوپوں سے چاہئے تھا۔

جواب: تاکہ مسلمان عبرت پکڑیں اور ان عیوب سے دور رہیں۔

دوسرا اعتراض: سارے ہی پوپ پادری رشوت خوار تھے پھر کثیر من الاحبار کیوں فرمایا۔

جواب: اس لئے ان میں کچھ پوپ پادری حق پرست بھی تھے جو بالآخر مومن ہو گئے۔ جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام وغیرہم۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ سونا چاندی یا کوئی سامان جمع کرنا بالکل حرام ہے۔ دیکھو ارشاد ہوا یکنزون الذھب و الفضۃ جو حاجت سے بچے سب خیرات کر دے۔ دیکھو ارشاد ہوا و لا ینفقونھا یہاں من ارشاد نہیں ہے۔ سارا ہی مال خیرات کرنا ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ صفہ والے ایک صحابی کا انتقال ہوا۔ ان کے سامان سے ایک اشرفی نکلی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ آگ کا ایک داغ ہے۔ پھر دوسرے صحابی کا انتقال ہوا ان کے سامان میں دو اشرفیاں نکلیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ آگ کے دو داغ دیکھو اشرفیوں کو آگ کا داغ فرمایا دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مرے بعد پیلی یا سفید چیز چھوڑے یعنی سونا چاندی تو اسے آگ سے داغا جائے گا۔ (سوشل ازم)

جواب: اس کا جواب تفسیر روح المعانی نے یہ دیا کہ ان دونوں صاحبوں نے اپنے کو فقیر ظاہر کیا اور فقراء صحابہ یعنی صفہ والوں میں داخل رہے حالانکہ ان کے پاس ایک دو اشرفیاں تھیں۔ اظہار فقر پر عتاب کیوں نہ ہو۔ نیز دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی مرے بعد چھوڑے کہ ان کی زکوٰۃ نہ دی ہو۔ ورنہ حضرت عثمان تو سینکڑوں کیا ہزاروں لاکھوں

کے مالک تھے ان پر عتاب کیوں نہ ہوا۔ نیز سارے مال کی وصیت جائز نہیں تہائی کر سکتا ہے اگر کل مال خیرات کرنا ضروری ہوتا تو کل مال کی خیرات کی وصیت بھی جائز ہوتی۔

تیسرا اعتراض: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ برابر سونا ہو تو تین دن میں سب خیرات کر دوں۔ دیکھو حضور ﷺ نے وہاں بعض خیرات کرنے کا ذکر نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ کل مال خیرات کر دینا چاہئے۔

جواب: یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا زہد و ترکِ دنیا تھا جیسے صرف حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا سارا مال چندہ میں دے دیا۔ قانون شرعی نہ تھا ورنہ صحابہ میں کوئی مالدار نہ ہوتا۔ حضرات صحابہ میں حضرت زبیر ابن عوام بھی تھے جن کی چار بیویاں تھیں ہر ایک کو دو دو لاکھ میراث میں ملے حالانکہ آپ صاحب اولاد بھی تھے اور کچھ وصیت بھی کی تھی۔ دیکھو بخاری شریف یعنی بعد ادائے وصیت آٹھواں حصہ چار بیویوں پر تقسیم ہوا ہر ایک بیوی کو بتیسواں حصہ ملا، حساب لگاؤ کتنا مال چھوڑا۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں سونے چاندی دو کا ذکر ہوا مگر ارشاد ہوا و لا ینفقونہا چاہئے تھا و لا ینفقونہما ھا واحد ہے چاندی سونا دو چیزیں ہیں۔

جواب: ینفقونہا میں ھا ضمیر کنز کی طرف ہے نہ کہ سونا چاندی (خازن) لہٰذا ھا فرمانا بالکل درست ہے۔

پانچواں اعتراض: کفار شرعی احکام کے مکلف نہیں یعنی ان پر نماز روزہ وغیرہ فرض نہیں پھر انہیں زکوٰۃ نہ دینے پر عذاب کیوں ہوگا جو یہاں مذکور ہے۔

جواب: اگر الذین سے مراد بخیل مسلمان ہیں تب تو کوئی اعتراض نہیں۔ اور اگر اس سے مذکور اہل کتاب مراد ہوں یا وہ بھی اس میں داخل ہوں تو جواب یہ ہے کہ کفار آخرت کے عذاب کے لحاظ سے عبادات کے مکلف ہیں یعنی ان پر فرض ہے کہ ایمان لائیں اور زکوٰۃ دیں۔ ورنہ کفر کے ساتھ ان عبادات کے ترک کی بھی سزا پائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو دل بھی بخشا ہے نفس امارہ بھی۔ ان دونوں کے مختلف دروازے ہیں۔ دل کا دروازہ حقیقی کی طرف ہے۔ نفس کا دروازہ دنیا کی طرف۔ حرام روزی نفس کی چابی ہے حرص و ہوس اس چابی کے دندانے۔ جب یہ دروازہ کھل گیا تو انسان میں تمام عیوب پیدا ہو جاتے ہیں۔ پوپ پادریوں کا یہی نفس امارہ والا دروازہ کھلا ہوا تھا جس کی وجہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ شریف پا کر بھی ایمان نہ لائے۔ کنکروں، پتھروں نے کلمہ پڑھ لیا مگر انہوں نے نہ پڑھا۔ جیسے جانور میں گوشت چربی، کلیجی گردے وغیرہ حلال چیز بھی ہے اور خون حرام بھی ہے۔ اگر خون نکالا جاوے اللہ کے نام پر یعنی اسے صحیح طور پر ذبح کیا جاوے تو باقی گوشت طیب و طاہر ہے اگر خون اسی میں رہ جائے کہ جانور مر جائے یا غلط طریقے سے خون نکالا جائے یا جھٹکے وغیرہ یا غلط ذبح سے تو اس کا گوشت نہ طیب ہے نہ طاہر یوں ہی مال سے زکوٰۃ نکالو تو بقیہ مال طیب و طاہر بلکہ جنت حاصل کرنے کا ذریعہ بنے۔ اگر زکوٰۃ نہ نکالی تو بقیہ مال خبیث ہے۔ دوزخ کا ذریعہ، اس لئے یہاں ارشاد ہوا فبشرھم بعذاب الیم

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَ

جس دن گرم کیا جاویگا او پر اسکے دوزخ کی آگ میں پھر داغی جائیگی ساتھ اسکے پیشانیاں ان کی پسلیاں ان کی پیٹھیں انکی

جس دن وہ تپایا جاویگا جہنم کی آگ میں پھر اس سے داغیں گے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں

ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

یہ وہ ہے جو جمع کیا تم نے اپنی ذاتوں کے واسطے پس چکھو تم وہ جو جوڑتے تھے تم

انکی یہ وہ ہے جو تم نے اپنے لئے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں مال کی زکوۃ نہ دینے والوں کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا۔ اب اس عذاب کے وقت کا ذکر ہے کہ وہ عذاب دنیا میں نہ ہوگا جو جلد ختم ہو جاوے بلکہ وہ آخرت میں ہوگا جو بہت ہی دراز زمانہ ہے گویا عذاب کے بعد درازی عذاب کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں بخیلوں کو عذاب الیم کی وعید بیان ہوئی اب اس عذاب کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ عذاب ان کے تین اعضاء کو داغ دے کر ہوگا۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں زکوۃ نہ دینے والوں کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ جن اعضاء کو اس مال سے خصوصی فائدہ پہنچا ان ہی اعضاء کو سخت عذاب دیا جاوے گا۔ گویا عذاب کے بعد محل عذاب کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: يوم يحمى عليها لفظ یوم منصوب ہے یا اس لئے کہ بعذاب الیم کا بیان ہے اور بعذاب محلا منصوب ہے کیونکہ وہ بشر کا مفعول دوم ہے یا یہ یعذبون یا اذکر پوشیدہ کا مفعول بہ ہماری قرأت میں یحمٰی ی سے ہے بعض قرأتوں میں تحمٰی ت سے ہے کیونکہ اس کا نائب فاعل نار ہے جو مونث ہے ہماری قرأت میں یحمٰی ی سے اس لئے ہے کیونکہ نائب فاعل علیھا ہے جو قائم مقام نار کے ہے (روح المعانی) یحمٰی بنا ہے حمی سے بمعنی گرم۔ رب فرماتا ہے نار حامیہ۔ مراد ہے دھونکنا دوزخ کی آگ بذات خود بہت گرم ہے۔ جب اسے دھونکا گیا تو اس کی گرمی اور زیادہ ہوئی رب کی پناہ علیھا میں ہے ھا کا مرجع بہت دنانیر و دراھم ہیں یہ الذهب و الفضة سے معلوم ہوئے اس لئے نہ تو علیہ ارشاد ہوا نہ علیھما تثنیہ (روح المعانی) یعنی مذکورہ عذاب انہیں اس دن ہوگا جب سونے چاندی کو تپایا جاوے گا یا ان پر دھونکائی جاوے گی۔ فی نار جهنم یہ فرمان عالی متعلق ہے یحمٰی کے مقصود یہ ہے کہ دوزخ کی آگ ویسے ہی بہت سخت گرم پھر ان مالوں سے وہ آگ دھونکی گئی انہیں دھونکی آگ میں تپایا گیا تو جان لو کہ گرمی کا کیا حال ہوگا۔ فتكوى بها یہ عبارت معطوف ہے یحمٰی پر انداف عاطفہ ہے تکوی بنا ہے کوی سے بمعنی داغنا واو ی میں مدغم ہو کر کی بن جاتا ہے کی بمعنی داغ بھا میں ب سببیہ ہے اور ہا کا مرجع وہ سونے چاندی کے ڈھیر ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے یعنی داغے جائیں گے ان سونے چاندی سے۔ جباههم و جنوبهم و ظهورهم یہ تینوں تکوی کا نائب فاعل ہیں۔ جباہ جمع جبهة کی بمعنی پیشانی جباہ کے معنی ہیں پیشانیاں۔ جنوب جمع ہے جب کی بمعنی کروٹ پسلیاں ظہور

…مع ہے ظہر کی بمعنی پیٹھ یعنی اس سونے چاندی کے پترے دوزخ کی آگ میں تپا کر ان کی پیشانیاں دو طرف پسلیاں اور …یٹھوں کو داغا جائے گا۔ خیال رہے کہ بخیل کے ان تین اعضاء کو خصوصاً داغنا دوسرے اعضاء کو نہ داغنا اس میں چند حکمتیں …یں۔ (۱) بخیل مال جمع کر کے اس میں بخل کر کے تین فائدے حاصل کرتا ہے۔ لوگ میں وجاہت سرخروئی۔ اچھے کھانے۔ …چھے لباس۔ سرخ روئی چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔ کھانا اس کی کوکھ میں جاتا ہے لباس کا خاص تعلق پیٹھ سے ہے اس لئے ان …تین اعضاء کو تپایا داغا جاوے گا۔ دنیا کا عکس۔ (۲) بخیل فقرا کو دیکھ کر اولاً منہ بناتے پیشانی پر شکن ڈالتے ہیں پھر ان سے …کروٹیں پھیرتے ہیں پر پیٹھ کر کے چل دیتے ہیں۔ چونکہ فقراء سے نفرت کرنے میں یہ تین عضو کام کرتے ہیں اس وجہ سے یہ …تین داغے گئے۔ (۳) جسم کے ان تین حصوں میں اعضاء رئیسہ ہیں۔ سر میں دماغ، پسلیوں اور پیٹھوں میں دل جگر وغیرہ اس …لئے ان کا داغنا سخت سزا ہے۔ (۴) پیشانی سامنے ہے کروٹیں یعنی پسلیاں داہنے بائیں اور پیٹھ پیچھے ہے ان چاروں سمتوں …پر انہیں عذاب دیا جاوے گا۔ گویا سارے بدن کو ہی عذاب ہوگا۔ کناروں کا ذکر فرمایا۔ کل مراد ہے (۵) بخیل آدمی مال جمع …کرتے یا دفن کرتے وقت چوطرف دیکھتا ہے کہ کوئی آدمی دیکھتا نہ ہو اوپر نیچے نہیں دیکھتا۔ خدا سے ڈرتا نہیں مخلوق سے ڈرتا ہے …اس لئے صرف چار سمتوں سے اسے عذاب دیا اوپر نیچے سے نہ دیا۔ (۶) پیشانی، داغ یا ملامت لگانے کی جگہ ہے۔ کروٹیں …سخت تکلیف کی جگہ اور پیٹھ حد شرعی سزا لگانے کی جگہ ہے۔ خیال رہے کہ کنجوس کے سارے درہم و دینار ایک پتر بنا کر تپایا …جاوے گا۔ اس کی پیٹھ، پیشانی، کروٹیں اتنی وسیع کر دی جاویں گی جس پر پتر سما جاوے گا (روح المعانی) هذا ما كنزتم لا…نفسكم یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے یقال لهم هذا سے اشارہ یا ان عذابوں کی طرف ہے یا سونے چاندی کے پتروں کی …طرف۔ کنز کے معنی ابھی عرض کئے جا چکے کہ کنز وہ مال جو جمع کیا جاوے اس کی زکوۃ نہ نکالی جاوے۔ انفس فرما کر یہ بتایا کہ تم …نے اللہ کے لئے جمع نہیں کیا اپنی جانوں کے لئے کیا تھا نیز تم سمجھے تھے کہ ہمیشہ دنیا میں رہو گے۔ تم کو موت نہیں آوے گی۔ …اس سارے مال کو تم استعمال کر لو گے۔ یعنی ان سے فرمایا جاوے گا یا رب تعالیٰ فرمائے گا یا فرشتے کہیں گے کہ یہ سزا اس جرم …کی ہے کہ تم نے اپنی جانوں کے لئے اتنا مال جمع کیا اس کی زکوۃ نہ نکالی۔ فذوقوا ما كنتم تكنزون. اس فرمان عالی میں …ذوق یعنی چکھنے سے مراد ہے برداشت کرنا ما سے پہلے عذاب پوشیدہ ہے ما مصدریہ ہے۔ جس کی وجہ سے کنتم اور تکنزون مصدر …ہو گئے۔ یعنی اب تم اپنے مال جمع کرنے کی سزا چکھو، مزہ چکھو تم نے سوچا کچھ تھا مگر ہو گیا کچھ اور۔ بعض نے کہا کہ ما موصولہ …ہے جس سے مراد جمع کیا ہوا مال ہے یعنی اس مال کا وبال چکھو جو تم بغیر زکوۃ جمع کرتے تھے۔

خلاصہ تفسیر: مذکورہ دردناک عذاب ان بخیلوں کو اس دن ہوگا جب ان کے جمع کردہ سونے چاندی کو یا دوسرے زکاتی مال …کی قیمت کے سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں تپایا جاوے گا، ان پر آگ دھونکی جاوے گی پھر اس تپے ہوئے سونے …چاندی سے ان کی پیشانیوں، کروٹوں اور پیٹھوں کو برابر داغا جاوے گا۔ جس کی تکلیف ان کی برداشت سے باہر ہوگی اور ساتھ …ہی رب تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی کہا جاوے گا کہ یہ اس جرم کی سزا ہے جو تم نے ہمارے دیئے ہوئے مال کو کنز بنا کر جوڑے …رکھا۔ اگر اسے کنز نہ بناتے تو اس مال پر ثواب پاتے اب کنز و دفینہ بنانے کا مزہ اچھی طرح چکھو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مال اگر حلال ہو تو اس کی دو وجہیں ہیں اگر اسے اچھی جگہ خرچ کیا جاوے تو خیر مآل (اچھے انجام والا) ہے اگر

اس سے شرعی حقوق ادا نہ کئے جاویں تو زا وبال ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی یہ فائدہ یوم یحمی (الخ) سے حاصل ہوا۔ مال میں تین کام ہوتے ہیں۔ کمانا، خرچ کرنا، جوڑنا۔

دوسرا فائدہ: بخیل کو داغ دینے کی سزا قیامت کے دن میں ہوگی۔ اس کے بعد اس کا داخلہ جنت یا دوزخ میں اس کے علاوہ ہوگا۔ یہ فائدہ بھی یوم یحمی (الخ) سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یوم سے مراد روز قیامت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ ثم یری سبیلہ۔ یعنی یہ سزا پچاس ہزار برس والے دن ہوگی پھر وہ اپنا راہ دیکھے گا۔

تیسرا فائدہ: یہ سزا جو یہاں مذکور ہے جانوروں میں بخل کی سزا نہیں بلکہ سونے چاندی میں بخل کی سزا ہے جانوروں میں بخل کرنے کی سزا وہ ہے جو حدیث شریف میں مذکور ہے اس کو الٹا کر اس کے جانوروں کو اس پر گھمایا روندوایا جائے گا۔

چوتھا فائدہ: مال وقف پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ لاکھوں روپیہ ہوں۔ یہ فائدہ لانفسکم فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ مال وقف کا جمع کرنا اللہ کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اپنے نفس کے لئے۔

پانچواں فائدہ: انسان کی اولاد اس کے عزیز و اقارب گویا اس کی ذات ہیں۔ یہ فائدہ بھی لانفسکم فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ جو آدمی اپنے لئے اپنی اولاد کے لئے یا عزیز و اقارب کے لئے مال جوڑے زکوٰۃ ادا نہ کرے سب کی یہی سزا ہے۔

چھٹا فائدہ: مال جمع کرنا ممنوع نہیں بلکہ اس کی زکوٰۃ نہ نکالنا، صدقات میں واجب ادا نہ کرنا جرم ہے یہ فائدہ ما کنزتم سے حاصل ہوا کہ کنزتم فرمایا گیا جمعتم نہ فرمایا گیا جمع اور کنز کا فرق خیال رہے۔

ساتواں فائدہ: اپنی لمبی زندگی کی امید رکھنا لمبی دراز امیدیں باندھنا مومن کی شان نہیں مومن موت کو قریب جانے اور ہر وقت اس کے لئے تیار رہے۔ یہ فائدہ لانفسکم سے اشارۃً حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ انفس سے مراد خود اپنی ذات ہو اور لام نفع کا ہو۔ یعنی تم نے اپنی ذات کے لئے نفع کے لئے اس امید پر مال کنز بنایا کہ ہم سارا مال اپنے پر خرچ کریں گے تو ملک دین تا قیامت باقی ہیں ان کے لئے انتظام کرو۔ خود اپنی ذات قریب الفنا ہے اس کے لئے آئندہ کا انتظام یعنی اعمال جمع کرو۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف سونے چاندی میں بخل کرنے والوں کو یہ عذاب ملے گا تو چاہئے کہ آج کل کے بخیلوں کو یہ سزا نہ ملے کیونکہ اب تو لوگ کاغذ کے نوٹ جمع کرتے ہیں۔ کاغذ دوزخ کی آگ میں تپ نہیں سکتا بلکہ وہ جل جاوے گا۔ (بعض نادان)

جواب: نوٹ اگرچہ کاغذ کا ہے مگر سونے کا کام دیتا ہے کہ اس سے تجارات قائم ہیں۔ لہٰذا ان کے احکام ان کا انجام بھی سونے کی طرح ہے چنانچہ چاندی مان کر ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے دنیا میں انہیں چاندی مانا جاتا ہے حتیٰ کہ روپیہ کہا جاتا ہے تو آخرت میں انہیں چاندی سونا بنا دیا جاوے گا۔ یہ تو بنایا پڑا ہے اس سے داغنا آسان ہوگا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف سونے چاندی میں بخل برا ہے۔ باقی چیزوں میں نہ بخل برا ہے نہ اس کی کوئی سزا۔ ان آیتوں میں سونے چاندی کی سزا کا ذکر ہے تپانا داغ دینا وغیرہ حالانکہ زکوٰۃ تو ہر قسم کے مال پر لازم ہے۔ جانوروں پیداوار وغیرہ۔

جواب: چونکہ اکثر لوگ سونا چاندی ہی جمع کر کے ان کی زکوٰۃ نہیں دیتے، جانور زمین وغیرہ کسی کسی کے پاس ہوتے ہیں،

اور ان میں بھی کسی پر زکوۃ ہوتی ہے کسی پر نہیں اس لئے خصوصیت سے ان دونوں کا ذکر ہوا حدیث شریف میں باقی مالوں میں بخل کی سزا کا ذکر بہت تفصیل سے ہوا ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں کنزتم کے ساتھ لانفسکم کیوں ارشاد ہوا۔ مال میں بخل مطلقاً جرم ہے خواہ اپنے نفس کے لئے ہو یا کسی اور کے لئے۔

جواب: اس کی حکمت ابھی فائدوں میں عرض کی گئی کہ اسے وقف مال کو نکالنا مقصود ہے کہ وقف میں زکوۃ نہیں کیونکہ وہ کسی کا ملک نہیں۔ وہ اللہ کے لئے ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مومن عاقل کو چاہئے کہ اعمال جمع کرنے کی کوشش کرے کہ اعمال پر نہ دنیا میں کوئی ٹیکس ہے نہ زکوۃ۔ نہ آخرت میں عذاب۔ اس میں ثواب ہی ثواب ہے۔ مال، اعمال، احوال، کمال، یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں مگر مال اپنے ساتھ مصیبتیں بہت لاتا ہے۔ اس کا کمانا پھر جمع کرنا پھر خرچ کرنا۔ تینوں مشکل اور تینوں کا حساب دینا ہے۔ کہاں سے کمایا کیسے جمع رکھا زکوۃ دی یا نہ اور کہاں خرچ کیا۔ اگر مال کے اعمال و احوال و کمال جمع ہو جاویں تو بڑی اعلیٰ نعمت ہے ورنہ وبال۔ حضرت عثمان غنی کا مال رحمت تھا۔ ابو جہل کا مال بڑی آفت یعنی مصیبت۔ مال اگر نفس کے لئے ہو تو خراب ہے خدا کے لئے ہو تو ثواب۔ شعر۔

یک درم کاں دہی بدرویشے ... بہتر از گنج ہائے مدخر است
زانچہ داری تمتع بردار ... کاں دگر روزی کسے دگر است

اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال سواری ہوگا۔ مالک سوار جیسا کہ قربانی کے جانور کے متعلق حدیث شریف میں وارد ہے۔ بخل کیا ہوا مال سوار ہوگا اور مالک سواری۔ یہ حدیث شریف میں ہے۔ سخاوت والا مال پھل والا باغ ہوگا۔ کنز یعنی بخل والا مال یا گنجا سانپ یا جسم کو داغنے کا ذریعہ۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ
بیشک تعداد مہینوں کی نزدیک اللہ کے بارہ ہیں مہینے کتاب میں اللہ کی جس دن پیدا کیے اس نے آسمان
بیشک مہینوں کی گنتی اور اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں جب سے اس نے
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ
اور زمین ان میں سے چار ہیں عزت والے یہ ہے دین سیدھا پس ظلم نہ کرو تم ان میں جانوں پر اپنی
آسمان اور زمین بنائے ان میں سے چار حرمت والے ہیں یہ سیدھا دین ہے تو ظلم نہ کرو
الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً
اور جنگ کرو تم مشرکوں سے سب سے جیسے کہ وہ جنگ کرتے ہیں تم سے سب سے اور جان لو کہ تحقیق
ان مہینوں میں اپنی جانوں پر اور مشرکوں سے ہر وقت لڑو جیسا وہ تم سے ہر وقت

كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾

اللہ	ساتھ	ہے	ڈرنے	والوں	کے	اللہ	ہے

لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار و مشرکین کے چند عیوب ہوئے۔ رشوتیں لیما دین بدلنا آسمانی کتب کی تحریف کرنا زکوۃ نہ دینا وغیرہ اب ان کے ایک اور خاص عیب کا ذکر ہے یعنی چاند کے مہینوں میں تبدیلیاں کرنا۔ کبھی سال کے بارہ مہینوں کو تیرہ مہینے بنا دینا۔ گویا بلاواسطہ تبدیلی دین کے بعد بالواسطہ تبدیلی دین کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ کفار و مشرکین اپنے مالوں کی زکوۃ نہیں دیتے اور زکوۃ کا تعلق چاند یعنی قمری سال گزرنے سے ہے کہ جب مال اپنے پاس ایک سال قمری بارہ مہینے رہے تو زکوۃ واجب ہے اس لئے اب ان کی وہ حرکات بیان ہوئی ہیں جو ان بارہ ماہ کے متعلق کرتے تھے۔

تیسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں وعدۂ ربانی تھا کہ ہم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دینوں پر غالب کریں گے۔ اب اس کا زندہ ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو کفار نے سال کے مہینوں میں فرق و تبدیلیاں کیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں درست کر دیا تو ان کی تبدیلیاں ختم ہو گئیں۔ حضور انور ﷺ کی اصلاح بدستور قائم رہی۔

نزول: اہل عرب قمری سال سے اپنے دینی و دنیاوی کام کرتے تھے کہ ملت ابراہیمی میں چاند کے سال کا اعتبار ہے۔ باقی دوسرے لوگ شمسی مہینوں اور شمسی سال سے حساب کرتے تھے قمری سال محرم سے شروع اور ذی الحجہ پر ختم ہوتا ہے۔ شمسی سال جنوری سے شروع اور دسمبر پر ختم ہوتا ہے۔ قمری سال تین سو چپن دن کا ہوتا ہے اور شمسی سال تین سو پینسٹھ دن چھ گھنٹے کا۔ اس لئے ہر سال دس دن کا فرق ان دونوں برسوں میں پڑ جاتا ہے۔ گویا شمسی تین سال ہوں تو قمری تین سال ایک ماہ تقریباً ہو جاتے ہیں اس وجہ سے قمری سال موسم کا پابند نہیں چنانچہ حج کبھی سردی میں آتا ہے کبھی گرمیوں میں۔ اہل عرب اس میں دو دشواریاں محسوس کرتے تھے۔ ایک یہ کہ حج موسموں میں تبدیل ہوتا رہتا تھا، دوسری قوموں کے تمام دن بڑے یکساں موسم میں آتے تھے۔ دوسرے یہ کہ کبھی حج ایسے موسم میں آتا جبکہ تجارتی کاروبار چمکنے کا موقع نہ ہوتا اور ان کا گذران اس موسم کی تجارت پر تھا۔ اس لئے انہیں ایسی صورت میں کم آمدنی ہوتی تھی۔ اس لئے اہل عرب اپنے قمری مہینوں میں ہر سال دس دن کا فرق کرتے اور جب ایک ماہ پورا ہو جاتا تو وہ سال بجائے بارہ ماہ کے تیرہ ماہ کا کر دیتے۔ جیسے مشرکین ہند چند سال کے بعد ایک سال تیرہ مہینہ کا کر دیتے زائد مہینہ کو لونڈ کا مہینہ کہتے ہیں یعنی کبھی دو ساون یا دو جیٹھ کر دیتے ہیں۔ ان کی تردید کے لئے یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خازن و تفسیر کبیر) انگریزی مہینوں میں ہر چار سال کے بعد ایک سال فروری کا مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے باقی سالوں میں اٹھائیس دن کا۔ خیال رہے کہ اہل عرب میں قمری مہینے تو تھے مگر قمری سنہ کوئی نہ تھا بلکہ سال اور برس کو کسی اہم واقعہ کی نسبت سے بیان کرتے تھے۔ جیسے عام الفیل یعنی مکہ معظمہ پر ہاتھیوں کے حملہ کا سال یا عام الحدیبیہ صلح حدیبیہ کا سال یا عام الفتح فتح مکہ کا سال خلافت فاروقی تک یہی دستور رہا۔ ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ سنہ مقرر نہ ہونے کی وجہ سے ہم کو سخت دشواری پیش آتی ہے مثلاً آپ کے کسی پرانے خط میں لکھا ہوتا ہے ۷ شعبان تو ہم کو پتہ نہیں لگتا کہ کون سا شعبان کس سال کا شعبان مراد ہے تب حضرت عمر نے سنہ ہجری

مقرر فرمایا جسے تمام صحابہ نے پسند فرمایا۔ (روح المعانی یہ ہی مقام) اگرچہ ہجرت ربیع الاول میں ہوئی مگر مقدمات ہجرت محرم سے شروع ہوئے اس لئے ہجری سن کا آغاز محرم سے کیا اور اختتام ذی الحجہ پر۔ یہ بات خوب یاد رہے۔ سنہ ہجری سنت فاروقی ہے۔

تفسیر: ان عدة الشهور عند الله چونکہ اس آیت کے مضمون کے اہل عرب عملاً منکر تھے، اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا گیا۔ عدت بمعنی تعداد یعنی پورا عدد ہے۔ الشهور سے مراد قمری سال کے مہینے ہیں یعنی اس میں الف لام عہدی ہے عند الله ظرف ہے۔ اثنا عشر شهرا في كتب الله یہ عبارت ان کی خبر ہے اس میں اثنا عشر ممیز ہے اور شہراً اس کی تمیز اور في كتاب الله اگلی عبارت کے ساتھ اثنا عشر کی صفت یا اس کا حال (کبیر) کتب الله سے یا تو لوح محفوظ مراد ہے یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے یا قرآن مجید مراد ہے یا کتاب بمعنی حکم ہے جیسے كتب عليكم الصيام یا كتب عليكم القصاص یا كتب ربكم على نفسه الرحمة حضرت ابن عباس کا قول قوی ہے (تفسیر کبیر وخازن وروح المعانی وبیان وغیرہ)۔ يوم خلق السموات والارض یہ فرمان عالی اس پوشیدہ لفظ کا ظرف ہے جس کے متعلق ثماني كتاب الله اور صفت اثنا عشر کی۔ اس سے مراد ہے عالم کی پیدائش کی ابتداء یعنی جب سے یہ دنیا بنی تب اسے لوح محفوظ میں یہ مہینے لکھے گئے انہیں قمری بارہ مہینوں سے ہم نے حساب مقرر فرمایا وہ بارہ ان ۲ شعروں میں جمع ہیں (روح البیان) شعر

چوں محرم بگذر و آید نحو و تو صفر
پس ربیعین و جمادی و رجب آید ہبر
باز شعبان است و ماہ صوم وعید ذوالقعد
بعد ازاں ذی الحجہ نام ماہہا آید بسر

یعنی محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الاخر، جمادی الاول، جمادی الاخر، رجب شعبان، رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ، ان ناموں کے معنی اور وجہ تسمیہ ہم انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے۔ منها اربعة حرم قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی علیحدہ مستقل جملہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اثنا عشر کی صفت یا حال ہے اس جملہ میں منہا خبر مقدم ہے اور اربعة موصوف۔ حرم صفت مبتدا موخر منہا میں ہا کا مرجع وہ اثنا عشر شهرا ہے حرم جمع ہے حرام کی بمعنی محروم یا بمعنی حرام یعنی حلال کا مقابل اربعة یعنی چار سے مراد ہے، رجب، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ یعنی ان بارہ مہینوں میں سے چار مذکورہ مہینے بڑے ہیں حرمت و عزت والے ہیں کہ ان میں گناہ کرنا سخت جرم ہے اور نیکی کا ثواب بہت زیادہ۔ یا ان چار ماہ میں جنگ جہاد حرام ہے دوسرے معنی پر یہ حکم منسوخ ہے۔ اس کا ناسخ اس آیت میں آرہا ہے کہ اب ہر مہینہ ہر وقت میں جہاد جائز ہے۔ ذلك الدين القيم یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ ذالک سے اشارہ یا تو سال میں بارہ مہینے کی طرف ہے یا چار ماہ کے مجموعہ کی جانب دین سے مراد یا تو ملت ابراہیمی ہے کہ ان کی ملت میں قمری بارہ مہینے کا سال تھا اور قیم بمعنی مستقیم یعنی سیدھا بمعنی مضبوط ہے یا دین بمعنی حکم وفیصلہ اور قیم بمعنی دائمی یا دین بمعنی حساب ہے قیم بمعنی صحیح (روح المعانی کبیر وغیرہ) یعنی یہ مذکورہ حکم ملت

ابراہیمی مستقیم اور مضبوط ہے۔ یہ ہمارا دائمی حکم و فیصلہ ہے یا یہ آسان حساب ہے جسے عورتیں بچے اور نا سمجھ لوگ بھی بہ آسانی سمجھ لیتے ہیں کیونکہ اس کی جنتری آسمان پر ہے چاند خود ہی تاریخ بتاتا ہے۔ فلا تظلموا فیھن انفسکم یہ فرمان عالی گذشتہ مضمون پر مرتب ہے اور ف ترتیب کی ہے۔ فیھن سے مراد یہ چار محترم مہینے ہیں اور جانوں پر ظلم سے مراد گناہ کرنا ہے۔ یعنی ان مہینوں میں گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ تو یہ منسوخ ہے یا اس سے مراد یہ سارے مہینے ہیں یعنی ان بارہ مہینوں میں گناہ کر کے اپنے پر ظلم نہ کرو۔ یہ حضرت ابن عباس کا فرمان ہے (روح المعانی و کبیر وغیرہ) ان صورتوں میں یہ فرمان محکم ہے۔ اس کا خیال رہے۔ و قاتلوا المشرکین کافۃ یہ فرمانِ عالی یا تو معطوف ہے فلا تظلموا (الخ) پر اور واؤ عاطفہ ہے یعنی ان چار مہینوں میں گناہ نہ کرو۔ اور کفار پر ان مہینوں میں جہاد کرو۔ یہ گناہ نہیں یا یہ نیا حکم ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ قتال سے مراد جہاد ہے نہ کہ فساد کا کشت و خون لہٰذا حربی کفار سے لڑنا مراد ہوگا نہ کہ ذمی اور امن لے کر آنے والے کفار سے لڑنا کہ وہ جہاد نہیں فساد ہے۔ المشرکین سے مراد ہر قسم کے کفار ہیں خواہ بت پرست ہوں یا اہل کتاب یا دہریے وغیرہ کافۃ کے متعلق مفسرین کے بہت قول ہیں۔ ہم دو قول عرض کرتے ہیں ایک یہ کہ یہ کفی یا کف سے بنا۔ اصل کافیۃ تھا یا کافۃ تھا۔ اسم فاعل ہے تب مبالغہ کی جیسے خاصۃ باعامۃ اس صورت میں یا تو قاتلوا کے فاعل سے حال ہے یا المشرکین سے یعنی اے مسلمانو تم سب مل کر کفار پر جہاد کرو۔ یا اے مسلمانو! سارے کافروں پر جہاد کرو یا یہ مصدر ہے قتال پوشیدہ کی صفت یعنی قتالا کافۃ جیسے کافۃ للناس جو اصل میں تھا۔ رسالۃ کافۃ للناس اس لئے یہ مذکر مونث دونوں کے لئے آتا ہے اور کافین اور کافات میں مذکر مؤنث میں فرق ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ کف کے معنی ہیں روکنا پوری جماعت کو کافہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ زیادتی کو روکتی ہے۔ (کبیر روح المعانی) اس لفظ میں بہت وسعت ہے سارے کفار سے سارے وقتوں میں سارے حالات میں لڑو۔ خواہ محترم مہینے ہوں یا دوسرے اوقات۔ لہٰذا یہ فرمان ان آیات کا ناسخ ہے جن میں محترم مہینوں میں جہاد سے منع فرمایا گیا جیسے قتل قتال کبیر یا منہا اربعۃ حرم وغیرہ (تفسیر صاوی، کبیر، معانی تفسیر خازن وغیرہ) کما یقاتلونکم کافۃ اس کا تعلق قاتلوا المشرکین سے ہے یعنی جیسے وہ تم سے ہر زمانہ میں متفق طور پر لڑتے ہیں تمہاری رعایت نہیں کرتے تم بھی ان پر ایسے جہاد کرو اس میں بھی اشارۃً فرمایا گیا کہ ذمی اور مستامن کفار سے جہاد نہیں۔ واعلموا ان اللہ مع المتقین۔ اس فرمانِ عالی کا مقصد یہ ہے کہ جہاد میں تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ کی مدد صرف تقویٰ والوں کے ساتھ ہے یہ وہ ہتھیار ہے جو کفار کو میسر نہیں نہ کسی کارخانہ میں بنتا ہے یہ عرشی نعمت ہے جو کارخانہ قدرت میں بنتی مدینہ منورہ کے بازار سے ملتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اللہ کے نزدیک قمری سال کے مہینے بارہ ہیں جو ابتدائے آفرینش سے لوح محفوظ میں تحریر ہیں۔ ان میں زیادتی کرنی کہ کبھی سال کے تیرہ مہینے کر دینا بدترین جرم ہے۔ جس کے مشرکین عرب مرتکب ہیں۔ ان بارہ مہینوں میں چار مہینے رجب، شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ بڑی ہی عزت والے ہیں۔ ان میں گناہ کرنا سخت جرم ہے اور ان میں نیکی کا ثواب بہت زیادہ ہے تو تم ان میں گناہ کر کے اپنے پر ظلم نہ کرو۔ یہ سال کے بارہ مہینے ہونا ان میں چار کا محترم ہونا سیدھا دین (ملت ابراہیمی) ہے اور خیال رکھو کہ ان مہینوں میں کفار سے جہاد کرنا گناہ نہیں لہٰذا ہر قسم کے کفار سے ہر وقت ہر مہینے جہاد

کرو۔ جیسا کہ وہ تم سے ہر طرح مل کر لڑتے ہیں۔ ساتھ ہی خیال رکھنا کہ جہاد میں تقویٰ کا دامن تمہارے ہاتھ سے نہ چھوٹنے کیونکہ اللہ کی رحمت اس کی مدد متقیوں کے ساتھ ہے۔ خیال رہے کہ شروع اسلام میں ان مذکورہ چار مہینوں میں جہاد کرنا منع تھا اس آیت سے یہ ممانعت منسوخ ہوگئی۔ اب ہر وقت ہر طرح جہاد ہوگا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ رمضان میں کیا۔ پھر شوال اور شروع ہواذیقعدہ میں حنین فتح اور طائف کا محاصرہ فرمایا۔ جیسا کہ گذشتہ آیات کی تفسیر میں گزر چکا۔ اس عمل شریف سے معلوم ہوا کہ شوال و ذیقعدہ میں جہاد جائز ہے حالانکہ یہ دونوں مہینے ان چار محترم مہینوں میں سے ہیں۔

اسلامی مہینوں کے نام: اسلام میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے اس سے اسلامی احکام وفات کی عدت زکوۃ کی فرضیت، روزے، حج وغیرہ وابستہ ہیں۔ ان کے نام بے معنی نہیں۔ بلکہ ان کے پاکیزہ معنی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ **محرم** بنا ہے حرمت سے بمعنی تعظیم چونکہ اہل عرب اس مہینے کی بہت عزت کرتے ہیں اس میں لڑائی جھگڑائی بہت بری جانتے تھے کہ بیٹا اپنے باپ کے قاتل کو اس ماہ میں دیکھتا تو اس سے کچھ نہ کہتا تھا۔ اس لئے اسے محرم کہا گیا۔ **صفر**، اس کے معنی ہیں خالی۔ اس لئے عدد سے خالی جگہ جو نقطہ لگایا جاتا ہے اسے صفر کہا جاتا ہے چونکہ اس مہینے میں اہل عرب کے گھر کھانے پینے کی چیزوں سے خالی ہو جاتے تھے اور انہیں کمائی کے لئے باہر جانا سفر کرنا پڑتا تھا اس لئے اسے صفر یعنی خالی ہونے کا مہینہ کہتے تھے۔ **ربیع الاول**، ربیع کے معنی ہیں بہار۔ اول کے معنی ہیں پہلی جس وقت مہینوں کے نام رکھے گئے تب ان دو مہینوں میں بہار کا موسم تھا اس لئے انہیں ربیع کہا گیا۔ یعنی بہار کا پہلا مہینہ اور دوسرا مہینہ۔ **جمادی اولیٰ**، لفظ جمادی بنا ہے جمد سے بمعنی برف یہ بروزن جباری ہے یعنی جیم پہ پیش اور دال کا فتحہ۔ جب ان مہینوں کا نام رکھا گیا تب سردی سخت تھی، بعض ملکوں میں برف پڑ رہی تھی۔ تالاب وغیرہ جمے تھے اس لئے ان مہینوں کے نام جمادی اول اور جمادی آخر ہوئے۔ **رجب**، اس کے معنی ہیں عزت و عظمت ترجیب بمعنی تعظیم چونکہ اہل عرب خصوصاً قبیلہ مضر اس مہینہ کی بہت ہی تعظیم کرتے تھے، اس لئے اسے رجب کہا گیا۔ احادیث میں اسے رجب مضر یعنی قبیلہ مضر کا محترم مہینہ فرمایا گیا۔ **شعبان**، یہ لفظ بنا ہے شعب سے بمعنی پھیلنا بکھرنا متفرق ہونا۔ رب فرماتا ہے انا جعلنکم شعوبا و قبائل چونکہ اہل عرب عموماً اس مہینہ میں متفرق مقامات پر سفر کرکے چلے جاتے تھے، تلاش رزق اور تجارت وغیرہ کے لئے شعبان کہا گیا۔ **رمضان**، یہ لفظ بنا ہے رمض سے بمعنی تپانا، حرارت پہنچانا، رمضان کے معنی ہوئے بمعنی تپانے والی، چونکہ یہ مہینہ عبادات کرنے والوں گنہگاروں کو تپا کر میل گناہ سے پاک کر دیتا ہے نیک کاروں کو تپا کر قیمتی پرزہ کی طرح بنا دیتا ہے اور محبوبوں کو تپا کر زیور کی طرح بنا کر قرب محبوب کے لائق کر دیتا ہے لہٰذا رمضان کہلاتا ہے۔ نیز اس میں پانچ حرف ہیں۔ ر، میم، ض، الف، نون، یہ پانچ رحمتیں اور عبادتیں لاتا ہے۔ رضائے الٰہی، محبت الٰہی، ضمان الٰہی، امان الٰہی، نور الٰہی، یہ پانچ رحمتیں ہیں۔ روزہ، تراویح، تلاوت قرآن مجید، اعتکاف اور شب قدر کی عبادات۔ اس لئے یہ رمضان ہے۔ **شوال**، یہ لفظ شول سے بنا ہے بمعنی اٹھانا بلند کرنا۔ کہا جاتا ہے شالت الناقۃ ذنبھا۔ اونٹنی نے اپنی دم اٹھائی۔

چونکہ یہ مہینہ عموماً گھر بیٹھتے تھے سفر نہ کرتے تھے تیاری حج کے لئے، اس لئے ذیقعد کہا گیا۔ **ذی الحجہ**، اس کی وجہ تسمیہ ظاہر

ہے کہ یہ مہینہ حج والا ہے لہٰذا ذی الحجہ ہے۔ ان ناموں کی اور بھی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ (از روح البیان مع اضافہ)۔ خیال رہے کہ سب سے افضل مہینہ رمضان ہے کہ اس کا نام قرآن مجید میں آیا اس کی ہر ساعت عبادت میں گزرتی ہے اس میں نزول قرآن ہوا۔ اس میں اعتکاف و شب قدر ہے پھر ربیع الاول کہ حضور ﷺ کی ولادت کا مہینہ ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم پھر چار حرمت والے مہینے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دنیا میں بہت سے قسم کے مہینے اور سال ہیں مگر سب میں عزت والے مہینے اسلامی ہیں کہ اسلامی احکام انہیں سے جاری ہیں۔ یہ فائدہ عند اللہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تمام مہینوں کی جنتری زمین پر ہے مگر اسلامی مہینوں کی جنتری آسمان پر ہے کہ چاند یہ تاریخیں بتاتا ہے۔ روزے، حج، بعض صورتوں میں طلاق اور وفات کی عدت انہیں سے پوری ہوتی ہیں۔

دوسرا فائدہ: سال کے مہینے صرف بارہ ہیں نہ اس سے کم نہ زیادہ یہ فائدہ اثناء عشر شھرا سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: عربی مہینے بڑے پرانے ہیں کہ رب تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت سے انہیں مقرر فرمایا اور لوح محفوظ میں انہیں ہی لکھا۔ یہ فائدہ یوم الخلق (الخ) سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: ماہ رجب شوال ذی قعد ذی الحجہ افضل مہینے ہیں۔ ان میں نیکیاں زیادہ کرنی چاہئیں اور گناہوں سے بچنا چاہئے اور حتی الامکان اپنے حساب چاند کے مہینوں سے رکھیں کہ یہ ہی اللہ کو محبوب ہے۔ یہ فائدہ ذلک الدین القیم سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: چار محترم مہینوں میں جہاد کی ممانعت اس آیت کریمہ سے منسوخ ہوگئی۔ اب ہر مہینہ ہر زمانہ میں جہاد جائز ہے۔ یہ فائدہ کافۃ سے حاصل ہوا۔ دیکھو اس کی تفسیر پھر حضور انور ﷺ کا شوال و ذیقعدہ میں غزوۂ حنین غزوۂ طائف فرمانا اس تفسیر کی قوی دلیل ہے۔

چھٹا فائدہ: مہینے گھڑیاں دن رات برابر نہیں بعض بعض سے افضل ہیں۔ یہ فائدہ منھا اربعۃ حرم سے حاصل ہوا۔ تو سارے انسان یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔

ساتواں فائدہ: جہاد ہر قسم کے کفار سے کیا جاوے گا۔ مشرک ہو یا اور قسم کا کافر۔ یہ فائدہ المشرکین بمعنی الکافرین سے ہوا، دیکھو تفسیر۔

آٹھواں فائدہ: جہاد صرف حربی کفار سے ہوگا۔ ذمی یا مستامن سے نہ ہوگا۔ یہ فائدہ کما یقاتلوا لکم (الخ) سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: یوں تو ہر مسلمان کو تقویٰ لازم ہے مگر مجاہد کے لئے تقویٰ پرہیزگاری بہت ضروری ہے۔ یہ فائدہ ان اللہ مع المتقین سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: جب سارے مہینے اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں تو ان مذکور چار مہینوں میں کیا خصوصیت ہے کہ انہیں حرم فرمایا گیا۔ سارے مہینے یکساں چاہئیں۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ جب ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے تو انسان شرف الخلق کیوں ہوا۔ ساری زمین اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے تو حرمین طیبین اشرف بلاد کیوں۔ سارے دن اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں تو جمعہ اشرف ایام کیوں ہوا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ **ذلک الفضل اللہ یوتیہ من یشاء**۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس جگہ جس وقت کو کسی محبوب چیز سے نسبت ہو جاوے وہ تا ابد اشرف ہو جاتے ہیں۔ فرماتا ہے کہ **لیلۃ القدر خیر من الف شھر** شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ کیوں، اس لئے کہ **انا انزلنہ فی لیلۃ القدر** اس رات میں قرآن مجید نازل ہوا۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **فلا تظلموا فیھن انفسکم** ان چار مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو تو کیا باقی آٹھ مہینوں میں ہم ظلم کریں۔

جواب: اس فرمان عالی کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ **فیھن** سے مراد بارہ مہینے ہیں یعنی ان بارہ مہینوں میں کبھی بھی گناہ نہ کرو۔ دوسرے یہ کہ ان چار ماہ میں اپنے پر ظلم یعنی جہاد نہ کرو کہ یہ حرام ہے۔ تب یہ اگلے مضمون سے منسوخ ہے۔ تیسرے یہ کہ یوں تو کبھی بھی مگر خصوصیت سے ان چار ماہ میں گناہ نہ کرو کہ ان میں بدترین جرم ہے۔

تیسرا اعتراض: **کافۃ** کے معنی ہیں سارے کافروں سے جہاد کرو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان چار ماہ میں جہاد کرو لہٰذا یہ فرمان عالی اس ممانعت جہاد کا ناسخ کیسے ہوا۔

نوٹ: بعض لوگ اب بھی ان چار مہینوں میں جہاد ممنوع مانتے ہیں، یہ اعتراض ان کا ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ **کافۃ** میں بڑی گنجائش ہے۔ ہر قسم کے کافروں سے ہر وقت ہر زمانہ میں ہر طرح جہاد کرو۔ یہ معنی حضور انور ﷺ کے عمل شریف نے معین فرما دیئے کہ شوال اور ذیقعدہ میں حضور ﷺ نے غزوۂ حنین و طائف فرمایا۔

چوتھا اعتراض: یہاں یہ کیوں ارشاد ہوا کہ **کما یقاتلونکم کافۃ** کیا اگر کفار ہم سے نہ لڑیں تو ہم بھی جہاد نہ کریں کیا ہم صرف دفاعی جہاد کریں جارحانہ نہ کرتا۔

جواب: ایک یہ کہ ذمی اور مستامن سے جنگ نہ کریں کہ وہ تمہاری امان میں ہیں صرف حربی کفار سے لڑنا جو تم سے جنگ کرتے رہتے ہیں دوسرے یہ کہ چونکہ کفار تم سے ہر وقت لڑتے ہیں اگر تم پر چار ماہ میں جہاد حرام رہا تو تم ان کے ہاتھوں مار کھاؤ گے لہٰذا تم کو بھی اجازت دی جاتی ہے کہ ان سے ہر ماہ ہر زمانہ میں جہاد کرو۔ یہ پابندی ختم ہو گئی۔ جہاد ہر وقت تا روز قیامت جاری ہے۔ یہ نماز روزہ کی طرح کی دائمی عبادت ہے۔ (روح البیان)

تفسیر صوفیانہ: مبارک ہے وہ انسان جو اپنے عمر کی ساری ساعتیں اللہ کے لئے صرف کرے۔ نفس کے لئے کچھ بھی نہ

کرے مگر ایسے لوگ کم ہیں پھر غنیمت ہیں وہ لوگ جو اپنی نصف ساعتیں رب کے لئے صرف کریں اور نصف نفس کی پرورش اور دنیاوی انتظام کے لئے۔ پھر وہ لوگ بھی نقصان میں نہیں جو اپنے اوقات کے دو حصے دنیا کے لئے اور تہائی حصہ اللہ کے لئے صرف کریں۔ دیکھو سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں تہائی یعنی چار ماہ وہ حرم ومحترم ہیں جن کو اللہ کے لئے خاص کرو اس کو دنیا میں صرف کرنا حرام ہے۔ برباد ہے اس کی وہ زندگی جو دنیا طلبی میں صرف ہو۔ یہ تقسیم اوقات دین قیم یعنی سیدھا راستہ ہے اسے مومن کے دل اور دل کے صفات روح اور روح کے صفات جو مثل مومنین کے ہیں تم ہر وقت ہر جگہ اپنے اندرونی مشرکین نفس اور اس کے صفات سے لڑتے رہو۔ کیونکہ وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہتے ہیں۔ وہ تمہارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں تم ان سے غافل نہ رہو۔ نفس امارہ سے جنگ یہ ہے کہ ہمیشہ اس کی مخالفت کرو کہ یہ اس سے شکست کھاتا ہے اسی مخالفت نفس کا نام تقویٰ ہے اور ایسا آدمی متقی ہے اللہ تعالیٰ کا کرم اس کی رحمت متقیوں کے ساتھ ہے۔

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ
اس کے سوا نہیں کہ آگے پیچھے ہٹانا اور زیادتی میں کفر گمراہ کئے جاتے ہیں ایسے وہ لوگ جنہوں
ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں ایک برس حلال
عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِـُٔوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا
نے کفر کیا حلال سمجھتے ہیں اس کو ایک سال اور حرام سمجھتے ہیں دوسرے سال تاکہ برابر کریں
ٹھہراتے اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں کہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں جو اللہ نے حرام
حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
شمار اس کی جو حرام کیے اللہ نے پس حلال کریں اسے جو حرام کیے اللہ نے آراستہ کیے
فرمائی اور اللہ کے حرام کیے ہوئے حلال کریں ان کے برے کام ان کی آنکھوں میں بھلے لگتے
الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾
گئے واسطے ان کے اعمال ان کے اور اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم کفار کو
ہیں اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں کفار عرب کی اس بے قاعدگی کا ذکر تھا جو وہ برس کے مہینوں کی تعداد میں کرتے تھے یعنی کبھی بارہ کے بجائے تیرہ کر دیتے تھے اب ان کی اس بے قاعدگی کا ذکر ہے جو وہ مہینوں کے تعین میں کرتے تھے یعنی مہینوں میں تبدیلی کرنا رب کو محرم یا محرم کو ربیع الاول یا رجب کو ذی الحجہ بنا دینا۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار تم سے ہر وقت لڑتے ہیں تم بھی ان سے ہر وقت لڑو۔ اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ اگرچہ کفار عرب سال میں چار مہینے کو محترم جان کر جنگ بند کرتے ہیں مگر ان مہینوں میں ردوبدل کرتے رہتے ہیں کہ کبھی محرم کو صفر بنا کر تم لوگوں سے لڑ بھڑ لئے۔ ڈکیتیاں چوریاں کر لیں اور کبھی صفر کو محرم بنا کر اس کا احترام کر لیا۔ لہٰذا وہ تم سے ہر وقت لڑ سکتے ہیں۔ گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا اس آیت میں ثبوت۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا کہ چار مہینے محترم ہیں۔ رجب، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ۔ اب اس کے متعلق کفار کے رویہ کا ذکر ہے کہ وہ محترم مہینوں کا احترام نہیں کرتے بہانہ بنا کر حرمت توڑتے ہیں تم ایسی حرکات نہ کرنا۔

نزول: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے عبادات حج وغیرہ چاند کے مہینوں میں باقاعدہ ہوتی چلی آ رہی تھیں۔ (تفسیر کبیر) ان چار مہینوں میں جنگ، لوٹ، غارت حرام تھی ایک مہینہ یعنی رجب الگ تھا اور تین ماہ مسلسل شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ، جب عرب میں لوٹ مار غارت گری گرم ہو گئی تو ان کو مسلسل تین ماہ تک ان حرکتوں سے باز رہنا بہت شاق ہوا کیونکہ مسلسل نوے دن تک وہ صبر نہیں کر سکتے تھے حتیٰ کہ بنی کنانہ کے ایک شخص نعیم ابن ثعلبہ نے فرمایا کہ جنادہ ابن عوف کنانی نے حضرت ابن عباس سے فرمایا کہ عمرو ابن لحی ابن قمعہ ابن خندف نے اہل عرب سے کہا کہ سال کے چار مہینے محترم سمجھو۔ یہ چار مہینے مقرر کرنا ہمارا کام ہے ہم جس مہینے کو جو نام دے دیں، وہ ہی ہے چنانچہ اگر محرم میں انہیں کسی قوم سے لڑنا ہوتا تو اسے صفر کر لیتے اور صفر کو محرم بنانے لگے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

ونحن الناسئون علی معد   شهور الحل تجعلها حراما

ایک شاعر کہتا ہے۔ مصرع

ومنا ناسی الشهر القلمس

ان کے متعلق یہ آیت کریمہ اس حرکت سے متعلق نازل ہوئی (روح المعانی وتفسیر خازن) یہاں تفسیر خازن نے فرمایا کہ کفار عرب کا طریقہ یہ تھا کہ ہر مہینہ دو سال حج کرتے تھے مثلاً دو سال محرم دو سال صفر میں دو سال ربیع الاول میں جب ۹ ہجری میں حضرت صدیق کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور سورہ براءت کا اعلان کرنے بھیجا تو ذی قعدہ میں دوسرے سال حج تھا۔ اگلے سال یعنی ۱۰ ہجری ذی الحجہ میں حج ہوا یعنی بالکل درست ہوا۔

لطیفہ: حضرت آمنہ رضی اللہ حج کے موسم میں گیارہ تاریخ کو مقام منیٰ میں حاملہ ہوئیں اور ربیع اول میں حضور کی ولادت باسعادت ہے۔ اس حساب سے صرف تین ماہ حمل کے بنتے ہیں نہ کہ نو ماہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سال کفار عرب نے ماہ رجب کو ذی الحجہ بنا کر حج کیا تھا۔ واقعہ میں رجب تھا ان کی بناوٹ کا ذی الحجہ لہٰذا حساب بالکل درست ہے۔

تفسیر: انما النسی زیادة فی الکفر یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ انما حصر کے لئے ہے یعنی نسی کفر ہے۔ نسی کے معنی ہیں دیر لگانا، وقت پیچھے کرنا اس لئے ادھار کو نسیہ کہا جاتا ہے۔ (خازن معانی، کبیر) یہاں مراد ہے محترم مہینوں کو پیچھے کرنا یعنی محرم کو صفر بنا دینا وغیرہ۔ بعض نے فرمایا کہ یہ مصدر ہے جیسے نسی اس کا فعل لازم بنا ہے جیسے نسی یسنی نسیا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ

صفت مشبہ ہے نسی جیسے قتیل یا صریح مگر قوی یہ ہے کہ یہ مصدر ہے۔ کیونکہ آگے اس کی خبر آ رہی ہے زیادة جو خود مصدر ہے۔ اگر نسی کو صفت مشبہ مانا تو زیادة سے پہلے کچھ پوشیدہ ماننا پڑے گا۔ (روح المعانی) بعض نے فرمایا کہ نسا بمعنی زیادتی ہے کہا جاتا ہے نســا فی الاجـل یعنی سال میں زیادتی کرنا کہ بجائے بارہ ماہ کے تیرہ ماہ کر دینا۔ مگر یہ قوی نہیں کیونکہ اس کا ذکر تو پچھلی آیت میں ہو چکا (کبیر) یعنی محترم مہینوں میں دیر کرنا، انہیں پیچھے ہٹانا محرم کو صفر وغیرہ بنانا۔ کفار عرب کے کفر میں اور زیادتی ہے کہ وہ حرام جانوروں کو حلال سمجھ کر بت پرستی کر کے شراب جوئے کو حلال جان کر کافر تو ہوئے تھے اب اس حرکت سے ان کا کفر اور بڑھ گیا۔ حج بے وقت کیا۔ حرام مہینہ کو صفر بنا کر حلال کرلیا وغیرہ وغیرہ۔ یضل بہ الذین کفروا یہ عبارت زیادہ کی صفت ہے ہماری قرأت میں یضل مجہول ہے۔ بہ میں ب سببیہ ہے۔ ہ سے مراد ہے زیادة یا نسی یعنی نسی اور تاخیر کی وجہ سے وہ اور بھی زیادہ گمراہ کیے جاتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ گمراہ کرنے والا شیطان ہے اور گمراہی سے مراد ہے گمراہی میں زیادتی۔ اضافہ کیونکہ گمراہ تو وہ پہلے سے ہی تھے۔ بعض نے فرمایا کہ گمراہ کرنے والا یعنی ان میں گمراہی پیدا کرنے والا۔ رب تعالیٰ ہے (معانی کبیر وغیرہ) یحـلونہ عاما و یحر مونہ عاما یہ زیادتی گمراہی کا بیان ہے یحلون اور یحرمون سے بنا ہے احلال اور تحریم سے بمعنی حلال حرام کر لینا یا حلال و حرام جاننا ماننا سمجھنا۔ ہ کا مرجع نسی ہے بمعنی پیچھے ہٹایا ہوا مہینہ۔ اگر وہ مصدر ہے تو بمعنی مفعول ہے اور اگر صفت مشبہ ہے تو بھی بمعنی مفعول یعنی یہ لوگ ایک سال اس مہینہ کو صفر مان کر حلال جان لیتے ہیں اس میں جنگ لوٹ مار غارت گری حلال سمجھ لیتے ہیں۔ کیسے گمراہ و بے دین ہیں۔ لیوطوا عدة ما حرم اللہ یہ عبارت متعلق ہے یحلون اور یحرمون کے اور ان دونوں کاموں کی وجہ کا بیان ہے۔ اس میں لام بمعنی کے ہے۔ یـواطـئـو بنا ہے مـواطاة سے بمعنی موافقت یا برابری کرنا۔ اس کا فاعل وہ ہی مذکورہ کفار ہیں یعنی الـذین کفروا۔ عدة بنا ہے عدد سے بمعنی گنتی، سے مراد ہیں محترم مہینے یعنی وہ لوگ یہ ہیر پھیر کہ محرم کو صفر کر دیا اور صفر کو محرم اس لئے کرتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کر دیں ہر سال میں چار مہینے محترم مان لیں یعنی کہتے ہیں کہ چار مہینے پورے کر دو خواہ کوئی اور کبھی ہوں۔ فیحـلوا ما حرم اللہ یہ عبارت یا تو معطوف ہے یواطئو پر اور ف عاطفہ یا اس پر مرتب ہے اور ف ترتب اور نتیجہ کی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کو حلال کر لیتے ہیں۔ مثلاً اگر اس سال محرم کو صفر بنا کر اس میں جنگ وغیرہ کر لی تو محرم کو حلال کر لیا۔ یہ بدعملی بھی ہے اور بدعقیدگی بھی۔ یہ تفسیر یاد رہے۔ زین لھم سوء اعمالھم یہ فرمان عالی ان کے پچھلے گناہوں کفریات کی وجہ سے ہے یا ان کا ایک اور جرم یعنی یہ لوگ مذکورہ حرکتیں کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام اچھے ہیں ہم کو ان پر ثواب ملے گا۔ رب تعالیٰ ہماری ان حرکات سے خوش ہے چنانچہ جنادہ ابن عوف جو کفار عرب کا سردار اور اس تبدیلی کا موید تھا۔ وہ حج کے زمانہ میں اونٹ پر سوار ہو کر اعلان کرتا تھا کہ تمہارے معبود نے اگلے سال محرم کو حلال کر دیا ہے پھر دوسرے سال اعلان کرتا کہ اگلے سال ماہ محرم حرام کر دیا ہے۔ کبھی کہتا کہ لا مرد لـمـا قضیت انا الذی الاعاب و الاحساب یعنی میرے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کر سکتا میں بے عیب اور بے نقصان تم کو اس سال مہینوں کے متعلق یہ حکم دیتا ہوں کہ فلاں مہینہ کو ادھر منتقل کرو۔ وکفار کہتے لبیک یعنی حاضر جناب (خازن و روح المعانی) وہ لوگ اس کے اس حکم کو اللہ کا حکم سمجھتے

اس فرمانِ عالی میں یہ بات ارشاد ہوئی۔ **واللہ لا یھدی القوم الکفرین**۔ اس فرمانِ عالی میں ان کی اس بدعملی کا نتیجہ بیان ہوا کہ اس قسم کے کافروں کو جو کفر کو ایمان گناہوں کو نیکی سمجھیں راہِ راست کی ہدایت نہیں دیتا یا جب تک وہ ان عقائد پر قائم رہیں انہیں نیک اعمال کی یا جن کا کفر پر مرنا علمِ الٰہی میں آ چکا ہے انہیں ایمان کی ہدایت نہیں دیتا۔

خلاصہ تفسیر: سال کے مہینوں کو پیچھے ہٹانا، ان میں تبدیلی کرنا کہ ایک سال ایک مہینہ حج کر لیا دوسرے سال دوسرے مہینہ کو ذی الحجہ کہہ کر اس میں حج کر لیا۔ ایک سال ماہ محرم کو دوسرا مہینہ بنا کر اس میں جنگ چوری ڈکیتی وغیرہ کر لی۔ پھر کسی اور مہینہ کو محترم مہینہ بنا کر ان حرکتوں سے باز رہے۔ یہ کفار کے کفر میں اور اضافہ ہے کہ جیسے وہ بت پرستی، مردار، شراب، جوئے وغیرہ کو حلال جان کر کافر ہوئے، ویسے ہی وہ اس حرکت سے اپنے کفر میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس حرکت سے یہ کفار گمراہی میں اضافہ کرتے ہیں کہ ایک ہی مہینہ کو ایک سال حلال بنا لیتے ہیں، اور اس میں جنگ و جدال قتل و غارت و خونریزی کرتے ہیں اور دوسرے ہی سال اسی مہینہ کو محترم بنا کر ان حرکتوں سے باز رہتے ہیں۔ صرف یہ خیال کرتے ہیں کہ چار محترم مہینوں کی سال میں گنتی پوری کر دیں، ان کے تعین کو جو رب تعالیٰ کی طرف سے ہے ختم کر دیں اللہ کے حرام کو حلال کر لیں پھر ابلیس نے ان کی نگاہ میں میں یہ حرکتیں آراستہ کر دیں جس سے وہ یہ حرکتیں اچھی سمجھنے لگے اور خیال کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ان کاموں سے راضی ہے ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: چاند کے مہینوں میں تبدیلی کفر ہے کیونکہ ان سے بہت سی اسلامی عبادات وابستہ ہیں۔ حج، روزے، نماز عیدین، قربانی، فطرہ وغیرہ ان سے وابستہ ہیں۔ مہینوں میں تبدیلی سے یہ تمام عبادتیں غلط ہو جائیں گی۔ یہ فائدہ **انما النسئی** (الخ) سے حاصل ہوا۔ انگریزی ہندی مہینوں میں تبدیلی نہ کفر ہے نہ گناہ کہ اس سے اسلامی نظام میں خلل نہیں پڑتا۔

دوسرا فائدہ: جیسے اسلامی فرائض کا انکار کفر ہے یوں ہی فرائض کی کیفیات ان کے اوقات کا انکار کفر ہے جو نماز ظہر کی فرضیت کا انکار کرے یا کہے کہ وہ تین رکعات ہیں یا کہے کہ اس کا وقت سورج ڈوبنے پر ہے یہ سب کافر ہیں۔ نماز بھی فرض اس کی رکعات بھی فرض اس کے اوقات بھی فرض ہیں۔ یہ فائدہ بھی **انما النسئی** (الخ) سے حاصل ہوا کہ کفار عرب مہینوں میں تبدیلی کر کے حج کے وقت میں فرق کرتے تھے جسے قرآن مجید نے کفر فرمایا۔

تیسرا فائدہ: کفر میں زیادتی کمی ہوتی ہے بعض کفر بڑے بھاری ہیں بعض ہلکے یہ فائدہ **زیادۃ فی الکفر** سے حاصل ہوا لہٰذا ایمان میں بھی زیادتی کمی ہوتی ہے کہ وہ کفر کا مقابل ہے مگر یہ زیادتی کمی مقدار کی نہیں بلکہ کیفیت کی ہے رب تعالیٰ نے مہینوں میں تبدیلی کرنے کو ان کے کفر میں زیادتی قرار دیا۔

چوتھا فائدہ: تبدیلی مہینہ کی وجہ سے جو حج وغیرہ میں تبدیلی ہوتی تھی اس کے مجرم تبدیلی کرنے والے کفار تھے نہ کہ اس زمانہ کے مومنین۔ یہ فائدہ **یضل بہ الذین کفروا** سے حاصل ہوا کہ اس جرم کو کفار کے لئے گمراہی فرمایا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں قیام کے زمانہ میں حضور انور نے ایسے حج کئے یا ۸ ہجری میں حضرت صدیق و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے ذی قعدہ والا حج

کیا اسے قرآن مجید نے یوم الحج الاکبر فرمایا۔ اس کا وبال کفار پر تھا نہ کہ ان حضرات پر۔

مسئلہ: اگر ظالم حکومت ایک دو دن پہلے حج کرادے تو لوگوں کا حج درست ہے اس کا وبال ظالم حاکم پر ہوگا۔ جس نے یہ تبدیل کیا۔ یہ مسئلہ اس آیت سے نکل سکتا ہے۔

پانچواں فائدہ: جیسے فرائض کی تعداد کی پابندی ضروری ہے ایسے ہی ان کے تعین کی پابندی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص پندرہ روزے ماہ رمضان میں رکھے اور پندرہ کسی اور مہینے میں، وہ کافر ہے۔ روزے پورے مہینے کے رکھے اور رمضان میں رکھے۔ یہ فائدہ لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو کفار عرب محترم مہینوں کی تعداد تو پوری کر دیتے تھے مگر تعین خداوندی میں فرق کرتے تھے انہیں کافر گمراہ ان کے اس فعل کو گمراہی فرمایا گیا۔

چھٹا فائدہ: جو شخص اپنے برے اعمال کو اچھا، کفر کو ایمان سمجھنے لگے اس کی اصلاح ناممکن ہے یہ فائدہ زین لھم سوء اعمالھم سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: جو کوئی گناہ کو عبادت سمجھنے لگے اس کی تبلیغ کرے اس کو کبھی ہدایت نہیں ملتی۔ یہ فائدہ واللہ لا یھدی القوم الکافرین سے حاصل ہوا۔ اگر آج کوئی پیر کے دن کو جمعہ بنا کر اس دن نماز جمعہ پڑھے یا ربیع الاول کو بقرعید بنا کر قربانی اور نماز عید پڑھے یا اپنے ملک میں کوئی عمارت بنا کر اسے کعبہ کا نام دے کر اس کا حج کرے یا طواف یا کہ کوئی دو پہاڑ صفا مروہ مان کر ان کی سعی کرے یہ سب ایسے ہی کافر ہیں جیسے اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر کافر و مرتد ہیں۔

پہلا اعتراض: کفار پر تو یہ اعتراض ہے کہ وہ محترم مہینوں میں تبدیلی کر دیتے تھے مگر مسلمانوں نے تو ان مہینوں کی حرمت ہی ختم کردی کہ ان میں جہاد قتال جائز کر دیا مسلمان ان سے بڑھ کر بے ادب ہوئے (آریہ)

جواب: یہ فرق ہم نے نہیں کیا خود رب تعالیٰ نے ہی ان مہینوں میں جہاد جائز قرار دیا۔ اس فرق حکم کی حکمتیں ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ رب کے حکم ہم بدلیں تو مجرم ہیں۔ خدا تعالیٰ ہی بدلے تو وہ مالک و مختار ہے۔ رب تعالیٰ کسی بندے کو موت دے تو وہ مالک ہے، ہم اسے مار دیں تو مجرم ہیں، کفار خود اپنی رائے سے حکم خداوندی میں تبدیلی کرتے تھے لہٰذا مجرم تھے۔

دوسرا اعتراض: کفر تو ایک بسیط چیز ہے جس کے اجزاء نہیں پھر اس میں زیادتی کیسی۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں زیادتی مقدار مراد نہیں بلکہ زیادتی کیفیت مراد ہے۔ یعنی آدھا پونا کافر کوئی نہیں سب پورے ہی کافر ہیں مگر بعض سخت تر کافر ہیں بعض ہلکے کافر یہی ایمان کا حال ہے کہ بعض ضعیف الایمان مومن بعض قوی الایمان۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا مگر دیکھا جاتا ہے کہ ہزار کافر مومن ہو جاتے ہیں۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو کفار سے وہ کافر مراد ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا۔ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں ملتی یا کفار جب تک کافر ہیں انہیں نیک اعمال کی ہدایت نہیں ملتی وغیرہ۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ مہینوں کی تبدیلی سے کافر گمراہ ہوئے کافر تو پہلے ہی گمراہ ہیں پھر انہیں گمراہ کیے جانے کا مطلب کیا۔ اگر وہ پہلے ہدایت پر ہوتے تو گمراہ ہونا درست ہوتا۔

جواب: اس فرمانِ عالی کا مطلب یا یہ ہے کہ اس سے ان کی گمراہی میں اور زیادتی ہو جاتی ہے۔ جیسے ہم دعا کرتے ہیں اهدنا الصراط المستقیم خدایا ہم کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے حالانکہ بفضلہ تعالیٰ ہم ہدایت پر ہیں۔ مسلمان ہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ ایک قسم کی گمراہی اور انہیں اب ملتی ہے۔ اس سے پہلے اور بہت سی قسم کی گمراہیوں میں تھے۔ ایک کافر میں بہت گمراہیاں ہوتی ہیں عقائد کی گمراہیاں بھی بہت ہیں، اعمال کی گمراہیاں بھی بہت۔

پانچواں اعتراض: یہاں گمراہی کے لئے کفار کی قید کیوں لگائی جو بھی غلط حج کرے وہ گمراہ ہے اگرچہ اپنے کو مسلمان کہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر کے فوائد میں گزر گیا۔ اس زمانہ میں جو مومنین بھی بے وقت حج کرتے تھے وہ گمراہ نہ تھے بلکہ غلط حج کرنے والے مہینوں میں تبدیلی کرنے والے کفار ہی گمراہ تھے۔ ہجرت سے پہلے حضور انور نے فتح مکہ کے بعد ۸ ہجری میں ابوبکر صدیق نے ذی قعدہ میں بلکہ ولادت پاک سے پہلے جناب آمنہ و عبداللہ و عبدالمطلب وغیرہم نے رجب وغیرہ میں حج کئے وہ مطلقاً گمراہ نہیں ہوئے۔

چھٹا اعتراض: یہاں یہ کیوں فرمایا گیا لیواطئوا عدۃ (الخ) تا کہ وہ محترم مہینوں کی گنتی پوری کر دیں۔ کیا گنتی پوری کرنا بھی گمراہی ہے۔ یہ تو بالکل برحق ہے۔

جواب: اس فرمانِ عالی کا مقصد یہ ہے کہ کفار محترم مہینوں کی شمار تو پوری کر دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے تقرر و تعین کو بگاڑتے ہیں لہٰذا شمار پوری کرنا ان کے لئے کچھ مفید نہیں۔ جیسے کوئی شخص دن رات میں نمازیں پانچ تو پڑھے مگر سورج ڈوبنے پر ظہر عشا کے وقت ہی عصر فجر کے وقت مغرب پڑھے۔ ان ہی وقتوں کو ان نمازوں کے اوقات سمجھے۔ وہ ایسا کافر ہے جیسے نماز کی فرضیت کا منکر کافر۔ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام جاننا فرضِ عین ہے۔

تفسیر صوفیانہ: کفار عرب سال میں چار مہینے محترم سمجھ کر ان میں مخلوق کو ستانے لوٹ مار کرنے قتل و غارت سے باز رہتے تھے مومنوں کو چاہئے کہ سال کے بارہ مہینوں میں زبان، قلم، ہاتھ وغیرہ کے ذریعہ مسلمانوں کی آزاری سے باز رہیں کیونکہ ایذاء کا بدلہ ایذاء ہے رحم کا بدلہ رحم۔ شعر

آزار دل خلق مجوبے سببی تا برنکشد یا ربی نیم شبی

بر مال و جمال خویشتن تکیہ مکن کانرا بشبے برندو ایں را بہ تپی

مخلوق کو نہ ستا ورنہ تیر دعاء نیم شبی آسمان تک نہ پہنچے گی۔ اپنے مال و جمال پر بھروسہ نہ کر مال ایک رات میں اور جمال کو ایک بخار میں ختم ہو جاتا ہے۔ (روح البیان) جس ساعت میں نیک عمل کی توفیق مل جائے وہ ہی ساعت ماہ محرم کی طرح محترم

ہے اور جس ساعت میں گناہ سرکشی ہو وہ ہی منحوس ہے۔ جیسے سال میں چار مہینے محترم ہیں ایسے ہی دن رات کی چند ساعتیں محترم ہیں۔ پانچ نمازوں کے اوقات تہجد کی گھڑیاں، ناشکرا ہے، وہ جو ان ساعتوں میں تبدیلی کرے کہ انہیں دنیا طلبی یا گناہوں میں صرف کرے اور عبادات و ریاضات کو دوسرے وقت پر موقوف رکھے کہ بڑھاپا آئے گا تو یہ اور عبادت کریں گے۔ جس رات کی قدر کرلو وہ ہی شب قدر ہے۔ شعر

مانگ لے مانگ لے چشم تر مانگ لے ۔۔۔ مانگ لے ان کی میٹھی نظر مانگ لے

کل کے آقا کی نگری میں گھر مانگ لے ۔۔۔ مانگنے کا مزہ آج کی رات ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے کیا حال ہے تمہارا جب کہا جاتا ہے تم سے کہ نکلو اللہ کی راہ

اے ایمان والو تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جاوے خدا کی راہ کوچ کرو تو بوجھ کے مارے زمین پر

اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ

میں تو بوجھل ہو جاتے ہو تم طرف زمین کے کیا راضی ہو گئے دنیاوی زندگی سے بمقابلہ آخرت کے

بیٹھ جاتے ہو کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کرلی اور جینی دنیا کا اسباب آخرت

الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

پس نہیں ہے سامان دنیاوی زندگی کا بمقابلہ آخرت کے مگر تھوڑا اگر نہ نکلو گے تم تو عذاب دے گا

کے نہیں مگر تھوڑا اگر نہ کوچ کرو گے تو تمہیں سخت

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا

تم کو عذاب دردناک اور بدل دے گا قوم کو جو سواء تمہارے ہے اور نہ نقصان دو گے

سزا دیگا اور تمہاری جگہ اور لوگ لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے

تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

تم اس کو کچھ اور اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے

اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے عیوب بیان کئے گئے، اب مسلمانوں کو ان پر جہاد کرنے کا حکم دیا جارہا ہے تا کہ دنیا سے یہ عیوب مٹیں گویا عیوب کا ذکر پہلے ہوا اب عیوب مٹانے والے جہاد کا ذکر ہے۔ سورج سے رات دور ہوتی ہے غازی کے جہاد سے کفر وغیرہ زمین سے دور ہوتے ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ ہر زمانہ میں جہاد کرو کسی مہینہ میں تم پر روک ٹوک نہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اعلان جہاد ہوتے ہی جہاد کے لئے نکلو مہینے وغیرہ کا بہانہ نہ کرو۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جو محبت دنیا کی وجہ سے دین برباد کر لیتے تھے مہینوں کی تبدیلی اسی محبت دنیا کی بنا پر تھی اب مسلمانوں کو محبت دنیا سے روکا جارہا ہے اور آخرت کی طرف مائل کیا جارہا ہے۔

شان نزول: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ غزوۂ حنین، اوطاس اور فتح طائف اور عمرہ جعرانہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ تشریف لائے کچھ قیام فرمایا تو خبر لگی کہ رومی لشکر بڑی تعداد میں شام کے شہر تبوک اور اس کے آس پاس مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو پیش قدمی نہ کرنے دیں بلکہ تبوک پہنچ کر وہاں ہی ان پر جہاد کریں اس جہاد کی اعلانیہ تیاری فرمادی۔ اپنے ارادے سے مسلمانوں کو مطلع فرمادیا کہ ہم نے تبوک پر حملہ کرنا ہے اس سے پہلے اکثر مقام جہاد کو ظاہر نہیں فرمایا جاتا تھا بلکہ بطور توریہ حملہ کرنا کہیں ہوتا تھا اور اشارتاً اظہار دوسری طرف کا۔ چونکہ تبوک مدینہ منورہ سے بہت دور چودہ منزل قریباً پانچ سو میل پر تھا موسم سخت گرم تھا، اہل مدینہ کے کھجور کے باغات تیار تھے اس لئے صاف صاف اعلان فرمادیا تا کہ مسلمان پوری تیاری کرلیں۔ یہ جہاد منافقوں پر عموماً اور بعض صحابہ کرام پر خصوصاً گراں (بھاری) معلوم ہوا بہر حال حضور انور نے رجب ۹ ہجری میں تیس یا چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر کوچ فرمایا۔ جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ اس غزوہ کے موقع پر حضرت عثمان غنی نے دس ہزار مجاہدوں کو مجاہدوں کا سامان جہاد دیا۔ دس ہزار اشرفیاں، نو سو اونٹ، سو گھوڑے مع سامان دیئے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنا سارا مال چندہ میں دے دیا۔ گھر میں جھاڑو دے ڈالا۔ اس کی مالیت چار ہزار درہم تھی۔ حضرت عمر نے آدھا مال حضرت عبدالرحمن بن عوف نے سو اوقیہ حضرت عباس و طلحہ نے بھی بھاری چندہ دیا۔ عورتوں نے زیور اتار دیئے۔ حضور انور نے مدینہ منورہ کے انتظام کے لئے حضرت علی اور محمد ابن مسلمہ انصاری کو چھوڑا۔ اس لشکر میں عبداللہ ابن ابی منافق مع اپنے ساتھیوں کے روانہ تو ہوا مگر ثنیہ وداع سے ہی لوٹ آیا۔ اس جہاد میں بڑا جھنڈا حضرت صدیق اکبر کو دیا گیا۔ دوسرا حضرت زبیر کو قبیلہ اوس کا جھنڈا اسید ابن حضیر کو، خزرج کا جھنڈا حباب ابن منذر کو، اس غزوہ کو منافقین تو گئے نہیں بعض مسلمان ارادہ کرتے ہی رہ گئے شریک نہ ہو سکے ان مسلمانوں کے متعلق یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں (تفسیر صاوی وخزائن العرفان روح البیان وغیرہ) اس غزوہ کا نام غزوۂ عسرت اور غزوۂ فاضحہ بھی ہے کیونکہ اس موقع پر مسلمان بہت تنگی میں تھے اور اس غزوہ نے منافقوں کو رسوا کر دیا۔ (روح البیان) جب حضور انور تبوک پہنچے تو وہاں پانی کا ایک چشمہ تھا جس میں پانی بہت تھوڑا تھا۔ حضور انور نے اس میں کلی کی جس سے پانی بہت زیادہ ہو گیا۔ اسلامی لشکر اور اس کے تمام جانور سیر ہو گئے۔ ہرقل شاہ محروم نے حضور انور کا مقابلہ نہ کیا۔ رومی فوجیں واپس چلی

گئیں۔ جنگ کی نوبت نہ آئی۔ حضور انور حضرت خالد ابن ولید کو چار سو سے زیادہ سوار دے کر بھیجا دومۃ الجندل کے حاکم اکیدار پر حملہ کرنے کے لئے۔ نیز فرمایا اسے نیل گائے کے شکار میں ہی پکڑ لو۔ چنانچہ آپ اسے گرفتار کر کے لے آئے۔ حضور انور نے اس پر جزیہ مقرر کر کے اسے چھوڑ دیا۔ یوں ہی ایلہ کے حاکم پر اولاً اسلام پیش کیا جسے اس نے قبول نہیں کیا اسے بھی جزیہ پر چھوڑ دیا گیا۔ یہ جہاد پوری آزمائش کا ذریعہ تھا۔ (خزائن العرفان) حضور انور نے تبوک میں تقریباً بیس دن قیام فرمایا۔ اس موقع پر ایلہ کے حاکم نے حضور انور کو سفید خچر تحفۃً پیش کیا جو قبول فرمالیا گیا حضور انور نے اسے ایک چادر عنایت فرمائی جو اس نے بصد شکریہ قبول کی۔ (صاوی) اس غزوہ سے رہ جانے والے تین صحابہ حضرت کعب ابن مالک بلال ابن امیہ مراہ ابن لوی کا واقعہ ان کا مکمل بائیکاٹ اس غزوہ میں ہوا جن کا ذکر اگلی آیتوں میں آرہا ہے۔ انہیں کی توبہ کا ذکر اس سورۃ میں ہے اس وجہ سے اس سورۃ کا نام توبہ ہے۔ غزوۂ تبوک حضور کا آخری جہاد ہے۔

تفسیر: یایها الذین امنوا چونکہ غزوۂ تبوک بعض طبیعتوں پر بہت دشوار تھا کہ سفر دراز، موسم گرم، مسلمانوں کے پاس سامان تھوڑا، مقابلہ روم و شام کی جرار فوجوں سے، کھجوریں پکنے ان کے توڑنے کا موقع جس پر سال بھر گزارا اس لئے اس مضمون کو مومنین کے خطاب سے شروع فرمایا کہ اس پیارے خطاب کی لذت سے یہ مشکل آسان ہو اس خطاب میں حضرت صدیق اکبر و فاروق جیسے جلیل الشان صحابہ کرام داخل ہیں۔ مالکم یہ فرمانِ عالی لفظاً سوال ہے حقیقۃً سرزنش یعنی تم کو ہو کیا گیا تم تو وہ ہو جنہوں نے بدر و حنین جیسے معرکے سر کئے جو احد و احزاب جیسے غزوات میں صابر رہے آج اپنی روایت شجاعت دلیری بہادری کیوں نہیں دکھاتے۔ (روح البیان و معانی) اذا قیل لکم کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ کہنے والے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا حضور کی طرف سے کوئی اعلانِ جہاد کرنے والا یا خود خدا تعالیٰ۔ کیونکہ حضور کا قول رب کا فرمان ہے۔ انفروا فی سبیل اللہ یہ ہے قیل کا مقولہ۔ انفروا بنا ہے نفر سے بمعنی کسی ضروری کام کے لئے نکلنا اس سے ہے نفیر یعنی اعلان جہاد یا مجاہدین کی سربکف جماعت۔ یہاں سبیل اللہ سے مراد غزوۂ تبوک ہے جیسا کہ شانِ نزول سے معلوم ہوا۔ اثاقلتم الی الارض یہ فرمانِ عالی اذا قیل کی جزاء ہے۔ اثاقلتم اصل میں تثاقلتم تھا باب تفعل کا ماضی ت کا ث میں ادغام ہوا۔ الف زائدہ اول میں بڑھایا گیا۔ اس کا مادہ ثقل ہے یعنی بوجھ۔ اثاقل کے معنی ہیں بوجھل کر زمین پر بیٹھ رہنا چونکہ اس میں میلان کے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے بعد الی ارشاد ہوا ارض سے مراد مطلقاً زمین ہے یا زمین مدینہ کہ اس وقت مدینہ منورہ میں بلا عذر رہنا ممنوع تھا اور ممکن ہے کہ ارض سے مراد دنیا اور اس کی زینت ہو۔ (روح المعانی) اس تیسرے معنی کی تائید اگلے مضمون سے ہو رہی ہے۔ فرمایا گیا۔ ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الاخرۃ اس فرمانِ عالی میں بھی بظاہر سوال ہے درحقیقت عتاب اور سرزنش ہے۔ رضا سے مراد پسند کرنا ہے۔ حیاۃ دنیا سے وہ زندگی مراد ہے جو نفس کے لئے جو زندگی آخرت کی تیاری کے لئے ہو وہ تو حیاۃ آخرت اور عین دین ہے۔ من الاخرۃ میں من بمعنی عوض یا بدل ہے رب فرماتا ہے۔ لجعلنا منکم ملائکۃ منکم بمعنی بدلکم (روح البیان و معانی) آخرت سے مراد جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں جو آخرت میں یعنی بعد موت دوسرے جہاد میں ملیں گے۔ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل ظاہر یہ ہے کہ فی

میں ف علت اور وجہ کی ہے اور یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ کلام کی وجہ ہے یعنی تم غلطی کرتے ہو کیونکہ دنیاوی سامان آخرت کے مقابلہ بہت تھوڑا اور حقیر ہے۔ چند وجہ سے (۱) دنیاوی سامان آخرت کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا آخرت کے مقابل ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈالے جس سے انگلی تر ہو جاوے تو انگلی کی تری کو سمندر سے جو نسبت ہے وہ دنیا کو آخرت سے نسبت ہے کہ دنیا کی نعمتیں مصیبتوں سے مخلوط ہیں آخرت کی نعمتیں خالص۔ (۲) دنیا اور اس کی نعمتیں فانی ہیں جو آنا فانا فنا ہو جاتی ہیں آخرت کی نعمتیں ابداً آباد تک باقی خالدین فیھا ابدا لہٰذا چاہئے کہ آخرت کے مقابل دنیا کو قبول نہ کیا جاوے۔ ہاں اگر دنیا آخرت سے وابستہ ہو جاوے تو وہ بھی باقی ہے۔ والباقیات الصالحات یہاں تک جہاد کے فوائد ارشاد ہوئے کہ یہ آخرت ملنے کا ذریعہ ہے اور آخرت دنیا سے بہتر ہے اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے یعنی جہاد نہ کرنے کا وبال الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ظاہر یہ ہے کہ اس فرمان عالی میں خطاب ان حضرات صحابہ سے ہے جنہیں غزوۂ بدر بھاری معلوم ہوا اور ہو سکتا ہے کہ تا قیامت سارے مسلمانوں سے خطاب ہو اگر جماعت صحابہ سے خطاب ہے تو گویا غیر واقع چیز پر غیر واقع چیز کو موقوف کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ حضرت حضور عالی کے فرمان پر ضرور جہاد کے لئے نکلے۔ الا حرف استثنا نہیں بلکہ ان شرطیہ اور لا نافیہ کا مجموعہ ہے تنفروا میں نفر سے مراد یا تو غزوۂ تبوک نہ جانا ہے یا آئندہ جہادوں میں۔ ظاہر ہے کہ دردناک عذاب سے مراد دنیاوی عذاب ہو، مسلمانوں کا کمزور ہو جانا، کفار کا غلبہ دنیا میں، فساد، قحط سالیاں وغیرہ کہ جہاد چھوڑنے سے یہ وبال دنیا میں آ جاتے ہیں۔ (روح المعانی وغیرہ) اور ہو سکتا ہے کہ اس سے عذاب آخرت مراد ہو مگر پہلا احتمال قوی ہے کیونکہ فاسق مومن کو بھی آخرت میں کچھ روز کے لئے عذاب ہو گا مگر عذاب الیم نہ ہو گا۔ اس لئے ترک جہاد کی دوسری سزا یہ ہے ویستبدل قوما غیرکم یہ عبارت معطوف ہے یعذبکم (الخ) پر اور جزاء ہے الا کی استبدال کے معنی ہیں کسی کے بدلہ میں دوسرے کو لے آنا۔ قوم سے مراد مسلم قوم نہ کہ کفار غیرکم فرما کر یہ بتایا کہ تم کو ہلاک کر کے تمہاری جگہ جو دوسری قوم ہو گی جیسے شام یمن فارس وغیرہ (جیسا کہ سعید ابن جبیر وغیرہم مفسرین سے مروی ہے) یعنی تمہاری جگہ ان میں کوئی قوم اسلام کی خدمت کے لئے مقرر کر دی جاوے گی اور پھر ولا تضروہ شیئا عام مفسرین فرماتے ہیں کہ ضمیر رب تعالیٰ کی طرف ہے مگر تفسیر خازن نے فرمایا کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی تم لوگ اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ اپنا ہی بگاڑو گے۔ ان کا سورج ہمیشہ ہی چڑھتا رہے گا۔ واللہ علی کل شیء قدیر یہ فرمان عالی گذشتہ مضمون کی وجہ اور علت ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جس قوم سے چاہے دین کی خدمت لے لے۔ تم اس کے رسول کے، اس کے دین کے محتاج ہو وہ تمہارے محتاج نہیں۔ لہٰذا اگر تم سے خدمت دین لے لی جاوے تو غنیمت جانو۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب تم کو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے روانگی کا حکم دیتے ہیں تو تم بہت بھاری باتیں کرتے ہو بوجھل ہو کر زمین کو پکڑے جاتے ہو تم نے ہی بدر و حنین کے میدان جیتے تم نے ہی احد و احزاب کی مشقتیں برداشت کیں۔ اب تم کو کیا ہو گیا ہے کیا تم اخروی ثواب کے مقابلہ میں دنیاوی جہان کے عیش و آرام میں

راغب ہو گئے۔ حالانکہ کیفیت یہ ہے کہ آخرت کے مقابلہ دنیا بہت تھوڑی بھی، فانی بھی اور آفات سے گھری ہوئی بھی۔ آخرت بہت اور باقی اور خالص آرام کی جگہ ہے تم یہ بھی خیال رکھو کہ اگر تم نے ہمارے حبیب کے حکم پر جہاد میں جانا چھوڑ دیا آرام طلب ہو گئے تو تم کو دنیا میں اس کی سزا بھی بھگتنی پڑے گی کہ تم مغلوب دشمن غالب تم محکوم وہ حاکم ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تم کو ہلاک کر کے دوسری مسلمان قوم تمہاری جگہ دین کی خدمت کے لئے فرمادے گا جو دین کی خدمت کرے گی تم اللہ رسول کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے، اپنا ہی بگاڑو گے۔ دیکھو مکہ معظمہ کے سرداران قریش نے اسلام کا مقابلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کی تو مدینہ والوں کو خدمتِ دین کے لئے کھڑا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جسے چاہے خدمت دین کی توفیق دے۔

نوٹ ضروری: بعض لوگوں نے کہا کہ یہ آیت کریمہ منسوخ ہے اس کی ناسخ وہ آیت ہے **وما کان للمومنین ان ینفروا کافۃ** (الخ) کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے مسلمانوں کو جہاد کے لئے نکلنا ضروری اس ناسخ آیت نے فرمایا کہ نہیں بلکہ بعض مسلمان نکلیں مگر قوی یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے اس میں خطاب ان لوگوں سے ہے جن کو جہاد میں جانے کا حکم دیا گیا۔ واقعی ان سب پر نکلنا تا قیامت واجب ہے۔ (تفسیر خازن)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مسلمان کسی گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ **یاایھا الذین آمنوا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو جہاد میں سستی کرنا گناہ ہے مگر یہاں سستی کرنے والوں کو مومن فرمایا گیا۔

دوسرا فائدہ: شریعت مطہرہ کے بھاری فرمانوں اور سخت عبادات سے غیر اختیاری بوجھ کا محسوس ہونا جسے طبعی کراہت کہتے ہیں یہ فسق بھی نہیں جیسے کسی کو سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے وضو بھاری معلوم ہو یا جہاد گراں محسوس ہو۔ یہ معاف ہے۔ یہ فائدہ **اثاقلتم الی الارض** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرات صحابہ کے بوجھل ہونے کا ذکر تو فرمایا مگر نہ تو ان کو فاسق کہا نہ توبہ کا حکم دیا کیونکہ یہ اختیاری طبعی کراہت تھی ہاں کسی حکم سے نفرت کفر ہے۔ یہ فرق خیال رہے۔

تیسرا فائدہ: حضور انور کی رضا کے بغیر زمین مدینہ میں رہنا فائدہ مند نہیں۔ مدینہ اس کے لئے مدینہ ہے جس سے مدینہ والا راضی ہو صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ فائدہ بھی **اثاقلتم الی الارض** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ الارض سے مراد زمین مدینہ ہو۔ ان حضرات پر اس لئے عتاب ہوا کہ انہوں نے اس جہاد کے دوران مدینہ منورہ میں رہنا چاہا۔

چوتھا فائدہ: آخرت کے مقابلہ میں دنیا چاہنا اسے راضی ہونا برا ہے۔ یہ فائدہ **ارضیتم بالحیوۃ الدنیا** (الخ) سے حاصل ہوا۔ ہاں آخرت کے لئے دنیا حاصل کرنا اس لئے دنیا چاہنا کہ یہ آخرت کے اعمال جمع کرنے کا ذریعہ ہے یہ بہت اچھا ہے۔

پانچواں فائدہ: دنیا کتنی بھی زیادہ ہو مگر تھوڑی ہے۔ آخرت کتنی ہو مگر زیادہ ہے۔ یہ فائدہ **الا قلیل** سے حاصل ہوا۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں کمان رکھنے کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور یہ ظاہر ہے کیونکہ باقی اعلیٰ ہے فانی سے۔ خالص ثواب اعلیٰ ہے اس سے جو مصیبتوں سے مخلوط ہو۔

چھٹا فائدہ: جہاد چھوڑنا دنیاوی تکالیف اور اخروی سزا کا باعث ہے۔ یہ فائدہ الا تنفروا (الخ) سے حاصل ہوا۔ دنیا میں سپاہی قوم ہی زندہ رہ سکتی ہے۔ قوم کا غلبہ، دین کی عزت دشمنوں کی مغلوبیت جہاد کے ذریعہ سے ہے۔

ساتواں فائدہ: انشاء اللہ دین اسلام قائم رہے گا۔ ہم رہیں یا نہ رہیں ہم سے پہلے بھی دین تھا، ہمارے بعد بھی رہے گا۔ دین کی گاڑی اللہ رسول کے کرم پر چلتی رہے گی۔ اس کی خدمت کے لئے قومیں پیدا ہوتی رہیں گی اس باغ کے لئے مالی آتے رہیں گے۔ یہ فائدہ ویستبدل قوما غیرکم سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام جہاد کے موقعوں پر بزدلی دکھاتے تھے۔ دیکھو ارشاد ربانی ہے اثاقلتم الی الارض دین میں بزدلی کفر ہے لہٰذا وہ مومن نہ تھے۔ (شیعہ)

جواب: انہیں رب تعالیٰ نے الذین امنوا کہہ کر پکارا پھر انہیں فاسق نہ فرمایا، انہیں توبہ کا حکم نہ دیا جس سے معلوم ہوا کہ ان کی یہ سستی یا طبعی کراہت نہ کفر تھی نہ فسق ہاں انہیں جوش دلانے کے لئے ظاہری عتاب فرمایا۔ اس عتاب میں بھی کرم ہے۔ پھر ان ہی حضرات نے تمام جہادوں میں فتح حاصل کی اسلام پھیلایا۔

دوسرا اعتراض: نماز میں سستی کفر ہے۔ رب فرماتا ہے فویل للمصلین الذین ہم عن صلوتھم ساھون جب نماز میں سستی کفر ہے اور اس کی سزا دوزخ کا ویل ہے تو جہاد میں سستی کفر کیوں نہیں یہاں ارشاد ہوا۔ اثاقلتم الی الارض۔ ساھون اور اثاقلتم میں کیا فرق ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی فوائد میں گزرا کہ کراہت اور نفرت میں فرق ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیت میں منافقین کا ذکر ہے جسے رب نے ان الفاظ سے شروع فرمایا اور آیت الذی یکذب بالدین (الخ) وہ بدنصیب نماز کو محض بیکار سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے ڈر سے الٹی سیدھی ادا کر لیتے تھے۔ یہاں طبعی گرانی کا تذکرہ ساھون اور اثاقلتم میں یہ فرق ہے۔ یہ ضرور خیال رہے کہ اس گرانی طبع کے ساتھ جو نیکی کی جاوے اس کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جاڑوں کی نماز عشاء فجر کا ثواب یوں ہی بیماری کی مسجد میں حاضری۔ گرمی میں جہاد۔ ان سب کا ثواب کیوں زیادہ ہے۔ اس گرانی کی وجہ سے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیاوی زندگی بری چیز ہے۔ اسے پسند کرنا برا۔ یہ تو حضرات انبیاء کرام اولیاء اللہ کو بھی ملتی ہے۔ اگر یہ بری ہے تو انہیں کیوں عطا ہوئی۔

جواب: آخرت کے مقابل دنیا کی زندگی واقعی بری ہے آخرت کے لئے یہ دنیا کی زندگی اچھی ہے کہ یہ دنیا عین دین ہے۔ ان حضرات کی زندگی آخرت کے لئے ہوتی ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد میں سستی کرنے والوں کو عذاب الیم دیا جاوے گا جو کفار کے لئے خاص۔ اگر یہ مومن ہیں تو انہیں کافروں والا عذاب کیوں۔

جواب: یہاں عذاب الیم سے مراد دنیا کی تکالیف ہیں۔ قحط سالی مغلوبیت دشمنوں کا غلبہ وغیرہ۔ واقعی جہاد چھوڑ دینے یا اس میں سستی کرنے سے یہ سزائیں ملتی ہیں جیسا کہ تجربہ ہے۔

پانچواں اعتراض: یہاں قوما غیر کم کیوں ارشاد ہوا۔ قوم آخر فرمانا بھی کافی تھا یعنی دوسری قوم۔ وہ لفظ بھی چھوٹا تھا۔

جواب: فرمان عالی کا مقصود یہ ہے کہ تمہاری جگہ خدمت اسلام کے لئے جو دوسری قوم لائی جائے گی وہ تمہاری اولاد یا تمہارے بھائی بند بلکہ تمہارے ہم وطن نہ ہوں گے بلکہ بالکل تمہارے غیر ہوں گے جیسے فارسی یمنی لوگ تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ آخر کار ہماری ہی قوم نے خدمت اسلام کی۔

تفسیر صوفیانہ: سفر دو قسم کے ہیں۔ سفر دنیا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ السفر قطعة من السقر یہ سفر دوزخ کا ٹکڑا ہے۔ سفر آخرت کے متعلق یہاں ارشاد ہوا الا تنفروا (الخ) یعنی نفر کہتے ہیں اگرچہ مسافر دنیا کے سفر میں تکلیف اٹھائے مگر جب گھر پہنچ سب کو بخیریت پائے تو سفر کے رنج وغم بھول جاتا ہے۔ یوں ہی مسافر آخرت جب اس سفر کے بعد ظفر دیکھتا ہے تو خوش ہو جاتا ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صبح یا شام اللہ کی راہ میں جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ سفر آخرت بہت طرح کے ہیں۔ طلب علم دین کے لئے، حج کے لئے، جہاد کے لئے، اللہ کے محبوب بندوں کی ملاقات کے لئے سفر۔ سب سفر آخرت ہیں۔ اس سفر سے جی چرانا گویا اثاقل الی الارض یعنی پستی کی طرف جھکنا۔ اس کے لئے زندگی حیات دنیا بلکہ اس کی قلیل متاع (تھوڑا سامان) ہے مسافر آخرت کے لئے زندگی حیات آخرت ہے جسے موت بھی فنا نہیں کر سکتی۔ بل احیاء ولکن لا تشعرون صوفیا فرماتے ہیں کہ جیسے جہاد سے جان چرانے میں تبدیلی ذوات کا خطرہ ہے یوں ہی مجاہدہ نفس سے جان چرانے سے تبدیلی صفات کا اندیشہ ہے کہ ایسا انسان انسانی صفات سے محروم ہو کر اپنے میں شیطانی صفات پیدا کرتا ہے اور اگر انسان مجاہدہ کرتا رہا ہے تو انشاء اللہ اس میں ملکی صفات پیدا ہو جاتے ہیں۔ شعر

خام را طاقت پروانہ پر سوختہ نیست　　ناز کارانہ رسد شیوہ جاں افشانی

راحت چھوڑ، مشقت اختیار کرنے سے انسان دینی و دنیاوی مرادیں پالیتا ہے۔ (روح البیان)

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ
اگر نہ مدد کرو گے تم ان کی پس بے شک مدد کی ان کی اللہ نے جب باہر کیا انہیں ان لوگوں نے
اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے
اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ
جنہوں نے کفر کیا دوسرے دو میں کے جب وہ دونوں تھے غار میں جب کہتے تھے
انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے جب اپنے
مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا

واسطے ساتھی کے اپنے نہ غم کرو تحقیق اللہ ساتھ ہے ہمارے پس اتارا اللہ نے سکون اپنا اس
یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اپنا سکینہ اتارا اور
وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ
پر اور مدد کی ان کی ان لشکروں سے کہ نہ دیکھا تم نے انہیں اور کردی بات
اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچی ڈالی اور
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾
ان کی جنہوں نے کفر کیا نیچی اور بات اللہ کی وہی بلند ہے اور اللہ ہے غالب حکمت والا
اللہ کا ہی بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی بے نیازی کا ذکر ہوا کہ وہ اپنے اسلام کو بہر حال پھیلائے گا۔ خواہ تم مدد کرو یا نہ کرو اب اس کا ثبوت واقعہ ہجرت سے دیا جا رہا ہے کہ مکہ والے قریباً سارے ہی اسلام کے خلاف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنا چاہا مگر ناکام رہے اور ان کا دین پھیلا۔ گویا مستقبل کے متعلق دعویٰ پہلے تھا اور ماضی سے اس کا ثبوت اب دیا جا رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اگر تم جہاد نہ کرو گے تو رب تعالیٰ بجائے تمہاری دوسری قوم سے اسلام کی خدمت لے لے گا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ انسانوں پر ہی موقوف نہیں ہم چاہیں تو جانوروں سے اپنے نبی کی حفاظت کا کام لے لیں اس لئے ہجرت کا واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے۔ جس میں مکڑی والے اور کبوتری کے انڈوں کے ذریعے اللہ نے اپنے حبیب کی حفاظت فرمائی۔ جانور بھی حضور کے خدام ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اگر تم نے جہاد سے جی چرایا تو ہم دوسری قوم کو تمہاری بجائے لے آئیں گے اب ارشاد ہے کہ قوم کی بھی کیا ضرورت صرف ایک شخص سے ہی بڑے بڑے کام لے سکتے ہیں۔ دیکھو ہجرت میں صرف یار غار حضرت ابوبکر صدیق سے اپنے حبیب کی وہ خدمت لے لی جو پوری قوم نہیں کر سکتی تھی (کبیر)

چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں جہاد کا ذکر ہوا اب ہجرت کا ذکر ہے جو جہاد کی تمہید ہے کہ بغیر ہجرت اکثر جہاد مشکل ہوتا ہے۔

شانِ نزول۔ ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم: یہ آیت کریمہ حضور انور کی ہجرت کے متعلق نازل ہوئی جس کا

واقعہ یہ ہے کہ جب کفار مکہ کے ظلم مسلمانوں پر حد سے بڑھ گئے تو حضور انور نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا اس حکم سے مسلمان مختلف مقامات پر ہجرت کر کے چلے گئے مکہ معظمہ میں صرف حضور انور، حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق اور صہیب رہ گئے یا عورتیں بچے بوڑھے اور ضعیف مسلمان جو ہجرت نہ کر سکے تھے۔ (روح البیان) بلکہ حضرت ابوبکر صدیق بھی حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چل دیئے تھے برک الغماد سے ایک سردار کفار ابن دغنہ آپ کو مکہ معظمہ واپس لایا (خازن) پھر حضور انور نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق مجھ کو بھی ہجرت کا حکم رب کی طرف سے ملنے والا ہے۔ تم میرے ساتھ ہجرت کرنا۔ حضرت ابوبکر صدیق خوش ہو گئے اور آٹھ سو درہم سے دو اونٹنیاں خرید کر ان کی پرورش کرنے لگے اس ہجرت کے لئے۔ ایک کا نام قصویٰ تھا جس پر حضور انور نے ہجرت میں سواری کی اور آخر تک نبی کریم کی سواری میں رہی اور خلافت صدیقی میں اس کی وفات ہوئی۔ حضور کی دوسری اونٹنی عضباء تھی۔ یہ خلافت فاروقی میں فوت ہوئی۔ قیامت کے دن حضرت فاطمہ اسی پر سوار ہو کر محشر میں پہنچیں گی۔ (روح البیان) اونٹنیوں کی یہ خریداری آخر ذی الحجہ میں ہوئی اس لئے اسلامی سنہ محرم سے شروع ہوتا ہے کہ حضرت صدیق نے ہجرت کی تیاری اسی مہینہ میں شروع کی تھی۔ اگرچہ ہجرت ربیع الاول میں ہوئی۔ جب دو حج کے موقعوں پر مدینہ منورہ کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کے نمائندہ نے حضور انور کے ہاتھ پر بیعت کی پہلے حج میں بارہ نے دوسرے میں ستر نے اس کا پتہ کفار کو چل گیا۔ انہیں خطرہ ہوا کہ اسلام مکہ سے باہر پھیل جائے گا تو انہوں نے دار الندوہ (مشورہ گھر یعنی اپنے ادارہ) میں جو قصی بن کلاب کے گھر میں تھا جمع ہو کر مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ اس مشورہ میں ابلیس بھی شیخ نجدی کی شکل میں آیا۔ بولا کہ میں نجدی ہوں تم ایک اچھے کام کے لئے جمع ہوئے ہو میں تم کو اچھا مشورہ دینے آیا ہوں۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں مگر ابوجہل بولا کہ میری رائے یہ ہے کہ مکہ کے دو قبیلوں میں دو دو آدمی ہتھیار بند ہو کر ان کا گھر گھیر لو۔ جب وہ اٹھیں تو سب یکبارگی ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دو۔ بنی ہاشم سب سے نہ لڑ سکیں گے آخر دیت یعنی خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ سارے قبیلہ والے وہ ادا کر دیں۔ ابلیس یعنی شیخ نجدی نے اسے پسند کیا اور اتفاق رائے سے یہ بات پاس ہو گئی۔ یہ مشورہ ماہ صفر میں ہفتہ (سنیچر) کے دن ہوا (روح البیان) یہ جگہ وہی تھی جہاں آج حرم شریف میں مصلی حنفی ہے چنانچہ پروگرام کے مطابق تمام قبیلوں سے دو دو آدمی ہتھیار بند ہو کر حضور انور کے دروازہ کو گھیر کر کھڑے ہو گئے ادھر حضرت جبریل نے حضور انور کو یہ سب کچھ بتا دیا۔ حضور انور نے حضرت علی کو اپنی چادر حضری سبز رنگ کی عطاء فرمائی جس کی لمبائی چار گز چوڑائی دو گز تھی۔ عطا فرما کر فرمایا کہ علی تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ کفار تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ محاصرہ کرنے والے ایک سو آدمی تھے۔ حضور انور نے ایک مٹھی مٹی لی اور سورہ یاسین کی آیت کریمہ **فاغشيناهم فهم لايبصرون** تک پڑھی اور ان کی طرف یہ مٹھی بھر خاک پھینکی جو سب کے سروں پر پڑی اور وہ سب حضور انور سے اندھے ہی ہو گئے اور حضور وہاں سے نکل کر سیدھے حضرت ابوبکر صدیق کے گھر پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لیا اور ثور پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ خیال رہے کہ یہ پہاڑ مکہ معظمہ میں موجودہ راستہ سے پانچ میل دور ہے۔ اس پہاڑ کو ثور اس لئے کہتے ہیں کہ ایک بار اس پر ایک شخص ثور ابن عبد مناۃ نے قیام کیا تھا اس کی طرف نسبت سے اسے جبل ثور کہتے

ہیں۔ اور اس غار کو غار ثور۔ اس پہاڑ کا اصلی نام اطحل ہے۔ (روح البیان) ادھر جب حضرت علی حضور کے بستر سے اٹھے تو گھر گھیرنے والے کفار آپ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دوسری حیرانی یہ ہوئی کہ ہر ایک کے سر پر خاک تھی۔ پوچھا اے علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں گئے۔ آپ نے فرمایا رب جانے ادھر راستہ کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت صدیق کبھی حضور علیہ السلام کے آگے چلتے کبھی پیچھے کبھی دائیں بائیں۔ حضور نے پوچھا اے ابوبکر یہ کیا۔ عرض کیا کہ میں ہوں اکیلا اور سمتیں ہیں چار۔ ہر سمت سے حضور پر دشمن کا خطرہ کہ شاید کوئی آگے گھات لگائے بیٹھا ہو تو میں آگے ہو جاتا ہوں اور کبھی خیال آتا ہے کہ شاید کوئی پیچھے سے آتا ہو تو پیچھے ہو جاتا ہوں۔ پھر دائیں بائیں سے یہی خدشہ دل میں آتا ہے تو دائیں بائیں ہو جاتا ہوں تا کہ جدھر سے بھی حضور پر حملہ ہو تو مجھ پر ہو۔ اللہ تعالیٰ مجھے حضور پر فدا کرے۔ آخر کار حضور انور کو اپنے کندھوں پر لے لیا اور خود پنجوں کے بل اس طرح چلے کہ ہر پنجہ زمین پر رکھ کر گھما دیتے تا کہ پنجہ کا نشان نہ رہ جائے اور کوئی کھوجیا کھوج نہ نکال سکے۔ نہ معلوم حضرت صدیق نے یہ خاردار دشوار راہ گذار کس طرح طے کر کے غار تک حضو کو پہنچایا۔ اے صدیق تیرے ان کندھوں پر تیرے ان پنجوں پر کروڑوں سلام ہوں جب غار کے کنارہ پر پہنچے تو عرض کیا یا رسول اللہ پہلے مجھے غار میں جانے دیں تا کہ میں صاف کروں پھر آپ کو بلاؤں تا کہ اگر کوئی موذی جانور وہاں ہو تو مجھے ہی کاٹے، آپ کو تکلیف نہ پہنچے۔ اندھیرے وحشت ناک غار میں اکیلے گھسے، اس میں بہت سوراخ تھے۔ فرش صاف کیا، چادر مبارک پھاڑ پھاڑ کر سوراخ بند کئے۔ عشق رسول نے جیب و گریبان کی دھجیاں اڑا دیں۔ شعر

عشق نے کیتا حال فقیراں کپڑے کر کر لیراں

بند جا کیتا غار نبی دا اوہ وسدا

ایک سوراخ باقی بچا اس میں اپنے پاؤں کا انگوٹھا لگا کر بیٹھ گئے۔ اب بیٹھک اس طرح ہوئی کہ ایک پاؤں غار کے فرش پر بچھا ہوا دوسرا غار کی طرف اٹھا ہوا۔ اس طرح حضور انور کو بلایا۔ آپ کا سر مبارک بچھے ہوئے زانو پر رکھا اور سلا دیا۔ ان تمام سوراخوں میں سانپ تھے۔ اس انگوٹھے والے سوراخ کے سانپ نے کئی بار آپ کے انگوٹھے کو ڈسا مگر آپ نے انگوٹھا نہ ہٹایا۔ مار غار پر یار غار غالب آیا۔ زہر نے اپنا اثر کرنا شروع کیا۔ تمام جسم میں سنسنی پھیلنے لگی۔ آنکھوں سے اشک رواں ہوئے۔ رخسارۂ مصطفیٰ پر گرے، مبارک آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا صدیق رو رہے ہیں۔ پوچھا کیا ہے۔ عرض کیا ایک سانپ کئی بار کاٹ چکا ہے۔ فرمایا کہاں۔ عرض کیا پاؤں کے انگوٹھے میں۔ فرمایا دکھاؤ۔ حضور انور نے اپنا لعاب دہن لگا دیا، زہر ختم ہو گیا مگر وفات کے وقت وہ ہی زہر لوٹا جس سے حضرت صدیق کی وفات یعنی شہادت ہوئی۔ (تفسیر خازن) یہ ہے فنافی الرسول کہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات خیبر والے زہر کے لوٹنے سے حضرت صدیق کی وفات غار والے زہر کے لوٹنے سے۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضرت محمد ابن ابوبکر کی اولاد میں ہیں ان کے پاؤں کے انگوٹھے پر سیاہ تل ہوتا ہے اور انہیں سانپ نہیں کاٹتا۔ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر کا یہ حال نہیں کیونکہ عبدالرحمٰن اس وقت پیدا ہو چکے تھے محمد بعد کو پیدا ہوئے۔ یہ اثر تا قیامت رہے گا اگر باپ صدیقی ہے تو دائیں پاؤں میں ماں صدیقی ہے تو بائیں پاؤں میں اگر دونوں صدیقی

ہیں تو دونوں پاؤں میں نشان ہوتا ہے۔ فقیر نے مشاہدہ بھی کیا ہے۔ ادھر کفار مکہ ہر چہار طرف تلاش کے لئے نکل پڑے۔ ادھر غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا، کبوتری نے انڈے دے دیئے۔ کفار مکہ کی ٹولیاں ہر طرف دوڑ پڑیں۔ ایک ٹولی جس میں امیہ ابن خلف بھی تھا، وہ اس پہاڑ پر پہنچی۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس غار کے منہ پر پہنچی۔ یہ سب لاٹھیوں تلواروں سے مسلح تھے۔ ان میں سے ایک بولا اس غار کے اندر بھی دیکھ لو۔ اس کا نام علقمہ ابن کرز تھا جو فتح مکہ کے دن ایمان لایا۔ امیہ ابن خلف بولا کہ یہ مکڑی کا جالا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ اگر اس میں وہ جاتے تو جالا ٹوٹ جاتا اور انڈے پھوٹ جاتے۔ جب علقمہ اور امیہ یہ باتیں کررہے تھے تب حضرت صدیق نے بے قرار ہو کر وہ عرض کیا اور حضور انور نے وہ جواب دیا جو یہاں اس آیت کریمہ میں مذکور ہے۔ حضور انور نے اس غار میں تین دن قیام کیا۔ اس عرصہ میں حضرت صدیق اکبر نے غلام مالک ابن فہیرہ اس پہاڑ کے دامن میں جناب صدیق کی بکریاں چراتے تھے۔ شام کو آپ عبداللہ ابن ابی بکر کے گھر سے کھانا پانی یہاں پہنچاتے تھے اور کفار مکہ کی حالات کی خبر روزانہ دیتے تھے۔ جب کفار مایوس ہو کر تھک گئے تب یہ دونوں حضرات اپنے ہمراہ ایک رہبر بنی عبد ابن عدی کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ (خازن، روح البیان)

معجزہ عجیبہ: غار ثور اور راستے میں بہت معجزات دیکھنے میں آئے۔ ان میں سے ایک عجیب معجزہ وہ ہے جو روح البیان نے اس جگہ بیان کیا۔ (۱) حضرت ابو بکر صدیق کو اس غار میں بہت سخت پیاس لگی۔ پانی موجود نہ تھا۔ حضور انور نے فرمایا جاؤ، غار کے گوشہ میں پانی پی لو۔ یہ گئے تو وہاں پانی کا چشمہ دیکھا جس کا رنگ دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھا برف کی طرح ٹھنڈا مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ آپ نے خوب جی بھر کر پیا۔ حضور نے فرمایا یہ کوثر کا چشمہ تھا جو اے ابو بکر تمہارے لئے اللہ نے یہاں بھیجا ذریعہ نہر۔ (۲) حضرت صدیق اکبر نے ان کفار کے چلے جانے کے بعد پوچھا یا رسول اللہ اگر یہ لوگ ہم کو اس وقت دیکھ لیتے تو ہم کہاں جاتے۔ حضور نے فرمایا وہاں جاتے یہ کہہ کر غار کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ صدیق کی آنکھوں نے دیکھا وہاں سمندر کا کنارہ ہے جس میں کشتی لگی ہوئی ہے۔ (روح البیان) راستہ میں سراقہ ابن مالک کا واقعہ اور اس کے متعلق معجزات حضرت ام معبد کی جھونپڑی میں خشک بکری کے تھنوں سے دودھ نکالنا وغیرہ مشہور ہی ہیں۔ ان کے بیان کرنے سے بہت طویل ہو جاوے گا۔ اتنا سمجھ لو کہ سراقہ ابن مالک نے اس موقعہ پر حضور کی خدمت میں راستے کے لئے کھانا پیش کیا جو منظور نہ فرمایا۔ ارشاد کیا کہ تم ادھر کسی کو نہ آنے دو تمہاری یہ خدمت کافی ہے اور اس سفر میں ایک شخص نے جو قریبی بستی کا تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کی خدمت میں جوڑے کپڑے پیش کئے جو قبول ہوئے اور اس کے لئے یہ قبولیت باعث صد افتخار ہوئی۔

حضرت عمر کا رشک: حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ کاش میری ساری عمر کی نیکیاں حضرت صدیق کی رات کی اور ایک دن کی نیکیوں کی طرح ہو جائیں رات تو غار ثور کی رات دن حضور کی وفات کا دن جب کہ آپ نے اسلام نے ڈوبتی کشتی کو بچا لیا۔ مسئلہ خلافت طے فرما کر مسلمانوں میں خانہ جنگی نہ ہونے دی۔ دیکھو تفسیر خازن۔

نوٹ ضروری: حضرت ابوبکر صدیق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالیہ پر چالیس ہزار دینار خرچ کئے (روح البیان) رب نے فرمایا و وجدک عائلا فاغنی۔ اللہ نے حضور کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور صدیق کے مال کے ذریعہ غنی فرما دیا۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ حرمین طیبین کے کبوتر اس کبوتری کی اولاد ہیں جس نے اس رات غار ثور کے منہ پر انڈے دیئے۔

تفسیر: الا تنصروہ اس فرمان عالی میں بھی الا حرف استثنیٰ نہیں بلکہ ان اور لا کا مرکب ہے۔ یعنی اگر نہیں۔ تنصروا میں خطاب یا تو ان صحابہ کرام سے ہے جن کو غزوۂ تبوک میں جانے کا حکم دیا گیا یا تا قیامت مسلمانوں سے خطاب ہے۔ ہ کی ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے کیونکہ حضور انور کی مدد قرآن کی اسلام کی بلکہ رحمان کی مدد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ آیت میں الا تنصروہ میں بھی وہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے تا قیامت حضور کی مدد یہ ہے کہ ان کے دین کے علماء کی مشائخ کی قرآن مجید کی حضور ﷺ کی سنتوں سے خدمت کی جاوے۔ فقد نصرہ اللہ یہ عبارت الا تنصروہ (الخ) کی جزاء نہیں بلکہ پوشیدہ جزاء کی وجہ ہے۔ لہٰذا اس میں ف علت کی ہے یعنی اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو گے تو اللہ ان کی مدد کرے گا کیونکہ اس نے محبوب کی ایسے نازک موقع پر مدد کی کہ اذ اخرجہ الذین کفروا یہ عبارت نصرہ اللہ کا ظرف ہے۔ نکالنے سے مراد حضور انور کو اس وقت پریشان کرنا ہے جس سے آپ مکہ معظمہ چھوڑنے وہاں سے ہجرت کر جانے پر مجبور ہو گئے۔ ورنہ حضور کو مکہ معظمہ سے ہجرت کرانے والا رب تعالیٰ تھا۔ حضور وہاں سے روانہ بھی رب کے حکم سے ہوئے تھے اور حضرت صدیق کو ساتھ بھی رب کے حکم سے لیا۔ الذین کفروا سے مراد وہی ابو جہل وغیرہ کفار عرب ہیں جنہوں نے مسلمانوں پر ظلم توڑے حضور کو پریشان کیا۔ ثانی اثنین یہ فرمان عالی اخرجہ کی ضمیر سے حال ہے ثانی کے معنی ہیں دوسرا یعنی دو میں سے ایک نہ کہ دوسرے درجہ والا۔ اور اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اثنین سے مراد حضور انور اور صدیق اکبر ہیں۔ یعنی حضور اس حال میں وہاں سے روانہ ہوئے جب آپ صرف دو ہی تھے۔ ایک جناب صدیق دوسرے حضور انور۔ جب اس صورت میں رب نے ان کی مدد کی تو اب تو ان کے خدام بہت ہیں۔ کیا رب ان کی مدد نہ کرے گا۔

نکتہ: جب عدد کے اسم فاعل کی نسبت اپنے برابر والے عدد کی طرف ہو تو وہاں درجہ مراد نہیں ہوتا بلکہ ان میں کا ایک جیسے ثالث ثلٰثہ رابع اربعہ یا ثانی اثنین اور اگر اپنے سے اونچے والے عدد کی طرف نسبت ہو تو مراد درجہ ہوتا ہے جیسے رابع خمسہ یعنی پانچ میں سے چوتھے درجہ والا۔ یہاں پہلی صورت ہے جب حضور انور ان دو میں کے دوسرے ہوئے تو حضرت صدیق بھی دوسرے ہوئے۔ لطف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں تیسرا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور نے فرمایا یا ابابکر ما ظنک اثنین اللہ ثالثھما اس جماعت پر ہماری جانیں فدا جس میں ایک صدیق ہوں ایک رسول اللہ اور ایک خود اللہ تعالیٰ۔

شعر

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

روش کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ نے حضرت صدیق اکبر کو نکالا۔ نکالنے کے وہ ہی معنی کہ پریشان کیا حتیٰ کہ یہ

دونوں وہاں سے روانگی پر مجبور ہوئے۔ **اذ هما فی الغار** یہ فرمانِ عالی اذ اخرجہ کا بدل بعض ہے (روح البیان) **هما** کا مرجع حضور انور اور حضرت صدیق اکبر ہیں۔ الغار سے مراد غارِ ثور ہے جو اب تک زیارت گاہِ خلق ہے۔ فقیر نے بھی اس کی زیارت کی ہے اسی سے ہے یارِ غار دلی دوست گہرے یار کو یارِ غار کہتے ہیں۔ **اذا یقول لصاحبہ لا تحزن** یہ فرمانِ عالی اذ اخرجہ کا دوسرا بدل ہے۔ یقول کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صاحب سے مراد ابوبکر صدیق ہیں جو حضور کے ہمیشہ کے ساتھی سفر حضر باہر گر غارِ ثور حتیٰ کہ قبر و حشر کے ساتھی ہیں۔ حضور کا یہ فرمانِ عالی حضرت صدیق اکبر کے اس عرض کے جواب میں ہے کہ اگر کفار اس وقت اپنے قدم دیکھیں تو ہم کو دیکھ لیں۔ خیال رہے کہ حضرت صدیق اکبر کو اس وقت اپنا خوف تھا نہ اپنا غم۔ خوف تھا تو حضور کے متعلق غم تھا حضور کا کہ کفار آپ کو ایذا نہ پہنچائیں۔ اپنی جان پہلے ہی فدا کر چکے تھے کہ پاؤں میں سانپ سے کٹوا چکے یعنی ابوبکر تم میرا غم نہ کرو کیونکہ **ان اللہ معنا** یا **لا تحزن** اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر ہم کو کیا پرواہ ہے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی ہمراہی چند طرح کی ہے۔ (۱) قہر و غضب کی **وھو معھم یبیتون مالا یرضی من القول** جب کفار رات میں خفیہ سازشیں کرتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ ہوتے ہیں یعنی ہمارا قہر و غضب۔ (۲) رحم و کرم کی **ان اللہ مع الصابرین** یعنی اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ (۳) خاص مدد و نصرت اور قرب خصوصی یہاں یہ آخری معیت و ہمراہی مراد ہے معنا فرما کر یہ بتایا کہ اے ابوبکر اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بھی ہے اور تمہارے ساتھ بھی۔ کیونکہ رب تعالیٰ میرے ساتھ بھی رہتا ہے اور میرے ساتھی کے ساتھ بھی اور جس نوعیت کی ہمراہی میرے ساتھ ہے میرے صدقہ سے اسی قسم کی ہمراہی تمہارے ساتھ جیسا قرب مجھے حاصل میری طفیل ویسا ہی قرب تم کو حاصل ہے۔ جہاں بادشاہ پہنچتا ہے وہاں ہی اس کے تن کے کپڑے پہنچتے ہیں۔ یہ تفسیر یاد رہے۔ اب غور کرو کہ جناب کلیم اللہ نے بنی اسرائیل کی گھبراہٹ کے وقت فرمایا تھا ان **معی ربی سیھدین** اور حضور نے فرمایا **ان اللہ معنا** ان کلاموں میں وہی فرق ہے جو ان متکلموں میں فرق ہے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا **لاتحزن علیھم** یا فرمایا **لایحزنک قولھم ان العزۃ للہ جمیعا** اور محبوب نے صدیق سے فرمایا۔ **لاتحزن** دونوں جگہ ایک ہی خطاب ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے محبوب اکبر ہیں اور حضرت صدیق حضور کے محبوب اکبر۔ جو نسبت حضور کو رب سے قرب کی ہے وہ ہی نسبت صدیق کو حضور سے ہے قرب کی۔ (روح المعانی) **فانزل اللہ سکینتہ علیہ** اس فرمانِ عالی میں ف یا تو جزائیہ ہے اور یہ فرمان پوشیدہ شرط کی جزا یا ف علت کی یہ فرمان گذشتہ علت پر مبنی ہے سکینہ کی تفسیر بہت دفعہ ہو چکی کہ یا فرشتوں کی ایک خاص جماعت کا نام جن کے نزول سے دلوں کو تسکین ہوتی ہے یا غیبی تسلی و سکون ہے۔ علیہ کا مرجع حضرت ابوبکر صدیق ہیں کیوں بے چینی انہیں کو تھی حضور کا قلب پاک تو پہلے ہی سے مطمئن تھا (روح البیان و معانی و کبیر وغیرہ) یعنی جب ہمارے محبوب نے صدیق سے یہ کہا تو اللہ نے صدیق کے دل پر سکون و چین اتار دیا محبوب کے اس فرمان کی وجہ سے رب تعالیٰ نے صدیق پر چین و سکون اتارا۔ حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے کہ علیہ سے مراد صدیق اکبر ہیں۔ (خازن) **وایدہ بجنود لم تروھا** یہ فرمانِ عالی معطوف ہے **فقد نصرہ اللہ** پر اور اس میں بدر و حنین کے واقعات کی طرف اشارہ ہے **انزل اللہ سکینتہ** پر

معطوف نہیں (روح المعانی)۔ جنود سے مراد فرشتوں کے وہ لشکر ہیں جو بدر و حنین میں حضور کی خدمت مسلمانوں کی نصرت کے لئے اترے جنہیں عام طور پر صحابہ نے دیکھا خاص خاص نے انسانی شکل میں دیکھا یعنی اللہ نے بدر و حنین میں بھی اپنے حبیب کی مدد کے لئے فرشتے لشکر کے لشکر اتارے جنہیں تم اے صحابہ دیکھ نہ سکے۔ **و جعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ** یہ عبارت گذشتہ سارے مضمون پر معطوف ہے۔ **الذین کفروا** سے مراد یا تو سارے کفار عرب ہیں یا سارے کفار مکہ۔ کلمہ سے مراد ان کے دلوں کے ارادے ان ارادوں کا زبان سے اظہار کہ ہم اسلام کو مٹا دیں گے ان کے دار الندوہ میں مشورے پھر ان کے یہ اعلان کہ جو کوئی ان دونوں حضرات کو قتل کرے یا گرفتار کر کے لائے اسے سو سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ سفلیٰ سے مراد ہے ناکام یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کے ارادے ان کی باتیں ان کے اعلانات کو نیچا کر دیا۔ **و کلمۃ اللہ ھی العلیا** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ واؤ ابتدائیہ کلمۃ اللہ سے مراد یا کلمہ توحید ہے یا دین اسلام یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات۔ فقیر کے نزدیک آخری تفسیر قوی ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لیظھرہ علی الدین کلہ** حضور انور کلمۃ اللہ بھی ہیں اور کلمات اللہ بھی حضور انشاء اللہ اونچے ہیں اور اونچے رہیں گے۔ اور حضور کی سر بلندی سے قرآن مجید اسلام کی سر بلندی ہے اللہ انہیں ہمیشہ اونچا رکھے۔ **و اللہ عزیز حکیم** ۔ یہ فرمان عالی گذشتہ سارے مضمون کی وجہ ہے یعنی یہ سب کچھ کیوں نہ ہو اللہ غالب بھی ہے حکمت والا بھی۔ وہ جسے غالب کرے اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا اور جسے وہ غالب کرے اس میں اس کی حکمت ہوتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اگر تم میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ان کی مدد نہ کرو گے تو ان کا نقصان کچھ نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی غیب سے مدد فرمائے گا کیونکہ وہ تو ان کی مدد ایسے نازک وقت میں کر چکا جبکہ کفار مکہ نے انہیں ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور آپ اس حال میں مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے کہ صرف دو تھے۔ ایک ابوبکر صدیق اور ایک یہ محبوب جب وہ اس حالت میں غار ثور میں تھے صدیق نے غار کے دروازے پر کفار مکہ کا ہجوم دیکھ کر حضور کی جان پاک پر خطرہ محسوس فرما کر عرض کیا یا رسول اللہ اگر یہ لوگ اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم کو دیکھ لیں وہ اپنے رفیق غار سے فرمانے لگے غم نہ کر ہمارے دونوں کے ساتھ اللہ ہے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہو اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ محبوب کے یہ فرماتے ہی رب نے صدیق پر غیبی سکون قلبی اتارا۔ جس سے ان کی بے چینی و بے قراری جاتی رہی۔ اس کے علاوہ رب نے جنگ بدر و حنین وغیرہ میں اپنے حبیب کی ایسے غیبی لشکروں (فرشتوں) سے مدد فرمائی جن کو تم نہ دیکھ سکے۔ اللہ نے کفار کے ارادے ان کی باتیں ان کی کوششیں نیچی کر دیں اللہ کا کلمہ محمد رسول اللہ اور ان کا دین دائمی اونچا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ اللہ ان کا حامی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے جس کی مدد وہ کرے اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔

فضائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ: ساری امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق بعد انبیاء ساری خلقت سے افضل ہیں کچھ مٹھی بھر لوگوں کا اسے نہ ماننا اجماع امت کے خلاف نہیں۔ جیسے آج بعض کلمہ گو حضور کو نبی نہیں مانتے اس سے یہ لازم نہیں کہ حضور کے خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہونے پر امت کا اجماع نہیں۔ ہم برکت

حاصل کرنے کے لئے ان جناب کے کچھ فضائل بیان کرتے ہیں۔ آپ کے افضل الخلق ہونے پر بہت آیات ہیں۔ احادیث تو بے شمار ہیں۔ آیات ملاحظہ ہوں (۱) ولا یاتل اولو الفضل منکم والسعۃ اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے آپ کو فضل یعنی بزرگی والا فرمایا اور منکم میں سارے صحابہ اہل بیت سے خطاب ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ سارے صحابہ و اہل بیت سے افضل ہیں۔ (۲) وسیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکی رب نے آپ کو اتقی فرمایا یعنی بعد انبیاء ساری خلقت سے بڑے متقی۔ (۳) ولسوف یرضی اس آیت کریمہ میں رب نے وعدہ فرمایا کہ وہ حضرت صدیق کو اتنا دے گا کہ وہ راضی ہو جائیں گے۔ یہ ہی ارشاد عالی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔ ولسوف یعطیک ربک فترضی (۴) ستدعون الی قوم اولی باس شدید اس آیت کریمہ میں رب العالمین نے اس جہاد یمامہ کے متعلق خبر دی جو حضرت صدیق کے خلاف مسیلمہ کذاب سے ہوا۔ (۵) یہ ہی آیت کریمہ ثانی اثنین اذھما فی الغار اس آیت کریمہ میں حضرت صدیق کے کئی فضائل ارشاد ہوئے وہ رسول اللہ کے ثانی ہیں کیونکہ جب حضور انور کو ثانی فرمایا تو یقیناً وہ بھی ثانی ہوئے۔ وہ حضور انور کے سچے صحابی ہیں یعنی ان کی صحابیت قطعی اور قرآنی آیت سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ جیسے کرم سے حضور انور کے ساتھ رہے حضور کے صدقہ حضرت صدیق کے بھی ساتھ رہے۔ ان اللہ معنا اس کے علاوہ دوسرے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس ہجرت میں حضور کی ہمراہی کے لئے آپ کو منتخب فرمایا۔ اس ہجرت کے سارے معاملات رب کی طرف سے ہی تھے۔ جس ذات کو رب تعالیٰ اپنے محبوب کی اس خاص ہمراہی کے لئے منتخب کرے وہ کس شان کا مالک ہوگا۔ (۲) آپ حضور انور سے کسی جہاد کسی سفر حضر میں جدا نہ ہوئے ہر جگہ ہر وقت سایہ کی طرح ساتھ رہے حتیٰ کہ قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ یہاں روح البیان نے فرمایا کہ حضرت صدیق عالم ارواح میں حضور کے ثانی رہے کہ پہلے حضور کا نور پیدا ہوا پھر آپ کی روح۔ غار میں ثانی خلافت میں ثانی قبر میں ثانی، قیامت میں قبر سے اٹھنے میں ثانی اور بعد انبیاء جنت کے دخول میں اول۔ (۳) حضرت اول مومنین ہیں کہ حضور انور پر سب سے پہلے آپ ایمان لائے (خازن) (۴) آپ کی تبلیغ سے حضرت عثمان، طلحہ، زبیر آپ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ آپ ہی ان کو حضور انور کی خدمت میں لے گئے۔ (خازن) (۵) مرض وفات شریف میں حضور انور ﷺ نے آپ کو ہی اپنے مصلے پر امامت کے لئے کھڑا کیا اور امام سب سے افضل ہونا چاہئے۔ (۶) رب کی طرف سے آپ پر سکینہ نازل ہوا۔ یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ (۷) آپ چار پشت کے صحابی ہیں۔ یہ شرف صرف آپ کو حاصل ہے۔ ماں باپ صحابی، خود صحابی، ساری اولاد صحابی، پوتے نواسے صحابی، جیسے یوسف علیہ السلام چار پشت کے نبی ہیں۔ آپ نے ہی مسجد نبوی شریف کی زمین خرید کر وقف کی جس میں محراب النبی، منبر، ریاض الجنۃ، روضہ رسول ہے (حاشیہ ابن ماجہ) پچاس دینار میں خریدی اور وقف کی۔ (۸) آپ نے سارا مال حضور انور پر اور اسلام پر خرچ کر دیا۔ جب اسلام لائے تو چالیس ہزار دینار یعنی ایک لاکھ روپیہ کے مالک تھے۔ جب ہجرت میں حضور ﷺ کے ساتھ گئے تو چند پیسے اپنے ہمراہ تھے، وہ بھی راستہ میں حضور پر خرچ کرنے کے لئے۔ غار ثور میں جسم کے کپڑے بھی نہ رکھے۔ وہ بھی پھاڑ

پھاڑ کر وہاں کے سوراخ بند کئے۔ غزوہ تبوک میں گھر میں جھاڑو دے دی سب کچھ حضور ﷺ پر فدا کر دیا۔ (۹) آپ نے ہی اپنی جان حضور ﷺ پر فدا کر دی۔ غار ثور میں کہ پاؤں سانپ سے کٹوالیا۔ (۱۰) آپ نے ہی حضرت بلال اور عامر ابن فہیرہ جیسے شاندار حضرات کو خرید کر آزاد کیا۔ یوں سمجھو کہ ہم سب مسلمانوں کے حضرت بلال آقا اور آپ حضرت بلال کے آقا۔ عامر ابن فہیرہ وہ ہیں کہ جب آپ شہید ہوئے تو آپ کی لاش آسمان پر اٹھالی گئی۔ (بخاری جلد دوم ص ۵۸۷)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: فعل کی نسبت اس کے سبب کی طرف کرنا جائز ہے۔ یہ فائدہ **اخرجه الذین کفروا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضور انور ﷺ کو کفار مکہ نے مکہ معظمہ سے تو نہ نکالا اور نہ نکالنا چاہا وہ تو حضور کو شہید کرنا چاہتے تھے مگر رب نے فرمایا کہ انہیں کفار نے نکالا کیونکہ وہ اس خروج کا سبب تھے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی ساری نعمتیں حضور دیتے ہیں کیونکہ حضور انور سب کا سبب ہیں۔

دوسرا فائدہ: حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ کے ثانی ہیں اور اسلام کے پہلے خلیفہ اور ساری امت رسول میں سب سے افضل ہیں۔ یہ فائدہ ثانی اثنین سے حاصل ہوا کیونکہ ایک اور دو کے درمیان کوئی عدد نہیں ہوتا تو حضور اور صدیق کے درمیان کوئی خلیفہ کیسے ہو سکتا ہے۔

تیسرا فائدہ: سارے صحابہ حضور انور کے عام صحابی ہیں مگر حضرت ابوبکر صدیق حضور کے خاص صحابی اور غار کے یار ہیں۔ یہ فائدہ **اذ هما فی الغار** سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: حضرت ابوبکر صدیق کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بدرجہ سے محفوظ ہیں ایسے ہی حضرت صدیق بھی۔ یہ فائدہ ان اللہ معنا سے حاصل ہوا کیونکہ جس نوعیت سے رب تعالیٰ حضور کے ساتھ ہے اسی نوعیت سے حضرت صدیق کے ساتھ اس لئے حضرت کلیم اللہ نے فرمایا تھا کہ ان معی ربی یہ نہ کہا ان معنا ربی کیونکہ ان کے ساتھی اسرائیلوں میں کچھ سرکش بھی تھے جس کے ساتھ رب ہو وہاں بہکنا نہیں آ سکتا۔

چھٹا فائدہ: اگر رب کرم کرے محبوب اکرم کو مکڑی کے جالہ اور کبوتری کے انڈوں کے ذریعہ خطرناک دشمنوں سے بچالے اور اگر اس کا قہر ہو تو فرعون کو اس کے محل کی مضبوط دیواریں غرق ہونے سے نہ بچا سکیں۔

ساتواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سے اونچے ہیں اور اونچے رہیں گے۔ جو انہیں نیچا کرنا چاہے وہ خود نیچا ہوگا۔ یہ فائدہ **کلمته الله هی العلیا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ کلمۃ اللہ سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔

پہلا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو ہجرت میں اپنے ساتھ اس لئے لیا کہ آپ کو خطرہ تھا کہ اگر یہ مکہ معظمہ میں رہ گئے تو کفار کو ہجرت کی خبر کر دیں گے اور مجھے شہید کرانے کی کوشش کریں گے ان کے شر سے بچنے کے لئے اپنے ہمراہ لے لیا نعوذ باللہ (روافض)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ خوارج ملاعنہ کہتے ہیں کہ

حضور انور نے اس رات حضرت علی کو اپنے بستر پر اس لئے لٹایا کہ وہ کفار کے ہاتھوں قتل ہو جاویں اور حضور کو ان کے شر سے امن ملے (روح المعانی) یا خوارج کہتے ہیں کہ حضرت علی نے فاطمہ زہرا کو رات میں خفیہ طور پر اس لئے دفن کر دیا کہ انہوں نے حضرت فاطمہ کے رونے سے تنگ آ کر انہیں زہر دے کر مار دیا اور یہ قتل حکومت سے چھپانے کے لئے رات میں بغیر کسی کو اطلاع دیئے دفن کر دیا۔ (نعوذ باللہ) فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔ شعر

چشم بداندیش کہ برکندہ باد　　عیب نماید ہنرش در نظر

خدا کرے دشمن کی آنکھ پھوٹ جاوے کہ اس کی نظر میں ہنر بھی عیب ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ایسے خطرناک حالت زار پر دشمن کو خبر بھی نہیں کرتے۔ چہ جائیکہ اسے ساتھ لیا جائے۔ ایسے نازک موقعہ پر انتہائی مخلص کو ساتھ لیا جاتا ہے اگر حضرت صدیق حضور کے دشمن تھے تو آپ غار ثور کے اندر سے باہر کھڑے کفار کو پکار کر بتا دیتے کہ حضور یہ ہیں یا اپنے گھر والوں سے کہہ جاتے کہ تم کفار کو یہ خبر دے دینا۔ (نعوذ باللہ)

دوسرا اعتراض: اصاحبہ فرمانے سے حضرت صدیق کی نہ تو صحابیت ثابت ہوتی ہے نہ اس میں کوئی عظمت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے یا صاحبی السجن اے میرے قید کے دو ساتھیو۔ دیکھو کافر قیدیوں کو حضرت یوسف نے صاحبی یعنی اپنا ساتھی فرمایا کیا وہ صحابی ہو گئے۔ ایک جگہ ارشاد ہے اذ یقول بصاحبہ و ھو یحاورہ انا اکثر مالا و ولدا دیکھو وہاں کافر کو مومن کا ساتھی کہا گیا۔ ارشاد ہے مایکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم دیکھو رب تعالیٰ نے اپنے کو ان تین کافروں کا چوتھا اور پانچ کافروں کا چھٹا فرمایا۔ اس سے وہ کفار مومن یا ولی نہ بنے (روافض)

جواب: اس اعتراض کے بہت جواب تفسیر کبیر اور روح المعانی و خازن وغیرہ نے دیئے ہیں۔ فقیر کے نزدیک آسان اور قوی جواب وہ ہے جو ابھی تفسیر میں گزرے کہ رب تعالیٰ کی ہمراہی قہر و غضب کی بھی ہوتی ہے علم و قدرت کی بھی اور رحم و کرم کی بھی اور مدد و نصرت و مقرب خاص کی بھی۔ یہاں آخری ہمراہی مراد ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور انور نے اس معیت میں اپنے ساتھ صدیق کا ذکر فرمایا۔ ان اللہ معنا یعنی جس نوعیت سے رب تعالیٰ میرے ساتھ ہے اسی نوعیت سے صدیق کے

رب تعالیٰ اپنے حبیب کے ساتھ کس نوعیت

طرح کا ساتھی فرمایا۔ روش کلام دیکھنے کی ضرورت ہے۔

ابوبکر کو اس وقت غار میں اپنی جان کا بڑا خطرہ تھا اور حضور سے کہتے تھے کہ اب کیا کروں۔ حضور

تو حضور پر پہلے ہی نچھاور کر چکے تھے کہ سانپ سے پاؤں میں کٹوا چکے تھے۔ اگر اپنی جان کا

ے غار میں اکیلے داخل نہ ہو جاتے خطرہ حضور کی جان کا تھا۔ یہ خطرہ بھی اعلیٰ درجے کی عبادت

ساتھ بھی ہے۔
حضور کا ساتھی جیسی
تیسرا اعتراض:
کی فکر نہ تھی۔
جواب: غلط ہے
خطرہ ہوتا تو ایک
ہے

چوتھا اعتراض: اگر یہ خطرہ برا تھا تو صدیق اکبر کو ہوا کیوں اور اگر اچھا تھا تو حضور انور نے اس سے منع کیوں فرمایا۔ فرمایا لاتحزن کیا اچھی چیز سے بھی روکا جاتا ہے۔ (روافض)

جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں سے خوف ہوا۔ **فاوجس فی نفسه خیفته موسی** رب نے فرمایا **قلنا لا تخف انک انت الاعلی** کہ ڈرو مت غالب تم ہی رہو گے۔ حضرت موسیٰ و ہارون کو فرعون سے خوف ہوا عرض کیا **اننا نخاف ان یفرط علینا اماں یطغی** ہم کو ڈر لگتا ہے کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا۔ رب نے فرمایا **لا تخافا اننی معکما** تم دونوں ڈرو مت ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کے ہدایت پر نہ آنے سے غم ہوتا تھا تو رب نے **لایحزنک قولهم** بتاؤ یہ خوف و رنج اچھا تھا یا برا، اگر برا تھا تو حضرت کلیم و حبیب کو ہوا کیوں۔ اگر اچھا تو رب تعالیٰ نے اس سے منع کیوں فرمایا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہ ممانعت شرعی نہیں بلکہ تسکین و تسلی کی ہے وہ خطرہ بھی اچھا اور یہ تسلی و تسکین بھی اچھی۔

پانچواں اعتراض: اللہ تعالیٰ نے سکینہ حضور انور پر اتارا تھا نہ کہ صدیق اکبر پر۔ سکینہ میں ہ کی ضمیر حضور کی طرف ہے۔

جواب: بے قراری اور بے چینی حضرت صدیق کو ہی تھی نہ کہ حضور انور کو۔ جسے بے چینی تھی اس پر سکون اتارنا چاہئے۔ مولانا عطار فرماتے ہیں۔ شعر

خواجہ اول کہ اول یار اوست — ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اوست
چوں سکینہ شد زحق منزل بود — گشت مشکل ہاء عالم حل مراد

لطیفہ: اس جگہ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ عجمی روافض اپنے لبادہ میں سر کی جانب سنہری روپہلی دھاریاں لگاتے ہیں۔ اس عقیدے سے کہ یہ اس سانپ کی شکل ہے۔ جس نے حضرت صدیق کو غار میں ڈسا تھا۔ فقیر نے بھی اونجا، سدہ پور اور علاقہ گجرات و کاٹھیاواڑ کے روافض بھوروں کو دیکھا کہ وہ گول ٹوپی پہنتے ہیں۔ جس میں پیلی اور کالی دھاریاں ہوتی ہیں۔ شاید اس سانپ کی صورت بنا کر پہنتے ہوں۔ واللہ اعلم۔ محمد بن ابوبکر کی تعظیم کرتے ہیں کہ ان کے متعلق لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا۔ ابن لولو یہود جو حضرت عمر کا قاتل ہے اس کا احترام کرتے ہیں۔ یہ ہے تو ہم پرستی۔ رب تعالیٰ بغض صحابہ سے بچائے۔

تفسیر صوفیانہ: صاحب یعنی ساتھی بہت قسم کے ہیں۔ کاروبار کا ساتھی، سفر کا ساتھی، حضر کا ساتھی پھر جسم کا ساتھی، دل کا ساتھی، خیال کا ساتھی، جان کا ساتھی، ایمان کا ساتھی، پھر مقبولوں کا ساتھی، اللہ کے محبوب کا ساتھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کو اپنے محبوب کی بہت قسم کی ہمراہیاں عطا فرمائیں۔ آپ حضور کے جان و ایمان ابدان کے ہمیشہ سے ہمیشہ تک ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چار صحابیوں کو چار صفات کا مظہر اتم بلکہ سرچشمہ بنایا۔ رفاقت، عدالت، سخاوت، عبادت۔ رفاقت صدیق کو، عدالت فاروق کو، سخاوت عثمان ذی النورین کو اور عبادت علی حیدر کرار کو علی وجہ الاتم عطا فرمائیں۔ حضور انور کی رفاقت کی برکت سے حضرت صدیق کو اللہ کی معیت اور نزول سکینہ بلندی سب کچھ ہی میسر ہو گیا۔ جو حضور انور کا ہو گیا سب کچھ اس کا ہو

گیا۔ جو ان سے دور ہوا سب سے الگ ہو گیا۔ حضور کلمۃ اللہ ہیں کہ ان کی ہر بات رب کی بات ہے۔ ان کی ہر ادا رب تعالیٰ کی ادا ہے حضور ہی ہمیشہ اونچے ہیں اور ہوں گے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق غار میں حضور کے ساتھ خلوت میں ایسے رہے جیسے حضور انور معراج میں اپنے رب کے ساتھ قاب قوسین پر۔ یہ غار حضرت صدیق کی معراج تھی رب نے حبیب سے خلوت کرنی تھی تو تمام فرشتوں کو ہٹا دیا۔ حضور انور نے صدیق سے خلوت کرنی تھی تو سب کو ہٹا دیا۔ یا ان اللہ معنا میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہم تم اور اللہ تعالیٰ ازل میں بھی ساتھ رہے اور ابد میں بھی ساتھ ہوں گے۔ اس ہمراہی کا اثر یہ ہوا کہ صدیق زندگی و موت میں کبھی حضور سے جدا نہ ہوئے۔ یہ غار اس وقت عرش سے افضل تھا۔ یہ جگہ معراج صدیق کی تھی۔ شعر

یا طالب اللہ فی العرش الرفیع بہ　　　　لا تطلب العرش ان الجد الغار

یعنی اے اللہ کو عرش پر ڈھونڈنے والے وہ تو اس غار میں ملتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا ان معی ربی حضور نے کہا ان اللہ معنا ان دونوں کلاموں میں زمین آسمان کا فرق۔ حضرت موسیٰ کے ساتھ اللہ کی ربوبیت تھی ان دونوں کے ساتھ اللہ کی ذات جامع صفات۔ وہاں صرف موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہاں دونوں کے ساتھ۔ رب تعالیٰ نے حضور پر سکینہ اتارا صدیق کے لئے اگر بلا واسطہ صدیق پر اترتا تو نہ صدیق رہتے نہ ان کا قلب نہ گھبراہٹ۔ سکینہ حضور پر اترا اس کی شعاع صدیق پر جس سے صدیق بھی قائم رہے۔ ان کا دل بھی ٹھہر ان کا خوف و غم ختم ہو گیا۔ (روح المعانی)

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ
نکلو تم لوگ ہلکے اور بھاری اور جہاد کرو تم ساتھ مالوں کے اپنے اور جانوں کے اپنے
کوچ کرو ہلکی جان سے بھاری دل سے اور اللہ کی راہ میں لڑو
سَبِیْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
راستے میں اللہ کے یہ بہتر ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم جانتے
اپنے مال اور جان سے یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر جانو

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ رسول تم سے تمہاری مدد سے بے نیاز ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ تم سب ان کے حاجت مند ہو لہٰذا اٹھو جہاد کے لئے کمر باندھو۔ گویا اللہ رسول کی بے نیازی کے بعد ہم سب کی نیازمندی کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ اگر چاہے تو مکڑی اور کبوتری کے ذریعہ اپنے رسول اور ان کے دین کی حفاظت فرمائے۔ اب ارشاد ہے کہ اس کی نظر انتخاب تم پر پڑی کہ تم اٹھو اور دین کی حفاظت کے لئے جہاد کے لئے نکلو گویا دو کمزور چیزوں کی خدمت کے بعد کمزور انسانوں کی خدمت کا حکم دیا جا رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ کلمۃ اللہ یعنی محمد رسول اللہ بلند و بالا ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ اگر تم بھی بلندی اور سرفرازی چاہتے ہو تو بلند و بالا محبوب کی خدمت کے لئے جہاد کرو اونچے ہو جاؤ گے۔

تفسیر: انفروا خفافا و ثقالا اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں نہایت آسان اور قوی تفسیر یہ ہے کہ انفروا میں خطاب انہیں حضرات صحابہ سے ہے جن کو غزوہ تبوک جانا حالات کے لحاظ سے کچھ بھاری معلوم ہوا تھا کہ موسم گرم تھا کھجوریں توڑنے کا زمانہ تھا۔ سفر دراز تھا اور انفروا سے مراد ہے غزوۂ تبوک کی طرف روانہ ہونا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان اور فرمان پر کہ جس کو حکم روانگی ہو وہی بے تامل روانہ ہو جائے۔ خفافا و ثقالا میں واؤ اپنے معنی میں ہے بمعنی او نہیں ہے۔ خفافا سے مراد جان سے ہلکے پھلکے ہو کر جس سے یہ سفر نہایت آسانی طے ہو ثقال سے مراد ہے دل سے بھاری و مضبوط و بہادر ہو کر۔ خفاف جمع ہے خفیف کی اور ثقال جمع ہے ثقیل کی جیسے کریم جمع ہے کرام مطلب یہ ہے کہ اے جماعت صحابہ ہمارے حبیب کے فرمان ان کے حکم اور اعلان پر غزوۂ تبوک کی طرف روانہ ہو جاؤ اس طرح کہ تم پر سفر ہلکا ہو اور تم کفار پر بھاری ہو۔ اس تفسیر سے یہ فرمان عالی نہ تو کسی آیت سے منسوخ ہے بلکہ محکم ہے اور اس پر یہ اعتراض کہ حضور انور نے حضرت علی اور بعض دوسرے حضرات کو تبوک کے موقع پر مدینہ منورہ میں کیوں چھوڑا۔ جب سب پر وہاں جانا فرض تھا۔ بعض مفسرین نے خفافا و ثقالا کے معنی کئے کہ جوان ہو یا بوڑھے غریب ہو یا امیر سوار ہو یا پیدل بیمار ہو یا تندرست۔ تمہارا دل چاہے یا نہ چاہے فارغ ہو یا کاروبار میں مصروف اکیلے ہو یا گھر بار والے وغیرہ بہر حال جہاد کے لئے روانہ ہو جاؤ اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ فرمان عالی ان آیات سے منسوخ ہے لیس علی الاعمی حرج و لا علی المریض حرج اور اس سے کہ لیس علی الضعفاء و لا علی المرضی اور اس سے کہ ما کان المومنون لینفروا کافۃ اور اس سے کہ دیکھو۔ یہ بعض مفسروں کا مسلک ہے۔ دیکھو تفسیر خازن روح المعانی و بیان و کبیر وغیرہ مگر یہ قوی نہیں کیونکہ وہ آیات پہلے کی ہیں اور یہ آیت کریمہ بعد کی کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی جو حضور انور کا آخری غزوہ ہے۔ پھر وہ آیات اس آیت کی ناسخ کیسے ہو سکتی ہیں۔ نیز حضور انور نے غزوۂ تبوک کے موقع پر کئی حاجیوں اور عورتوں بچوں کو مدینہ منورہ میں چھوڑا اگر سب پر جانا واجب ہوتا تو بعض کو کیوں چھوڑا جاتا۔ و جاھدوا باموالکم و انفسکم یہ فرمان عالی اگرچہ انفروا (الخ) پر معطوف ہے مگر اس کا تتمہ ہے جو روانگی کا مقصد بیان فرما رہا ہے یعنی کس لئے نکلو اپنے مالوں اور جانوں سے کفار سے جنگ کرنے کے لئے۔ خیال رہے کہ اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم مال و جان دونوں سے جہاد کر سکتے ہو کہ تندرست بھی ہو اور مالدار بھی تو دونوں سے جہاد کرو اگر فقط مال سے جہاد کر سکتے ہو کہ تم ہو تو امیر مگر بیمار تو مال سے جہاد کرو کہ کسی غازی کو سامان جہاد دے دو جس سے وہ جہاد کرے۔ اگر صرف جان سے جہاد کر سکتے ہو کہ تم خود غریب ہو مگر تندرست ہو تو عثمان غنی جیسے سخی کریموں کے مال کی مدد سے جہاد کرو۔ صرف مال اور صرف جان سے نہ کرو اور یہ حکم صرف تندرست اور امیروں کے لئے ہو تو اسے منسوخ ماننا پڑے گا حالانکہ یہ محکم ہے۔ فی سبیل اللہ۔ یہ فرمان عالی جاھدوا کے متعلق ہے کہ تمہارا جہاد غنیمت حاصل کرنے، ملک جیتنے اپنی ناموری کے لئے نہ ہو صرف خدمت دین کے لئے ہو۔ عمل جہاد سے پہلے نیت خیر ہو یہی جہاد عبادت ہے کہ یہ جہاد رب تک

پہنچنے کا ذریعہ ہے، اس لئے اسے سبیل اللہ یعنی اللہ کا راستہ فرمایا گیا۔ ذلکم خیر لکم یہ فرمان نیا جملہ ہے جس میں جہاد کے نفعے بتائے گئے۔ ذالکم سے اشارہ سارے مذکورہ احکام کی طرف ہے خیر سے مراد بذات خود خیر ہے یا کسی کے مقابل خیر یعنی حقیقی خیر یا اضافی خیر یعنی جہاد تمہارے لئے دنیا وآخرت میں اچھا ہے کہ اس سے تم دنیا میں عزت والی قوم ہو گے۔ اللہ کا دین پھیلے گا، دشمنانِ دین دبیں گے تم آزادی سے اللہ کی عبادت کرسکو گے یا جہاد کی مشقتیں گھر بیٹھنے کے آرام سے اچھی ہیں کہ اس میں تن کو آرام اور جان و دل دین و ایمان کی تکلیف ہے۔ تن پروری سے دین پروری بہتر ہے۔ ان کنتم تعلمون. یہ جملہ علیحدہ ہے جس کی جزاء پوشیدہ ہے۔ یعنی اگر تم جہاد کی حکمتیں جانتے ہو تو اس میں سستی کیوں کرتے ہو۔ اٹھو کمر ہمت باندھو۔

خلاصہ تفسیر: اے جماعت صحابہ ہمارے نبی کے فرمان پر اس طرح غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہو جاؤ کہ تم پر سفر اور جہاد کی تمام مشکلیں آسان ہوں۔ ہلکی ہوں اور تم کفار پر بھاری ہو۔ اس طرح نکل کر تبوک میں پہنچو اور اللہ کی راہ میں اپنے ہر قسم کے مال اور جانوں سے جہاد کرو۔ جو مال سے کرسکتا ہے وہ مال سے جہاد کرے جو صرف جان سے کرسکتا ہے تو جان سے کرے جو دونوں سے کرسکتا ہے وہ دونوں سے کرے یہ جہاد اور اس کا ثواب تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم اس راز کو جانتے ہو۔ اس پر تمہارا ایمان ہے تو سستی چھوڑو اور جہاد کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ حضرت عبداللہ ابن ام کلثوم نابینا صحابی بھی یہ آیت سن کر ہتھیار بند ہو کر حاضر بارگاہ ہو گئے تھے۔ جہاد میں جانے کے لئے حضور انور کے حکم سے رکے۔ حضرت ابوایوب انصاری کسی جہاد میں گھر میں نہ بیٹھے۔ حضرت صفوان ابن عمرو فرماتے ہیں کہ میں حمص کا حاکم تھا۔ ایک غزوہ میں میں نے ایک ایسے بوڑھے کو جہاد میں جاتے دیکھا جس کی بھویں اس کی آنکھوں پر پلٹ کر گر گئی تھیں۔ میں نے پوچھا بڑے میاں تم جہاد کیسے کرو گے۔ مگر وہ نہ مانے جہاد میں گئے۔ حضرت سعید ابن مسیب کی ایک آنکھ شہید ہو چکی تھی مگر پھر بھی جہاد میں جاتے تھے اور کہتے تھے اگر میں جہاد نہ کرسکا تو کم از کم مجاہدین کی جماعت میں اضافہ تو کردوں گا۔ ان کے سامان کی رکھوالی کروں گا۔ یہ ہیں صحابہ کرام کی جاں بازیاں (تفسیر کبیر وغیرہ)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جب غازی جہاد میں جائے تو اس سفر کی ہر شدت کو ہلکا جانے۔ کسی تکلیف پر رب کی شکایت نہ کرے۔ شکر کرے تو انشاء اللہ وہ اگرچہ کمزور ہو مگر مقابل پر بھاری ہو گا اس کی ہیبت دشمن کے دل میں قدرتی ہو گی۔ یہ فائدہ خفافا و ثقالا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: جہاد صرف مال یا صرف جان سے نہیں ہوتا بلکہ دونوں سے ہوتا۔ جو اللہ نصیب کرے۔ مجبور و کمزور آدمی کسی غازی کو سامانِ جہاد دے یہ جہاد بالمال ہے۔ یہ فائدہ جاھدوا باموالکم و انفسکم سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: اسی جہاد پر ثواب ہے جو فی سبیل اللہ ہو یعنی نہ تو غنیمت حاصل کرنے کے لئے ہو نہ ملک و عزت کے لئے صرف خدمت دین کے لئے ہو۔ اگر نیت خیر ہو تو رب تعالیٰ غنیمت ملک عزت سب کچھ دے دیتا ہے۔ ثواب اس کے علاوہ۔

یہ فائدہ فی سبیل اللہ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: جہاد کے لئے سفر کرنا عبادت ہے۔ اگر کوئی شخص جہاد کے لئے گیا مگر جہاد نہ ہوا تو بھی وہ ثواب پائے گا۔ یہ فائدہ انفروا سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: عام مفسرین نے اس آیت کریمہ کے یہ معنی کئے ہیں کہ بیماری، تندرستی، خوشی ناخوشی ہر حال میں جہاد کے لئے نکلنا ضروری ہے۔ ان کی تفسیر سے لازم آتا ہے کہ ہر مسلمان پر ہر حال میں جہاد کے لئے نکلنا فرض ہے۔ حالانکہ مسئلہ یہ نہیں ہے۔ وہ حضرات اس کا کیا جواب دیں گے۔

جواب: ان میں سے اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اس کی ناسخ آیات ہم تفسیر میں بیان کر چکے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت کے لئے جبکہ کفار کا دباؤ بہت بڑھ جائے اور جہاد فرض عین ہو جائے اس پر ہر مسلمان کو ہر حال میں نکل کھڑا ہونا فرض ہو جائے۔ عام حالات کا یہ حکم نہیں جبکہ جہاد کفایہ ہو مگر اس کی قوی تفسیر وہ ہی ہے جو فقیر نے ابھی عرض کی کہ اس صورت میں واؤ اپنے معنی میں رہتا ہے بمعنی آؤ نہیں ماننا پڑتا اور کوئی اعتراض بھی نہیں پڑتا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مال اور جان دونوں سے جہاد کیا جاوے تو جو شخص صرف مال یا صرف جان سے جہاد کر سکے اس پر جہاد فرض ہی نہ ہو۔

جواب: واؤ جمع کے لئے ہے نہ کہ بمعنی مع یعنی مال سے بھی جہاد کرو اور جان سے بھی، جو میسر ہو۔ جیسے میں کہوں کہ زید اور عمر کو بلاؤ، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر ان میں سے ایک ملے، دوسرا نہ ملے تو نہ بلاؤ۔ مطلب وہ ہی ہوتا ہے کہ زید کو بھی بلاؤ اور عمر کو بھی۔ رب فرماتا ہے۔ انما الصدقات للفقراء و المساکین اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر یہ آٹھوں مصرف نہ ملیں تو زکوٰۃ دو ہی نہیں۔ مطلب وہ ہی ہے کہ فقیر کو بھی غریب کو بھی۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ جہاد میں نکلنا بیٹھ رہنے سے اچھا ہے ذلکم خیر لکم جہاد سے بیٹھ رہنا تو برا ہے اس میں خیر ہے ہی نہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ خیر کے دو معنی ہیں ایک بنفسہ اچھی چیز جس میں دوسری جز کا لحاظ نہ ہو جیسے رب فرماتا ہے وانہ لحب الخیر لشدید یا موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی رب لما انزلت الی من خیر فقیر اہل عرب کہتے ہیں الثرید خیر من اللہ ثرید کھانا رب کی طرف سے خیر ہے۔ دوسرے خیر اضافی یعنی دوسرے سے اچھی جیسے الصلوۃ خیر من النوم یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی جہاد بذات خود اچھا ہے اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے معنی میں ہو یعنی گھر میں آرام کرنے سے جہاد کی مشقتیں بہتر ہیں کیونکہ یہ آرام عارضی ہے اس کا نتیجہ خطرناک۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر صوفیانہ: اے مسلمانو! اپنے رب کی اطاعت کی طرف چلو۔ اس طرح کہ روحانی طور سے ہلکے ہو۔ جنانی (دلی) طور سے بھاری یا جنانی (دلی) طور سے ہلکے ہو۔ جسمانی طور سے بھاری یا دنیاوی محبتوں سے ہلکے اور خالی ہو اور امانات معرفت سے بوجھل یا طاعت سے ہلکے ہو اور مخالفت سے بھاری و خالی اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو کہ اللہ کے لئے

ان کو خرچ کرو یہ تمہارے لئے دونوں جہان میں اچھا ہے (روح المعانی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے منقولی وغیر منقولی مالوں سے جہاد کرو۔ یوں ہی ہر طرح اپنی ذاتوں سے جہاد کرو کہ زبانی، آنکھ قلم سے جس طرح کا جہاد بن پڑے کرو۔ اللہ کا راہ مجاہدہ کے پروں سے اڑ کر طے کرو۔ شعر

مرد عارف چوبداں پر می پرد — در دمے از نہ فلک می بگذرد
سیر زاہد در دمے یکروزہ راہ — سیر عارف ہر زماں تا تخت شاہ

زاہد ایک سانس میں ایک دن کا راہ طے کرتے ہیں مگر عارف ایک آن میں شاہی تخت تک پہنچ جاتے ہیں۔ جہاد مال خرچ کر کے بھی ہوتا ہے اور مال جمع کر کے بھی۔

حکایت: حضرت نافع جو سیدنا عبداللہ ابن عمر کے غلام ہیں اور امام شافعی کے استاد جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو دوستوں سے کہا کہ مری چارپائی کی جگہ کھودو۔ جگہ کھودی گئی تو وہاں ایک مٹکا نکلا جس میں بیس ہزار درہم تھے فرمایا کہ میرے دفن کے بعد انہیں خیرات کر دینا۔ لوگوں نے پوچھا یہ مال کیسا ہے۔ فرمایا میں نے اللہ کے حقوق اور بیوی کے حقوق بھی نہ مارے مگر یہ مال اس لئے جمع رکھا کہ میرے دل کو سکون رہے اس کے ذریعہ زکوۃ دیتا رہوں اور بوقت ضرورت کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ اب جبکہ یہ تینوں چیزیں ختم ہو رہی ہیں تو اسے رب کے بنک میں میرے لئے جمع کر دینا۔ یہ جہاد بالاموال کی ایک صورت (تفسیر روح المعانی)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ

اگر ہوتا سامان نزدیک ہی اور سفر درمیانہ تو البتہ پیچھے چلتے تمہارے

اگر کوئی قریب مال یا متوسط سفر ہوتا تو ضرور تمہارے ساتھ ہوجاتے مگر ان پر

بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا

اور لیکن دور ہوگئی اوپر ان کے مشقت اور عنقریب قسم کھائیں گے وہ اللہ کی کہ اگر

مشقت کا راستہ دور پڑ گیا اور اب اللہ کی قسم کھائیں گے کہ ہم سے بن پڑتا تو

لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ

طاقت رکھتے ہم تو ضرور نکلتے ہم ساتھ تمہارے اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں جانوں کو اپنی

ضرور تمہارے ساتھ چلتے اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے

لَكَاذِبُونَ ﴿٤٢﴾ ع ۶

اور اللہ جانتا ہے کہ تحقیق وہ جھوٹے ہیں

کہ وہ بے شک ضرور جھوٹے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ان کمزور مسلمانوں کا ذکر جن پر غزوۂ تبوک کچھ دنیاوی وجوہ سے گراں تھا۔ اب ان منافقین کا ذکر ہے جو ضعف ایمانی کی وجہ سے اس غزوہ سے بچنے کے لئے حیلے حوالہ کر کے رک گئے تھے گویا کمزور خیال والوں کے بعد کمزور ایمان والوں کا ذکر ہے جن کا ایمان صرف زبان پر تھا دل میں نہ تھا۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کمزور مسلمانوں کو سمجھا بجھا کر اپنی رحمت کی طرف بلایا اور غزوۂ تبوک کے لئے راضی و آمادہ کیا گیا اب بے ایمان منافقوں کو راندۂ درگاہ کیا جا رہا ہے۔ گویا غافل محبوبوں کو اپنی طرف بلانے کے بعد عاقل مردودوں کو دور کیا جا رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مخلصین مومنین کے جہاد کا فائدہ ارشاد ہوا دین و دنیا کے فائدے بتائے گئے اب منافقین کے جہادوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ انہیں اس سے کچھ نہیں ملتا کیونکہ وہ محض مال کمانے کے لئے جہاد میں شرکت کرتے ہیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کی رغبت دی گئی اب عہدنی سبیل النفس فی سبیل المال فی سبیل الملک سے مسلمانوں کو نفرت دلائی جارہی ہے کہ ایسے جہاد صرف منافق کرتے ہیں نہ کہ مخلص۔

شانِ نزول: جب مدینہ منورہ میں غزوۂ تبوک کا اعلان ہوا تو لوگ تین گروہ ہو گئے۔ ایک وہ جو فوراً بغیر پس و پیش کے تیار ہو گئے وہ اول درجہ کے مطیعین تھے جیسے عام مہاجرین و انصار دوسرے وہ ضعفاء مومنین جن میں بتقاضاء بشری اس وقت اتنا دراز سفر کچھ بھاری محسوس ہوا مگر انہوں نے منہ سے کچھ نہ کہا تیسرے وہ جنہیں اتنا دراز سفر اور رومیوں سے مقابلہ سخت ناگوار گزرا وہ اس جہاد سے بچنے کے لئے حیلے بہانے سوچنے اور باتیں بنانے لگے یہ تھے منافقین یہ آیت کریمہ ان منافقین کے متعلق نازل ہوئی (تفسیر مدارک و روح البیان وغیرہ)

تفسیر: لو کان عرضا قریبا اس فرمان عالی میں کان کا اسم پوشیدہ ہے۔ هذا بالجهاد یا ما تدعوهم الیه عرض کے معنی میں عارضی چیز یا پیش کردہ چیز اصطلاح میں دنیاوی سامان کو عرض کہتے ہیں کہ یہ عارضی اور قریب الفناء بھی ہے اور موجودہ چیز یعنی نقد بھی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الدنیا عرض حاضر دنیا موجود سامان ہے یاکل منه البر و الفاجر جس میں ہر نیک و بد انسان کھاتے ہیں قریب یا بعید کا مقابل ہے یعنی نزدیک یا بمعنی آسان جس کا لینا قریب ہو یعنی سہل الماخذ و سفرا قاصدا یہ معطوف ہے عرضا قریبا پر سفر بمعنی مسافری ہے یعنی حضر کا مقابل۔ قاصد بنا ہے قصد سے بمعنی ارادہ اب درمیانی چیز کو قاصد یا مقصد کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے ومنهم مقتصد ان میں سے بعض میانہ رو ہیں درمیانی چیز کو اس لئے قاصد کہتے ہیں کہ اس کا قصد آسان ہوتا ہے۔ ہر ایک اس کے حاصل کرنے کا مقصد و ارادہ کر سکتا ہے۔ قاصد بمعنی قصد والا جیسے تامر یعنی کھجور والا۔ لابن بمعنی دودھ والا (کبیر روح البیان و معانی) لاتبعوك یہ فرمان عالی جزا ہے لو کی یعنی اگر یہ جہاد آسان یا غنیمت ہوتا اور سفر بھی درمیانہ تو یہ منافقین ضرور آپ کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہو جاتے۔ ولكن بعدت

علیھم الشقۃ یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے بعدت بنا ہے بعد سے بمعنی دوری یعنی قرب کا مقابل۔ شق بمعنی مشقت ہے یہاں مراد ہے دراز سفر جسے بہت محنت و مشقت سے طے کیا جاوے یعنی ان منافقوں کو اس غزوہ میں دو مصیبتیں نظر آئیں۔ سفر دراز اور راستہ مشقت والا۔ موسم سخت گرم و سیحلفون باللہ یہ نیا جملہ ہے جس میں ایک غیبی خبر ہے جس کا ظہور غزوہ تبوک سے واپسی پر ہوگا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ اپنے غازیوں سمیت تبوک سے مدینہ منورہ واپس ہوں گے تو یہ منافقین آپ کے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے لو استطعنا لخرجنا معکم یہ جملہ شرطیہ جواب قسم ہے یعنی اگر ہم میں اس سفر کی طاقت ہوتی تو ہم بھی تم تمام غازیوں کے ساتھ ضرور بالضرور تبوک روانہ ہوتے مگر کریں کیا ہم بیمار تھے، نادار تھے گھر کے حالات سے معذور تھے وغیرہ وغیرہ۔ یھلکون انفسھم اس فرمانِ عالی کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ رب تعالیٰ کا اپنا فرمان ہے یعنی یہ منافقین اس قسم کی جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے کو ہی ہلاک کرتے ہیں کیونکہ جھوٹی قسموں سے بربادی آتی ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی قسمیں گھروں کو ویران کر دیتی ہیں۔ (روح البیان و معانی وغیرہ) اس سے روزی گھٹتی عمر کم ہو جاتی ہے اور منافقوں کے لئے تو یہ جھوٹی قسمیں اور بھی وبال بنیں گی کہ ان سے ان کی منافقت اور ظاہر ہو جاوے گی اور یہ رسوا بدنام ہوں گے۔ اس سے زیادہ ہلاکت کیا ہوگی۔ و اللہ یعلم انھم لکذبون یعنی اے محبوب رب جانتا ہے اور آپ کو بتاتا ہے کہ منافقین ان قسموں میں جھوٹے ہوں گے کوئی مسلمان ان کی قسموں سے دھوکا نہ کھاوے جھوٹا آدمی زیادہ قسمیں کھاتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں مخلص مومن گئے مگر تیسرا گروہ منافقین نہ گئے کیونکہ اس موقع پر مال غنیمت بہ آسانی حاصل ہونے کی امید ہوتی اور سفر بھی درمیانہ ہوتا بہت دراز نہ ہوتا تو دوسرے غزوات کی طرح اس کے لئے بھی یہ لوگ روانہ ہو جاتے اور آپ کی ہمراہی اختیار کرتے اللہ کے لئے نہیں بلکہ اپنے ذاتی منافع کے لئے مگر بات یہ تھی کہ ان پر دراز سفر گرمی کا موسم وبال بن گیا۔ اس لئے روانہ کیسے ہوتے۔ اب جب آپ اور آپ کے جانثار صحابہ غازیان تبوک سے واپسی پر مدینہ منورہ پہنچیں گے تو یہ منافقین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم لوگ سخت مجبور تھے اس لئے تبوک نہ گئے اگر ہم میں قوت ہوتی تو ضرور آپ حضرات کے ساتھ چلتے ہم مجبور معذور بیمار نادار تھے کیسے جاتے۔ یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھا کر تمہارا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنے ہی کو ہلاک کرتے ہیں کہ ان قسموں سے انہیں دنیاوی دو تین نقصانات پہنچیں گے۔ یہ قسمیں ہی ان کا پول کھول دیں گی ان کی منافقت ظاہر کر دیں گی۔ اے مسلمانو! ان قسموں سے دھوکا نہ کھانا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم کو بتا رہا ہے کہ سب نرے جھوٹے ہیں ان کے نہ جانے کی وجہ وہ ہے جو ہم نے بیان کی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دین میں مشقت سے گھبرانا آسانیاں تلاش کرنا منافقوں کا شیوہ ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو گرمیوں میں تو نمازی بن جاتے ہیں سردی میں تارک نماز یا سردیوں کے رمضان میں روزے دار بن جاتے ہیں گرمی کے رمضان میں بے روزہ۔ نرم گرم سب برداشت کرو۔ دیکھو منافقین آسان اور قریب کے جہادوں میں جاتے تھے دور کے اور

سخت جہاد سے کترا جاتے تھے۔ اس کی اس آیت میں برائی کی گئی۔ یہ فائدہ لو کان عرضا قریبا (الخ) سے حاصل ہوا۔
دوسرا فائدہ: جہاد میں شرکت کرنا محض مال غنیمت حاصل کرنے یا اپنی ناموری کے لئے اللہ رسول کی رضا کا خیال بھی نہ ہو۔ یہ طریقہ منافقین کا ہے۔ یہ فائدہ بھی لو کان عرضا قریبا (الخ) سے حاصل ہوا۔
تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع بلکہ آپ کے ساتھ رہنا صرف دنیاوی غرض سے ہو منافقوں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ لاتبعوک سے اشارتاً حاصل ہوا جو اتباع اللہ رسول کی محبت سے ہو وہ رب کی محبوبیت کا ذریعہ ہے۔ فاتبعونی یحببکم اللہ۔
چوتھا فائدہ: محبت میں درازی سفر گرم موسم حلات ناسازگار بالکل حائل نہیں بنتے۔ ہاں یہ چیزیں نفس پر گراں ہیں۔ یہ فائدہ علیھم الشقہ میں علیھم کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا کہ صرف منافقین ہی پر یہ درازی سفر مشقت کا باعث ہے۔
پانچواں فائدہ: جھوٹی قسمیں کھانا بلکہ زیادہ قسموں سے دوسروں کو راضی کرنا طریقہ منافقین کا ہے۔ یہ فائدہ سیحلفون باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ الحمد للہ مخلص مومنین کو قسمیں کھا کر اپنا اخلاص ثابت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی ان کا دلی اخلاص خود ان کا حال بتا دیتا ہے۔
چھٹا فائدہ: زیادہ قسمیں کھانا خصوصاً جھوٹی اس سے دنیا و دین کی آفات آتی ہیں۔ یہ فائدہ یھلکون انفسھم سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ زیادہ قسموں سے رزق گھٹتا ہے۔
پہلا اعتراض: گذشتہ آیات سے معلوم ہوا کہ بعض مخلص مومنین پر بھی غزوۂ تبوک گراں گزرا تھا اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین پر بھی گراں تھا پھر ان دونوں جماعتوں میں فرق کیا ہوا۔ تم ان کو مخلص اور انہیں منافق کیوں کہتے ہو۔
جواب: گرانی اور نفرت میں فرق ہے۔ ان مخلصین کو غزوۂ تبوک سے نفرت نہ تھی۔ دنیاوی حالات کی بنا پر دل پر بوجھ ہوا۔ یہ گرانی کبھی زیادہ ثواب کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ سردی میں ٹھنڈے پانی سے وضو طبیعت پر گراں گزرے مگر وضو کرے اور نماز پڑھے انشاء اللہ ثواب زیادہ ہوگا۔ منافقین کو نفرت تھی یعنی اس حکم کو برا سمجھتے تھے اس لئے وہ بے دین ہوئے۔
لطیفہ: ایک بار میں نے سید محمد صاحب کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی کہ نماز میں مزہ نہیں آتا۔ دل نہیں لگتا کیا کروں۔ فرمایا پڑھتے ہو، میں نے کہا ہاں پڑھتا تو ہوں۔ فرمایا تم بڑے خوش نصیب ہو۔ جسے نماز میں مزہ آوے وہ تو مزے کے لئے پڑھتا ہے۔ جسے مزہ نہ آوے وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھتا ہے۔ فرمایا تم خدا کے بندے ہو دل کے بندے نہیں ہو دل لگے یا نہ لگے پڑھے جاؤ۔
دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حلف یعنی قسم اور لو شرطیہ دونوں جمع ہو گئے۔ قسم اپنا جواب چاہتی ہے اور لو شرطیہ جزا چاہتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں اس آیت میں کہاں ہیں۔
جواب: تفسیر روح المعانی نے اس کے بہت جواب دیئے ہیں مگر آسان اور قوی جواب وہ ہے جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ لخرجنا معکم جزا ہے لو کی اور یہ پورا جملہ شرطیہ جواب ہے قسم کا۔ اس صورت میں کسی لفظ کے پوشیدہ ماننے کی

ضرورت نہیں اور نحوی قاعدے سے کوئی اعتراض بھی نہیں۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے فرمایا لا تبعوک اگر سفر درمیانہ ہوتا تو وہ آپ کی اتباع کرتے اور خود ان کا قول نقل فرمایا لخرجنا معکم ہم تمہارے ساتھ نکلتے۔ ان دونوں یعنی اتباع اور لخرجنا معکم میں کیا فرق ہے؟

جواب: یہاں کوئی فرق نہیں کیونکہ اتباع سے مراد صرف جسمانی اتباع ہے یعنی ساتھ جانا اس اتباع سے کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ دل و جان کی اتباع مفید ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جس کام میں نفس اور دنیاوی لالچ کو دخل ہو اس میں آسان و مشکل قریب و دور موسم گرم و سرد کا فرق ہوتا ہے مگر خوف خدا اور عشق رسول اللہ کی وہ نعمتیں ہیں جو اس فرق کو بالکل دور کر دیتی ہیں۔ بلکہ عشق ہو تو ہر مشکل میں لذت آتی ہے۔ شعر

رہرو راہ محبت تھک نہ جانا راہ میں ۔۔۔ لذت صحرا نوردی دوریٔ منزل میں ہے

منافقین کے لئے غزوۂ تبوک کا سفر کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا مگر مخلصین کاملین کے لئے وہ ہی سفر پھول کی طرح مہکتا تھا۔ وہ حضرات دور و قریب گرم و سرد موسم کا فرق جانتے ہی نہ تھے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ عشق وہ چیز ہے جو خود ہی خوشبو دیتا ہے اس کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ شعر

درد منداں دے سخن محمد دین گواہی حالوں
جس پلے پھل بدھے ہوون خوشبو آوے رومالوں

مخلص کو اپنا ایمان ثابت کرنے کے لئے نہ قسموں کی ضرورت ہے نہ اعلان کی۔ ان کا ایمان خود ہی مہک دیتا تھا جس کپڑے میں پھول بندھے ہوں وہ خود ہی مہکتے ہیں۔ خیال رکھو کہ حضور کی سرکار عالی میں قسمیں کھا کر ایمان ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضور ہر ایک کے دل کا حال خود ہی جانتے ہیں۔ فرمایا کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ جو پتھر کے دل کی بات جانے اس پر انسانوں کے دل کے حال کیسے چھپ سکتے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ

معاف کرے اللہ تم سے کیوں اجازت آپ نے ان کو دی حتیٰ کہ ظاہر ہو جاتے آپ کے

اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے

صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

لئے وہ لوگ جو سچے ہیں اور جان لیتے آپ جھوٹوں کو نہیں اجازت مانگتے آپ سے

اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے اور وہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں

بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ

وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخری دن پر یہ کہ جہاد کریں وہ مالوں سے اپنے اور جانوں

تم سے چھٹی نہ مانگیں گے اس سے کہ اپنے مال اور جان سے جہاد کریں

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾

سے اپنے اور اللہ جاننے والا ہے تقوے والوں کو

اور اللہ خوب جانتا ہے پرہیز گاروں کو

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں اس وجہ کا ذکر تھا جس کی بنا پر منافقین غزوۂ تبوک میں نہ گئے۔ یعنی سفر دراز ہونا اور مقابلہ میں رومیوں جیسے سرکشوں کا ہونا۔ اب ان منافقوں کے پیش کردہ ان بہانوں پر اظہار غضب ہے جو انہوں نے غزوۂ تبوک میں روانگی کے وقت حضور سے کئے گویا واقعہ کے بعد بناوٹی وجہوں کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں منافقین کی ان جھوٹی قسموں کا ذکر تھا جو وہ حضور کی واپسی پر کھانے والے تھے۔ سیحلفون باللہ اب ان ہی منافقوں کی بہانہ بازیوں کا تذکرہ ہے جو انہوں نے غزوۂ تبوک میں جاتے وقت یعنی روانگی سے پہلے بنائے گویا پچھلی قسموں کے تذکرہ کے بعد اگلی بہانہ بازیوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ہلکے بوجھل ہر طرح جہاد میں جائیں اب منافقوں کی بہانہ بازیوں کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان ان حرکات سے بچیں گویا دوا کا ذکر پہلے تھا اور پرہیز کا ذکر اب۔

نزول: یہ آیات کریمہ ان منافقوں کے متعلق نازل ہوئیں جنہوں نے غزوۂ تبوک کا اعلان عام سن کر حضور انور کی بارگاہ میں جھوٹے بہانے بنا کر مدینہ میں رہ جانے کی اجازت حاصل کی اور رہ گئے کہ حضور میں بیمار ہوں یا میری بیوی ماں خالہ وغیرہ سخت بیمار ہیں میں ان کی خدمت میں مشغول ہوں وغیرہ۔

تفسیر: عفا اللہ عنک یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے عفا بنا عفو سے یہ لفظ چند معنی میں آتا ہے۔ (۱) بڑھنا زیادہ ہونا۔ رب فرماتا ہے حتی عفو و قالوا قدمس اباءنا۔ (۲) زیادہ کرنا بڑھانا۔ حضور فرماتے ہیں قصو الشوارب و عفو اللحی مونچھیں کتواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ (۳) مٹ جانا برباد ہونا قد عفت آثارھم ان کے آثار مٹ گئے۔ (۴) مغفرت یعنی گناہ بخشنا جیسے و یعفو عن کثیر۔ (۵) درگزر کرنا پکڑنہ کرنا رب فرماتا ہے و اعف عنا و اغفرلنا (۶) واجب وضروری نہ کرنا۔ سختی نہ کرنا۔ آسان فرمانا۔ حضور فرماتے ہیں۔ عفا اللہ لکم عن صدقۃ الخیل و الرقیق اللہ تعالیٰ نے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ واجب نہ فرمائی جب اس کے بعد عن آئے تو آخری تین معنوں میں سے کوئی مراد ہوتا ہے۔ اس میں گفتگو

ہے کہ یہاں کون سے معنی مراد ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ بمعنی گناہ بخشنا ہے حضور انور کا منافقوں کو اجازت دینا گناہ تھا رب تعالیٰ نے اس فرمان عالی سے اس کی معافی کا اعلان فرمایا مگر یہ باطل محض ہے اس لئے کہ گناہ کی حقیقت ہے اللہ تعالیٰ کے حکم یا ممانعت کی دانستہ مخالفت کرنا۔ رب تعالیٰ نے اجازت دینے کی ممانعت کیوں نہیں فرمائی تھی۔ قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت نہیں بلکہ اجازت واباحت کی آیات موجود ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے فاذن لمن شئت منھم (تفسیر خازن و کبیر) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں عفو بمعنی گناہ بخشائی ہے مگر یہ عفا اللہ خبر نہیں بلکہ دعا ہے جو عزت افزائی کے طور پر ارشاد ہوئی جیسے ہم کہتے ہیں ہمارے والد اللہ بخشے بڑے ہی نیک آدمی تھے۔ ایک شاعر علی ابن جہم کو بادشاہ متوکل نے شہر بدر کرنے کا حکم دیا تو اس نے عرض کیا۔ شعر

عفا اللہ عنک الا حرمہ تعود بفضلک ان ابعداد
الم تر عبد اعداد طورہ وھولی عفا و اشداھوی
اقلنی اقلک من لم یزل یقبل و یصرف عنک الروی

اس شعر میں عفاء اللہ دعا ہے رب تعالیٰ دعا سے پاک ہے تو یہ اعزاز وتکریم کے لئے ہے یا اظہار محبت کے لئے جیسے پیاروں سے گفتگو کے دوران کہتے ہیں اللہ تیری عمر دراز کرے۔ اللہ تجھے ایمان دے وغیرہ (تفسیر کبیر و بیضاوی) مگر قوی تفسیر وہ ہے جو تفسیر خازن نے کی کہ یہاں عفو بمعنی معافی ہی نہیں بلکہ لازم نہ کرنا ہے جس کی مثال ابھی گزری عفا اللہ عنکم زکوۃ الخیل یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اجازت کی وجہ سے کچھ الزام نہ دیا۔ آپ مالک ومختار تھے (خازن) لم اذنت لھم لم کا سوال انکار کے لئے نہیں نہ عتاب کے لئے۔ انکار وعتاب تو گناہ یا خطا پر ہوتا ہے۔ گناہ میں امر کی مخالفت ضروری رب تعالیٰ نے اس اجازت دینے کی ممانعت کی ہی نہیں تھی۔ اس میں بھی حضور انور کی پردہ پوشی اور ستاری کی شان کا اظہار ہے کہ آپ لوگوں کے عیوب بہت چھپاتے ہیں حتیٰ کہ منافقین کے عیوب بھی کھلنے نہیں دیتے۔ شعر

جو یہاں عیب کسی کے نہیں کھلنے دیتے کب وہ چاہیں گے میری حشر میں رسوائی ہو

یعنی اے محبوب آپ نے ان منافقوں کو رسوا کیوں نہیں کیا انہیں اجازت کیوں دے دی انہیں خوب رسوا کیا ہوتا آپ انہیں جہاد سے رک جانے کی اجازت نہ دیتے پھر وہ رک جاتے یا جو بہانے انہوں نے بنائے تھے اس کی تحقیق فرماتے تاکہ ان کا نفاق اور جھوٹ کھل جاتا۔ حتی یتبین لک الذین صدقوا اس فرمان عالی میں حتیٰ یا انتہا کا ہے یا بمعنی حرف کے ہے اور ہوسکتا ہے لک میں لام بمعنی بذریعہ ہو یعنی تاکہ آپ کے ذریعہ لوگوں پر ان کا سچ جھوٹ ظاہر ہو جاتا کہ واقعی انہیں کچھ عذر تھا یا نہیں مثلاً اگر وہ اپنی بیماری کا بہانہ بناتے تو طبی تحقیقات کر لی جاتیں۔ اگر وہ اپنے گھر والوں کی بیماری کا بہانہ کرتے تو اس کی دریافت کر لیتے وغیرہ و تعلم الکذبین یہ فرمان عالی معطوف ہے۔ یتبین پر اور علم سے مراد علم ظہور ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا جھوٹ تو پہلے ہی معلوم تھا رب فرماتا ہے۔ ولتعرفنھم فی لحن القول۔ لا یستاذنک الذین یومنون باللہ و الیوم الاخر اس فرمان میں آئندہ کے لئے مخلصین مومنین اور منافقین کی کھلی نشانی بیان فرمائی گئی۔ یہاں استئذان

کے معنی ہیں جہاد سے رک جانے کے لئے حضور انور سے اجازت مانگنا بلا عذر شرعی۔ الذین اس فعل کا فاعل ہے۔ یہ بارہا بتایا گیا ہے کہ ان جیسی آیات اللہ پر ایمان لانے میں نبیوں، فرشتوں، جنت دوزخ سب پر ایمان لانا داخل ہے یا ارکان ایمان کی ابتدا ذات باری تعالیٰ ہے اور انتہا روز قیامت یعنی توحید الٰہی سے لے کر قیامت تک تمام ایمانی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں ان یجاھدوا باموالھم و انفسھم اس عبارت میں فی پوشیدہ ہے فی ان یجاہدوا (الخ) اموال اور انفس کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں گزر گئی یعنی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے آپ سے مالی اور جانی جہاد سے رہ جانے کی اجازت کبھی نہیں مانگتے یا یہ مطلب ہے کہ مومنین مخلصین آپ سے جہاد کرنے کی اجازت نہیں مانگتے بلکہ خود بخود اپنے طور پر جہاد کی تیاری اور اس میں شرکت کرتے ہیں۔ اس جہاد تبوک میں حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا سارے کا سارا مال چندہ میں دے دیا۔ تن کے کپڑے بھی حاضر کر دیئے۔ ایک کمبل سے تن پوشی کی کیا انہوں نے یہ جود و سخا حضور سے پوچھ کر کیا نہیں بلکہ خود بخود بلکہ یہ لوگ جہاد سے رہ جانا گوارا نہیں کرتے۔ دیکھو اس غزوۂ تبوک میں جب حضور انور نے حضرت علی حیدر کرار کو مدینہ منورہ میں چھوڑنا چاہا تو آپ بہت غمگین ہوئے حتیٰ کہ حضور نے فرمایا کہ میں تم اس طرح یہاں چھوڑ رہا ہوں جیسے حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو بنی اسرائیل میں چھوڑا تھا۔ اپنا خلیفہ اور نائب کر کے۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے حضرت ہارون موسیٰ علیہ السلام کے لئے۔ تب حضرت علی مطمئن ہوئے یہ قوت ایمان ہے۔ واللہ علیم بالمتقین المتقین میں الف لام یا استغراقی ہے یا عہدی۔ یعنی اللہ تعالیٰ سارے پرہیز گاروں کو یا ان صحابہ متقیوں کو خوب جانتا ہے انہیں جزائے خیر دے گا۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کہ تین تفسیریں کی گئی ہیں ان میں قوی اور آسان تفسیر کا ہم خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ سے تنگی دور فرما دی۔ آپ کو اجازت دینے نہ دینے کا مختار بنا دیا۔ مگر اے پردہ پوش عالم اے سب کے عیب چھپانے والے محبوب تم نے ان منافقوں کو غزوۂ تبوک سے رہ جانے کی ان کے معمولی بہانے بنانے پر کیوں اجازت دے دی۔ آپ نے ذرا تحقیقات تو فرمائی ہوتی تا کہ آپ کو سچے لوگ ظاہر ظہور معلوم ہو جاتے اور آپ کے ذریعہ جھوٹے لوگوں کو دوسرے بھی جان لیتے۔ آپ پر بھی ان کا جھوٹ کھل جاتا مخلصین اور منافقین کی آج کل علامت یہ ہے کہ مخلصین جو اللہ کی توحید سے لے کر تا یوم قیامت ہر ایمانی جز مانتے ہیں وہ آپ سے مالی جانی جہاد کی اجازت نہیں مانگتے وہ خود ہی اپنے شوق سے تیاری کرتے اور اس میں شرکت کرتے ہیں بلکہ اگر انہیں روکا جاوے تو غمگین ہوتے ہیں (روح المعانی) یا مومنین مخلصین جہاد سے رہ جانے کی اجازت نہیں مانگتے۔ اللہ تعالیٰ سارے پرہیز گاروں کو یا ان پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے اور انہیں جزائے خیر دے گا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام کا مالک و مختار بنایا۔ جس پر چاہیں جو احکام جاہیں باذن پروردگار جاری فرما دیں۔ یہ فائدہ عفا اللہ کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ عفا بمعنی لازم نہ کرنا ہو۔ اجازت و آسانی دینا مراد

ہو۔ دیکھو تفسیر خازن۔ غزوۂ بدر میں حضرت عثمان کے لئے اور غزوۂ تبوک میں حضرت علی کے لئے زمین مدینہ کو میدان تبوک بنا دیا کہ جو ثواب غازیوں کو وہاں پہنچ کر میسر ہوا وہ ثواب ان حضرات کو مدینہ منورہ میں رہ کر حاصل ہو گیا۔ لہٰذا اگر وہ چاہیں تو زمین عجم کو عرب بلکہ مدینہ کی زمین بنادیں اگر چاہیں تو ہمارے سینہ کو مدینہ کر دیں۔ شعر

بنا دو میرے سینے کو مدینہ		نکالو بُر غم سے یہ کینہ

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ رب تعالیٰ دوران خطاب ان سے محبت کے کلمات فرماتا ہے۔ یہ فائدہ عفا اللہ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس کے معنی ہوں اللہ تمہیں معاف کرے۔ دیکھو تفسیر کبیر، روح البیان معانی وغیرہ۔

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیب پوش خلق ستار عیوب کی صفت ستاری کے مظہر اتم ہیں۔ کسی کے عیب ظاہر نہیں کرتے۔ یہ فائدہ وتعلم الکاذبین سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

چوتھا فائدہ: ایمان ونفاق دل کی صفات ہیں مگر بعض اعمال ان کی علامات ہیں۔ جن سے دل کے یہ حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ یہ فائدہ حتی یتبین لک (الخ) سے حاصل ہوا کہ عبادات میں سستی ان سے بچنے کی کوشش کرنا منافقت کی علامت ہے اور ان میں چستی چاق وچوبند رہنا اخلاص کی نشانی رب فرماتا ہے **فویل للمصلین الذین ھم عن صلوتھم ساھون**

پانچواں فائدہ: نیکیوں سے بچنے کے لئے بہت پوچھ گچھ کرنا قال زیادہ اعمال صغیر۔ یہ بھی منافقت کی علامت ہے۔ یہ فائدہ لا یستاذنک کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ حضور انور نے تین چیزوں سے منع فرمایا۔ قیل قال، کثرت سوال، اضاعت مال۔

چھٹا فائدہ: ادائے فرائض میں کسی سے اجازت لینے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اداء نماز، ماں باپ، استاذ، پیر کی اجازت پر موقوف نہ رکھے اگر وہ منع بھی کریں تب بھی ادا کرے یونہی زکوۃ، روزہ، رمضان، حج فرض وغیرہ۔ یہ فائدہ **لا یستاذنک** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: عورت نفلی روزہ، نفلی نماز، نفلی حج خاوند کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ یوں ہی بیٹا نفلی حج کو ماں باپ کے منع کرنے پر نہ جائے۔ فرائض کے احکام جداگانہ ہیں۔ اس قسم کے بہت سے مسائل اس آیت سے مستنبط ہو سکتے ہیں۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مبارک ہے وہ مومن جو گوشہ نشین ہو اور جہاد کے لئے ہر وقت تیار جب کسی طرف سے جہاد کی خبر پائے ادھر دوڑ کر پہنچ جاوے۔ اجازت پر معلق نہ فرمایا۔ (مشکوۃ شروع کتاب الجہاد)

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم نہیں آپ گناہ کر لیتے ہیں مگر رب تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا۔ **عفا اللہ عنک** اگر منافقین کو جہاد سے رک جانے کی اجازت دینا گناہ نہ تھا تو معافی کے کیا معنی۔ نیز حضور انور نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ یہ گناہ تھا جس پر سخت عتاب کی آیات

نازل ہوئیں حتی کہ فرمایا گیا۔ لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب الیم نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن مکتوم کے آنے مسئلہ پوچھنے پر کبیدگی خاطر کا اظہار کیا۔ جس پر عتاب ہوا کہ ارشاد ہوا عبس و تولی (الخ) نیز حضور انور نے اپنے پر شہد حرام فرمالیا جس پر عتاب ہوا یاایھا النبی لا تحرم ما حل للہ لک (فرقہ حشویہ)

جواب: ان جیسے اعتراضات کے جوابات ہماری کتاب قہر کبریا بر عصمت انبیاء میں دیکھو۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ گناہ کی دو شرطیں ہیں ان میں سے ایک کے بغیر کوئی کام گناہ نہیں ہوتا۔ (۱) اللہ تعالیٰ کا حکم یا ممانعت کا ہونا۔ جس کی مخالفت گناہ ہو۔ (۲) مخالفت دانستہ طور پر ہو۔ غلطی یا بھول سے ہو تو گناہ نہیں۔ دیکھو رب نے حضرت آدم کو گندم کھانے سے منع فرمایا تھا مگر انہوں نے ارادۃً نہیں بلکہ دھوکے سے کھالیا تو رب نے اسے گناہ قرار نہ دیا بلکہ ارشاد فرمایا فنسی آدمھم نجدلھا عزما معترض کو چاہئے کہ وہ آیات دکھائے جن میں رب نے پہلے اس اجازت دینے یا قیدیوں سے فدیہ لینے وغیرہ سے منع فرمایا ہو۔ جب ممانعت تھی ہی نہیں تو یہ افعال کریمہ گناہ کیسے ہے۔ رہا عفا اللہ فرمانا اس کی حکمتیں ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ لیغفر بیوسف اللہ یوسف علیہ السلام کو بخشے کہ جب ان کے پاس سائل بادشاہ کی خواب کی تعبیر پوچھنے آیا تو آپ نے بلاشرط بتادی۔ اگر کوئی اور ہوتا تو شرط لگاتا کہ پہلے مجھے جیل سے نکالو پھر تعبیر دوں گا۔ دیکھو حضور صبر یوسفی کی تعریف فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اللہ انہیں بخشے (روح المعانی)

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو مخلص مسلمانوں کا پتہ تھا نہ منافقین کا دیکھو ارشاد ہوا حتی یتبین لک الذین صدقوا و تعلیم الکاذبین آپ نے انہیں اجازت نہ دی ہوتی تا کہ آپ کو مخلص و منافق معلوم ہو جاتے۔

جواب: اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ رب تعالیٰ کے لئے بھی قرآن مجید میں آئے ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم اب تک رب نے مجاہدین کو نہ جانا۔ یالیعلم اللہ تا کہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کو جان لے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان جیسے مقامات پر علم سے مراد ہوتا ہے علم ظہور یعنی ظاہر کر کے دکھانا۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ متقین کو جانتا ہے۔ کیا رب تعالیٰ گناہ گاروں کو نہیں جانتا۔ متقین کی قید کیوں لگائی۔

جواب: اللہ تعالیٰ متقین کو جانتا ہے ثواب دینے کے لئے اور بدکاروں، کفاروں کو جانتا ہے سزا دینے کے لئے۔ یہاں ثواب کے لئے جاننا مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: عفو و معافی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جس کا تعلق مخلوق سے ہے۔ مگر جیسا بندہ ویسی اس کی معافی۔ گنہگاروں کے لئے معافی اور قسم کی ہے۔ ابرار کے لئے دوسری قسم کی۔ اخیار کے لئے اور قسم کی اور حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

اور ہی خاص قسم کی۔ یہ آخری عفو بے انتہا کرم ہے۔ پھر کرم آج کا نہیں بلکہ عفا اللہ ماضی فرما کر بتایا کہ یہ انعام آپ کو ازل میں ہی مل چکا ہے۔ پھر تا ابد آپ کے ذریعہ دوسروں کو ملتا رہے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفت ستاری، رحمت، کرم کے مظہر ہیں اور اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ یہ آیت جلال والی ہے۔ جس میں منافقین کی پردہ دری کا ذکر ہے۔ فرمایا گیا اے محبوب آپ نے ان منافقوں کا پردہ کھل دیا جانے ہوتا۔ مومن کامل کی علامت یہ ہے کہ نیکی کرنے میں کسی سے پوچھتے نہیں۔ اجازت نہیں لیتے۔ اگر اجازت لینا پڑے تو اجازت کے لئے بہانے کرتے ہیں نہ کہ رکنے کے لئے۔ غزوہ بدر میں دو کم عمر بچے بہانے بنا کر بھرتی ہو گئے۔ کیوں؟ جہاد کرنے کیلئے۔ اللہ تعالیٰ کفار کو بھی جانتا ہے مگر قہر و غضب کے لئے۔ ہم جیسے گناہگاروں اور ہمارے گناہوں کو جانتا ہے، پردہ پوشی اور بخشنے کے لئے۔ متقین کو جانتا ہے ان کے درجات بلند کرنے کے لئے۔ اپنے محبوب کو جانتا ہے ان کا قرب حضوری اور بھی زیادہ سے زیادہ کرنے کے لئے۔ غرضکہ اس کا علم ایک ہے مگر اس کے علم کی نوعیتیں علیحدہ علیحدہ۔

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اس کے سوا نہیں کہ اجازت مانگتے ہیں آپ سے وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے اللہ اور آخری دن

تم سے یہ چھٹی وہی مانگتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل

وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ﴿٤٥﴾

پر اور شک کیا دلوں نے ان کے پس وہ اپنے شک میں حیران پھرتے ہیں

شک میں ڈانواں ڈول ہیں انہیں نکلنا منظور ہوتا تو اسکا سامان کرتے

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِن كَرِهَ اللَّهُ

اور اگر ارادہ کرتے وہ لوگ نکلنے کا تو ضرور تیاری کرتے وہ اس کیلئے تیاری لیکن اور لیکن

تو خدا ہی کو ان کا اٹھنا ناپسند ہوا تو ان میں کاہلی بھر دی اور فرمایا گیا

انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٤٦﴾

ناپسند کیا اللہ نے اٹھنا ان کا پس بوجھل کر دیا ان کو اور کہا گیا کہ بیٹھ رہو ساتھ بیٹھنے والوں کے

کہ بیٹھ رہو ساتھ بیٹھنے والوں کے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مخلص مومنوں کی پہچان بتائی گئی تھی۔ جہاد سے رکنے کے لئے بہانہ بنا کر اجازت نہ مانگنا یا جہاد کرنے کے لئے اجازت نہ مانگنا بلکہ بے تامل اس میں شریک ہو جانا۔ اب منافقین کی علامت بتائی جارہی ہے یعنی حیلے بہانے کر کے جہاد سے رک جانا تاکہ مسلمان پچھلی علامات اختیار کریں اس علامت سے بچیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں اپنے حبیب سے فرمایا کہ آپ نے منافقوں کو رسوا کیوں نہ فرمایا۔ انہیں غزوۂ تبوک جانے سے رک جانے کی اجازت کیوں دے دی۔ اب رب تعالیٰ خود انہیں رسوا فرمارہا ہے کہ اے مسلمانو تم کو ہم بتاتے ہیں کہ جس میں یہ علامت ہو وہ پکا منافق ہے اگرچہ کلمہ پڑھے، نماز روزہ ادا کرے گویا پچھلی آیت جمال محبوب کی تھی یہ آیت جلال رب غیور کی ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ متقی پرہیزگاروں کو جانتا ہے۔ اب ارشاد ہے کہ ہم ان غداروں کو بھی جانتے ہیں جو وقت پر آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا رحمت والے علم کے بعد غضب والے علم کا ذکر ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں جہاد سے رکنے کے متعلق اجازت لینے کا ذکر تھا۔ اب ارشاد ہے کہ دھوکا دینے کے لئے اجازت لینا منافقت ہے۔ دھوکا دہی کی علامت یہ ہے کہ پہلے سے تیاری جہاد نہ کرنا بروقت اجازت حاصل کرنے کے لئے کہہ دینا کہ چونکہ میں تیاری نہ کر سکا اس لئے مجھے معافی دی جاوے۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کا بہت پہلے اعلان فرمادیا تھا مخلصین مومنین تو اس کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور وقت پر روانہ ہو گئے مگر مدینہ منورہ کے انتالیس کلمہ گو منافقین نے کوئی تیاری نہ کی اور وقت پر مختلف قسم کے بہانے بنانے لگے۔ ان میں سے ایک بہانہ یہ بھی تھا کہ اتنے دراز سفر کی کوئی تیاری نہ کر سکا اس لئے روانگی سے معذور ہوں۔ مجھے رہ جانے کی اجازت دی جاوے۔ ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں (روح المعانی) یہ ہر حال یہ آیات انہیں رسوا کرنے کے لئے ہیں۔

تفسیر: انما یستاذنک اس فرمانِ عالی میں تفسیر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے کہ مومنین تو آپ سے ایسی اجازت نہیں مانگتے ہاں یہ لوگ مانگتے ہیں۔ انما حصر کے لئے ہے اجازت مانگنے سے مراد ہے حیلے بہانے بنا کر جہاد سے رک جانے کی اجازت مانگنا۔ کاف خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ الذین لا یومنون باللہ و الیوم الاخر یہ عبارت یستاذن کا فاعل ہے یعنی صرف وہ لوگ حضور سے رک جانے کی اجازت چاہتے ہیں جو نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں نہ قیامت پر کیونکہ جو آپ کا منکر ہے وہ اگرچہ اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرے مگر ہے نرا بے ایمان کیونکہ ایمان وہی ہے جو آپ کی معرفت حاصل ہو۔ جو ہم نے استیذان اجازت مانگنے کے معنی عرض کئے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں جو سورہ نور میں ہے۔ انما یستاذنک الذین یومنون باللہ و رسولہ الی قولہ غفور رحیم کیونکہ وہاں فرمایا گیا کہ آپ سے اجازت مانگنا خالص مومنوں کی علامت ہے صرف مومن ہی آپ سے

اجازت مانگتے ہیں کیونکہ وہاں صحیح عذر کی وجہ سے بادل نخواستہ اجازت مانگنا مراد ہے۔ لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔ یہ آیت اس سے منسوخ ہے نہ کہ وہ اس سے۔ نہ ان میں تعارض ہے (تفسیر خازن و روح البیان وغیرہ) صحیح عذر اور جھوٹے بہانے میں ضرور فرق کرنا چاہئے۔ بعض مفسرین نے یہ آیت اس آیت سے منسوخ مانی مگر یہ قول قوی نہیں دو آیتیں محکم ہیں۔ وارتابت قلوبھم یہ فرمانِ عالی معطوف ہے لایومنون پر اس میں ان کی بے ایمانی کی وجہ نوعیت بیان فرمائی گئی کہ بعض کفر جزم و یقین سے ہوجاتے ہیں کہ کافر سمجھتا ہے کہ یقیناً میرا دین برحق ہے۔ اسلام حق نہیں جیسے کھلے کافر۔ بعض کفر شک کی بناء پر ہوتے ہیں کہ خبر نہیں اسلام برحق ہے یا نہیں۔ یہ کفر منافقت والا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے خوب فرمایا۔ شعر

تف نجدیت نہ کفر نہ اسلام سب پہ حرف ظالم اُدھر کی ہے نہ اِدھر کی اُدھر کی ہے

یعنی ان منافقین کے دل تردد میں ہیں کہ نامعلوم اسلام حق ہے یا نہیں اور جہاد میں ثواب ملے گا یا نہیں۔ فھم فی ریبھم یترددون۔ اس فرمانِ عالی میں دلی شک کا انجام بیان ہوا۔ ھم کا مرجع وہ مذکورہ منافقین ہیں تردد کے لغوی معنی ہیں۔ بار بار آنا جانا یعنی پھرتے رہنا۔ شکی آدمی کی حیرانی کو تردد اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے دل میں مختلف خیالات پھرتے رہتے ہیں جس سے انسان ایک حال ایک ارادہ پر قائم نہیں رہتا لہٰذا اس کا یہ حال تردد ہے اور وہ شخص متردد۔ ولو ارادوا الخروج لاعدوا لہ عدۃ یہ فرمانِ عالی گذشتہ مضمون کی دلیل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے پیش کئے ہوئے بیماری وغیرہ کے بہانے تو کل پرسوں کی بات ہے۔ یہ تو پہلے ہی سے ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے جہاد کی کوئی تیاری نہ کی جس سے معلوم ہوا کہ یہ شروع سے ہی دل کے چور تھے۔ خیال رہے کہ ہماری قرأۃ میں عدۃ ہے عین کے پیش دال کے شد اور ت سے بمعنی تیاری کرنا ایک قرأۃ میں عدہ ہے یعنی عد مضاف اور ہ مضاف الیہ۔ جس کا مرجع خروج ہے یعنی روانگی کی تیاری۔ اصل میں عدۃ تھا۔ ت گرادی گئی جیسے اقام الصلوۃ کہ اصل میں اقامۃ الصلوۃ تھا (روح المعانی) ولکن کرہ اللہ انبعاثھم مفسرین نے یہاں لکن کے معنی میں بہت کاوشیں کی ہیں مگر قوی اور آسان ترکیب یہ ہے کہ لکن اپنے ہی معنی میں ہے اور لکن کے بعد ایک جملہ پوشیدہ ہے اور کرہ اللہ اس کی وجہ معنی یہ ہیں کہ لیکن ان لوگوں نے نہ تو جہاد میں جانے کا ارادہ کیا نہ اس کی تیاری کیونکہ اللہ نے ان کا جانا پسند ہی نہ کیا۔ اس ناپسندیدگی کی وجہ اگلی آیت میں آرہی ہے۔ اس ترجمہ پر کوئی اعتراض۔ بعض بزرگوں نے لکن کو الا کے معنی میں کہا۔ بعض نے اسے حروف تاکید میں فرمایا یہ تمام تکلفات ہیں (روح المعانی) انبعاث بنا ہے بعث سے، بعث کے معنی ہیں اٹھانا بھیجنا۔ انبعاث کے معنی ہیں اٹھنا، روانہ ہونا۔ فثبطھم یہ فرمانِ عالی یا کرہ (الخ) پر معطوف ہے اور ف عاطفہ ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے اور ف جزائیہ۔ ثبط بنا ہے تثبیط سے بمعنی روک دینا۔ آڑ قائم کردینا۔ یعنی اللہ نے انہیں غزوہ تبوک سے روک دیا۔ ان کے دلوں میں سستی کاہلی بھردی۔ جو ان کے لئے جہاد سے آڑ بن گئی۔ (روح البیان) وقیل اقعدوا مع القعدین۔ یہ عبارت معطوف ہے فثبطھم پر۔ قیل کا فاعل یا تو شیطان ہے یا ان منافقوں کے بال بچے یا ان کے یار دوست یا خود رب تعالیٰ۔ پہلی تین صورتوں میں قول سے مراد ہے زبانی قول ظاہری کلام اور آخری صورت میں

قول سے مراد ہے دل میں ڈالنا کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں جہاد سے منع نہیں فرمایا بلکہ حکم دیا تھا۔ قاعدین سے مراد یا تو دوسرے منافقین ہیں یا عورتیں۔ چھوٹے بچے یا معذور مجبور بیمار لوگ جو عذر کی وجہ سے تبوک میں نہیں جا سکے۔ یعنی ان کے دل میں یہ بات سمائی کہ جیسے دوسرے معذور لوگ تبوک نہ گئے، ہم بھی نہ جائیں۔ بیمار یا معذور بن جائیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں یا اس جیسے اور نازک غزوات میں بھی جہاد سے رہ جانے کی آپ سے اجازت وہ ہی لوگ مانگتے ہیں جو حقیقتاً نہ تو رب تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ قیامت پر، صرف ظاہری طور پر کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں شک ہے کہ نہ معلوم اسلام سچا دین ہے یا نہیں۔ اور نہ معلوم اس جہاد پر ثواب ملے گا یا نہ اور جو خبریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی نہ معلوم پوری ہوں گی یا نہیں۔ وہ انہیں وسوسوں میں حیران پریشان ڈانواں ڈول رہتے ہیں یہ جو کہتے ہیں کہ انہیں بخار یا درد سر یا درد کمر ہے یہ بہانے تو کل پرسوں سے انہیں عارض ہوئے ہوں گے انہوں نے تو پہلے ہی سے جہاد کی تیاری مکمل نہیں کی۔ نہ سفر کا سامان جمع کیا نہ جہاد کا سامان۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اول ہی سے ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ان کا جانا پسند نہ فرمایا۔ اس لئے ان کے دلوں میں سستی، کاہلی بھر دی اور ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ جیسے مدینہ منورہ میں عورتیں بچے بیمار کمزور لوگ رہ گئے ہیں تم بھی رہ جاؤ اور چھوٹے موٹے بہانے بنا دو یہ ان کی مردودیت اور منافقت کی کھلی دلیل ہے۔ بیماری دل میں علامت چہرے پر۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اسلام کے متعلق شک اور تردد میں رہنا کہ نہ معلوم حق ہے یا نہیں دل کی بدترین بیماری ہے اور رب تعالیٰ کا سخت تر عذاب۔ اس لئے کھلے کافروں سے منافق بدتر ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ یہ فائدہ وارتابت قلوبھم سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: ایسے شکی کو نہ دل کا چین نصیب نہ سکون۔ وہ ہمیشہ حیران و پریشان ہی رہتا ہے۔ یہ فائدہ فی ریبھم یترددون سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: بے ایمان کو نہ نبی کا قرب فائدہ دے نہ کتاب الٰہی۔ ان سب کے فائدے دلی قرب پر موقوف ہیں۔ یہ فائدہ فھم فی ریبھم (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو یہ منافقین برسوں سے مدینہ منورہ میں حضور انور کے پاس رہتے تھے مگر ان تمام کے باوجود ان کے دلوں کا تردد نہ نکلا ہم جیسے دور افتادگان کے دلوں میں حضور کا نام ایمان بھر دیتا ہے۔ واطہ زوجہ نوح علیہ السلام اور کنعان حضرت نوح کا بیٹا عمر بھر نبی کے گھر میں رہے مگر ہلاک ہو گئے کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ رہنے والے مومنین اس تھوڑی سی ہمراہی کے باعث نجات پا گئے۔ رب فرماتا ہے۔ ونجیناہ و من معہ فی الفلک۔ اللہ تعالیٰ حضور سے دلی قرب بخشے۔ شعر

گر بے منی و پیش منی در یمنی گو با منی و در یمنی پیش منی

اگر دل تمہارا میرے پاس ہے تو یمن میں رہو گے میرے ساتھ رہو گے۔ اور اگر دل دور ہے تو میرے پاس رہو گے پھر بھی

یمن میں رہو گے۔

چوتھا فائدہ: دعویٰ کو دلیل سے ثابت کرنا تحقیق ہے۔ پھر دلیل کو اور قوی دلیل سے ثابت کرنا تدقیق ہے۔ محقق اور مدقق کا فرق خیال میں رہے۔ علم مناظرہ کا یہ مسئلہ ان آیتوں سے ثابت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے منافقین کا نفاق ثابت فرمایا ان کی اس اجازت لینے سے اور اجازت لینے کا دلیل نفاق ہونا ثابت فرمایا ان کی پہلے سے تیاری نہ کرنے سے۔ وہ تحقیق ہے۔ اور بعد میں ہوئی تدقیق۔

پانچواں فائدہ: بوقت ضرورت جہاد کی تیاری کرنا عبادت ہے اور تیاری نہ کرنا علامت نفاق۔ یہ فائدہ لاعدوا لہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: باوجود موقعہ ملنے نیک عمل کی توفیق نہ ملنا رب تعالیٰ کا قہر ہے۔ یہ فائدہ ولکن کرہ اللہ انبعاثھم سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ ہمیشہ کار خیر کی توفیق دے۔

ساتواں فائدہ: معیت و ہمراہی بہت قسم کی ہے۔ بعض دفعہ بروں کی ہمراہی اچھی ہو جاتی ہے جبکہ انہیں تبلیغ وغیرہ کے لئے ہو۔ اور کبھی اچھوں کی ہمراہی بری ہو جاتی ہے جب بری غرض سے ہو۔ یہ فائدہ اقعدوا مع القاعدین سے حاصل ہوا۔ دیکھو غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین مدینہ منورہ میں جن کے ساتھ رہ گئے وہ معذور صحابہ تھے بلکہ حضرت علی بھی تھے۔ جنہیں حضور انور ﷺ نے مدینہ میں حکماً رکھا۔ مگر منافقوں کے لئے یہ ہمراہی ملامت کا باعث ہوا۔ اللہ تعالیٰ اچھوں کے ساتھ اچھی ہمراہی نصیب کرے۔

آٹھواں فائدہ: دل کے اچھے خیالات نیکیوں کی ہمت و جرأت رب تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔ اس کے برعکس دل کے برے خیالات برائیوں سے رغبت نیکیوں سے نفرت یہ خدا تعالیٰ کا عذاب ہے۔ یہ فائدہ و قیل اقعدوا (الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ قیل کا فاعل رب تعالیٰ ہو۔ اچھے خیال پر رب تعالیٰ کا شکر کرے برے آنے پر توبہ کرے۔ شعر

مری طلب بھی تمہارے کرم کا صدقہ ہے ۔۔۔ قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ نے فرمایا کہ آپ سے بے ایمان اجازت مانگتے ہیں۔ یعنی یہ اجازت مانگنا بے ایمانوں کا کام ہے مگر سورۂ نور میں ارشاد ہوا کہ آپ سے اجازت مومنین مانگتے ہیں۔ وہاں یہ اجازت طلبی علامت ایمان قرار دی گئی۔ آیات میں تعارض ہے۔

جواب: بعض مفسرین نے اس آیت کریمہ کو اس آیت سے منسوخ مانا ہے مگر قوی یہ ہے کہ کوئی آیت منسوخ نہیں دونوں محکم ہیں۔ یہاں غیر معذورین کا بہانہ بنا کر جہاد سے رک جانے کی اجازت مانگنا مراد ہے آرام طلبی بزدلی کی وجہ سے۔ وہاں اس آیت میں معذورین کا مجبوری کی وجہ سے جہاد میں نہ جا سکنے کی اجازت مانگنا مراد ہے۔ یعنی معذورین صحابہ باوجود سخت مجبوری کے بھی آپ کی اجازت کے بغیر نہیں رکتے اگر آپ اجازت نہ دیں تو وہ اس حالت میں نکل کھڑے ہوں جیسا کہ غزوۂ احد کے فوراً بعد ہوا کہ مدینہ منورہ میں خبر اڑ گئی کہ ابوسفیان پھر مدینہ پر حملہ کرنے واپس آ رہے ہیں۔ حضور نے انہیں

مدینہ منورہ سے نکل کر مقابلہ کرنے کا حکم دیا یہ حضرات اسی طرح ٹوٹے ہوئے ہاتھ پھٹے ہوئے سر لے کر بغیر مرہم پٹی کے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ تھا کمال ایمان جس کی تعریف رب نے یوں فرمائی۔ **الذین استجابوا للہ و رسولہ من بعد ما اصابھم القرح** نتیجہ یہ ہوا کہ رب نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا جس سے واپس نہ لوٹے۔ ادھر ان کو اجر عظیم عطا فرمایا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین کو اپنے کفر کا بھی یقین نہ تھا۔ جیسے کہ انہیں اسلام کی حقانیت میں تردد تھا ویسے ہی کفر کی حقانیت میں۔ دیکھو ارشاد ہوا۔ **فھم فی ریبھم یترددون** پھر انہیں کافر کیوں کہا گیا۔

جواب: منافقین قولاً مسلمان تھے اس لئے ان پر جہاد نہیں ہوتا تھا مگر مذہباً کافر کیونکہ ایمان کے لئے اسلام کے ہر عقیدے کو یقیناً حق جاننا ضروری ہے۔ دیکھو آج بہت سے اسلامی فرقے قومیت میں مسلمان مانے جاتے ہیں مگر ملت اسلامیہ سے خارج ہیں جیسے رافضی چکڑالوی وغیرہم۔ وہ لوگ اگر اسلام کی فتح دیکھتے تو کہتے کہ اسلام سچا دین ہے تب ہی تو مسلمانوں کی فتح ہوئی اگر اس کے برعکس ہوتا تو کہتے کہ اسلام برحق نہیں کفار سچے اس لئے مسلمانوں کو شکست اور کفار کو فتح ہوئی۔ رب فرماتا ہے۔ **مذبذبین بین ذلک** مومن ہر حال میں اللہ رسول کا رہتا ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے منافقین کا غزوہ تبوک میں جانا پسند نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا رہ جانا پسند کیا تو چاہئے کہ وہ لوگ رہ جانے پر ثواب پاتے کہ انہوں نے رب کا پسندیدہ کام کیا۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ثواب ملتا رب کے حکم کی اطاعت ہے۔ حکم اور ہے، رب کی پسند کچھ اور، ارادہ کچھ اور۔ اگر چہ ان منافقین کا جہاد میں جانا رب کو ناپسند تھا مگر انہیں جانے کا حکم تھا۔ اس کی اطاعت نہ کی۔ مجرم ہوئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا والد کے ہاتھوں ذبح ہونا رب کو ہرگز پسند نہ تھا۔ مگر اس کا حکم حضرت خلیل کو دیا جس کی انہوں نے اطاعت کی، خلیل بن گئے۔ ایسے ہی اس کے برعکس۔ دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ کو ان کا جہاد میں جانا اس لئے ناپسند تھا کہ وہ وہاں جا کر بھی فساد ہی پھیلاتے جیسا اگلی آیت میں ہے۔ اس قسم کی پسند و ناپسند کا حکم کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ رب کو پسند یہ بات بھی ہے کہ منافقت سے توبہ کر کے تبوک جائیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خود رب تعالیٰ نے انہیں تبوک جانے سے روک دیا گیا۔ دیکھو ارشاد ہوا **فثبطھم** پھر ان کا اس میں کیا قصور ہوا تو چاہئے کہ وہ اس پر گنہگار نہ ہوں۔

جواب: ان چیزوں کی آیات میں ان جیسی کی نسبت رب کی طرف خلق کی ہوتی ہے کہ بندہ کاسب ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ اس کے کسب کی وجہ سے خالق جیسے کسی کو قتل کیا تو مقتول کی موت رب نے دی مگر بندہ کے کسب کی وجہ سے اس کسب کا بندہ مجرم ہے۔ سزا پاتا ہے۔

پانچواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ان سے کہا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہو اگر قتل کا فاعل رب تعالیٰ ہو تو معلوم ہوا کہ رب نے انہیں بیٹھ رہنے کا حکم دیا۔ ان پر بیٹھ رہنا واجب ہو گیا۔ اقعدوا صیغہ امر کا ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اقعدوا سے مراد بیٹھنے کا حکم نہیں بلکہ دل میں سستی ڈال دینا ہے وہ بھی ان کی بدعملی کی وجہ سے امر کے معنی موقعہ محل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ اذا اراد شیاء ان یقول له کن فیکون. جب رب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرماتا ہے ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔ وہاں کن سے مراد ہو جانے کا حکم دینا نہیں۔ حکم دیا جاتا موجود چیز کو ہوتا ہے بلکہ مراد ہے اس کے ہو جانے کا ارادہ فرمایا۔ یہاں بھی یہ ہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بعض دلی بیماریوں کا ظہور چہرے سے ہوتا ہے کہ بیماری دل میں ہوتی ہے، علامت چہرے پر۔ یوں ہی منافقت دل کی ایک روحانی بیماری ہے۔ جس کا ظہور بعض اعمال سے ہو جاتا ہے۔ نماز میں سستی جہاد سے جی چراتا۔ اللہ والوں سے نفرت، دشمنان دین کی طرف رغبت یہ نفاق کی علامتیں ہیں۔ ان آیات میں انہیں علامات سے ان کی منافقت ثابت فرمائی گئی کام ایک ہوتا ہے، اس کی نوعیتیں مختلف۔ تبوک میں منافقوں کا حضور انور سے رک جانے کی اجازت لینا ان کے لئے منافقت کی علامت بنا۔ معذورین کا اجازت لینا قوت ایمان کی دلیل کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا انما یستاذنک الذین یومنون بالله و رسوله جیسے بیماری جہاد سے روکے وہ مومن ہے۔ مگر جسے سستی روکے وہ منافق۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اچھوں کے ساتھ رہنا محبت سے اللہ کی رحمت ہے۔ دھوکے سے رہنا لعنت۔ دیکھو ارشاد ہوا۔ فاقعدوا مع القاعدین بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھنے والے معذور مومن صحابہ تھے مگر منافقوں کا ان کے ساتھ بیٹھنا بے ایمانی تھا۔ مدینہ منورہ میں رہنا اللہ کی نعمت ہے مگر ان منافقوں کے لئے اس موقع پر وہاں رہنا لعنت بنا کہ اسے عتاب کے طریقہ سے بیان فرمایا۔ اگر حضور انور مدینہ منورہ میں آئے وہاں رہنے سے راضی ہوں تو آنا رہنا رحمت ہے اور اگر وہاں سے جانے سے راضی ہوں تو وہاں سے نکل جانا بہتر۔ اگر قرب سے راضی ہوں تو قرب بہتر اگر دوری سے راضی ہوں تو دوری اچھی۔ غرضکہ اچھی تو ان کی رضا ہے۔

لطیفہ: میں نے ایک مدنی حاجی صاحب غلام حسین سے عرض کیا کہ مجھے مستقل طور پر مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دلوا دو۔ وہ بولے نہیں تم مدینہ آتے جاتے رہو مگر قیام گجرات میں رکھو۔ حضور انور اس میں راضی ہیں حضور انور نے گجرات میں اپنی برانچ کھولی ہے تمہیں اس برانچ میں نوکر رکھا ہے یہاں ہی ڈیوٹی دو۔ میں نے کہا بسر و چشم منظور ہے۔ شعر

لقاء دوست چہ خواہی رضائے دوست طلب   کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا۟اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

اگر نکلتے وہ تم میں تو نہ بڑھاتے تمہارے لئے مگر فساد اور البتہ دوڑتے وہ درمیان

اگر وہ تم میں نکلتے تو ان سے سوا نقصان کے تمہیں کچھ نہ بڑھتا اور تم میں فتنہ ڈالنے کو تمہارے

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

تمہارے تلاش کرتے ہوئے تم میں فتنہ اور تم میں کچھ لوگ خوب سننے والے ہیں ان کے

بیچ میں خرابیاں دوڑاتے اور تم میں ان کے جاسوس موجود ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ

لئے اور اللہ جاننے والا ہے ظالموں کو البتہ تحقیق تلاش کیا تھا انہوں نے پہلے ہی فتنہ چاہا تھا اور الٹ

ظالموں کو بیشک انہوں نے پہلے ہی فتنہ چاہا تھا اے محبوب تمہارے لئے تدبیریں الٹی پڑیں یہاں تک کہ حق آیا اور

الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

پھیر کیں آپکے لئے کاروائیاں حتی کہ آ گیا حق اور غالب ہوا حکم اللہ کا حالانکہ وہ ناپسند کرتے تھے

اللہ کا حکم ظاہر ہوا اور انہیں ناگوار تھا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ رب نے ان کا غزوہ تبوک میں جانا پسند ہی نہ کیا۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ ان کا جانا صرف فساد ہی کا باعث ہوتا۔ وہ نقصان ہی پہنچاتے گویا پچھلی آیت دعویٰ تھا اس میں اس کی دلیل ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ حضور انور نے منافقین کو تبوک سے رہ جانے کی اجازت دے دی اور رب تعالیٰ نے اس پر ناراضی کا اظہار نہیں کیا۔ اب اس اجازت کی حکمتیں بیان ہو رہی ہیں کہ اگر وہ اس غزوہ میں جاتے تو فساد پھیلاتے گویا حضور انور کی اجازت دے دینے کا ذکر پہلے ہوا اور اس اجازت کی حکمتوں کا ذکر اب اس آیت میں ہو رہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس اجازت میں بہت حکمتیں تھیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ منافقین غزوہ تبوک سے رہ گئے بہانہ بنا کر۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس غزوہ میں بعض کمزور منافقین اور بعض ضعفاء مومنین شریک ہوئے جن کی شرکت سے جہاد پر اثر نہ پڑا۔ وفیکم سماعون لھم غرضیکہ منافقین دو طرح کے ہیں۔ سخت تر اور ہلکے۔ سخت تر نہ گئے ہلکے گئے۔

تفسیر: لو خرجوا فیکم یہ نیا جملہ ہے جو گذشتہ مضمون کی حکمت بیان فرما رہا ہے۔ خرجوا کا فاعل وہ منافقین ہیں جن کا ذکر پچھلی آیات میں ہوا کہ رب نے ان کا جانا پسند نہ کیا یعنی فسادی منافقوں کا خروج سے مراد ہے غزوہ تبوک میں جانا۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہونا خیال رہے کہ بہت سے منافق اس غزوہ میں مدینہ منورہ سے روانہ تو ہوئے مگر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ثنیۃ وداع سے آگے مقام ذی جدہ پہنچے تو یہ واپس مدینہ لوٹ گئے جیسا کہ اگلی آیت کی تفسیر میں انشاء اللہ عرض کیا جاوے گا۔ اس لئے یہاں فیکم ارشاد ہوا کیونکہ منافقین اس روانگی میں مومنوں میں نہ رہے بلکہ ان سے بچے بچے پیچھے رہے تاکہ

واپس ہوجانا انہیں آسان ہو۔ ما زادوکم الا خبالا یہ فرمانِ عالی لو کی جزا ہے اس میں زادو کا فاعل منافقین ہیں اور کم میں خطاب غازیانِ تبوک سے ہے کم کے بعد یا تو شیئا پوشیدہ ہے الا خبالا مستثنیٰ متصل ہے یا جزا پوشیدہ ہے تو مستثنیٰ منقطع ہے۔ بہر حال ہے مستثنیٰ مفرغ یہ خیال غلط ہے کہ مستثنیٰ منقطع کبھی مفرغ نہیں ہوتا۔ (تفسیر روح البیان) یہ بات یاد رہے ضروری ہے خبال کے سات معنی ہیں۔ شر، فساد، عجز، بزدلی، غداری، مکروفریب، گمراہی (روح المعانی و کبیر) اس وجہ سے جنون کو خبل بجنون کو مخبول کہتے ہیں۔ یہاں بمعنی شر یا فساد یا بزدلی ہے۔ یعنی اگر یہ منافقین غزوہ تبوک میں تم میں جاتے تو شرارت یا فساد یا مسلمانوں کی ہمت توڑنا ان میں بزدلی پھیلانے کی کوشش وغیرہ پھیلاتے۔ ولا اوضعوا خلالکم یہ فرمان عالی معطوف ہے ما زادوکم (الخ) پر اور لو کی دوسری جزا یہاں ل نفی کا نہیں بلکہ لام تاکید ہے۔ مفتوح جو الف کے ساتھ لکھا گیا ہے نزول قرآن سے پہلے اہل عرب فتحہ کو الف سے لکھا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں فتحہ کو الف سے ممتاز کر کے لکھا گیا۔ چند جگہ پرانا طریقہ استعمال ہوا یعنی فتحہ کو الف سے لکھنا۔ ایک تو یہاں دوسرے لا ؟؟ فعل ثقیلہ میں۔ (روح المعانی، کبیر مدارک وغیرہ) اوضعو بنا ہے ایضاع سے بمعنی اونٹ کا دوڑانا۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور حج میں عرفات سے روانہ ہوئے آہستگی سے واوضع فی وادی المحسر یعنی وادی محسر میں اونٹ تیز دوڑایا مگر کبھی بمعنی دوڑنا بھی آتا ہے۔ وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی دوڑتے چنانچہ لبید شاعر کہتا ہے۔ شعر

آرانا موضعین بحکم غیب ولحہ بالطعام و بالشراب

اس شعر میں موضعین کے معنی ہیں دوڑنے والے۔ عمرو ابن ربیعہ شاعر کہتا ہے۔ شعر

تبالھن بالعلوان لمانمرفتی وقلن امرء باغ اکل و اوضعا

اس شعر میں بھی اوضعا کے معنی ہیں دوڑا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں بمعنی دوڑانا ہی ہے۔ بہر حال مراد ہے کوشش کرنے ڈورے ڈالنا وغیرہ۔ خلال جمع ہے خلل کی بمعنی شگاف یا پھٹن یہاں بمعنی درمیان ہے۔ رب فرماتا ہے فتری الودق یخرج من خلالہ اور فرماتا ہے وفجرنا خلالھما نھرا اور فرماتا ہے فجاسوا خلال الدیار ان ساری آیات میں خلال بمعنی درمیان ہے یعنی یہ منافقین تمہارے درمیان چغلیاں لے کر دوڑتے ہیں یا تم میں فساد کے ڈورے ڈالتے ہیں۔ یبغونکم الفتنة یہ عبارت اوضعوا کے فاعل سے حال ہے یبغون بنا ہے بغی بمعنی چاہنا کوشش کرنا کم سے پہلے لام پوشیدہ ہے۔ فتنہ سے مراد لڑائی جھگڑا ہے حدیث شریف میں ہے یا باغی الخیر اقبل و یا باغی الشر اقصر وہاں باغی بمعنی چاہنے والا ہے نہ کہ بغاوت کرنے والا یعنی تم میں فتنہ پھیلانے کے لئے چکر لگاتے چغلی کر کے تم میں آپس میں جنگ کرا دیتے۔ بحالت جہاد آپس کی جنگ زہر قاتل ہوتی ہے۔ اے مسلمانو! شکر کرو کہ تم ان کے شر سے بچے رہے کہ تمہارے ساتھ یہ نہ گئے یہ تمہارے نبی کا کھلا معجزہ ہے۔ اب تک تو منافقوں کا حال بیان ہوا آگے ارشاد ہے۔ وفیکم سمعون لھم اس فرمانِ عالی کی دو تفسیریں ہیں۔ (۱) اے غازیان تبوک تم میں کچھ منافقین بھی ہیں جو منافقت کے لئے تمہارے ساتھ چلے آئے ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہاری باتیں سرداران منافقین تک پہنچانے کے لئے سنتے تاکہ ان کی جاسوسی کرتے ہوئے تمہارے ارادوں تمہاری باتوں سے انہیں خبر دیتے رہیں

اگر وہ سرواران منافقین بھی یہاں آ جاتے تو یہ ماتحت منافقین ان کی جاسوسی کرتے اور وہ تم میں فساد پھیلاتے۔ (۲) اے جماعت صحابہ! تم میں بعض نومسلم ضعفاء مومنین بھی ہیں جن کی رشتہ داریاں ان منافقین سے ہیں یہ حضرت سید ھے اور سادہ لوح ہیں۔ دوست دشمن اپنے پرائے میں فرق نہیں کرتے۔ وہ ان کی باتیں سن لیتے ہیں اگر منافقین تبوک میں جاتے تو ان ضعفاء کو ڈراتے کہ تم لوگ کمزور ہو کفار قوی ہیں یہ ان کی باتیں مان کر ڈر جاتے۔ ان کے لئے سننا اور ان کی سننا ان دونوں میں فرق یاد رکھنا۔ واللہ علیم بالظلمین۔ یہ اس مضمون کا تتمہ ہے۔ یہاں الظلمین سے مراد وہ ہی چالاک منافقین ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان ظالم منافقوں ان کی کارستانیوں کو خوب جانتا ہے اس لئے اس نے تبوک میں انہیں آنے نہ دیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ظالمین سے مراد سماعون یعنی منافقوں کے جاسوس ہیں (روح المعانی) لقد ابتغوا الفتنة من قبل اس فرمان عالی میں منافقین کی مذکورہ شر انگیزی فتنہ پردازی کا ثبوت گذشتہ واقعات یاد دلا کر دیا جارہا ہے۔ ابتغوا بنا ہے بغی سے بمعنی تلاش کرنا، چاہنا۔ اس کا فاعل یہ ہی منافقین ہیں۔ الفتنہ سے مراد ان کی فتنہ پردازی اسلام کے خلاف سازشیں ہیں۔ من قبل سے مراد غزوہ تبوک سے پہلے کے حالات ہیں۔ اس سے کون سے فتنے مراد ہیں اس میں چار قول ہیں۔ (۱) غزوۂ احد میں عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ میدان جہاد سے لوٹ کر مدینہ منورہ آ گیا تاکہ مسلمانوں کی ہمت پست ہو جائے صرف سات سو مخلص صحابہ حضور کے ساتھ رہ گئے اس سے وہ واقعہ مراد ہے۔ (۲) خود اس غزوہ تبوک میں مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت عبداللہ ابن ابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ لشکر اسلام میں داخل ہو کر روانہ ہوا مگر ثنیہ وداع کے آگے مقام ذی جدہ پہنچ کر مع اپنے ساتھیوں کے مدینہ لوٹ گیا یہاں وہ مراد ہے۔ (۳) لیلۃ العقبہ میں بارہ منافقین حضور انور کے راستہ میں چھپ کر بیٹھ گئے تاکہ آپ وہاں سے گزریں اور ہم آپ پر شب خون مار کر شہید کر دیں۔ اللہ نے حضور کو ان کے شر سے بچا لیا۔ (۴) ایک رات کے وقت ایک سفر میں حضور انور کی اونٹنی کے پاؤں میں کوئی چیز لگا دی جس سے اونٹنی چلتے ہوئے گر جاوے اور حضور انور شہید ہو جاویں (روح المعانی و روح البیان) بہتر یہ ہے کہ ان چاروں واقعات کی طرف اشارہ ہو۔ و قلبوا لک الامور یہ فرمان عالی معطوف ہے، ابتغوا (الخ) پر۔ قلبوا بنا ہے تقلیب سے بمعنی الٹ پھیر کرنا۔ امور سے مراد ہیں ان کی خفیہ تدبیریں یعنی ان منافقین نے صرف یہ چار فتنے ہی نہیں پھیلائے بلکہ ہمیشہ آپ کے خلاف اپنی تدبیروں میں الٹ پھیر کرتے ہی رہے حتیٰ کہ غزوۂ احزاب انہیں بدنصیبوں کی تدبیروں کا نتیجہ تھا۔ (تفسیر کبیر و خازن، روح البیان و معانی وغیرہ) خلاصہ یہ ہے کہ اے محبوب منافقین کی یہ پہلی شرارت نہیں وہ تو شروع سے ہی آپ کے خلاف ہر طرح کی تدبیریں کرتے رہے مگر ناکام رہے۔ حتی جآء الحق یہ فرمان عالی ان منافقین کی تدبیروں کی انتہا بتانے کے لئے ہے۔ حق سے مراد اسلام کی ایسی فتح حضور انور کا وہ غلبہ ہے جس سے ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں اور وہ اپنی کامیابی سے مایوس ہو گئے اور ہار کر بیٹھ رہے۔

وظهر امر الله یہ فرمان عالی معطوف ہے جاء الحق پر امر اللہ سے مراد دین اسلام یا حضور انور کی شان آپ کا نام ظہور سے مراد چمکنا ہے یا غالب آنا یعنی دین اسلام یا آپ کی شان آپ کا گرامی نام خوب چمک اٹھا۔ اس سورج کے چمکنے سے

سارے چراغ گل ہو گئے رات گئی۔ سویرا ہو گیا۔ جس سے مومن خوش ہو گئے۔ مگر منافقین کا یہ حال ہوا کہ وھم کرھون ٥ سے مراد مذکورہ منافقین ہیں کرھون بنا ہے کراھتہ سے بمعنی ناپسندیدگی۔ ناگواری یعنی آپ کا یہ فروغ اسلام کا یہ عروج منافقوں کو سخت ناگوار تھا اور رہے گا یہ حسد کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے غازیان تبوک صحابیو! ہمارے محبوب نے ان منافقوں کو مدینہ میں رہ جانے کی اجازت دے دی ہے ان کا جانا خود ہم کو ناپسند تھا۔ اس اجازت اور اس ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ ان کا غزوہ تبوک میں جانا تمہارے لئے کچھ مفید نہ ہوتا۔ بلکہ نقصان دہ ہی ہوتا۔ کیونکہ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ تبوک میں چلے بھی جاتے تو تم کو کچھ نفع نہ دیتے بجز فساد پھیلانے کے۔ وہ تم لوگوں کے درمیان فتنہ پھیلانے کے لئے چکر لگاتے جھگڑے کرانے لئے دوڑے ڈالتے ہر طرح فتنے ڈالتے تمہاری چھوٹی جماعت بے سروسامان تمہارے مقابلے کفار کی بھاری تعداد بہت تیاری دکھا کر تم کو ڈراتے کفار سے! مرعوب کراتے تم غازیوں میں پہلے سے ہی بعض چھپے منافق ان کی جاسوسی کرنے کے لئے موجود تھے جو تمہاری باتیں ان تک پہنچانے کے لئے سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ان کا تمہارے ساتھ نہ جانا ہی ٹھیک تھا۔ یہ تو تبوک سے پہلے ہی غزوہ احد احزاب لیلۃ العقبہ وغیرہ میں فتنے پھیلا چکے ہیں۔ حتی کہ اس غزوہ تبوک میں ان کے کچھ لوگ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ پھر واپس لوٹ گئے اے محبوب آپ کے خلاف یہ تدابیروں کے الٹ پھیر کرتے ہی رہے حتی کہ یعنی اللہ کی طرف سے فتوحات آ گئیں اور اللہ کا حکم یعنی اسلام یا تمہاری شان دنیا میں ظاہر ہو گئی یہ ناپسند ہی کرتے رہے یہ کڑھتے حسد کرتے ہی رہے اب یہ مایوس ہو گئے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: منافقین اگر نیکی بھی کریں تو بری نیت سے جس سے وہ نیکی گناہ بن جاتی ہے۔ یہ فائدہ لوخرجوا فیکم (الخ)۔ سے حاصل ہوا۔ یہ مسجد میں جاتا ہے تو جوتی چرانے کے لئے قرآن پڑھتا ہے تو قرآن اور محبوب رحمان میں عیب تلاش کرنے کے لئے۔

دوسرا فائدہ: مسلمانوں کے خلاف کفار کی جاسوسی کرنا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ سمعون لھم کی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ لھم کا لام بمعنی! لئے ہو یعنی کفار کے لئے تمہاری باتیں سنتے ہیں ان تک پہنچانے کے لئے۔

تیسرا فائدہ: کفار اور ان منافقین کی باتیں سننا ان پر دھیان دینا ضعف اعتقاد کمزوری ایمان کی علامت ہے یہ فائدہ لھم کی!! دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ لام کی ہو۔ یعنی کہ ان کی بات سنتے ہیں۔

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کام رب تعالیٰ کی مرضی کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ اس میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ دیکھو حضور انور نے منافقوں کو تبوک سے رہ جانے کی اجازت دی رب تعالیٰ نے فرمایا کہ میری مرضی بھی یہی تھی۔ کرہ اللہ انبعاثھم اور اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر وہ تبوک میں جاتے تو فساد ہی پھیلاتے گویا ان آیات میں محبوب کے اس عمل شریف کی حکمتیں ارشاد ہوئیں۔

پانچواں فائدہ: غزوہ تبوک کے موقعہ پر منافقین کے تین گروہ ہو گئے تھے ایک وہ جو بہانہ بنا کر رہ گئے دوسرے وہ جو روانہ ہوئے مگر راستے سے واپس ہو گئے۔ تیسرے وہ جو غزوہ میں شریک ہوئے۔ یہ فائدہ **فیکم سماعون لھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا اور **لقد ابتغو الفتنۃ** سے معلوم ہوا۔

چھٹا فائدہ: جس سے ایک بار دھوکہ ہو چکا ہو اس پر اعتماد بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں کاٹا جاتا۔ یہ فائدہ **لقد ابتغو الفتنۃ** (الخ) سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: کفار منافقین ہمیشہ اسلام اور مومنوں کے خلاف تدبیریں کرتے ہی رہتے ہیں۔ ان سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ نہ ان پر بھروسہ چاہئے یہ فائدہ **قلبوا لک الامور** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ۔** انشاء اللہ ہمیشہ حضور کا سورج چمکتا ہی رہے گا۔ اور کفار جلتے ہی رہیں گے۔ ان کی پھونکوں سے سورج بجھے گا نہیں یہ فائدہ **جاء الحق** (الخ) سے حاصل ہوا۔ شعر

چراغے را کہ ایزد برفروزد — کسے کس تف زنیرشش بسوزد

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن — پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اب بھی اگر ہم سچے پکے مسلمان بن جاویں تو ہمارے خلاف کفار کی تدبیریں کارگر نہ ہوں **نواں فائدہ** مسلمانوں کی خوشی پر کفار و منافقین کبھی خوش نہیں ہوتے اگرچہ زبانی طور پر خوشی ظاہر کردیں ہم کو مبارکبادوے دیں۔ یہ فائدہ **وھم کرھون** سے حاصل ہوا۔ ان کی ظاہری خوشی سے دھوکہ نہ کھاؤ۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ منافقین تم میں فساد بڑھاتے ہیں **ما زادو کم الا خبالا**۔ ان غازیان صحابہ میں فساد تھا ہی کہاں جو وہ زیادہ کرتے۔

جواب: مفسرین نے اس اعتراض کے چند جواب دئے ہیں ۱۔ یہ منافقین تم میں خیر نہ بڑھاتے ان کی شرکت سے تمہارے حوصلے بلند قوت زیادہ دشمن پر ہیبت زیادہ نہ ہوتی بلکہ فساد بڑھاتے کہ تم کو آپس میں لڑاتے۔ کفار سے ڈراتے۔ مسلمانوں کی ہمتیں پست کرنے کی کوشش کرتے یعنی مستثنیٰ منقطع ہے ۲۔ تم میں کوئی چیز نہ بڑھاتے سوا فساد کے اسے متصل ہے اور مستثنیٰ منہ عام شئی ہے۔ ۳۔ تم میں کچھ منافق پہلے ہی تبوک میں موجود تھے جن کی موجودگی فساد کا باعث تھی۔ اب اگر یہ بھی پہنچ جاتے تو ان منافقین کا فساد اور بڑھ جاتا۔ کہ دونوں جماعتیں مل کر فساد پھیلاتیں۔ دیکھو تفسیر کبیر۔ خازن روح المعانی۔

دوسرا اعتراض: یہ مستثنیٰ منقطع نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے یعنی اس کا مستثنیٰ **منہ** پوشیدہ ہے اور مستثنیٰ منقطع مفرغ نہیں ہو سکتا دیکھو کتب نحو جواب۔ نحو کا یہ قائدہ تب ہے جب کہ کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ اگر قرینہ موجود ہو تو مستثنیٰ منقطع بھی مفرغ ہو سکتا ہے یہاں قرینہ موجود ہے۔ (روح المعانی)

تیسرا اعتراض: منافقین مسلمان تو تھے ہی نہیں پھر ان کے متعلق **فیکم** کیوں ارشاد ہوا یعنی اے مسلمانو تم ہی میں

جواب فیکم سے مراد ہے تمہاری جماعت میں نہ کہ تمہارے دین منافقین قومیت کے لحاظ سے مسلمان مانے جاتے تھے جیسے آج مرزائی یا چکڑالوی کہ مسلمان کی مردم شماری میں آتے ہیں۔ مگر دینی لحاظ سے نہ اس زمانے کے منافقین مومن تھے نہ آج کل کی مرتد قومیں۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا حتی جاء الحق یہاں تک کہ حق آیا۔ حق یعنی اسلام یا قرآن مجید یا حضور انور ﷺ کی ذات کریمہ تو پہلے ہی آچکے تھے۔ اب ان کے آنے کے کیا معنی۔

جواب: یہاں حق سے مراد طے شدہ پروگرام کی چیز ہے یعنی مسلمانوں کی فتح و حضور انور ﷺ کی شان عالی کا ظہور آپ ﷺ کا عام چرچہ جس پر منافقوں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ جس کے بعد وہ لوگ صرف جلتے بھنتے تو رہے مگر حضور انور ﷺ کے خلاف تدبیریں چھوڑ گئے۔ یہ چیزیں ان کی خفیہ تدبیروں کی انتہا ہی بنیں نہ کہ منافقت اور حسد اور دل کی جلن۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ کے متعلق صوفیاء کرام چند باتیں فرماتے ہیں ا غیر جنس نااہل کی صحبت رب تعالیٰ کا عذاب ہے ان سے الگ رہنا اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھو۔ ان آیات میں رب تعالیٰ نے اس کا احسان جتایا کہ منافقین کو تبوک میں جانے سے روک دیا۔ گرد و غبار کی صحبت جسم کو گندہ کرتی ہے اغیار کی صحبت دل کو میلا کرتی ہے ۲ ہمارے اندر ہمارے نفوس شیطان کے جاسوس ہیں اس لئے شیطان سے اور شیطانی لوگوں سے دور رہو۔ تاکہ نفس کو جاسوسی کرنے کا موقعہ ملے وفیکم سمعون لهم ۳ بروں کی دوستی سے نقصان ہی پہنچتا ہے فائدہ کبھی نہیں پہنچتا۔ دیکھو تبوک میں منافقوں کا جانا مسلمانوں کو نقصان دہ ہی ہوتا و لا ضعو خللکم۔ لوہار کی بھٹی کے پاس جانے سے کپڑے ہی کالے ہوں گے۔ ۴ جب رب کرم کرنا چاہے تو سب کی مخالفت کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ ظهر امر الله وهم كرهون ۵ شعر

چوں ترا اندر حریم خویش خوردہ داد شاہ ۔۔۔ از نفیر پردہ دار و طعن درباں غم مخو

جب بادشاہ اپنے محل میں تم کو بلائے تو چوبدار۔ دربان۔ کتے کی آوازیں تجھے روک نہیں سکتیں ۵ اگرچہ کبھی کفر کا شور بڑھ جائے مگر انجام کا زور ایمان کا ہی ظاہر ہوتا ہے کہ ارشاد حق ہوا جاء الحق و ظهر امر الله اے مومن کوشش کر تو دینی روحانی دشمن کی شکل بھی نہ دیکھے۔ چہ جائے کہ تو اس کا ہمنشین بنے۔ تیرا دل محبت اغیار سے خالی رہے اس میں محبت یار رہے مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

گر بہ بندی تو سر کوزہ تہی ۔۔۔ درمیان حوض دیا جوئے نہی

تا قیامت او فرنماید بہ پست ۔۔۔ کہ دلش خالی است وے و در باد ہست

میل باد شد چوں سوئے بالا بود ۔۔۔ ظرف خود را ہم سوئے بالا کشد

باز آں جاہا کہ جنس انبیاء است

سوئے ایشاں کش کشاں چو سایہ ہاست

جان ہاماں جانب قبطی شدہ ۔۔۔ جان موسیٰ جانب سبطی شدہ

معدہ خرکہ کشد دراجتناب معدہ آدم جذوب گندم اب

جس غبارہ میں ہوا بھری ہو۔ وہ سمندر میں نہیں ڈوبتا خواہ اسے کتنا ہی پانی میں دباؤ۔ ذرا سا موقعہ ملے تو ہوا میں اڑ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر ہوا بھری ہے جو خود اوپر جاتی ہے۔ اور اپنے برتن کو اوپر لے جاتی ہے۔ اگر تیرے دل میں محبت مصطفیٰ بھری ہے تو تو دنیا میں غرق نہیں ہوسکتا وہ محبت تجھے مدینہ پاک لے جائے گی دیکھو ہامان قبطیوں کی طرف جھکا اور موسیٰ علیہ السلام سبطیوں کی طرف۔ مٹی کوڑے سے بھرا ہوا برتن ہوا میں نہ اڑے گا۔ نیچے ہی گرے گا۔ منافقین غزوات میں جانے مدینہ پاک میں رہنے کے باوجود گئے اسفل السافلین میں کہ ان کے دل میں غلاظت تھی۔ حضرت بلال امیہ بن خلف کے پاس رہ کر بھی پہنچے حضور کے پاس کہ وہاں دل میں نور تھا۔ نور نور کے پاس پہنچا۔ صوفیائے فرماتے ہیں کہ چغل خوری۔ (نمامی) جاسوسی بڑے ہی جرم ہیں جن کی آیات میں برائی کی گئی ہے (از روح البیان)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۗ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اجازت دیجئے مجھے اور نہ فتنہ میں ڈالئے

اور ان میں سے کوئی تم سے یوں عرض کرتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ

سَقَطُوْا ۗ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝٤٩

مجھے خبردار وہ فتنہ میں پڑگئے اور دوزخ گھیرنے والی ہے کافروں کو

ڈالئے سن لو وہ فتنے میں ہی پڑے ہیں اور جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ گذشتہ آیات میں منافقین کے بہانوں کا اجمالاً ذکر ہوا اب اس کی تفصیل بیان ہورہی ہے کہ کیا بہانے بناتے ہیں گویا یہ آیت کریمہ گذشتہ آیات کی تفصیل ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کے جھوٹے بہانوں کا ذکر ہوا اب ان کے تمسخر دل لگی اور مذاق کا ذکر ہورہا ہے۔ جو وہ اسلام اور جہاد کے متعلق کیا کرتے تھے گویا ان کے ایک کفر کے بعد دوسرے کفر کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین جہاد سے بچنے کی تدبیریں کرتے ہیں اب ارشاد ہورہا ہے کہ وہ بدنصیب جہاد میں جانے کو فتنہ کہتے ہیں اور جہاد سے رہ جانے کو فتنہ سے حفاظت قرار دیتے ہیں۔!

شان نزول: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لئے روانگی کا قصد فرمایا تو ایک منافق جد ابن قیس کو بلا کر فرمایا کہ تو بھی چل۔ اس نے بطور عذر کہا یا رسول اللہ میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کا بڑا شیدائی ہوں۔ حسین عورتوں کو

دیکھ کر صبر نہیں کر سکتا ہوں اور جس قوم یعنی روم سے آپ جہاد کریں گے ان کی عورتیں بہت حسین ہیں۔ ممکن ہے کہ میں گناہ میں پھنس جاؤں۔ مجھ سے صبر نہ ہو سکے گا۔ اس لئے حضور مجھے فتنہ میں نہ پھنسائیں یہاں ہی چھوڑ جائیں۔ جس پر حضور انور نے فرمایا تو جا اس کے متعلق آیت کریمہ نازل ہوئی سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ اس کا صرف حیلہ بہانہ تھا وجہ صرف اس کی منافقت تھی۔ (خزائن العرفان۔ خازن' بیضاوی' کبیر' روح المعانی' روح البیان) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سخت گرمی یا اپنے گھر کے محفوظ ہونے کا بھی بہانہ کیا تھا۔ مگر لفظ فتنہ پہلے قول کی تائید فرماتا ہے۔

نوٹ ضروری: یہ جد ابن قیس وہ منحوس ہے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر حاضر ہوا تھا مگر بیعت الرضوان میں شریک نہ ہوا اپنے اونٹ کے پیچھے چھپ رہا۔ یعنی ایسے موقعہ مبارک سے فائدہ نہ اٹھایا محروم رہا (تفسیر صاوی)

تفسیر: **ومنهم من يقول ائذن لی** یہ فرمان عالی نیا ہے جس میں جد ابن قیس کی حرکت کا ذکر ہے ھم کا مرجع منافقین ہیں جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے۔ **یقول** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا یا آپ کے حکم کے متعلق بہانہ کرنا۔ اذن سے مراد مدینہ منورہ میں رہ جانے تبوک میں نہ جانے کی اجازت دینا ہے یعنی ان منافقین میں بعض وہ بھی ہیں جو ایسے نادر موقعہ پر کہتے ہیں کہ یارسول اللہ مجھے مدینہ رہ جانے کی اجازت دے دیں۔ **ولا تفتنی** یہ فرمان عالی معطوف ہے اذان کی پر **افتان** کے معنی ہیں فتنہ میں پڑنا اور فتنہ میں ڈالنا یعنی یہ لازم ہے اور متعدی بھی۔ یہاں متعدی ہے کیونکہ اس کے ساتھ مفعول یہ ذکر ہے۔ فتنہ کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں ۱۔ مجھے چلنے کا حکم نہ دیں۔ کیونکہ میں نے ہرگز نہیں جانا۔ اگر آپ حکم دیں گے تو میں حکم کی مخالفت کی وجہ سے گناہ گار ہو جاؤں گا لہذا آپ مجھے گناہ گار نہ کریں فتنہ بمعنی گناہ ۲۔ میرا گھر محفوظ ہے اگر مجھے لے چلے تو میرا گھر برباد ہو جاوے گا۔ مجھے برباد نہ کریں۔ فتنہ بمعنی بربادی ۳۔ گرمی بہت سخت ہے راستہ دراز مجھے ہلاک نہ کریں فتنہ بمعنی ہلاکت ۴۔ میں عاشق مزاج ہوں رومیوں کی عورتوں کو دیکھوں گا تو اس میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ مجھے حرام میں مبتلا نہ کریں۔ فتنہ بمعنی فحش کام (کبیر' بیضاوی روح البیان وغیرہ) آخری معنی شان نزول کے مطابق ہیں۔ **الا فی الفتنة سقطوا** ۔ یہ فرمان عالی جد ابن قیس کا جواب ہے یہاں! فتنہ سے مراد کفر یا گناہ یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے یعنی وہ تو کہتا ہے کہ جہاد تبوک میں جانا میرے لئے فتنہ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں رہنا فتنہ ہے۔ خیال رہے کہ الفتنہ سے مراد بڑی بھاری فتنہ ہے سقوط کے معنی گرنا۔ یعنی یہ لوگ اب بڑے بھاری فتنہ میں گر گئے کیونکہ اب ان کا مدینہ میں رہنا محبوب کی ناراضی کا باعث ہے جو بدترین جرم ہے اس کی سزا دنیا میں بھی ملے گی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں یہ کہ اب ان کا نفاق ظاہر ہو جاوے گا۔ تاقیامت بدنام ہوں گے ہر جگہ ان کے برے چرچے رہیں گے اور آخرت میں یہ کہ۔ **وان جهنم لمحيطة بالكافرين** ۔ اس فرمان عالی میں آئندہ کی خبر ہے یعنی موت یا بعد قیامت کفار کو دوزخ گھیرے ہوئے ہوگی۔ زمانہ میں بھی کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور یہ بھی اس میں یا ہر طرف سے انہیں دوزخ گھیرے گی کہ ان کے جسم و دماغ اور دل پر دوزخ چھا جائے گی بخلاف گناہ گار مومن کے کہ اگر وہ دوزخ میں گیا تب بھی نہ تو اس میں ہمیشہ رہے گا نہ اس کے دل و دماغ اور اعضاء سجدے پر دوزخ چھائے لہذا وہ زمانہ اور جہت میں دوزخ

کے گھیرے میں نہ ہوگا۔ دوزخ میں جانا، وہاں رہنا گھیرا جانا ان سب میں بڑا فرق ہے دوزخ میں جانا مومن متقی کے لئے بھی ہوگا۔ کہ وہ دوزخی مسلمان کو وہاں سے نکالنے کے لئے وہاں جائیں گے۔ الکافرین فرما کر یہ بتایا کہ منافقین اگرچہ کلمہ پڑھیں نمازیں ادا کریں زکوۃ دیں حج کریں۔ جہاد میں جائیں مگر ہیں نرے کافر انہیں کی طرح ہمیشہ اور ہر طرح دوزخ میں رہیں گے اس لئے مبہم نہ فرمایا۔ بالکافرین فرمایا۔ الکافرین میں الف لام یا تو عہدی ہے یا جنسی یا استغراقی یعنی ان کافروں (منافقوں) کو دوزخ ہر طرح گھیرے گی یا سارے کافروں کو دوزخ گھیرے گی کہ وہاں سے کبھی نکل نہ سکیں گے۔

خلاصہ تفسیر: ان منافقین میں بعض ایسے بے غیرت ہیں کہ جب ان کو ہمارے محبوب غزوہ تبوک کی طرف چلنے کا حکم دیں تو وہ بے دھڑک سب کے سامنے کہہ دیتے کہ حضور مجھے مدینہ میں رہ جانے کی اجازت دے دیں مجھے وہاں لے جا کر فتنہ میں نہ ڈالیں میرے لئے اس جہاد میں جانا فتنہ ہے۔ مدینہ میں رہ جانا امن ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ راستہ دور ہے گرمی سخت ہے مجھے جانے میں سخت تکلیف ہوگی ممکن ہے کہ اس تکلیف کی وجہ سے کچھ کفر بک دوں۔ برداشت نہ کرسکوں۔ دوسرے یہ کہ میرا گھر غیر محفوظ ہے ہوسکتا ہے کہ میں ادھر جاؤں ادھر میرا گھر بار لٹ جاوے اور میں یہ حال دیکھ کر کافر ہو جاؤں تیسرے یہ کہ مجھے عورتوں کی بہت رغبت ہے حسین عورت دیکھ کر مچل جاتا ہوں۔ شعر

مچل جاتا ہے دل میرا جہاں کوئی حسین دیکھا زمانہ میں کوئی عاشق مزاج ایسا نہیں دیکھا

وہاں رومیوں سے مقابلہ ہے جن کی عورتیں حسینہ جمیلہ ہیں ممکن ہے کہ میں انہیں دیکھ کر زنا میں پھنس جاؤں اس لئے آپ مجھے روانگی کا حکم نہ دیں کیوں کہ وہاں جانا ہے نہیں۔ اگر آپ مجھے حکم دیں گے تب بھی میں نہیں جاؤں گا۔ اور آپ کا حکم نہ مان کر گناہ گار ہو جاؤں گا۔ اس لئے آپ مجھے حکم دیں ہی نہیں تا کہ میں اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ اے مسلمانو خبردار رہو کہ یہ بڑے سے بڑے فتنہ میں واقع ہو چکے ہیں۔ حضور انور کا نہ ماننا۔ جہاد میں نہ جانا۔ جب حضور انور راضی نہ ہوں تو مدینہ میں رہ جانا جھوٹ بولنا وہ بھی حضور انور کے سامنے کہ میرا گھر غیر محفوظ ہے دین کا مذاق اڑانا کہ عورتوں پر فریفتہ ہوں یہ سب فتنہ ہی تو ہے جس سے ان کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ وہ تا قیامت بدنام ہوں گے اور آخرت میں دوزخ انہیں ہر طرح گھیرے گی کہ ان کے جسم دل و دماغ دل پر ہمیشہ کے لئے چھا جائے گی۔ یہ بدترین کافر ہیں:۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: گناہ کی اجازت مانگنا کفر ہے کہ اس میں حرام کو حلال جاننا ہے یہ فائدہ ائذن لی سے حاصل ہوا۔ کہ اس وقت ان کے لئے جہاد میں نہ جانا حرام تھا اور وہ اس کی اجازت مانگتے تھے۔ یہ ہوا کہ کفر اس لئے آگے بالکافرین فرمایا گیا۔

دوسرا فائدہ: دین کا مذاق اڑانا کفر ہے یہ فائدہ لاتفتنی کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ فتنہ سے مراد ہو زنا۔ اور اجنبی عورتوں سے عشق کہ اس نے یہ بکواس بطور مذاق کی تھی اسے رب نے کفر قرار دیا کہ فرمایا۔ بالکافرین

تیسرا فائدہ: حضور انور سے یہ ہی کہا کہ مجھے جہاد کی روانگی کا حکم دے کر فتنہ میں واقع نہ کریں۔ اسے رب تعالیٰ نے کفر

فرمایا۔

چوتھا فائدہ: حضور انور کے سامنے جھوٹ بولنا یہ سمجھ کر کہ آپ میرے جھوٹ کو مان لیں گے آپ پر میرا داؤ چل جائے گا یہ کفر ہے۔ یہ فائدہ لا تفتنی کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ جب اس سے مراد گھر کا غیر محفوظ ہونا ہوا اسے رب نے کفر قرار دیا کہ۔ بالکافرین

پانچواں فائدہ: حضور انور سے یہ عرض کرنا کہ آپ مجھے حکم دیں یا نہ دیں میں نے یہ کام کرنا نہیں لہذا بہتر ہے کہ حکم نہ دیں یہ بھی کفر ہے ان کا ہر حکم واجب العمل ہے وہ ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہیں یہ فائدہ لا تفتنی کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس سے مراد ہے حکم نہ ماننا جیسا کہ ابھی تفسیر میں گذرا۔

چھٹا فائدہ: حضور انور کی مرضی کے بغیر مدینہ منورہ میں رہنا حرام بلکہ کفر ہے ایمان ان کی رضا کا نام ہے وہ ہم سے جہاں رہنے میں راضی ہوں وہاں ہی رہو۔ یہ فائدہ **فی الفتنہ سقطوا** سے حاصل ہوا۔ کہ منافق کہ مدینہ منورہ میں رہنے کو فتنہ یعنی کفر قرار دیا۔

میرا واقعہ: میں اس سال یعنی ۱۳۸۹ھ ۱۹۷۰ء کو حج کے لئے حاضر ہوا ساڑھے چار ماہ مدینہ منورہ میں حاضری نصیب ہوئی تین ماہ دس دن حج سے پہلے اور ایک ماہ پانچ دن حج کے بعد میرا ارادہ ہوا کہ ایک ماہ مدینہ میں اور حاضر رہوں کیونکہ ہوائی جہاز کا ٹکٹ ایک سال کی واپسی کا تھا۔ چاہا کہ بجائے ۱۵ اپریل کے ۵ مئی کو جاؤں یہ دل ہی میں خیال تھا کہ حیدر آباد دکن کے ایک صاحب حاجی عبداللہ نے مجھ سے کہا کہ کیا آپ ایک ماہ اور رہنا چاہتے ہیں میں نے کہا ہاں فرمایا نہیں اب جاؤ۔ حضور انور کی مرضی یہ ہے کہ گجرات رہو اور تفسیر نعیمی پوری کرو۔ میں نے کہا بہت اچھا چنانچہ میں ۵ اپریل کو ہوائی جہاز میں آ گیا۔ اور مجھے گجرات میں رہنا اس لئے پیارا ہے کہ میرے محبوب اس میں راضی ہیں۔ ہاں تمنا ہے کہ بلاتے رہیں اور فقیر کو اب امید ہے کہ اس تفسیر کی تکمیل کی توفیق ملے گی انشاء اللہ۔

ساتواں فائدہ: مومن گناہ گار اگرچہ عارضی طور پر دوزخ جائیں مگر نہ تو وہاں ہمیشہ رہیں گے دوزخ ان کے ہر عضو پر چھائے ان کا دل و دماغ اعضاء سجدہ آگ سے محفوظ رہیں گے۔

یہ فائدہ **لمحیط بالکافرین** سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: منافقین بدترین کافر ہیں کیونکہ بعض کافر وہ بھی ہیں جو دوزخ سے دور رکھے جائیں گے انہیں صرف وہاں گرمی پہنچے گی مگر منافق ہر صورت دوزخ ہی میں رہیں گے۔ اس طرح کہ دوزخ انہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔ یہ فائدہ الکافرین کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس میں الف لام عہدی ہو اور اس سے مراد منافق کافر ہوں۔

نواں فائدہ: مومن میں شرم و حیا ہے کافر و منافق میں بے شرمی بے حیائی۔ الحیاء شعبۃ من الایمان۔ دیکھو جد ابن قیس نے حضور انور کی بارگاہ میں تمام صحابہ کرام کے سامنے ایسی بے غیرتی کی بات کی جو شریف حیادار انسان کہہ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنا خوف نبی کی شرم نصیب فرمائے شعر ۔

دن لہو میں کھونا تجھے شب نیند بھر سونا تجھے
شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

پہلا اعتراض: منافقین حضور انور کے سامنے ایسی بکواس کر جاتے تھے مگر حضرات صحابہ ان سے کچھ نہ کہتے تھے۔ ان کی غیرت کو کیا ہوا تھا آج کوئی شخص حضور انور کے متعلق ایسی بکواس کرے تو مسلمان اس کی جان لے لیں۔

جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی۔

پہلا جواب: الزامی تو یہ ہے کہ ابلیس نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی بکواس **خلقتنی من نار و خلقته من طین** مگر فرشتے سنتے رہے، کچھ نہ بولے اس کی کیا وجہ تھی۔

دوسرا جواب: الزامی یہ ہے کہ اس وقت رب نے بھی کچھ نہ کہا انہیں عذاب دیا۔ دربار غیرت الٰہی جوش میں کیوں نہ آیا۔

جواب تحقیقی: یہ ہے کہ اس وقت حالات ہی ایسے تھے کہ ان باتوں پر قتل کیا جاوے ورنہ دوسرے ممالک میں خبر اڑ جاتی کہ مسلمان تو مسلمانوں کو ہی قتل کرتے ہیں ان میں آپس میں جنگ ہے تو دوسری قوموں پر سے رعب بھی جاتا رہتا اور لوگ مسلمان ہونے کی ہمت نہ کرتے بہت دفعہ حضرت عمر نے ایسے گستاخوں کے قتل کی اجازت مانگی مگر حضور انور نے منع فرمایا۔ حضرت عمر کے زمانہ میں اعلان کیا گیا کہ نفاق حضور انور کے وقت ہی عذاب یا کفر ہے یا اسلام یعنی کسی منافق کو معاف نہ کیا جاوے گا۔ (مشکوٰۃ باب الکبائر) کیونکہ اب حالات بدل گئے تھے۔

دوسرا اعتراض: جب جد ابن قیس کو تبوک میں جانا ہی نہ تھا تو حضور سے اجازت کیوں مانگتے تھے کیوں کہتے تھے اذن لی۔

جواب: تاکہ ان کا نفاق مسلمانوں پر ظاہر نہ ہو جاوے اور وہ مطعون نہ ہو جاویں۔ ان کا اجازت مانگنا رب کے خوف سے نہ تھا۔ لوگوں کے ڈر سے **لانتم اشد رهبة فی صدورهم من الله**

تیسرا اعتراض: یہاں منافقین کے متعلق فرمایا **الا فی الفتنة سقطوا** کہ وہ فتنہ میں واقع ہو گئے وہ تو پہلے سے ہی فتنہ میں مبتلا تھے۔ اب واقع ہونے کو کیا معنی

جواب: ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ تو پہلے سے ہی فتنہ یعنی کفر میں پڑے ہوئے ہیں **سقطوا** ماضی ہے دوسرے یہ کہ اب فتنہ میں پڑ گئے تو فتنہ سے مراد ہے ان کے نفاق کا کھل جانا۔ تا قیامت ان کا تمام دنیا میں بدنام ہو جانا۔ دیکھو جد ابن قیس پر اب چودہ سو برس کے بعد پھٹکار پڑ رہی ہے۔ شعر

قسم خدا کی نہ وہ اٹھ سکا قیامت تک کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کے چھوڑ دیا

تفسیر صوفیانہ: حضور انور سے کسی کام کی اجازت مانگنا مومنوں کے لئے زیادتی درجات کا باعث ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے مختار نبی ہمارے مالک و مختار ہیں اجازت حضور کی ہو تو کام ہمارا ہو مگر منافقین کے لئے یہ ہی اجازت مانگنا زیادتی کفر کا ذریعہ ہوئی کہ وہ یہ حرکات دھوکا دینے کے لئے کرتے تھے چیز ایک ہے مگر نیت کے اختلاف سے ان کے نتیجے

مختلف حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ عرض کرنا کہ مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے سخت بدتمیزی اور کفر ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کو فتنہ سے نکالنے کے لئے آئے ہیں حضور کا دامن فتنوں سے امان کی جگہ ہے۔ شعر

ان فقہاء حشد سے کہہ دو عذر کریں

نازوں کے پالے آتے ہیں رہ سے گذر کریں

اس لئے رب نے فرمایا کہ منافقین اپنی اس بکواس کی وجہ سے فتنہ میں پڑ گئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ کہ حضور کی رضا سے مدینہ منورہ میں رہنا اللہ کی رحمت ہے۔ مگر حضور کو ناراض کر کے مدینہ میں رہنا فتنہ ہے رب نے منافقوں کے مدینہ میں رہ جانے کو فتنہ میں گرنا فرمایا اگر وہ کرم کریں تو دوسری جگہ کو مدینہ بنا دیں کہ بندہ وہاں رہ کر مدینہ منورہ کے انوار دیکھے۔ اگر کرم نہ ہو تو مدینہ منورہ بھی اس کے لئے مدینہ نہ رہے۔ منافقین کو دنیا میں بھی دوزخ گھیرے ہوئے ہے کہ ہر کام دوزخیوں کے سے کرتے تھے البتہ اس گھیرنے کا ظہور بعد قیامت ہوگا۔ بخیل مال سے بخیل جان بدتر ہے۔ جو دینی ضرورت کے وقت اپنی جان کی قربانی پیش نہ کر دے۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ
اگر پہنچے تم کو کوئی بھلائی تو غمگین کرے ان کو اور اگر پہنچے تم کو کوئی تکلیف تو کہیں کہ
اگر تمہیں بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں
اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ قُلْ لَّنْ
بے شک اختیار کر لیا تھا ہم نے اپنا کام پہلے سے اور لوٹیں وہ حالانکہ وہ خوش و خرم ہوں
ہم نے اپنا کام پہلے ہی ٹھیک کر لیا تھا اور خوشیاں مناتے پھر جائیں تم فرماؤ
يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
تم فرماؤ ہرگز نہیں پہنچے گا ہم کو مگر وہ جو لکھا اللہ نے واسطے ہمارے وہ والی ہے ہمارا اور
ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا وہ ہمارا مولیٰ ہے اور مسلمانوں کو
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾
اللہ پر ہی پس چاہئے کہ بھروسہ کریں ایمان والے
اللہ پر بھروسہ چاہئے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں منافقت کی بدکلامی کا ذکر ہوا اب ان کی بدنیتی کا تذکرہ ہے گویا زبان کے بعد دل کی حالت

بیان فرمائی جارہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ منافقین جہاد میں جانے کو زبان سے فتنہ کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں رہ جانے کو امان اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ دل میں اپنی اس حرکت کو احتیاط دانائی عقلمندی سمجھتے ہیں۔ قد اخذنا امرنا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی زبان سے عداوت مسلمین کا ذکر ہوا۔ جو دوستی کے رنگ میں ظاہر ہوتی تھی۔ اب ان کی دلی دشمنی کا تذکرہ کہ وہ مسلمانوں کی بھلائی سے غمگین ہوتے ہیں اور ان کی تکلیف سے خوش۔

شان نزول: ابن ابی حاتم نے حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت کی کہ جب مسلمان غزوہ تبوک کو روانہ ہو گئے اور منافقین بہانے بنا کر رہ گئے تو ان کے سرداران نے خبر اڑادی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سفر کی شدت گرمی کی زیادتی کی وجہ سے راستہ میں ہی شہید ہو گئے۔ اس خبر پر دوسرے منافقوں نے خوب خوشی منائی اور زبان سے وہ باتیں کیں جو اس آیت میں مذکور ہیں مگر بعد میں پتہ لگا کہ وہ کچھ غلط تھا حضور انور ﷺ مع اپنے صحابہ بخیریت ہیں تبوک میں جنگ ہوئی ہی نہیں بلکہ رومیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ حضور انور ﷺ کو ہدیئے سوغاتیں پیش کیں اس پر ان کو سخت صدمہ ہوا پھر بعد کو سرکار حضور سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ بخیریت تمام واپس آئے تو یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئیں اور وہ سب بہت ہی شرمندہ اور بدنام ہوئے۔ روح المعانی)

تفسیر: ان تصبک حسنۃ تسوھم۔ ظاہر یہ ہے کہ اس فرمان عالی میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور حسنۃ سے مراد مطلقاً ظاہری بھلائی ہے کفار کا ہتھیار ڈال دینا جزیہ قبول کر لینا یا غزوہ میں فتح پانا غنیمت حاصل ہو جانا جیسے غزوہ بدر وغیرہ میں ہوا کہ اگرچہ شان نزول خاص ہے۔ مگر آیۃ کریمہ کے الفاظ عام۔ الفاظ آیۃ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے تو منافقین کو بڑی بری لگتی ہے۔ وان تصبک مصیبۃ یہ معطوف ہے ان تصبک (الخ) پر اس میں بھی خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور مصیبت سے اپنی شکست میں قدم اکھڑ جانا مراد نہیں کیونکہ حضور انور ﷺ کے کسی جنگ میں قدم نہ اکھڑے نہ آپ ﷺ نے کبھی کفار کو پیٹھ دکھائی جو یہ کہے اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر نہ کرے تو قتل کیا جاوے کہ وہ حضور انور ﷺ کی سخت توہین کرتا ہے۔ (روح البیان) جیسے حضور ﷺ سب سے بڑھ کر تقی عالم عابد عارف ہیں۔ یوں ہی حضور ﷺ شجع الاشجعین تمام بہادروں سے بڑھ کر بہادر ہیں۔ آپ ﷺ جیسا بہادر شجاع آسمان کی آنکھوں نے نہ دیکھا۔ بلکہ غزوہ میں ظاہری فتح حاصل نہ ہونا حضرات صحابہ کی تکلیف دیکھ کر قلب پاک کو رنج پہنچنا مراد ہے عزیز علیہ ما عنتم۔ خیال رہے کہ یہاں حسنۃ کے مقابل مصیبۃ فرمایا گیا۔ اور سورۂ آل عمران میں حسنۃ کے مقابل سیئۃ ارشاد ہوا کیونکہ وہاں خطاب مومنین سے ہے اور یہاں خطاب محبوب رب العالمین سے۔ سیئۃ کے معنی گناہ بھی ہیں رب نے محبوب کیلئے وہ لفظ ارشاد فرمایا۔ جس کے ایک معنی حضور ﷺ کی شان کے خلاف ہوں۔ یعنی سیئہ۔ نیز یہ بتایا گیا کہ یہ مصیبت بھی حضور ﷺ کے لئے اور حضور ﷺ کے صدقہ مسلمانوں کے لئے بھلائی ہے کیونکہ ثواب اس پر بھی ملتا ہے۔ جیت گئے تو غازی مارے گئے تو شہید۔ لٹ گئے تو روزہ

لوٹ لائے تو عید۔ (از تفسیر صاوی وروح البیان) نیز غزوہ میں ظاہری شکست کو بعض مسلمان سیہ سمجھتے تھے۔ حضور انور ﷺ نے اسے مصیبت تو جانا سیہ (صاوی) ان وجوہ سے حسنہ کے مقابل یہاں مصیبت فرمایا اور نہ حسنہ کا مقابل سیہ ہوتا ہے یعنی بھلائی کا مقابل برائی۔ یقولوا قد اخذنا امرنا من قبل۔ یہ جزا ہے۔ وان تصبک (الخ) کی یقولوا سے مراد یا منافقین کا آپس میں ایک دوسرے کو کہنا ہے یا غازیان تبوک کے بال بچوں اور ضعفاء مومنین سے کہنا ہے اخذنا سے مراد اختیار کرنا امرنا سے مراد ہے اپنی احتیاط یا دو طرفہ پالیسی کونسی پالیسی یا تبوک میں نہ جانا یا مسلمانوں سے منہ اور زبان سے ملے رہنا اور کفار سے دل وجان سے محبت رکھنا۔ دونوں کے دوست رہنا اور صلح کل بننا من قبل سے مراد غزوہ تبوک سے پہلے ہے یا اول امر کے جب اسلام کا سورج مدینہ پر طلوع ہوا تو یہ لوگ دو طرفہ دوستی کرتے رہے۔ یہ تو ان کی بکواس کا بیان ہوا۔ رہا دل اس کا حال یہ ہے کہ ویتولو وھم فرحون۔ یہ فرمان عالی ہے۔ یتولوا پر تولی سے مراد لوگوں کا مجلسوں سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہونا۔ فرحت سے وہ خوشی مراد ہے جو کفر ہے یعنی یہ باتیں کر کے جب اپنی مجلسوں سے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو بہت خوش خوش۔

خیال رہے: کہ یہاں طرز بیان میں فرق ہے کہ حسنہ کے متعلق ارشاد ہوا تسؤھم مگر مسلمانوں کی تکلیف کے متعلق فرمایا گیا۔ یتولوا (الخ) فھم فرحون جملہ اسمیہ تاکہ معلوم ہو تمہاری مصیبت پر انہیں بڑی اور دائمی خوشی ہوتی ہے اور وہ اب نفاق کی اس حالت پر پہنچ گئے ہیں کہ ان کے ایمان کی طرف لوٹنے کی امید ہی نہیں اگر تسرھم فرمایا جاتا تو یہ فائدے حاصل نہ ہوتے۔ (روح المعانی)

قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا۔ اس فرمان عالی میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے قل کے بعد لھم پوشیدہ ہے یعنی منافقوں سے آپ ﷺ فرمادیں کتب سے مراد ہے لوح محفوظ میں تحریر فرمادینا ہے۔ ما سے مراد ہر فتح و شکست رنج وغم بھی اللہ کی رحمت ہے۔ جس پر ثواب ملنے کی قوی امید ہے اس لئے لنا فرمایا گیا۔ جس میں لام نفع کا ہے اس لئے آگے ارشاد ہوا ھو مولانا وہ اللہ ہمارا مولی ہمارا والی وارث ہے وہ ہمارے لئے جو بھی کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے فتح وخوشی دیتا ہے تو ہم کو شاکر بنانے کے لئے اور شکست وغم ہم کو صابر بنانے کے لئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اے منافقو تمہارے جانے نہ جانے تمہاری مدد کرنے نہ کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جو ہمارے رب نے ہمارے متعلق اپنا فیصلہ کر دیا۔ وہی ہوگا۔ اور انشاء اللہ ہمارے لئے اچھا ہی ہوگا۔ لفظ مولی کی تحقیق سورہ بقرہ کے آخر میں انت مولانا کی تفسیر میں ہو چکی کہ یہ لفظ یا تو ولی سے بنا ہے بمعنی دوستی ومحبت یا ولایت سے اس لحاظ سے ارشاد نبوی ہے اللہ مولانا ولا مولی لکم یعنی اے کافرو اللہ ہمارا دوست ہے تمہارا نہیں۔ وعلی اللہ فلیتو کل المومنون ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی رب تعالیٰ کلام ہے۔ اس میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ حضور انور ﷺ کا کلام ہو۔ خطاب منافقین سے ہو یعنی محبوب ہم آپ ﷺ سے کہتے ہیں یا آپ ﷺ ان منافقوں سے کہدیں کہ مومنوں کو چاہئے کہ صرف رب تعالیٰ پر ہی بھروسہ کریں توکل کے معنی اور اس کے اقسام عوام کا توکل خواص کا توکل اور حضرات انبیاء کرام کا توکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توکل ان سب کی

تفصیل ہم بارہا عرض کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ ان منافقوں کی بد باطنی اس حد تک ہے کہ آپ ﷺ کو بھلائی فتح۔ غنیمت کفار کا جھک جانا آپ ﷺ کی عزت شان وشوکت کا ظہور پہنچے تو انہیں غمگین کرے یہ حسد سے جل کر خاک ہو جاویں اور اگر آپ ﷺ کو کوئی تکلیف مثلاً جہادوں میں بظاہر غلبہ نہ ہونا مسلمانوں کے قدم اکھڑ جانا وغیرہ پہنچے تو یہ خوشی میں دو کام کرتے ہیں یہ کہ اپنی مجلسوں میں فخریہ کہتے کہ ہم نے تو پہلے ہی سے اپنے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر کر لی تھیں کہ ہم اس جہاد میں گئے نہیں یا ہم نے ان سے مل کر کفار کو ناراض نہیں کیا بلکہ زبانی طور پر ان سے تعلق رکھا۔ دلی طور پر کفار سے ملے رہے ہماری پولیسی بہت گہری ہے دوسرے یہ کہ جب مجلس سے اپنے گھروں کی طرف لوٹیں تو دل خوش لوٹیں خوشیاں مناتے ہوئے جائیں۔ آپ ﷺ ان بدنصیبوں سے فرمادیں کہ اے منافقو جہاد میں تمہارے جانے نہ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمیں وہ ہی پہنچے گا جو لوح محفوظ میں ہمارے مقدر میں لکھا جا چکا ہے کہ وہ انشاء اللہ ہمارے لئے مفید ہی ہوگا۔ راحت میں ہم شاکر بنیں گے۔ مصیبت میں صابر۔ شکر وصبر دونوں درجے ہم کو ملیں گے۔ کیونکہ رب تعالیٰ ہمارا دوست ہمارا والی ہے دوست اور والی اپنے بندوں پر کرم کرتا ہے۔ تم اپنی خیر مناؤ کہ تم جہاد میں جاؤ تو بے ایمان گھر میں رہو تو بدنام مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ چاہیے۔ شعر۔

کار خود را بخدائے بسپار کہ نمی بینم ازیں بہتر کار

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ ان کے صحابہ بلکہ ان کی امت کو نعمت ملنے پر رنجیدہ ہونا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ ان تصبک حسنۃ (الخ) سے حاصل ہوا۔ خدا توفیق دے تو ان کی خوشی میں برابر کے ان میں شریک رہو۔

دوسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی کامیابی پر بہت ہی خوشی ہوتی ہے یہ فائدہ اشارۃً ان تصبک حسنۃ (الخ) سے حاصل ہوا کہ حسنہ سے مراد مسلمانوں کا جنگ میں فتح پانا حضور انور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی تمام بھلائیاں پہلے ہی عطا فرمادیں تھیں۔

خیال رہے: کہ حضور انور ﷺ کے سارے جہاد اپنا راج قائم کرنے ملک جیتنے کے لئے نہ تھے۔ ان کا راج تو زمین و آسمان پر پہلے سے ہی قائم ہے حور وغلمان جن وانس ان کے در کے سلامی ہیں۔ شعر۔

بندگانش حور و غلمان و ملک چاکرانش سبز پوشان فلک
روح اسماعیل بر رویش فدا از دعا گویاں خلیل مجتبے (اعلیحضرت)

بلکہ حضور ﷺ کے جہاد کے دو مقصد تھے۔ کفار کو ایمان بخشنا۔ مسلمانوں کو دینی آزادی عطا فرمانا۔ یہ بات خیال رہے۔

تیسرا فائدہ: حضرات صحابہ بلکہ مسلمانون کے غم کی پرواہ نہ کرنا بے غیرتی ہے۔ اس پر خوشی منانا کبھی کفر ہے۔ یہ فائدہ وان تصبک مصیبۃ (الخ) سے حاصل ہوا۔ مسلمان ایک دوسرے کے خوشی وغم میں شریک رہیں۔ ایک عضو میں دکھ ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے۔ جس عضو کو قرار رہے وہ بیکار ہوتا ہے۔ یعنی سوکھا ہوا۔

چوتھا فائدہ: راہ خدا کی تکلیف سے بچنے کی کوشش کرنا منافقوں کی علامت ہے اسے اپنی سیاسی چال یا احتیاط سمجھنا دلی بیماری ہے اس کی راہ میں تکلیف برداشت کرنا فائدہ ہے۔ جو راہ خدا میں زیادہ خرچ کرے وہ نفع میں ہے اور جو کم خرچ کرے وہ نقصان میں یہ فائدہ یقولوا قد اخذنا (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس کا مزہ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے پوچھو کون حسین۔ شعر۔

جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین   جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ نہ کھویا وہ حسین

پانچواں فائدہ: موجودہ زمانہ کی سیاست وہی ہے جسے اس زمانہ پاک میں منافقت کہتے تھے چال و چالاکی سے اپنے کو بچالینا۔ دوسرے کو پھنسا دینا۔ اس پر خوش ہونا۔ یہ فائدہ وھم فرحون سے حاصل ہوا۔ روایۃ تواریخ میں ہے کہ غزوہ تبوک کی روانگی کے موقعہ پر ایک صحابی غالباً حضرت طلحہ سفر میں تھے۔ جب واپس آئے تو دھوپ تیز تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اپنے باغ میں ان کا مکان تھا۔ پہنچے تو دیکھا کہ سایہ دار گھنے باغ میں گھر کے اندر گوشت کی ہانڈی چولہے پر ہے بیوی حاضر ہے مگر سواری پر ہی پوچھا کہ جناب مصطفیٰ کہاں ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ بیوی صاحبہ نے عرض کیا غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے ہیں بولے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور انور ﷺ دھوپ کے میدان میں ہوں میں گھنے باغ کے سایہ میں حضور انور ﷺ چھاگل کا گرم پانی پی رہے ہوں اور میں یہاں خمیری روٹی بھنے گوشت سے کھاؤں۔ یہ کہا اور سواری کی لگام تبوک کی طرف پھیر دی اترے بھی نہیں کچھ آگے گئے تو حضور انور ﷺ مع صحابہ کرام کے آتے ہوئے ملے۔ خوش و خرم حضور ﷺ کے ساتھ واپس آئے خوشی اصلی یہ ہے۔ اللہ نصیب کرے۔ شعر

لی ہجی عربی کی و مدنی قرشی   کہ بود رنج و غمش مایہ شادی و خوشی

حضور ﷺ کے غم پر خوشی منانا کفر ہے۔ ان کی خوشی میں شرکت کرنا ایمان ہے۔

چھٹا فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ ہر رنج و خوشی آرام و تکلیف رب تعالیٰ کی طرف سے جانے۔ اس سے اس خوشی میں فخر اور غم میں بے صبری نہیں ہوگی سمجھے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہو رہا ہے یہ فائدہ۔ لن یصیبنا الا ما کتب (الخ) سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: مومن کی لئے فتح و شکست شادی و غم سب مفید ہے ان میں سے کوئی چیز مضر نہیں۔ یہ فائدہ کتب اللہ لنا سے حاصل ہوا۔ لنا میں لام نفع کا ہے۔ فتح میں شاکر ہو شکست میں صابر۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ خالق۔ رازق مالک سب کا ہے مگر مولیٰ صرف مسلمانوں کا۔ کافروں کا نہیں یہ فائدہ۔ ھو مولانا سے حاصل ہوا۔ مولیٰ بمعنی دوست یا بمعنی والی و ناصر حضور انور ﷺ نے غزوہ احد میں کفار سے فرمایا تھا اللہ مولانا ولا مولی لکم

نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ جب مسلمانوں کا مولیٰ ہے تو وہ ان پر جو کچھ بھیجتا ہے اس میں صدہا حکمتیں رحمتیں ہوتی ہیں۔ مومن کے لئے اس کی بھیجی ہوئی بیماری بھی اچھی صحت بھی اچھی۔ یہ فائدہ بھی مولانا سے حاصل ہوا۔ شعر۔

تمہارے ہاتھ کے کنکر بھی اچھے میرے مولا تیرے پتھر بھی اچھے
رگ دل میں تیرے نشتر بھی اچھے

ناخوش او خوش بود درجان من! جان فدائے یار دل رنجان من

دسواں فائدہ: مومن کو چاہئے کہ اگرچہ اسباب پر عمل کرے مگر بھروسہ صرف رب تعالیٰ پر رکھے یہ فائدہ وعلی اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حسنہ کا مقابلہ مصیبت سے کیا گیا حالانکہ حسنہ کا مقابلہ سیئہ سے ہوتا ہے۔ حسنہ بھلائی سیئہ برائی سورہ آل عمران میں یہ مقابلہ کیا بھی گیا ہے اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس طرز بیان سے مسلمانوں کو رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب سکھایا کہ حضور انور ﷺ کے لئے ایسا لفظ استعمال نہ کریں جس کے معنی ہلکے اس بارگاہ کے لائق نہ ہو۔ سیئہ کے معنی برائی یعنی گناہ بھی آتے ہیں وکفر سیئاتنا۔ لہٰذا بجائے سیئہ کے مصیبت ارشاد ہوا۔ آل عمران میں خطاب حضور انور ﷺ سے نہیں۔ حضرات صحابہ سے ہے۔ رب فرماتا ہے **لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا۔**

لطیفہ: مامون رشید چھوٹا بچہ تھا کہ اپنے باپ ہارون رشید کے پاس بہت سی مسواکوں کا بنڈل رکھا دیکھا باپ نے پوچھا بنی ماھذا۔ بیٹے یہ کیا ہے۔ جواب میں اس نے مساویک نہ کہا۔ کیونکہ مساویک کے معنی ہیں مسواکیں مگر ایک معنے ہو سکتے ہیں تمہاری برائیاں بلکہ کہا ضد محاسنک یا امیر المومنین یہ آپ کی خوبیوں کے مقابل ہیں۔

دوسرا اعتراض: ان آیات کریمہ میں منافقوں کے دو عمل ارشاد فرمائے گئے۔ حضور انور ﷺ کی خوشی پر ان کا غم کرنا حضور انور ﷺ کی تکلیف پر خوش ہونا۔ مگر طرز بیان میں فرق ہے پہلی کے لئے۔ تسوھم ارشاد ہوا مگر دوسری جز کے لئے دراز عبارت قد اخذنا سے فرحون تک پھر تسوھم جملہ فعلیہ ارشاد ہوا اور دوسری کے لئے جملہ اسمیہ و ھم فرحون اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان بدنصیبوں کو حضور انور ﷺ کی تکلیف پر خوشی زیادہ ہوتی تھی کہ زبان سے خوشی کے الفاظ بولتے تھے دل میں فرحت پاتے تھے۔ عموماً سارے دشمنوں کا یہ ہی حال ہوتا ہے۔ اس مبالغہ اور دوام کو ظاہر فرمانے کے لئے طرز بیان مختلف ہوا۔

تیسرا اعتراض: یہاں رب تعالیٰ کے لئے ارشاد ہوا ھو مولانا معلوم ہوا کہ مولیٰ رب کی صفت ہے پھر ہم علماء کو مولانا کیوں کہتے ہیں یہ تو شرک ہے۔

جواب: اس کی تحقیق سورہ بقرہ کے آخر میں انت مولانا کی تفسیر میں ہو چکی۔ لفظ مولیٰ صفات مشترکہ میں سے ہے رب فرماتا ہے۔ ھو مولاہ جبریل و صالح المومنین۔ دیکھو اس آیت میں حضور ﷺ کا مولا رب کو حضرت جبریل کو اور

www.alahazratnetwork.org

نیک مسلمانوں کو کہا گیا۔ صفات وعدت کو مشترک ماننا شرک ہے اور صفات مشترک کو وحدت ماننا کفر ہے۔

تفسیر صوفیانہ۔ جو شخص حضور انور ﷺ کے دروازے سے پھٹکارا گیا وہ دربار خداوندی سے پھٹکارا گیا۔ اور حضور ﷺ کے آستانہ سے پھٹکارے جانے کی بڑی وجہیں دو ہیں۔ حضور انور ﷺ کی خوشی پر غم کرنا دوسرے حضور انور ﷺ کی تکلیف پر خوش ہونا یہ حضور انور ﷺ سے دشمنی ہے ان آیات میں منافقوں کی رسول دشمنی کی یہ چیزیں ارشاد ہوئیں۔ ان سے بھیک لینے کا بڑا ذریعہ ہے ان کی خوشی میں شرکت کرنا۔ حضور ﷺ کونین کے دولہا ہیں دونوں جہان حضور انور ﷺ کی برات ہیں برات میں دولہا کے سر کا صدقہ بہت لوگوں کو ملتا ہے راستہ کے غرباء مساکین کو راستہ کی بکھیر کے پیسے ملتے ہیں دوستوں کو کھانا داتا کمی کمینوں کو مختلف لاگ کے ذریعہ انعام و کرام رشتہ داروں کو جوڑے زیور یہ سب ہوتی ہے۔ دولہا کے دم کی بہار۔ حضور ﷺ کے دم سے عام مومنوں کو ایمان خاص غلاموں کو عرفان مخصوص دوستوں کو رحمت رحمان بلکہ دشمن کفار کو دنیا میں امن و امان غرضیکہ جسے جو ملا ان کے صدقہ میں ملا شعر

ہے جہاں میں جن کی چمک دمک ہے چمن وہ ہی اک مدینہ کے چاند ہیں سب انہیں
میں جن کی چہل پہل کے دم کی بہار ہے

دیکھو ان آیات کریمہ میں دشمن منافقوں کی نشان دہی تو کر دی گئی مگر ان پر عذاب نہیں آیا یہ ہے ان کے دم کی امان۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۚ وَنَحْنُ

فرمایئے نہیں انتظار کرتے تم لوگ ہمارے لئے مگر ایک کا دو بھلائیوں میں سے اور ہم

تم فرماؤ تم ہم پر کس چیز کا انتظار کرتے ہو مگر دو خوبیوں میں سے ایک کا اور ہم

نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ

انتظار کرتے ہیں تمہارے لئے یہ کہ پہنچائے تم کو اللہ عذاب پاس سے اپنے یا ہاتھوں سے

تم پر اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تم پر عذاب ڈالے اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں تو اب راہ

بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝ قُلْ اَنْفِقُوْا

ہمارے پس انتظار کرو تم لوگ بے شک ہم ساتھ تمہارے انتظار کرنیوالے ہیں فرمایئے خرچ کرو

دیکھو ہم بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہے ہیں تم فرماؤ کہ دل سے خرچ کرو نا گواری سے تم سے

طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۖ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝

تم لوگ خوشی سے یا نا خوشی سے ہرگز نہیں قبول کی جائے گی تم سے بیشک تم لوگ ہو قوم بدکار

ہرگز قبول نہ ہوگا بے شک تم بے حکم لوگ ہو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں منافقوں کی اس خوشی کا ایک جواب دیا گیا جو وہ مسلمانوں کی تکلیف کی خبر سن کر مناتے تھے اب اس خوشی کا دوسرا جواب دیا جارہا ہے کہ جس چیز پر تم خوشی مناتے ہو وہ ہمارے لئے اللہ کی رحمت ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیۃ میں ارشاد ہوا کہ منافقین مدینہ منورہ میں رہ جانے جہاد میں نہ جانے کو عقلمندی اور احتیاط سمجھتے ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مسلمان جہاد میں جانے وہاں تکلیف اٹھانے کو اپنی خوش نصیبی اور عقلمندی جانتے گویا بے وقوف کی حماقت کے بعد عقل کامل والوں کی عقل کا ذکر ہو رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ بحالت جہاد منافقوں کا مدینہ میں رہ جانا بے دینی اور بدترین گناہ تھا۔ اور ضعیف مسلمانوں کا یا جیسے حضور انور ﷺ وہاں خود چھوڑ جاویں انتظام کے لئے ان کا رہ جانا عبادت۔ اب قران کی وجہ بیان ہو رہی ہے انکم کنتم قوما فاسقین کہ یہ فاسق اور بدکار قوم ہے۔

شان نزول: جد ابن قیس منافق نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں وہ بہانہ بازی کی تھی جس کا ذکر پہلے ہو چکا۔ ساتھ میں یہ بھی کہا تھا۔ کہ میں جاؤں تو نہیں مگر اس جہاد میں خرچ کرنے کے لئے مال دیتا ہوں اس کے متعلق یہ دوسری آیت نازل ہوئی۔ قل انفقوا طوعا او کرھا (الخ) (معانی۔ خازن۔ کبیر۔ روح البیان وغیرہ) اس جگہ روح البیان نے دو عجیب باتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ اس منافق کا بیٹا عبداللہ مخلص مومن تھا۔ جب یہ بہانہ بازیاں کر کے اپنے گھر لوٹا تو اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ تجھے تبوک میں جانے سے تیری منافقت نے روکا اپنے گھر لوٹا تو اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ تجھے تبوک میں جانے سے تیری منافقت نے روکا عنقریب تیرے متعلق آیات نازل ہوں گی۔ جن سے تو بدنام ہو جاوے گا۔ اس نے اپنے بیٹے کو جوتے سے مارا پھر جب یہ آیات اتریں تو عبداللہ نے کہا بولو ابا جی میں نے کہا تھا وہ ہی ہوا کہ نہیں۔ یہ بولا اے پاگل چپ ہو جا۔ تو تو میرے لئے محمد سے بڑھ کر سخت تر ہے۔ (صلے اللہ علیہ وسلم) دوسرے یہ کہ جد ابن قیس آخری میں مخلص مومن ہو گیا۔ اچھی توبہ کی خلافت عثمانیہ میں فوت ہوا واللہ اعلم (روح البیان) دوسری تفاسیر نے یہ روایت بیان کیں۔

تفسیر: قل ھل تربصون بنا الا احدی الحسنیین ظاہر یہ ہے کہ قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ھل میں سوال انکاری ہے بمعنی نہیں تربصون میں خطاب جد ابن قیس اور سارے منافقین سے ہے جو مسلمانوں کی تکلیف کی جھوٹی خبروں پر بھی خوشیاں منایا کرتے تھے تربص کے معنی ہیں انتظام کرنا روکنا ٹھہرنا وغیرہ نیز یتربصن بانفسھن ثلثة قروء معنی بانفس ثلثة قروء مگر یہاں بمعنی انتظار ہے بنا کے معنی میں ہمارے متعلق اس کے بعد شیئا پوشیدہ ہے حسنیین تثنیہ ہے حسنی کو جو احسن کا مونث ہے۔ اسم تفضیل۔ ان دونوں سے مراد مسلمانوں کی فتح اور غنیمت اور قتل وشہادت ہے یہ دونوں چیزیں مومن کے لئے دنیا کی تمام نعمتوں سے اچھی ہیں۔ یا منافقین کے گھر بیٹھے آرام کرنے سے اچھی ہیں یا فتح و غنیمت شہادت سے اچھی شہادت ایک طرح فتح وغنیمت سے اچھی لہذا انہیں حسنی یعنی دوسرے سے اچھا فرمانا بالکل درست

ہے یعنی دنیا و مــا فیھـــا سے اچھی یا تمہارے آرام و راحت سے اچھی یا ایک دوسرے سے اچھی (تفسیر کبیر وغیرہ) کہ فتح و غنیمت میں مومن نیک نامی شوکت غلبہ ثواب پاتا ہے اور شہادت کے ذریعہ دنیا کی تکالیف سے نجات رب سے قریب آئندہ نیک نامی زندگی جاوداں پاتا ہے۔ ونحن نتربص بکم یہ فرمان عالی معطوف ہے ھل تربصون (الخ) پر نحن سے مراد ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے غلام صحابہ و غازیوں کے اس میں خطاب مذکور منافقین سے ہے۔ خیال رہے پہلے انتظار میں احتمال تھا۔ اس میں یقین ہے یعنی ہم اور ہمارے متبع غازی مومنین تمہارے متعلق انتظار کر رہے ہیں۔ دو آفتوں میں سے ایک کا ایک تو یہ کہ ان یصیبکم اللہ بعذاب من عندہ کا مفعول یہ ہے۔ یصیب دیتا ہے اصابتہ سے بمعنی ڈالنا پہنچانا عذاب سے مراد ہے کہ خفیہ کی سزا یعنی منافقت پر پکڑ من عندہ سے مراد وہ عذاب ہے۔ جو کسی ظاہری سبب کے بغیر ہو جیسے آسمان سے پتھر برس جانا۔ صورتیں مسخ ہو جانا اور غیبی آفت آجانا۔ لہٰذا من عندہ صفت ہے عذاب کی۔ او بایدینا یہ عبادت معطوف ہے من عندہ پر اور صفت ہے عذاب کی یعنی یا تم کو ہمارے ہاتھوں سزا دلوائے کہ تمہارا اچھا کفر ظاہر ہو جاوے اور تم کو مرتد ہونے کی سزا پر قتل کئے جاؤ یا قریب ہی زمانہ فاروقی آ رہا ہے۔ جب یہ اعلان ہو جاوے گا۔ کہ نفاق گیا ہے۔ اب کفر ہے یا اسلام جس سے کفر کی کوئی بات ظاہر ہو گی۔ قتل کیا جاوے گا (مشکوۃ باب الکبائر) یہ رعایت محض عارضی ہے کہ منافق بنے رہو اور محفوظ ہو فتربصوا انا معکم متربصون ۔ یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے۔ لہٰذا ف جزائیہ ہے معکم میں ہمرائی سے مراد انتظار میں ہمرائی ہے۔ یعنی تم ہمارے متعلق وہ انتظار کرتے جاؤ ہم تمہارے متعلق اس چیز کے منتظر ہیں قل انفقوا طوعا او کرھا یہ دوسرا مستقل فرمان عالی ہے۔ جس میں جد ابن قیس کے اس کہنے کا جواب ہے کہ میں غزوہ تبوک کے لئے مال دیتا ہوں۔ اس فرمان عالی میں بھی قل میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے انفقوا لفظا امر ہے مگر معنی خبر۔ طوع ۔ بمعنی خوش کر کے معنی ہیں ناخوشی خرچ سے مراد ہے۔ غزوہ تبوک میں خرچ کرنا۔ یا کسی اور جگہ کار خیر میں خرچ کرنا۔ طوعا اور کرھا دونوں مصدر ہیں۔ بمعنی اسم فاعل طائعین اور کارھین ہے۔ یہ دونوں انفقوا کے فاعل سے حال ہیں۔ کرھا کے متعلق کئی احتمال ہیں۔ نمبر (۱) مسلمانوں سے اپنا نفاق چھپانے کے لئے مجبوراً مال خرچ کرو۔ نمبر (۲) تمہارے سردار تم کو مجبور کریں کہ جہاد میں چندہ دو ورنہ ہم بدنام ہو جائیں گے نمبر (۳) تمہارے گھر والے تم کو شرم و عار دلائیں ڈرائیں کہ تم اس غزوہ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے بدنام ہو جاؤ گے۔ بہر حال تمہارا دل خرچ کرنے کو نہ چاہے مگر تم کو خرچ کرنا پڑ جاوے کچھ بھی ہو۔ لن یتقبل منکم یہ فرمان عالی انفقوا (الخ) کی جزا ہے۔ یعنی تمہارا کسی قسم کا خرچ قبول نہیں کیا جاوے گا۔ یا اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی قبول نہ فرمائیں یا حضور ﷺ قبول فرمالیں مگر اللہ تعالیٰ قبول نہ کرے۔ اس پر کوئی ثواب نہ ہے۔ (تفسیر کبیر معانی وغیرہ) اس قبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے۔ انکم کنتم قوما فاسقین ۔ اس فرمان میں فاسقین سے مراد کافر ہیں یعنی فسق اعتقادی جیسے جحود کہتے ہیں۔ یعنی کیونکہ تم لوگ کافر ہو اور کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں۔ درخت میں جڑ کے بغیر پھل نہیں لگتے اگر تم قبولیت چاہتے ہو تو پہلے نفاق سے توبہ کرو مخلص مومن ہو پھر نیک اعمال کرو۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ ان خوشی منانے والے جھوٹی خبریں اڑانے والے منافقین سے فرمادو کہ ہمارے متعلق جب ہم جہاد میں جاتے ہیں۔ دو باتوں میں سے ایک کا انتظار ہوتا ہے پہلا ہماری فتح کا دوسرا ہم کو تکلیف پہنچنے مٹ جانے شہید ہونے کا۔ پہلا انتظار غم کے لئے ہوتا ہے دوسرا انتظار خوشیاں منانے کے لئے مگر خیال رکھو۔ کہ یہ دونوں مذکورہ چیزیں ہمارے لئے بہت ہی اچھی ہیں اگر ہم مغلوب شہید ہو گئے تو ہم کو دنیا میں نام اچھال گیا۔ کہ ہم شہید کہلائے آخرت میں قرب الٰہی کے مستحق ہوئے ہمارا خون دین کی عمارت کے لئے گارا بن گیا اگر فاتح ہو کر لوٹے تو دنیا میں ہم کو حلال روزی یعنی مال غنیمت ملا۔ ہماری شوکت کا شہرہ ہوا۔ کفار کے دل میں ہماری ہیبت بیٹھی ایک لحاظ سے شہادت کی موت اچھی دوسرے لحاظ سے فتح وغنیمت بہتر۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ مومن غازی کے لئے دو چیزوں کا ضامن ہے۔ یا شہادت کے بعد فوراً جنت کا داخلہ یا ثواب وغنیمت کے ساتھ گھر واپس (کبیر۔ خازن۔ معانی۔ وغیرہ) لیکن اے منافقو ہم جن دو چیزوں کا تمہارے متعلق انتظار دیکھ رہے ہیں وہ تمہارے لئے ہر طرح بری ہیں۔ ان میں اچھائی کا شائبہ نہیں کہ یا تو تم پر کوئی آسمانی عذاب آجاوے کیونکہ اب بھی غیبی عذاب محدود طور پر آسکتے ہیں۔ یا ہم کو تمہارے قتل کی اجازت مل جاوے کہ تمہارا کفر ظاہر ہو اور تم کو مرتدین کی سزا دی جاوے لہٰذا تم ہمارے متعلق انتظار کئے جاؤ۔

ہم تمہارے متعلق یہ جو منافقین مال وخرچ کرنے کا ذکر کر رہے ہیں اس کے متعلق ان سے فرمادو کہ تم چاہے خوشی سے غزوات وغیرہ میں خیرات کرو یا ناخوشی سے اپنی پردہ پوشی کے لئے یا قوم کے یا گھر والوں کے دباؤ سے کچھ بھی کبھی قبول ہرگز نہ ہوگا۔ کیونکہ تم پکے کافر ہو اور کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں اگر قبولیت چاہتے ہو تو مخلص مومن بنو پھر نیک اعمال کرو۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ہمیشہ کفار مسلمانوں کے بدخواہ رہے ہیں ان کی خوشی پر انہیں غم ہوتا ہے۔ ان کے غم پر انہیں خوشی وہ ہماری مصیبتوں کے منتظر رہتے ہیں۔ مسلمانو کبھی ان سے غافل نہ رہو یہ فائدہ ھل تربصون (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: مومن کی مصیبت بھی اللہ کی رحمت ہے جس پر صبر کر کے وہ ثواب پاتا ہے۔ قید' زخمی ہونا' شہادت اس رحمت کی قسمیں ہیں۔ یہ فائدہ احدی الحسنین سے حاصل ہوا کہ رب نے دو اچھی چیزوں میں سے ایک فرمایا۔

تیسرا فائدہ: ایک اعتبار سے فتح وکامیابی اچھی ہے۔ اور دوسرے اعتبار سے شہادت وقتل افضل کہ اس میں شکر ہے اور اس تکلیف میں صبر۔ یہ فائدہ بھی حسنیین کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ حسنیین سے مراد فتح وشکست ہو۔

چوتھا فائدہ: کافر کی راحت سے مومن کی تکلیف افضل کہ کافر راحت میں غافل ہوتا ہے۔ مومن تکلیف میں صابر یوں ہی کافر کی راحت سے مومن کی راحت افضل ہے۔ کہ مومن اس میں شاکر ہوتا ہے یہ فائدہ حسنیین کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان دونوں کو حسنیین فرمایا۔ دیکھو ابھی عرض کی گئی تفسیر۔

پانچواں فائدہ: کفار کی مصیبت کا انتظار کرنا بھی ثواب ہے یہ فائدہ ونتربص بکم (الخ) سے حاصل ہوا بلکہ موذی کفار کی ہلاکت پر خوشی منانا بھی ثواب ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے قتل پر سجدہ شکر ادا کیا فرعون کی غرقابی پر

آج تک شکر کیا جاتا ہے۔ کہ عاشورہ کا روزہ سنت ہے۔ عاشورہ کے دن ہی وہ ڈوبا تھا۔

چھٹا فائدہ: کافرنافرمانوں پر غیبی عذاب مخصوص طور پر اب بھی آسکتے ہیں۔ چنانچہ قریب قیامت کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ بھی ہوں گی۔ اور بعض جگہ زمین دھسے گی لوگ اس میں دفن ہو جائیں گے۔ یہ فائدہ بعذاب من عنده سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: جہاد میں مومن کا قتل یا زخم یا قید ہونا اللہ کی رحمت ہے مگر کافر کے لئے یہ چیزیں اللہ کا عذاب یہ فائدہ ادبایدینا سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: منافقین کی کوئی عبادت بدنی ہو یا مالی ہرگز قبول نہیں۔ خواہ خوشی سے کرے یا مجبوراً اسے اس کا مطلقاً ثواب نہ ملے گا۔ یہ فائدہ لن یتقبل (الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ قبول سے مراد رب تعالیٰ کی قبولیت ہو۔

نواں فائدہ: کفار سے صدقات ان کے چندے مسلمان اپنی عبادت میں خرچ نہ کریں یہ فائدہ لن یتقبل کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ قبولیت سے مراد ہے حضور انور ﷺ کا قبول فرمانا لہٰذا مسجد جہاد حج میں کفار سے صدقہ نہ لو مگر صدقہ قرضہ اور امداد میں فرق ہے اس خیال میں رکھا جاوے۔

دسواں فائدہ: منافقین درحقیقت پکے کافر ہیں۔ کافر میں اگرچہ بھی ظاہری کلمہ گوئی کی وجہ سے ان پر کفار کے احکام جاری نہ ہوں۔ یہ فائدہ کنتم قوما فاسقین سے حاصل ہوا کہ یہاں فاسقین بمعنی کافرین ہے۔

گیارھواں فائدہ: کبھی امر بمعنی جز بھی ہوتا ہے۔ یہ فائدہ انفقوا سے حاصل ہوا کہ یہ صیغہ امر ہے مگر اس کے معنی ہیں۔ اگر تم خرچ کرو۔

پہلا اعتراض: حسن کے معنی ہیں۔ زیادہ اچھی یہ احسن کا مونث ہے اگر اس سے مراد فتح اور شکست یا غنیمت و شہادت ہو تو یہ کلام کیونکر درست ہوا کیونکہ یہ دونوں ایک ایک اعتبار سے دوسرے سے افضل ہیں۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ لہٰذا ایک دوسرے سے افضل بھی ہیں۔ مفضول بھی مگر الگ حیثیت سے دوسرا اعتراض اگر یہاں ان دونوں کا مقابلہ کفار کے اعمال سے ہو۔ تو کلام کیونکر درست ہوا۔ کیونکہ کافر کا کوئی کام فتح، شکست غنیمت، قتل اچھا ہے ہی نہیں پھر مسلمان کا قتل و غنیمت اس سے زیادہ اچھا کیونکر ہو۔ نہ زیادہ اچھا کے معنی ہیں۔ کہ اچھائی دوسرے میں بھی ہو۔ مگر اس میں اچھائی زیادہ ہو۔ جواب اس صورت میں یہاں زیادہ اچھائی کم اچھائی کے مقابلہ میں نہیں بہت برائی کے مقابلہ میں ہے یعنی کافر کا قتل وغیرہ بہت ہی برا ہے مومن کا قتل و غنیمت بہت ہی اچھے جیسے کہا جاتا ہے کہ مومن کافر سے بہت ہی اچھا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ کافر کم اچھا ہے اور مومن زیادہ اچھا' مطلب وہی ہے جو ابھی ہم نے عرض کیا۔ جہاد میں کافر قتل ہو تو خبیث ہے مومن قتل ہو تو شہید۔ اس جنگ میں مومن غازی ہے۔ کافر فسادی بہرحال آیت واضح ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ہم تم پر غیبی عذاب آنے کے منتظر ہیں حالانکہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے دنیا میں غیبی عذاب آنا بند ہو گئے رب فرماتا ہے وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم پھر نہ ہونے والی چیز کا انتظار کیسا۔ (پھر نہ ہونے والی چیز کا انتظار کیسا۔)

جواب: حضور ﷺ کی تشریف آوری سے غیبی عذاب بند ہوئے۔ خاص خاص لوگوں خاص شخصوں پر یہ عذاب پانا تب تو کوئی اعتراض نہیں۔

چوتھا اعتراض: انفقوا صیغہ امر ہے۔ اور امر جوب کے لئے آتا ہے واجب چیز کا قبول نہ ہونا کیا معنی۔

جواب: اس کا جواب بھی تفسیر میں گذرا کہ امر بمعنی خبر ہے۔ یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ امر اور خبر دونوں قریب المعنی ہیں۔ لہٰذا ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ دیکھو استغفر لھم و لا تستغفر لھم۔ استغفر امر ہے مگر بمعنی خبر اور کتب علیکم الصیام یا کہ والوالدات یرضعن اولادھن اس طرح والمطلقات یتربصن میں خبر ہی بمعنی امر ہے۔

پانچواں اعتراض: اگر لن یتقبل منکم کے معنی یہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے صدقات قبول نہ کرینگے۔ اور کفار کے صدقات مسلمان قبول نہیں کر سکتے۔ تو آج امریکہ اور روس وچین وغیرہ کی امداد سے مسلمانوں کی سلطنتوں کے کام چلتے ہیں۔ ان سے امداد کیوں لی جاتی ہے۔

جواب: ہم نے ابھی تفسیر میں اشارہ کیا کہ ہدیہ' تحفہ مدد قرض صدقہ ان میں بڑا فرق ہے پھر منافق اور کھلے کافر کے احکام میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے نمک کی کان میں تاثیر ہے۔ کیونکہ وہ ہر چیز کی حقیقت بدل کر اسے بنا دیتی ہے۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام میں تاثیر ہے کہ وہ ہر کام ہر آفت کو نیکی بنا دیتا ہے۔ دیکھو یہاں فتح وشکست غنیمت وشہادت سب کو حسنیین فرمایا۔ کیونکہ یہ سب کچھ حضور ﷺ کے نام کے ساتھ ہے۔ ان کے نام پر مرجانا بھی جی جانا ہے۔ بل احیاء ولکن لا یشعرون۔ جو کوئی فنافی الرسول ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیاں بنا دیتا ہے اولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات اور جو ان کے نام سے محروم رہا اس کے نیک اعمال بھی گناہ کہ قبول نہیں ہوتے۔ ان کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ لن یتقبل منکم ایک ہی میدان جنگ ہے مگر یہ ہی جنگ مومن کے لئے جہاد ہے کافر کے لئے فساد مومن غازی ہے کافر فسادی اس جنگ میں مومن کی موت شہادت ہے کافر کی موت حرام ہے اس جنگ میں کافر کا لوٹا ہوا مال غنیمت ہے۔ نہایت طیب وحلال مگر اس کے برعکس اگر کافر مومن کا مال لوٹے تو وہ حرام ہے اور خبیث کہ ان سب کو رب نے عذاب الٰہی فرمایا کہ بعذاب من عندہ او بایدینا۔ یہ فرق کس نے پیدا کیا کہ صرف نام مصطفیٰ نے صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ خدا تعالیٰ کو قیامت فرشتوں وغیرہ کو اکثر کفار بھی مانتے ہیں یہ آیت کریمہ عذاب ورحمت کی جامع آیت ہے۔ جس نے بتایا کہ حضور انور کے نام سے ہر چیز رحمت ہے۔ ان سے ہٹ کر ہر چیز عذاب۔

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ
اور نہیں روکا ان کو اس سے کہ قبول کئے جاویں ان سے خرچ ان کے مگر اس چیز نے کہ تحقیق انہوں
اور وہ جو خرچ کرتے ہیں اسکا قبول ہونا بند نہ ہوا مگر اس لئے کہ وہ اللہ اور رسول کے منکر ہوئے اور نماز کو

وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ

نے کفر کیا ساتھ اللہ اور ساتھ رسول کے اس کے اور نہیں آتے وہ نماز کو مگر اس حال میں کہ وہ سستی والے

نہیں آتے مگر جی ہارے اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری سے تو تمہیں ان کے

كٰرِهُوْنَ ۝ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ

ہوں اور نہیں خرچ کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناپسند کرتے ہوں پس نہ تعجب میں ڈالیں مال ان کے تجھ کو اور نہ

مال اور ان کی اولاد کا تعجب نہ آئے اللہ یہی چاہتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان چیزوں سے

اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

اولاد ان کی ارادہ کرتا ہے اللہ یہی کہ عذاب دے انہیں ان کے ذریعے زندگانی دنیا میں اور نکلیں جانیں ان کی اس حالت میں کہ وہ کافر ہوں

ان پر وبال ڈالے اور کفر ہی پر ان کا دم نکل جائے

تعلق: ان آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین کے صدقات و خیرات قبول نہیں۔ اب اس قبول نہ ہونے کی تفصیلی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ کہ نہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گویا دعویٰ پہلے ہوا۔ اس کی دلیل اب دی جا رہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کے آخر میں ارشاد ہوا کہ منافق فاسق قوم ہیں اب فسق کی تفسیر کی جا رہی ہے کہ وہ اللہ رسول کے انکاری ہیں یعنی ان کا فسق اعتقادی ہے۔ نہ کہ عملی گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفسیر ہے کیونکہ فسق بدعملی کو بھی کہتے ہیں بداعتقادی کو بھی۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں منافقین کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ خواہ وہ خوشی سے خیرات کریں یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہیں۔ اب ارشاد ہے کہ منافقین کی خوشی محض دنیا کے لئے ہے تاکہ اس صدقہ سے ان کا نفاق چھپ جاوے نہ کہ اللہ رسول کو راضی کرنے کے لئے لہٰذا ان کی خوشی پر ثواب نہیں در حقیقت وہ اس سے خوشی میں ہی نہیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ منافقین کے صدقات وبال ہیں اور ان کے بقیہ اعمال برباد۔ اب ارشاد ہے۔ کہ ان کے لئے دنیا کی چیزیں مال و اولاد بھی نرے وبال ہیں زیادتی عذاب کا باعث لیعذبھم بھا (الخ) بداعمال سے مال و اولاد و مال کی بیکاری کا ذکر نہایت ہی مناسب ہے۔

تفسیر: ومنا منعھم ان تقبل منھم نفقھم اس فرمان عالی کی نحوی ترکیبیں بہت کی گئی ہیں۔ سب سے آسان اور قوی

یہ ہے۔ کہ یہاں منع دو مفعول کی طرف متعدی ہے یعنی محروم کرنا۔ اس کا پہلا مفعول تو ہم اور دوسرا مفعول ان تقبل (الخ) اس سے پہلے کوئی حرف پوشیدہ نہیں (روح المعانی) نفقات سے مراد یا تو ان کے صدقات ہیں جو وہ اپنا نقصان چھپانے کے لئے جہاد اور دوسری ضروریات دینی نہیں کرتے تھے یا مسلمانوں کے ساتھ چندہ دیتے تھے یا ان کے سارے دینی و دنیاوی خرچ۔ کیونکہ مومن کو ہر خرچ پر ثواب ملتا حتیٰ کہ اپنے کھانے اور بیوی بچوں کو کھلانے پر بھی۔ قبول سے مراد ہے بارگاہ الٰہی میں قبول ہونا اس پر ثواب ملنا یعنی منافقوں کو ان کے صدقات کی قبولیت سے محروم نہ کیا۔ الا انھم کفروا باللہ برسولہ اس فرمان عالی سے پہلے پوشیدہ ہے وہ ہی منع کا فاعل ہے۔ وہ مستثنیٰ منہ ہے اور انھم کفروا (الخ) مستثنیٰ ہے اگرچہ اکثر منافقین در پردہ تھے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور فرشتوں قیامت جنت دوزخ کے قائل تھے مگر چونکہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے تو رب نے ان کو خود رب تعالیٰ کا انکاری قرار دیا۔ قرآن مجید میں جہاں رسول یا رسول مطلق ارشاد ہوتا ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتے ہیں۔ یہ ہی یہاں مراد ہے ولا یاتون الصلوٰۃ یہ عبارت کفروا باللہ سے معطوف ہے یاتون بنا ہے اتی سے بمعنی آنا۔ اس کا فاعل وہی منافقین ہیں نماز سے مراد یا تو نماز پنجگانہ ہے یا نماز جمعہ و عیدین بھی نماز میں آنے سے مراد جماعت کے لئے مسجد میں آنا ہے الا وھم کسالٰی اس سے پہلے فی حال پوشیدہ ہے۔ اور یہ عبارت یاتون کی ضمیر سے حال ہے کسالی جمع ہے کسلان کی جیسے سکران کی جمع سکاری حیران کی جمع حیاری۔ کسلان بنا ہے کسل سے بمعنی سستی اس سستی کی چند صورتیں ہیں نمبر (۱) نماز فرض تو جانے مگر ادا میں سستی و کاہلی کرے۔ کبھی تو ہمیشہ نہ پڑھے یا کبھی نہ پڑھے صحیح وقت نہ پڑھے یا صحیح طرح نہ پڑھے یا جماعت کی پابندی نہ کرے۔ یہ سستی کفر نہیں البتہ گناہ ہے اور سخت گناہ دوسرے یہ کہ لوگوں کے سامنے نمازیں خوب چستی سے ادا کرے مگر اکیلے میں نماز کاہلی سے ادا کرے۔ لوگوں کے سامنے اچھی طرح پڑھے اکیلے میں معمولی یہ بھی گناہ ہے۔ کفر نہیں تیسرے یہ کہ دل سے نماز کو فرض ہی نہ جانے۔ صرف لوگوں سے اپنی منافقت چھپانے کے لئے نماز میں شریک ہو جایا کرے مگر کاہلی اور سستی سے کہ جماعت کے آخر میں آیا وضو کیا نہ کیا شریک ہو گیا۔ یہ سستی کفر ہے۔ وہ ہی یہاں مراد ہے کہ یہ بدعملی بدعقیدگی کی علامت ہے ولا ینفقون الا وھم کرھون یہ عبارت معطوف ہے لایاتون (الخ) پر انفاق سے مراد راہ خدا میں خیرات کرنا ہے۔ صدقہ فرض ہو یا نفل جہاد میں چندہ ہو یا کسی اور موقع پر کارھون بنا ہے کراھۃ سے بمعنی دل کی ناپسندی یا مجبوری نہ خرچ کرنے کی بھی چند صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ زکوٰۃ کو فرض تو سمجھتا ہو مگر بخل کی وجہ سے نہ کرے اپنے کو گنہگار جانے دوسرے یہ کہ ناموری کے موقعہ پر خیرات کرے ویسے نہ کرے یہ دونوں صورتیں فسق ہیں۔ کفر نہیں' تیسرے یہ کہ زکوٰۃ فرض ہی نہ جانے صرف لوگوں کے طعن اور منافقت کے الزام کو دفع کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے خیرات کر دیا کرے یہ کفر ہے وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی ان کی دلی کفر کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ صدقہ خیرات نہیں کرتے اگر کرتے ہیں تو مجبوراً اور ناپسند کرتے ہوئے۔ خیال رہے روشن کلام بتا رہی ہے کہ منافقین اکیلے ہیں گھر میں تو نماز پڑھتے ہی نہیں۔ یوں خفیہ صدقہ تو کرتے ہی نہیں۔ کیونکہ ان میں اخلاص نہیں صرف نام و نمود کیلئے لوگوں کے سامنے نماز کے لئے آ جاتے ہیں۔ اور علانیہ خیرات کر دیتے ہیں اس لئے لا یصلون

نہیں فرمایا بلکہ لا یئون الصلوٰۃ ارشاد ہوا فلا تعجبک اموالھم و لا اولادھم یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے لہٰذا ف جزائیہ ہے یعنی جب منافقوں کا دلی حال یہ ہے اور انکے اعمال ایسے تو انکے مال پر تعجب نہ لا تعجبک میں خطاب مسلمان سے ہے (خازن وغیرہ) نبی کریم کی نظر میں تو ان کے مال کی عزت وقدر مچھر کے برابر نہ تھی جن کے قدموں میں اشرفیوں کا ڈھیر لگے۔ تو چند منٹ میں تقسیم فرما کر اٹھ کھڑے ہوں جن کے غلاموں کے پاؤں تلے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج ہوں اس شہنشاہ کی سیر چشمی کا کیا پوچھنا ہے تعجبک بنا ہے اعجاب سے یعنی فخریہ طور پر خوشی ہونا۔ اموال سے مراد منافقین کے ہر قسم کے منقول وغیر منقولی مال ہیں یونہی اولاد سے مراد ان کے بیٹے بیٹیاں اور پھر انکی اولاد یعنی اے مسلمان تو منافقوں کے مال اور ان کی اولاد کو بنظر عجب نہ دیکھ یہ نہ سمجھ کہ ان کے لئے یہ چیزیں نعمتیں ہیں اور ان کی عزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ ہے یہ چیزیں تو ان کے لئے وبال وعذاب ہے اللہ لیعذبھم بھا فی الحیوٰۃ الدنیا یہ فرمان عالی لا تعجبک (الخ) کی وجہ ہے حصر کے لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کے مال واولاد کے صرف دو ہی مقصد ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ انہیں دنیا میں ہی عذاب دے کر پہلے تو یہ لوگ نہایت ہی محنت مال جمع کریں پھر اس سے بڑھ کر محنت ومشقت سے اس کی حفاظت کریں پھر نہایت حسرت سے اسے چھوڑ جائیں یہ ہی حال ان کی اولاد کا ہے۔ کہ انہیں اولاد کی محبت اللہ رسول سے زیادہ ہو ہر دم خطرہ لگا رہے کہ کہیں یہ ہمارے سامنے مر نہ جائیں یا ہم اس کے سامنے نہ مر جائیں۔ کسی کو ذرا سی بیماری آ دے تو ان کے رنگ اڑ جائیں۔ اس لئے نہ کبھی خود کبھی جہاد میں جاتے ہیں نہ اپنے بچوں کو بھیجتے ہیں۔ وہاں ان کی موت نظر آتی ہے زکوٰۃ صدقات نکالتے ہوئے ان کی جان پر بن جاتی ہے۔ کیونکہ یہ ثواب آخرت کے تو قائل نہیں یوں ہی شہادت کی موت انہیں آفت معلوم ہوتی کہ شہداء کی زندگی نہیں مانتے (تفسیر روح المعانی وکبیر) وتزھق انفسھم وھم کافرون۔ یہ فرمان عالی معطوف ہے لیعذبھم (الخ)۔ پر اس میں منافقوں کے مال واولاد کے وبال ہونے کی دوسری وجہ کا ذکر ہے کہ ان چیزوں میں پھنساوے کی وجہ سے ان کی جان بہت سختی سے نکلے گی زھوق کے معنی ہیں سختی سے نکلنا انفسھم جمع ہے نفس کی۔ نفس کے بہت معنی ہیں یہاں بمعنی جان وروح ہے۔ یعنی انہیں مرتے وقت جان کنی کی شدت دنیا چھوٹنے کا غم مصیبت سے جمع کیے ہوئے مال واولاد کے فراق کا صدمہ پر ایسی چیزیں جمع ہو جاتی ہیں جس سے ان کا دم بڑی مشکل سے نکلتا ہے پھر انہیں اس وقت کلمہ نہ پڑھائے۔ یہ تو ہائے میرا گھر ہائے میرا روپیہ ہائے میرے بچے کہتے ہوئے مرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کے صدقات وخیرات ہمارے ہاں یا آپ ﷺ کی بارگاہ عالی میں اس لئے قابل قبول نہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بھی منکر اور اللہ کے رسول یعنی آپ ﷺ کے بھی انکاری۔ جب جڑ ہی خراب ہے تو شاخوں میں سبزہ اور قبولیت کے شگوفے و پھل کیسے لگیں۔ ان کے کفر کی علامت یہ ہے کہ یہ لوگ اکیلے تو نماز پڑھتے ہیں لوگوں کو دکھانے اپنے مصنوعی ایمان ثابت کرنے کے لئے مسجدوں میں آ جاتے ہیں۔ نماز کو بوجھ سمجھتے ہیں۔ سستی کرتے آخر رکعت میں مل گئے وضو کیا نہ کیا۔ بے وضو ہی کھڑے ہو گئے ننگے سر گریبان کھلے آستین چڑھائے نماز پڑھنے لگتے ہیں اس کے علاوہ خیرات وصدقات صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے اسے بوجھ سمجھ کر ٹیکس جانتے ہیں با دل نخواستہ کیونکہ انہیں اسلام کا نہ تو

رکن جانتے ہیں قرآن کے ثواب پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ خوف کی نماز پڑھتے ہیں ذوق یا شوق کی نہیں جب ان کے اعمال یہ حال ہے تو اے قرآن پڑھنے والے مومن تو ان کے مالوں اولاد کو نظر تعجب سے نہ دیکھو۔ یہ چیزیں ان کے لئے وہاں بھی ارادہ الٰہی ہے کہ اللہ ان چیزوں کے ذریعہ ان کی دنیاوی زندگی میں عذاب دے کر یہ بمشکل مال جمع کریں بڑی مصیبت سے اسے سنبھالیں خزانہ کا سانپ بن کر جئیں۔ اس لئے ان پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال دینا جہاد میں اولاد کو بھیجنا پہاڑ معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ آخری وقت اس کی جان بڑی مصیبت سے نکلے اور کفر پر مریں۔ کیونکہ انہیں موت کے وقت تین مصیبتیں جمع ہیں نزع کی شدت' مال چھوڑنے کی حسرت' بال بچوں سے اولاد میں پہلے سے ہی پھنسا ہوا نہ تھا۔ اس کا دل ہم سے لگا تھا۔ رہی نزع کی شدت وہ اس لئے اسے کم محسوس ہوتی ہے کہ آگے محبوب سے ملنے برزخ کے ثواب دنیا کے غموں سے رہائی کی خوشی میں وہ تکلیف محسوس نہیں کرتا۔ اللہ نصیب کرے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کفر کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔ بغیر وضو نماز درست نہیں۔ بغیر جڑ شاخیں ہری نہیں بغیر ایمان اعمال قبول نہیں۔ یہ فائدہ الا انھم کفروا باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ اور تمام ارکان اسلام کا ماننا خالص کفر ہے۔ جس میں ایمان کا شائبہ بھی نہیں۔ یہ فائدہ کفروا باللہ وبرسلہ سے حاصل ہوا۔ مدینہ کے منافقین اللہ تعالیٰ' قیامت' فرشتے' جنت دوزخ سب کچھ مانتے تھے۔ انکاری تھے تو حضور انور ﷺ کے مگر رب نے فرمایا کفروا باللہ یہ فائدہ اس صورت میں ہے کہ رسولہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات۔

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار سارے رسولوں کا انکار ہے اگرچہ ان حضرات کو ماننے کا دعویٰ کرے۔ یہ فائدہ اس صورت میں حاصل ہوا جب کہ رسولہ سے مراد جنس رسول ہو یعنی رسول لہٰذا عیسائی یہودی نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں نہ موسیٰ علیہ السلام کو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکاری ہیں۔ منافقین مدینہ اکثر یہود تھے مگر رب نے انہیں اپنا اور رسولوں کا انکاری فرمایا۔

چوتھا فائدہ: سستی سے نماز پڑھنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ مومن کو چاہئے کہ رغبت وخوشی سے مستعدی کے ساتھ نماز پڑھا کرے یہ فائدہ وھم کسالی سے حاصل ہوا۔ مسئلہ تنگ وقت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ یہ کاہلین کی علامت ہے۔

پانچواں فائدہ: جو چندہ کسی رعایت سے یا طعنہ سے بچنے کے لئے نماز کے طور پر دیا جاوے اس پر ثواب نہیں ملتا یہ فائدہ وھم کارھون سے حاصل ہوا۔ صدقہ خوش دلی سے صرف اللہ رسول کی خوشنودی کے لئے دے۔

چھٹا فائدہ: کافر وغافل کے مال واولاد کو مسلمان ہرگز للچاتی نظر سے نہ دیکھیں نہ اسے رضاء الٰہی کی علامت سمجھیں یہ فائدہ فلا تعجبک (الخ) سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ پاک میں نہ کسی کافر کی کوئی وقعت تھی نہ ان کے مال کی کوئی حیثیت۔ حضور ﷺ کی نظر میں یہ سب چیزیں حقیر تھیں یہ فائدہ بھی **لاتعجبک** فرمانے سے ہوا کہ اس میں مومنین سے خطاب ہے نہ کوئی حضور انور سے۔ جس پر حضور ﷺ کا کرم ہو جاوے اس کی نظر میں دنیا ہیچ ہو جاتی ہے۔ شعر

دولت دنیا برابر ہاتھ سے خالی دل کے تو نگر

مالک کشور تخت نہ افسر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قبضہ میں جس کے ساری خدائی اس کا بچھونا ایک چٹائی

نظروں میں کتنی ہیچ ہے دنیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آٹھواں فائدہ: جو مال واولاد خدا تعالیٰ سے غافل کرد ےوہ خدا کا عذاب ہے فائدہ **لیعذبهم بهما (الخ)** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

نواں فائدہ: ایسے مال واولاد کی وجہ سے جان کنی بہت سخت ہوتی ہے کہ اس وقت نزع کی شدت کے ساتھ ان چیزوں کے چھوٹنے کا غم تکلیف دوبالا ہو جاتی ہے۔

دسواں فائدہ: کسی کے کفر پر مرنے کا ارادہ کرنا برا نہیں کہ رب تعالیٰ خود یہ ارادہ فرماتا ہے۔ اس میں معتزلہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کا بھلا ہی چاہتا ہے۔ ارادہ اور رضا اور حکم میں بڑا فرق ہے۔

گیارھواں فائدہ: کسی دشمن دین کو کفر پر مرنے کی بددعا دینا بالکل جائز ہے۔ اس میں کفر سے محبت نہیں بلکہ اس بے دین کی دشمنی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی ذریت کو اس کی بددعا تھی۔ **واشدد علی قلوبهم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم** یہ فائدہ۔ **وتزهق انفسهم وهم کافرون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہ آیت کریمہ منافقین کے متعلق نازل ہوئی۔ منافقین سارے کے سارے یہودی تھے۔ وہ خدا تعالیٰ کے منکر تھے نہ نبیوں کے پھر انہیں **کفروا بالله وبرسوله** کیوں فرمایا۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ قرآن مجید میں جب رسول یا رسولہ مطلق بغیر قید کے ارشاد ہوتا ہے تو وہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتے ہیں۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار خدا تعالیٰ کا انکار ہے لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو نماز میں سستی کرے وہ منافق ہے۔ آج بہت سے مسلمان نماز پڑھتے نہیں اور بہت سے پڑھتے ہیں مگر سستی ہے کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی۔ جب پڑھی تو بغیر جماعت تنگ وقت میں کیا وہ سب کافر ہیں۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ نماز میں سستی کی تین صورتیں ہیں۔ جن میں سے تیسری صورت کفر ہے وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی نماز کو فرض نہ جاننا صرف لوگوں کی طعن سے بچنے کے لئے بغیر وضو پڑھ لینا۔ پہلی دو قسمیں بھی سخت گناہ ہے مگر کفر نہیں

کفر فساد عقیدہ سے ہوتا ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ بوجھ سمجھ کر دینا منافقت ہے۔ حالانکہ بہت مسلمان بوجھ سمجھ کر دیتے ہیں۔ خصوصاً صحابہ کے زمانہ میں ایک قوم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ پھر صدیقی تلوار کے ڈر سے زکوٰۃ دی مگر مجبوراً کیا یہ سب لوگ منافق ہیں۔

جواب: اس ناپسندیدگی کی بھی دو صورتیں ہیں۔ جن میں سے ایک صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ دے۔ جمیل منافق کی طرح یہ کفر ہے۔ باقی صورتیں گناہ ہیں کفر نہیں۔ مال کی محبت کی وجہ سے زکوٰۃ اسے بھاری محسوس ہو مگر نفس کو مجبور کرے زکوٰۃ دے یہ کفر نہیں۔ خلافت صدیقی میں منکرین زکوٰۃ کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ ظاہری مال جانوروں زمین کی پیداوار سلطان اسلام کو دینے سے انکار کیا تھا۔ ان پر صدیق اکبر کا حملہ کرنا کفار پر جہاد نہ تھا بلکہ باغیوں پر حملہ تھا۔ حدیث کے الفاظ سے ظاہر بھی یہ ہی ہے۔ کیونکہ حضرت صدیق نے فرمایا **لو منعونی عقالا** اگر وہ مجھے بکری کا بچہ نہ دیں گے مجھ سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ خلافت عثمانیہ سے یہ حکم ختم ہو گیا۔ اب ہر مال کی زکوٰۃ خود مالک دے بلکہ شامی کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ اب حتی الامکان حکومت کو کسی قسم کی زکوٰۃ نہ دی جاوے خود مالک مال زکوٰۃ میں ملاحظہ کرو۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا مال و اولاد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے کیا ان کی جان کنی سخت اور موت کفر پر ہو گی۔

جواب: مال و اولاد کی محبت تین طرح کی ہے۔ شیطانی نفسانی ایمانی' ان کی محبت میں دین و ایمان برباد کرے محبت شیطانی ہے ان کی محبت سے اللہ رسول سے غافل ہو جاوے۔ محبت نفسانی ہے۔ اللہ رسول کے لئے ان سے محبت کرے انہیں آخرت کا توشہ بنائے یہ محبت ایمانی ہے۔ یہاں پہلی قسم کی محبت مراد ہے۔ اس محبت کے وہ انجام ہیں جو یہاں مذکور ہیں۔

پانچواں اعتراض: بندوں کا کفر پر مرنا اچھا ہے یا برا اگر اچھا ہے تو اس پر عذاب کیسا اور اگر برا ہے تو اللہ نے اس کا ارادہ کیا۔ کیا وہ بھی بری باتوں کا ارادہ کرتا ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ ارادہ کفر کفر ہے۔

جواب: کفر سے راضی ہونا۔ اس کا حکم یا اجازت دینا کفر ہے۔ جو کافر ہو جانے کا ارادہ کرے کہ میں کل ہندو یا عیسائی بن جاؤں گا یہ بھی کفر ہے کہ اس میں کفر سے راضی ہونا ہے اسے پسند کرنا ہے۔ مگر کسی بندے کی بری حرکتوں کی وجہ سے اس کے کفر کا ارادہ کرنا نہ کفر ہے نہ برا بلکہ کبھی اس میں مصلحت ہوتی ہے دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے رب کے ارادہ سے ہو رہا ہے۔ جس میں ہزارہا حکمتیں فرماتا ہے۔ **ولو شاء الله ما اقتتلوا ولكن الله يفعل ما يشاء۔**

تفسیر صوفیانہ: دنیا اور دنیا کی ہر چیز زہر ہے۔ خوف خدا عشق رسول اس کا تریاق' مال اولاد وغیرہ سے محبت ان سے الفت اگر ان دو چیزوں کے ساتھ ہو تو عین دین ہے اس سے خالی ہو تو کفر بلکہ ان دونوں سے خالی ہو کر عبادات بھی نرا الحاد و بے دینی ہے مولانا فرماتے ہیں:

گر ہزاراں طالبند و یک رسول — از رسالت بازی مانند رسول

کے رسانند آں رسالت را بتو — تا نہ باشی پیش شاں راکع دوتو

یا فرماتے ہیں کہ بعض موجودہ ہیں جو ازلی بھی ہیں ابدی بھی۔ یعنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک۔ جیسے رب تعالیٰ کی قدرت اس کی ت بعض موجودہ ہیں جو نہ ازلی ہیں نہ ابدی یعنی حادث بھی ہیں فانی بھی جیسے دنیا اور دنیا کی چیزیں بعض وہ ہیں جو ازلی تو مگر ابدی نہیں یعنی ہمیشہ سے نہیں مگر ہمیشہ رہیں گی۔ جیسے جنت اور وہاں کی نعمتیں اور ان کے پانے والے خوش نصیب ن۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو ازلی ہو مگر ابدی نہ ہو ہماری نیکیاں اگر نیک نیت سے ہوں تو وہ آخرت کی چیز ہیں اور ابدی۔ جن جزا ہمیشہ ملے گی اور اگر اس نیت کے بغیر ہوں تو وہ محض دنیا میں نہ ازلی نہ ابدی یہاں ہی رہ جائیں گی۔ رہے گناہ وہ کافر ابدی ہیں۔ مومن کے انشاء اللہ ازلی نہ ابدی (تفسیر کبیر) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔ دی ۱ جس کی وجہ سے سخاوت سے رک جاوے، خواہشات نفسانیہ ۲ جن کی پیروی کی جاوے، ہر آدمی کا اپنے کو پسند نا ۳ فرمایا کہ بہت مال جمع کرنے والے بہت خسارہ میں ہیں، تیسرے تین مال ہی ہیں جو کھا کر ہضم ہو جو پہن کر پھاڑ ے جو صدقہ کر کے آگے بھیج دے فرمایا جو خرید و فروخت میں منہمک ہوگا اس کے ساتھ شیاطین زیادہ ہوں گے۔ جو بادشاہ ے قریب ہوگا۔ اللہ سے دور ہوگا۔ یعنی ظالم بادشاہ سے مال کی بہت زیادتی مصیبت ہے۔ حلال کا حساب ہے۔ حرام پر ب بلکہ عذاب (کبیر) مال والے کی موت چھوٹنے کا دن ہے ایمان والے کی موت ملنے کا دن کہ اسے محبت مال و گھر بار ہ ہے جو چھوٹ رہا ہے مگر اسے محبت اللہ رسول سے ہے جو اب مل رہے ہیں۔ رب تعالیٰ ایمان دے کامل پھر نماز روزہ مال و سب ہی برکت والی ہیں۔

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ

اور قسم کھاتے ہیں وہ اللہ کی کہ تحقیق وہ البتہ تم میں سے ہیں حالانکہ نہیں ہیں وہ تم میں سے اور لیکن

اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں اور تم میں سے ہیں نہیں ہاں وہ لوگ ڈرتے ہیں اگر پائیں کوئی

يَفْرَقُونَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ

وہ قوم ہیں ڈرپوک ہیں اگر پاجاتے وہ پناہ کی جگہ یا گڑھا یا گھس جانے کی جگہ تو البتہ

پناہ یا غار یا سما جانے کی جگہ تو رسیاں

وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿٥٧﴾

پھر جاتے وہ طرف اس کے حالانکہ وہ ڈرتے ہوتے

تڑاتے ادھر پھر جاویں

لق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ منافقین صدقہ و خیرات صرف اپنا نفاق چھپانے کے لئے کرتے ہیں نہ کہ ایمان کی وجہ سے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کا مدینہ منورہ میں تمہارے پاس تمہارے ساتھ رہنا بھی صرف مجبوری اور اپنے کو چھپانے کے لئے ہے نہ کہ ایمان کی وجہ سے گویا مالی تقیہ کے بعد مکانی تقیہ کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ یہ لوگ اپنا ایمان ظاہر کرنے کے لئے خرچ بھی کر دیتے ہیں اب ارشاد ہے کہ وہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے جھوٹی قسمیں بھی کھا لیتے ہیں گویا مالی تقیہ کے بعد قسموں کے تقیہ کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ مسلمان منافقین کے مال و اولاد سے یہ دھوکا نہ کھائیں کہ رب تعالیٰ ان سے راضی ہے یہ چیزیں ان کے لئے عذاب ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مسلمان ان کے مدینہ کی زمین حضور انور ﷺ کی مجلس میں حاضر صحابہ کرام کے ساتھ رہنے سے بھی دھوکا نہ کھائیں کہ رب تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ اس لئے انہیں ایسے مقدس مقام مبارک مجلس اچھوں کی صحبت میں رکھا ہے بلکہ جیسے ان کے مال اولاد ان کے لئے عذاب تھے۔ ایسے ہی یہ مجالس صحبتیں ان کے لئے عذاب ہیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ منافقین مجبوراً صدقہ خیرات کرتے ہیں۔ اگر موقعہ پائیں تو بدترین جگہ میں رہنا پسند کریں۔ مدینہ میں رہنا پسند نہ کریں۔

تفسیر: **ویحلفون باللہ انھم** ۔ یہ فرمان نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے یحلفون بنا ہے حلف سے بمعنی قسم۔ خواہ گذشت چیز پر ہو یا موجودہ چیز پر یا آئندہ پر یا دائمی چیز پر۔ اس کا فاعل وہ مذکورین منافقین ہیں۔ یہاں مضارع دوام اور استمرار کے لئے ہے۔ یعنی یہ منافقین قسم کھاتے رہتے ہیں مگر کس کی اس کی جس کی قسم سے تمہیں اعتبار آ جاوے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی۔ بتوں یا توریت یا انجیل وغیرہ کی نہیں کھاتے۔ اس صورت میں باللہ کا تعلق **یحلفون** سے ہے اور رب تعالیٰ کا اپنا فرمان اور **انھم لمنکم** اس قسم کا بیان ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ باللہ سے ہی ان منافقوں کا کلام ہو اور اس کا تعلق تقسیم پوشیدہ سے ہو تو اس صورت میں باللہ قسم ہے اور **انھم لمنکم** اس کا جواب (روح البیان) وہ مسلمانوں کو اپنی بات کا اعتبار دلانے کے لئے اپنے کلام کی تین طرح تاکید کرتے ہیں۔ قسم سے ان سے اور لام تاکید سے انہیں تین چیزوں کا بیان ذکر ہوا۔ منکم کے معنی ہیں کہ وہ تمہارے دین تمہاری ملت میں سے ہیں اور تمہاری طرح حضور انور ﷺ کے صحابی یہ مقصد نہیں کہ وہ مدنی ہیں تمہارے محلوں میں رہتے ہیں کہ یہ بات تو بالکل ظاہر تھی۔ نیز اس سے وہ مسلمانوں کی جماعت سے نہ ہو سکے تھے۔ ہم مجلس ہم مشرب ہم قوام ہونا اور بات ہے مگر ہم مذہب ہم ملت ہونا کچھ اور۔ اس فرمان عالی میں ان کا قال بیان ہوا اب ان کا حال ارشاد ہوتا ہے۔ **وما ھم منکم** ۔ یہ فرمان عالی رب تعالیٰ کا فرمان ہے جس میں ان کی پر زور تردید ہے۔ یہاں **انھم لمنکم** میں عرض کئے گئے۔ یعنی اے جماعت صحابہ تم ان کی قسموں سے دھوکا نہ کھاؤ وہ لوگ نہ تم میں سے ہے تھے نہ ہیں۔ تمہارا دین اور ان کا اور۔ یہ باتیں صرف تقیہ کے طور پر تم سے کرتے ہیں **ولکنھم قوم یفرقون** ۔ عربی میں لکن وھم دور کرنے کے لئے آتا ہے۔ چونکہ گذشتہ مضمون سننے سے وہم پیدا ہوتا تھا کہ آخر انہیں مجبوری کیا تھی۔ جس کی

...ے وہ ایسا فیہ جھوٹ بولتے تھے۔ یہ وہم اس فرمان عالی سے دور رکھا گیا۔ یفرقون بنا ہے فرق سے۔ فرق وہ خوف
...ل کی گھبراہٹ کے ساتھ ہو۔ کہ جاتا ہے رجل فروق جب عدالت سے مجرم کا جرم ثابت ہو جاوے اور ملزم کو فیصلہ سننے
...ے پہلے جو اپنی سزا کا خوف ہو وہ فرق ہے (از تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) اس کے بعد منکم پوشیدہ ہے یعنی وہ لوگ
...ارے ہاتھوں کھلے کافروں مشرکوں کا انجام دیکھتے رہتے ہیں اس لئے تم سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ہمارا کفر ظاہر نہ ہو جاوے
...ہ ہر وقت ان کے دلوں کو نیا دھڑکا لگا رہتا ہے اس لئے یفرقون ارشاد ہوا۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے اذا انزلت صورۃ
...ظر بعضھم الی بعض بہرحال ان کے دلوں میں اللہ رسول کا ڈر نہیں بلکہ تمہاری تلوار کا ڈر ہے ان کے دلوں کا حال یہ
...ک لو یجدون ملجاء او مغارات او مدخلا یہ فرمان عالی منافقوں کے دل کی کیفیت بیان فرما رہا ہے کہ یہ مدینہ منورہ
...تمہارے ساتھ مجبوراً رہتے ہیں اگر انہیں کسی تنگ۔ تاریک خراب جگہ میں تم سے امان ملے تو مدینہ کی آرام دہ زندگی پر وہاں
...ے کو ترجیح دیں۔ خیال رہے کہ ملجا بنا ہے لجا نو سے بمعنی پناہ۔ ملجا اس طرف بمعنی پناہ گا خواہ کوئی قوم ہو یا کوئی محفوظ
...ہ یا کوئی خاص آدمی مغارات جمع مغارۃ کی جس کا مادہ ہے غور بمعنی دھنس جانا جذب ہو جانا۔ رب فرماتا ہے ان اصبح
...ہ کم غورا۔ اگر تمہارا پانی زمین میں جذب ہو جاوے کہا جاتا ہے غارت عینہ۔ مگر بعض نے فرمایا کہ غار پہاڑ کے
...ے کو کہا جاتا ہے اور مغارز مین میں گڑھا رب فرماتا ہے ثانی اثنین اذھما فی الغار۔ وہاں غار سے مراد جبل ثور کا غار
...ی مدخل باب افتعال کا اسم مفعول ہے بمعنی ظرف اصل میں مدتخل تھا ت دال بن کر دال میں مدغم ہو گئی۔ بمعنی داخل
...ے چھپنے کی جگہ یعنی سرداب اور تہ خانہ گویہ سانپ کا سوراخ (تفسیر کبیر) یعنی اگر انہیں تم سے بچنے چھپنے کے لئے کوئی قلعہ
...یا زمین کا غار یا تہ خانہ تنگ و تاریک تو وہ مدینہ منورہ میں بھی نہ رہتیں۔ بلکہ تولوا الیہ یہ فرمان عالی لو کی اجزا ہے یا پوشیدہ
...کا تم۔ ولو بنا ہے تولیۃ سے بمعنی منہ پھیرنا یعنی وہ تم سے تمہارے مدینہ منورہ سے حضور انور ﷺ کی پاک مجلسوں سے
...پھیر کر ادھر رخ کریں۔ اگرچہ وہاں انہیں کیسی ہی تکلیف ہو۔ وھم یجمحون یہ فرمان عالی تولو کے فاعل سے حال
...ے۔ واؤ حالیہ یجمحون بنا ہے جمح سے اس کے معنی ہیں گھوڑے کا رسی تڑا کر یا لگام توڑا کر یا مالک رسی یا لگام چھڑا کر اس
...ح بھاگ پڑنا کہ قبضہ میں نہ آئے سرپٹ بھاگ جائے۔ کہا جاتا ہے فرس جموح سرکش بدکا ہوا گھوڑا۔ (تفسیر کبیر و
...ح المعانی وغیرہ)

...اصہ تفسیر: اے مسلمانو! منافقین تمہیں راضی رکھنے اپنا نفاق چھپانے کے لئے بہت جتن کرتے رہتے ہیں۔ کبھی جہادوں
...چندے دیتے ہیں کبھی مسجدوں میں (کبھی سے ہی سہی) آکر تمہارے ساتھ نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔ اور کبھی قسمیں کھاتے
...ہ کہ اللہ کی قسم ہم بھی تم میں سے ہی ہیں۔ تمہارے ہم مذہب ہم قوم ہیں۔ تمہاری طرح مومن۔ حضور انور ﷺ کے صحابی
...ی مجلس پاک میں شرکت کرنے والے ہیں۔ مسلمانو! ان کی باتوں سے قسموں سے دھوکا نہ کھانا۔ وہ نہ تم میں سے تھے نہ
...ے۔ ان تمام تدبیروں کی وجہ یہ ہے کہ وہ تم سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں کیونکہ وہ تمہارے ہاتھوں کفار و مشرکین کا حال
...تے رہتے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تم سے بچنے کے لئے کوئی قلعہ یا کوئی گہرا گڑھا کنواں یا کوئی تہ خانہ و سوراخ پا

پس اگر چہ انہیں وہاں کیسی ہی تنگی و تکلیف ہو مگر تمہارے ساتھ مدینہ منورہ میں رہ رہے ہیں ان کے دل ہر دم تمہاری طرف سے دھڑک رہے ہیں۔ ان کی نمازوں قسموں سے دھوکا نہ کھاؤ۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: تقیہ کرنا منافقین کا کام ہے مومن کا نہیں۔ تقیہ خواہ عملی ہو یا قولی مومن دونوں سے بچے یہ فائدہ ویحلفون باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین دل میں کافر تھے زبان سے مومن بنتے تھے اپنے کفر کو چھپانے کے لئے جہادوں میں چندے دیتے مسجدوں میں نماز با جماعت پڑھ لیتے تھے۔ یہ ان کا عملی تقیہ تھا۔ قسمیں کھا کر اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے یہ تقیہ قولی تھا۔ رب نے ان سب کو منافقین کے عیوب میں شمار فرمایا۔

دوسرا فائدہ: قسمیں کھا کر اپنے ایمان کا ثبوت دینا منافقوں کا کام ہے مخلص مومن کو اس کی ضرورت نہیں پڑتی اسے لوگ ویسے ہی مومن سمجھتے ہیں یہ فائدہ انھم لمنکم سے حاصل ہوا۔ یہ علامت آج بھی بعض لوگوں میں موجود ہے۔ منبر پر کھڑے ہو کر قرآن مجید ہاتھ میں لے کر لوگوں سے کہتے ہیں کہ میں اس کی قسم کھاتا ہوں وہابی نہیں یہ وہی منافقوں والی رسم ہے۔

تیسرا فائدہ: جب عمل قول کے خلاف ہو تو قول کا کوئی اعتبار نہیں یہ وماھم منکم سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب نے ان کی قسموں کے باوجود فرمایا کہ یہ لوگ تم میں سے نہیں۔ اگر چہ کتنی ہی قسمیں کھائیں۔

چوتھا فائدہ: اول سے ہی مسلمان دو طرح کے ہیں۔ دینی مسلمان اور قومی مسلمان اور یہ دیکھو منافقین کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ماھم منکم یہ تم میں سے نہیں۔ اس کے باوجود انہیں مسجدوں میں نماز پڑھنے جہادوں میں شرکت کرنے کی اجازت تھی کیونکہ وہ قومی مسلمان تھے۔ اب بھی مسلمانوں کے تہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہے مگر باقی بہتر فرقے قومی مسلمان ہیں۔ اس لئے حضور انور نے انہیں بھی امتی فرمایا کہ ارشاد ہوا ستفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ و کلھم فی النار الا واحدۃ:

پانچواں فائدہ: رب تعالیٰ کا بڑا عذاب یہ ہے کہ بندہ صالحین کے گروہ سے نکال دیا جاوے۔ یہ فائدہ بھی ماھم منکم سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس رب کی بڑی نعمت یہ ہے کہ بندہ کو صالحین کے زمرہ میں داخل کر لیا جاوے۔ حضرت انبیاء کرام نے ہم کو تعلیم دینے کے لئے یہ دعا مانگی والحقنی بالصالحین الٰہی مجھے صالحین سے ملاوے یا وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین خدایا مجھے اپنے رحم و کرم سے نیک بندوں میں داخل فرماوے۔

چھٹا فائدہ: منافق کے دل میں بندوں کا خوف ہوتا ہے مومن کے دل میں اللہ کا خوف اس کے رسول کا عشق ہوتا ہے۔ مصرع: در دو دل و خوف غیر اللہ نیست۔ یہ فائدہ قوم یفرقون سے حاصل ہوا۔ یعنی منافقین تم سے ڈرتے ہیں۔

ساتواں فائدہ: بغیر حب رسول مدینہ منورہ میں رہنا بالکل بے کار مضر ہے۔ دیکھو منافقین مدینہ منورہ میں رہتے مسجد نبوی میں نمازیں پڑھتے صحابہ کرام کے پاس آتے جاتے حضور انور کی مجلس میں حاضری دیتے تھے مگر چونکہ ان کے دلی محبت رسول

غذا سے خالی تھے نور ایمان سے محروم رہے ہیں۔ شعر

جو جانا ہے مدینہ میں تو پہلے عشق احمد کر ۔۔۔ نہ ہو جس سے محبت اس کے گھر جانا نہیں اچھا

آٹھواں فائدہ: کفار مومن کی صحبت سے گھبراتے ہیں اگر مجبوراً وہاں پہنچ بھی جاویں تو ان کے دل میں وحشت دہشت رہتی ہے کہ کب موقعہ ملے کب بھاگیں یہ فائدہ **لو یجدون ملجا** (الخ) سے حاصل ہوا۔ کوئی اویس قرنی سے پوچھے کہ مدینہ منورہ کیسی بستی ہے اور صحبت صحابہ کس درجہ کی نعمت ہے اس کے برعکس کفار مومنوں کی صحبت سے متنفر ہیں۔ شعر

نوریاں مر نوریاں را جاذب اند ۔۔۔ ناریاں مر ناریاں را طالب اند

نواں فائدہ: منافقین مدینہ منورہ کے آرام وعیش پر دوسرے مقام کی تکلیف کو قبول کرنے پر تیار تھے جہاں انہیں مسلمانوں کی صورت نہ دیکھنا پڑے۔ انہیں مسلمانوں کی صحبت بہت تکلیف دہ تھی۔ مومن مدینہ کی تکلیف پر تمام دنیا کے آرام کو قربان کرتا ہے۔ یہ فائدہ **ملجا** اور **مغارات او مدخلا** (الخ) سے حاصل ہوا۔ کہ منافقین غاروں تہ خانوں میں رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں بود وباش کے مقابل۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں رب نے فرمایا **وما ہم منکم** منافقین تم میں سے نہیں گروہ مسلمانوں سے نہیں تو انہیں نماز کی جماعتوں میں شرکت مدینہ طیبہ میں رہنے کی اجازت جہادوں میں حاضری حج کی اجازت کیوں دی گئی۔ حالانکہ مشرکین وکفار کو مسجدوں میں آنے کی اجازت نہیں رب فرماتا ہے **ولا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ہذا** یہ آیت اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں مذہبیت کا لحاظ ہے نہ کہ قومیت کا یعنی منافقین دین وملت کے لحاظ سے تم میں سے نہیں۔ قومی لحاظ سے انہیں مسلمان کہا جاوے گا۔ ان پر احکام اسلامی جاری ہوں گے۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **یخافون یا یخشون یا یتقون** کیوں ارشاد نہیں ہوا۔ ان سب کے معنی ڈرنا ہیں۔

جواب: فرق ایک خاص خوف کو کہتے ہیں ہر ڈر فرق خوف کو نہیں کہتے۔ فرق وہ ڈر ہے جو بندوں سے ہو دل کی دھڑکن کے ساتھ منافقین کو مسلمانوں سے اسی قسم کا خوف تھا کہ کہیں ہمارا نفاق ظاہر نہ ہو جاوے۔ اگر **یخافون** وغیرہ ارشاد ہوتا تو یہ مقصد حاصل نہ ہوتا۔

تیسرا اعتراض: اگر منافقین مدینہ منورہ سے ایسے ہی متنفر تھے کہ تہ خانہ۔ پہاڑ کی غار کو اس پر ترجیح دیتے تھے تو وہ مدینہ منورہ میں رہے کیوں۔ عرب کی زمین وسیع تھی وہاں پہاڑ اور غار بھی بہت تھے وہاں جا چھپے ہوتے۔

جواب: انہیں خبر تھی کہ ہم اگر کافر بن کر کسی جگہ پہنچ جاویں مگر مسلمانوں کی تلوار سے بچ نہ سکیں گے۔ ان کی حکومت پہاڑوں میں ان کی تلواریں غاروں میں پہنچ کر ہمارا خاتمہ کر دے گی اس لئے یہاں سے نہیں جاتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ: مومن کلمہ پڑھ کر رسول کی پناہ میں آتا ہے منافق جھوٹی قسمیں کھا کر بھی انہیں کی پناہ لیتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ مومن اللہ کے غضب۔ آخرت کے عذاب سے اسلام کے قلعہ میں آتا ہے اور منافق دنیا کی رسوائی یہاں کی ذلت اپنی

حقیقت کھل جانے کے عذاب سے انہیں کی پناہ میں آتا ہے مگر وہ پناہ اللہ کی رحمت ہے۔ منافق کی یہ پناہ اللہ کی لعنت منافقوں کے متعلق یہ آیات ہیں مومنوں کے متعلق وہ آیت کریمہ ہے ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤک صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز اپنی جنس کی طرف مائل ہے۔ غیر جنس سے متنفر منافقین کفار کے ہم جنس تھے مسلمانوں کے غیر جنس اس لئے وہ مدینہ منورہ میں ایسے رہتے تھے جیسے طوطی کے ساتھ کوا۔ ایک ہی پنجرہ میں رکھ جاوے۔ یہ ہی حال نفسانی اور رحمانی لوگوں کا ہے۔ شعر

پارساہ ابس ایں قدر زنداں　　　　کہ بود ہم طویلہ رنداں

اے انسان تیرے قفس جسم میں نفس اور دل دو غیر جنس ہیں یہ دونوں ایک دوسرے سے متنفر ہیں۔ ان میں صلح کرانے کی صورت یہ ہے کہ نفس کو بجائے امارہ۔ مطمئنہ بنا دے تاکہ وہ دل کا ہم جنس ہو کر آرام سے رہے۔ حضور انور کی صحبت پاک سے آپ کا قرین شیطان مومن بن گیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ مگر بدنصیب منافقین اس صحبت سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ یہ بدنصیب شیطان سے بدتر تھے۔ یہ آیت کریمہ بڑی عبرت کی ہے اللہ ہم سب کو حضرات صحابہ کے زمرہ میں داخل فرمائے۔

وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن

اور بعض ان میں سے وہ ہے جو عیب لگاتے آپ کے صدقوں میں پس اگر دیئے جاویں ان میں سے

اور ان میں سے کوئی وہ ہے کہ صدقہ بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے تو اگر ان میں سے کچھ ملے تو راضی ہو

لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتٰهُمُ

راضی ہو جاویں اور اگر نہ دے جائیں ان میں سے تو ناگاہ وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور کاش کہ تحقیق وہ

جائیں اور نہ ملے تو جب ہی وہ ناراض ہیں اور

اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ وَ

راضی ہوتے اس سے جو دیتا ان کو اللہ اور رسول اس کا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اللہ عنقریب

کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ و رسول نے ان کو دیا او کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اب دیتا

رَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللّٰهِ رٰغِبُونَ ﴿۵۹﴾ ع

دے گا ہم کو اپنی مہربانی سے اور رسول اس کا تحقیق ہم طرف اللہ کے رغبت کرنے والے ہیں

ہے اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول ہمیں اللہ کی طرف رغبت ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کا وہ عیب بیان فرمایا گیا جس میں وہ اپنا چھپانے کی کوشش کرتے تھے یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا ایمان ظاہر کرنا۔ اب ان کا وہ عیب بیان ہو رہا ہے۔ جس سے قدرتی طور پر ان کا نفاق کھل جاتا ہے۔ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر زبان طعن دراز کرنا۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ منافقین کچھ بھی کریں۔ نمازیں پڑھیں۔ جہاد میں جائیں۔ صدقے دیں مگر منافق ہیں اب اس دعویٰ کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ کبھی ان کے منہ سے وہ باتیں نکل جاتی ہیں جس سے ان کی منافقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ شعر

وہابی گرچہ اخفائی کند بعض نبی لیکن نہاں کے ماند آں رسے کزو سازند محفلہا

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین کا مال و اولاد اللہ کی رحمت نہیں بلکہ اس کا عذاب ہے۔ اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ دیکھو مالدار ہونے کے باوجود مال پر بڑے حریص ہیں کہ مال کی خاطر ایمان چھوڑنا پسند کرتے ہیں۔

شان نزول: ان آیات کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں ۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فتح حنین کے بعد ہوازن سے مال غنیمت حاصل کیا ہوا تقسیم فرمارہے ہیں فتح مکہ میں ایمان لانے والے پر بڑے کرم نوازی فرمائی انہیں بہت کچھ عطا کیا۔ پرانے مسلمانوں کا کچھ کم عطا فرمایا۔ اس پر قبیلہ بنی تمیم کا ایک شخص حرقوص ابن زہیر جس کا لقب تھا ذوالخویصرہ۔ تفسیر کبیر نے کہا کہ اس کا نام مقدار بن ذی خویصرہ تھا۔ اللہ و رسولہ اعلم۔ وہ بولا یارسول اللہ آپ تقسیم میں انصاف کریں۔ حضور انور نے فرمایا اگر میں بھی انصاف نہ کروں تو کون کرے گا۔ حضرت عمرؓ نے اس منافق کے قتل کی اجازت چاہی منع فرمادیا اور فرمایا کہ ارادہ الٰہی یہ ہے کہ اس کی نسل سے ایک قوم ایسی پیدا ہو کہ تم لوگ اپنی نمازیں روزے ان کی نمازوں روزوں کے مقابل معمولی سمجھو گے۔ قرآن بہت پڑھیں گے مگر ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے تب یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں (مسلم، بخاری، تفسیر خازن، کبیر، معانی، روح البیان، خزائن عرفان وغیرہ) ۲؎ امام کلبی کہتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو عطایا تقسیم فرمارہے تھے۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ تو ایک شخص نے جس کا نام ابوالجواظ تھا اس نے کہا کہ یہ تقسیم برابر نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (خازن)

۳؎ قتادہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سونا چاندی لوگوں میں تقسیم فرمارہے تھے کہ ایک بدوی بولا کہ یارسول اللہ اگر آپ کو رب نے عدل و انصاف کا حکم دیا ہے تو آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا تب یہ آیت نازل ہوئی (خازن) ۴؎ ابن جریر نے داؤد ابن ابی عاصم سے روایت کی کہ ایک بار حضور انور کے پاس لوگ اپنے صدقات تقسیم فرمانے لگے۔ پیچھے سے ایک شخص بولا کہ اس طرح بانٹنا انصاف نہیں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ روایت کے لحاظ سے پہلا قول قوی ہے مگر روایت کے اعتبار سے یہ قول قوی کیونکہ آیت کریمہ میں صدقات کا ذکر ہے غنیمت کو صدمہ تاویل سے ہی کہا جاوے گا (روح المعانی)۔

تفسیر: ومنهم من يلمزك في الصدقات چونکہ یہ جملہ علیحدہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے۔ منهم کی ضمیر ان ہی

منافقین کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ لمز و ہمز ہم معنی ہیں۔ بعض کے خیال میں سامنے کسی کا عیب بیان کرنا لمز ہے۔ آنکھ ہاتھ وغیرہ کے اشارے سے بیان ہمز۔ بہر حال لمز کا اسم فاعل لامز ہمز کا ہامز دونوں کی جمع ہمزہ ہے رب فرماتا ہے **ویل لکل ھمزۃ اللمزۃ** ان کا مبالغہ لماز ہماز ہے فرماتا ہے **ھماز مشاء بنمیم** (تفسیر روح البیان' معانی' کبیر) اگر اس کا شان نزول وہ ہے جو چوتھی روایت ثابت ہے تو صدقات اپنے ظاہری معنی پر ہے یعنی صدقات وخیرات اور روایت ؁ کی بنا پر صدقات سے مراد مال غنیمت ہے۔ کیونکہ صدقہ بنا ہے صدق سے اس سے مراد ہر وہ عطیہ ہو سکتا ہے جس سے ثواب مقصود ہو۔ کیونکہ اس سے بندے کا دعویٰ بندگی میں صدق و سچائی ظاہر ہوتی ہے (روح البیان) چونکہ اس تقسیم کا ہر حصہ علیحدہ صدقہ تھا اس لئے صدقات جمع ارشاد ہوا اس سے پہلے قسمت یا تقسیم پوشیدہ ہے یعنی منافقین ایسے بدنصیب بے حیا بھی ہیں جو تقسیم صدقات میں آپ کو عیب لگاتے کہ آپ انصاف سے تقسیم نہیں کرتے مگر اس عیب لگانے کی حقیقت یہ ہے **فان اعطوط منھا رضوو** رضو سے مراد ہے آپ کی تقسیم سے راضی ہو جاویں کچھ اعتراض نہ کریں یعنی اگر انہیں معترضین کو ان کی خواہش کے مطابق مال دے دیا جاوے تو آپ سے آپ کی تقسیم سے راضی خوشی وخرم ہو جاویں۔ پھر کوئی اعتراض نہ کریں۔ **وان لم یعطوا منھا اذا ھم یسخطون** یہ پوری عبارت پچھلی عبارت **فان اعطوا** (الخ)۔ پر معطوف ہے یہاں بھی **یعطو** کا نائب۔ فاعل وہی عبارت ہے **فلو ماہر یعلون** اس عبارت میں اذا جزائیہ ہے ف کی طرح۔ خیال رہے کہ اذا فرما کر یہ بھی اشارۃً بتا دیا گیا کہ ان کی ناراضگی فوراً بلا تاخیر ہوتی ہے (روح البیان) کیونکہ دراصل اذ مفاجاتیہ ہے بمعنی اچانک ف جزائیہ کی جگہ استعمال کیا گیا۔ یعنی اگر مال غنیمت یا صدقہ وخیرات میں سے انہیں ان کی خواہش کے لائق نہ ملے تو وہ سخت ناراض ہو کر آپ کی تقسیم پر اعتراضات کرنے لگتے ہیں۔ **ولو انھم رضوا ما اعطاھم اللہ ورسولہ** اس فرمان عالی میں تصویر کا رخ دکھا گیا ہے۔ اس فرمان میں ما مفعول یہ ہے رضوا کا۔ اللہ اور رسول **اعطا** کا فاعل ہے۔ اگرچہ اس وقت عطاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتی۔ مگر چونکہ حضور انور کا ہر کام وکلام رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے بلکہ حضور کا ہر کام وکلام درحقیقت رب تعالیٰ کا کام وکلام ہے اس لئے اس کا فاعل ان دونوں ہستیوں کا بنایا گیا۔ قوی یہ ہے کہ یہاں ما عام ہے ہر تھوڑی بہت چھوٹی بہت عطاء کو شامل ہے۔ یعنی اگر یہ منافقین اللہ رسول کی چھوٹی بڑی تھوڑی بہت عطا پر دل سے تو راضی رہتے اور **قالوا حسبنا اللہ**۔ زبان سے کہتے ہم کو اللہ کا فضل وکرم کافی ہے جو ہم کو اللہ دے دے وہ اس کا فضل وکرم ہی ہے خواہ اس میں ہمارے کسب کو دخل ہو یا نہ ہو۔ ہمیں اب تک جو ملا اس کے فضل سے ملا آئندہ کے متعلق کہتے ہیں کہ **سیوتینا اللہ من فضلہ ورسولہ** اس فرمان عالی میں **یوتینا** کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے صدقہ آخروی یا کہ زائد **قدرمانشاء** اور **رسولہ** معطوف ہے لفظ اللہ پر یعنی قریب ہے کہ ہم کو اپنے فضل سے اللہ رسول اور بھی دیں گے۔ اس سے زیادہ دیں گے۔ جتنا ہم مانگیں گے اتنا دیں گے۔ جس سے ہمارے دل خوش ہو جا میں گے۔ **انا الی اللہ راغبون** اس فرمان عالی میں گذشتہ مضمون کی دلیل ہے اگر رغبت کا صلہ من یا عن سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں بے رغبتی یا منہ پھر نا **رغب عنہ یاغب منہ** اور اگر الی یا لام یا فی سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اس میں رغبت

تا۔ یہاں انی سے صلہ لایا گیا۔ یعنی ہم کو رغبت قلبی اپنے رب کی طرف ہے۔ دنیا ملے یا نہ ملے وہ راضی رہے ہماری تمنا
ی ہوگئی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ لو کی جزا پوشیدہ ہے لکان خیرا لھم۔

خلاصہ تفسیر: مذکورین منافقین کے نفاق کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کو غنیمت یا صدقہ خیرات کی تقسیم میں عیب لگاتے
ہیں کہ اس تقسیم میں عدل و انصاف نہیں کیا گیا۔ اپنوں اور اپنے پیاروں کو زیادہ دیا۔ دوسروں کو تھوڑا ان کے دل کا حال یہ ہے
کہ اگر اس تقسیم میں انہیں ان کی خواہش کے مطابق دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں کوئی اعتراض نہیں کرتے اور اگر
انہیں اپنی مرضی کے مطابق نہ دیا جاوے تو وہ بہت ناراض ہو جاتے ہیں۔ ان کی رضا اور ناراضگی اپنی نفسانی خواہش کی بنا پر
ہے اگر یہ ایسے موقعہ پر اللہ رسول کے دیئے پر راضی ہو جاوے خواہ وہ کم ملتا ہے یا زیادہ اور زبان سے کہتے کہ ہمیں اللہ اور اس
کا فضل و کرم ہی کافی ہے مال تھوڑا ملے یا بہت اگر آج کم ملا تو پرواہ نہیں ہم کو امید ہے کہ اللہ رسول ہم کو اور دیں گے اور بہت
دیں گے جتنا ہم مانگیں گے اس سے سوا دیں گے ہم کو رغبت اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے ہے مال ملے یا نہ ملے اگر ملے تو کم
ملے یا زیادہ اگر ایسا کہتے ہیں تو بہت اچھا ہوتا۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ منافقین کی اس
بات پر حضور انور کو بہت صدمہ ہوا اور فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو انہیں اس سے زیادہ ستایا گیا انہوں نے صبر
کیا۔ (روح المعانی)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: منافقین اپنا نفاق چھپانے کی کتنی ہی کوشش کریں مگر ان کے منہ سے ایسے الفاظ ان کے اعضا سے ایسے
حرکات صادر ہو جاتے ہیں جن سے ان کا نفاق کھل جاتا ہے۔ یہ فائدہ و منھم من یلمزک (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل یا قول شریف پر اعتراض کرنا کفر ہے اور منافقین کی خاص نشانی۔ یہ
فائدہ بھی تلمزک (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: مال غنیمت کے حصہ کو بھی لغوی معنی سے صدقہ کہہ سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں مسلمان بھائی سے خندہ
پیشانی سے ملنے کو صدقہ کہا گیا۔ یہ فائدہ الصدقات کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس سے مراد غنیمت کا حصہ ہو۔

چوتھا فائدہ: عبادات حضور انور کی معرفت سے زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ الصدقات کی چوتھی تفسیر سے حاصل ہوا
جب کہ اس سے مراد صدقہ خیرات ہوں۔ حضرات صحابہ اپنے صدقے حضور کے ہاتھ سے فقراء میں تقسیم کراتے تھے کہ اس
ہاتھ پاک کی برکت سے قبول ہو جاویں۔ آج بھی مسلمان فاتحہ میں پہلے حضور انور کا نام لیتے ہیں۔ واسطے خدا کے نذر حضور
انور کی اس عمل کی اصلی یہی آیت ہے رب فرماتا ہے خذ من اموالھم صدقة تطھرھم و تزکیھم بھا۔ معلوم ہوا کہ خود
صدقہ اکیلا ہم کو پاکی نہیں بخشتا بلکہ اس کے ذریعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم پاکی بخشتی ہے۔

پانچواں فائدہ: نفس پرست دنیا پرست آدمی کتے سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہے کہ کتا اپنے مالک کے تھوڑے کھانے پر
قناعت کرتا ہے کہیں نہیں جاتا مگر آدمی ہو کر مال کچھ تھوڑا ملنے پر مالک کے دروازہ سے ہٹنا کیا خود ان پر بھونکنے لگتا ہے یہ

فائدہ وان لم یعطوا منھا (الخ) سے حاصل ہوا۔ انسان ایک ایسی عجیب مخلوق ہے کہ اگر اونچا جاوے تو فرشتوں سے بڑھ جاوے اولئک ھم خیر البریۃ اور اگر نیچے گرے تو بدتر جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل۔

چھٹا فائدہ: صرف مال کی وجہ سے اللہ رسول سے راضی رہے ان کی رضا ایمان اور روح ایمان ہے یہ فائدہ فان اعطوا منھا رضوا (الخ) سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے منافقوں کی اس رضاوخوشنودی کو نفاق قرار دیا۔ اور دوسری قسم کی رضا کا ذکر یوں فرمایا و انھم رضوا (الخ) اللہ تعالیٰ یہ ہی دوسری قسم کی رضا نصیب فرمادے۔

ساتواں فائدہ: حضور انور کی عطا رب تعالیٰ کی عطا ہے دیکھو مال غنیمت اور صدقات ان لوگوں کو حضور انور نے دیئے تھے مگر رب نے فرمایا اتٰھم اللہ و رسولہ۔ یوں ہی خدا کی عطا، حضور انور کی عطا ہے کہ معطی رب ہے قاسم حضور ہیں لہذا ہم کہہ سکتے ہیں حضور جنت دیتے ہیں۔ دوزخ سے بچاتے ہیں۔ حضرت ربیعہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا اسئلک مرافقتک فی الجنۃ۔ میں آپ سے جنت میں آپ کے ساتھ رہنا مانگتا ہوں۔

آٹھواں فائدہ: رب کے ساتھ حضور کا ذکر بغیر ف یا بغیر ثم کے بالکل جائز ہے نہ شرک ہے نہ کفر یہ فائدہ اتاھم اللہ ورسولہ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور انور کا ذکر اپنے ساتھ کر کے فرمایا کہ انہیں اللہ رسول نے دیا۔ بلکہ ایمان کی حقیقت ہے۔ رسول کو اللہ تعالیٰ سے ملانا۔ کفر کی حقیقت ہے رسول کو رب سے الگ کرنا۔ الگ سمجھنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے یریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نومن ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا ملانا ایسا جیسا کہ سکے کی مہر سکہ سے ملی ہوتی ہے۔

نواں فائدہ: حضور انور اپنے رب کے اذن سے دیتے ہیں۔ اور سب کچھ دیتے ہیں اور دیں گے۔ رب نے فرمایا سیوتینا اللہ من فضلہ ورسولہ یہاں عطا میں کوئی قید نہیں جو رب دیتا ہے وہ حضور انور دیتے ہیں۔ یہاں مال وغیرہ کی قید نہیں بلکہ فضلہ ارشاد ہوا ہر چیز اللہ کے فضل سے ملتی ہے۔ حضور کے ہاتھ سے ملتی ہے۔ جو کہے کہ حضور کچھ نہیں دیتے وہ یا تو جھوٹا ہے یا اپنی حالت بیان کر رہا ہوگا۔ اسے حضور نے کچھ نہیں دیا ہوگا۔ جو اس دروازے سے محروم رہے وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔ رب فرماتا ہے۔ شعر

بخدا خدا کا یہ ہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

دسواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کی اصل ونسب کے سارے حالات سے خبردار ہیں کہ کس کی پشت سے کیسے لوگ پیدا ہوں گے۔ یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول نمبر ایک سے معلوم ہوا کہ حضور انور نے حرقوس ابن زہیر تمیمی کی نسل کے حالات بیان کر دیئے کہ ان کی نمازیں تمہاری نمازوں سے زیادہ ہوں گی مگر ہوں گے بے ایمان۔

گیارہواں فائدہ: ہر ایک کو دعوت قرآن دینا۔ وعظوں میں بہت قرآن پڑھنا خوارج کا طریقہ ہے۔ جیسے آج کل ہمارے ہاں کے خوارج وہابیوں کا دستور ہے۔ یہ فائدہ بھی اس شان نزول سے حاصل ہوا کہ فرمایا اس منافق کی ذریت قرآن ہمیشہ پڑھا کرے گی۔ ہر ایک کو توحید اور قرآن کی دعوت دینا حضور انور کا ذکر تک نہ کرنا کفر و نفاق کی اصل ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ یا تو حضور انور کے عیب لگانا کفر نہیں یا مرتد کی سزا قتل نہیں۔ دیکھو ارشاد ہوا **ومنہم من یلمزک فی الصدقات** یہ لوگ آپ کو صدقات میں عیب لگاتے ہیں۔ مگر حضور انور نے اسے قتل کیا نہ حضرت عمرؓ کو قتل کی اجازت دی۔

جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں ایک یہ کہ اس وقت منافقین کو دل سے ہی دینی مومن نہیں مانا گیا یا شرعاً پہلے ہی سے کافر تھے۔ لہٰذا آج ان کا کفر ارتداد نہیں۔ مرتد وہ ہے جو پہلے مومن ہو بعد میں کافر ہو لہٰذا ان پر مرتدین کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ اس وقت کا ماحول یہ تھا کہ اگر ان جیسے منافقین کو قتل کیا جاتا تو کفار مسلمانوں کو بدنام کرتے کہ یہ لوگ تو ایسے ظالم ہیں کہ مسلمانوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں جس سے اسلام کی تبلیغ میں رکاوٹ ہوتی۔ اس لئے ان کو قتل نہیں کرایا گیا۔ تیسرے یہ کہ شیطان سجدہ آدم کا انکاری ہو کر مرتد ہوا مگر رب تعالیٰ نے اسے ہلاک کرنے کے بجائے دراز عمر عطا فرمادی کہ اس کے متعلق ایک چیز یعنی گمراہی کا ظہور ہونا تھا۔ آستانہ رسول مظہر ہے آستانہ الٰہیہ کا۔ ان جیسے خبیثوں کو زندہ چھوڑا کہ ان کے متعلق ایک پروگرام تھا کہ ان سے ایسی سرکش قوم پیدا ہو یعنی خوارج وہابی وغیرہ۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں منافقین کی خوشی کے متعلق ارشاد ہوا **رضو** یعنی ماضی مطلق مگر ان کی ناراضگی کے متعلق ارشاد ہوا **اذھم یسخطون** دراز جملہ اسمیہ جس کی خبر مضارع ہے اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے یہاں بھی **سخطو** فرمادیا ہوتا۔

جواب: اس فرق بیان سے یہ بتایا کہ منافقین کا حضور انور ﷺ کی عطا پر خوش ہو جانا بہت کم اور عارضی ہوتا ہے۔ مگر ان کا ناراض ہونا دائمی۔ جو ہوتا ہی رہتا ہے ان کی عادت ہی ہے۔ ناراض ہوتے رہنا کبھی کسی بہانہ ناراض کبھی اور بہانہ سے ناراض۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اگر منافقین اللہ رسول کے دیئے پر راضی ہوتے تو اچھا ہوتا۔ جب منافق کے لئے ان کا کلمہ پڑھنا نمازوں جہادوں میں شریک ہونا اچھا نہ تو صرف عطیہ پر راضی ہو جانا اچھا کیونکر ہوتا۔ وہ اگر راضی رہتے جب بھی منافق ہی رہتے اس کا مطلب کیا۔

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس خوشی اور رضامندی کی برکت سے رب تعالیٰ انہیں نفاق کی بیماری سے نجات دیتا اور انہیں اخلاص عطا فرماتا۔ جیسے بعضے اپنی ہوا میں شفا ہے یوں ہی بعضے اعمال میں دل کی بیماری سے شفا ہے اللہ رسول سے راضی رہنا بندے کو مقبول بنادیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: منافقت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا ظاہر ارکان اسلام سے مزین ہو مگر اس کا باطن نور ایمان سے خالی ہو۔ جس دل میں نور ایمان نہ ہوگا وہاں ظلمت کفر ہوگی۔ جس کا نتیجہ حب دنیا ہے کہ دنیا پانے پر راضی ہوتا ہے اور دنیا نہ ملنے پر ناراض مگر جس دل میں نور ایمان ہو وہ رب کی رضا پر راضی وخوش ہوتا ہے۔ شعر

نکند دوست زینہار از دوست دل نہادم ہر آنچہ خاطر اوست
گر بلطفم بنزد خود خواند در بقہرم مراند او داند

منافقین کو نفاق کی بیماری تھی اس لئے وہ دنیا نہ ملنے پر خوش اور نہ ملنے یا کم ملنے پر ناراض ہوتے تھے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ واضو ما اتاھم (الخ) کا مقصد یہ ہے کہ اللہ رسول کی طرف سے جو کچھ آرام تکلیف خوشی وغم پہنچے اسے یار کا تحفہ سمجھ کر اس سے راضی وخوشی رہے تب ایمان کی لذت ملے ابراھیم ادھم فرماتے ہیں کہ جو تقدیر پر راضی ہو وہ دنیا کے سارے رنج وملال سے چھوٹ گیا۔ جب تقدیر برحق ہے۔ تو ناراضی حماقت ہے۔ شعر

رضا بہ ادہ بدہ وزجبیں گرہ بکشا — کہ برمن و تو در اختیار نہ کشاید دوست

بشنو ایں نکتہ کہ خود راز غم آزاد کنی — خوں خوری گر طلب روزی تنہا دہ کنی

حضرت سعد ابن ابی وقاص آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے اس حال میں آپ مکہ معظمہ پہنچے کسی نے کہا کہ آپ مقبول الدعا ہیں اور کعبہ معظمہ قبولیت دعا کی جگہ۔ یہاں اپنی آنکھوں کے لئے دعا کریں فرمایا مجھے اللہ کی رضا آنکھوں کی بینائی سے زیادہ پیاری ہے کسی بزرگ سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ انسان پیدا ہوتا ہے مٹھی بند اور مرتا ہے ہاتھ کھلے انہوں نے فوراً جواب دیا۔ شعر

ومقبوض کف المرء عند ولادۃ — دلیل علی الحرص المرکب فی الحی

ومبسوط کف المرء عند وفاتہ — یقول انظر و انی خرجت بلاشیء

یعنی پیدا ہوتا ہے دنیا پر حریص ہر چیز پر قبضہ کی کوشش کرتا ہوا جاتا ہے۔ فقیر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خالی ہاتھ جھاڑتا ہوا انسان کو اللہ پر توکل اس کے وعدے پر اعتماد چاہئے کہ رب اپنے بندے کو کافی ہے دنیا کے وجدان سے آخرت کا فقدان ہے اور دنیا کے فقدان میں آخرت کا وجدان (روح البیان) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ذاکر قوم پر گذرے پوچھا تم اللہ کا ذکر کیوں کرتے ہو بولے دوزخ کے خوف سے فرمایا ٹھیک کرتے ہو دوسری ذاکر قوم پر گذرے پوچھا تم ذکر الٰہی کیونکر کرتے ہو وہ بولے جنت کی امید میں فرمایا تم بھی ٹھیک ہو تیسری ذاکر قوم پر گذرے فرمایا کہ ذکر اللہ کیوں کرتے ہو بولے اپنی عبدیت اللہ کی ربوبیت کے اظہار کے لئے دل کو نور سے زبان کو یار کے نام سے متبرک کرنے کے لئے فرمایا تم بھی محققین ہو (کبیر)

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا

واجب صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور ان کے لئے جو کام کریں ان پر اور ان

زکوٰۃ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو محتاج اور نرے نادار ہوں اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کیلئے الفت دیئے جائیں دل ان کے اور گردنوں میں اور مقروضوں کیلئے اور راستے میں اللہ کے

کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں

وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰

مسافر کے لئے مقرر ہے خدا کی طرف سے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے

اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے

تعلق: اس آیۂ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقین کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم غنیمت پر کرتے تھے اب ان کے اس اعتراض کا جواب دیا جارہا ہے جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم صدقات پر کرتے تھے۔ گویا ایک فعل شریف پر اعتراض کا جواب دینے کے بعد دوسرے فعل شریف پر اعتراض کا جواب دیا جارہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا جو وہ غنیمت کا مال دینے پر کرتے تھے اب ان کے اس اعتراض کا جواب ہے جو وہ حضور انور کے صدقات وصول کرنے پر کرتے تھے گویا دین پر اعتراض کا جواب پہلے دیا گیا اور نبی پر اعتراض کا جواب اب دیا جارہا ہے۔

تیسرا اعتراض: پچھلی آیات کریمہ میں سرکار کی تقسیم کے فرق پر جو اعتراض تھا اس کا جواب دیا گیا کہ حضور نے بعض کو کم کر دیا بعض کو زیادہ اب حضور انور کے دینے نہ دینے پر جو اعتراض تھا اس کا جواب دیا گیا کہ حضور نے بعض کو کم دیا بعض کو زیادہ اب حضور انور کے دینے نہ دینے پر جو اعتراض تھا اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ حضور ﷺ کسی کو دیتے تھے کسی کو نہیں گویا حضور کی تقسیم کی دو نوعیتیں تھیں۔ ایک نوعیت کا ذکر پہلے ہوا دوسری کا ذکر اب ہے۔

شان نزول: مال دار صحابہ کرامؓ اپنے مالوں کی زکوٰۃ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر کرتے تھے تاکہ حضور انور اپنے ہاتھ شریف سے مستحقین کو تقسیم فرمادیں کہ رب تعالیٰ اس ہاتھ شریف کی برکت سے قبول کرے۔ بعض منافقین بولے کہ یہ زکوٰتیں حضور انور ﷺ اپنے اپنے گھر والوں اپنے دوستوں عزیزوں و قرابت داروں کے لئے لیتے ہیں ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (از تفسیر صاوی و از خزائن العرفان)

تفسیر: انما الصدقات انما لفظ حصر ہے جس کے معنی ہیں صرف یا ہی۔ کیونکہ بنا ہے ان حرف تحقیق اور ما نافیہ سے ان ثبوت کے لئے ہے اور مانفی کے لئے گویا اس سے ایک کے لئے ثبوت ہوتا ہے دوسروں کے لئے نفی۔ حصر کے یہی معنی ہیں یہی ہے اس کے سوا نہیں (تفسیر خازن) صدقات جمع ہیں صدقات کی۔ جس کا مادہ وہ صدق ہے بمعنی سچائی۔ خیرات کو صدقہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سخی کے صدق ایمان و صدق نیت پر دلالت کرتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اس سے زکوٰۃ مراد ہے چونکہ زکوٰۃ کی کئی قسمیں اور ہر قسم کے مراد بہت زیادہ ہیں اس لئے الصدقات جمع ارشاد ہوئی اور ہوسکتا ہے کہ اس سے سارے واجب صدقے مراد ہوں زکوٰۃ یا اللہ کے لئے مانی ہوئی۔ نذر کا مال اور فطرہ یہ ہر حال نفلی صدقے اس سے علیحدہ ہیں۔ کیونکہ آگے ارشاد ہے فریضۃ اس سے پہلے ہے للفقراء من اللہ والمساکین ۔ یہ عبارت ہے آئندہ کلمات کیئے الصدقات کی خبر ہے۔ اس میں لام استحقاق کا ہے یعنی زکوٰۃ کے مستحقین یہ لوگ ہیں جیسے کہا جاوے انما الخلافۃ للقرایش خلافت کا حق قریش کو ہے لہٰذا اگر ان میں سے ایک قسم کے ایک آدمی کو زکوٰۃ دے دی گئی تب بھی ادا ہو جاوے گی نہ آٹھوں قسموں کو دینا ضروری ہے نہ ہر قسم کے ہی افراد کو۔ الفقرا جمع فقیر کی اور المساکین جمع ہے مسکین کی۔ فقیر بنا ہے فقر سے بمعنی جسم کے جوڑ۔ اسی سے ہے ذوالفقار یعنی جوڑوں والی تلوار چونکہ غریبی آدمی کی پیٹھ توڑ دیتی ہے اس کے جوڑ گویا الگ کر

دیتی ہے اس لئے فقیر کہتے ہیں مسکین بنا ہے سکن سے بمعنی ٹھہرانا ان صلوتک سکن لھم اسی سے ہے سکونت چونکہ غریبی اسے ایک جگہ ٹھہرا دیتی ہے۔ کسی کے پاس آنے جانے کے قابل نہیں رکھتی ہے اس لئے اسے مسکین کہتے ہیں رہی یہ بات کہ فقراء اور مسکین میں کیا فرق ہے اس میں سات قول ہیں۔ ۱ یہ دونوں ایک ہی ہیں ہر فقیر مسکین ہے اور ہر مسکین فقیر یہ قول جبائی کا ہے اور امام محمد ابو یوسف سے منقول ہے (روح المعانی وخازن) مگر یہ بہت ہی ضعیف ہے کہ اس صورت میں زکوۃ کے مصرف سات بنتے ہیں مگر ہیں آٹھ ۲ فقیر وہ غریب ہے جو کسی سے منہ مانگے مسکین بھیک مانگنے والا غریب یہ قول ابن عباس' حسن' مجاہد' عکرمہ اور زہری کا ہے ۳ فقیر بے دست و پا غریب مسکین تندرست غریب یہ قول قتادہ کا ہے ۴ فقیر وہ جو بے مال و دولت ہو۔ مسکین وہ جس کے دل میں سکون وچین ہو اگرچہ مال سے خالی ہو اس لئے حضور انور نے فقر کے متعلق فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ فقر کفر تک پہنچادے اور فرمایا الٰہی مجھے مسکین اور مسکینوں میں رکھ دنیا اور آخرت میں ۵ فقیر وہ جو دوسرے کا محتاج ہو اگرچہ مالدار ہو رب فرماتا ہے واللہ غنی وانتم الفقراء مسکین وہ جو بے نیاز ہو اگرچہ غریب ہو ۶ فقیر وہ جس کے پاس مال ہو مگر نصاب سے کم مسکین وہ جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ حتی کہ تن ڈھکنے کو کپڑا پیٹ کو ٹکڑا بھی نہ ہو۔ یہ قول امام اعظم کا ہے۔ ۷ اس کے برعکس کہ فقیر وہ جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ مسکین وہ جس کے پاس مال ہو مگر نصاب سے کم۔ یہ قول امام شافعی کا ہے (تفسیر خازن) ان تمام اقوال میں قول۔ ۸ یعنی امام اعظم کا نہایت قوی ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ اعتراضات جوابات میں عرض کریں گے۔ خیال رہے کہ الفقراء اور المساکین سے تین قسم کے فقیر خارج ہیں ایک کافر فقیر و مسکین۔ اپنے اصول ۲ وفروع فقیر و مسکین بنی ہاشم خصوصا حضور انور کے فقراء و مساکین کہ ان کو زکوۃ نہیں اور کوئی صدقہ واجبہ نہیں اور کوئی نہیں دے سکتا حتی کہ سیدوں کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی زکوۃ جائز نہیں جیسا کہ ابھی عرض کریں گے۔ والعاملین علیھا۔ یہ عبارت معطوف ہے المساکین پر اور تیسرے مصرف کا ذکر صدقہ پر عامل وہ ہے۔ جو سلطان اسلام کی طرف سے مالداروں کے ظاہری مال یعنی جانوروں اور کھیت و باغ کی پیداوار کی زکوۃ وصول کرنے پر مقرر ہو کہ وصول کرے اور حکومت کو پیش کرے۔ یہ اگرچہ خود مالدار بھی ہو مگر اسے زکوۃ سے تنخواہ دی جاوے گی ہاں بنی ہاشم اگر وصول کرکے لاویں تو انہیں زکوۃ سے تنخواہ نہ دی جاوے دوسرے مال سے ایک بار ابو رافع جو حضور انور کے آزاد کردہ غلام تھے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے زکوۃ کا عامل بنادیجئے تاکہ جو تنخواہ دوسرے عاملوں کو ملتی ہے مجھے بھی ملے فرمایا تم ہمارے غلام ہو اور بنی ہاشم کے غلاموں کو زکوۃ سے منع یعنی اس کی تنخواہ نہیں دی جاسکتی (روح المعانی' تفسیر کبیر' خازن' ترمذی' نسائی) بلکہ تفسیر خازن نے فرمایا کہ ہاشمی کو زکوۃ کا عامل بنایا ہی نہ جائے۔ خیال رہے کہ اگر یہ لوگ اپنی زکوۃ خود حاکم کے پاس پہنچادیں تو عامل کو کچھ نہ ملے گا۔ عامل جب اجرت کا مستحق ہوگا جب کہ زکوۃ وصول کرکے حاکم تک پہنچائے۔ (روح البیان) ۱۱ والمؤلفۃ قلوبھم یہ زکوۃ کا چوتھا مصرف (مستحق) ہے مولفۃ بنا ہے تالیف سے جس کا مادہ الفت ہے بمعنی میلان یا محبت۔ مولفۃ القلوب وہ ہیں جن کے دل اسلام کی طرف جاویں انہیں اسلام کی محبت دی جاوے۔ یہ تین قسم کے لوگ تھے

۱؎ وہ کفار جو اسلام کی طرف میلان رکھتے ہوں انہیں مال دے کر محبت اسلام ان کے دلوں میں ڈالی جاوے۔ ۲؎ وہ نو مسلم جن کے دلوں میں ابھی اسلام پختہ نہیں ہوا۔ یعنی ضعیف الایمان لوگ ان کو زکوٰۃ دی جاوے تاکہ وہ پختہ مسلمان بن جاویں۔ مرتد نہ ہو جاویں۔ جیسے عیینہ ابن حصن اور اقرع ابن حابس عباس ابن مرداس السلمی ۳؎ وہ فسادی شرارتی کفار جن سے مسلمانوں کو سخت ایذا انہیں پہنچی ہوں انہیں زکوٰۃ سے کچھ دیا جاوے تاکہ وہ شرارت سے باز رہیں قوی یہ ہے کہ یہ تینوں قسم کے مولفۃ القلوب اجماع صحابہ سے مصرف زکوٰۃ سے نکل گئے۔ اب صرف سات بقیہ مصرفوں پر زکوٰۃ صرف کی جاوے گی۔ یہ اجماع خلافت صدیقی میں ہوا۔ کیونکہ اللہ نے اسلام کو قوت دے دی اور ان کو دینے کی وجہ مسلمانوں کی کمزوری تھی علت گئی حکم گیا۔ جیسے پانی لا تیمم گیا۔

حکایت: خلافت صدیقی میں عیینہ اور اقرع خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں آ کر بولے کہ ہم کو کوئی زمین دی جاوے آپ نے ایک زمین کے متعلق ایک حاکم کو خط لکھ دیا۔ حضرت عمر نے وہ خط پھاڑ دیا اور ان سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری تالیف فرماتے ہوئے تم کو بہت کچھ دیا اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اگر تم اسلام سے پھرو گے تو فیصلہ ہماری تلوار کرے گی۔ حضرت صدیق نے فرمایا عمر نے ٹھیک کیا (روح المعانی) وفی الرقاب یہ زکوٰۃ کا پانچواں مصرف ہے۔ رقاب جمع ہے رقبۃ کے بمعنی گردن اس سے پہلے فک! پوشیدہ یعنی زکوٰۃ خرچ کرو گردنیں چھوڑنے میں۔ اس سے مراد وہ مکاتب غلام ہیں جو مال ادا کرنے سے مجبور ہو گئے۔ مالک نے کہا تھا کہ اتنا مال دو تم تم کو آزاد ہو انہیں زکوٰۃ دو۔ تاکہ وہ کتابت ادا کر کے آزاد ہو جاویں۔ چونکہ پہلے مستحقین کو زکوٰۃ کا مالک کر دیا جاتا ہے وہ جو چاہیں کریں مگر مکاتب کو مالک نہیں کیا جاتا۔ اس کو آزاد کرایا جاتا ہے۔ اس لئے ان چار میں لام ارشاد ہوا اور یہاں فی۔ یہاں فی سبب کے معنی میں ہے کہا جاتا ہے۔ فلاں شخص چوری میں گرفتار ہوا یعنی چوری کی وجہ سے (روح البیان وغیرہ) والغارمین یہ زکوٰۃ کے پانچویں مصرف (مستحقین) کا ذکر ہے یہ لفظ بنا ہے غرم سے جس کے معنی ہیں ناگوار چیز کا لازم ہو جانا۔ اب قرض کو غرم کہا جاتا ہے (خازن) یعنی قرض والے لوگ یہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو کسی جائز ضرورت پوری کرنے کے لئے قرض لے لیں۔ پھر ادا کرنے پر قادر نہ ہوں۔ گناہ کا مقروض زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔ (خازن بیضاوی کبیر وغیرہ) چونکہ مقروض کو زکوٰۃ دینا قرضہ اتارنے کے لئے ہے نہ کہ خود اس کے اپنے استعمال کے لئے۔ اس لئے اسے بھی فی کے ماتحت بیان فرمایا۔ وفی سبیل اللہ۔ یہ فرمان عالی معطوف ہے فی الرقاب پر فی کے بعد نفقہ پوشیدہ ہے یعنی اللہ کے راہ میں خرچ کرنے کے لئے زکوٰۃ دو۔ (خازن) امام محمد کے نزدیک درماندہ غازی کو دینا امام ابو یوسف کے نزدیک درماندہ حاجی کو دینا جو حج کی راہ میں پھنس گیا۔ اس کا خرچہ ختم ہو گیا۔ اکثر فقہاء کے نزدیک علم دین سیکھنے والے طلباء پر خرچ کرنا فی سبیل اللہ ان کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے۔ والذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض (الخ) (روح المعانی)

انا ابن الحرب ربتنی ولیدا ۔ انا شبت واکہلت لدالی

اس شعر میں ابن الحرب کے معنی جنگ کا بیٹا نہیں مگر جنگ سے چمٹنے والا لازم پکڑنے والا مراد ہے۔ اگر کوئی شخص وطن میں امیر

ہو مگر سفر میں اس کے پاس کچھ نہ رہے اسے بھی زکوۃ دے سکتے ہیں بشرطیکہ سفر گناہ کے لئے نہ ہو لہذا مسافر ڈاکو چور خارجی وغیرہ اس سے خارج ہیں۔ (خازن و روح البیان) مگر ایسا مسافر صرف وطن پہنچنے تک کے لئے صدقہ سے زیادہ نہ لے اور بہتر یہ ہے کہ قرض سے کام چلاوے صدقہ سے بچے۔

(روح المعانی) فریضۃ من اللہ یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ عبارت کا مفعول مطلق۔ اصل عبارت یوں تھی فرض اللہ فریضۃ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ غنی مسلمانوں پر فرض کی یا للفقرا (الخ) سے پہلے اسم فاعل پوشیدہ کے فاعل سے حال ہے یعنی زکوۃ ہوتا ان لوگوں کے لئے رب تعالیٰ کا طے فرمایا ہوا ہے۔ واللہ علیم حکیم یہ فرمان عالی گذشتہ مضمون کا تتمہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض کو امیر بعض کو غریب کیا پھر امیروں پر زکوۃ فرض فرما کر غریبوں کا کام چلایا اس میں رب تعالیٰ کی حکمتیں ہیں انشاء اللہ یہ حکمتیں خلاصہ تفسیر میں عرض کی جائیں گی۔

خلاصہ تفسیر: ہر قسم کی زکوۃ خواہ روپیہ پیسہ کی ہو یا جانوروں کی یا پیداوار کی یا زیور وغیرہ کی یا ہر قسم کے واجب صدقے خواہ زکوۃ ہوں یا نذر کا پیسہ یا کفارہ یا فطرہ وغیرہ۔ یہ حق ہے ان فقیروں کا جن کے پاس نصاب سے کم مال ہو اور ان مسکینوں کا جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور ان لوگوں کا جو زکوۃ وصول کر کے حاکم اسلام کے پاس پہنچائیں اگرچہ خود غنی ہوں وہ زکوۃ سے تنخواہ پائیں گے۔ اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا ہے ان میں اسلام کی الفت پیدا کرتا ہو۔ اور مکاتب غلاموں کی گردنیں چھوڑانے میں صرف کی جاوے۔ یوں ہی جائز طور پر مقروض ہو جانے والوں میں اور اللہ کی راہ میں صرف ہو کر جو غازی یا حاجی یا دینی طالب علم اور ماندہ ہوا سے دی جائے اور مسافروں میں کہ جو گھر میں مالدار ہوں مگر اتفاقاً سفر میں حاجت مند ہو گئے انہیں بقدر ضرورت دو۔ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے طے کئے گئے احکام ہیں اللہ تعالیٰ نے نہ تو سب کو امیر کیا نہ سب کو فقیر بلکہ نظام اس طرح قائم فرمایا کہ بعض امیر بنائے بعض فقیر پھر امیروں کو زکوۃ دینا فرض کیا۔ رب تعالیٰ کی اس میں لاکھوں حکمتیں ہیں وہ علیم بھی ہے حکیم بھی۔

خیال رہے: کہ اسلامی بیت المال کے مصرف چار طرح کے ہیں ۱ صدقات و خیرات ان کے مصرف وہ ہیں جو یہاں ارشاد ہوئے ۲ مال غنیمت اس کا مصرف یہ عام یتیموں مسکینوں فقیروں پر صرف کی جاوے ۳ جزیہ خراج وغیرہ (دار الاسلام کی حفاظت پر صرف کیا جاوے جیسے سرحدوں کی حفاظت و مضبوطی۔ مجاہدین کے لئے ہتھیار کا مہیا کرنا ملک میں پل نہریں بنوانا قاضیوں اور دیگر حکام کی تنخواہیں امام موذنین مدرسین مفتی معلمین و مدرسین کی تنخواہیں ۴ لاوارث یتیموں کا ترکہ بیمار نادار لوگوں کے علاج و بے دست یا لوگوں کے خرچ غریب یتیموں کے نکاح وغیرہ پر خرچ کیا جاوے (روح البیان)

روایۃ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ قسم کے مالداروں کو زکوۃ دی جا سکتی ہے۔ غازی عامل غازم (جس نے دوسرے کا قرضہ اپنے پر لے لیا) قیدی بوقت ضرورت جو کسی کے قرضہ کی وجہ سے قید ہو گیا۔ وہ غنی جسے محتاج نے زکوۃ لے کر ہدیۃ اسے کچھ دے دیا۔ (ابوداؤد بروایۃ عطاء ابن لیار مرسلا تفسیر خازن)

زکوٰۃ کی حکمتیں: زکوٰۃ کی حکمتیں ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں اتوا الزکوٰۃ کے تحت عرض کر چکے ہیں یہاں ان کے علاوہ چند حکمتیں اور بھی عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض مسلمانوں کو امیر بنایا بعض کو فقیر مختلف طریقوں سے امیروں سے غریبوں کو مال دلوایا۔ زکوٰۃ، کفارات، نذر، فطرہ وغیرہ۔ اس لین دین میں بہت حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ قدرتی طور پر مال دلوں کا محبوب ہے۔ کیونکہ یہ ذریعہ ہے قدرت کا کہ انسان مال کے ذریعہ بہت چیزوں بہت کاموں پر قادر ہو جاتا ہے۔ اگر محبت مال بڑھ جائے تو ذکر اللہ خوف خدا عشق رسول سے روک دیتا ہے۔ لہٰذا حکم دیا کہ اسے اللہ کے غریب بندوں کو دو۔ مال کا قید کر کے رکھنا اللہ رسول سے دوری پیدا کرتا ہے۔ اسے خرچ کرنا اللہ رسول سے قرب کا ذریعہ ہے۔ دوسرے یہ کہ زیادتی عموماً دل میں سختی پیدا کرتی ہے جس سے حب دنیا لذتوں کی طرف میلان ہوتا ہے لہٰذا اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ کہ دل میں نرمی پیدا ہو۔ محبت آخرت عشق رسول خوف خدا نصیب ہو۔ تیسرے یہ کہ بدنی عبادات جسم پر گراں ہیں اور مالی عبادات نفس پر بھاری بلکہ بدنی عبادت سے مالی عبادت زیادہ بھاری ہے لہٰذا بطور امتحان زکوٰۃ وغیرہ واجب کی گئیں۔ تاکہ بندہ مطیع ہو اور سرکشی چھوٹ جاوے۔ چوتھے یہ کہ مال اللہ کا ہے امیر اللہ کے خزانچی ہیں۔ فقراء اللہ تعالیٰ کے عیال (پروردہ) ہیں۔ رب نے ان خزانچیوں کو حکم دیا کہ میرے مال سے میرے عیال کی حاجتیں پوری کرو۔ اگر نہ کریں تو خائن ہیں۔ اگر کریں تو امین **المال مالی و الفقراء عیالی من لم ینفق مالی علی عیالی انزل علیه وابالی و لاابالی۔** پانچویں یہ کہ اگر امیر لوگ فقراء غربا کو کچھ نہ دیں تو اولاً غربا کے دل میں رشک پھر حسد پیدا ہوگی۔ پھر وہ فساد اور چھین لینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ جیسا کہ آج کل دیکھا جا رہا ہے اگر انہیں امراء کی طرف سے ملتا رہے گا تو ان کے دلوں میں ان سے محبت و الفت پیدا ہوگی۔ جس سے نظام عالم قائم رہے گا۔ چھٹے یہ کہ اگر ضرورت سے بچا ہوا مال چند ہاتھوں میں قید ہو کر رہے تو مال پیدا فرمانے کا مقصد فوت مال قید کرنے کے لئے نہیں بنایا گیا۔ بلکہ حاجات پوری کرنے کے لئے اس لئے اسے دولت کہتے ہیں یعنی گھومنے پھرنے والی چیز لہٰذا اسے فقراء پر خرچ کرو۔ جاری پانی پاک و صاف رہتا ہے ٹھہرا ہوا بند پانی بگڑ جاتا ہے۔ (تفسیر خازن) ساتویں کہ مال قریب الزوال ہے اگر بخوشی خرچ نہ کرو گے تو خود بخود ہزار راستوں سے نکل جائے گا۔ چوری آگ لگنا بیماری مقدمہ بازی مگر اس میں سے اللہ کے راہ میں خرچ کرنے سے تمہاری لازوال نیک نامی بھی ہوگی اور ثواب بھی ورنہ قبر میں تو خالی ہاتھ جانا ہی ہے۔ آٹھویں یہ کہ زکوٰۃ و صدقات فقراء سے دعائیں لینے کا ذریعہ ہے اور دعائیں مال کی حفاظت کا وسیلہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے قلعہ میں محفوظ کرو نویں یہ کہ جود و سخا اللہ تعالیٰ کی سنت !! حضرت انبیاء خصوصاً حضور سید الانبیاء کا طریقہ۔ سخاوت سے ان ہستیوں سے مشابہت ہوتی ہے۔ **تخلقوا باخلاق الله** ۔ دسویں یہ کہ انسان کو رب کی طرف سے تین چیزیں ملی ہیں۔ روح، بدن، مال روح کا زیور ایمان اور اچھے اخلاق ہیں بدن کا زیور عبادت تو مال کا زیور بھی چاہئے وہ زکوٰۃ و صدقات ہیں گیارہویں یہ کہ انسان پر ہر نعمت کا شکر لازم ہے شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اس نعمت کو رضاء الٰہی میں صرف کیا جاوے۔ مال بھی ایک نعمت ہے اس کا شکر یہ زکوٰۃ ہے۔ بارھویں یہ کہ اگر مالدار فقراء کو اپنے مال سے کچھ نہ دیں تو ممکن ہے کہ فقراء تنگ آ کر ناجائز حرکتیں کرنے لگیں۔ چوری ڈکیتی بلکہ کفار سے مل جانا پیٹ کی خاطر۔

اگر انہیں مالداروں کے مال سے کچھ ملتا رہے تو وہ ان حرکتوں سے بچے رہیں گے لہٰذا زکوٰۃ ضروری دی جائے تاکہ فقراء ایمان اور نیک اعمال پر قائم رہیں۔ گناہوں سے بچیں۔ (تفسیر کبیر)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: زکوٰۃ اور سارے واجب صدقے صرف ان مذکورہ مصرفوں میں صرف کی جائے ان کے علاوہ اور کسی جگہ خرچ نہیں کر سکتے یہ فائدہ انما کے حصر سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: زکوٰۃ میں لینے والے کو امالک کر دینا ضروری۔ بغیر مالک کئے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ زکوٰۃ مسجد مدرسہ قبرستان خانقاہ وغیرہ کی تعمیر میں خرچ نہیں ہو سکتی کہ وہاں کا کوئی مالک نہیں بنتا نیز زکوٰۃ کفارات نذر کے پیسہ کا کھانا پکا کر فقراء کی دعوت کر دینے سے ادا نہ ہوگی۔ کہ اس صورت میں فقراء مالک نہیں ہوئے یہ فائدہ للفقراء کے لام سے ارشارتاً حاصل ہوا۔ کہ لام ملکیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

تیسرا فائدہ: زکوٰۃ ایک فقیر یا ایک مسکین کو بھی دے سکتے ہیں ان تمام قسموں کے تین تین شخصوں کو دینا ضروری نہیں یہ فائدہ بھی للفقراء کے لام سے حاصل ہوا کہ اس میں لام استحقاق کا ہے اور فقراء مساکین سے جنس فقیر اور جنس مسکین مراد ہے۔

چوتھا فائدہ: واجب صدقے بہت قسم کے ہیں۔ زکوٰۃ' نذر' کفارات' فطرہ وغیرہ بلکہ زکوٰۃ بہت قسم کی ہے۔ سونے چاندی کی' مال تجارت کی' جانوروں کی' پیداوار کی یہ فائدہ الصدقات جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: ظاہری مال یعنی پیداوار جانوروں کی زکوٰۃ سلطان اسلام کو دی جاوے۔ باطنی مالوں روپیہ پیسہ مال تجارت وغیرہ کی زکوٰۃ امیر خود دے یہ فائدہ العاملین علیہا سے حاصل ہوا مگر خلافت عثمانیہ سے پابندی ختم ہوگئی۔ اب ہر طرح کے مال کی زکوٰۃ خود مال والا دے (شامی) اور نہ حاکم ہی کھا جائیں گے۔

چھٹا فائدہ: مولفۃ القلوب تمام صحابہ کرام کے اجماع سے مصارف زکوٰۃ سے خارج ہو چکے یعنی ان دونوں کافر قسمیں رہے مگر تیسرے قسم کے مولفۃ القلوب وہ اب بھی مصرف ہیں۔ یعنی ضعفاء مومنین۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب انہیں دینے کی ضرورت نہ رہی۔ دیکھو تفسیر۔

ساتواں فائدہ: مکاتب غلام' مقروض' مجاہدین' مسافرین اگرچہ ضرورۃً زکوٰۃ لے سکتے ہیں مگر وہ پیسہ سوا اس ضرورت کے اور جگہ صرف نہ کریں۔ مقروض زکوٰۃ سے صرف قرضہ ادا کرے۔ اس سے عیش نہ کرے یہ فائدہ۔ فی الرقاب (الخ) فی سے حاصل ہوا کہ رب نے پہلے چار مصرفوں کے لئے لام فرمایا اور ان چار کے لئے فی۔ دیکھو تفسیر۔

آٹھواں فائدہ: غازی حاجی جب راہ میں خرچ سے تنگ ہو جاویں تو انہیں زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ اگرچہ یہ لوگ اپنے گھر میں غنی ہوں۔ یہ فائدہ فی سبیل اللہ سے حاصل ہوا۔ مسئلہ۔ سید حضرات کو کوئی واجب صدقہ نہیں دینا چاہئے۔ حتیٰ کہ اگر غیر سید غنی عامل ہو تو اسے زکوٰۃ سے تنخواہ دے سکتے ہیں مگر سید عامل کو یہ تنخواہ بھی نہیں دے سکتے۔ سید فقیر کا ادب و احترام غنی

سید سے زیادہ ہے۔

مسئلہ: بلکہ سید کا غلام بلکہ سید کا آزاد کردہ غلام بھی زکوٰۃ نہیں لے سکتا کیونکہ مولی القوم منھم دیکھو ابورافع کو جو حضور کا آزاد کردہ غلام تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا عامل نہ بنایا۔ دیکھو تفسیر۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ان قسموں میں سے ہر ایک کے تین شخصوں کو دی جاوے۔ یعنی چوبیس یا اکیس شخصوں کو۔ کیونکہ ان کے درمیان واؤ ہے جو جمع کے لئے آتا ہے اور یہ سب جمع ہیں۔ جو تین سے کم پر نہیں بولے جاتے۔ فقراء مساکین وغیرہ (شوافع) جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ فی سبیل اللہ اور ابن سبیل تو جمع نہیں۔ ان میں تین کی تعداد کہاں سے لاؤ گے۔ جواب تحقیقی وہ ہے جو ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس میں لام استحقاق کا ہے اور الفقراء و المساکین میں الف لام جنسی ہے جس سے جمعیت ختم ہو گئی۔ نیز اگر کسی کو ایک روپیہ زکوٰۃ دینی ہو تو چوبیس یا اکیس میں کیسے تقسیم کرے کیا پیسے یا دھیلے بانٹے نیز آج کل مکاتبین نہیں پھر یہ تعداد کیسے پوری ہو! نیز اتنی قسموں کے تین تین فقیر تلاش کرنا طاقت سے زیادہ تکلیف ہے۔

دوسرا اعتراض: قوی یہ ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور مسکین وہ جس کے پاس ان صاب سے کم ہو تم اس کے ملس کہتے ہو۔ تمہارا قول قرآن مجید کے بھی خلاف ہے اور حدیث شریف کے بھی۔ قرآن مجید حضرت علیہ السلام کی کشتی والوں کے متعلق فرماتا ہے۔ فکانت لمساکین یعلون فی البحر کہ وہ کشتی مسکینوں کی تھی۔ دیکھو وہ لوگ کشتی کے مالک تھے مگر انہیں مساکین کہا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے اللھم احینی مسکینا و امتی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین۔ خدایا مجھے مسکین جلا مسکین وفات دے مساکین میں قیامت کے دن اٹھا۔ حضور انور کی یہ دعا یقینا قبول ہوئی۔ حالانکہ حضور گھر، سواری کے جانور جنگی ہتھیار وغیرہ کے مالک رہے اس دعا سے تو چاہئے تھا کہ آپ کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا۔ نیز آیت میں فقراء کا ذکر مساکین سے پہلے ہے معلوم ہو فقیر بمقابلہ مسکین زیادہ حاجت مند ہے نیز فقیر بنا ہے فقو سے بمعنی خالی ہونا لہٰذا فقیر وہ چاہئے جو مال سے بالکل خالی ہو۔ اگر اس کے پاس کچھ بھی مال ہو تو وہ لغت کی رو سے فقیر یعنی خالی نہ ہوا۔ (امام شافعی)۔

نوٹ: یہ دلائل تفسیر کبیر نے بہت زور سے بیان کئے۔ وہ شافعی المذہب ہیں تفسیر خازن نے بھی فخر سے یہ دلائل بیان کئے وہ حضرات سمجھے ہیں کہ یہ دلائل لاجواب ہیں۔

جواب: امام اعظم کا فرمان قوی ہے مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ او مسکینا ذالمتربۃ یعنی خاک نشین مسکین جس سے معلوم ہوا کہ مسکین وہ جو کپڑے یا مال اور گھر بار کا بھی مالک نہ ہو۔ اس لئے مسکین کو بھیک مانگنا جائز ہے فقیر کو نہیں جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی میں براویۃ حضرت ابن مسعود ہے کہ جس کے پاس ایک دن کا کھانا ہو اور وہ بھیک مانگے وہ قیامت میں ذلیل ہوگا۔ کشتی خضر والے لوگ اس کشتی کے مالک نہ تھے بلکہ کسی اور کی کشتی میں کام کرتے تھے اس لئے ارشاد ہوا یعملون فی البحر وہ دریا میں کام کرتے تھے انہیں رحم کی بنا پر مساکین کہا گیا۔ کہا جاتا ہے

مساکین اھل النار ایک شاعر کہتا ہے: شعر

ساکین اھل الحب حتی قبورھم

علیھا تراب الذل بین المقابر

حدیث شریف میں مسکین سے مراد دل کا مسکین ہے نہ کہ مال کا مسکین یعنی خدایا مجھے دل کا انکسار عطا فرما۔ ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے لاکھوں کا مالک کیا۔ جو حضور نے لوگوں کو عطا فرمائے۔ حضور تو غنی کیا غنی گرا ہیں۔ شعر

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا   اس کے دست سخاوت پہ لاکھوں سلام

اس صورت میں وہ دعا کی حدیث تمہارے بھی خلاف ہوگی فقر کے معنی خالی نہیں بلکہ فقر کے معنی خالی۔ ق پہلے ف بعد میں اس لئے خالی میدان کو قفار کہتے ہیں اگر فقیر کو مسکین سے پہلے بیان کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ فقیر بمقابلہ مسکین زیادہ حاجت مند ہو۔ تو چاہئے کہ بمقابلہ مولفۃ القلوب کے عاملین زیادہ حاجت مند ہو جائیں کہ یہاں بھی تقدم و تاخر ہے۔ یہاں ترتیب مقصود نہیں لہٰذا یہ دلائل مذکورہ کمزور سے ہیں۔

تیسرا اعتراض: جب قرآن مجید میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ ارشاد ہوئے تو صحابہ کرام کو کیا حق تھا کہ وہ مولفۃ القلوب کو نکال مصرف سات رکھیں کیا صحابہ کرام قرآنی آیت کو منسوخ کر سکتے ہیں صحابہ نے قرآن بگاڑ دیا ایسے ہی انہوں نے بعض آیات قرآنیہ نکال بھی دی ہوں گی۔ (روافض)۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے اس وقت حضرت علی، عباس، عبداللہ بن عباس تمام اہل بیت موجود تھے ان میں سے کسی بزرگ نے اعتراض نہ کیا بلکہ انہوں نے بھی قبول کر کے زکوٰۃ کے مصرف سات ہی مان لئے۔ صحابہ کا یہ عمل اگر غلط ہوتا تو وہ حضرات نہ اسے قبول کرتے یہ اس پر عمل کرتے بلکہ ان سے جنگ کرتے کہ تم قرآن بلکہ دین کیوں بدلتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان حضرات نے حکم کی وجہ ختم ہو جانے کی وجہ سے حکم کا ختم ہو جانا جان لیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ مولفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینے کی وجہ اس وقت اسلام کا ضعف تھا اسلام کو لوگوں کی ضرورت تھی اب اسلام کو لوگوں کی ضرورت نہ رہی بلکہ لوگوں کو اسلام کی ضرورت ہوگئی۔ جیسے ضرورت کے وقت تیمم کر و ضرورت ختم ہو جانے پر وضو تو مٹی کا ذریعہ طہارت ہوا۔ پانی کی غیر موجودگی سے نہ کہ ہر وقت یا جیسے حضور انور کے زمانہ میں قتل کا خون بہا۔ (دیت) قاتل کے وارثوں پر تھی پھر بیت المال سے ہوگئی کہ وجہ بدل گئی۔ یہ نسخ نہیں بلکہ وجہ ختم ہونے پر حکم ختم ہوتا ہے (روح المعانی)۔

مسئلہ: نومسلم اگر ضعیف الاعتقاد ہو اور غریب بھی تو اسے غریبی کی وجہ سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے لیکن امیر نومسلم کو اس لئے زکوٰۃ دینا کہ پھر کافر نہ ہو جائے جائز نہیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں فی سبیل اللہ زائد ہے کیونکہ آگے ابن السبیل موجود ہے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ اگر فرق نہیں تو مکرر کیوں کیا گیا۔

جواب: ابن السبیل سے مراد ہر وہ مسافر ہے جو سفر میں مجبور ہو جائے اور فی سبیل اللہ میں غازی حاجی۔ طالب علم مراد

ہیں جن کا سفر رضا الٰہی کے لئے ہو گویا ان میں عادت اور عبادت کا فرق ہے (روح المعانی) مطلق مقید کا غیر ہوتا ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ ارشاد ہوئے مگر چار میں لام ارشاد ہوا۔ للفقراء و المساکین اور چار میں فی الرقاب و الغارمین اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

جواب: بعض مفسرین نے فرمایا کہ فقراء وغیرہ کو زکوٰۃ مطلقاً مالک بنا دیا جاوے وہ جو چاہیں کریں مگر ان چار کو صرف بدل کتابۃ یا قرض وغیرہ ادا کرنے کے لئے دی جائے۔ یہ لوگ صرف اس مقصد کے لئے زکوٰۃ لیں اس لئے ان میں فی ارشاد ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ آخری چار قسموں کو زکوٰۃ دینا پہلے چار سے افضل ہے اس لئے ان میں فی ارشاد ہوا دیکھو تفسیر کبیر خازن روح المعانی وغیرہ اسی لئے جاہل فقیر سے عالم فقیر افضل ہے۔ اسے زکوٰۃ دی جاوے کہ وہ فی سبیل اللہ ہے۔

چھٹا اعتراض: رب تعالٰی نے یہاں زکوٰۃ میں آٹھ مصرف بیان فرمائے مگر کفارات میں صرف مساکین کا ذکر فرمایا فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین حالانکہ کفارہ بھی صدقہ واجبہ ہے۔

جواب: وہاں لفظ مساکین بمعنی بے چارگان ہی جس میں یہ داخل ہیں جیسے السفینۃ کانت لمساکین میں مساکین اسی معنی میں ہے غرضیکہ آیۃ کفارہ میں اجمال ہے یہاں تفصیل۔

ساتواں اعتراض: تم نے کہا کہ فقیر وہ جس کے پاس نصاب سے کم ہو۔ اور وہ مصرف زکوٰۃ ہے مگر وہ دوسری جگہ قرآن مجید میں فرماتا ہے و اللہ الغنی و انتم الفقراء اللہ تعالٰی غنی ہے اور تم سب فقیر۔ معلوم ہوا کہ سارے انسان فقیر ہیں۔ چاہئے کہ سب کو زکوٰۃ دی جائے الصدقات للفقراء دونوں جگہ فقرا ہے۔

جواب: اس آیت میں غنی بمعنی بے نیاز ہے اور فقراء بمعنی نیاز مند سارے انسان اللہ تعالٰی کے نیاز مند ہیں۔ اگرچہ سلطان وزیر امیر ہوں۔ یہاں بمعنی غریب ہے۔ جیسے رب فرماتا ہے۔ کل شی ھالک الا وجہہ رب کے سوا ہر چیز ہلاک والی فانی ہے دوسری جگہ فرماتا ہے اکلھا دائم یا فرماتا ہے خالدین فیھا ابدا۔ یہ جنتی میووں کو فنا۔ نہ جنت والوں کو۔ معلوم ہوا کہ وہاں ھالک بمعنی ممکن قابل فنا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: صدقات یعنی اللہ تعالٰی کے روحانی عطیے ان لوگوں کے لئے ہیں جو دنیا چھوڑ کر دنیا سے خالی ہو کر واصل باللہ ہوئے۔ اور ان مساکین کے لئے ہے جن میں ابھی کچھ اثر دنیا ہے۔ فقراء واصلین میں یہ لوگ سالکین اور عاملین کے لئے۔ وہ دونوں احوال والے تھے۔ یہ اعمال والے اور مولفۃ القلوب کے لئے۔ جن جن کے دل اللہ کے ذکر سے الفت رکھتے ہیں یہ لوگ مقربین ہیں یعنی رب سے قریب دنیا سے دور اور مکاتبین کے لئے جو اپنے موجد لوغلامی کی تلاش میں دنیا کی قیدوں سے آزاد ہونا چاہیں اور مقروضوں کے لئے جو اپنی زندگی اپنے حالات کو رب کا قرض سمجھتے ہیں اس کی ادائگی کی فکر میں ہیں۔ اور فی سبیل اللہ یعنی نفس امارہ ہے جہاد شیطان سے ہوا اور طغیان سے جہاد اکبر کر رہے ہیں اور مسافروں کے لئے میں جو بشریت عجت کے وطن سے شریعت و طریقت کے قدموں کے ذریعہ اللہ تعالٰی کی طرف جا رہے ہیں یہ سیر سفر قرض کی واپسی دنیا کی غلامی سے آزادی کا فریضہ اللہ کا ہے صدقات ربانی عطیے ہیں جو ان میں کوشاں ہے وہ رب کو چاہتا ہے۔ من

طلبی وجدنی اللہ اپنے طالبین کو جانتا ہے اور ان کی حاجتوں کے مطابق ان کی مدد فرماتا ہے کہ وہ علیم بھی ہے حکیم بھی۔ (روح البیان)

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ
اور ان میں سے وہ لوگ ہیں جو ایذاء دیتے ہیں ان نبی کو اور کہتے ہیں کہ وہ نرے کان ہیں فرمادو کان
اور ان میں کوئی وہ ہیں کہ ان غیب کی خبریں دینے والے کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ کان ہیں
خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ
ہیں خیر کے واسطے تمہارے ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ پر اور اعتبار کرتے ہیں مسلمانوں کا اور رحمت ہیں
تم فرماؤ تمہارے بھلے کیلئے کان ہیں اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مسلمانوں کی بات پر یقین کرتے
اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾
واسطے ان کے جو ایمان لائے تم میں سے اور وہ لوگ جو ستاتے ہیں رسول اللہ کو واسطے انکے ہے عذاب تکلیف دہ
ہیں اور جو تم میں سے مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں اور وہ جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے

تعلق: اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقین کے اس طعن کا ذکر تھا جو وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر کرتے تھے اب ان کے اس طعن کا ذکر ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تحمل پر پردہ پوشی وغیرہ کرتے تھے۔ گویا فعل شریف پر طعن کے بعد صفات عالیہ پر طعن کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کی ان بدگوئیوں کا ذکر ہوا جو وہ حضور انور کے سامنے کر بیٹھتے تھے اب ان کی اس بکواس کا تذکرہ ہے جو وہ پس پشت کیا کرتے تھے گویا حاضرانہ جرم کے بعد غائبانہ جرموں کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کی شخصی ایذا رسانی کا ذکر ہوا کہ ایک بدنصیب نے حضور انور کی تقسیم پر اعتراض کیا اب ان کی قومی ایذاء رسانی کا تذکرہ ہے کہ وہ ساری قوم حضور انور کو ایذاء پہنچاتی رہتی ہے اور رب تعالیٰ ان کے جواب دیتا رہتا ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں (۱) چند منافقین جذام ابن خالد اباس ابن قیس۔ سماک ابن یزید عبید ابن مالک وغیرھم ایک دن اپنی خاص مجلس میں حضور انور صلی اللہ علیہ کی شان اقدس میں بہت گستاخیاں کر رہے تھے کہ ان میں سے ایک بولا کہ اگر ہماری اس بکواس کی خبر حضور اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی تو ہماری شامت آ جاوے گی۔ اور ہماری منافقت کھل جاوے گی۔ تو ان میں سے ایک منافق جلاس ابن سوید بولا کہ کچھ فکر نہ کرو۔ اول تو یہاں کوئی مسلمان ہے

نہیں صرف ہم ہی ہیں انہیں اس کی خبر کیسے پہنچے گی اور اگر کسی مسلمان کے ذریعہ آپ ﷺ تک یہ خبر پہنچ بھی گئی تو ہم قسم کھا جائیں گے کہ ہم نے کچھ نہ کہا تھا۔ گذشتہ کا تجربہ ہے کہ وہ ہر بات بغیر تحقیق مان لیتے ہیں تحقیق نہیں فرماتے وہ تو بڑے کان ہیں جسے اردو میں کہتے ہیں کچے کانوں کے ہیں جو سنا مان لیا۔ اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر تنویر المقباس' کبیر' خازن' روح المعانی' روح البیان وغیرہ) ۲۔ مدینہ منورہ میں ایک منافق نبل ابن حارث تھا۔ نہایت ہی بدشکل' سرخ آنکھیں بھینگے ہوئے گال بکھرے بال ابھری کنپٹیاں' حضور ﷺ فرماتے تھے کہ جو ابلیس کو دیکھنا چاہے وہ نبل کو دیکھ لے۔ وہ حضور انور کی مجلس مقدس میں حاضر رہتا اور بہت غور سے آپ ﷺ کی باتیں سنتا تھا۔ پھر منافقین و کفار تک آپ ﷺ کی باتیں پہنچاتا گویا جاسوس تھا۔ ایک دن وہ یہ ہی حرکت کر رہا تھا کہ کسی نے اس سے کہا کہ اگر تیری حرکات کی خبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو تیرا کیا بنے گا۔ نبل بولا کہ میں قسم کھا کر انکار کر جاؤں گا وہ نرے کان ہی ہیں۔ مجھے کچھ نہ کہیں گے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر' خازن' روح المعانی)

تفسیر: **ومنهم الذين يؤذون النبي** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **منهم** مقدم خبر ہے اور **الذين** موخر مبتداء ہے اس سے مراد وہ ہی منافقین ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔

اس فرمان عالی میں دو لفظ قابل غور ہیں ایک **يؤذون** اور دوسرے **النبي** **يؤذون** سے یہ بتایا گیا۔ کہ جب وہ اپنی مجلسوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرتے ہیں تب ہی حضورؐ کو خبر ہوتی ہے۔ کسی مخبر کی خبر رسانی پر ان کا جاننا موقوف نہیں **النبي** میں اس دعویٰ کی دلیل ہے۔ یعنی ان کی خفیہ بدگوئیوں کی اطلاع اس سے تکلیف اس لئے ہو جاتی ہے کہ وہ نبی ہیں یعنی ہر غیب و شہادت کی خبر رکھنے والے۔ جن کی خبر رکھنے کا یہ حال ہے کہ جس خچر پر سوار ہو جائیں اس کی آنکھوں سے غیب کے حجاب اٹھا دیئے جائیں اور وہ قبر کا عذاب دیکھ کر مردہ کی چیخ و پکار سن کر گھبرا کر دو پاؤں پر کھڑا ہو جاوے (مشکوٰۃ باب التنشرۃ عن البول)

اگر عائشہ صدیقہ ان کا تہبند دوپٹہ کی جگہ اوڑھ لیں تو ان کی آنکھیں غیب کی نورانی بارش دیکھ لیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

گفت چہ برسرفگندی ازازار گفت کردم آں روایت رانمار
گفت بہرآں نمود اے پاک جیب چشمہ پاک راخدابارانِ غیب

جو مدینہ منورہ میں بیٹھ کر عرش و کرسی۔ لوح و قلم جنت و دوزخ کی ملاحظہ فرمائے۔ بھلا اس کے کانوں سے منافقین کی یہ خفیہ گفتگو کیسے چھپے۔

ويقولون هو اذن یہ عبارت معطوف ہے **يؤذون** (الخ) پر جس میں فرمایا گیا کہ وہ پردہ پوش لجپال محبوب ان کو گفتار سے خبردار ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ حضور ﷺ تو بڑے کان ہیں۔ خیال رہے کہ اذن کان کو کہتے ہیں حضور انور ﷺ کو وہ اذن اس لئے کہتے تھے کہ حضور ﷺ ہماری ہر بات سن کر بغیر تحقیق مان لیتے ہیں گویا سراپا کان ہیں ان میں سوچنے تحقیق کرنے کا

مادہ ہی نہیں یہ انتہا درجہ کی گستاخی تھی۔ایک شاعر کہتا ہے

اذا ایدت لیلی فکلی عین وان ذکرت بشر عندھم ازنوا

یعنی جب میرے سامنے آتی ہے تو میں پورا کا پورا آنکھ بن کر اسے دیکھتا ہوں اور جب وہ مجھ سے بات کرتی ہے تو میں سراپا کان بن کر اس کی بات سنتا ہوں۔دوسرا شاعر کہتا ہے

صم اذا سمعوا خیرا ذکرت بہ
وان ذکرت بشر عندھم ازنوا

یعنی اگر ان لوگوں کے سامنے میرا ذکر خیر ہو تو وہ بہرے بن جاتے ہیں اگر میرا ذکر برائی سے ہو تو وہ سراپا کان بن کر سنتے ہیں اگر وہ بدنصیب یہ ہی لفظ پردہ پوشی اور ستار عیوبی کی نیت سے استعمال کرتے تو یہ کلام نعت بن جاتا۔یعنی وہ خطا کار کی خطائیں معذرت سن کر بغیر جرح قدح معافی دے دیتے ہیں قل اذن خیر لکم یہ ہے رب تعالیٰ کی طرف سے ان منافقوں کا جواب۔قل ل میں خطاب قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے اذن خیر مبتدا پوشیدہ کی خبر ہے یہ ہی ہے کیونکہ اگلی عبارت میں حضور ﷺ کے لئے غائب ضمیریں آ رہی ہیں یومن باللہ اور یومن للمومنین۔اگر حضور انور ﷺ سے خطاب ہوتا تو انا پوشیدہ ہوتا ہے اور آگے دونوں جگہ امن متکلم کا صیغہ ہوتا نیز قرآن مجید میں عموماً رب اپنے اعتراض حضور انور کے ذریعہ کراتا ہے۔کہ مجھ پر یہ اعتراض ہے۔آپ ﷺ یہ جواب دیں کیونکہ حضور ﷺ اللہ کے شاہد گواہ ہیں۔اور حضورؐ پر اعتراض ہوا سے اللہ تعالیٰ دفع کرتا ہے۔کیونکہ حضور ﷺ اللہ کے شاہد گواہ ہیں۔اور حضور ﷺ پر اعتراض ہوا سے اللہ تعالیٰ دفع کرتا ہے۔یا کسی کے ذریعہ دفع کراتا ہے۔کیونکہ وہ حضور ﷺ کا گواہ ہے یایھا النبی انا ارسلنک شاھدا اور فرماتا ہے وکفی باللہ شھیدا محمد رسول اللہ۔ہماری قرأۃ میں اذن خیر ہے۔یعنی اذن مضاف ہے۔خیر کی طرف موصوف کی اضافت صفت کی طرف (معانی) یعنی اے منافقو وہاں وہ سریا کان ہیں۔مگر ان کا کان ہونا تمہارے لئے خیر ہے کہ تمہارے پردے ڈھکے عیوب چھپے ہوتے ہی رہیں اگر وہ تمہاری تحقیقات کرتے تو تمہارے عیب کھل گئے ہوتے لہٰذا لکم میں خطاب منافقوں سے ہے حضور ﷺ انور اپنے گنہگار امتوں کے دنیا و آخرت میں پردہ پوش ہے۔شعر

جو یہاں عیب کسی کے نہیں کھلنے دیتے	کب وہ چاہیں گے میری حشر میں رسوائی ہو
ہے غریق بحر عصیاں بندہ عبداللطیف	پردہ عیبوں پر مرے ستار رہنے دیجئے

مگر ان کی شان یہ ہے کہ یومن باللہ ویومن للمومنین اس فرمان عالی کا پہلا یومن بنا ہے۔ایمان بمعنی تصدیق ہے۔کفر کا مقابل یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔اللہ نے انہیں پردہ پوش بنایا۔تم پر جرح و قدح کا حکم نہیں دیا۔اس لئے ان کا یہ عمل ہے۔اور دوسرا یومن بنا ہے۔ایمان بمعنی بھروسہ و اعتماد کرنا۔اس لئے پہلے یومن کے بعد ب آئی اور دوسرے کے بعد لام۔قرآن مجید میں ہے۔وما انت من لنا اور فرماتا فما امن بموسیٰ الا ذریعۃ من قومہ اور فرماتا ہے انومن لک واتبعک الارذلون اور فرماتا ہے امنتم لہ قبل ان اذن لکم ان تمام آیات میں بمعنی اعتماد ہے۔اور اس کے بعد

لام آیا ہے۔ (تفسیر کبیر و روح البیان و معانی وغیرہ) مومنین فرما کر بتایا کہ انہیں تم پر اعتماد نہیں نہ وہ تمہاری تصدیق کرتے ہیں۔ وہ دل سے تصدیق صرف مومنوں کی کرتے ہیں۔ انہیں تمہاری حقیقت کی خبر ہے۔ (تفسیر خازن) اس فرمان عالی کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں۔ مگر یہ تفسیر بہت نفیس آگے ارشاد ہے ورحمة للذین امنوا منکم یہ عبارت معطوف ہے یومن باللہ پر اور حضور انور ﷺ کی ایک اور صفت کا بیان رحمت کی تنوین عظمت کی ہے یعنی عظیم الشان رحمت۔ خیال رہے کہ حضور ﷺ کی رحمت عامہ تو سارے جہانوں کے لئے ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ رب ہے۔ اس کے لئے حضور انور ﷺ رحمت وہ رب العلمین ہے اور حضور ﷺ رحمت للعالمین مگر رحمت خاصہ صرف مومنوں کے لئے ہے وہ ہی یہاں ہی مراد ہے اس کی تفسیر وہ آیۃ ہے وبالمومنین رؤف رحیم۔ اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں کی گئی اور آسان تفسیر یہ ہے کہ رحمت سے مراد خاصہ ہے اور منکم میں خطاب منافقین سے ہے آمنو سے مراد اخلاص سے ایمان لانا ہے یعنی اے منافقو! تم میں سے جو بھی مخلص مومن ہو جاویں ان کے لئے حضور خاص رحمت ہیں یا اے منافقو! تمہارے خاندان قبیلہ میں جو لوگ اخلاص سے ایمان لا چکے ان پر حضور رحمت خاصہ ہیں۔ تم بھی ان کی طرح ایمان لاؤ تا کہ ان کی یہ رحمت پاؤ۔ اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں تفسیر خازن نے یہ ہی اختیار کی والذین یوذون رسول اللہ چونکہ یہ جملہ نیا ہے۔ اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے الذین سے مراد تا قیامت سارے جن و انس ہیں۔ جن میں وہ منافقین بھی داخل ہیں۔ ایذاء سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کے لئے کوئی کام یا کلام یا حرکت کرنا۔ گواہ بذات خود اچھا ہو یا برا۔ لہٰذا جو کوئی حضور انور کو تکلیف دینے کے لئے نماز بھی پڑھے وہ بھی اس عتاب میں داخل ہے۔ یہ عموم اور طلاق یاد رکھنا چاہیے چونکہ حضور ﷺ کے احسانات کی طرف اشارہ لفظ رسول سے ہوتا ہے کہ رسول فیض رسان۔ جیسے نبی پیغام رسان اس لئے یہاں رسول ارشاد ہوا۔ نبی اللہ نہ فرمایا گیا۔ یعنی جو لوگ بھی اس محسن عظیم کو فیض رسان خلق کو کسی وقت کسی طرح اپنے قول فعل یا حرکت سے ایذا پہنچائیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

فائدے: اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے کھلے چھپے حال سے خبردار ہیں۔ ان پر کوئی چیز بھی چھپی نہیں۔ یہ فائدہ یوفون (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین اپنی خاص مجلسوں میں جو گستاخیاں چھپ کر آہستگی سے کرتے تھے حضور انور کو ان سے تکلیف پہنچ جاتی تھی۔ اور تکلیف بغیر خبر نہیں پہنچ سکتی۔

دوسرا فائدہ: حضور انور ہر چیز کی خبر رکھتے ہیں۔ حضور انور ﷺ ہر چیز کی خبر لیتے ہیں۔ اور حسب ضرورت خبر دیتے بھی ہیں۔ یہ فائدہ اس جگہ النبی فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں الرسول وغیرہ نہ فرمایا گیا۔

تیسرا فائدہ: اس خبر کے باوجود حضور انور پردہ پوش اور شان ستاری کے مظہر اتم بھی ہیں۔ جس سے بد باطن لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں۔ یہ فائدہ ھواذن سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

چوتھا فائدہ: حضور انور ﷺ کو بے علم اور بے خبر جاننا۔ منافقوں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ یقولون (الخ) سے حاصل ہوا یعنی

منافقین کہتے ہیں۔ کہ وہ تو کچے کانوں کے ہیں۔ ہر ایک کی ہر بات پر معذرت قبول کر لیتے ہیں۔ انہیں حقیقت حال کی خبر نہیں ہوتی مومن کا عقیدہ یہ شعر

خدا مطلع ساخت ہر جملہ غیب علی کل شی آمدی

رب فرماتا ہے۔ وعلمک مالم تکن تعلم

پانچواں فائدہ: حضور انور ﷺ کا ہر بات کا تحقیق نہ فرمانا معذرت قبول فرمالینا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ کہ اس سے بہت گنہگاروں کے پردے رہ جاتے ہیں۔ یہ فائدہ یومن للمومنین سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

چھٹا فائدہ: حضور اکرم ﷺ کا کرم کریمانہ یہ ہے کہ آپ ﷺ سن سب کی لیتے ہیں۔ مگر مانتے ہیں صرف مخلصین مومنین کی آپ ﷺ دل کی گہرائیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ فائدہ یومن للمومنین سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

ساتواں فائدہ: حضورؐ انور کی رحمت عامہ سارے جہانوں کے لئے ہے مگر رحمت خاصہ صرف مسلمانوں کے لئے۔ حضورؐ کے صدقے رزق سب کو ملتا ہے مگر ایمان تقویٰ وغیرہ صرف مومنوں کو یہ فائدہ ورحمۃ اللذین امنوا (الخ) سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: تمام جرموں میں بدترین جرم سارے کفروں سے سخت تر کفر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا ہے یہ حکم تا قیامت ہے یہ فائدہ واللذین سے حضورؐ انور کو تکلیف پہنچائے وہ کافر مطلق ہے یہ فائدہ اللذین کے عموما اور یوزون رسول اللہ کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ شعر

ادب گاہیست زیر آسماں ازعرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجاء

دسواں فائدہ: مومنوں کی طرح کفار کے بھی بہت درجے ان کے بہت طبقے ہیں۔ حضور انور ﷺ کو دکھ پہنچانے والا تمام کافروں میں بدتر ہے اس کا عذاب بھی سخت تر یہ فائدہ لھم عذاب الیم میں لھم فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ اس سے معلوم ہوا کہ ابو طالب اور ابولہب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ گیارھواں فائدہ اس کے برعکس مومنوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کا مومن وہ ہے جو حضور ﷺ کو راضی کرے کہ ان کی رضا میں رب تعالیٰ کو رضا ہے دنیا میں کوئی شخص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا آپ افضل الخلق بعد انبیاء ہیں۔ کیوں اس لئے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا علی وجہ الکمال حاصل کر لی۔ شعر

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

پہلا اعتراض۔ سارے منافقین ہی حضور ﷺ کو ایذا دیتے تھے پھر منھم اللذین کیوں ارشاد ہوا۔

جواب: یہاں ایذاء سے مراد خاص ایذاء ہے یعنی جاسوسی کرنا اور اپنی مجلسوں میں حضور ﷺ کو بہتان لگانا۔ واقعی یہ عیب بعض منافقین میں ہی تھا۔ وہ بھی کبھی کبھی؟

دوسرا اعتراض: منافقین کا یہ کہنا کہ ھواذن وہ نرے کان ہیں اس میں تو کوئی گستاخی نہیں بلکہ تعریف ہے کہ وہ ایک کی سن

لیتے ہیں مان لیتے ہیں تحقیق نہیں کرتے۔ دو معنی والا ہے ایک یہ جو تم نے کہے۔ یہ تعریف ہے دوسرے وہ جو وہ مراد لیتے تھے۔ اس میں توہین تھی یعنی انہیں بات کی تحقیق کرنا آتا ہی نہیں۔ جو کوئی ان سے کچھ کہہ دے وہ مان لیتے ہیں۔ جس کا اردو ترجمہ ہے کچے کانوں کے یہ عیب ہیں اس کا ذکر بہتان ہے لہٰذا کفر ہے۔ جیسے لفظ راعنا کے دو معنی تھے۔ ایک اچھے دوسرے برے۔ یہود معنی سے یہ لفظ بولتے تھے۔ اسے کفر قرار دیا گیا۔ ہر دو معنی والے لفظ کا یہی حکم ہے رب تعالیٰ نے بھی جواب میں حضور انور کو اذن فرمایا مگر خیر لکم ساتھ میں لگا کر اس کے نہایت اعلیٰ معنی پیدا کر دیئے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ دو جگہوں یومن ارشاد ہوا مگر ایک کے بعد ب فرمائی گئی یومن باللہ دوسرے کے ساتھ لام للمومنین اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

جواب: یہ فرق ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا۔ کہ پہلے ایمان سے مراد ہے تصدیق قلبی کفر کا مقابل اس کے ساتھ ب ہی آتی ہے امنوا باللہ یا امنت باللہ دوسرے ایمان سے مراد ہے اعتبار و اعتماد اس کے بعد لام ہی آتا ہے۔ جس کی بہت آیات ابھی تفسیر میں پیش کی گئیں۔ یعنی ہمارے محبوب سب کی سن لیتے ہیں پردہ پوشی فرماتے ہیں مگر اعتماد و اعتبار صرف مومنین کی بات پر کرتے ہیں۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے جو ایمان لا چکے ان کے لئے رحمت خاص ہیں منافقین تو سارے ہی کافر تھے۔ ان میں کوئی مومن تھا ہی نہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ وہ جو مومن ہو گئے وہ منافق نہ رہے پھر منکم فرمانا کیسے صحیح ہوا۔

جواب: اس کے تین مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اے منافقو! تم میں سے جو آئندہ مومن ہو جاویں ان کے لئے رحمت خاص ہیں اس میں آئندہ کا ذکر ہے یا تمہارے خاندان میں سے جو ایمان لا چکے ان کے لئے رحمت ہیں یا تم میں سے جو اللہ کے علم اس کے ارادے میں ایمان لا چکے ہیں اور روز ازل سے مومنین کی فہرست میں آ چکے ہیں ان کے لئے سراپا رحمت ہیں۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ تا قیامت جو بھی حضور انور ﷺ کو ایذا دے وہ کافر ہے اس کے لئے دردناک عذاب ہے مسلمان کے ہر گناہ سے حضور ﷺ کو ایذا پہنچتی ہے رب فرماتا ہے عزیز علیہ ما عنتم تو چاہئے کہ ہر گناہ کفر ہو اور ہر گنہگار کافر کیونکہ اس نے حضور انور کو اپنے بدعمل سے ایذا پہنچائی۔

جواب: تمہاری پیش کردہ آیات میں ہے عزیز علیہ ان پر گراں ہے۔ مگر یہاں ہے یوذون جو حضور ﷺ کو ایذا دیں۔ گرانی اور ایذاء میں بڑا فرق ہے۔ ہمارا بیٹا بیمار ہو جائے تو اس کی بیماری ماں باپ پر گراں ہوتی ہے وہ بے چین و بے قرار ہو جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کو قبر انور میں اس پر چین نہیں آتا یہ ہے عزیز علیہ جو بے حیا ان کی توہین کرے ان کا مقابلہ کرے ان کا دین مٹانا چاہے اس سے حضور ﷺ کو ایذا پہنچتی ہے یہ کفر ہے۔

چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ میں یوذون کے بعد رسول اللہ ارشاد ہوا اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

جواب: منافقین اپنی خاص مجلسوں میں یہ سمجھ کر حضور ﷺ کی شان اقدس میں بکواس کرتے تھے کہ آپ ﷺ کو کیا خبر کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں ان کے اس خیال کی تردید کے لئے فرمایا کہ یہ تو وہ نبی ہیں نبی کے معنی ہی ہیں نباء والا یعنی خبر والا وہ تمہاری حرکتوں سے بے خبر کیسے رہ سکتے ہیں۔ شعر

سر عرش پر ہے تیری گذر دل فرش پر ہے تیری نظر
اے فروغت صبح آثار و دہور
چشم تو بینندہ مافی الصدور

دوسرے فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ وہ رسول اللہ یعنی اللہ سے لینے والے تمہیں دینے والے ان کی مہربانیوں کا شکر یہ تھا کہ تم ان کے قدم دھو دھو کر پیتے۔ تم الٹا انہیں ستاتے ہو۔ غرضیکہ منافقین کے ایک خیال کی تردید کے لئے حضور ﷺ کو نبی فرمایا گیا وہ سمجھے تھے کہ حضور ﷺ بے خبر ہیں۔ دوسرے خیال کی تردید کے لئے حضور ﷺ کو رسول اللہ فرمایا۔ وہ سمجھے تھے کہ حضور ﷺ کچھ نہیں دیتے۔

ساتواں اعتراض: اس آیۃ میں ارشاد ہوا کہ جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیں ان کے لئے سخت عذاب ہے تو امیر معاویہ نے حضرت عائشہؓ صدیقہؓ نے حضرت علی سے جنگ کی جس میں ہزار ہا مسلمان مارے گئے۔ یقیناً اس سے حضورؐ انور کو ایذا پہنچی کیا یہ لوگ عذاب کے مستحق ہوئے۔ (روافض)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ ہی اعتراض دوسری جانب یعنی علی پر بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ دو طرفہ مسلمان مارے گئے تھے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان حضرات میں سے کسی کا ارادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہ تھی۔ ہر فریق دوسرے کو غلطی پر سمجھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ فریق آخر سے جنگ اسلامی قانون کے مطابق اور حضورؐ انور کی رضا کا ذریعہ غرضیکہ ایذاء دینے میں نیت کا دخل ہے حضور ﷺ کی مخالف آپ ﷺ کو دکھ دینے کے لئے جو کام یا کلام ہو وہ ایذاء ہے۔

آٹھواں اعتراض: حضرت علی و حضرت امام حسن و فاطمہ زہرا کے لئے حضور انور ﷺ نے فرمایا۔ انا حرب لمن حاربھم جو ان سے جنگ کرے میں اس کے مقابل جنگ کرنے والا ہوں۔ ان سے جنگ حضور ﷺ سے جنگ ہے ان سے صلح حضور ﷺ سے صلح حضرت عائشہ صدیقہؓ امیر معاویہؓ اور ان کے سارے ساتھیوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی تو گویا انہوں نے حضورؐ سے جنگ کی حضورؐ سے جنگ کفر ہے۔ (روافض)

جواب: یہ جنگیں حرب تھی ہی نہیں۔ بلکہ اختلافی تھیں۔ حرب عداوت کی جنگ کو کہا جاتا ہے۔ اختلاف' مخالفت' عداوت ان تینوں میں بڑا فرق ہے۔ دیکھو حضرت سارہ نے جناب ہاجرہ اور ان کے فرزند کو بے آب و دانہ جنگل میں ڈلوا دیا مگر اسے عداوت نہ قرار دیا گیا۔ اولاد یعقوب نے حضرت یوسف علیہ السلام پر بہت زیادتیاں کیں حضرت یعقوب علیہ السلام کو بہت تکلیف ہوئی مگر اسے نبی کو ستانا قرار نہ دیا گیا۔ ورنہ کفر ہوتا اور وہ حضرات مرتد ہوتے وہاں بھی اختلاف یا حد درجہ مخالفت

تھی۔ عداوت یا حرب نہ تھی۔ اس قسم کے اعتراضات کے جوابات ہماری کتاب امیر معاویہ میں مطالعہ فرماؤ۔

نواں اعتراض: یہاں نبی کو ایذا دینے والے سے متعلق ارشاد ہوا لھم عذاب الیم صرف ان کو ہی تکلیف دہ دردناک عذاب ہے تو کیا دوسرے کفار کو عذاب آرام دہ ہوگا۔

جواب: عذاب تو تکلیف دہ ہی ہوتا ہے آرام دہ چیز تو عذاب ہی نہیں۔ یہاں سخت اور بدترین عذاب مراد ہے دوسرے قسم کے کفار کو عذاب تکلیف دہ ہی ہوگا۔ مگر نبی کو ستانے والے کے مقابلہ میں ہلکا حتی کہ جن کافروں نے حضور ﷺ کی خدمات کیں انہیں عذاب بہت ہی ہلکا ہوگا۔ عذاب اور الیم واؤ کی تنوین خیال میں رہے:

تفسیر صوفیانہ: بلاء اور ایذاء ذریعہ جلاو صفا ہے۔ لوہا میقل کے ذریعہ صاف ہوتا ہے دل مومن دینوی آفات دنیاداری کی ایذاء کے ذریعہ صفائی میں ترقی کرتا ہے۔ اس لئے از آدم علیہ السلام تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کو ستایا گیا انہیں ایذا دی گئی سب سے زیادہ ایذاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ ان کی اتباع میں حضرات اولیاء و علماء کو بھی ستایا جاتا رہا اور ستایا جاتا ہے جتنا درجہ زیادہ اتنی ہی ایذاء سخت (روح البیان) صوفیا فرماتے ہیں کہ نبی کی مخالفت اور ان کی ایذا رسانی کی صرف دو وجہیں ہیں ایک تو ان کو بے خبر جاننا دوسرے انہیں مجبور اور بے فیض جاننا۔ جس بدنصیب کا یہ عقیدہ ہو کہ حضور ﷺ ہماری حرکات سے بے خبر ہیں! تو پھر وہ جو چاہے سو کرے۔ یوں ہی اگر یہ خیال ہو جاوے کہ نہ حضور ﷺ کچھ سکتے ہیں نہ ہمارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اب وہ جو چاہے کرے یا کہے مذکور منافقین کو یہ دو ہی بیماریاں تھیں جن کی بنا پر انہوں نے یہ حرکات کیں انہیں کی تردید میں یہاں حضور ﷺ کو ایک جگہ نبی فرمایا گیا اور دوسری جگہ رسول اللہ۔ اگر عقیدہ یہ ہو کہ ہماری ہر حرکت و قول و فعل پر حضور ﷺ کو اطلاع ہے اور وہ مطیعوں کو بھی دے سکتے ہیں ان کی بے ادبی پر عذاب آ سکتا ہے پھر ایسی کسی حرکت کی ہمت ہی نہ ہو۔ حضور انور ﷺ رحمت تو سارے جہان کے لئے۔ سب کو رحمت دیتے ہیں مگر رحمت لینے والی صرف مومنین ہیں کفار نہیں رحمۃ للعالمین میں رحمت دینے کا ذکر ہے اور رحمۃ للذین امنوا میں رحمت لینے کا تذکرہ ہے۔ بجلی کا پاور سب کے لئے رحمت ہی ہے کہ اس سے روشنی، گرمی، سردی، مشین کی حرکت وغیرہ سب کچھ ہے مگر جو اس پر ہاتھ ڈال دے وہ ہلاک ہو جاتا ہے بڑ پرے اسے چھوؤ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو ایذا دینے کے لئے نماز بھی کفر ہے کوئی ممنوعہ اوقات میں اس نیت سے نماز پڑھے کہ حضور انور ﷺ نے اس سے منع کیا ہے لہٰذا میں ضرور پڑھوں گا کافر ہے حضور ﷺ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کفریات منہ سے نکالنا دینا ایمان ہے جیسا کہ جندہ ابن حمزہ کا واقعہ ہوا کہ ان کے کفریات منہ سے نکال دینے کے متعلق یہ آیت آئی۔ الذین کفرہ وقلبہ مطمئن بالایمان دیکھو وہاں کفر بھی ایمان بن گیا اور منافقوں کا مسجد ضرار بنانا کفر ہوا اسے مسجد ضرار کہا گیا کیونکہ اس مسجد کی تعمیر حضور انور کو ستانے کے لئے کی گئی تھی۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ

قسم کھاتے ہیں وہ اللہ کی واسطے تمہارے تاکہ راضی کرلیں وہ تم کو اور اللہ اور پیغمبر اس کے زیادہ حق دار ہیں

تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کرلیں اور اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے

يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ

اس کے کہ راضی کرتے وہ اسے اگر ہیں وہ ایمان والے کیا نہیں جانا انہوں نے کہ تحقیق حال یہ ہے

کرتے اگر ایمان رکھتے تھے کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور رسول کا تو اس کے لئے

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ

کہ جو کوئی مخالفت کرے اللہ اور رسول کی اس کے پس تحقیق ہے واسطے اس کے آگ دوزخ

جہنم کی آگ ہے ہمیشہ اس میں رہے گا یہ ہی بڑی

الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝

کی ہمیشہ رہنے والا اس میں یہ ہے رسوائی بہت بڑی

رسوائی ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ منافقین اپنی مجلسوں میں حضور انور ﷺ کی گستاخیاں کرتے تھے اب ارشاد ہے کہ مسلمانوں کی مجلسوں میں اگر جھوٹی قسمیں کھا کر ان حرکتوں کا انکار کرتے ہیں گویا خلوت کے حالات کے بعد ان کے جلوت کے حالات کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کی یہ بدعقیدگی بیان ہوئی کہ وہ حضور انور ﷺ کو بے خبر اور آپ ﷺ کو بے فیض سمجھتے ہیں اب اس بدعقیدگی پر مرتب ان کو بدعملی کا ذکر ہے کہ وہ اس عقیدے کی بنا پر سامنے آکر دھوکہ دینے کے لئے جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات سے معلوم ہوا تھا کہ منافقین کے دل میں اللہ تعالٰی کا خوف نہیں ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہاں ان کے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا خوف ہے کہ اپنی بری حرکتوں کو ان ہستیوں سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

شان نزول: ایک دفعہ کچھ منافقین آپس میں اکٹھے ہو کر بیٹھے ان میں جلاس ابن سوید اور ودیعہ ابن ثابت بھی تھا اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو ہم گدھے سے بدتر ہیں۔ اتفاقاً ہاں ایک انصاری بچہ بھی موجود تھا۔ عامر ابن قیس جس کی انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ وہ بولا کہ خدا کی قسم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اور تم واقعی گدھے سے بدتر ہو۔ پھر وہ بچہ حضور انور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور یہ سارا ماجرہ حضور ﷺ سے عرض کیا۔ ان سب کو حضور انور نے اپنی مجلس عالیہ میں بلایا اور اس کے متعلق دریافت کیا وہ سب قسم کھا گئے کہ عامر جھوٹے ہیں ہم نے کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ حضرت عامر نے دعا کی کہ مولیٰ سچے کو سچا کر دے اور جھوٹے کو جھوٹا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں عامر کی تصدیق کی گئی ان سب کو جھٹلایا گیا۔ (تفسیر خازن)

۲۔ مقاتل اور کلبی کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک سے اکثر منافقین رہ گئے تھے جب حضور انور ﷺ واپس ہوئے تو انہوں نے حاضر بارگاہ ہو کر جھوٹی قسمیں کھالیں کہ واقعی سخت مجبور معذور تھے ورنہ ہم ضرور غزوہ میں شریک ہوتے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (خازن)

تفسیر: یحلفون باللہ ولکم۔ بنا ہے حلف سے حلف یمین اور قسم سب قریباً ہم معنی ہیں مگر عموماً حلف اس قسم کو کہا جاتا ہے جو کسی کو مطمئن کرنے کے لئے کھائی جاوے یمین وہ قسم ہے جو بات کو پختہ کرنے کے لئے کھائی جاوے۔ قسم دونوں کو عام ہے کبھی قسم اس چیز کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے۔ جس کی قسم ارشاد ہو جیسے والتین والزیتون وغیرہ یحلفون کا فاعل وہ ہی منافقین ہیں جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے اسے مضارع فرمایا کہ یہ بتایا گیا کہ منافقین ایسی قسمیں کھانے کے عادی ہیں۔ کھاتے ہی رہتے ہیں یہاں لفظ باللہ اور لکم دونوں ہی یحلفون کے متعلق ہے۔ باللہ مقسم ہے یعنی منافقین اللہ کی قسمیں کھاتے رہتے ہیں تمہارے سامنے یا تمہارے لئے تم کو راضی کرنے کے لئے۔ چونکہ اسلام میں صرف خدا تعالیٰ کی ہی قسم کھائی جاتی ہے یا اس کے صفات کی اس لئے وہ لوگ مسلمانوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ہی قسم کھاتے تھے لیرضوکم یہ بھی متعلق ہے یحلفون کے س میں لام بمعنی کئے ہے یرضوا بنا ہے ارضاء سے بمعنی راضی کرنا یا ناراضگی دور کرنا اور ہو سکتا ہے کہ بمعنی خوش کرنا ہو۔ یعنی اس لئے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ ناراضگی دور کریں یا تاکہ تم کو دور کریں۔ واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ یرضوہ میں ضمیر یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا رسولہ کی طرف اور ہو سکتا ہے کہ وہ بمعنی اسم اشارہ ہو اور دونوں کی طرف اشارہ ہو بمعنی مذکور (تفسیر روح البیان، روح المعانی، کبیر وغیرہ) قوی یہ ہے کہ رسول کی ضمیر ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا خدا تعالیٰ کی رضا ہے جیسے حضور ﷺ کی اطاعت رب کی اطاعت ہے و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ یا جیسے حضور ﷺ کا فیصلہ رب کا فیصلہ ہے حضور ﷺ کے دربار میں حاضر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے رب فرماتا ہے اذا دعوا الی اللہ و رسولہ یحکم بینھم دیکھو منافقین کو حضور ﷺ کے دربار میں بلایا جاتا تھا کہ حضور ﷺ ان میں فیصلہ کریں۔ مگر اسے اللہ رسول کی طرف بلایا جانا کہا گیا۔ نیز رسولہ قریب ہے ضمیر قریب کی طرف لوٹائی جاتی ہے یعنی اللہ رسول زیادہ حق دار تھے کہ اسے راضی کرتے وہ تو جھوٹی قسموں سے راضی نہیں ہوتے۔ وہ تو ایمان و اطاعت سے راضی ہوتے ہیں انہیں چاہئے تھا کہ مخلص مومن مطیع بنتے۔ ان کانوا مومنین یہ شرط ہے جس کی جزاء پوشیدہ ہے وہ اس

پوشیدہ جزا پر گذشتہ جملہ دلالت کر رہا ہے۔ یعنی اگر مومن ہی تو اللہ رسول کو ایمان و اطاعت سے راضی کریں حیلے بہانوں کے لئے جھوٹی قسمیں نہ کھایا کریں۔ الم یعلموا انہ من یحادد اللہ و رسولہ۔ یہ جملہ بنا ہے اس میں سوال یا تعجب والا نے کے لئے یا اظہار غضب کے لئے علم بمعنی یقین یا بمعنی ایمان ہے۔ من سے ہر زمانے کے ہر جگہ کے سارے جن و انس مراد ہیں خواہ کسی درجے کسی مقام کے ہوں یحادو بنا ہے حد سے بمعنی کنارہ اب اصطلاح مخالفت و دشمنی بولا جاتا ہے۔ کیونکہ اپنے مقابل کے دوسرے کنارہ پر ہوتا ہے۔ یعنی تعجب کرو کہ ان منافقوں نے اس پر یقین نہیں کیا کہ جو کوئی کسی وقت کسی جگہ کسی طرح رسول اللہ کی مخالفت کرے۔ خیال رہے کہ یحادو مطلق ہے۔ جس میں ہر قسم کی مخالفت داخل ہے عقائد میں مخالفت ہو یا اعمال یا احوال میں یوں ہی خواہ ظاہر و باطن مخالفت ہو یا بظاہر موافقت ہو۔ در حقیقت مخالفت جیسے منافقین کا نماز یں پڑھنا وغیرہ۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہے۔ فان لہ نار جھنم اس جملہ کی ترکیب کو علماء مشکل جانتے ہیں کیونکہ اس میں ف جزائیہ ہے یہ جملہ من یحادو کی جزا ہے اور جزا ہمیشہ جملہ ہوتی ہے۔ لیکن ان فتح کے ساتھ اپنے مابعد سے مل کر مفرد کے حکم میں ہوتا ہے تو ف جزائیہ اور ان فتحہ والا دونوں ضدین ہیں یہ دونوں یہاں جمع کیوں ہوگئیں اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ ف بعد حق پوشیدہ ہے۔ جو خبر مقدم ہے ان لہ نا جھنم سے مبتدا مو خر یعنی اس کے لئے دوزخ کی آگ کا ہونا بالکل حق درست ہے۔ چونکہ ان فتحہ والا ابتداء کلام میں نہیں آتا اس لئے حق اس سے پہلے پوشیدہ ماننا پڑے گا۔ نہ کہ جہنم کے بعد (تفسیر روح المعانی' بیان' خازن' کبیر وغیرہ) خالد فیھا یہ لہ کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے فیھا کی ضمیر نار کی طرف ہے خلود بمعنی ہمیشہ رہنا ہے یعنی وہ اس آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ خیال رہے کہ لہ کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ یعنی صرف وہ ہی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ ذلک الخزی العظیم ارشاد خلود سے کی طرف ہے یعنی دوزخ میں ہمیشگی بڑی ہی رسوائی ہے۔ ایسی بڑی جو کسی کے ذہن میں وہم و گمان میں نہیں آسکتی۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! یہ منافقین اپنی مجلسوں میں تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بہت بکواس کرتے ہیں مگر جب ان سے اس کے متعلق تحقیق کی جاوے تو صاف طور پر تم کو راضی کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھالیتے ہیں کہ ہم نے کچھ نہیں کیا آپ ﷺ کو خبر دینے والا جھوٹا ہے بچہ ہے ان کو چاہئے تھا کہ اللہ رسول کو راضی کرتے وہ جھوٹی قسموں سے راضی نہیں ہوتے وہ تو اخلاص اور اطاعت سے راضی ہوتے ہیں اللہ رسول ہی راضی کرنے کے حق دار ہیں اگر یہ مومن ہیں تو اس پر عمل کریں تعجب کی بات ہے کہ انہیں اب تک یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ جو کوئی اللہ رسول کی کسی وقت کسی جگہ کسی طرح مخالفت کرے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ دوزخ کا داخلہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا بہت ہی بڑی ذلت خواری اور رسوائی ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کفر کر کے اس کا انکار کرنا جھوٹی قسمیں کھانا ایمان نہیں ہے بلکہ اس سے توبہ کرنا ایمان قبول کرنا ایمان ہے ہر جرم کی علیحدہ توبہ ہے۔ کفر سے توبہ ایمان لانا اور کفر پر پشیمان ہونا۔ یہ فائدہ یحلفون باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: اکثر جھوٹے منافق جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا ایمان ثابت کرتے ہیں مخلصین کو اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان کا ایمان خود ہی خوشبو دے دیتا ہے۔ اصلی عطر والے کو عطر کی عمدگی پر قسمیں نہیں کھانی پڑتیں۔ عطر اپنی عمدگی خود ہی بتا دیتا ہے۔ یہ فائدہ بھی یحلفون باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: منافق لوگ ہمیشہ مسلمانوں کو راضی رکھنے کی فکر میں رہتے ہیں کہ کہیں ہمارا نفاق ان پر ظاہر نہ ہو جاوے۔ مومنین ہمیشہ اللہ رسول کو راضی کرنے راضی رکھنے کی فکر میں رہتے ہیں یہ فائدہ لیرضوکم سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: اللہ رسول کے مقابلہ میں لوگوں کو راضی کرنا کفر یا حرام ہے۔ ان کی مرضی کے مطابق مسلمانوں خصوصاً حضرات صحابہ کو راضی کرنا عبادت ہے یہ فائدہ بھی لیرضوا (الخ) سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: ایمان، عبادت، معاملات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضورؐ انور کو راضی وخوش کرنے کی نیت کرنا شرک یا کفر نہیں۔ بلکہ ایمان کا کمال ہے یہ فائدہ واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ سے حاصل ہوا۔ جو کوئی اس لئے مسلمان ہو اس لئے نماز و روزہ حج و زکوۃ ادا کرے کہ اللہ بھی راضی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہ مومن کامل ہے رب تعالیٰ اس کی توفیق دے۔

چھٹا فائدہ: اللہ کے نام سے ملا کر حضور ﷺ کا نام لینا بالکل جائز ہے بلکہ ان دونوں کے لئے ایک ضمیر بولنا جائز و درست ہے۔ بلکہ ان دونوں ذاتوں کے لئے ایک صیغہ استعمال کرنا درست ہے یہاں ایک لفظ احق اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہوا جیسا کہ اس کی تفسیر سے ظاہر ہے۔ یہ فائدہ احق ان یرضوہ میں احق اور ہ کی ضمیر سے حاصل ہوا۔ لہذا یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ رسول بھلا کرے اللہ رسول آفات سے بچائیں۔ اللہ رسول رحمتیں عطا کریں۔

ساتواں فائدہ: حضورؐ کے نام پر اللہ کی عبادت کرنا نہ شرک ہے نہ حرام بلکہ ثواب ہے جیسے حضور ﷺ کے نام کی قربانی کرنا۔ حضور انور ﷺ کے نام پر یا حضور ﷺ کی والدہ طیبہ طاہرہ والد ماجد رضی اللہ عنہما کے نام پر حج بدل درست اور ثواب ہے کہ اس سے حضورؐ انور خوش ہوں گے۔ یہ فائدہ بھی احق ان یرضوہ سے حاصل ہوا۔ حضورؐ انور نے اپنی امت کے نام کی قربانی فرمائی تھی۔

آٹھواں فائدہ: حضور ﷺ کو راضی کر لو خدا تعالیٰ خود ہی راضی ہو جاوے گا۔ حضور ﷺ کی رضا کے بغیر حق تعالیٰ کی رضا ناممکن ہے۔ یہ فائدہ ان یرضوہ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ کہ ہ کی ضمیر حضورؐ انور کی طرف ہے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

نواں فائدہ: اپنے اعمال سے حضورؐ کو راضی کرنا علامت ایمان ہے۔ یہ فائدہ ان کانوا مومنین سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: اللہ رسول کے احکام کو ناحق جان کر اس کے خلاف کرنا کفر ہے اور ان کے احکام کو حق جان کر اپنے کو گنہگار مان کر غلطی کر لینا کفر نہیں بلکہ گناہ ہے یہ فائدہ من یحادد اللہ ورسولہ سے حاصل ہوا۔

گیارہواں فائدہ: دوزخ میں ہمیشگی صرف کفار کے لئے ہے مومن اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو مگر وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔

بلکہ گناہوں کے میل سے صاف ہونے کے لئے عارضی طور پر کچھ دن کے لئے وہاں رکھا جائے گا۔ یہ فائدہ ولھم نار جھنم لھم کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ کافر دوزخ کا کوئلہ ہے مومن گندا اور میلا لوہا۔

بارہواں فائدہ: قیامت میں رسوائی ہونی دوزخ میں علانیہ پھینکا جانا صرف کفار کے لئے ہے انشاء اللہ گنہگار مومن کا حساب بھی خفیہ ہوگا اور اگر اسے دوزخ میں ڈالا گیا تو وہ بھی خفیہ یہ فائدہ الخزی العظیم سے حاصل ہوا کہ اس رسوائی کو رب نے صرف حضور ﷺ کے دشمنوں کا عذاب قرار دیا۔

پہلا اعتراض: صحابہ کرام کو راضی کرنے کی کوشش کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ دیکھو رب نے منافقوں کا نفاق یوں بیان فرمایا لیرضوکم (روافض)

جواب: حضرات صحابہ کو جھوٹی قسمیں کھا کر دھوکہ دینا منافقوں کا طریقہ ہے یہاں فرمایا گیا۔ یحلفون باللہ (الخ) اخلاص ومحبت سے انہیں راضی کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا ذریعہ ہے اور حضور ﷺ کی رضا رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے۔

دوسرا اعتراض: اللہ رسول کے لئے ضمیر واحد کیوں لائی گئی لیرضوہ چاہئے تھا۔ لیرضوھما۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ حضور ﷺ کی رضا اللہ کی رضا کا ذریعہ ہے۔ یوں ہی اللہ کی رضا کی ضمن میں حضور ﷺ کی رضا یہ دونوں رضا در اصل ایک ہی ہیں یہ فائدہ لیرضوھما سے حاصل نہیں ہوتا۔

تیسرا اعتراض: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ضمیر ھما کا اللہ رسول دونوں کی طرف لوٹنا ممنوع ہے حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے۔ اس لئے ھما ضمیر یہاں ارشاد نہ ہوئی۔

جواب: یہ درست نہیں قرآن مجید میں ایک ضمیر اللہ تعالیٰ اور نبی کی طرف لوٹی ہے دیکھو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام کیا اس میں ایک جگہ فرمایا فاردت ان اعیبھا۔ میں نے چاہا کہ کشتی کو عیب دار کر دوں دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ فاردنا ان یبدلھما ربھما میں نے اور میرے رب نے چاہا کہ ان کو اس سے بہتر اولاد ملے۔ تیسری جگہ فرمایا۔ فاراد ربک ان یبلغا اشدھما۔ دوسرے کلام میں فاردنا یہ ضمیر حضرت خضر اور رب دونوں کے لئے ہے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت کہیں نہیں آئی حدیث میں الخطیب انت سے اس کا وہم کیا گیا ہے۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا احق یرضوہ یعنی اللہ رسول زیادہ حقدار ہیں اس سے کہ انہیں راضی کیا جاوے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے سوا اور لوگ بھی اس کے حقدار ہیں۔ ہاں اللہ رسول زیادہ حقدار ہیں۔

جواب: یہاں احق یا تو بمعنی حقیق ہے یا یوں کہو کہ دوسروں کو بھی راضی کرنا چاہئے۔ ماں باپ استاد وغیرہم مگر وہ بھی اللہ رسول کی رضا کے لئے کہ ان کا یہ حکم ہے اصل رضا اللہ رسول کی دوسروں کی رضا فروعی لہٰذا احق اہم تفصیل درست ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ رسول کے مخالفین ہی دوزخ میں جائیں گے تو کیا مسلمان اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو دوزخ میں نہ جائے گا۔ اس سے تو مسلمانوں کو گناہ پر دلیری ہوگی۔

جواب: دوزخ میں جانا اور ہے مگر دوزخ کا اس کے لئے ہونا۔ وہاں رہنا کچھ اور دوزخ بنی ہے کفار کے لئے اگر گنہگار مسلمان بھی ان کے سے کام کرے تو وہ بھی جہنم میں کچھ دن ضرور رہیں گے۔

چھٹا اعتراض: فان له نار جهنم ان الف کے فتحہ سے ہے مگر شروع کلام ان الف کے کسرہ سے آنا چاہیے۔

جواب: ایک قراۃ میں ان الف کے کسرہ سے ہے تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔ ہماری قرات میں ان الف کے فتحہ سے ہے۔ تب یہ عبارت حق پوشیدہ کا آخری مبتدا ہے۔ لہٰذا بالکل درست ہے۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

تفسیر صوفیاء: جو کوئی اللہ کے دروازے سے نکالا جاوے وہ ہر طرف بھاگا پھرتا ہے اسے کسی جگہ اطمینان میسر نہیں ہوتا۔ دیکھو منافقین مدینہ اندرون خانہ کچھ ہوتے تھے بیرون خانہ کچھ اور مومن وہ جس کی خلوت جلوت دل زبان ایک ہو۔ مناف سب کو راضی کرتا ہے مومن رب کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے کافر میں جرات نہیں ہوتی وہ بات کر کے پھر جاتا ہے پھر بھوئی میں کھا کر اپنی بات سے مکر جاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا اب صرف ایک طریقہ ہے اس کے محبوب کو راضی کرلو۔ رب خود ہی راضی ہو جاوے گا۔ فرماتا ہے فاتبعونی یحببکم الله جیسے اللہ کی اطاعت کا صرف ایک ذریعہ ہے کہ اس کے حبیب کی اطاعت کرلو۔ اس کی اطاعت خود بخود ہو جائے گی۔ ومن یطع الرسول فقد اطاع الله جیسے کعبہ معظمہ کی طرف سجدہ کرلو رب تعالیٰ کی طرف خود بخود سجدہ ہو جاوے گا۔ کعبہ معظمہ رب کا قبلہ ہے حضور انور ﷺ اللہ کی اطاعت اللہ کی رضا کا ذریعہ اس لئے ارشاد ہوا۔ الله ورسوله احق ان یرضوه دنیا ایک میدان ہے جس کا ایک کنارہ دوزخ ہے دوسرا کنارہ جنت سے واصل جس کنارہ پر حضور ﷺ ہیں وہ جنت والا ہے دوسرا دوزخ والا اس لئے ارشاد ہوا۔ ومن یحادد الله ورسوله اس کنارہ پر خدا ملتا ہے دیکھو رب فرماتا ہے انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم اور فرماتا ہے ان ربی علی صراط مستقیم معلوم ہوا کہ صراط مستقیم پر حضور ﷺ ملتے ہیں وہاں ہی خدا ملتا ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ قوی یہی ہے کہ ان یرضوه کی ضمیر رسوله کی طرف لوٹتی ہے ضمیر اللہ کی طرف لوٹنا قوی نہیں کیونکہ مرجع قریب ہوتے بلا تخت ضرور دور مرجع کی طرف نہیں لوٹنی چاہئے اور اگر دونوں کی طرف لوٹائی بمعنی مذکورہ کو بمعنی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ضمیر صرف ذات کی طرف لوٹتی ہے اشارہ صفت کی طرف مذکوریت صفت ہے ذات کے سواء (تفسیر روح البیان ومعانی وغیرہ) لہٰذا یہی معین ہے کہ اس کا مرجع رسوله ہے نیز از روئے قرآن اطاعت رسول تو اطاعت خدا ہے رسول کے پاس آنا خدا کے پاس آنا ہے نبی کی اتباع خدا کی رضا ہے مگر اس کے برعکس کہیں خدا کی اطاعت خدا کی رضا کو حضور ﷺ کی رضا خدا کے ہاں حاضری کو حضور کے ہاں حاضری نہیں قرار دیا گیا۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ
خوف کرتے ہیں منافق لوگ یہ کہ اتاری جاوے اوپر ان کے کوئی سورۃ جو خبر دے
منافق ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی سورت ایسی اترے جو ان کے دلوں کی چھپی جتادے تم فرماؤ ہنسے جاؤ

قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

ان کو اس کی جو دلوں میں ہے ان کے فرماؤ ٹھٹھا کرلو تحقیق اللہ نکالنے والا ہے اس کا کہ تھے

اللہ کو ضرور ظاہر کرنا ہے جس کا تمہیں ڈر ہے اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ

تم خوف کرتے اور البتہ اگر پوچھئے آپ ان سے البتہ کہیں گے اس کے سوا نہیں کہ تھے ہم ہنستے اور کھیلتے فرماؤ کیا اللہ سے اور آیتوں سے

تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں اور اس کے

اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ

اس کی اور رسول سے اس کے تھے تم ٹھٹھا کرتے نہ عذر کرو تم بیشک کافر ہوگئے تم

رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے مسلمان ہو کر اگر ہم تم میں

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً

پیچھے ایمان کے تمہارے اگر معاف کردیں ہم ایک ٹولہ کو کہ تم میں سے تو سزا دیں گے ہم دوسرے

سے کسی کو معاف کریں تو اوروں کو عذاب دیں گے اس لئے

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ ع

ٹولہ کو اس لئے کہ تھے وہ مجرم

کہ وہ مجرم تھے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: آیات کریمہ میں منافقین کی اپنی پچھلی حرکات پر بے قراری بے چینی کا ذکر تھا کہ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں کو اپنی طرف سے مطمئن کرتے اب انہیں منافقوں کا آئندہ کے متعلق اپنے خدشوں دل کی دھڑکنوں کا ذکر ہے گویا ماضی کی بے چینی کے بعد مستقبل کی بے قراری کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا کہ آخرت میں منافقوں کے لئے دوزخ کی آگ ہے اب ارشاد ہے کہ ان کے لئے دنیا میں بھی دوزخ ہے دل کی بے چینی اپنے نفاق کھل جانے کا کھٹکا گویا اخروی دوزخ کے بعد ان کی دنیاوی دوزخ کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ منافقین اللہ رسول کو راضی نہیں کرتے کہ اخلاص و اطاعت اختیار کریں۔ بلکہ

اللہ رسول کے مقابل مسلمانوں کو جھوٹی قسمیں کھا کر راضی کرتے ہیں اب اس حرکت کا انجام بیان ہو رہا ہے۔ یعنی رسوائی۔

شان نزول: ان آیات کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں ۱؎ ایک بار منافقین نے اپنا خفیہ اجلاس کیا اور مومنین کے خلاف کوئی سازش کی جس کی خبر حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ انور کو دے دی۔ حضور انور نے ایک مجمع میں فرمایا کہ کچھ لوگوں نے ہمارے متعلق یہ سازش کی ہے وہ یہاں موجود ہیں اٹھیں اور توبہ کریں میں ان کے لئے دعا کروں گا مگر کوئی نہ اٹھا کئی بار یہ فرمایا آخر کار حضور ﷺ نے نام بنام پکارا کہ اے فلاں اٹھ تو منافق ہے۔ تو بھی اس سازش میں شریک تھا۔ حتی کہ ان بارہ آدمیوں کو اٹھا کر کھڑا کر کے لوگوں کو دکھا دیا کہ یہ وہ منافقین ہیں تب یہ لوگ بولے کہ واقعی ہم نے یہ حرکت کی تھی۔ ہم کو معاف فرمایا جاوے فرمایا میں نے تمہاری شفاعت کے لئے رب کی رحمت نے تمہاری بخشش کے لئے بہت انتظار کیا مگر اب وقت نکل گیا تم اس مجلس سے نکل جاؤ۔ چنانچہ وہ نکال دیئے گئے اس پر پہلی آیت یحذر المنافقون (الخ) نازل ہوئی یہ قول حسن کا ہے۔ (تفسیر کبیر) ۲؎ امام اصم فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت رات میں کسی پہاڑ کے دامن میں بارہ منافق چھپ کر بیٹھ گئے تاکہ حضورؐ انور پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیں۔ حضورؐ انور نے حضرت عمار کو بھیجا کہ انہیں ہٹا دو آپ نے انہیں ہٹا دیا حضورؐ انور بخیریت وہاں سے گذر گئے۔ حضرت عمار سے حضور انور نے پوچھا کہ کیا تم انہیں پہچانتے ہو۔ عرض کیا کہ رات کے اندھیرے میں نہیں پہچان سکا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں ان کے نام تک جانتا ہوں حضرت عمار نے عرض کیا کہ انہیں قتل کیوں نہ کرا دیا جاوے فرمایا اور نہیں ملکوں میں مشہور ہو جاوے گا کہ محمد مصطفی اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرا دیتے ہیں جس سے تبلیغ اسلام میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ تب ہی پہلی آیت یحذر المنافقون (الخ) نازل ہوئی (تفسیر کبیر و صاوی) ۳؎ حضورؐ انور مع صحابہ کے غزوہ تبوک میں جا رہے تھے کہ بعض منافقین نے آپس میں کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملک فارس و روم کے خواب دیکھ رہے ہیں کہ ہم وہ بھی فتح کر لیں گے بھلا وہ ملک کہاں اور یہ کہاں۔ یہ کہنے والا ودیعہ ابن ثابت تھا اور باقی ہاں ہاں کر رہے تھے۔ حضور انور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ جو آگے جا رہے ہیں ان کو روکو اور ہمارے پاس حاضر کرو وہ حاضر کئے گئے فرمایا کیا تم نے آپس میں یہ کہا تھا وہ بولے ہم یہ باتیں راستہ طے کرنے کے لئے بطور شغل کر رہے تھے عمداً نہ کہتے تھے اس پر دوسری و تیسری آیت ولئن سالتھم اور تحذروا (الخ) نازل ہوئی (تفسیر خازن، کبیر روح المعانی و بیان وغیرہ)

تفسیر: یحذر المنافقون یہ کلام نیا ہے یحذر بنا ہے حذر سے خوف۔ خبیث حذر ان سب کے معنی ہیں ڈر مگر اور حذر اس خوف کو کہتے ہیں جس کے ساتھ احتیاط بھی ہو اور بچنے کی تدبیر بھی۔ رب فرماتا ہے۔ ان من اولادکم وازواجکم عدو الکم فاحذروھم وہاں بھی حذر کے یہ معنی ہیں۔ المنافقون میں الف لام عہدی ہے مراد یا تو حضورؐ انور کے زمانے کے سارے منافقین ہیں کیونکہ قریباً ان سب ہی کو یہ ڈر لگا رہتا تھا خاص وہ منافقین جن کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ چونکہ یہ ڈر ان کو لگا ہی رہتا ہے اس لئے حذروا ماضی ارشاد ہوا بلکہ یحذر مضارع فرمایا گیا۔ ان تنزل علیھم سورۃ یہ فرمان یحذر کا مفعول ہے یعنی منافق اس چیز سے ڈرتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ علیھم کا مرجع سے مومنین ہیں حضور انور پر کسی

آیت یا سورت کا نزول درپردہ سارے مسلمانوں پر نزول تھا کہ یہ سب کچھ انہیں کے لئے اترتی تھیں (روح البیان) اور ہو سکتا ہے کہ اس کا مرجع خود منافقین ہوں اور علی ضرر اور نقصان کے لئے ہو جیسے کہا جاتا ہے اھذا لمک اور بدا علیک یہ تیرے لئے مفید ہے یہ تیرے خلاف یعنی منافقوں کے خلاف کوئی سورۃ نازل ہو جائے یا علی بمعنی فی ہے (معانی) یعنی ان منافقین کے بارہ میں سورۃ اتر پڑے سورۃ کے معنی اس کے اقسام سورۃ آیۃ اور رکوع وغیرہ کا فرق ہم پہلے سپارہ میں فاتو بسورۃ من مثلہ کی تفسیر میں کر چکے۔

تنبئهم بما فی قلوبهم یہ عبارت سورۃ کی صفت ہے تنبئهم ہے نباء سے بمعنی اہم خبر۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی ضمیر کا مرجع مومنین ہیں اور قلوبهم کی ضمیر کا مرجع منافقین لہذا اس جملہ میں دو ضمیریں مومنین کے لئے ہیں اور ایک ضمیر منافقین کی طرف۔ ضمیروں کا مختلف ہونا اگر مفید ہو تو بالکل درست ہے (روح البیان وخازن ومعانی وغیرہ) ما سے مراد یا ان کے دلوں کا چھپا ہوا کفر ہے یا وہ بکواس جو وہ اپنی خاص مجلسوں میں کرتے تھے پھر دل میں چھپاتے تھے کہ مومن کو خبر نہ ہونے دیتے تھے۔ خیال رہے کہ عموماً منافقین حضور انور کو سچا ہی جانتے تھے آپ ﷺ کی وحی آپ ﷺ کی خبروں کو درست سمجھتے تھے محض حسد و عناد کی وجہ سے حضور کے انکاری تھے لہذا اپنے متعلق نزول آیات سے ان کا خوف بالکل درست تھا (روح البیان وکبیر وغیرہ) لہذا آیت کریمہ واضح ہے قل استهزوا ظاہر ہے کہ قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ خطاب قرآن پڑھتے مسلمانوں سے استہزاء کی لفظی اور معنوی تحقیق پہلے پارہ میں نحن مستهزون کی تفسیر میں کی جا چکی ہے یہاں امر نہ تو واجب کرنے کے لئے ہے نہ مباح کرنے کے لئے صرف اظہار غضب کے لئے ہے۔ ومن شاء فلیکفر جیسے نالائق آدمی سے کہا جاوے کہ خوب چوری کئے جا تو سزا بھگت لے گا۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ یہاں استہزاء بمعنی منافقت ہے۔ یعنی منافق بنے رہو اور اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑائے جاؤ۔ ان اللہ مخرج ما تحذرون۔ اس فرمان عالی میں ان کی منافقت دل لگی کے انجام کا ذکر ہے اخراج کے معنی ہیں اعلان کر دینا۔ سب پر ظاہر کر دینا ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ان کی منافقت پہلے ہی سے معلوم تھی۔ ما سے مراد ان کی وہ ہی منافقت اور خفیہ سازشیں ہیں جن کے ظاہر ہو جانے سے وہ بہت ڈرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے پوشیدہ عیوب ظاہر فرمانے والا ہے جن کے ظہور سے تم بہت گھبراتے ہو۔ اس طرح کہ اپنے حبیب کو تمہارے رسوا فرمادینے کا حکم دے دے گا۔ اس اظہار کو رب نے اپنی طرف نسبت فرمایا۔ کیونکہ حضور ﷺ کا کام در حقیقت رب کا کام ہے نیز یہ بتایا کہ تمہیں ایسا بدنام کر دے گا کہ تم سے بدنامی چھپائے نہ چھپے گی۔ (از روح المعانی) ولئن سالتهم اس آیت کریمہ کا شان نزول ابھی بیان ہو چکا غزوہ تبوک ہی کے راہ میں یہ واقعہ پیش آیا اور حضور انور کی تحقیق فرمانے سے پہلے یہ آیت آ چکی تھی لہذا اس میں غیبی خبر ہے سالت کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے یعنی اے محبوب اگر آپ ﷺ ان منافقین سے ان کی مذکورہ حرکات بکواس کے متعلق پوچھیں لیقولن انما کنا نخوض و نلعب یہ فرمان عالی ان شرطیہ کی جزا ہے خوض کے لفظی معنی ہیں کیچڑ میں دھنس جانا۔ اب گندی چیز میں لتھڑ جانے کو خوض کہا جاتا ہے لعب بچوں کی طرح ایسا کھیل کھیلنا جس کا مقصد کچھ نہ ہو (خازن کبیر) یعنی ہم نے یہ

باتیں کیں تو ہیں مگر منافقت یا اسلام دشمنی کی بنا پر نہیں۔ یوں ہی دل بہلانے راستہ طے کرنے کو کہیں۔ کہ بات چیت میں راستہ آسانی سے طے ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ انہوں نے اسلام کا مذاق اڑ ا یا حضور انور ﷺ کی اہانت کو اپنا شغل اور کھیل قرار دیا۔ قل اباللہ وایاتہ ورسولہ کنتم تستھزون ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھی قل میں خطاب قرآن پڑھنے والے مومن سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو اگرچہ ان بدنصیبوں نے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فرمان عالی کا مذاق اڑایا تھا۔ مگر چونکہ حضور انور کی گستاخی آیات قرآنیہ بلکہ رب تعالیٰ سب ہی کی گستاخی ہے اس لئے یہاں ان تینوں کا ذکر ہوا یہاں سوال اظہار غضب کے لئے ہے یعنی تم کو دل بہلانے راستہ طے کرنے کے لئے اور کوئی تذکرہ چرچہ نہ ملا۔ صرف یہ ہی ملا کہ اللہ رسول اور اللہ کی آیات کا مذاق اڑاؤ۔ آیات سے مراد قرآنی آیتیں ہیں یا حضور انور کی وہ غیبی خبریں کہ عنقریب فارس وروم ہم کو عطا ہوں گے۔ وہاں ہمارا راج ہوگا۔

لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم یہ ہے ان کے جرم کا ربانی فیصلہ عذر کے لغوی معنی ہیں کسی کام کا اثر مٹانا کہا جاتا ہے۔ اعتذرت المنازل بانخستہ والی کمال کا نشان بہانہ بنانے یا توبہ کرنے کو معذرت کہا جاتا ہے مناسبت ظاہر ہے۔ (روح البیان ومعانی وتفسیر خازن وغیرہ) کفر و ایمان سے مراد ظاہری کفر وایمان ہے ورنہ منافقوں کے پاس ایمان تھا ہی نہیں یعنی تم لوگوں کے خیال میں اب تک مومن تھے اب تم کافر ہو گئے یعنی تم ظاہری ایمان کے بعد ظاہری کافر بن چکے بہانہ نہ بناؤ اب مسلمان تمہارے دھوکہ میں نہ آئیں گے۔ ان نعف عن طائفۃ نعذب طائفۃ شان نزول میں معلوم ہو چکا کہ تبوک کے راستے میں کچھ منافقین تو مذکورہ دل لگی مذاق کر رہے تھے کچھ ہنس رہے تھے اس فرمان عالی میں ان کی چھانٹ کر دی گئی کہ جو لوگ صرف ہاں ہاں کر رہے تھے یا خاموشی سے سن رہے تھے ان کو معافی ہو جاوے گی اس طرح کہ انہیں توبہ و اخلاص کی توفیق ملے گی۔ یاں ان شک کے لئے نہیں بلکہ امید دلانے کے لئے ہے یعنی تم میں ایک جماعت جو خاموش تھی یا ہاں ہاں کر رہی تھی ان کو توبہ کی توفیق ملے گی اور معافی دی جاوے گی چنانچہ انہیں میں ایک شخص تھا مخاشن ابن حمیر الشجعی جو صرف ہنس رہا تھا کچھ کہتا نہ تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد نفاق سے توبہ کر کے سچا مسلمان ہو گیا اور دعا کی کہ الٰہی میری موت شہادت کی ہو اور مجھے کوئی کفن دفن نہ کرے چنانچہ یہ شخص عہد صدیقی میں غزوہ یمامہ میں اس طرح شہید ہوا کہ کسی کو اس کی لاش کا پتہ نہ لگا (تفسیر خازن ومعانی) نعذب طائفۃ اس فرمان عالی میں دوسری جماعت کا ذکر ہے یعنی بکواس کرنے والے مذاق اڑانے والے یعنی ہم دوسرے ٹولہ کو ضرور بالضرور عذاب دیں گے۔ کیوں بانھم کانوا مجرمین۔ اس لئے کہ اصلی مجرم یہ ہی ہیں۔ انہیں اخلاص اور توبہ کی توفیق نہ ملے گی کفر پر مریں گے۔ کفار کے ساتھ آخرت میں رہیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ہی منافقوں پر ہمارا عذاب ہے کہ انہیں کسی گھڑی بھی چین نہیں وہ ڈرتے ہی رہتے ہیں اور ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ مومنوں پر قرآن مجید کی کوئی ایسی سورت یا آیت نازل ہو جاوے جو ان کے دلوں کا نفاق ان کی خفیہ سازش ظاہر کر دے اور یہ لوگ بدنام ہو جاویں۔ آپ ﷺ ان سے بطور عتاب فرما دو کہ تم لوگ خوب

ہنسی مذاق کیے جاؤ۔ اسلام پر بہتان کیے جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ عنقریب ان خبروں کو ظاہر فرمانے والا ہے۔ جس کی تمہیں دھڑکن لگی ہے ان بدنصیبوں کی کیفیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے پیچھے آپ ﷺ کی اسلامی اہانت کرتے ہیں مگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں کہ کیا تم نے یہ باتیں کی تھیں تو نہایت بے شرمی سے کہہ دیں گے کہ ہم یوں ہی راستہ طے کرنے اور شغل کے طور پر دل لگی کر رہے تھے۔ فرمادو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ اس کی آیتوں اس کے رسول کا ٹھٹھا کرتے ہو۔ بہانہ نہ بناؤ تم مسلمانوں کی نگاہ میں مومن ہو چکنے کے بعد کافر ہو چکے۔ اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معافی بھی دے دیں کیونکہ تمہارے ساتھ تمسخر میں شریک نہ تھے صرف خاموشی سے تمہاری باتیں سن رہے تھے۔ ہنس رہے تھے انہیں اخلاص وتوبہ کی توفیق دے دیں مگر دوسرے ٹولہ کو ضرور عذاب دیں گے جو ہنسی مذاق میں مشغول ہوا کیونکہ وہ بے ادبی کے مجرم ہیں اور اور نبی کے گستاخ کو توبہ کی توفیق نہیں ملا کرتی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کا نام سورۃ فاضحہ بھی ہے کہ اس نے منافقوں کو رسوا کر دیا اور مبعثرہ اور مثیرہ بھی کہ اس نے منافقوں کی خبریں شائع کر دیں حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس سورت میں ستر منافقوں کے نام مختلف آیات میں تھے جو منسوخ التلاوت ہو گئیں (خازن)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دو رخ والا منافق اس پر دنیا میں رب کا عذاب یہ ہے کہ اس کے دل کو چین نہیں ہمیشہ اسے ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں میرا پول نہ کھل جاوے ہر ایک کو راضی رکھنے والے کا یہی انجام ہے یہ فائدہ **یحذر المنافقون** سے حاصل ہوا۔ مخلص۔ مومن اس غم سے آزاد ہے وہ صرف اللہ رسول کو راضی کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ مخلوق خود بخود راضی ہو جاتی ہے۔

دوسرا فائدہ: حضور انور ﷺ پر قرآن مجید کا نزول گویا امت پر نزول ہے کیونکہ انہیں کے لئے تو اترتا ہے یہ **تنزل علیھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ علیھم سے مراد مومنین ہوں۔

تیسرا فائدہ: نزول قرآن مومنوں کے لئے رحمت ہے منافقوں کافروں کے لئے عذاب ہے یہ فائدہ ان **تنزل علیھم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ علیھم سے مراد ہوں منافقین اور علی ضرر کے لئے ہو۔

چوتھا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں مخلصوں کو اول سے ہی جانتے ہیں۔ آپ ﷺ کی پہچان نزول قرآن پر موقوف نہیں یہ فائدہ **تنبئھم** سے حاصل ہوا کہ میں **ھم** ضمیر جمع لائی گئی۔ مسلمانوں کے لئے یعنی ایسی آیت جو مسلمانوں کو منافقوں کی خبر دے دے فرماتا ہے **ولتعرفنھم فی لحن القول** اے محبوب آپ ﷺ منافقوں کو ان کی روش کلام سے ہی پہچان لیتے ہو۔

پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پردہ پوش ہیں۔ **حتی الامکان** منافقوں کو بھی رسوا نہیں کرتے ان کے عیوب قرآن مجید فاش کرتا ہے یہ فائدہ بھی تنبئھم سے حاصل ہوا۔ سورۃ قرآنیہ لوگوں کو منافقین کی خبر دیتی ہے۔

چھٹا فائدہ: امر ہمیشہ وجوب کے لئے نہیں آتا کبھی دوسرے مقصدوں کے لئے یہ فائدہ استھزاء سے حاصل ہوا کہ یہ صیغہ امر کا ہے مگر نہ تو مذاق کی اجازت دینے کے لئے ہے نہ واجب کرنے کے لئے۔ بلکہ صرف عتاب کے لئے۔

ساتواں فائدہ: رب کے وعدے سچے ہیں ان میں خلاف کا احتمال بھی نہیں یہ فائدہ مخرج تحذرون سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب نے فرمایا کہ منافقوں کے چھپے راز رب تعالیٰ ظاہر کرے گا۔ ایسا ہی ہوا آج تک وہ لوگ بدنام ہیں۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور انور کو علم غیب عطا کیا یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ منافقین نے جو بکواس اپنی خفیہ مجلسوں میں کیں حضور انور کو اس پر اطلاع تھی۔

نواں فائدہ: کفر کی باتیں خوشی سے سننا ان پر ہنسنا ان سے راضی ہونا سب کچھ کفر ہے رضا بالکفر کفر عقائد کا مشہور مسئلہ ہے۔ یہ فائدہ کنتم تستھزون اور قد کفرتم جمع فرمانے سے حاصل ہوا کہ ان سب پر قرآن مجید نے کفر کا فتویٰ کیا رب تعالیٰ ان سب سے بچائے۔

دسواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار اس کا مذاق اڑایا تو رب تعالیٰ نے فرمایا۔ ابالله و ایته و رسوله کنتم تستھزون۔ یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و تعظیم رب تعالیٰ قرآن مجید سب کی تعظیم ہے۔

گیارھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار اس کا مذاق اڑانا منافقوں کا پرانا طریقہ ہے یہ فائدہ ان آیات کے شان نزول سے حاصل ہوا۔ کہ منافقین نے حضور انور ﷺ کی اس غیبی خبر کا انکار کیا کہ رب تعالیٰ قیصر و کسریٰ کے ملک ہم کو عطا کرے گا۔ اسے استہزاء قرار دیا۔

بارھواں فائدہ: حضور انور ﷺ کی گستاخی کفر ہے اگرچہ گستاخی کی نیت نہ ہو۔ دیکھو ان منافقین نے کہا تھا کہ ہم تو ان باتوں کے ذریعہ دل بہلا رہے تھے راستہ طے کر رہے تھے گستاخی کی نیت نہ تھی مگر رب نے فرمایا۔ لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم۔ یہ آستانہ بہت نازک ہے۔

تیرھواں فائدہ: توبہ کی توفیق ملنی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ توبہ کی توفیق ملنی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ یہ فائدہ۔ ان تعف عن طائفة سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

چودھواں فائدہ: اکثر حضور انور ﷺ کے گستاخی کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی یہ فائدہ۔ نعذب طائفة (الخ) سے حاصل ہوا۔

پندرھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہے پردہ پوشی فرماتا ہے مگر جو بدبخت اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت پر ہاتھ ڈالے اس کی پردہ دری فرما دیتا ہے پھر دریائے غضب جوش میں آجاتا ہے۔ یہ فائدہ مخرج ماتحذرون سے حاصل ہوا۔ دیکھو امیہ ابن خلف نے حضور انور ﷺ کو بہت دکھ پہنچائے تو رب تعالیٰ نے اس کے دس عیب قرآن مجید میں بیان کئے۔ حتیٰ کہ آخر میں فرمایا عتل بعد ذلک زنیم وہ حرام کا بچہ ہے۔ آج تک اس کے یہ عیوب مخلوق کی زبان پر ہیں۔ اس کے (ذلک زنیم وہ حرام کا بچہ ہے۔ آج تک اس کے یہ عیوب مخلوق کی زبان پر ہیں۔ اس کے) برعکس وہ رب کریم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ثناخوانوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے اور فرمائے گا۔

پہلا اعتراض: منافقین دل سے حضور انور ﷺ کو نبی مانتے ہی نہ تھے نہ آپ ﷺ پر وحی آنے کے قائل پھر انہیں اپنے

متعلق یہ خدشہ کیوں تھا کہ ہمارے متعلق وحی آجائے جو ہم کو بدنام کردے پھر یحذر المنافقون (الخ) کا مطلب کیا ہے۔

جواب: اکثر منافقین تو آپ ﷺ کو دل سے نبی جانتے تھے گرچہ مانتے نہ تھے آپ ﷺ کی وحی کو وحی الٰہی سمجھتے تھے اور جو آپ ﷺ کو نبی نہ جانتے تھے انہیں خطرہ تو یہ تھا کہ حضور انور ﷺ لوگوں سے فرمادیں کہ یہ منافق ہیں انہوں نے فلاں حرکات کی ہیں یقیناً لوگ حضور ﷺ کی یہ بات مان لیں گے اور ہم ان میں بدنام ہوں گے غرضیکہ نزول آیت خواہ ان کے عقیدے میں ہو یا مسلمانوں کے عقیدے میں ان کی بدنامی بہر حال یقینی تھی۔

دوسرا اعتراض: اس فرمان عالی میں تین ضمیریں ہیں تنزل علیهم دوسری تنبئهم تیسری قلوبهم۔ تم نے کہا کہ ان میں سے دو پہلی ضمیریں تو مسلمانوں کی طرف ہیں اور آخری کی ضمیر فی قلوبهم منافقوں کی طرف اس سے ضمیروں میں انتشار ہوگا۔ ایک جملہ کی ضمیروں کا مرجع علیحدہ یہ نحوی اور بلاغت کے قائدے سے درست نہیں۔

جواب: مفسرین نے اس اعتراض کے بہت جواب دیے ہیں بعض نے ان تینوں ضمیروں کو منافقین کی طرف مانا ہے اور پھر بہت بڑی چوڑی تاویلیں کی ہیں مگر قوی اور آسان جواب یہ ہے کہ ضمیروں کا مختلف ہونا اگر فائدہ مند ہو تو بالکل جائز ہے بلا فائدہ درست نہیں رب فرماتا ہے یوسف اعرض عن هذا واستغفری لذنبک دیکھو ایک آیت میں اعرض کی ضمیر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف ہے اور استغفری کی ضمیر زلیخا کی طرف۔

تیسرا اعتراض: یہاں منافقوں سے فرمایا گیا کہ تم ایمان کے بعد کافر ہو گئے وہ تو پہلے ہی سے کافر تھے۔ کبھی مومن تھے ہی نہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ یہاں ایمان و کافر سے مراد ان کا ظہور اور ان پر لوگوں کا مطلع ہونا ہے یعنی پہلے تم لوگوں کی نظر میں مومن ہو گئے تھے اب اس بکواس سے ان کی نظر میں کافر ہو گئے۔

چوتھا اعتراض: پھر یہ لوگ مرتد کیوں نہ مانے گئے اور انہیں قتل کیوں نہ کیا گیا۔ مرتد کی سزا تو قتل ہے۔

جواب: بعض لوگوں نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ اس وقت تک اس قتل کا قانون نہ بنا تھا۔ قتل مرتد کا حکم بعد میں آیا مگر یہ قوی نہیں کیونکہ منافقین کا یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے جو حضور انور ﷺ کا آخری غزوہ ہے۔ اس کا قوی جواب وہ ہے جو خود حضور انور نے دیا کہ یہ لوگ قومی لحاظ سے مسلمان ہی بنے تھے مشرکین یا عیسائی یا یہودی نہ بنے تھے اگر انہیں قتل کیا جاتا تو دوسرے ملکوں میں خبر اڑ جاتی کہ مسلمان خود مسلمانوں کو قتل کر دیتے ہیں اس بنا پر لوگ مسلمان ہونا چھوڑ دیتے یہ حکم خلافت فاروقی تک رہا پھر اعلان ہو گیا کہ منافقت ختم ہو چکی اب کفر ہے یا اسلام اب جو ایک بات کفر کی کہے گا قتل کیا جاوے گا جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ ان گستاخوں میں سے ایک گروہ کی معافی دی جاوے گی دوسرے کو سزا جب جرم ایک ہے تو یہ فرق کیوں ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بکواس کرنے والوں کو توبہ کی توفیق نہ ملے

لی جوصرف اس پر خاموش رہے یا جس دیئے انہیں رب تعالیٰ کی طرف سے توبہ کی توفیق ملے گی۔ جس سے ان کا گنا معاف ہو جاوے گا۔ دیکھا گیا ہے کہ حضور انور ﷺ کے گستاخ کو اکثر کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے ایک میان میں دو تلوار نہیں سما سکتیں ایسے ہی انشاء اللہ ایک دل میں دو خوف جمع نہیں ہوں گے یعنی خوف خالق اور خوف مخلوق حضرات صحابہ کرام کے دلوں میں رب تعالیٰ کا خوف تھا اس لئے ان کو مخلوق کا خوف نہ تھا منافقین کے دلوں میں خوف خدا نہ تھا۔ اس لئے انہیں سب کا ڈر تھا حضرات صحابہ نزول قرآن پر خوش ہوتے تھے مگر منافقین اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں عیوب نہ کھل جاویں آیات قرآنی رحمت کی بارش میں جو مومنوں کی مفید منافقوں مضر ایمان کی روح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام ہے۔ کفر کی جڑ حضور انور ﷺ کی توہین اور بے ادبی ہے باقی کفر اس کی شاخیں ہیں۔ گستاخ کے کفر پر قرآن مجید نے فتویٰ دیا ہے۔ لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے اولیاء اللہ۔ علماء دین بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر نسبت رکھنے والی چیز کا ادب و احترام چاہئے کہ ان کا احترام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

حکایت: ایک بار حضرت زید ابن ثابت گھوڑے پر سوار ہوئے تو حضرت عبداللہ ابن عباس نے آپ کی رکاب تھام لی آپ نے فرمایا اے رسول اللہ کے اہل بیت ایسا نہ کریں فرمایا ہم کو حضور انور ﷺ نے اپنے بڑوں کے ایسے ہی ادب کا حکم دیا ہے۔ حضرت زید نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہم کو حضور ﷺ نے اہل بیت اطہار کے ساتھ یہ ہی برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ (روح البیان) جسے جو ملا ادب سے ملا بے ادب منافقین صحبت پاک میں رہ کر بھی محروم رہے۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ باادب تھے دور رہ کر بھی محروم نہ ہوئے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ
نفاق والے مرد اور نفاق والی عورتیں ان کے بعض بعض سے ہیں حکم دیتے ہیں برائی کا اور منع
منافق مرد اور منافق عورتیں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں برائی کا حکم دیں اور بھلائی سے
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ
کرتے اچھی باتوں سے اور سمیٹے رکھتے ہیں ہاتھ اپنے بھول گئے وہ اللہ کو پس چھوڑ دیا ان کو
منع کریں اور اپنی مٹھی بند رکھیں اور اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا بے شک منافق
فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ
اللہ نے تحقیق منافق ہی بدکار لوگ ہیں وعدہ فرمایا اللہ نے
وہ ہی پکے بے حکم ہیں اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کو

الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ هِیَ

منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور کھلے کافروں سے دوزخ کی آگ کا رہیں گے

جہنم کی آگ کا وعدہ دیا ہے جس میں ہمیشہ رہیں گے وہ انہیں بس ہے اور اللہ کی

حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۟ۙ

اس میں ہمیشہ وہ کافی ہے انہیں اور پھٹکار کیا ان پر اللہ نے اور واسطے ان کے عذاب قائم رہنے والا ہے

ان پر لعنت ہے اور ان کے لئے قائم رہنے والا عذاب ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: دور سے صرف منافق مردوں کا ذکر ان کی برائیاں ارشاد ہو رہی تھیں منافق عورتوں کا ذکر نہ تھا۔ اب منافق عورتوں کا بھی ذکر ہوا کہ فرمایا گیا کہ جس قدر عیوب منافق مردوں کے بیان ہوئے وہ سب کے سب منافق عورتوں میں بھی ہیں یہ دونوں بالکل ایک ہی ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات سے معلوم ہوا تھا کہ منافق لوگ اپنے کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ظاہر کرتے ہیں کہ وہ تم مسلمان میں سے ہیں اب ارشاد ہے کہ ایسا نہیں ہے وہ آپس میں ایک دوسرے سے بدعقیدگی بدکاری میں یکساں ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کی بدعقیدگیوں ایذا رسانیوں کا ذکر ہوا اب ان آیات میں ان کی بدعملیوں کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ عقائد کے بھی خراب ہیں اور اعمال کے بھی۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے منافقین کا ذکر کفار سے علیحدہ فرمایا جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ دو الگ قومیں ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ کھلے کافر اور یہ منافق ایک ہی ہیں ان کی سزا بھی ایک۔

تفسیر: المنافقون والمنفقت یہ جملہ ہے۔ منافقین جمع ہے منافق کی اور منافقات جمع ہے منافقہ کی اس سے نفاق عقیدہ والے مراد ہیں یعنی منافق اعتقادی۔ حضور انور کے زمانہ میں منافق مرد کل تین سو تھے اور منافق عورتیں کل ایک سو ستر تھیں۔ (روح البیان) یہ عبارت مبتدا ہے بعضھم من بعض یہ عبارت خبر ہے المنافقون (الخ) بعض سے مراد مطلقاً بعض ہیں خواہ وہ مشرکین میں سے ہوں یا یہود میں سے ہوں یا عیسائیوں میں سے اس میں من بعضیت کا ہے یعنی یہ سب منافقت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں یہ تمام ایک دوسرے کا گویا حصہ ہیں جیسے جسم کے اعضاء ایک شخص کے جسم کے اعضاء ایک شخص کے جسم کا حصہ ہوتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ منافقین اگرچہ دین میں مختلف ہیں مگر منافقت اور بدعملیوں اور اسلام دشمنی میں ایک ہی ہیں اس کی تفصیل یہ ہے یامرون بالمنکر وینھون عن المعروف یہ وہ کام کرتے ہیں ایک دوسرے کو برائیوں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفتوں اسلامی دشمنی اور دوسرے برے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور اچھے اچھے عقیدوں ایمان۔ اخلاص اور اچھے اعمال نماز حج وغیرہ سے روکتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ خفیہ خفیہ بعض مومنین کو برائیوں کا مشورہ دیتے ہیں اور اچھائیوں سے روکتے ہیں ان مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی طرف سے شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں ان میں تیسرا عیب یہ ہے کہ یقبضون ایدیھم اپنے ہاتھ سمیٹے رہتے ہیں کہ نہ صدقہ وخیرات کرتے ہیں نہ کراتے ہیں۔ یا ہر بھلائی سے اپنے ہاتھ سمیٹے رہتے ہیں کہ نہ صدقہ وخیرات کرتے ہیں نہ کراتے ہیں۔ یا ہر بھلائی سے اپنے ہاتھ روکے رہتے ہیں یا دعا میں مسلمانوں کے ساتھ عموماً ہاتھ نہیں اٹھاتے (روح البیان) نسوا اللہ فنسیھم یہ ان کا چوتھا عیب پہلے نسیان سے مراد ہے غافل ہو جانا یا چھوڑ دینا بیٹھنا نہ کہ اتفاقاً بھول جانا۔ کیونکہ یہ گناہ نہیں دوسرے نسیان سے مراد ہے انہیں چھوڑ دینا ان کی طرف سے بے توجہ ہو جانا کہ بھول جانا کہ رب تعالیٰ سے پاک ہے یا ان سے اپنا رحم وکرم دور کر دینا (روح البیان وخازن) ان اربعوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان المنفقین ھم الفاسقون اس مضمون کی اہمیت دکھانے کے لئے اسے ان سے شروع فرمایا۔ ھم سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ الفاسقون سے مراد ہے بدترین بدکار یعنی صرف منافق ہیں بدکار و بدعقیدہ ہیں کہ ہیں بدتر اور بنتے ہیں بہتر۔ وعد اللہ المنفقین و المنافقات و الکفار نا جھنم وعدہ کے معنی ہیں نفع یا نقصان پہنچانے کی خبر دینا وقوع سے پہلے عموماً نفع کی خبر کو وعدہ اور نقصان کی خبر کو وعید کہتے ہیں مگر دراصل لفظ وعدہ دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے عرب کہتے ہیں وعدتہ خیرا و عدتہ شرا یہاں بمعنی وعید ہے منافق مردوں عورتوں کو کفار کے ساتھ جمع فرما کر یہ بتایا کہ چھپے کافر اور کھلے کافر مذہباً ایک ہی ہیں ان میں سے کوئی مومن نہیں اور کسی کی بخشش نہیں کوئی جنت میں نہیں جا سکتا اگر کفر ونفاق پر مر جاوے۔ جہنم دراصل جہنام تھا بمعنی گہرا کنواں چونکہ دوزخ بہت ہی گہری ہے اس لئے اسے جہنم کہتے ہیں یہ لفظ عربی ہے۔ (روح البیان) بعض نے فرمایا کہ یہاں دراصل چاہ تم کا ذکر ہوا۔ خالدین فیھا یہ عبارت حال مقدرہ ہے۔ منافقین۔ منافقات اور کفار کا خلود اگر کفار کے لئے ارشاد ہوا تو اس کے معنی ہوتے ہیں ہمیشہ رہنا اگر گنہگار مومن کے لئے ارشاد ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں دراز مدت تک رہنا لہٰذا یہاں بمعنی ہمیشہ رہنا ہے یعنی دوزخ کی آگ بنی ہی ہے انہیں کے لئے اور وہ ہی اس میں ہمیشہ رہیں گے ان دونوں معانی سے حصر بالکل درست ہو گیا۔ ھی حسبھم اس فرمان عالی کا مقصد عذاب جہنم کی ہولناکی دکھانا ہے وہ آگ ہی ان کے تمام بدعقیدگیوں بدعملیوں بدمعاشگیوں کے لئے کافی ہے اگر وہاں سانپ بچھو گرم پانی وغیرہ کے عذاب نہ بھی ہوتے تب بھی یہ کافی تھی چہ جائیکہ وہاں تو اور صدہا عذاب بھی ہیں سمجھ لو کہ ان کا کیا حال ہو گا اس میں ان کی تیسری سزا کا ذکر ہے۔ لعنت کا فاعل جب اللہ تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ رحمت سے دور کرنا اگر اس کا فعل بندے ہوں تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ دوری رحمت کی دعا کرنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ اس فرمان عالی میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اول سے ہی ان پر اللہ نے لعنت کی ہوئی ہے۔ کہ علم الٰہی میں آ چکا تھا کہ یہ لوگ منافق و کافر مریں گے یا دنیا میں ان پر اللہ کی پھٹکاری ہوتی ہے کہ نبی کریم کے پاس پہنچ کر بھی اللہ کی رحمت نہ لے سکتے قیامت تک ان پر بندوں کی پھٹکار ہوتی ہے دوسرے یہ کہ دوزخ میں ان کو اللہ تعالیٰ کی ہر رحمت سے دوری ہو گی۔ ان پر کسی قسم کا رحم نہ ہو گا۔

ولھم عذاب مقیم یہ فرمان عالی یا تو خالدین فیھا کی تفسیر ہے یا اس عذاب سے کوئی اور دردناک سخت عذاب مراد ہے جس کی شدت ہمارے خیال سے وراء ہے یا اس سے دنیا کا عذاب مراد ہے۔ (روح البیان) یہاں بھی لھم کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا کیونکہ دوزخ میں ہیشگی ہاں ایسے دردناک ہولناک عذاب کی یہ پھٹکاریں صرف ان تین کے لئے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اگرچہ منافقین اپنے کو تم مسلمانوں میں سے کہتے ہیں اور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ منافق مرد ہوں یا عورتیں اور کسی ملت کے ہوں مشرکین ہوں یا عیسائی یا یہودی یا کسی اور ملت کے سب ایک دوسرے سے ہیں کہ منافقت اسلام دشمنی مسلمانوں سے عداوت میں سب یکساں ہیں ان سب کی حالت یہ ہے کہ لوگوں کو ہمیشہ برے عقائد برے اعمال اسلام سے روکنا اسلام سے پھیر نا بری حرکتیں کرنا ان ہی باتوں کا حکم یا مشورہ دیتے ہیں اور ہر قسم کی بھلائی عقائد صالحہ نیک اعمال اسلامی عبادات و معاملات سے منع کرتے ہیں۔ بڑے کنجوس و بخیل ہیں۔ کبھی اللہ کی راہ میں خرچ کے لئے ہاتھ نہیں پھیلا دیتے کے موقعہ پر ہاتھ سمیٹ لیتے ہیں اللہ تعالٰی سے یکسر غافل ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا ہی میں اللہ تعالٰی نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ انہیں بھولا بسرا بنا دیا۔ منافق بڑے ہی فاسق بدکار لوگ ہیں اللہ تعالٰی نے منافق مردوں منافق عورتوں اور کھلے کافروں ان سب سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر لیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ صرف ہاں کا عذاب ہی ان کی سزا کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ وہاں جلنے کے علاوہ اور بہت سے عذاب ہیں ان پر اللہ تعالٰی کی پھٹکار ہے دنیا میں یا آخرت میں یا ہر جگہ اور انہیں اس کے علاوہ اور بہت سے عذاب ہیں ان کی سزا کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ وہاں جلنے کے علاوہ اور بہت سے عذاب ہیں ان پر اللہ تعالٰی کی پھٹکار ہے دنیا میں یا آخرت میں یا ہر جگہ اور انہیں اس کے علاوہ اور بہت سخت قسم کا عذاب کا دائمی عذاب ہوگا۔ یا دنیا میں انہیں دائمی عذاب ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ہر شخص اپنے ہم عقیدہ کا ہم جنس ہوتا ہے۔ مومن مومن کا ہم جنس ہے کافر کافر کا منافق منافق کا یہ فائدہ بعضھم من بعض سے حاصل ہوا کہ منافقوں کو ایک دوسرے کا ہم جنس فرمایا گیا۔

دوسرا فائدہ: منافقین قومیت کے لحاظ سے مسلمانوں میں شامل ہیں اس لئے ان پر جہاد جزیہ وغیرہ نہیں ہوتا انہیں نمازوں جہادوں میں شرکت کی اجازت ہوتی ہے مگر مذہبی لحاظ سے دوسرے کافر ہوتے ہیں اس لئے وہ عذاب آخرت میں برابر کے شریک ہیں یہ فائدہ بھی بعضھم من بعض سے حاصل ہوا۔ سارے کفار خواہ مشرکین ہوں یا یہود نصاریٰ یا کوئی اور اسلام دشمنی میں یکساں ہیں۔ الکفر ملۃ واحدۃ یہ فائدہ یامرون بالمنکر (الخ) سے حاصل ہوا۔ اگر مسلمان آپس میں ایک نہ ہوں برادری یوں صوبائی تعصب میں بٹے رہیں تو بہت ہی افسوس ہے کفار بندہ کفر نہیں مومن کو چاہئے کہ بندہ عشق بنے۔ شعر

بندہ عشق شدی ترک نسبت کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

چوتھا فائدہ: اچھی باتوں اچھے کاموں سے روکنا کفار و منافقین کا طریقہ ہے یہ فائدہ ینھون عن المعروف سے حاصل ہوا اس سے موجودہ وہابیوں کو عبرت پکڑنا چاہئے جو ہمیشہ نیاز فاتحہ میلاد شریف وغیرہ کار خیر سے ہی مسلمانوں کو روکتے ہیں۔ حرام رسموں کھیل تماشوں سے روکنے پر زور نہیں دیتے روکتے ہیں تو اللہ رسول کے ذکر سے اچھی مجلسوں سے۔

فائدہ پانچواں: براہ خدا میں خرچ سے رکنا اور روکنا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ یقبضون ایدیھم (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو راہ خدا میں خرچ کرنے سے لوگوں کو روکتے ہیں رب فرماتا ہے۔ مناع للخیر معتد اثیم۔ آج بعض مسلمان کہلانے والے مسلمانوں کو قربانی حج۔ فاتحہ مردوں کے نام پر خیرات کرنے سے روکتے رہتے ہیں۔

چھٹا فائدہ: بدترین زندگی وہ ہے جو رب تعالیٰ سے غفلت میں گذرے۔ یہ زندگی منافقوں کی ہے یہ فائدہ نسو اللہ سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: خدا کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ اسے یاد کرتا ہے۔ فاذکرونی اذکرکم اس سے غفلت کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ کریم بندے کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے یہ فائدہ فنسیھم سے حاصل ہوا یاد کرلو۔ یاد کرالو۔ اسے بھول جاؤ بھلوادو۔

آٹھواں فائدہ: منافقین بدترین فاسق و بدکار ہیں باقی فاسق ان سے نیچے ہیں یہ فائدہ ان المنافقین ھم الفاسقون کے حصر سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: رب کی بارگاہ میں منافق اور کھلے کافر کا حکم ایک ہی ہے بلکہ کھلے کافر سے یہ چھپے کافر یعنی منافق بدتر ہیں۔ دیکھو اس آیت میں رب تعالیٰ نے منافقین' منافقات' کفار سب کے عذاب یکساں بیان کئے دوزخ کی آگ وہاں ہمیشگی پھٹکار دائمی عذاب وغیرہ اگرچہ شرعی احکام میں ان میں فرق ہے۔
یکساں ہوگا۔ کبھی عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ یہ فائدہ عذاب مقیم کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ مقیم کے معنی ہیں ہمیشہ یکساں۔

پہلا اعتراض: رب تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا۔ نسو اللہ وہ اللہ کو بھول گئے اور بھول چوک معاف ہے کہ یہ غیر اختیاری چیز ہے حضور فرماتے ہیں کہ میری امت سے بھول چوک اٹھادی گئی۔ معاف کردی گئی۔ پھر اسے منافقین کے عیوب میں کیوں گنایا اور اس پر سزا کیوں دی گئی۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں نسیان بمعنی غفلت ہے یعنی وہ خدا سے ایسے غافل ہو گئے جیسے بھول ہی گئے۔
خیال رہے: کہ بھول جانا اور ہے بھلا دینا کچھ اور ہے ایک حافظ خرابی کی وجہ سے قرآن مجید بھول جاوے وہ گنہگار نہیں اور دوسرا حافظ ورد نہ کرنے کی وجہ سے بھول جائے وہ مجرم ہے اتفاقاً نماز فجر کے وقت آنکھ نہ کھلے وہ گنہگار نہیں۔ لیکن رات کو بلاوجہ بہت جاگنے کا عادی ہو جانا جس سے صبح کو اٹھا نہ کرے یہ جرم ہے۔

دسواں فائدہ: کفار کو ہمیشہ عذاب ہوگا اور **دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھول گیا رب تعالیٰ تو

بھول چوک سے پاک ہے۔
جواب: یہاں بھی بھولنے سے مراد انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا ہے۔ انہیں رحم و کرم سے محروم کر دینا۔ قرآن مجید میں کبھی جرم کی سزا کو بھی جرم سے تعبیر کر دیتے ہیں رب فرماتا ہے۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا
تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ منافق ہی فاسق و بدکار ہیں تو کیا ظاہری کفار اور بڑے بڑے گنہگار متقی و پرہیزگار ہیں۔ حصر کے کیا معنی۔
جواب: یہاں فسق سے مراد خاص فسق ہے۔ یعنی مسلمانوں کو دھوکا دینے کفر چھپانے اسلام ظاہر کرنے کا فسق۔ یہ فسق واقعی صرف منافقین ہی کا ہے۔ ہم نے پہلے پارہ میں فسق کے معنی اس کے اقسام ہر قسم کے احکام عرض کر دیئے ہیں کہ فسق تغابی فسق انہماک۔ فسق جمودی ان سب میں بہت طرح فرق ہے۔
چوتھا اعتراض: یہاں منافقین کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ اپنے ہاتھ سمیٹے ہیں یعنی کنجوس ہیں مگر اس زمانہ میں کبھی بعض منافقین جہاد وغیرہ میں خوب چندے دیتے تھے اب بھی کفار بڑی سخاوتیں کرتے ہیں۔
جواب: ان میں کوئی بھی اللہ رسول کی رضا کے لئے کچھ خرچ نہیں کرتے۔ قومی ملکی مفاد یا اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کے لئے یا اپنی شہرت و ناموری کے لئے خرچ کرتے ہیں فبذایہ خرچ کرنا نہ کرنے کی طرح ہے وہ سب کچھ خرچ کریں مگر بخیل ہیں۔
پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ میں دوزخ میں ہیشگی کے بعد فرمایا گیا لھم عذاب مقیم یعنی انہیں دائمی عذاب ہے یہ بات تو خالدین فیھا سے معلوم ہوگئی تھی مکرر کیوں فرمائی گئی۔
جواب: مفسرین کرام نے اس اعتراض کے بہت جواب دیئے ہیں۔ ١۔ انہیں دنیا میں بھی دائمی عذاب ہے یعنی خالدین میں اخروی عذاب کا ذکر ہے یہاں دنیاوی عذاب کا۔ دل کی بے چینی ہر وقت اپنے پول کھل جانے کا خطرہ مسلمانوں اور کافروں دونوں میں ان کا اعتبار نہ ہونا۔ ہر ایک کی نظر میں ذلیل رہنا وغیرہ۔ ٢۔ اس سے مراد برزخی عذاب ہے۔ یعنی خالدین (الخ) میں اخروی عذاب مراد تھا یہاں برزخی ٣۔ یہاں اخروی عذاب ہی مراد ہے۔ مگر دوزخ کی آگ کے سوا دوسرا عذاب مراد ہے۔ رب فرماتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار یعنی منافقین دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ جہاں سارے دوزخیوں کی پیپ کچ لہو۔ پیشاب پاخانہ بہہ کر آوے گا۔ انہیں پلایا جاوے گا۔
تفسیر صوفیانہ: انسان کی زندگی تین طرح کی ہے شیطانی' نفسانی' ایمانی' شیطانی زندگی کا نام قرآن مجید میں معیشۃ ضنکا ہے یعنی تنگ زندگی' نفسانی زندگی کا نام الحیوۃ الدنیا یعنی قریب الفناء زندگی ایمانی زندگی کا نام ہے۔ حیوۃ طیبۃ اس کی تفصیل ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ اسی طرح موت بھی تین طرح کی ہے وارنٹ یا پکڑ۔ جیسے قرآنی اصطلاح میں اخذنا بطش فرمایا گیا۔ یعنی رب کی پکڑ دوسری موت وفات کہ مزدور نے اپنی مزدوری پوری کر لی اب رب کی عطا شروع ہوتی ہے۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا۔ تیسری قسم کی موت وصال یار جیسے قرآن رجوع الی اللہ فرماتا ہے ارجعی الی

ربک مواضیۃ مرضیۃ۔ مومن جیتا ہے تو طیب مرتا ہے تو طیب' قیامت کو اٹھے گا طیب مومن مر کر اپنے گھر میں جاتا ہے کافر اپنے گھر سے جاتا ہے۔ شعر

کون کہتا ہے کہ مومن مر گئے قید سے چھوٹے وہ اپنے گھر گئے

اس کے برعکس کفار اور منافقین ان کی زندگی ہے تو خبیث موت ہے تو خبیث۔ منافقوں کو ایک مصیبت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں اور کافروں کو راضی رکھنے کے لئے بڑی مصیبتیں جھیلتے ہیں ان آیات کریمہ میں رب تعالیٰ نے منافقین و کفار کی زندگی موت کی ایک جھلک دکھائی۔ کہ زندگی میں وہ خدا سے غافل رہے خدا نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ جس گھوڑے کی لگام مالک چھوڑ دے سمجھ لو کہ وہ کہاں گر کر ہلاک ہوگا۔ رب کا بڑا عذاب یہ ہے کہ بندہ پہلے خودی کو بھولے پھر خدا کو بھولے۔ یہاں خدا کو بھولنے کا ذکر ہے۔ دوسری جگہ خودی کو بھولنے کا یوں ذکر فرمایا نسوا اللہ فنسھم انفسھم اولئک ھم الفاسقون مبارک ہے وہ بندہ مومن جو اپنی خودی کو جانے اس کے ذریعہ خدا کو پہچانے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ خودی خدا کا زینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرلو اس سے اپنی یاد کرالو یہ بھول دنیا کا عذاب مقیم ہے اس کے بعد برزخ محشر کا عذاب ہے۔ یہاں ان تینوں عذابوں کا ذکر ہے فسق کے معنی ہیں حد سے بڑھ جانا۔ بندہ خودی سے بڑھا' مارا گیا۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا
ان لوگوں کی طرح جو تھے پہلے تم سے تھے وہ زیادہ سخت تم سے طاقت میں اور زیادہ مالوں اور اولاد والے
جیسے وہ جو تم سے پہلے تھے تم سے زور میں بڑھ کر تھے اور ان کے مال و اولاد تم سے زیادہ تھے
فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ
پس نفع حاصل کیا انہوں نے حصے سے اپنے پس نفع حاصل کیا تم نے حصے سے اپنے جیسے نفع
تو وہ اپنا حصہ برت گئے تو تم نے اپنا حصہ برتا جیسے اگلے اپنا حصہ برت گئے اور تم بیہودگی میں پڑے
مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ
اٹھایا ان لوگوں نے جو تم سے پہلے تھے اپنے حصوں سے اور مشغول رہے تم اس گروہ کی طرح
جیسے وہ پڑے تھے ان کے عمل اکارت گئے دنیا اور آخرت میں اور وہ ہی
اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾
جو مشغول رہے یہی لوگ ہیں کہ ضبط ہوئے نیک عمل ان کے دنیا میں اور آخرت میں اور یہی لوگ گھاٹے والے ہیں
لوگ گھاٹے میں ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: گذشتہ آیات میں بہت دور سے منافقین مدینہ کا ذکر چلا آ رہا ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے ان منافقین کا تذکرہ ہو رہا ہے جو گذشتہ نبیوں کے زمانوں میں مختلف ملکوں میں گذرے تاکہ حضور انور کے قلب پاک کو تسکین ہو کہ ایسے موذی ہمیشہ ہوتے ہی رہے گویا موجودہ منافقوں کے بعد گذشتہ منافقوں کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں موجودہ منافقین کی بدعملیاں بیان ہوئیں اچھائیوں سے روکنا برائیوں کا حکم دینا بخیل ہونا۔ وغیرہ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ عیوب گذشتہ زمانہ کے منافقوں میں تھے جو سزا انہیں ملی وہ ان کو بھی ملے گی۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات کے آخر میں ارشاد ہوا کہ منافقوں کو دنیا میں بھی دائمی عذاب ملتا ہے۔ ولھم عذاب مقیم اب اس کا ثبوت پچھلے منافقین کا حال سنا کر دیا جا رہا ہے۔ گویا پچھلی آیات میں دعویٰ تھا اب اس کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ دیکھ لو ان کو مرے ہوئے صدہا سال گذر گئے ان پر پھٹکار برابر ہو رہی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منافق ططیانوس یوں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے منافقین پر تو تمام بنام لعنت و پھٹکار پڑ رہی ہے۔

تفسیر: کالذین من قبلکم. اس فرمان عالی میں غائب سے مخاطب کی طرف التفات ہے یعنی پہلے منافقوں کا غائب ضمیروں سے ذکر تھا۔ حسبھم بعضھم وغیرہ اب ارشاد ہے حاضر ضمیر سے من قبلکم التفات بھی فصاحت کا ایک شعبہ ہے اس سے پہلے یا تو انتم پوشیدہ ہے اور کالذین (الخ) اس کی خبر ہے۔ یہ پیش کی جگہ میں ہے یا فعلتم پوشیدہ ہے اور یہ عبارت اس کا مفعول بہ اور نصب کی جگہ میں ہے۔ (روح المعانی وغیرہ) یا یہ متعلق ہے مقیم کا جو کاف کے بعد پوشیدہ ہے یعنی اے منافقو! تم کو دنیا میں دائمی عذاب ہے ان منافقوں کے عذاب کی طرح جو تم سے پہلے گذرے (تفسیر تنویر المقیاس) الذین سے مراد منافقین ہیں اور قبلکم سے مراد گذشتہ نبیوں کے زمانہ کی منافقین ہیں (تنویر المقیاس) کانوا اشد منکم قوۃ و اکثر اموالا و اولادا. یہ فرمان عالی مشابہت مذکورہ کی وجہ بیان کر رہا ہے۔ کانوا کا اسم وہ ہی اگلے منافقین ہیں۔ انسان کو ایک داخلی اور دو خارجی طاقتوں اور غرور ہوتا ہے جسمانی قوت مال کی کثرت اولاد کی زیادتی نہیں یہ تینوں طاقتیں تم سے زیادہ حاصل تھیں کہ وہ تم سے زیادہ زور مند تم سے زیادہ مالدار تم سے زیادہ اولاد اور کنبے و جتھے والے کیونکہ زیادہ اولاد والا بڑے جتھے والا ہوتا ہے کہ اس کی رشتہ داریاں بہت ہوتی ہیں مگر انہوں نے ان تین طاقتوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا کہ فاستمتعوا بخلاقھم استمتاع بنا ہے متع سے بمعنی نفع۔ اس لئے دنیاوی سامان کو متاع کہتے ہیں کہ وہ نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہے استمتاع خوب نفع حاصل کرنا نفع ہے مراد دنیاوی نفع ہے عیش آرام فخر تکبر نبی کی مخالفت مسلمانوں کو ذلیل سمجھنا وغیرہ یہاں باب استفعال درازی مدت کے لئے ہے یعنی عرصہ تک وہ لوگ نفع حاصل کرتے رہے۔ خلاق بنا ہے خلق بمعنی حصہ سے۔ خلق کے چند معنی ہیں پیدا کرنا خلقکم وما تعملون گڑھنا بنانا تخلقون افکا حصہ یہ آخری معنی یہاں مراد ہیں ان کو جو طاقت دولت اولاد کا حصہ ملا اس کے انہوں نے خوب ناجائز دنیاوی فائدے اٹھائے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کی نافرمانی میں نبیوں کے خلاف سازشوں میں خرچ کیں۔ اس کے بعد اے منافقو! تمہاری باری آئی۔ فاستمتعتم

بخلاقکم تو تم نے بھی اپنی ان نعمتوں کے حصول سے فائدے ہی اٹھائے اگرچہ تمہاری نعمتیں ان سے کم تھیں مگر کون سے فائدے حضرت صدیق وفاروق کی طرح اخروی فائدے سے حاصل نہ کئے۔ بلکہ استمتع الذین من قبلکم بخلاقھم اسی طرح کے دنیاوی فائدے اٹھائے جیسے ان اگلوں نے اٹھائے تھے ہماری اس تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہ عبارت مکرر نہیں یہ ایسی ہے جیسے کہا جاوے کہ تو فرعون کی طرح ہے جو بے قصور بچوں کو قتل کرتا تھا اور لوگوں کو بلا وجہ ستاتا تھا تو بھی تو اس طرح کرتا ہے (از تفسیر کبیر و روح المعانی خاندان وغیرہ)

اس طرز بیان سے تاکید کا فائدہ ہوتا ہے۔ وخضتم کالذی خاضوا یہ فرمان عالی معطوف ہے۔ استمتعم (الخ) پر خضتم بنا ہے خوض سے بمعنی پانی میں گھسنا اب غلط اور ناجائز کاموں میں مشغول ہونے کو خوض کہا جاتا ہے۔ فی خوضھم یلعبون کالذی دراصل کالذین تھا تخفیف کے لئے نون گرا دی گئی ایک شاعر کہتا ہے شعر

ان الذی حانت بفلج دماھم

ھم القوم کل القوم یا ام خالد

اس شعر میں الذی دراصل الذین تھا نون گرا دیا گیا لہذا یہ جمع ہی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ ف کے بعد فوج یا جمع پوشیدہ ہے چونکہ فوج یا جمع لفظاً واحد ہے لہذا الذی واحد ارشاد ہوا (روح المعانی کبیر خازن وغیرہ)

اولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ ظاہر یہ ہے کہ اولئک سے اشارہ موجودہ زمانہ کے منافقین و کفار کی طرف ہے۔ حبط کے معنی ہیں ساقط ہو جانا گر جانا۔ باطل ہو جانا معطل ہو جانا۔ ان پر ثواب مرتب نہ ہونا اعمال سے مراد نیک اعمال ہیں خواہ عبادات ہوں یا معاملات ان اعمال نیک کا فائدہ عامل کو دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ صحت وسعت رزق عزت عظمت وغیرہ آخرت میں بھی اللہ کا کام گناہوں کی معافی جنت کی عطا حضور انور کا دیدار وغیرہ۔ منافقین و کفار کو ان میں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کفار کو جو دنیاوی نعمتیں مل جاتی ہیں وہ یا تو استدراج ہوتی ہیں یا بظاہر نعمت درحقیقت زحمت و عذاب ہیں لہذا یہ فرمان عالی بالکل درست ہے واولئک الخاسرون یہ عبارت معطوف ہے اولئک حبطت (الخ) پر اور کفار منافقین کے دوسرے نتیجہ کا ذکر ہے۔ خاسرون بنا ہے خسار فوہ نقصان ہے جس میں اصل رقم بھی بالکل ضائع ہو جاوے۔ یعنی یہ لوگ پورے ٹوٹے اور خسارہ میں ہیں کہ انہوں نے اپنی اصلی دولت عمر و زندگی خرچ کر دی مگر اس میں کمایا کچھ بھی نہیں بلکہ اس سے دوزخ رب کی غضب ہی حاصل کیا۔ چونکہ کفر و نفاق اور دونوں نتیجوں کا مستقل سبب تھے اس لئے دونوں جگہ اولئک ارشاد ہوا یعنی یہ کفر و نفاق والے وہ ہیں جن کے اعمال برباد ہیں اور یہ ہی پورے نقصان والے ہیں۔ اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ دونوں جگہ حصر بالکل درست ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے منافقو! تم سب گذشتہ زمانوں کے منافقوں کی طرح ہو۔ عقائد میں اعمال میں دھوکہ بازیوں میں نبی کو پریشان کرنے مسلمانوں کو ستانے میں اور دو طرفہ مسلمانوں کافروں کو راضی رکھتے ہیں تم میں ان میں فرق یہ ہے کہ گذشتہ منافقین تم سے زیادہ طاقتور تھے تم سب زیادہ مالدار تھے۔ تم سے زیادہ آل و اولاد والے۔ تم سے زیادہ کنبہ اور جتھے

والے تھے۔ انہوں نے اپنے زمانوں میں اپنے زور مال جتھے وغیرہ نعمتوں کے حصول سے صرف دنیاوی نفع کمائے کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی معصیت میں صرف کیا۔ تم نے بھی منافقین مدینہ میں ان نعمتوں کو دنیاوی نفعوں دین کی مخالفت میں صرف کیا انہیں کی طرح جیسے انہوں نے کیا تھا اور جیسے وہ تمام منافقین کفر و گناہ مخالفت نبی ایذاء مسلمین میں ہی مشغول رہے انہیں حرکات میں پھنسے رہے۔ جب تم دونوں کے اعمال حرکات یکساں ہیں تو نتیجے میں یکساں ان کا یہ حال ہوا کہ ان کے سارے نیک کام صدقات و خیرات صلہ رحمی۔ ماں باپ کی خدمت مخلوق کی نفع رسانی وغیرہ دنیا میں بھی برباد گئے کہ ان کے نتیجہ میں انہیں دنیا میں کچھ نہ ملا اور آخرت میں بھی برباد کہ ان پر انہیں جزا ثواب نہیں اور وہ لوگ پورے نقصان میں رہے کہ ان کی زندگی کی عزیز گھڑیاں بجائے نیکیوں کے گناہوں میں صرف ہو گئیں بالکل اسی طرح تمہارا بھی حال ہے تم بھی برباد ہو چکے اور ہو گئے۔ اعمال یکساں نتیجہ یکساں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے:

پہلا فائدہ: شرعی قیاس برحق ہے یعنی وجہ کے مشترک ہونے سے حکم کا مشترک ماننا یہ فائدہ الذین سے حاصل ہوا کہ آیت کریمہ نے یہاں موجودہ منافقوں کو گذشتہ منافقوں پر قیاس فرمایا کہ چونکہ تمہارے اعمال و حرکات ان جیسے ہیں لہذا تمہاری سزا بھی ان جیسی ہے۔ فقہا کے قیاس کا بھی یہ ہی طریقہ ہے۔

دوسرا فائدہ: دنیا بھر کی مادی طاقتیں ایک بندے کی روحانی طاقت کے مقابلہ میں فیل ہو جاتی ہیں۔ یہ فائدہ کانوا اشد منکم قوۃ (الخ) سے حاصل ہوا کہ منافقین جماعت قوت دولت عزت دنیاوی میں بہت بڑھے چڑھے تھے مگر نبی کے مقابلہ میں شکست کھا گئے مادی طاقت نبوت تو کیا ولایت کے مقابلہ میں نہیں ٹھہرتی بہتر ہزار فرعونی جادوگر ایک موسیٰ علیہ السلام کے مقابل ہار گئے۔ مگر ان کی ہار ہی جیت کا ذریعہ بن گئی مبارک ہے وہ ہار جو دین کی طرف رہبری کرے نبی کے قدموں تک پہنچا دے۔

تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے حصہ کافر و مومن دونوں کو ملتا ہے مگر ان سے کافر صرف استمتاع کرتا ہے یعنی دنیاوی نفع حاصل کرتا ہے مگر مومن استماع بھی کرتا ہے اور انتفاع بھی یعنی دنیا و دین دونوں کے نفع کماتا ہے یہ فائدہ فاستمتعوا بخلاقھم سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: کافر و منافق دنیا میں ڈوب جاتا ہے۔ مومن دنیا میں تیرتا ہوا پار نکل جاتا ہے یہ فائدہ وخضتم کالذی خاضوا سے حاصل ہوا خوض کہتے ہیں پانی میں گھس جانے کو اس طرح کہ آدمی پانی میں گھس جاوے اور پانی آدمی میں پیٹ۔ کان ناک منہ میں پانی ہی پانی ہو۔ مومن کا جسم دنیا میں رہتا ہے مگر اس کے دل میں دین رہتا ہے وہاں دنیا نہیں پہنچ سکتی۔ لفظ خاضوا بہت گہرا ہے۔

پانچواں فائدہ: کافر کے نیک اعمال برباد ہوئے ہیں برے اعمال قائم مگر مومن کے برے اعمال معاف ہو جاتے ہیں نیک اعمال قائم یہ فائدہ حبطت اعمالھم سے حاصل ہوا حبط اور عفو میں فرق یاد رہے۔

چھٹا فائدہ: مومن کو نیک اعمال کا فائدہ دنیا میں بھی ہوتا ہے اور آخرت میں بھی۔ کافر کو کہیں نہیں یہ فائدہ فی الدنیا والاخرۃ سے حاصل ہوا نیک اعمال کی برکت سے دنیا میں مصیبتوں سے نجات رزق میں وسعت و فراخی۔ ہر طرح کی عزت ملتی ہے رب فرماتا ہے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب آخرت میں حضورؐ انور کا دیدار رب کا قرب گناہوں کی معافی جنت کا داخلہ وغیرہ۔

ساتواں فائدہ: کفار کے دم درود دعائیں صحیح طور سے فائدہ مند نہیں یہ فائدہ بھی حبطت اعمال سے حاصل ہوا۔ ضبطی عمل کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کا عمل فائدہ نہ دے۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ مومن کو اس کے نیک اعمال کی برکت سے دنیا میں بھی فائدہ عطا فرماتا ہے آخرت کے فائدے ان کے علاوہ ہیں بعض نیکیوں سے عمریں بڑھ جاتی ہیں بعض سے مال و اولاد میں برکت ہوتی ہے بعض سے آفات ٹل جاتی ہیں بعض سے عزت و عظمت ملتی ہے بعض سے خوف خدا عشق رسول عطا ہوتا ہے بعض سے گھر میں اتفاق و اتحاد رہتا ہے بعض سے وقت پر بارشیں پیداوار ہیں برکتیں آتی ہیں رب فرماتا ہے یرسل علیکم ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انھا یہ فائدہ فی الدنیا والاخرۃ سے حاصل ہوا کہ نیکیوں کی ضبطی دنیا و آخرت میں منافقین و کفار پر عذاب ہے۔ جس سے انشاء اللہ مومن محفوظ ہے۔

پہلا اعتراض: آیت کریمہ میں ایک مضمون دو بار بیان کیا گیا ہے فاستمتعو بخلاقھم پھر ارشاد ہوا۔ استمتع الذین قبلکم بخلاقھم مضمون کی تکرار فصاحت کے خلاف ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا۔ کہ یہاں پہلا فرمان گذشتہ منافقین کی حالت بیان کرنے کے لئے ہے اور دوسرا فرمان عالی تشبیہ دینے کے لئے۔ مقصد میں فرق ہے اس لئے تکرار نہیں اور اگر تکرار ہو تب بھی کوئی حرج نہیں کہ بے فائدہ تکرار خلاف فصاحت ہے۔ فائدہ مند تکرار حسن کلام میں چار چاند لگا دیتی ہے سورۂ رحمٰن ایک آیت فبای الاء ربکما تکذبان بہت جگہ ارشاد ہوئی۔

دوسرا اعتراض: یہاں کالذی واحد ہے اور خاضوا اس کا صلہ جمع یہ ترکیب کس قاعدے سے جائز نہیں۔ یہاں کالذین چاہئے تھا۔

جواب: مفسرین کرام نے اس کے بہت جواب دیئے ہیں نفیس ترین جواب وہ ہے جو ہم نے روح المعانی کے حوالہ سے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ یہ الذین جمع ہی ہے نون صرف تخفیف کے لئے گرا دیا گیا۔ اس کی تائید ایک عربی شعر سے بھی پیش کی گئی۔

تیسرا اعتراض: اس قسم کے تصرفات سے کلام مشتبہ ہوتا ہے پتہ نہیں لگتا کہ واحد ہے یا جمع اشتباہ بھی تو بری چیز ہے۔

جواب: دھوکا اور اشتباہ جب ہو جب معنی مقرر کرنے پر قرینہ موجود نہ ہو۔ یہاں خاضوا کا جمع ہونا اس کی علامت ہے کہ الذی جمع ہے دیکھو لفظ کل بہت معنی میں آتا ہے۔ گذشتہ کل آئندہ کل مشین دل کا چین وغیرہ اس میں قرینہ سے مدد لی جاتی

ہے۔

چوتھا اعتراض: کوئی نیکی دنیا کے لئے نہ کرنا چاہئے نیک اعمال صرف آخرت کے لئے چاہئیں مگر تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کا فائدہ دنیا میں بھی ہوتا ہے پھر وہ نیکی اللہ کے لئے کہاں رہی۔

جواب: نیکی کرو اللہ کی رضا کے لئے گروہ کریم خوش ہو کر دنیاوی فائدے بھی عطا فرما دے اور اخروی بھی تو اس کی مہربانی ہے دم درود دعائیں تعویذ سب ہی نیک کام ہیں مگر ان سے دنیاوی فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ حضور انور نے حل مشکلات کے لئے بہت دعائیں ارشاد فرمائیں۔ جیسا کہ احادیث صحیح سے ثابت ہے ابھی سورہ نوح کی آیت پیش کی گئی جس میں استغفار کے دنیاوی فوائد حضرت نوح علیہ السلام نے بیان کئے قرآن مجید نے نقل کئے اس کا انکار بڑی حماقت ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ کفار کے اعمال دین و دنیا میں باطل ہیں۔ مگر دیکھا جا رہا ہے کہ کفار کو دولت شہرت عزت مسلمانوں سے زیادہ ملتی ہے پھر ان کے اعمال دنیاوی لحاظ سے ضبط کیسے ہوئے۔

جواب: کفار کے مال و متاع ان کی نیکیوں کا دنیاوی ثواب نہیں بلکہ یہ رب کی طرف سے ڈھیل ہے تاکہ اور زیادہ گناہ کرلیں یا یوں کہو کہ کفار کے مال و متاع رب کا دنیاوی عذاب ہے۔ جس سے ان کی غفلت اور سرکشی میں اور بھی زیادتی ہوتی ہے۔ صدہا مصیبتیں آتی ہیں رب فرماتا ہے۔ انما یرید اللہ ان یعذبھم بھا (الخ) مومن کا مال اللہ کی رحمت ہے آخرت کمانے کا ذریعہ کافر کا مال عذاب ہے۔ سرکشی وغفلت کا باعث۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں مومن بھی آتا ہے رہتا ہے اور کافر بھی مگر مومن تو ایسا آتا رہتا ہے جیسے کنویں میں ڈالا ہوا ڈول جس کی رسی مالک کے ہاتھ میں ہو جس سے ڈول وہاں پھنستا نہیں بلکہ پانی لے کر خیریت سے اوپر پہنچ جاتا ہے کافر اس گرے ہوئے ڈول کی طرح ہے جو مالک کے قبضہ میں نہ ہو وہ کنویں کی کیچڑ میں پھنس جاتا ہے مومن دنیا میں خوض نہیں کرتا اس کا جسم دنیا میں رہتا ہے مگر دل میں دنیا نہیں رہتی۔ دل میں دین رہتا ہے یا خدا کا خوف یا رسول کا عشق جس سے وہ دنیا میں ڈوبتا نہیں بلکہ تیرتا ہے کافر کا جسم دنیا میں رہتا ہے اور اس کے دل میں دنیا رہتی ہے جس سے وہ غرق ہو جاتا ہے تیرنے اور ڈوبنے میں یہ فرق ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جیسے دریا میں ڈوبنے والے کی جان برباد یوں ہی دنیا میں ڈوبنے والے کا دین ایمان سب برباد ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق خاصوا اور پھر حبطت اعمالھم ارشاد ہوا۔ دنیا میں آئے تھے ایمان بچانے اعمال کمانے کے لئے مگر انہوں نے بجائے اعمال کمانے کے ایمان گنوا دیا لہٰذا وہ خاسر ہوئے یعنی پورے دیوالیئے۔ نبی گویا پاور والا قدرتی تار ہیں جو انہیں ادب و اطاعت کے غلاف کے ساتھ پکڑے وہ کامیاب ہے جو ان سے مقابلہ کرے بغیر اس غلاف کے ان پر ہاتھ ڈالے وہ ہلاک ہے بجلی کا تار فقیر مالدار سب کو تباہ کر دیتا ہے ایسے ہی نبی کی بے ادبی سب کو تباہ کر ڈالتی ہے۔ یہ آیت کریمہ بہت عبرت ناک ہے گذشتہ طاقتوروں کے حالات پڑھو عبرت پکڑو۔

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۝

کیا نہ آئی ان تک خبر ان لوگوں کی جو پہلے ہوئے ان سے قوم نوح کی اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم کی

کیا انہیں اپنے سے اگلوں کی خبر نہ آئی نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور

وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم

اور مدین اور الٹی ہوئی بستیوں والوں کی لائے ان کے پاس رسول ان کے روشن

مدین والے اور وہ بستیاں کہ الٹ دی گئیں ان کے رسول روشن دلیلیں ان کے پاس لائے تو اللہ کی شان

بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ

دلیلیں پس نہیں تھا کہ ظلم کرتا ان پر اللہ اور لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر

نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر

يَظْلِمُونَ ۝

ظلم کرتے

ظالم تھے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ موجودہ منافقین کی حالت گذشتہ کفار و منافقین کی طرح ہے۔ اب ان گذشتہ کفار میں سے چھ قوموں کا ذکر ہو رہا ہے گویا پچھلی آیت میں اجمال تھا یہ آیت اس اجمال کی تفصیل ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ موجودہ منافقین گذشتہ منافقوں کی طرح مجرم کافر ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ دین و دنیا میں ان کی نیکیاں برباد ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ صرف یہ سزا اس لئے ہے کہ اب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے۔ دنیا میں غیبی عذابوں سے امن ہے گذشتہ نبیوں کے مجرموں کے حال میں تو غور کرو کہ ان پر دنیا میں کیسے سخت عذاب آئے گویا موجودہ اور گذشتہ زمانوں کے عذابوں کے فرق کے لئے یہ آیت کریمہ ارشاد ہو رہی ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ پچھلے کفار مال و اولاد و قوت و زور میں زیادہ تھے۔ اب شہ زوروں کے انجام کا ذکر ہے کہ نبی کے مقابلہ میں کوئی زور کوئی طاقت کام نہیں آتی۔

تفسیر: الم یاتھم نبا الذین من قبلھم اس فرمان عالی میں پھر التفات سے ذکر فرمایا من قبلکم اور اشد منکم وغیرہ اب انہیں کو پھر غائب ضمیروں سے یاد فرمایا جا رہا ہے۔ الم یاتیھم وغیرہ اس میں الف سوالی اور پوچھنے کا ہے اور پوچھنا اقرار کرانے کے لئے ہے ہر خبر کو نبا نہیں کہتے بلکہ عظیم الشان خبر کو نبا کہا جاتا ہے اسی سے نبی یعنی شاندار خبریں دینے والے۔

چنانچہ اخبار وغیرہ کو نبی نہیں کہتے کہ یہ عام اور معمولی خبریں دیا کرتے ہیں۔ آنے سے مراد ان تک خبریں پہنچانا ہیں یا عام مشہور ہونے کی وجہ سے کیونکہ حجاز مقدس میں ان چھ قوموں کے عذاب کے قصے عام مشہور تھے۔ ان کے گیت بچیاں گاتی تھیں یا ان علاقوں میں سفر کی حالت میں ان کی اجڑی ہوئی بستیاں یہ لوگ دیکھا کرتے اور وہاں اردگرد کے لوگوں سے ان کے قصے سنا کرتے تھے اس لئے یہاں صرف چھ قوموں کا ذکر ہوا جو ان منافقین سے قریب ہی آباد تھیں۔ دور دراز قوموں کا ذکر نہیں فرمایا۔ جیسے فرعون وہامان وغیرہ یعنی کیا ان منافقین و کفار کو اپنے سے پہلے کفار کی خبریں نہیں پہنچی یعنی ضرور پہنچی ہیں۔

قوم نوح: یہ عبارت اپنے مابعد کے ساتھ الـذیـن مـن قبـلهـم کا بیان ہے نوح علیہ السلام کا جائے قیام عراق تھا۔ فقیر نے کوفہ میں وہ تنور کا مقام دیکھا ہے جہاں سے پانی ابلا تھا۔ اور طوفان کی ابتدا ہوئی تھی یہ قوم پانی کے طوفان کی ابتدا ہوئی تھی یہ قوم پانی کے طوفان سے غرق کی گئی۔

وعاد: ۲ یہ معطوف ہے قوم نوح پر یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے جو یمن کے علاقہ احقاف میں آباد تھی۔ یہ سخت آندھی سے ہلاک کی گئی۔

وثمود: یہ معطوف ہے عاد پر یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جو یمن کے علاقہ میں مقام حجر میں آباد تھی۔ حجر پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام کے گذرے تو آپ ﷺ نے اس کے کنویں کا پانی استعمال کرنے سے وہاں ٹھہرنے سے منع فرمادیا کہ وہ جگہ عذاب الٰہی کے نزول کی تھی۔ قوم اولا چیخ پھر زلزلہ سے ہلاک ہوئی۔

خیال رہے: کہ نوح کی طرح ان دونوں قوموں کو قوم ہود اور قوم صالح نہ فرمایا گیا۔ کیونکہ حجاز مقدس میں یہ دونوں قومیں انہیں ناموں یعنی عاد و ثمود سے مشہور تھیں نیز ان دونوں قوموں میں ہزارہا آدمی مسلمان ہو گئے تھے بخلاف قوم نوح کے کہ وہ ساڑھے نو سو برس کی تبلیغ کے باوجود صرف اسی آدمی ایمان لائے تھے۔ (تفسیر روح البیان)

وقوم ابراہیم: ۳ اس سے مراد نمرود اور اس کے متبعین ہیں جو بغداد و کوفہ کے درمیان شہر بابل میں رہتے تھے۔ نمرود وہ کافر بادشاہ ہے جو ساری دنیا کا بادشاہ ہوا دعوائے خدائی کرتا تھا۔ ایک لنگڑے مچھر سے وہ اور مکانات کی چھتوں میں دبا کر اس کی قوم ہلاک کی گئی۔ (روح البیان)

خیال رہے: کہ ان کفار کو ان پیغمبروں کی قوم کہنا نسبی وطنی نسبت سے ہے نہ کہ دینی نسبت سے یہ بھی خیال رہے کہ نمرود کسی غیبی آسمانی عذاب سے ہلاک نہیں ہوا بلکہ مچھر جیسی معمولی چیز سے۔ رب چاہے تو ابابیل سے فیل مروادے واصحاب

۵ مدین یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جو مدین کے علاقہ میں رہتی تھی اس قوم کا نام بھی مدین تھا کیونکہ یہ ابن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھی۔ انہیں کے نام سے یہ علاقہ مدین کہلاتا تھا۔ یہ قوم غیبی آگ سے ہلاک ہوئی۔ والـمـوتـفـكـات

۶ یہ عبارت معطوف ہے اصحاب مدین پر ظاہر یہ ہے کہ اس سے وہ چار یا پانچ بستیاں مراد ہیں جن میں حضرت لوط علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے۔ سدوم امورٰ عاموراٰ صبور ۴ برین ۵ چونکہ ان بستیوں کا تختہ الٹ دیا گیا کہ اوپر کا حصہ نیچے کر دیا گیا۔ اور نیچے کا اوپر اور اس پر پتھر برسائے گئے۔ اس لئے انہیں مـوتـفـكـات کہتے ہیں یعنی الٹی ہوئی بستیاں۔ ان کا ذکر آٹھویں

پارے سورۂ اعراف میں گذر چکا ولوطا اذقال لقومه ۔ کی تفسیر میں ۔ احتمال یہ بھی ہے کہ موتفکات سے مراد کفار کی ساری بستیاں ہیں جن پر عذاب آئے کیونکہ ان میں انقلاب آیا خیر سے شر کی طرف تو الٹنے سے حالات کا بدلنا مراد ہوگا ۔ ایک شاعر کہتا ہے

وما الخسف ان تلقی اسافل بلدة اعالیھا بل ان تسو والارازل

دیکھو شاعر نے اس میں ذلیلوں کے عزت پانے عزت والوں کو ذلیل ہو جانے کو خسف یعنی دھنس جانا کہا ۔ (روح المعانی) مگر یہ احتمال ضعیف ہے انتهم سلهم بالبینت اس ایک کلمہ میں ان تمام قوموں کی وجہ عذاب بیان ہوئی ۔ رسل سے مراد ان چھ قوموں کے چھ ہی رسول ہیں جن کا ابھی ذکر ہوا ۔ حضرت نوح ١ ہود ٢ صالح ٣ ابراہیم ٤ شعیب ٥ اور لوط علیہ السلام ۔ ٦ بینات سے مراد ان کے معجزات ہیں اپنی حقانیت کے کھلے دلائل لائے ۔ فما کان الله لیظلمهم ۔ یہ عبارت ایک پوشیدہ جملہ پر معطوف ہے لہٰذا اس میں ف عطف کی ہے یعنی ان قوموں نے ان نبیوں کو جھٹلایا ہم نے انہیں مختلف طریقوں سے ہلاک کیا اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا کہ بے قصور ہلاک کر دیا ہو ۔ ولکن کانو انفسهم یظلمون اس فرمان عالی میں انفسهم کو مقدم فرمایا گیا یظلمون پر جس سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی وہ صرف اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے نہ کہ دوسروں پر نفس جمع ہے نفس کی بمعنی جان یا ذات یا اپنے آپ بھی اور اپنے عزیز و قرابت دار بھی جو ان کی وجہ سے کافر ہوئے ۔ یظلمون بنا ہے ظلم سے یہاں ظلم کے معنی ہیں دوسرے کی چیز میں اس کی بغیر اجازت تصرف کرنا ۔ کیونکہ ہر بندہ اس کا مال و اولاد اللہ کی ملک ہے جو اس کی بغیر اجازت اس میں تصرف کرے وہ ظالم ہے ظلم کے یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں بنتے ۔ وہاں ظلم کے چند معنی ہوتے ہیں وعدہ کر کے پورا نہ کرنا ۔ کسی کو بغیر جرم سزا دینا لفظ سزا کا خیال رہے کہ کسی سے کام کرا کے اس کا اجر نہ دینا لہٰذا وہاں لظلمهم میں ظلم کے اور معنی تھے اور یہاں یظلمون میں ظلم کے دوسرے معنی ہیں ۔

خلاصہ تفسیر: موجودہ منافقین اللہ سے ایسے بے خوف کیوں ہو گئے کیا انہیں ان چھ کافر قوموں کی ہلاکت کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے قریب ہی آباد تھیں ان کے قصے سارے حجاز میں مشہور ہیں ۔ ایک قوم نوح جن کا مرکز سوبہ عراق تھا جو پانی سے غرق ہوئی ۔ دوسری قوم عاد جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی جس کا مرکز یمن کا علاقہ احقاف تھا جو آندھی سے ہلاک کی گئی ۔ تیسری قوم ثمود جو صالح علیہ السلام کی قوم تھی یہ یمن کے علاقہ حجر میں آباد تھی چنگھاڑ اور زلزلہ سے تباہ کی گئی ۔ چوتھی حضرت ابراہیم کی قوم نمرود اور اس کی رعایا جو عراق کے شہر بابل میں تھی ۔ نمرود مچھر سے اس کی قوم مکان کی چھت سے دب کر ہلاک ہوئی ۔ پانچویں قوم شعیب علیہ السلام جو مقام مدین میں آباد تھی یہ غیبی آگ سے ہلاک ہوئی ۔ چھٹی قوم لوط علیہ السلام جو سدوم وغیرہ پانچ بستیوں میں آباد تھی ۔ یہ غیبی پتھر برسنے اور زمین کا تختہ الٹ دینے سے ہلاک کی گئی ۔ ان کی اجڑی ہوئی بستیاں ویران مکانات عرب والے اپنے سفروں میں دیکھتے یہ لوگ ان کی ہلاکت میں غور کیوں نہیں کرتے ان کے پاس ان کے رسول اپنے معجزات مثال تعلیم لائے ۔ انہوں نے بجائے ماننے کے ان سب کا انکار کیا اور ہلاک ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہ کیا کہ بے قصور انہیں سزا دی ہوتی ۔ بلکہ وہ خود اپنی جانوں اپنے خاندانوں پر ظلم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے جان و مال و اولاد کو

اللہ رسول کی مخالفت میں استعمال کرتے تھے۔ اگر یہ منافقین بھی سید المرسلین کی مخالفت کریں گے تو مارے جائیں گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: صحیح تاریخ پڑھنا۔ تاریخی مقامات پر جانا انہیں دیکھنا انہیں یاد رکھنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے یہ فائدہ الم یاتھم نبأ الذین (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس لئے قرآن مجید میں اچھے برے لوگوں کے حالات جگہ جگہ ارشاد ہوئے۔ عرس بزرگان۔ میلاد شریف کی مجلسیں قائم کرنے کا بھی یہی مقصد ہے کہ مسلمانوں کو ان ذریعوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طیبہ اولیا اللہ کے احوال بتائے سنائے جاویں۔ تاکہ ان میں نیک اعمال کا جذبہ پیدا ہو۔

دوسرا فائدہ: جن لوگوں پر جس نبی کی اطاعت لازم ہو وہ اس نبی کی قوم ہیں۔ اطاعت کر لینے والے لوگ قوم اجابت میں اور نافرمان لوگ قوم دعوت یہ فائدہ گذشت کفار کو قوم نوح قوم ابراہیم فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا تا قیامت سارے انسان حضور انور ﷺ کی قوم ہیں۔ مومنین تو قوم اجابت ہیں اور منکرین قوم دعوت۔ قوم بہت ہی معنی میں بولا جاتا ہے۔ ہم وطن' ہم نسب' ہم پیشہ' ہم زبان' ہم مذہب وغیرہ۔

تیسرا فائدہ: لوگ رب تعالیٰ کی نافرمانی کریں حتیٰ کہ دعویٰ خدائی کریں مگر دنیاوی عذاب ان پر نہ آئے گا۔ عذاب کی وجہ صرف ایک ہے نبی کی مخالفت یہ فائدہ اتتھم رسلھم بالبینات سے حاصل ہوا کہ مذکورہ قوموں پر عذاب اپنے نبیوں کی مخالفت سے آئے۔

چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ کبھی بے قصور کو سزا نہیں دیتا۔ کہ اس کریم نے اسے ظلم کہا ہے وہ ظلم سے پاک ہے یہ فائدہ فما کان اللہ لیظلمھم سے حاصل ہوا۔ ہاں بغیر نیک اعمال جنت عطا فرمادینا کرم کریمانہ رحم خسروانہ ہے وہ ہم جیسے بے عملوں بلکہ بدعملیوں پر انشاء اللہ ضرور ہوگا۔ ملک محمد جائس پدمامت میں فرماتے ہیں۔ شعر

بتاؤ نہ لیکن کین ٹھکرائی بن کیتی لکھ دین برائی

اللہ تعالیٰ نے ہم سے انصاف نہ کیا بلکہ ہم پر رحم خسروانہ کیا کہ ہماری کی ہوئی برائیاں بغیر کی بتادیں۔

مولانا حسن فرماتے ہیں۔ شعر

گنہگار پہ جب لطف آپکا ہوگا کیا بغیر کیا ہے کیا کیا ہوگا

پانچواں فائدہ: ہر کافر اپنے نفس اپنی ذات بلکہ اپنی اولاد اپنے عزیز و اقارب بلکہ اپنے ماتحتوں پر ظلم کرتا ہے کیونکہ وہ خود اور اس کے سارے تعلق دار رب تعالیٰ کی ملک ہے یہ فائدہ انفسھم یظلمون سے حاصل ہوا۔ بلکہ عمداً گناہ بھی ظلم ہے بلکہ مقبولین بارگاہ نے اپنی خطاؤں کو بھی ظلم کہا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا تھا ربنا ظلمنا انفسنا (الخ) رب تعالیٰ ہم کو اپنے معاملہ میں امانت داری کی توفیق بخشے خیانت سے بچائے۔

چھٹا فائدہ: مجرم جرم کر کے خود اپنا ہی برا کرتا ہے اللہ تعالیٰ یا اس کے نبی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ فائدہ انفسھم یظلمون میں انفس کو فعل یظلمون پر مقدم کرنے سے حاصل ہوا کہ اس میں حصر کا فائدہ ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں چھ قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہوا مگر ان میں سے دو کو تو ان کے نبی کی طرف نسبت کیا گیا۔ قوم نوح اور قوم ابراہیم دو کو ان کے نسب کی طرف عاد اور ثمود اور دو کو ان کے وطن کی طرف۔ اصحاب مدین اور موتفکات اس فرق میں کیا حکمت ہے۔

جواب: قرآن مجید کے راز اللہ رسول جانتے ہیں۔ صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ یہ قومیں عرب خصوصاً حجاز مقدس میں جن ناموں سے مشہور تھیں انہیں ناموں سے ان کا ذکر کیا گیا۔ اگر عاد وثمود کی قوم کو ہود و صالح فرمایا جاتا تو منافقین نہ پہچانتے۔ مقصد تو ان کو سمجھنا پہچان کرانا ہے۔ اس کی اور وجہیں بھی بیان کی گئی ہیں مگر یہ قوی معلوم ہوتی ہے واللہ ورسولہ اعلم۔

دوسرا اعتراض: یہاں قوم شعیب وقوم لوط علیہما السلام کو اصحاب مدین والمؤتفکات کیوں فرمایا۔ اہل مدین کیوں نہ فرمایا۔ شہر والوں کو اہل شہر کہتے ہیں اصحاب شہر نہیں کہتے۔

تیسرا اعتراض: لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسنے کا عذاب آیا یا بستی الٹ دینے کا اس بارے میں آیات قرآنیہ مختلف معلوم ہوتی ہیں کہیں فرماتا ہے امطرنا علیھم مطرا کہیں فرماتا ہے وجعلنا علیھا سافلھا ان میں مطابقت کیسے ہو۔ یہاں کو موتفکات فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بستیاں الٹی گئیں۔

جواب: یا تو اولاً غیبی پتھر برسے پھر زمین الٹی گئی یا جو بستی میں تھے ان پر بستی الٹی گئی جو دو چار باہر تھے ان پر پتھر برسے ہم اس کے متعلق آٹھویں پارے کے آخر میں عرض کر چکے ہیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے قصور ہلاک نہیں کرتا کہ یہ ظلم ہے فما لیظلمھم مگر حدیث شریف میں ہے کہ اگر رب تعالیٰ سارے بندوں کو عذاب دے دے مومن کا فر متقی و فاسق کو تو یہ ظلم نہیں ان دونوں میں مطابقت کیونکر کی جاوے۔

جواب: ظلم کے چند معنی ہیں ۱ کسی دوسرے کی چیز میں اس کی بغیر اجازت تصرف کرنا اس معنی سے رب تعالیٰ ظالم ہو سکتا ہی نہیں کہ تمام جہان کی چیزیں اس کی اپنی ملک ہیں۔ ۲ کسی کو بغیر جرم سزا دینا یا وعدہ کر کے خدمت لینا اور وعدہ پورا نہ کرنا اس معنی سے رب تعالیٰ ظلم نہیں کرتا حدیث پاک میں پہلے معنی مراد ہیں قرآن مجید میں یہ دوسرے معنی واقعی رب تعالیٰ کسی کو بغیر جرم سزا نہیں دیتا۔

پانچواں فائدہ: اگر بغیر جرم سزا دینا ظلم ہے اور رب تعالیٰ اس سے پاک ہے تو وہ دنیا میں بے قصور بچوں دیوانوں اور بے گناہوں نبیوں ولیوں پر تکالیف بیماریاں وغیرہ کیوں بھیجتا ہے۔

جواب: یہ سزا نہیں بلکہ رحمت ہیں جن سے ان لوگوں کے درجات بڑھتے ہیں۔ لوہے کو آگ میں تپانا اسے قیمتی بنانے کے لئے ہے اور سونے کو تپانا اسے محبوب سے قرب بڑھانے کے لئے کہ زیور بن کر محبوب کے گلے کے لائق ہو جاوے۔ اور استاد کا بچوں پر سختی کرنا سزا نہیں بلکہ انہیں کامل بنانے کا ذریعہ ہے۔ سزا چیز ہی اور ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے پانی کا بلبلہ خود اپنی اندرونی ہوا کی وجہ سے ہی پھٹتا ہے یوں ہی بدکار مجرم انسان خود اپنے اندرونی فساد کی وجہ سے ہلاک ہوتا ہے: جسمانی بیماریاں ہم میں سے پیدا ہوتی ہیں روحانی بیماریاں خود ہماری اپنی نفسوں سے نکلتی ہے۔ صائب کہتے ہیں۔ شعر

چراز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتم

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسان اپنی عزت و دولت اولاد و مرتبہ سے دھوکا کھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ تمام چیزیں عارضی ہیں قریب الزوال ہیں حافظ شیرازی فرماتے ہیں؟

یعنی دنیاوی اور بدنی قوت و قدرت سے دھوکا نہ کھا اور ان کی وجہ سے صراط مستقیم نبی کی اطاعت سے مت ہٹ کیونکہ تیر یا پتنگ اگرچہ کچھ دیر کے لئے ہوا میں پہنچ جاتا ہے مگر آخر کار خاک پر ہی لوٹتا ہے۔ ہر بلندی کا مقام پستی ہے۔ ہر قدرت کا نتیجہ عجز ہے۔ لہذا شرار کی سی آفت آنے سے پہلے توبہ و استغفار کرو۔ یہ چھ قومیں جن کا ذکر اس آیت میں ہوا یہ فانی اور باقی میں فرق نہ کر سکیں۔ فانی بلندی سے دھوکا کھا کر اللہ کی باقی نعمت یعنی ایمان و اعمال سے محروم رہیں آخر ہلاک ہوئیں (روح البیان)

اے برادر چو عاقبت خاک است خاک شو پیش آنکہ خاک شوی

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ

اور ایمان والے اور ایمان والیاں بعض ان کے مددگار ہیں بعض کے حکم دیتے ہیں اچھائی کا اور

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیں اور ہر برائی

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

اور منع کرتے ہیں برائی سے اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوۃ

سے منع کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں

الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ

اور اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی یہ لوگ ہیں کہ عنقریب رحم کرے گا

اور اللہ رسول کا حکم مانیں یہی ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

ان پر اللہ تحقیق اللہ غالب ہے حکمت والا ہے

بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق: بہت دور سے منافقین کا ذکر چلا آ رہا ہے اب ان کے مقابل مخلص مومنین کا تذکرہ ہو رہا ہے تا کہ قرآن پڑھنے والا منافقوں جیسا نہ بنے۔ مومن مخلص بنے گویا بیماروں کا ذکر پہلے ہوا روحانی صحت مندوں کا ذکر اب ہے۔
دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقوں کے عیوب کا ذکر ہوا اب ان کے مقابل مخلص مومنوں کے صفات کا تذکرہ ہے تا کہ لوگ ان عیوب سے بچیں اپنے میں یہ صفات پیدا کریں۔
تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقوں کی سزا کا ذکر ہوا نار جھنم خالدین فیھا اب مومنوں کی جزا و ثواب کا ذکر ہے۔
چوتھا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں گذشتہ چھ کافر قوموں کے عذابوں کا ذکر ہوا اب ان کے مقابلہ میں مومنوں کی چھ صفات اور ان کے نتیجہ کا ذکر ہو رہا ہے تا کہ ان ان پر دنیا و دین میں اللہ کی رحمتیں اتریں۔
تفسیر: المومنون والمومنت یہ لفظ کھلے کافر یعنی مجاہرین اور چھپا فر یعنی منافقین کے مقابلہ میں ارشاد ہوا کیونکہ اس سے پہلے انہیں دو کا ذکر ہوا لہٰذا اس کے معنی ہیں کھلے و چھپے مومن یعنی دل و زبان سے ایمان لانے والے ایمان رکھنے والے مخلصین چونکہ مومن مرد مومنہ عورتوں سے افضل ہیں اس لئے پہلے مردوں کا ذکر ہوا بعد میں مومنہ عورتوں کا اس سے مراد سارے مسلمان ہیں۔ تا قیامت خواہ کسی جگہ کے ہوں یا کسی درجے کے۔ ان میں سے جس درجہ کا مومن ہو گا اسی درجہ کی ولایت نماز' زکوٰۃ' تبلیغ پھر اسی مرتبہ کی اللہ کی رحمت۔ غرضیکہ یہاں یہ کلمہ بہت ہی جامع ہے یہ عبارت مبتدا ہے۔ جس کی خبر اگلا فرمان عالی بعضھم اولیاء بعض یہ عبارت المومنون (الخ) کی خبر ہے۔ اولیا جمع ہے ولی کی۔ جس کا مادہ ولی ہے یا ولایت یعنی عداوت کا مقابل ولی عدو کا مقابل۔ ولی کے بہت معنی ہیں۔ والی' وارث' دوست' محبت والا' مددگار' ناصر' ساتھی' قرآن مجید میں یہ لفظ ان سارے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں یا تو بمعنی دوست ہے یا بمعنی مددگار یا بمعنی رفیق اور ساتھی۔ یہ فرمان عالی منافقین کے اس عیب لے کے مقابل ارشاد ہوا المنافقون والمنفقات من بعض مگر فرق یہ ہے کہ وہاں من بعض ارشاد ہوا۔ کیونکہ وہاں نفسانی شیطانی دوستی تھی۔ یہاں اولیاء بعض فرمایا گیا۔ کیونکہ مومنوں کی دوستی رب تعالیٰ کی طرف سے ہے پھر جیسے مومن ویسی ان کی دوستی۔ ویسی ان کی مدد۔ ویسی ان کی رفاقت حتی کہ اولیا اللہ بعد وفات بھی مومنوں کے ساتھی ان کے دوست ان کے مددگار ہوتے ہیں۔ یامرون بالمعروف یہ مومنوں کی دوسری صفت ہے۔ منافقوں کے اس عیب کے مقابل یامرون بالمنکر اس میں بھی بڑی وسعت ہے کیونکہ جیسا مومن ویسا اس کا حکم حتی کہ اولیاء اللہ علماء بعد وفات بھی یہ حکم دیتے رہتے ہیں۔ ان کے قلمی قلبی اور روحانی حکم تا قیامت باقی رہتے ہیں۔ بعض علماء دین دینی کتابیں لکھ گئے۔ تا قیامت لوگ ان سے فیض پا رہے ہیں یہ ہے بعد وفات امر بالمعروف معروف سے مراد ہر اچھی چیز ہے۔ اچھے عقیدے اچھی عبادات اچھے معاملات اچھے حالات وغیرہ معروف کے لفظی معنی جانی پہچانی چیز یعنی مشہور اصطلاح میں ہر وہ بات یا کام جس کا اچھا ہونا شریعت میں معلوم و مشہور ہے وہ شرعی معروف ہے۔ خیال رہے کہ ہر شخص کے لئے معروف علیحدہ ہے۔ کفار کے معروف ایمان۔ انہیں ایمان کا حکم دیتے ہیں۔ گنہگار مسلمانوں کے لئے معروف توبہ ہے۔

غافل کے لئے معروف بیداری۔ خود اپنے نفس امارہ کے لئے معروف شرارت سے باز رہنا۔ اللہ رسول کے حکم جھکنا ہے۔ یوں ہی امر بالمعروف زبانی لسانی تلوار سے جس طرح ممکن ہو سب کو شامل ہے۔ یہ فرمان عالی دریائے ناپیدا کنار ہے۔ وینھون عن المنکر یہ فرمان عالی منافقین کی اس حرکت کے مقابلہ میں ہے یامرون بالمنکر یعنی منافق تو لوگوں کو برائیوں کا حکم دیتے ہیں۔ مخلص مومنین برائیوں سے روکتے ہیں۔ جتنی وسعتیں یامرون اور بالمنکر میں تھیں وہی وسعتیں یہاں ینھون اور بالمنکر میں ہیں منع کرنا منکر بنا ہے انکار سے بمعنی انکار کرنا غیر واجبی جاننا فنکرھم واوجس منھم خیفة اصطلاح میں ہر وہ چیز جس سے شریعت منع کرے انکار کرے وہ منکر ہے۔ خیال رہے کہ یامرون اور ینھون مضارع فرما کر یہ بتایا کہ صرف ایک بار ہی حکم یا منع نہیں کرتے بلکہ برابر کرتے ہیں۔ خود اپنے کو بھی اور دوسروں کو بھی ویقیمون الصلوة یہ فرمان عالی منافقین کے اس عیب کے مقابلہ نمبر ۳ میں ارشاد ہوا نسوا اللہ کو بھول گئے۔ نماز قائم رکھنے اور نماز پڑھنے میں بڑا فرق ہے جو ہم پہلے پارہ میں ویقیمون الصلوة کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ نماز ہمیشہ پڑھنا۔ صحیح پڑھنا۔ وقت پر پڑھنا۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں دوروں کی نمازیں قائم و درست کرنا بھی داخل ہو۔ ویوتون الزکوة یہ فرمان عالی منافقوں کے اس عیب کے مقابلہ میں ہے یقبضون ایدیھم یعنی منافقین تو بخیل و کنجوس ہوتے ہیں۔ مخلصین اپنے ہر طرح کے مالوں کی ہر طرح کی زکوۃ دیتے رہتے ہیں۔ بلکہ دوسروں کو رغبت دے کر زکوۃ دے کر دلواتے ہیں۔ ویطیعون اللہ و رسولہ یہ فرمان عالی منافقوں کے اس عیب کے مقابلہ میں ہے ان المنافقین ھم الفاسقون کہ منافقین تو اللہ رسول کی اطاعت سے باہر ہیں مگر مومن دونوں ذاتوں کی فرمانبرداری کے حدود میں رہتے ہیں (تفسیر روح البیان و معانی و کبیر) خیال رہے کہ اگرچہ گذشتہ احکام بھی اطاعت خدا اور رسول میں داخل ہیں۔ مگر ان کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے خصوصیت سے ان کا ذکر علیحدہ کیا باقی تمام احکام کو اجمالاً اس ایک جملہ میں فرمادیا یعنی ہر ظاہری باطنی احکام میں ہمیشہ اللہ رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ سوتے جاگتے چلتے پھرتے بلکہ جیتے مرتے اللہ رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ حضور انور ﷺ کی اطاعت کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی ہو جاتی ہے۔ رب فرماتا ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ یہاں دونوں ذاتوں کا ذکر فرما کر یا تو یہ بتایا کہ وہ فرائض کے بھی پابند ہیں اور سنتوں کے بھی یا یہ کہ وہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف کو بھی مانتے ہیں یا یہ کہ وہ اپنی ہر نیکی میں رضاء الٰہی کے ساتھ رضاء رسول کی بھی نیت کرتے ہیں۔ ہر نیکی میں دو اطاعتوں کی نیت کرتے ہیں اولـٰـئک

الرسول فقد اطاع اللہ یہاں دونوں ذاتوں کا ذکر فرما کر یا تو یہ بتایا کہ وہ فرائض کے بھی پابند ہیں اور سنتوں کے بھی یا یہ کہ وہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف کو بھی مانتے ہیں یا یہ کہ وہ اپنی ہر نیکی میں رضاء الٰہی کے ساتھ رضاء رسول کی بھی نیت کرتے ہیں۔ ہر نیکی میں دو اطاعتوں کی نیت کرتے ہیں اولـٰـئک سیرحمھم اللہ اس فرمان عالی میں مذکورہ صفات اور مذکورہ اعمال کا نتیجہ ارشاد ہوا۔ اولـٰـئک سے اشارہ انہیں مخلصین مومنین کی طرف ہے جن کا ذکر ہو رہا ہے ان جیسے مقامات پر مضارع پر سین تاکید کے لئے آتا ہے (تفسیر خازن) پچھلی تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ اثبات میں سین ایسے ہی تاکید کرتا ہے جیسے نفی میں لن یہ فرمان عالی منافقین نمبر ۲ کے اس سزا کے مقابلہ میں ہے کہ فنسیھم رب نے انہیں چھوڑ دیا۔ یعنی اس

نے مخلص مومنوں کو نہ چھوڑا نہ چھوڑے گا۔ یہاں رحم سے مراد خاص رحمتیں ہیں جو دنیا میں مرتے وقت قبر میں حشر میں مسلمانوں پر ہوتی ہیں اور ہوں گی جن کا کچھ ذکر انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں ہوگا۔ ان اللہ عزیز حکیم اس فرمان عالی میں اس پورے بیان کی تائید ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے۔ اس کی رحمتیں بے شمار ہیں اور رحمت پانے والے بندے بھی بے شمار ہیں۔ ہر بندہ کو اس کے لائق رحمت دے گا حضرت انبیاء کرام پر اور قسم کی رحمت اولیاء و علماء پر دوسری قسم کی رحمت انشاء اللہ ہم جیسے گنہگاروں پر اور قسم کی رحمت۔ اس فرمان عالی میں یہ بھی اشارۃً فرمایا کہ جسے جو ملتا ہے یا ملے گا اس کے رحم و کرم سے ملے گا نہ کہ محض اپنے اعمال سے اعمال مثل تخم کے ہیں۔ اور رحمت بارش کی طرح لہٰذا کرو اور مانگو۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے منافقین کے چھ عیوب کے مقابلہ میں مخلصین کی ایک عظیم الشان خبر ارشاد کی۔ چنانچہ فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم منافقین میں تو وہ عیوب تھے جو ہم نے بیان کئے۔ مومنوں میں ان کے مقابل یہ صفات ہیں کہ (۱) وہ تاقیامت بعض کے دوست، مددگار ہیں۔ ہر قسم کا مومن اپنی شان کے لائق دوسروں کی مدد کرتا ہے (۲) اور ہمیشہ ایک دوسرے کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں (۳) بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ (۴) اسلام کا دوسرا رکن یعنی نماز اسے صرف پڑھتے نہیں بلکہ اسے قائم کرتے ہیں۔ (۵) زکوٰۃ دیتے ہیں ہمیشہ (۶) اللہ رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور ہر قسم کی رحمتیں فرمائے گا۔ دنیا میں بھی، مرتے وقت بھی۔ قبر میں بھی، حشر میں بھی، پل صراط پر بھی اور جنت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے کہ اسے کوئی عطاو کرم سے روک نہیں سکتا اور ساتھ ہی حکمت والا بھی کہ جسے جو دیا جاوے گا حکمت سے دیا جاوے گا۔ حکمت سے دیا ہے اور دے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کسی مسلمان کو مسلمان سے دلی عداوت و دشمنی نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ ان کی آپس میں جنگ، قتل و خون ہو جاوے۔ یہ چیزیں غل ہیں یعنی دل کا میل کچیل عارضی نفرت۔ یہ فائدہ لفظ اولیاء کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ اولیاء بمعنی دوست ہو۔ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کے متعلق خبر دی کہ مومنین ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اس کی خبر سچی ہے۔ جنت میں جاتے وقت یہ غل یعنی دل کا میل بھی دور کر دیا جاوے گا۔ فرماتا ہے ونزعنا ما فی صدورھم من غل حضور انور ﷺ کے بعد صحابہ میں آپس میں جنگیں ہوئیں مگر انہیں رحماء بینھم فرمایا گیا۔ یعنی آپس میں رحیم و کریم۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ بہت کچھ کیا مگر رہے ہدایت کے تارے۔ احد عشر کوکبا (الخ) یہ مخالفتیں عارضی ہوتی ہیں۔

دوسرا فائدہ: مسلمانوں کی محبت کافروں سے کبھی نہیں ہو سکتی۔ ہوگی تو عارضی ظاہری یعنی نفسانی نہ کہ دلی جیسے آدمی اور پالتو سانپ کی محبتیں جو محض عارضی ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ بھی اسی لفظ اولیاء سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: مسلمانوں کی محبتیں مرنے سے ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ باقی رہتی ہیں ایمان باقی ہے تو اس کی محبتیں بھی باقی۔ یہ فائدہ بھی لفظ اولیاء سے حاصل ہوا جب مومن مرے بعد بھی مومن رہتے ہیں تو ایک دوسرے کے دوست بھی رہتے ہیں۔

دیکھو لو زندہ مسلمان تمام مردہ و زندہ مسلمانوں کو اپنی دعاؤں ایصال ثواب، ختم ختمات میں شامل کرتے بلکہ اپنی نمازوں میں انہیں یاد کرتے ہیں کہ کہتے ہیں رب اغفرلی ولوالدی و للمومنین و المومنات الاحیاء منھم و الاموات ادھر قبر والے زندہ مومنوں کو بقدر مرتبہ فیض پہنچاتے ہیں۔

چوتھا فائدہ: مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ یہ مدد لینا دینا شرک نہیں بلکہ برحق ہے۔ یہ فائدہ اولیاء کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اولیاء بمعنی مددگار ہو۔ رب فرماتا ہے انما ولیکم اللہ و رسولہ و الذین امنوا تمہارے مددگار اللہ رسول اور مومنین ہیں۔

پانچواں فائدہ: مسلمانوں کی یہ آپس کی مددیں موت سے ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ تاقیامت باقی رہتی ہیں۔ یہ فائدہ بھی اولیاء کی اسی تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس مدد کی وجہ ایمان ہے وہ تو بعد موت بھی قائم۔ دیکھو زندہ مسلمان مردوں کی مدد اپنے صدقات و خیرات ایصال ثواب کبھی ان کی طرف سے قربانی اور حج بدل وغیرہ سے کرتے ہیں۔ یہ اسی آیت کا ظہور ہے ایمان بڑا مضبوط رشتہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتا۔

چھٹا فائدہ: ایمان کے درجے مختلف ہیں۔ از ولی تا گنہگار سب ہی مومن ہیں لہٰذا ان کی مددیں بھی مختلف ہیں حتیٰ کہ اولیاء اللہ کی ایک جماعت کا نام غوث ہے یعنی مددگار جیسے انصاری اور مسلمانوں میں جماعت انصار۔ یہ فائدہ کے اطلاق سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: ہر مسلمان مبلغ ہونا چاہئے بقدر طاقت، تبلیغ صرف علماء اولیاء پر ہی نہیں یہ فائدہ یامرون بالمعروف سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: تبلیغ صرف ایک بار نہ کی جاوے بلکہ مرتے دم تک کی جاوے۔ یہ فائدہ یامرون اور ینھون مضارع فرمانے سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: تبلیغ صرف زبانی پر نہ قناعت کی جائے بلکہ قلم، زبان، عمل، ہاتھ وغیرہ سب سے تبلیغ کرے حتیٰ کہ مسلمان بادشاہ، حکام بزور حکومت تبلیغ کریں یہ فائدہ یامرون اور ینھون کے اطلاق سے حاصل ہوا بعض اللہ کے بندے مرے بعد بھی تبلیغ کر رہے ہیں۔ مصنفین علماء کی تبلیغیں حضرات اولیاء اللہ کی قلبی اور روحانی تبلیغیں ان کی قبروں سے جاری ہیں۔ داتا گنج بخش لاہوری کے مزار مقدس سے وابستہ بدمذہب نہیں ہوتے۔ ان کے مزار پر حاضری سے دل کا رنگ بدل جاتا ہے۔ یہ ہے یامرون اور ینھون کا ظہور۔ آج مشاہدہ کرلو۔

دسواں فائدہ: نماز پڑھنا زکوۃ دینا کمال نہیں بلکہ نماز قائم کرنا زکوۃ دیتے رہنا کمال ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا کرے۔ یہ فائدہ یقیمون اور یوتون سے حاصل ہوا۔

گیارہواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بالکل ایک طرح ایک نوعیت کی چاہئے۔ مستقل، مطلق اور ہر طرح۔ یہ فائدہ یطیعون اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا کہ ایک اطاعت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بھی ہے اور رسول

سے بھی بیچ میں ف نہیں بلکہ واؤ ہے بلکہ حضور کی اطاعت کے ضمن میں ہی خدا کی اطاعت ہے۔ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کر لو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاوے گی۔ شعر

وہ رب کے ہیں رب ان کا ہے جو ان کا ہے وہ رب کا ہے

بے ان کے جو رب سے ملا چاہے دیوانہ ہے سودائی ہے

بارہواں فائدہ: حضور انور ﷺ کا ذکر اللہ کے ساتھ ملا کر کرنا شرک یا کفر نہیں بلکہ سنت الہیہ ہے۔ یہ فائدہ بھی یطیعون اللہ و رسولہ کے واؤ سے حاصل ہوا۔ رب نے خود اپنے حبیب کو اپنے سے ملا لیا پھر انہیں جدا کون کرے۔ حضرت حسان حضور انور ﷺ کے شاعر فرماتے ہیں۔ شعر

منھم الالہ اسم النبی باسمہ اذ قال فی الخمس المؤذن اشھد

تیرہواں فائدہ: اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں پر رحم کر چکا کہ ایمان دیا۔ اپنے حبیب کا کلمہ عطا فرمایا۔ رحم کر رہا ہے کہ اعمال کی توفیق دے رہا ہے۔ رحم کرے گا کہ ہمارے گناہ بخشے گا۔ یہ فائدہ سیرحمھم اللہ سے حاصل ہوا۔ ہم سب دریاء رحمت میں مچھلیوں کی طرح تیر رہے ہیں۔

پہلا اعتراض: رب العالمین نے یہاں فرمایا کہ مومن آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں مگر جتنی عداوتیں دشمنیاں مسلمانوں کی آپس میں ہیں اتنی کسی اور قوم و مذہب میں نہیں۔ تو یہ کلام کیسے درست ہوا۔

جواب: اعتراض کا جواب ابھی فائدوں میں عرض کیا گیا کہ یہ عارضی دل کی کدورتیں ہیں جن کے لئے بقا نہیں جیسے کبھی باپ بیٹے بلکہ ماں بیٹی بھائی بھائی لڑ پڑتے ہیں۔ عارضی طور پر کہ ان کی یہ کدورتیں بھی دنیاوی آفات میں سے ایک آفت ہے جس کے ذریعے گناہوں کی معافی ہوتی ہے۔ جسمانی نفسانی لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں مگر ایمان روحانی دوستی ہے۔ یہ لڑائی جھگڑے اس دوستی کی ضد نہیں۔

دوسرا اعتراض: قرآن مجید نے منافقین کے متعلق فرمایا بعضھم من بعض اور مومنوں کے متعلق فرمایا بعضھم اولیاء بعض یعنی بجائے من کے اولیاء ارشاد ہوا۔ اس اختلاف کی وجہ کیا ہے۔

جواب: منافقین آپس میں ایک دوسرے کی اتباع میں کفر و منافقت کرتے تھے محض نفسانی اور شیطانی دھوکوں سے لہٰذا ایک دوسرے کے گویا ہم جنس تھے یعنی نفسانیت شیطانیت میں یکساں۔ مگر مومنین آپس میں ایک دوسرے سے موافقت یعنی دوستی و مدد اللہ تعالیٰ کی توفیق۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے کرتے تھے لہٰذا انہیں ایک دوسرے کا ولی فرمایا گیا (تفسیر خازن) یا یوں کہو کہ منافقین نہ تو ایک دوسرے کے مددگار تھے نہ دوست صرف اسلام دشمنی میں موافق تھے۔ وقت پر ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ لئن اخرجوا لا یخرجون معھم ولئن قوتلوا لا ینصرون ھم ولئن نصروھم مومنین بفضلہ تعالیٰ ایک دوسرے کے سچے دوست پکے مددگار ہیں اس لئے طرز بیان میں فرق ہوا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ کفار ایک دوسرے کے دوست نہیں حالانکہ فی زمانہ جتنا اتفاق

کفار میں ہے اتنا مسلمانوں میں نہیں۔ دیکھو آج عیسائی، ہنود اور یہود سے کیسے متفق ان کے کیسے مددگار ہیں۔

جواب: یہ اتفاق نہیں بلکہ سیاسی چال ہے ان میں سے ہر ایک اپنی خود غرضی سے دوسروں کی مدد کرتا ہے۔ کسی سے لڑانے اپنے ملک کو جنگ کے شعلوں سے بچانے کے لئے عیسائی یہودی دوست تو کیا ہوں گے یہ تو خود آپس میں ایک دوسرے کے دوست نہیں۔ ولایتی عیسائیوں کا گرجا اور ہے دیسی عیسائیوں کا گرجا دوسرا بلکہ مرے بعد بھی متفق نہیں۔ دیکھ لو انگریز عیسائیوں کا قبرستان علیحدہ ہے۔ دیسی صاحب بہادروں کا قبرستان الگ اور چوہڑے عیسائیوں کا قبرستان بالکل ہی علیحدہ ہے یہ ایک دوسرے کے قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتے۔ خود ہندو اونچی جاتی اور نیچی جاتی والے متفق نہیں بیاہ شادی تو کیا ایک دوسرے کا کھانا پانی حقہ استعمال نہیں کرتے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں تبلیغ نماز زکوۃ کے بعد اللہ رسول کی اطاعت کا ذکر ہوا حالانکہ وہ کام بھی اللہ رسول کی اطاعت ہی ہے۔

جواب: یا اس لئے کہ پہلے روزہ، جہاد وغیرہ کا ذکر نہ ہوا تھا۔ اطاعت میں ان سب کا اجمالی ذکر کر دیا گیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ مومنین نماز زکوۃ وغیرہ منافقوں کی طرح سیاسی چال کے لئے نہیں کرتے بلکہ محض اللہ رسول کی اطاعت کے لئے کرتے ہیں۔

پانچواں فائدہ: یہاں ارشاد ہوا کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا تو کیا ابھی ان پر رحم نہیں کیا قہر کیا ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ توفیق خیر دینا دنیا میں رحم ہے اور اعمال قبول کر کے ان کی جزا اپنا قرب عطا فرمانا اخروی رحم ہے یہاں اس دوسرے رحم کا ذکر ہے نیز اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ جو کچھ مومنوں کو دیا یا جو کچھ دے گا یہ سب رحم سے ہوگا۔ نہ کہ محض ان کے استحقاق سے۔

چھٹا فائدہ: یہاں ارشاد ہوا کہ مومنین ایک دوسرے کے مددگار ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **ومالکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** اللہ کے سوا تمہارا مددگار اور ولی کوئی نہیں دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: وہاں دون بمعنی مقابل ہے یعنی اللہ کے مقابل نہ تمہارا کوئی ولی ہے نہ مددگار مگر جسے اللہ اپنے بندوں کا مددگار بنا دے وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے مددگار ہے یا وہاں خطاب کفار سے ہے یعنی اے کافرو تمہارا مددگار کوئی نہیں اس کی تائید وہ آیت کرتی ہے۔ **ومن یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیرا۔** اس قسم کی آیات ہماری کتاب فہرست القرآن میں دیکھو نیز جاء الحق حصہ اول کا مطالعہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ: مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے سے ایمان اخلاص دین حق کی پیروی میں متفق ہیں اور بعض بعض کے دنیاوی دینی کاموں میں مددگار ہیں حتیٰ کہ مرشدین اپنے مریدوں کو درجات سلوک طے کرانے ترتیب اور تزکیہ نفس اور رب تعالیٰ تک پہنچانے میں مددگار ہیں ایک دوسرے کو طلب مولیٰ کا حکم کرتے ہیں۔ کفر و گناہ طلب دنیا اور ہر اس چیز سے جو رب سے دور کرے منع کرتے ہیں۔ ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں۔ جسمانی نماز میں پانچ وقت۔ جنانی اور روحانی نماز میں ہر

وقت انہیں حضوری بارگاہ سے کوئی چیز نہیں روکتی رجال لا تلیھم تجارۃ و لا بیع عن ذکر اللہ اور اللہ فرماتا ہے ھم فی صلوتھم والمون یہ لوگ مکاشفہ اور قلوب والے ہیں۔ اپنے کمال اپنے حال کی زکوۃ دیتے ہیں کہ اکیلے رب تک نہیں پہنچتے۔ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی عبادات ظاہری و باطنی میں اللہ رسول دونوں کی اطاعت کرتے ہیں۔ منافقوں کی طرح نفسانی دنیاوی نماز نہیں پڑھتے بلکہ روحانی جناتی پڑھتے ہیں جو لوگ ان صفات سے موصوف ہیں انہیں اللہ تعالیٰ عذاب سے نجات اپنی تائید نصرت دے گا۔ بعد (دوری) کے عذاب سے بچائے گا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پانچ صفات والوں پر پانچ جگہ رحم فرمائے گا۔ سکرت کے وقت آسانی کرے گا' شیطان سے ان کا ایمان بچائے گا' قبر میں وہاں کی تاریکی کے عذاب سے بچائے گا' قیامت میں نامہ اعمال پڑھتے وقت ندامت سے بچائے گا۔ میزان پر ان کی نیکیاں وزنی گناہ ہلکے کرے گا۔ پیشی بارگاہ کے وقت ان کے عیب چھپائے گا۔ جواب آسان فرمادے گا۔ جو نماز فجر کا پابند ہو۔ اس پر سکرات موت آسان ہوگی۔ نماز ظہر کی پابندی سے قبر مشکلات حل ہوں گی۔ نماز عصر سے منکر نکیر کے امتحان میں کامیابی دے گا۔ نماز مغرب کی برکت سے میزان کی مشکل حل کرے گا۔ نماز عشاء کی برکت سے پل صراط آسانی سے طے کرائے گا۔ اب پڑھو صبر حمھم اللہ۔ (روح البیان)

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

وعدہ کیا اللہ نے مومن مردوں اور مومنہ عورتوں سے ان باغوں کا کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں

اللہ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے باغوں کا وعدہ دیا ہے جن کے نیچے نہریں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ

ہمیشہ رہنے والے وہ ان میں اور گھروں کا عمدہ باغوں میں ٹھہرنے کے

رواں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ مکانوں کا بسنے کے باغوں میں اور اللہ کی رضا سب سے

اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ ع

اور رضا مندی اللہ کی بہت بڑی ہے یہی وہ کامیابی ہے بڑی

بڑی ہے بڑی مراد پائی

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: گذشتہ آیات میں منافقین و کفار کے متعلق دوزخ وغیرہ کی وعیدوں کا ذکر ہوا وعد اللہ المنافقین والمنافقات والکفار نار جھنم (الخ) اب اس آیت میں اس کے مقابل مومنوں سے جنت وغیرہ کے وعدوں کا ذکر

ہے کیونکہ ہر چیز اپنے مقابل سے پہچانی جاتی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ منافقوں کافروں کے اعمال دنیا و آخرت میں ضبط ہو گئے۔ اب ان کے مقابل مومنوں کے نیک عقائد نیک اعمال کی قبولیت ان کے فائدہ مند ہونے کا تذکرہ ہے کہ وہ آخرت میں ان کی برکت سے جنتیں وغیرہ پائیں گے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کے پانچ اعمال کا ذکر ہوا ان پانچ اعمال کی تین جزاؤں ان کے ثوابوں کا تذکرہ ہے۔ گویا کاشت کا ذکر ہو چکا اب پھل پھول کا ذکر ہو رہا ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں اجمالی طور پر اللہ کے رحم و کرم کا ذکر ہوا اب اس رحم و کرم کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔

تفسیر: وعده الله المومنين و المومنات بعض مفسرین نے فرمایا کہ سیرحمهم الله (الخ) میں دنیاوی رحمت و کرم کا ذکر تھا جو متقی مومنوں پر ہوتا ہے اور ہوگا اور اب یہاں اخروی رحمتوں کا تذکرہ ہے اس لئے وہاں سیرحمهم ارشاد ہوا سین کے ساتھ اور یہاں وعده الله ارشاد ہوا۔ (تفسیر روح المعانی)

خیال رہے: کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سارے وعدے بلاواسطہ کئے کہ رب نے فرمائے حضور انور نے سنے اور حضور انور کی امت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے کئے کہ جو حضور انور ﷺ نے فرما دیا وہ رب کا وعدہ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وعدے بعضوں سے شخصی ہوئے جیسے صدیق جنتی ہیں۔ عمرؓ عثمان علی جنتی ہیں۔ حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں وغیرہ۔ اور بعضوں سے صنفی یا نوعی یا جنسی۔ یہاں دونوں قسم کے وعدے شامل ہیں مومنین مرد اور مومنین عورتیں مختلف درجات کے ہیں گنہگار نیک کار پرہیزگار علماء صالحین اولیاء کاملین جس درجہ کا مومن اسی ہی درجہ کا اس سے وعدہ غرضکہ وعدالله اور المومنين ان دونوں میں بڑی وسعت ہے۔ چونکہ مرد عورت سے افضل ہے نیز مردوں میں نبی بھی ہیں اور عام و خاص اولیاء۔ عورتیں اس کمال سے خالی ہیں کہ ان میں نبی کوئی نہیں بہت تھوڑی بیبیاں ولیہ ہیں۔ ان وجوہ سے مومنین پہلے ارشاد ہوا اور مومنات بعد میں وعدہ کے معنی ہیں آئندہ نفع کی خبر۔ جنات یہ وعد کا دوسرا مفعول ہے۔ جنات جنت کی جمع ہے۔ روضہ بستان حائط جنت ان سب کے معنی ہیں باغ۔ مگر جنت وہ باغ ہے جو چار دیواروں سے گھرا ہو۔ ہر ایک کی اس تک نظر نہ پہنچے یا گھنا باغ جس کی زمین درختوں سے چھپی ہوئی ہو۔ جن میں چھپنے کے معنی ہیں۔ جیسے مومنین کے طبقے مختلف ہیں ایسے ہی جنت کے طبقے بھی ہیں۔ جیسا مومن ویسی اس کے لئے جنت۔ اس لئے جنات جمع ارشاد ہوا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مومن کو کئی جنتیں عطا ہوں گی لہٰذا جنات جمع فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ بعض وہ حضرات ہیں جن کا وعدہ حتمی ہو چکا جیسے حضرات عشرہ مبشرہ۔ شعر

وہ یار بہشتی اند قطعی بوبکرؓ و عمرؓ علیؓ و عثمانؓ
سعدؓ است و سعیدؓ و بوعبیدہؓ طلحہؓ و زبیرؓ وعبدالرحمٰنؓ

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

اور عام مومنوں سے وعدہ مشروط ہے کہ اگر تمہارا خاتمہ ایمان پر ہوا تو جنت پاؤ گے۔ تجری من تحتھا الانھار یہ فرمان عالی جنات کی صفت ہے من کے بعد قصور یا اشجار پوشیدہ ہے۔ انھار اور بحار یعنی نہر اور دریا کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے یعنی ان جنتوں محلوں کے نیچے یا ان کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ چونکہ وہاں چار قسم کی نہریں ہوں گی۔ ۱ پانی کی ۲ دودھ کی ۳ شراب طہور کی اور ۴ شہد کی۔ اس لئے انہار جمع فرمایا یعنی ایسے باغوں کا وعدہ فرمایا جن کے درختوں کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ جن سے ان کا حسن تروتازگی اور بھی زیادہ ہوتا ہے ظاہر یہ ہے کہ ان جنتوں سے اہل جنت کے وہ باغات مراد ہیں۔ جہاں سیر و تفریح کے لئے جایا کریں گے۔ اگرچہ ان میں ان کے آرام کرنے کے لئے بنگلے بھی ہوں گے۔ رہائشی گھر اور ان گھروں کے اردگرد باغ ان کے علاوہ ہوں گے۔ کیونکہ آگے ارشاد ہے ومساکن طیبة یہ عبارت معطوف ہے جنات پر مساکن جمع ہے مسکن کی بمعنی رہائشی مکان کوٹھیاں بنگلے۔ طیبة بنا ہے طیب سے بمعنی پاکیزگی یا خوشبو چونکہ وہ مکان گندگی آلائش بدبو اور کوڑے کرکٹ سے پاک و صاف ہوں گے لہٰذا انہیں طیبة فرمایا گیا۔

فی جنات عدن یہ عبارت ثانیہ پوشیدہ کے متعلق ہو کر مساکن کی صفت ہے۔ عدن کے لغوی معنی ہیں ٹھہرنا رہنا قرار پانا۔ عرب کہتے ہیں عدن بالمکان وہ گھر میں ٹھہر ارہا۔ اس لئے کان کو معدن کہتے ہیں کہ اس میں دھات رہتی ہے یعنی جنتیوں کے رہنے کے مکانات دوسرے باغوں میں ہوں گے۔ جو ہمیشہ قائم رہنے والے نہ فنا ہوں نہ پرانے ہو کر قابل مرمت ہوں۔ اس تفسیر سے یہ باغات سارے جنتیوں کے لئے ہیں۔ مگر دوسری تفسیر یہ ہے کہ عدن جنت کے ایک اعلیٰ طبقے کا نام ہے کیونکہ دوسری جگہ فرماتا ہے جنات عدن التی وعدالرحمن دیکھو وہاں التی عدن کی صفت ہے۔ اگر عدن نام نہ ہوتا بلکہ نکرہ ہوتا تو اس کی صفت التی معرفہ نہ آتی نیز حضرت عمرو ابن عاص فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک خاص محل ہے جسے عدن کہتے ہیں اس کے اردگرد بے شمار محلات اور باغات ہیں۔ اس کے پانچ ہزار دروازے ہیں۔ اس میں نبی شہید یا صدیق جائیں گے۔ حضرت عطاء ابن سائب کہتے ہیں کہ عدن جنت کی ایک نہر ہے جس کے دو طرفہ کناروں پر بے شمار محلات باغات ہیں (روح المعانی و کبیر) اس صورت میں مساکن طیبة کا بعض خاص جنتیوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ یہاں دو قسم کے مومنوں سے دو وعدوں کا ذکر ہے (تفسیر کبیر و معانی) بہر حال اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ ورضوان من اللہ اکبر یہ جنتیوں کی تیسری نعمت کا ذکر ہے جو ان دونوں سے اعلیٰ و افضل ہے۔ یہ جملہ مستقل ہے اس میں رضوان مبتدا ہے۔ اور اکبر خبر۔ رضوان کے معنی ہیں راضی ہونا خوش ہونا۔ اس میں تنوین کمی بیان کرنے کے لئے یعنی اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضامندی بھی ان سب سے بڑی ہے یہ بھی اہل جنت کو عطا ہو گی۔ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا۔ اے جنتیو! کیا تم راضی ہو گئے۔ عرض کریں گے مولا کیوں راضی نہ ہوں۔ تو نے ہم کو وہ نعمتیں دی جو کسی کو نہ دیں۔

فرمائے گا۔ میں تم کو ان سب سے اعلیٰ نعمت دوں گا۔ عرض کریں گے۔ مولا ان سے افضل کیا چیز ہو سکتی ہے فرمائے گا تم سے راضی رہوں گا کبھی ناراض نہ ہوں گا (معانی) چونکہ یہ نعمت سب نعمتوں سے اعلیٰ ہے نیز رضا الٰہی دنیا و آخرت دونوں جگہ کی

نعمت ہے ان وجوہ سے طرز بیان اس میں بدلا ہوا ہے (روح المعانی وخازن کبیر) ذالک ھو الفوز العظیم یہ فرمان گذشتہ سارے مضمون کا تتمہ ہے۔ ذالک سے اشارہ یا تو گذشتہ ساری نعمتوں کی طرف ہے یا رضاء الٰہی کی جانب یعنی ان نعمتوں کا حاصل ہو بڑی کامیابی ہے جن کے مقابل تمام کامیابیاں ہیچ ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر کی بنا پر سارے مومنین سے تین وعدے ہیں۔ سیر وتفریح کے باغیوں کا وعدہ۔ رہنے سہنے کے مکانات کا وعدہ جو دوسرے قسم کے باغوں میں واقعہ ہیں۔ اور رضاء الٰہی کا وعدہ۔ دوسری تفسیر میں عام مومنوں سے دو وعدے باغات اور رضاء الٰہی کے۔ خاص مومنین سے جنات عدن کا وعدہ جو جنت کے باقی طبقوں سے افضل واشرف ہے۔ ہم پہلی تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں مومن عورتوں سے مطابق ان کے درجات کے بلا واسطہ یا بالواسطہ تین وعدے فرمائے۔ ایسے باغات کا جن کے نیچے چار نہریں دودھ، شراب طہور، پانی، خالص شہد کی نہریں رواں ہیں۔ یہ لوگ اپنے ان باغوں میں سیر وتفریح کیا کریں گے۔ دوسرے ایسے اعلیٰ درجے کے رہائشی کوٹھیوں بنگلوں کا جو دوسری قسم کے باغات ہیں جن کے لئے کبھی نہ فنا ہے نہ خزاں سدا بہار ہیں۔ تیسرے رب تعالیٰ کا دائمی راضی رہنا۔ یہ ان دونوں نعمتوں سے بڑی ہے۔ یہ چیزیں بڑی ہی کامیابی ہیں رب فرماتا ہے اصحاب الجنۃ ھم الفائزون مومنوں کو چاہئے کہ اس کامیابی کی کوشش کریں کہ نعمتیں فانی ہیں۔ یہ نعمتیں ابد الاباد تک باقی خالدین فیھا نہ انہیں موت آوے نہ فنا ہوں۔ طبری نے بروایت عمران ابن حصین وابو ہریرہ رضی اللہ عنہما روایت کی کہ جنت میں ایک محل ایک موتی کا ہوگا۔ جس میں ستر گھر سرخ یاقوت کے ہوں گے۔ ہر گھر میں ستر کمرے سبز زمرد کے ہر کمرہ میں ستر تخت ہر تخت پر ستر بستر ہر بستر پر ایک حور عین اور ہر کمرہ میں دستر خوان اور ہر دستر خوان پر ستر قسم کے کھانے (تفسیر خازن) رب تعالیٰ اپنے کرم سے نصیب کرے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے درحقیقت رب تعالیٰ کے وعدے ہیں۔ جنہیں رب تعالیٰ ضرور پورا فرمائے گا یہ فائدہ وعدہ اللہ کے اطلاق سے حاصل ہوا کہ وعدہ الٰہی خود بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لہٰذا حضرات صحابہ کرام جنہیں جنت کی بشارت حضور انور نے دی وہ قطعا یقینا جنتی ہیں جیسے حضرات خلفاء راشدین یا عشرہ مبشرہ یا حضرات حسنین کریمین اور حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

دوسرا فائدہ: جس درجے کا مومن اسی درجہ کی اس کے لئے جنت اسی لئے جنت کے طبقات ودرجات مختلف ہیں کہ ان کے مستحقین مختلف ہیں۔ یہ فائدہ مومنین مومنات اور جنات کی جمع فرمانے سے اشارۃ حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: صرف ایمان جنتی ہونے کا ذریعہ ہے۔ اگرچہ مومن کے پاس نیک اعمال نہ ہوں یہ فائدہ صرف مومن مومنات فرمانے سے حاصل ہوا کہ اعمال صالحہ اس وعدے کے لئے قید نہیں لگائی گئی۔ نیک اعمال تو اول سے جنتی ہونے یا بلندی مراتب کا ذریعہ ہیں۔ گنہگار مومن بھی آخر کار جنتی ہوگا۔ بعض مومن وہ بھی ہیں جن کے پاس نیک اعمال نہیں۔ جیسے وہ

صحابہ جو ایمان لاتے ہیں وفات پاگئے۔ مسلمانوں کے نابالغ نا سمجھ فوت شدہ بچے۔ مگر عند اللہ مومن وہ ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔

چوتھا فائدہ: جنتی لوگوں کو کچھ باغ تو سیر و تفریح کے لئے دیئے جائیں گے اور کچھ باغ رہائش کے لئے جن میں ان کی کوٹھیاں بلڈنگیں ہوں گی۔ یہ فائدہ ومساکن طیبۃ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ کہ یہاں جنات دو جگہ ارشاد ہوا۔ جنات تجری (الخ) اور فی جنات عدن اگر یہ وعدہ سارے جنتیوں کے لئے ہو۔

پانچواں فائدہ: بعض خوش نصیب بندوں کے لئے جنت عدن ہے اور بعض کے لئے جنت کے عالم طبقے۔ یہ فائدہ مساکن طیبۃ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ عدن ایک خاص طبقہ کا نام ہو۔ اور یہ دو وعدے دو قسم کے جنتیوں سے ہوں۔

چھٹا فائدہ: اعلیٰ درجہ کی نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جس سے رب تعالیٰ راضی ہو جاوے۔ وہ دین و دنیا میں کامیاب ہوا۔ یہ فائدہ رضوان من اللہ اکبر سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: جنت کی تمام نعمتیں ہمارے اعمال کا بدلہ ہو سکتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کسی عمل کا بدلہ نہیں یہ محض رحم و کرم ہے یہ فائدہ اس نعمت کو الگ عنوان سے بیان فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مومن مردوں عورتوں سے جنت کا وعدہ ہے تو چاہئے کہ مسلمان کے فوت شدہ نا سمجھ بچے جنتی نہ ہوں۔ کیونکہ انہیں ایمان لانے کا وقت ہی نہ ملا حالانکہ وہ بھی جنتی ہیں۔

جواب: وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر مومن ہیں اسی لئے ان پر نماز جنازہ بھی ہوتی ہے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی کئے جاتے ہیں دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے والحقنا بھم ذریتھم غرضکہ مومنین عام ہے خواہ بذات خود مومن ہوں یا کسی کے تابع ہو کر۔

دوسرا اعتراض: تو چاہئے کہ کفار کے نا سمجھ فوت شدہ بچے جنتی نہ ہوں کیونکہ وہ خود مومن ہیں نہ ان کے ماں باپ مومن حالانکہ وہ بھی جنتی ہیں۔

جواب: وہ جنتی نہیں بلکہ جنتیوں کے خدام ہیں۔ جیسے وہاں کے حور و غلمان۔ جنتی ہونے کے لئے ایمان شرط ہے۔ اس کی دلیل بہت آیات و احادیث ہیں۔

تیسرا اعتراض: دوسری آیات میں جنتی ہونے کے لیے ایمان و اعمال دونوں کی شرط لگائی گئی ہے ان الذین امنوا وعملوا الصالحات کانت لھم جنۃ الفردوس مگر یہاں صرف ایمان کا ذکر ہوا آیات میں تعارض ہے۔

جواب: ان آیات میں پہلے سے ہی جنتی ہونے کا ذکر ہے یہاں مطلقاً جنتی ہونے کا۔ واقعی اول سے ہی داخلہ مومن متقی کو میسر ہوگا۔ غیر متقی مومن کے لئے یہ بات یقینی نہیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں دو جگہ جنات ارشاد ہوا دو عنوانوں سے اولاً جنات تجری (الخ) دوسرے فی

جنات عدن اس فرق کی کیا وجہ ہے۔
جواب: اس کی دو وجہیں ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں۔ ایک یہ کہ اہل جنت کو دو قسم کے باغات ملیں گے۔ ایک سیر و تفریح کے لئے دوسرے رہنے کے لئے جہاں ان کے مکانات ہوں گے۔ جنات تجری میں پہلے قسم کے باغات مراد ہیں۔ اور جنات عدن میں رہنے کے باغات۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا مساکن طیبة فی جنات عدن دوسرے یہ کہ پہلے جنات سے عام اہل جنت کے باغات مراد ہیں۔ اور دوسرے جنات سے حضرات انبیاء علماء اولیاء شہدا کے باغات مراد اس صورت میں عدن جنت کا خاص طبقہ ہے۔
پانچواں اعتراض: یہاں جنت کی تین نعمتوں کا ذکر ہوا مگر آخری نعمت یعنی رضاء الٰہی کا ذکر علیحدہ اور انداز نئے عنوان سے تذکرہ ہوا و رضوان من اللہ اکبر اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔
جواب: دو وجہ سے ایک یہ کہ رضاء الٰہی کسی عمل کا بدلہ نہیں۔ خاص عطیہ رب ہے۔ باقی نعمتیں اعمال کا بدلہ بھی ہو سکتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ کی رضا مومن کو دنیا میں بھی مل سکتی ہے۔ رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ مگر باقی دو نعمتیں صرف جنت میں ملیں گی اگر یکساں طریقہ سے بیان ہوتا تو یہ فرق معلوم نہ ہوتا۔
تفسیر صوفیانہ: وہ مرد عورتیں جنہیں رب تعالیٰ نے ایمان شہودی بخشا کہ درخت ایمان کی جڑ ان کے دلوں میں قائم ہوئی۔ یعنی خوف خدا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی شاخیں ان کے اعضاء ظاہری میں پھیلیں کہ ہر عضو میں تقویٰ کی جلوہ گری ہوئی۔ انہیں شاخوں یعنی تقویٰ کا بدلہ اور ملے گا۔ اور جڑ یعنی خوف و عشق کا بدلہ کچھ اور ظاہر تقویٰ کا بدلہ جنت تجری من تحتہا الانہار اور خوف و عشق کا بدلہ مساکن طیباً فی جنات عدن ہے۔ جنت عدن حق تعالیٰ کی خاص تجلی گاہ ہے۔ وہاں ہی حضور انور ﷺ کا مقام وسیلہ ہے۔ وہاں ہی درخت طوبیٰ ہے جس کا سایہ جنت کے دوسرے حصوں پر ہے۔ اس درخت کی جڑ جن کی نہریں جاری ہیں۔ یہ درخت حضورؐ انور کے گھر میں ہے۔ دنیا میں حضورؐ سے ظاہری شریعت باطنی طریقت کی نہریں جاری ہوئیں۔ وہاں وہ نہریں جاری۔ دنیا میں ایک نعمت خاص بعض مخصوص بندوں کو ملتی ہے یعنی سوز و گداز۔ دل کی تڑپ بے چینی۔ رضاء بالقضاء صرف رب کی طلب ان کا مقصد حیات ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ مولیٰ اگر تو دوزخ میں ڈالنے پر راضی ہو جاوے تو قسم تیری کبریائی کی ہم جنت کی طرف دیکھیں گے بھی نہیں۔ ایسے بندوں کے لئے رضا الٰہی ہے۔ شعر

یکے می خواہد از تو جنت و حور   یکے خواہد کہ از دوزخ شود دور
ولیکن ما نخواہم این و آں جنت   مراد ما ہمیں خوشنودی تست
جو تو خوشنود گردی در دو عالم   ہمیں مقصود بس اللہ اعلم

حافظ شیرازی کہتے ہیں۔ شعر

صحبت حور نخواہم کہ بود عین قصور   با خیال تو اگر باد گرے پردازم

یحیٰی ابن معاذ فرماتے ہیں کہ دنیا ویران جگہ ہے اور جس دل کو دنیا آباد کرے وہ اس سے بڑھ کر ویران ہے۔ آخرت آباد جگہ ہے اور اس سے بڑھ کر آباد وہ دل ہے جسے آخرت آباد کرے۔ فرماتے ہیں کہ دنیا میں ایک جنت ایسی ہے جو اس جنت سے بڑھ چڑھ کر ہے وہ ہے معرفت الٰہی یعنی جنت معرفت۔ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ معرفت الٰہی کی لذت جنت الفردوس اعلیٰ علیین سے افضل ہے۔ ساری جنتوں کی لذتیں ہیچ۔ ایک لذت کے مقابلہ میں۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون سی لذت ہے۔ فرمایا آخری شب کی گریہ زاری جو خوف باری عشق مصطفوی ہو۔ (روح البیان) رب نصیب کرے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْؕ
اے پیارے نبی سختی کرو کھلے کافروں پر اور منافقوں پر اور شدت کرو ان پر اور
اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی
وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ۝
ٹھکانہ ان کا دوزخ ہے اور برا ہے وہ ٹھکانہ
کرو اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار و منافقین کی اخروی سزاؤں کا ذکر ہوتا رہا اور مسلمانوں کی اخروی جزاؤں ثوابوں کا ان کے مقابلہ میں ابھی ذکر نہیں ہوا۔ اب انہیں کفار و منافقین کی دنیاوی سزاؤں کا ذکر ہے یعنی ان پر سنانی اور زبانی جہاد کرنا گویا دائمی عذاب کے بعد موجودہ وقتی عذاب کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ منافقوں کے نیک اعمال دنیا میں بھی برباد ہیں اور آخرت میں بھی۔ آخرت میں بربادی تو ظاہر تھی مگر دنیا میں بربادی سمجھ میں نہیں آتی۔ اب اس آیت کریمہ میں اس کی تفصیل کی جا رہی ہے کہ ان سے سنانی زبانی جہاد ہوگا ان پر شدت غلظت ہوگی۔ وہ نرمی کے مستحق نہیں۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلے اجمال کی تفصیل ہے۔

تیسرا تعلق: کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ نے منافقین اور کفار دونوں سے دوزخ کا وعدہ فرمایا۔ وعد اللہ المنافقین و المنافقات فالکفار نار جھنم اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ دونوں یعنی کفار و منافقین دنیا کی سزا میں بھی شریک ہیں۔ دونوں پر سختی کرو۔ اگرچہ سختی کی نوعیت میں فرق ہے۔ گویا ایک مشارکت کے بعد دوسری مشارکت کا ذکر ہے۔

تفسیر: یایھا النبی اللہ تعالیٰ نے گذشتہ نبیوں کو ان کے نام شریف سے پکارا مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ﷺ کے صفات اور القاب سے ہی پکارا۔ جس سے حضور انور کی شان اور خصوصی قرب الٰہی ظاہر ہوتی ہے۔ النبی بنا ہے نبا سے بمعنی شاندار خبر یا نبوت سے بمعنی اونچی شان لہٰذا نبی کے معنی ہوئے خبر والے یعنی غیبی خبریں دینے والے یا دونوں عالم کی خبر رکھنے

والے یا بے خبروں کی خبر لینے والے۔ شعر

ان پر درود جن کو کس بے کساں کہیں ان پر سلام جن کو خبر بے خبر کی ہے

یا نبوت والے یعنی اونچی شان والے جو لوگوں کے خیال وہم سے ورا ہو (از روح البیان) خیال رہے کہ قرآن مجید میں دو جگہ حضور انور ﷺ کو رسول کے خطاب سے ندا فرمائی یاایها الرسول بلغ ما انزل الیک (الخ) اور یاایها الرسول لا یحزنک (الخ) باقی جگہ نبی کے پیارے لقب سے پکارا ہے۔ مگر جہاں حضور ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا وہاں آپ ﷺ کو رسول ہی کہا ہے۔ واطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول یاومن یطع اللہ و رسولہ وغیرہ اس کی حکم انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں عرض ہوگی۔ جاهد الکفار و المنفقین یہ فرمان عالی ندا کا مقصود ہے۔ جاہد بنا ہے جہاد سے جس کا مادہ ہے جہد بمعنی مشقت کوشش اصطلاح میں تبلیغ دین کی کوشش کو جہاد کہا جاتا ہے۔ یہ کبھی تلوار سے ہوتی ہے کبھی زبان کبھی قلم سے۔ یہاں عام معنی میں ہے جس کا ظہور کھلے کافروں کے لئے بذریعہ تلوار ہوگا اور منافقین کے لئے زبان وغیرہ سے۔ الکفار سے مراد سارے ہی کھلے غیر مسلم ہیں۔ خواہ مشرک ہوں یا دہریئے یا اہل کتاب یا کوئی اور یعنی حضور انور ﷺ کے سارے انکاری۔ اس میں الف لام عہدی ہے لہذا ان سے مراد حربی کافر ہیں جو ذمی یا مستامن بالمعاهد نہ ہوں کہ ان تینوں پر تلوار کا جہاد نہیں۔ منافقین جو چھپے کافر جو زبان سے کلمہ پڑھیں اپنے کو مسلمان بتالیں مگر دل میں کافر ہوں ان پر جہاد تلوار کا نہیں بلکہ زبان کا ہے یعنی انہیں رسوا کرنا انہیں برا کہنا وغیرہ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان پر جہاد یہ ہے شرعی سزائیں چوری، زنا وغیرہ کی حدود ان پر جاری کی جاویں کہ اس زمانہ میں منافقین ہی اس قسم کے جرم زیادہ کرتے تھے (تفسیر خازن، روح البیان و معانی وغیرہ) و اغلظ علیهم یہ فرمان عالی معطوف ہے جاهد الکفار پر۔ یا تو یہ جہاد کا بیان ہے اور عطف تفسیری ہے یا جہاد سے مراد تھا منافقوں پر دلائل اسلام پیش کرنا، ان کے تمام شبہات کا قلع قمع کرنا اور غلظت بعد شدت سے مراد ہے انہیں جھڑکنا، آئندہ کے متعلق ڈرانا دھمکانا، کسی قسم کا نرم برتاؤ ان سے نہ کرنا، یہ تو ان کے دنیاوی عذاب کا ذکر ہوا آگے اخروی عذاب کا تذکرہ ہے۔ و ماوهم جهنم یعنی دنیا کی یہ سختیاں ان کے اخروی عذاب کو دفع یا کم نہ کریں گی بلکہ وہاں انہیں پوری پوری سزا ملے گی۔ ماویٰ اسم ظرف ہے اوی کا بمعنی پناہ ماوی ٹھکانہ یا دائمی قیام گاہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ کھلے کافروں اور منافقوں میں دنیاوی عذاب میں تو فرق ہے مگر آخرت میں فرق نہیں۔ یہ دونوں دائمی دوزخی ہیں جنہیں کبھی وہاں سے نکالا نہ جائے۔ و بئس المصیر۔ مصیر یا تو مصدر میمی ہے بمعنی لوٹنا یا اسم ظرف بمعنی لوٹنے کی جگہ۔ خیال رہے کہ مرجع اور مصیر اگرچہ دونوں کے معنی لوٹنے کی جگہ مگر فرق صرف یہ ہے کہ مصیر میں یہ شرط ہے کہ وہ پہلی حالت کے غیر میں ہو مرجع میں یہ قید نہیں چونکہ دنیا میں کافر و منافقین آرام میں تھے، آخرت میں مصیبت میں اس لئے اسے مصیر فرمایا جاتا ہے۔ (روح البیان)

خلاصہ تفسیر: اے ہر کھلے چھپے کی خبر رکھنے والے۔ لوگوں کے دلوں کے ایمان و نفاق پر خبردار نبی تمام جہان کی نبض اپنے ہاتھ میں لینے والے نبی، منافقوں کی پردہ پوشی چھوڑو۔ اب کھلے کافروں پر بھی جہاد فرماؤ تلوار سے اور چھپے کافروں منافقوں پر بھی جہاد فرماؤ۔ ان کی پردہ دری سے۔ ان پر خوب سختی کرو۔ کفار پر مار دھاڑ سے، منافقوں پر سخت الفاظ درشت پکار سے۔ ان

دونوں پر کسی قسم کی نرمی نہ کریں۔ یہ تو ان کی دنیاوی سزا تھی کھلے کافروں پر اور چھپے کافروں کی اور رہا آخرت کا عذاب اس میں یہ دونوں برابر ہیں کہ سب کا ٹھکانہ دائمی قیام گاہ دوزخ ہے۔ یہ لوگ دنیا میں اگرچہ آرام سے رہ لیں، ان کے پاس مال و دولت ہو جائے مگر آخرت میں پلٹنے کی جگہ یعنی دوزخ بہت ہی سخت تکلیف دہ جگہ ہے۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ اس آیت سے تمام عفو و کرم و درگذر کی آیتیں منسوخ ہو گئیں۔ یہ آیت ان سب کی ناسخ ہے اور یہ حکم تا قیامت باقی ہے محکم یعنی غیر منسوخ ہے۔ (روح البیان و روح المعانی)

لطیفہ: بعض بے دینوں نے اس آیت کریمہ میں یوں تحریف کی کہ والمنافقین کی بجائے بالمنافقین پڑھا ہے یعنی ب سببیہ بنا کر حضرات صحابہ پر تبرا کیا مگر وہ داؤ نہ چل سکا۔ قرآن کی آیت محفوظ رہی۔ رب اپنے قرآن کا محافظ ہے۔ (روح المعانی)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب خاص ہیں۔ بارگاہ الٰہی میں جو رتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ کسی کا نہیں۔ یہ فائدہ یاایھا النبی سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے سارے پیغمبروں کو نام شریف سے پکارا ہے۔ حضور ﷺ کو پیارے القاب سے۔

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد ﷺ یا اور عام الفاظ سے ندا کرنا حرام ہے۔ جیسے اے بشر یا اے بھائی اے چچا وغیرہ۔ انہیں ایسے القاب سے پکارو جن سے کسی بادشاہ کو بھی نہ پکار سکو۔ یا رسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ۔ یہ فائدہ بھی یاایھا النبی سے حاصل ہوا کہ جب رب تعالیٰ انہیں معمولی یا عام لفت سے نہیں پکارتا تو بندے کیسے پکار سکتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔

لا تجعلوا دعاء الرسول کدعاء بعضکم بعضا

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے ہر جگہ خفیہ و ظاہر پر مطلع فرمایا۔ جب خود خالق ان سے نہ چھپا تو مخلوق کیا چھپ سکے۔ یہ فائدہ بھی یاایھا النبی سے حاصل ہوا کہ نبی کے معنی ہیں خبر والا، جیسے کریم کرم والا، حسین حسن والا، رحیم رحم والا یوں ہی نبی نباء والا یعنی خبر والا۔

چوتھا فائدہ: ہر قسم کے حربی کافر پر ہر طرح کی سختی کی جاوے جو بن پڑے۔ یہ فائدہ جاھد الکفار سے حاصل ہوا۔ منافقین کے متعلق حضور انور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرات صحابہ نے اعلان فرمایا کہ نفاق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تھا۔ اب یا کفر ہے یا اسلام (بخاری، مشکوۃ آخر باب الکبائر)۔ یعنی اب جس کے منہ سے کفر کی ایک بات سنی جاوے گی وہ کافر ہو گا۔ اسے منافقوں کی سی رعایت نہ دی جاوے گی۔

پانچواں فائدہ: کفار و منافقین پر سختی کرنا، یہ ہی قرآنی اسلامی رسولی تہذیب ہے تا کہ وہ ہم کو گمراہ کرنے سے ناامید ہو جاویں۔ یہ فائدہ واغلظ علیھم سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: اگرچہ دنیاوی احکام میں کھلے کافر اور منافقین میں فرق ہے مگر آخرت میں دونوں کی سزا یکساں ہے یعنی دوزخ میں ہمیشگی۔ یہ فائدہ وماوٰھم جھنم سے حاصل ہوا کیونکہ ھم کا مرجع کفار و منافقین سب ہی ہیں۔

ساتواں فائدہ: کسی گنہگار مسلمان کو دوزخ میں ہیشگی نہیں۔ وہاں کی ہیشگی صرف کفار کے لئے ہے۔ یہ فائدہ بھی مادی ہم جنھم سے حاصل ہوا۔ دوزخ میں جانا کچھ اور دوزخ کا ٹھکانہ ہونا کچھ اور۔ بھٹی میں گندالوہا جاتا ہے مگر بھٹی اس کا ٹھکانہ نہیں۔ وہ ٹھکانہ کوئلہ کا ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کہہ کر کیوں ندا دی گئی۔ رسول یا دوسری صفات سے کیوں نہیں پکارا گیا۔ حضور ﷺ کی صفات تو بے شمار ہیں۔

جواب: اس لئے کہ حضور انور ﷺ ہر ایک کے دلی ایمان و کفر پھر کیفیت ایمان نوعیت کفر سے خبردار ہیں۔ مگر شان ستاری سے منافقین کی پردہ پوشی فرماتے تھے۔ اس آیت میں ان کی پردہ دری کا حکم دیا گیا۔ اس لئے نبی سے ندا بہت ہی مناسب ہوا یعنی اے وہ غیب دان نبی جو کفار کے ظاہری کفر سے منافقوں کے چھپے کفر سے خبردار ہے۔ منافقوں پر جہاد کرو کہ ان کی پردہ دری کردو۔

دوسرا اعتراض: اس آیت میں جاہد ایک لفظ ہے مگر تم نے اس کے معنی دو کئے۔ کفار کے لئے تلوار سے جہاد، منافقین کے لئے قولی دلائل سے جہاد۔ حالانکہ ایک لفظ کے دو معنی بیک وقت مراد نہیں ہو سکتے۔

جواب: یہاں جہاد سے مراد ہے سختی کرنا۔ اس سختی کی ایک نوعیت یعنی قتال تو کفار کے لئے ہے۔ دوسری نوعیت یعنی زبانی سختی منافقین کے لئے۔ یہ دو معنی نہیں بلکہ ایک معنی کی دو نوعیتیں ہیں۔ جیسے ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی میں اللہ کی صلوٰۃ کی اور نوعیت ہے فرشتوں کی صلوٰۃ کی دوسری نوعیت ہے۔

تیسرا اعتراض: جاہد کے معنی بھی ہیں سختی کرو اور واغلظ کے معنی بھی سختی کرو۔ یہ حکم مکرر کیوں ہوا۔

جواب: جہاد اور غلظت میں بڑا فرق ہے۔ ظاہری کفار پر تلوار سے جنگ جہاد ہے اور ان سے ہمت و جرأت سے سخت بات کرنا، نرم اور پلپلا کلام نہ کرنا جس سے ان کی ہمت پست ہو جاوے، یہ ہے غلظت۔ منافقین کا پردۂ نفاق چاک کرنا جس سے وہ بدنام ہو جاویں ان پر جہاد ہے اور ان سے بات کڑی کرنا انہیں اپنی خاص مجلسوں، مشورہ کی محفلوں سے دور کرنا، غلظت یعنی شدت ہے اسی سختی و غلظت میں بڑے فائدے ہیں۔

چوتھا اعتراض: سخت کلامی ترش روئی اخلاق کے خلاف ہے۔ کانے کو کانا نہ کہو، یوں ہی کافر منافق کو منافق کہنا، ان الفاظ سے پکارنا تہذیب اور اخلاق دونوں کے مخالف ہے۔

جواب: جی ہاں یہ فرنگی تہذیب کے خلاف ہے کہ بات میٹھی کرو، دل میں چھری رکھو یا کفار کے سامنے پلپلے پن کی باتیں کرو تاکہ وہ تم پر اور بھی دلیر ہو جاویں۔ اسلامی تہذیب یہ ہے کہ کفار کو تبلیغ نرم الفاظ اچھے لہجے سے کرو مگر جو تم کو بہکانا چاہیں یا اسلام کے دشمن ہوں ان پر خوب سختی کرو تاکہ تمہاری سختی سے ان کی ہمت ٹوٹ جاوے۔ بہت دفعہ جرأت مندانہ کلام سے بہت کام نکل جاتے ہیں۔ اشداء علی الکفار رحماء بینھم اس اخلاق کی تفسیر ہے۔

پانچواں اعتراض: اگر کفار پر سختی اچھی چیز ہے تو رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم کیوں دیا فقولا لہ قولا لینا اس

سے نرم بات کرنا۔ یہ عجیب بات ہے کہ رحمت عالم کو سختی اور شدت کا حکم دیا جا رہا ہے۔

جواب: تین وجہ سے۔ ایک یہ کہ موسیٰ علیہ السلام فطرۃً جلالی پیغمبر تھے۔ انہیں رب نے نرم فرمایا۔ ہمارے حضور ﷺ فطرۃً سراپا رحم و کرم ہیں۔ آپ ﷺ کو سخت کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے پرورش کیا تھا الم نربک فینا ولیدا فرمایا گیا کہ چونکہ وہ تمہارا محسن ہے اس لئے اس سے نرم کلام کرنا۔ تیسرے یہ کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کے لئے ابھی بھیجا جا رہا ہے تبلیغ نرمی سے چاہئے تاکہ وہ اسلام کی طرف مائل ہوں۔

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی بھی ہیں، رسول بھی، بشیر بھی ہیں نذیر بھی۔ بے شمار صفات سے موصوف ہیں مگر عموماً حضور ﷺ کو نبی کے لفظ سے پکارا جاتا ہے اور اطاعت کے موقع پر آپ ﷺ کو رسول کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ رسول کے لفظ میں ایک کشش ہے جس سے دل حضور ﷺ کی طرف کھنچتے ہیں جیسے جسمانیات میں لفظ ماں میں کشش ہے۔ اس سے دل میں ایک دم نرمی ہوتی ہے۔ دیکھو جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام پر ایک دفعہ سختی کی تو آپ نے فرمایا بن ام لا تاخذ بلحیتی و لا براسی اے میرے ماں جائے میری داڑھی اور سر نہ پکڑ۔ فوراً موسیٰ علیہ السلام کے دل میں رقت آ گئی۔ غصہ جاتا رہا۔ کیونکہ ماں کے سینے سے بچے نے دودھ پیا ہے۔ یوں ہی رسول کے سینے سے ایمان عرفانی کا روحانی دودھ ملا ہے اس احسان کی وجہ سے اس میں کشش ہے۔ اطاعت کے لئے لفظ رسول بہت ہی موزوں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کبھی نرمی مضر سختی مفید ہوتی ہے۔ شعر

ہست نرمی آفت جان سمور　　　وز درشتی می برد جان خار پشت

اس لئے اسلام میں جہاد بھی ہے اور سختی بھی۔ امام اوزاعی کہتے ہیں کہ صحابہ کرام پانچ باتوں پر بڑے پابند تھے۔ نماز باجماعت، اتباع سنت، مساجد کی آبادی، تلاوت قرآن، جہاد فی سبیل اللہ۔ قلب مومن کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کافر نفس اور منافق شیطان پر ہمیشہ جہاد کرے۔ انہیں صدق کی تلوار سے قتل کرے۔ شریعت و طریقت کے قلعوں میں اپنی حفاظت کرے۔ نفوس کو شہوات سے روکے۔ ان سے خلاف طبیعت شرع پر عمل کرائے یہ سب جہاد کی قسمیں ہیں بلکہ نفس پر جہاد جہاد اکبر ہے۔

اگر چیل و ماں شیر ببر مارا تو کیا مارا　　　بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا

قسم کھاتے ہیں وہ اللہ کی کہ نہ کہا انہوں نے حالانکہ البتہ تحقیق کہی بات انہوں نے کفر کی اور کفر
اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آ کر کافر ہو گئے

بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ

کیا انہوں نے پیچھے اسلام کے اپنے اور ارادہ کیا اس چیز کا جو نہ پالیا اور نہیں ناراض ہوئے

اور وہ چاہا تھا جو انہیں ملا اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ رسول نے اپنے فضل سے غنی کردیا تو اگر

اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا

مگر اس سے کہ غنی کردیا ان کو اللہ نے اور رسول نے اس کے فضل سے اپنے پس اگر توبہ کرلیں وہ تو ہو

وہ توبہ کریں تو ان کا بھلا ہے اور اگر منہ پھیریں تو اللہ سخت عذاب دے گا

لَّهُمْ ۚ وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ فِی الدُّنْیَا

بہتر واسطے ان کے اور اگر منہ پھیریں تو عذاب دیگا ان کو اللہ عذاب دردناک دنیا میں اور آخرت

دنیا اور آخرت میں اور زمین میں کوئی نہ ان کا حمایتی ہوگا

وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۷۴﴾

میں اور نہیں ہے واسطے ان کے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار

اور نہ مددگار

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں پر جہاد کا حکم دیا گیا۔ اب ان کے وہ عیوب گنائے جا رہے ہیں جن کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا گویا حکم کے بعد وجہ حکم کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کھلے کافر اور منافق دونوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اب ارشاد ہے کہ یہ بھی کھلے کافروں کی طرح ہیں ان کے اقوال و اعمال بیان فرمائے جارہے ہیں۔ گویا ان کے دوزخی ہونے کا ذکر پہلے ہوا۔ اس کی وجہ کا ذکر اب ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں منافقوں پر سختی فرمانے کا حکم ہوا۔ اب انہیں توبہ کی رغبت دی جارہی ہے۔ گویا زخم کے بعد مرہم کا ذکر ہے۔

شانِ نزول: اس آیت کریمہ کے دو جز ہیں۔ پہلا جز یحلفون باللہ (الخ) دوسرا وھموا بما لم ینالوا (الخ) ان دونوں کے شانِ نزول علیحدہ ہیں اول جز کے شانِ نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں دو ماہ قیام فرمایا اس دوران میں حضور انور ﷺ منافقوں کے برے انجام پر ان کے بدترین حالات کا ذکر فرماتے

تھے جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اس پر جلاس بن سوید نے کہا کہ وہ لوگ ہمارے بھائی ہمارے سردار ہم میں اشراف ہیں۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچ کہتے ہیں تو ہم گدھے سے بدتر ہوئے اس پر عامر ابن قیس انصاری بولے۔ اللہ کی قسم حضور انور ﷺ سچے ہیں اور تو گدھے سے بدتر ہے۔ پھر عامر نے حضور انور ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا۔ حضور انور ﷺ نے جلاس کو بلا کر پوچھا وہ قسم کھا گیا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ حضرت عامر نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ الٰہی ہمارے نبی پر سچے کی تصدیق اور جھوٹے کی تکذیب نازل فرمادے۔ حاضرین صحابہ بلکہ حضور انور ﷺ نے بھی آمین کہا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی پھر جلاس بولا کہ یا رسول اللہ عامر سچے ہیں مجھ سے قصور ہوا نفاق سے توبہ کرتا ہوں (تفسیر کبیر، خازن، روح البیان، معانی، خزائن) (۲) ایک موقع پر عبداللہ بن ابی منافق نے کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر ہمارے عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ عزت والوں سے اس کی مراد اپنا قبیلہ تھا۔ ذلیلوں سے مراد مومنین مہاجرین۔ حضرت عمر کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے اس کے قتل کا ارادہ کیا وہ قسم کھا گیا کہ میں نے نہیں کہا۔ حضرت زید بن ارقم نے اس کی بکواس حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی وہ حضور ﷺ کے سامنے بھی قسم کھا گیا کہ میں نے نہیں کہا۔ اس پر آیت کریمہ اتری (کبیر، خازن، روح وغیرہ) اس کا مفصل بیان سورۃ منافقون میں انشاء اللہ آئے گا۔ (۳) ایک غزوہ میں جہینہ اور غفار کے دو آدمی آپس میں لڑ پڑے جس میں غفار جہینی پر غالب آ گیا تو عبداللہ ابن ابی نے پکارا کہ اے قبیلہ اوس کے لوگو اپنے بھائی کی مدد کرو۔ خدا کی قسم یہ تو ایسا ہو رہا ہے کہ اپنے کتے کو موٹا کرتا کہ وہ تجھے کھائے نعوذ باللہ۔ یہ خبر حضور انور ﷺ کو پہنچی۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا وہ قسم کھا گیا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر، خازن وغیرہ) رہا اس آیت کریمہ کا دوسرا جز وھمو بما یالوا (الخ) اس کے متعلق مجاہد فرماتے ہیں کہ جلاس بن سوید نے چاہا کہ عامر ابن قیس کو قتل کر دے تاکہ یہ خبر حضور انور ﷺ تک پہنچ گئی جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا۔ اس کے متعلق یہ جز نازل ہوا۔ (خازن) امام سدی فرماتے ہیں کہ منافقین نے ایک غزوہ میں کہا کہ ہم مدینہ منورہ پہنچ عبداللہ بن ابی کے سر پر سرداری کی دستار باندھیں گے۔ وہ ہم سب کا سردار ہے مگر وہ یہ نہ کر سکے۔ اس پر یہ جز نازل ہوا۔ (خازن) (۴) غزوہ تبوک سے واپسی پر منافقین نے چاہا کہ رستہ میں حضور انور ﷺ کو رات کے وقت اچانک اس طرح قتل کر دیں کہ کسی کو اس خبر نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان کے شر سے بچا لیا۔ اس موقع پر یہ جز نازل ہوا۔ (کبیر، خازن وغیرہ)

تفسیر: یحلفون باللہ ما قالوا اگرچہ مذکورہ واقعہ ایک بار ہو چکا تھا گذشتہ زمانہ میں مگر اس گذری ہوئی بات کا نقشہ ذہن نشین فرمانے کے لئے حال کے صیغہ یحلفون سے ارشاد فرمایا جیسے گذری خواب حال سے بیان کرتے ہیں۔ نیز اگرچہ یہ واقعہ ایک آدمی کا ہے کہ اس نے قسم کھائی تھی مگر چونکہ اس کی قوم اس کے ساتھ تھی اس قسم میں اس کی ہم نوا تھی لہٰذا یحلفون جمع ارشاد ہوا کیونکہ جرم کرنے والا کرانے والا راضی ہونے والا سب ہی مجرم ہوتے ہیں۔ حلف یعنی قسم گذشتہ پر بھی ہوتی ہے۔ آئندہ پر بھی مگر یہاں گذشتہ پر قسم مراد ہے۔ جیسا کہ قالوا سے معلوم ہوا۔ نیز قسم سچی بھی ہوتی ہے جھوٹی بھی یہاں جھوٹی قسم مراد ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ قالوا کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی وہ ہی بات جو حضور انور ﷺ تک ان کے متعلق

پہنچی تھی۔ یعنی منافقین جھوٹی قسم کھا جاتے ہیں کہ ہم نے وہ بات نہیں کہی۔ **و لقد قالوا کلمة الکفر** ۔ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ان کی تردید وتکذیب ہے۔ رب تعالیٰ کی ان کے خلاف حضرات صحابہ کے حق میں گواہی ہے۔ یعنی اے محبوب ہم گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے کفر کی بات کہی کفر کیا ہے۔ آپ ﷺ کی شان کا انکار آپ ﷺ کے صحابہ کی توہین خیال رہے کہ یہاں کلمہ سے مراد نہ تو صرف نحو والا کلمہ ہے نہ شریعت والا۔ کلمہ بمعنی بات ہے۔ قرآن مجید میں کلمہ بہت معنی میں استعمال ہوا ہے حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ فرمایا گیا ہے یہاں بمعنی بات یا بکواس ہے وہ ہی بکواس جو شان نزول میں عرض کی گئی۔ **و کفروا بعد اسلامهم** یہ فرمان عالی معطوف ہے قالوا (الخ) پر اور رب تعالیٰ کی دوسری گواہی پہلی گواہی کا تمہ یا نتیجہ چونکہ منہ سے کفر کی بات نکالنا بھی واقع میں کفر ہوتا ہے کبھی نہیں۔ رب فرماتا ہے **الا من اکره و قلبه مطمئن کالایمان** اس لئے قالوا کلمۃ الکفر کے بعد یہ ارشاد ہوا یعنی وہ اس بکواس سے کافر بھی ہو گئے۔ خیال رہے کہ یہاں کفر و اسلام سے مراد ان دونوں کا اظہار ہے۔ ورنہ منافقین پہلے مسلمان تھے ہی نہیں وہ تو پہلے سے ہی کافر تھے۔ یعنی انہوں نے اسلام ظاہر کرنے کے بعد کفر ظاہر کر دیا۔ (عام تفاسیر) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں اسلام سے مراد اپنے کو مسلمانوں کی تلوار سے بچالینا ہے مگر یہ قوی نہیں۔ کیونکہ یہاں کافر کے مقابل ارشاد ہوا نیز وہ منافقین اس کے بعد قتل نہ کئے گئے۔ (تفسیر کبیر) **و هموا بما لم ینالوا** یہ ان کا تیسرا جرم ہے یعنی انہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جو پا نہ سکے یا تو حضور انور ﷺ کو شہید کرنے کا یا عبداللہ بن ابی کے سر پر سرداری کی دستار باندھنے کا۔ صرف ارادہ ہی کر کے رہ گئے اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ **و ما نقموا الا ان اغنهم الله و رسوله من فضله** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اس میں ان منافقوں کی احسان فراموشی محسن کشی کا ذکر ہے۔ اللہ رسول کے احسانات کا ذکر ہے جو دنیا میں ان پر ہیں۔ نقموا بنا ہے نقم سے بمعنی ناپسندیدگی یا برا لگنا۔ اس کا فاعل مذکورہ منافقین ہیں۔ انما (الخ) کا مفعول لہ ہے یعنی منافقین اس مسلمانوں سے اور کسی وجہ سے تو ناراض ہو نہیں سکتے صرف اس لئے ناراض ہوئے ہوں گے کہ انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل و کرم سے غنی و مالدار کر دیا کہ یہ لوگ مدینہ منورہ میں حضور انور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے انتہائی غریبی میں تھے۔ حضور انور ﷺ نے تشریف لا کر انہیں غنی کر دیا۔ جلاس بن سوید کا غلام کسی کے ہاتھوں مارا گیا۔ حضور انور ﷺ نے اسے قاتل سے بارہ ہزار درہم خون بہا دلوایا۔ یہ ہی واقعہ عبداللہ بن ابی کا ہوا کہ اس کا غلام مارا گیا تو حضور ﷺ نے اسے بھی اتنی ہی رقم دلوائی تھی جس سے وہ امیر کبیر بن گیا تھا یعنی اس کرم نوازی پر انہیں شکر گزار ہونا چاہئے تھا مگر وہ اور زیادہ دشمن ہو گئے۔ یہ فرمان عالی ایسا ہی ہے جیسے شعر

ما نقموا من بنی امیة الا انهم یحلمون اذا اغضبوا

و لا عیب فیهم ان سیوفهم بهن فلول من قراع الکتائب

یعنی یہ لوگ بنی امیہ سے صرف اس لئے ناراض ہوئے کہ وہ لوگ غصہ میں بردباری سے کام لیتے ہیں یا ان میں اور کوئی عیب نہیں۔ ہاں صرف یہ عیب ہے کہ ان کی تلواروں کی دھاریں دشمنوں کی سرکوبی کرتے کرتے مڑ گئی ہیں۔ یہ طریقہ ہے عیب بیان کرنے کا (تفسیر کبیر روح المعانی وغیرہ) خیال رہے کہ یہاں اللہ کا ذکر یا تو برکت کے لئے ہے کہ انہیں غنی حضور انور

ﷺ نے کیا تھا اس لئے حضور ﷺ کے کام رب تعالیٰ کے ذاتی کام ہیں۔ ذاتی دینے والا وہی ہے۔ عارضی اور اس کے حکم سے دینے والے حضور انور ﷺ ہیں۔ من فضلہ میں ضمیر رسولہ کی طرف ہے کہ وہ ہی قریب ہے۔ لطف یہ ہے کہ اغنا بھی واحد اور فضلہ میں ضمیر بھی غائب۔ درمیان میں اللہ رسول کا ذکر۔ یہ ہے یگانگت۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اغناہم کی ضمیر مومنوں کی طرف ہے یعنی منافقوں کو حسد اس پر ہوا کہ مومنوں کو اللہ رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ یہ لوگ جل گئے مسلمان محتاج اور ہمارے دست نگر کیوں نہ رہے۔ (روح البیان) فان یتوبوا یک خیرا لھم اس فرمان عالی میں ان جرموں کے بعد رب کے عفو و کرم کا ذکر ہے یعنی اگرچہ انہوں نے نا قابل معافی قصور کئے ہیں مگر اب بھی انہیں موقع دیا جاتا ہے کہ اگر توبہ کریں تو ان کے لئے سب کچھ اچھا ہو جاوے گا۔ ہم سب معاف کر دیں گے۔ فرمان سن کر جلاس ابن سوید توبہ کر گیا جیسا کہ ابھی شان نزول میں گزرا۔ و ان یتولوا یعذبھم اللہ عذاباً الیما فی الدنیا و الاخرۃ یہ فرمان عالی معطوف ہے فان یتوبوا پر۔ اس میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ تولی سے مراد توبہ سے منہ موڑنا، اپنے قصور پر قائم رہنا، توبہ نہ کرنا۔ یعنی اگر یہ مجرم منافقین ہماری اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھائیں توبہ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ دنیاوی عذاب ان کی رسوائی، قیامت تک ان پر پھٹکار و بدنامی، موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کا مشاہدہ، بعد میں عذاب قبر وغیرہ۔ آخرت کا عذاب تو معلوم ہی ہے کہ ان المنافقین فی الدرک من النار منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے جہاں عذاب بہت ہی سخت ہے۔ و ما لھم فی الارض من ولی و لا نصیر ان کے تیسرے عذاب کا ذکر کہ دنیا بھر میں نہ ان کا کوئی دوست جو انہیں سفارش کے ذریعہ عذاب سے بچنے نہ کوئی مددگار جو طاقت و قوت کے ذریعہ بچائے۔ وہ ہر طرح بے کس و بے بس ہوں گے۔ الارض فرما کر بتایا کہ کسی جگہ انہیں پناہ نہ ملے گی۔ رب کی پناہ لینا ہے تو توبہ استغفار کرو۔ شفیع المذنبین کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔

خلاصہ تفسیر: منافقین ایسے بے باک ہیں کہ آپ ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں آ کر آپ ﷺ کے سامنے اللہ کی جھوٹی قسم کھا لیتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کے یا آپ ﷺ کے صحابہ کرام کے یا اسلام کے خلاف کچھ بھی نہ کہا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے کفر بکا ہے۔ آپ ﷺ کے اور حضرات صحابہ کے خلاف زہر اگلا ہے۔ اب تک اسلام ظاہر کرتے تھے۔ اب کفر ظاہر کر دیا اسی پر بس نہیں بلکہ آپ ﷺ کے خلاف بڑے خطرناک منصوبے باندھے آپ ﷺ کو شہید کرنے کے۔ جن میں وہ سخت ناکام رہے۔ اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل نہ کر سکے۔ یہ ناشکرے احسان فراموش یہ تو سوچیں کہ آخر انہیں آپ ﷺ سے کیا تکلیف پہنچی ہے آپ ﷺ کی کون سی بات انہیں ناپسند ہے۔ یہ نا کہ یہ لوگ بڑے مفلس و قلاش تھے آپ ﷺ کے رب نے اور آپ ﷺ نے انہیں ہر طرح اپنے فضل و کرم سے غنی کر دیا۔ اس پر تو انہیں چاہئے تھا کہ آپ کے قدم دھو کر پیتے مگر اس کے برعکس الٹے آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے۔ مگر خیر اب بھی انہیں موقع دیا جاتا ہے کہ اگر یہ توبہ کریں کہ آپ ﷺ سے معافی حاصل کر کے مخلص مسلمان بن جاویں تو ان کے لئے دین و دنیا میں بہتر ہو اور اگر برعکس یہ اکڑے اور منہ پھیرے ہی رہے تو انہیں دنیا و آخرت میں ایسی سخت سزا دی جاوے گی کہ انہیں کوئی پناہ دینے والا نہ ہوگا۔ نہ کوئی دوست ہوگا نہ مددگار

کرتا قیامت رسوا رہیں گے۔ نیز نزع وقبر کی سختی میں گرفتار ہوں گے۔ قیامت اور بعد قیامت سخت پکڑ میں رہیں گے۔
خیال رہے کہ ہر جرم کی توبہ علیحدہ ہے۔ کفر سے توبہ اسلام ہے گناہ سے توبہ نیک اعمال ہیں۔ نفاق سے توبہ اخلاص ہے۔ حضور انور ﷺ کی حق تلفی کرنے کی توبہ ان سے معافی حاصل کرنا اور آئندہ کے لئے ہمیشہ کے لئے ان کا بندہ بے زر ہو جانا۔ حضرات صحابہ کرام کی بے ادبی سے توبہ گذشتہ پر ندامت اور آئندہ ان کا مدح خواں رہنا ہے۔ یہاں توبہ سے آخری دو قسم کی توبہ ہے کیونکہ منافقین نے یہ ہی دو جرم کئے تھے۔
فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔
پہلا فائدہ: جھوٹی قسم کھانا ہر جگہ اور ہر وقت ہی برا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام شریف کی بے ادبی ہے کہ اس نام پاک کو اپنے جھوٹ پر گواہ بنانا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جھوٹی قسم کھانا غضب پر غضب ہے کہ اس میں رب تعالیٰ کے نام پاک کی بے ادبی کے ساتھ حضور انور ﷺ کی مجلس پاک کی بھی بے ادبی و توہین ہے۔ یہ فائدہ یحلفون باللہ (الخ) سے اشارۃً حاصل ہوا کہ ان منافقوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی تو مذکورہ جھوٹی قسم کھائی تھی۔ بعض مسلمان اپنے مقابل سے کسی بزرگ کے پاس یا کسی بزرگ کی قبر کے پاس قسم لیتے ہیں ان کا ماخذ یہ آیت ہو سکتی ہے۔
دوسرا فائدہ: اللہ کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ کے صحابہ کا بڑا ہی احترام ہے کہ ان کی دعا پر اور ان کے کلام کو سچا کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیات اتاری جاتی ہیں۔ دیکھو حضرت عامر ابن قیس نے دعا کی تھی کہ خدایا ایسی آیت نازل فرمادے جس سے سچے کا سچ اور جھوٹے کا جھوٹ ظاہر ہو جائے ان کی دعا پر یہ آیت نازل ہوئی انہیں سچا کرنے کے لئے اور منافق کو جھوٹا کرنے کے لئے۔
تیسرا فائدہ: حضور انور ﷺ کے صحابہ کی توہین کرنا انہیں ذلیل کہنا کفر ہے۔ خواہ کسی خاص کا نام لے کر کہے یا عام صحابہ کو۔ یہ فائدہ اس آیت کے دوسرے شان نزول سے حاصل ہوا کہ عبداللہ ابن ابی نے کہا تھا کہ ہمارے عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ رب نے فرمایا ولقد قالوا کلمۃ الکفر۔ انشاء اللہ اس کی تحقیق سورہ منافقون میں آوے گی۔
چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی حفاظت سارا جہان مل کر نہیں توڑ سکتا۔ یہ فائدہ وھموا بما لم ینالوا سے حاصل ہوا کہ منافقین نے حضور انور ﷺ کو خفیہ طور پر اچانک قتل کرنے کی سازش کی مگر ناکام رہے کیونکہ حضور انور ﷺ اللہ کی حفاظت میں تھے۔
پانچواں فائدہ: حضور انور ﷺ سب کے محسن اعظم ہیں۔ آپ ﷺ کی نافرمانی انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی ہے اور طریقہ منافقین ہے۔ یہ فائدہ وما نقموا الا ان اغناھم اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ ہم کو نمک حلال بنائے ہم حضور ﷺ کے نمک خوار ان کے در کے پروردہ ہیں۔
چھٹا فائدہ: اللہ نے حضور ﷺ کو ایسا غنی کر دیا ہے کہ آپ ﷺ دوسروں کو بھی غنی فرما دیتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ ووجدک عائلا فاغنی رب نے آپ ﷺ کو بڑا عیال دار پایا تو غنی کر دیا کہ تم ایسے ایسے ہزار جہانوں کو پال سکتے ہو۔ (بخاری شریف) یہ فائدہ اغناھم اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا۔ شعر

کیوں جاؤں میں کہیں کہ غنی تم نے کر دیا　　اب ہے یہ گھر پسند یہ در یہ گلی عزیز

ان کے در نے کر دیا سب سے غنی　　بے طلب بے مانگے اتنا مل گیا

ہاتھ جس سمت اٹھے غنی کر دیا　　ان کے دست سخاوت پہ لاکھوں سلام

ان کی دین ان کی کرم نوازی کوئی مجھ فقیر احمد یار سے پوچھے کہ انہوں نے مجھے مالا مال کر دیا ہے۔

مسئلہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ فقیر استعمال کرنا حرام ہے۔ بے ادبی کی نیت سے ہو تو کفر ہے۔

ساتواں فائدہ: اللہ رسول پر کسی کا کوئی حق نہیں انہوں نے جسے جو دیا اپنے فضل سے دیا۔ بھکاری کا داتا پر کیا حق ہوتا ہے۔ یہ فائدہ من فضلہ سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: یہ کہنا جائز ہے کہ ہمیں اللہ رسول نعمتیں دیتے ہیں، اللہ رسول جنت دیتے ہیں۔ اللہ رسول دوزخ سے بچاتے ہیں یہ فائدہ اغناھم واللہ و رسولہ من فضلہ سے حاصل ہوا۔ رب دیتا ہے حضورؐ تقسیم فرماتے ہیں۔ رازق وہ ہے قاسم یہ ہیں۔ شعر

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم　　رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

رب کی روزی ان کا صدقہ　　کھاتے ہم ہیں کھلاتے یہ ہیں

نواں فائدہ: اللہ کے ساتھ حضورؐ انور کا نام لینا واؤ کے ساتھ بالکل جائز ہے ان شاء اللہ و رسولہ کہنا بالکل جائز ہے یہ فائدہ بھی اغناھم اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا کہ رب نے حضور کا نام اپنے نام کے ساتھ ف سے نہیں بلکہ واؤ سے لیا۔

شعر

صبا پیام یہ کہنا میرا اسلام کے ساتھ　　تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے ساتھ

میں اپنی حیاتی پہ قربان جاواں　　احد نال احمد ملیندے گذر گئی

دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اور رسول کے لئے ایک ضمیر لانا جائز ہے یہ فائدہ من فضلہ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ من فضلہ کے معنی ہیں اللہ رسول دونوں نے اپنے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ اس کی کچھ بحث سیوتینا اللہ من فضلہ و رسولہ۔ میں گذر چکی۔

گیارھواں فائدہ: بے ایمان لوگ اللہ رسول کی نعمتیں پا کر سرکش ہو جاتے ہیں۔ ان کے غلاموں سے الجھتے ہیں۔ یہ فائدہ و ما نقموا (الخ) سے حاصل ہوا۔ شعر

تیرا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں　　ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے

بارھواں فائدہ: دنیاوی بدنامی لوگوں کا پھٹکار کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے یہ فائدہ عذابا الیما فی الدنیا و الآخرۃ سے حاصل ہوا۔ فرعون ہامان نمرود ابوجہل وغیرھم پر آج یہ عذاب ہو رہا ہے کہ دنیا ان پر پھٹکار کر رہی ہے۔ اس کے برعکس ذکر خیر اچھا چرچا اللہ کی رحمت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی واجعل لی لسان صدق فی الآخرین اے

میرے رب آئندہ لوگوں میں میرا اچھا چرچا رکھ۔
تیرھواں فائدہ: دنیاوی مددگار نہ ہونا انسان کا بے کس و بے بس ہونا بھی کفار پر اللہ کا عذاب ہے۔ جس سے مومنین بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ ہیں یہ فائدہ وما لھم فی الارض من ولی ولا نصیر ۔ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اسے منافقین پر عذاب کے سلسلے میں بیان فرمایا۔ مومنوں کے متعلق فرماتا ہے انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا اور ہم کو یہ دعا سکھاتا ہے۔ واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا۔ اگر مومنوں کا مددگار بھی کوئی نہ ہوتا تو یہ منافقوں پر عذاب کیسے بنتا۔
پہلا اعتراض: منافقین تو پہلے سے ہی کافر تھے۔ کبھی مسلمان ہوئے ہی نہیں پھر ان کے متعلق یہ کیوں ارشاد ہوا کہ وکفروا بعد اسلامھم اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔ یہاں کفر و اسلام سے مراد ان کا ظہور ہے یعنی اب تک انہوں نے اپنا اسلام ہی ظاہر کیا تھا اور اب کفر ظاہر کر دیا۔
دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں پہلے فرمایا گیا قالو کلمۃ الکفر انہوں نے کفر کی بات کہی پھر ارشاد ہوا کفروا بعد اسلامھم وہ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گئے۔ یہ مضمون مکرر ہے۔ جو کفر بولے گا وہ کافر ہو ہی جائے گا یہ کہنے کی ضرورت کیا ہے۔
جواب: بہت دفعہ کفر کی بات بولنے پر انسان کافر نہیں ہوتا کفر بولنا اور ہے کافر ہونا کچھ اور۔ اگر بے خودی یا وصال رسول کے لئے کفر بولے کافر نہ ہوگا۔ حضرت ابن ضمیر کا واقعہ یاد کرو۔ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان مطلب یہ ہے کہ انہوں نے کفر بکا بھی اور یہ کافر ہو بھی گئے۔
تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا ھم بمالم ینالوا اس کی بجائے ارادو بما لم ینالوا کیوں نہیں فرمایا گیا۔ ارادہ اور ہم میں کیا فرق ہے۔
جواب: جب ارادہ کے ساتھ کوشش بھی مل جائے تو وہ ھم کہلاتی ہے۔ منافقوں نے حضور انور ﷺ کو شہید کرنے کا صرف ارادہ نہ کیا تھا بلکہ کوشش بھی کی تھی۔ کہ پہاڑ کی گھاٹی میں چھپ کر بیٹھ رہے تاک لگائی تھی۔ پھر بھی ناکام رہے اس لئے یہاں ھموا ارشاد ہوا۔
چوتھا اعتراض: یہاں اللہ اور رسول دونوں کے لئے واحد ضمیر کیوں ارشاد ہوئی من فضلہ۔ چاہئے تھا کہ من فضلھما ارشاد ہوتا۔
جواب: اس کے دو جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے۔ ایک یہ کہ فضلہ کی ضمیر رسول کی طرف ہے کہ وہ ہی قریب ہے اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ ضمیر بتاویل مذکور دونوں کی طرف ہے یعنی جن ذاتوں کا ذکر ہوا ان میں سے ہر ایک نے انہیں غنی کر دیا۔ اس صورت میں اللہ رسول کی یکانگت دکھائی گئی۔ کہ اللہ کا کام رسول کا کام اور نبی کریم کا عمل رب تعالیٰ کا کام ہے۔

پانچواں اعتراض: یہ تو بالکل شرک ہوا کہ رسول کو اللہ کے برابر کردیا۔ اللہ اللہ ہے رسول رسول ہیں۔
جواب: اللہ رسول کا ذکر ایک ساتھ شرک نہیں بلکہ رسول کو خدا یا خدا کے برابر یعنی اس کا بیٹا اور اس کی طرح خالق ازلی ماننا شرک ہے اس کے لئے ہماری کتاب اسلام کی چار اصطلاحیں کا مطالعہ فرماؤ۔ جسے کہتے ہیں مساوات یا عدل ثم الـذیـن کفروا بربهم یعدلون یا جیسے اذ نسویکم برب العالمین
چھٹا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ منافقین کو رب تعالیٰ دنیا و آخرت میں عذاب دے گا۔ مگر دوسری جگہ ارشاد ہے ما کان لیعذبهم وانت فیهم آپ ﷺ چونکہ ان میں جلوہ گر ہیں لہٰذا اللہ انہیں عذاب نہ دے گا۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔
جواب: یہاں دنیاوی عذاب سے لعنت و پھٹکار کا عذاب کا مراد ہے۔ اس آیت میں آسمانی غیبی عذاب کی نفی ہے جیسے آگ برسنا۔ صورتیں مسخ ہونا وغیرہ لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔
تفسیر صوفیانہ: کفر دو طرح کا ہے زبان کا اور دل کا یا ظاہری اور باطنی۔ دلی کفر تخم ہے اور زبانی کفر اس کا پھل جس سے دلی کفر کا پتہ لگتا ہے قالوا کلمة الکفر میں پھل پھول یعنی زبانی کفر کا ذکر ہے اور کفروا بعد اسلامهم میں دلی کفر یعنی تخم کا تذکرہ هموا بما لم ینالوا۔ میں اس دلی کفر کے دوسرے پھل کا تذکرہ اور ما نقموا (الخ) میں تیسرے پھل کا۔ جب ان کا دل کافر ہوا تو منہ سے کفر نکلنے لگے۔ حضورؐ انور کو شہید کرنے کے ارادے کرنے لگے۔ حضورؐ انور کے احسانات کا غلط نتیجہ نکالنے لگے۔ اس درخت کفر کا آرا یا کلہاڑا توبہ ہے اس لئے ارشاد ہوا ان یتوبوا یک خیر الهم۔ توبہ کی حقیقت دلی ندامت حضورؐ انور سے اخلاص و محبت اور حضورؐ کی اطاعت ہے۔ منافق و کافر کا یار و مددگار صرف توبہ و استغفار ہے اور اپنی انا کو فنا کرنا ہے۔
حکایت: حضرت محمد بن جعفر سے ایک بادشاہ نے کہا کہ میں بھی ایک ہوں رب بھی ایک۔ آپ نے فرمایا تو خود دو ہے جسم اور روح اور دو سے پیدا ہوا یعنی ماں اور باپ سے اور دو میں رہتا ہے یعنی دن اور رات میں۔ دو سے تیری بقا ہے کھانے اور پانی سے دو ہی تیرے ساتھی ہیں۔ فقیری اور عاجزی۔ وحدانیت اس کی صفت ہے جسے ہم کہتے ہیں هو الله الذی لا اله الا هو (روح البیان) استغفار کی صیقل ہے۔ شعر

دولت آئینہ خدا نما است روئے آئینہ تو تیرہ چرا است
صیقلی وار صیقلے میزن باشد آئینہ ات شود روشن
صیقل آں اگر نہ آگاہ نیست جز لا الہ الا اللہ

یعنی تیرا دل خدا نما آئینہ ہے بشرطیکہ اس کو کلمہ توحید کی صیقل کر۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْ

وہ ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے عہد کیا اللہ سے البتہ اگر دے گا وہ ہم کو فضل سے اپنے تو ضرور ہم صدقہ کرینگے

اور ان میں سے کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دیگا تو ضرور ہم

نَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَ

اور ضرور ہم ہوں گے نیکوں میں سے پس جب دیا تھا انکو اللہ نے اپنے فضل سے تو کنجوسی کی اس میں

خیرات کریں گے اور ضرور بھلے آدمی ہو جائیں گے تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اس

لَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٦﴾

اور پھر گئے حالانکہ وہ منہ پھیرے تھے

میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر پلٹ گئے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: بہت دور سے منافقین کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ یہ لوگ بہت قسم کے تھے۔ بعض حضور انور ؐ کو ایذا دینے والے منهم الذين يوذون النبى بعض کفر بک کر انکار کرنے والے اور جھوٹی قسمیں کھانے والے يحلفون بالله ماقالوا۔ بعض وعدہ کر کے پھر جانے والے (تفسیر کبیر)

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان منافقوں کا ذکر ہوا جو اول سے ہی منافق تھے اب ان منافقین کا تذکرہ ہے جو پہلے مخلص تھے پھر مالدار ہو کر منافق ہو گئے تاکہ معلوم ہو کہ کبھی مال کی زیادتی ایمان سے ہٹا دیتی ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقوں کے ایک عیب کا ذکر ہوا۔ یعنی گذشتہ پر جھوٹ بولنا جھوٹی قسم کھا جانا۔ اب ان کے دوسرے عیب کا ذکر ہے یعنی آئندہ پر جھوٹ بولنا۔ عہد و پیمان کر کے پھر جانا۔

شان نزول: اس زمانہ پاک میں ایک شخص تھا ثعلبہ ابن حاطب ابن ابی بلتعہ (تفسیر خازن) مگر وہ بدری صحابی نہیں وہ تو غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے (روح المعانی) یہ انصاری ہے (روح البیان) یہ شخص بہت نمازی دن رات مسجد نبوی شریف میں حاضر رہتا حتی کہ اس کا لقب حمامۃ المسجد ہو گیا تھا۔ یعنی مسجد کا کبوتر۔ زیادہ سجدوں کی وجہ سے اس کی پیشانی اونٹ کے گھٹنے کی طرح ہو گئی تھی۔ پھر اس نے نماز فجر کے بعد فوراً مسجد سے نکل جانا شروع کر دیا بغیر دعا مانگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جلدی کی وجہ پوچھی اور فرمایا مسجد سے جلد بھاگنے کی کوشش کرنا طریقہ منافقین ہے۔ وہ بولا کہ میری غریبی مسکینی کا یہ حال ہے اور خاوند بیوی کے درمیان صرف ایک کپڑا ہے پہلے میں اس پہن کر نماز پڑھا لیتا ہوں پھر یہی کپڑا بیوی کو دیتا ہوں تو وہ نماز پڑھ لیتی ہے ویسے وہ ننگی رہتی ہے حضور ﷺ دعا فرما دیں میں امیر ہو جاؤں۔ فرمایا جس تھوڑے مال کا شکریہ ادا ہو

وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے۔ جس کا شکر یہ ادا نہ ہو۔ اس نے پھر اسی دعا کی درخواست کی۔ فرمایا تو مجھے دیکھ اگر میں چاہوں میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں مگر دیکھ میں کیسے گذارہ کرتا ہوں۔ اس نے تیسری بار اس دعا کی درخواست کی اور بولا اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو نبی بنایا۔ اگر آپ ﷺ کی دعا مجھے مال کثیر مل گیا تو میں اس سے ہر حق دار کا حق ادا کروں گا۔ چنانچہ اس کو ایک بکری ملی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کی۔ واللہ اعلم۔ اس کے کیڑے مکوڑوں کی طرح اتنے بچے ہوئے کہ مدینہ منورہ کی گلیاں اسے تنگ ہو گئیں۔ اس نے جنگل میں مال رکھنا وہاں رہنا شروع کر دیا اب صرف ظہر وعصر کی جماعت میں حاضری رہ گئی پھر وہ جنگل بھی ناکافی ہوا تو دور جنگل میں چلا گیا اب صرف جمعہ کی حاضری رہ گئی۔ پھر اور مال زیادہ ہوا۔ آخر کار زکوۃ کا وقت آیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کو جانوروں کی زکوۃ وصول کرنے بھیجا۔ مگر بار بار فرماتے تھے ثعلبہ پر افسوس۔ ان دونوں صاحبوں کو زکوۃ کے احکام لکھ کر دیئے۔ یہ دونوں حضرات لوگوں سے زکوۃ وصول کرتے ہوئے ثعلبہ کے پاس پہنچے۔ ثعلبہ نے حضور انور ﷺ کا فرمان نامہ پڑھا۔ تیوری چڑھا کر بولا۔ یہ تو جزیہ (کفر کا ٹیکس) ہے جاؤ واپسی میں آنا۔ یہ حضرات واپسی میں اس کے پاس گئے وہ پھر یہی بولا کہ یہ تو جزیہ ہے۔ اچھا میں سوچ لوں پھر دوں گا۔ جب یہ حضرات حضور انور کی خدمت میں پہنچے تو ان کو دیکھتے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ افسوس ثعلبہ پر۔ پھر ان صاحبوں نے وہ واقعہ عرض کیا۔ تب یہ آیت کریمہ ثعلبہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بعض لوگوں نے ثعلبہ سے کہا کہ تیری خیر نہیں تیرے متعلق آیات قرآنیہ نازل ہوئی ہیں۔ تب وہ زکوۃ لے کر بطور منافقت صرف بدنامی سے بچنے کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے رب تعالیٰ نے تیری زکوۃ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ جس پر وہ لوگوں کو دکھانے کے لئے سر پر خاک ڈالنے اور واویلا پکارنے لگا۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ وہ صدیق اکبر کے پاس زکوۃ لایا۔ انہوں نے بھی رد کر دی۔ پھر خلافت فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا۔ وہاں سے بھی رد ہو گئی۔ پھر خلافت عثمانیہ میں حضرت عثمان غنی کے پاس لایا۔ آپ نے فرمایا کہ جو زکوۃ بارگاہ رسالت سے ٹھکرا دی گئی۔ حضرات شیخین کے دروازوں سے رد کر دی گئی۔ میں وہ وصول نہیں کر سکتا۔ آخر کار وہ خلافت عثمانیہ میں کافر ہو کر مرا۔ (تفسیر روح البیان' معانی' کبیر' خازن' بیضاوی' مدارک' خزائن العرفان وغیرہ)

تفسیر۔ ومنهم من عهد الله ظاہر یہ ہے کہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور منہم خبر ہے مقدم من عهد الله مبتدا ہے موخر اس ترتیب سے حصر کا فائدہ ہوا۔ هم سے مراد منافقین ہیں۔ من سے مراد ثعلبہ یعنی یہ ثعلبہ منافقین میں سے ہی ہے اسے اسلام سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ نئے پرانے منافق و کافر نفاق و کفر میں یکساں ہیں۔ نیز موجودہ نفاق کی وجہ سے اس کے اسلام و اخلاص کے زمانہ کے سارے نیک اعمال بالکل ختم ہو چکے۔ وعدہ' عہد' میثاق اور اصر ان میں فرق ہم تیسرے پارہ میں عرض کر چکے اور اس آیت میں بھی اذاخذ الله ميثاق النبيين (الخ)۔ بہر حال یہاں عہد سے مراد مضبوط وعدہ ہے جس کی نگہبانی کی جاوے چونکہ یہ وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہوا تھا لہذا اسے عہد کہا گیا۔ نیز اگرچہ یہ وعدہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا جیسا کہ ابھی شان نزول سے معلوم ہوا مگر چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ رب تعالیٰ

سے وعدہ ہے لہٰذا ھدا اللہ فرمایا گیا۔ لئن اتنا من فضلہ یہ عاہد کا مفعول دوم ہے۔ اتا کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے مالاً یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے فضل سے بہت سا مال دے دیا۔ چونکہ ثعلبہ نے یہ مال اپنے اور اپنے بال بچوں سب کے لئے مانگا تھا اس لئے نا جمع ارشاد ہوا۔ لنصدقن ولنکونن من الصلحین یہ فرمان عالی جزا ہے لنصدقن کی اصل میں لنتصدقن تھا باب تفعل سے ت کو صاد کر کے صاد میں ادغام کر دیا۔ یہ بنا ہے صدقۃ سے بمعنی خیرات خواہ فرضی ہو۔ جیسے زکوٰۃ یا واجب جیسے فطرہ وقربانی یا نفلی جیسے ان کے سوا اور دوسرے صدقات۔

خیال رہے: کہ صدقہ بنا ہے صدق سے بمعنی سچائی۔ چونکہ خیرات مومن کے سچے مسلمان ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ اس لئے اسے صدقہ کہا جاتا ہے۔ دیکھو روح البیان۔ ثعلبہ نے یہ وعدہ اپنے اور اپنے بال بچوں کی طرف سے کیا تھا اس لئے یہاں بھی جمع ارشاد ہوئی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں صدقہ سے مراد فرضی صدقہ ہے زکوٰۃ اور ہوسکتا ہے کہ واجب صدقہ بھی مراد ہے ممکن ہے کہ صدقہ نفلیہ مراد ہوں۔ یعنی جہادوں اور دوسرے دینی کاموں میں چندہ دینا وغیرہ۔ صالحین سے مراد ہے مالی عبادات کر کے نیک کار بننے والے جیسے حج وعمرہ وغیرہ ورنہ بدنی عبادات نماز روزہ تو وہ پہلے ہی کرتا تھا۔ نماز باجماعت کا بڑا پابند تھا مسجد نبوی کا حاضر باش تھا یعنی اب جو نیکیاں ہم غریبی کی وجہ سے نہیں کر سکتے وہ بھی ضرور بالضرور کریں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ سب یوں ہی نیک کار رہیں گے۔ مال کی وجہ سے نیکیوں میں سستی نہ کریں گے۔ فلما اتھم من فضلہ۔ اس فرمان عالی میں اس کے انجام کا ذکر ہے۔ چونکہ ثعلبہ کے اس وعدے کے فوراً بعد حضورؐ انور نے اس کے مالداری کی دعا فرمائی اور رب تعالیٰ نے اسے بہت ہی جلد مالدار کر دیا اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی۔ یہاں بھی اتھم کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے۔ مالاً فضل اور رحم کا فرق بارہا عرض کیا جاچکا ہے۔ من فضلہ فرما کر یہ بتایا کہ اسے یہ مال اس کے اپنے کمال کی وجہ سے نہیں بلکہ محض عطا ذوالجلال۔ اس کے فضل وکرم سے ملا۔ تو چاہئے کہ اس کا شکر ادا کرے مگر ہوا یہ کہ بخلوا بہ یہ جزاء ہے عطا کی بخل کے معنی ہیں کنجوسی میں۔ بخل اور امساک میں یہ فرق کرتے ہیں کہ جو خود کھائے دوسروں کو نہ کھلائے ممسک وہ جو نہ خود لائے کھلائے نہ کسی کو کھلائے یوں ہی جمع کر کے چھوڑ جائے ان کا مقابل سخی اور جواد ہے سخی وہ جو خود بھی کھائے دوسروں کو بھی کھلائے اس لئے رب تعالیٰ کو سخی نہیں کہتے جواد کہتے ہیں۔ کیونکہ وھو یطعم ولا یطعم وہ کھلاتا ہے کھاتا نہیں۔ حضورؐ انور میں بھی جواد ہیں۔ کیونکہ شعر

بوریا ممنون خواب راحتش ۔۔۔ تاج کسریٰ زیر پائے امتش

وتولوا وھم معرضون اس فرمان عالی میں تولوا تو معطوف ہے بخلوا پر مگر وھم معرضون میں دو احتمال ہیں یا یہ تولوا کے فاعل سے حال ہے اور واؤ حالیہ۔ یا یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ تولوا سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ پھیر لینا کہ باوجودیکہ حضورؐ انور کے دو خادم دو دفعہ اس کے پاس زکوٰۃ لینے گئے مگر نہ دی اور وھم معرضون سے مراد ان کی پچھلی نافرمانی ہے یعنی مسجد نبوی کی حاضری بجماعت کی پابندی بلکہ مدینہ منورہ کی رہائش سے دور ہٹ جانا (از روح المعانی) وہ یہ کر سکتا تھا کہ جانوروں کا انتظام نوکروں کے سپرد کر دیتا۔ خود حاضر بارگاہ رہتا۔ ہفتہ عشرہ میں وہاں پھیرا مار آیا

کرتا مگر کرتا کیسے۔ نصیب میں تو یہ دن تھے اور اگر یہ حال ہو تو معنی یہ ہوں گے۔ اطاعت سے منہ پھر گیا۔ دل سے تو پہلے ہی پھرا ہوا تھا۔ دیکھو (تفسیر روح المعانی)

خلاصہ تفسیر: منافقین بہت قسم کے ہیں جن میں بعض کا حال تم معلوم کر چکے اور بعض وہ ہیں جو غریبی کے زمانہ میں حضورؐ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ اگر اس نے ہم کو اپنے فضل و کرم سے مالدار کر دیا تو ہم ہر طرح کے صدقات و خیرات کریں گے۔ اور وہ تمام نیکیاں کریں گے جو مال پر موقوف ہیں اور ہم ہر طرح نیکوکاروں سے ہو جائیں گے۔ حاجی وغیرہ بنیں گے۔ مگر ہوا یہ کہ جب رب نے انہیں اپنے فضل سے مال دے دیا تو وہ اول درجہ کے کنجوس بن گئے۔ زکوٰۃ تک نہیں دیتے اور ہمارے حبیب کی اطاعت سے منہ پھیر گئے۔ دل سے تو پہلے ہی پھرے ہوئے تھے۔ یا بدنی عبادات۔ نماز مسجد نبوی کی حاضری تو پہلے ہی چھوڑ چکے تھے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کی فطرت سے خبردار ہیں کہ کسی کی طبیعت غریبی کے لائق ہے کس کی امیری کے لائق۔ رب نے حضور ﷺ کو اپنی مخلوق کی کیفیت قلبی سے خبردار کیا ہے۔ یہ فائدہ شان نزول سے حاصل ہوا۔ دیکھو ثعلبہ کو حضور ﷺ نے مالدار بننے سے منع کیا مگر حضرت عثمان کو منع نہ کیا کیونکہ ثعلبہ اور حضرت عثمان کی فطرت سے خبردار ہیں کہ حضرت عثمان مال کا تحمل کر سکتے ہیں ثعلبہ نہیں کر سکتا۔ پھر ظہور بھی ویسا ہی ہوا جیسا جانتا تھا۔

دوسرا فائدہ: حضورؐ انور لوگوں کے دلی اخلاص و نفاق سے خبردار ہیں دیکھو بڑے سے بڑے مجرموں کو معافی دے دی جیسے جناب ابوسفیان ہندہ وحشی عکرمہ وغیرہم۔ ان کی توبہ منظور فرمائی مگر معافی نہ دی تو بہ منظور نہ کی ثعلبہ کی اگرچہ وہ سر پر خاک ڈالتا رہا۔ کیونکہ ان حضرات کی توبہ اخلاص سے تھی اس کی یہ حرکات نفاق سے فائدہ بھی شان نزول سے حاصل ہوا۔ جس پر حضورؐ انور مطلع تھے۔ شعر

خدا مطلع ساخت ہر جملہ غیب   علی کل شی خبیر آمدی
نہ آمد مثال تو در دوجہاں   نذیر آمدی بے نظیری آمدی

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے انجام سے خبردار ہیں کہ کون کافر مرے گا کون مومن یہ فائدہ بھی اس شان نزول سے حاصل ہوا کہ حضورؐ انور جانتے تھے کہ ثعلبہ اب بھی منافق ہے اور مرے گا بھی کافر اس لئے اس کا نہ تو صدقہ قبول فرمایا نہ اس کے رونے سر پر خاک ڈالنے کی پرواہ کی کہ اس کا انجام برا ہونے والا تھا۔ جب حضور ﷺ احد پہاڑ کے دل کی جانتے ہیں تو انسان کے دل کی کیوں نہ جانیں۔

چوتھا فائدہ: حضور ﷺ کے دروازے سے ٹھکرایا ہوا کہیں مقبول نہیں ہوتا یہ فائدہ بھی شان نزول سے حاصل ہوا کہ ثعلبہ کی زکوٰۃ نہ حضرت صدیق اکبر نے قبول کی نہ حضرت فاروق اعظم نے نہ عثمان غنی نے۔ کیونکہ حضور ﷺ کے آستانہ عالیہ سے رد ہو چکی تھی ایسے کو تو رب بھی منظور و مقبول نہیں کرتا۔ شعر

قسم خدا کی نہ وہ اٹھ سکا قیامت تک کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کے چھوڑ دیا

پانچواں فائدہ: حضور ﷺ سے عہد و پیمان خود رب تعالیٰ سے عہد و پیمان ہے یہ فائدہ من عهد الله سے حاصل ہوا ثعلبہ نے حضور انور سے یہ معاہدہ کیا تھا۔ مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے کیا کیوں نہ کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول بھی ہیں وکیل مطلق بھی۔

چھٹا فائدہ: جب فرض عبادت ادا کرنے کا وعدہ حضور ﷺ سے کر لیا جاوے تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہ فائدہ لنصدقن کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے کہ زکوٰۃ خود بھی فرض ہے اور حضور انور سے اس کی ادا کا وعدہ کر لینے سے اور بھی ضروری ہوگی کہ اس کے چھوڑنے پر ایمان سلب ہو گیا۔

ساتواں فائدہ: نفلی صدقہ سنت مان لینے سے فرض ہو جاتا ہے۔ اور حضور انور سے وعدہ کر لینے سے اور زیادہ اہم فرض یہ فائدہ لنصدقن کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ اس سے مراد نفلی صدقہ ہو۔ کار خیر میں چندہ دینا وغیرہ جو اس پر اس نذر کی وجہ سے واجب ہو گئے تھے۔

آٹھواں فائدہ: واجب حقوق ادا نہ کرنا شریعت میں بخل ہے نفلی صدقات نہ دینا بخل نہیں یہ فائدہ بخلوا به سے حاصل ہوا۔ (تفسیر کبیر) خیال رہے کہ ضروری مقام پر خرچ کرنا سخاوت ہے غیر ضروری جگہ خرچ کرنا اسراف ہے ناجائز جگہ خرچ کرنا تبذیر اس وجہ سے اسراف کے لئے ہلکی بات فرمائی گئی ان الله لا یحب المسرفین اللہ تعالیٰ اسراف والوں کو پسند نہیں کرتا مگر تبذیر کے لئے سخت حکم ہے ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔ تبذیر کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

نواں فائدہ: کار خیر میں حیلے بہانے ٹال مٹول کرنا درحقیقت انکار ہے تولی بھی اعراض ہے۔ یہ فائدہ تولوا اور معرضون سے حاصل ہوا۔ دیکھو ثعلبہ نے زکوٰۃ سے انکار نہیں کیا تھا ٹال مٹول کی تھی۔ رب تعالیٰ نے اسے تولی قرار دیا۔

دسواں فائدہ: زکوٰۃ کو ٹیکس، خراج، جزیہ سمجھنا غلط بلکہ قریب کفر ہے یہ تو عبادت ہے جو نہایت خوش دلی سے ادا کرنی چاہئے اور ادا ہو جانے پر توفیق کا شکر یہ فائدہ بھی تولوا اور معرضون سے حاصل ہوا کہ ثعلبہ نے کہا تھا کہ زکوٰۃ جزیہ کی طرح ہے رب نے اسے تولی فرمایا۔

پہلا اعتراض: جس وقت ثعلبہ نے یہ مذکورہ وعدہ کیا تھا اس وقت وہ مخلص مومن تھا اس وقت اسے منافق کیوں فرمایا گیا کہ منهم من عهد الله (الخ) جواب اس لئے کہ وہ علم الٰہی میں منافق ہو جانے والا اور نفاق پر مرنے والا تھا۔ نیز اس میں بتایا گیا کہ نیا اور پرانا منافق یکساں ہیں یا یوں کہو کہ اس آیت کا نزول ثعلبہ کے زکوٰۃ نہ دینے پر ہوا تب تو کوئی سوال ہی نہیں۔

دوسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ ثعلبہ نے کہا تھا ہم صدقہ دیں گے اور نیک کاروں میں سے ہو جائیں گے وہ نیک کار تو پہلے ہی تھا غازی تھا مسجد نبوی شریف کا حاضر باش تھا۔ پھر اس کا کیا مطلب ہے جواب اس کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یا تو یہ مطلب ہے کہ ہم مالی نیکیاں بھی کریں گے ابھی تو صرف بدنی نیکیاں کرتے ہیں یا یہ مطلب ہے ہم نیک کار رہیں گے۔ مال پا کر بدکار نہ ہو جائیں گے بہر حال مطلب واضح ہے۔

تیسرا اعتراض: مالی نیکیاں تو صدقہ میں آ گئیں لنصدقن پھر اب صالح ہو جانے کا کیا مطلب ہے۔

جواب: مالی نیکیاں بہت قسم کی ہیں۔ فرض جیسے زکوۃ حج واجب جیسے فطرہ قربانی۔ نفل جیسے جہاد و عمرہ وغیرہ میں خرچ یہاں صدقہ سے مراد ضروری خیراتیں ہیں۔ اور صالحین سے مراد یہ بقیہ جگہ خرچ کر کے نیک بن جانا لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔

چوتھا اعتراض: ثعلبہ کے لئے تو اس کا مال وبال بنا پھر اسے رب تعالیٰ کا فضل کیوں فرمایا گیا کہ فلما اتھم من فضلہ

جواب: یہ بتانے کے لئے کہ اسے مال خود اس کے کمال سے نہ ملا۔ محض عطاء ذوالجلال سے ملا کہ ایک بکری سے اس کے جنگل بھر گئے۔ نیز مال تو اللہ کا فضل ہی ہے اگر کوئی اس سے سرکش ہو جائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔

پانچواں اعتراض: یہاں ثعلبہ کے متعلق تین باتیں ارشاد ہوئیں بخل قمولی معوضون۔ ان میں کیا فرق ہے۔

جواب: زکوۃ نہ دینا ٹال مٹول کرنا بخل ہے۔ منہ سے کہنا کہ یہ تو ایک قسم کا ٹیکس ہے یہ ہوئی تولی۔ دل سے زکوۃ کو بوجھ جاننا ہے اعراض پر تینوں کام اس نے کئے۔

تفسیر صوفیانہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے پتھروں کی دلی حالت پر مطلع فرمایا ہے کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ غیر ہم سے عداوت رکھتا ہے۔ ہم اس سے نفرت کرتے ہیں۔ تو انہیں لوگوں کے دلوں کی حالت کیسے معلوم نہ ہوگی۔

قدرت کی تحریریں جانے	امی اور تقریریں جانے
بخشش کی تدبیریں جانے	وہ ہے رحمت والا
جس کا نام ہے محمد ﷺ ان سے	دو جگ ہے اوجالا

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذوالنورین اور دوسرے مال دار انصار کے دلوں کی استعداد بھی جانتے ہیں اور ثعلبہ کی نااہلی بھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک تمام جہان کی فطرت کی نبض پر ہے۔ اس لئے ثعلبہ کو حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال دار بننے سے منع فرمایا۔ وہ نہ مانا اور دنیا نے اس کا انجام دیکھ لیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے کعبہ معظمہ کی طرف سجدہ اس کے آگے نماز پڑھنا۔ رب کو سجدہ رب کو نماز ہے۔ ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر عہد کرنا رب تعالیٰ سے عہد ہے من عھد اللہ یہ ہی بتا رہا ہے۔ مال رحمت بھی ہے وبال بھی۔ یہ بات اس کے انجام سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال رحمت ذوالجلال تھا۔ ثعلبہ کا مال بڑا وبال ہوا۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا

پس سزا دی اللہ نے ان کو منافقت کی دلوں میں ان کے اس دن تک جب کہ ملیں گے وہ اس سے اس وجہ

تو اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک جب کہ ملیں گے بدلہ اس کا انہوں نے اللہ سے

اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

سے کہ خلاف کیا انہوں نے اللہ سے وہ جو عہد کیا انہوں نے اس سے اور اس وجہ سے کہ

وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ جھوٹ بولتے تھے کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ان کے دل کی چھپی اور ان کی سرگوشی کو

يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾

جھوٹ بولتے تھے کیا نہ جانا انہوں نے کہ تحقیق اللہ جانتا ہے انکے بھید کو اور انکے مشوروں کو اور تحقیق اللہ جاننے والا ہے غیبوں کا

جانتا ہے اور یہ کہ اللہ سب غیبوں کو بہت جاننے والا ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ثعلبہ کے تین گناہوں کا ذکر ہوا۔ بخل۔ وعدہ خلافی اور اعراض۔ یعنی اللہ رسول کے حکم سے منہ پھیرنا اب ان کے نتیجہ کا ذکر ہے یعنی دل میں نفاق پیدا ہو جانا۔ گویا بیماری کے ذکر کے بعد اس کے انجام کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ثعلبہ کے عملی گناہوں کا ذکر تھا۔ اب اس کے نتیجہ میں دلی گناہوں یعنی نفاق کا تذکرہ ہے گویا ابتداء مرض کے بعد انتہاء مرض کا ذکر ہو رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ثعلبہ کے بخل و جھوٹ۔ وعدہ خلافی کا تذکرہ ہوا کہ اس نے یہ تینوں جرم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی کرتے ہوئے کیے۔ جس سے اس کے جرم سخت ہو گئے۔ اب ارشاد ہے کہ اس بے ادبی کا ذکر پہلے ہوا اب اس بے ادبی کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے۔

مقصد نزول: پچھلی دو آیتوں کے شان نزول میں بتایا گیا کہ ثعلبہ ابن حاطب بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں زکوۃ لے کر حاضر ہوا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرما دی جس سے وہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ یہ آیت کریمہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل شریف کی تائید فرمانے کے لئے کہ آپ ﷺ نے ٹھیک کیا وہ یہ کام اخلاص سے کیسے کر سکتا تھا۔ ہم نے تو منافقت اس کے دل میں مرتے دم تک کے لئے لازم کر دی۔

تفسیر: فاعقبهم نفاقانی قلوبهم یہ عبارت پچھلی عبارت پر معطوف ہے لہٰذا اس کی ف عاطفہ ہے چونکہ ان اعمال کے فوراً بعد نفاق ان کے دلوں میں پیدا ہوا۔ اس لئے ف ارشاد ہوئی ثم نہ فرمایا گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہو اور ف جزائیہ ہو۔ عام مفسرین نے فرمایا کہ اعقب بنا ہے عقب سے بمعنی پیچھے ہونا۔ اعقاب پیچھے لانا۔ پیچھے کرنا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اودی نبی واعقبونی نفوۃ   بعد الرقاء وعبرۃ لاتقطع

اس شعر میں اعقبوا نی بنا ہے عقب سے (تفسیر کبیر) اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان جرموں کے بعد ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ مگر تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہ عقاب بمعنی سزا سے بنا ہے اور فاعل رب تعالیٰ رہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں نفاق کی سزا دی کہ ان کے دلوں میں دائمی نفاق پیدا کر دیا۔ خواجہ حسن بصری نے فرمایا کہ اعقب کا فاعل رب تعالیٰ نہیں بلکہ ان کی مذکورہ وعدہ خلافی اور جھوٹ وغیرہ ہے۔ ان کے نزدیک جیسے ترک نماز کفر ہے ایسے ہی یہ مذکورہ گناہ منافقت ہیں۔ مگر یہ قول بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ آگے ارشاد ہے۔ بما اخلفو الله اور بما کانوا یکذبون جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سب جرم سبب نفاق ہیں نہ کہ فاعل۔ اور ظاہر ہے کہ فاعل اور ہوتا ہے سبب کچھ اور یہاں تفسیر خازن، روح المعانی، کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ حسنؓ نے اس تفسیر سے رجوع کر لیا۔ جیسا کہ ہم انشاء خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے۔ نفاق سے مراد اعتقادی منافقت ہے۔ یعنی دل میں کفر زبان پر اسلام نہ کہ محض عملی منافقت یعنی منافقوں کے سے کام کرنا اسی لئے ارشاد ہوا الٰی قلوبھم یعنی نفاق دلی پیدا کیا۔

خیال رہے: کہ نفاق دوسرا مفعول ہے اعقب کا اور قلوبھم نفاقا کی صفت الیٰ انتہاء کے لئے ہے یوم سے مراد وقت ہے نہ کہ نہار یعنی رات کا مقابل یلقونہ سے مراد ان کی موت کا دن ہے اور ہ سے پہلے عذاب پوشیدہ ہے۔ کیونکہ بعد موت نہ کوئی کافر رہتا ہے نہ منافق سب توبہ کر کے اسلام قبول کرتے ہیں مگر وہ قبول کرنا معتبر نہیں نیز کفار اور منافقین نہ تو اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکیں گے نہ اس سے ملاقات۔ بلکہ مرتے وقت وہ اللہ کے عذاب سے ملتے ہیں۔ بما اخلفوا الله ما وعدوہ یہ عبارت متعلق ہے اعقب کے اس میں ب سببیہ ہے ور ما مصدریہ یا یعنی انہیں نفاق کی یہ سزا اس لئے ملی کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اس کے خلاف کیا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ رب تعالیٰ سے وعدہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ توڑنا رب تعالیٰ کا وعدہ توڑنا۔ اس لئے اخلفوا الله (الخ) اور ساتھ ہی ما وعدوہ ارشاد ہوا۔ وبما کانوا یکذبون یہ عبارت معطوف ہے۔ بما اخلفوا الله (الخ) پر یعنی اس وجہ سے بھی کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے جھوٹ کے عادی تھے۔

خیال رہے: کہ یہاں وعدہ سے تو وہ وعدہ مراد ہے لنصدقن ہم صدقہ وخیرات کریں گے اور جھوٹ سے مراد یا تو لنکونن من الصالحین میں جھوٹ بولنا مراد ہے کہ وعدہ کیا تھا نیک بن جانے کا مگر بنے بد۔ یا اس سے ان کا دائمی جھوٹ مراد ہے یعنی وہ جھوٹ بولنے کے عادی ہیں۔ (روح البیان) الم یعلموا ان الله یعلم سرھم ونجوھم اس فرمان عالی میں ان پر دوسرا عتاب ہے اس میں الف سوال انکاری کا ہے۔ سر سے مراد ان کے دلی عقیدے ہیں اور نجو سے مراد ان کی آپس کی سرگوشیاں اور مشورے۔ وہ دل سے کافر تھے۔ اور منہ سے کہتے تھے کہ زکوٰۃ ٹیکس کی طرح ظلم ہے۔ اس کا وصول کرنا ناجائز۔ کیا یہ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دلی بدعقیدگیاں اور آپس کی زبانی بکواس جانتا ہے۔ اس نے اپنے حبیب کو بھی ان پر خبردار کیا ہے۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین کفار کی توبہ قبول فرمائی کہ وہ اخلاص سے تھی۔ مگر ان کی زکوٰۃ قبول نہ کی وہ نفاق سے تھی۔

خیال رہے: کہ ان تمام میں صیغے اور ضمیریں جمع لانا اس لئے ہے کہ اس میں ثعلبہ کے گھر والے شامل کہ وہ اس کے تمام

حرکات میں معاون ومددگار تھے یا دوسرے منافقین مدینہ شامل ہیں جو ان کے ہم نوا تھے۔ اس کی ان حرکات کو پسند کرتے تھے۔ و ان اللہ علام الغیوب یہ فرمان عالی ان اللہ یعلم پر معطوف ہے اور یعلموا کا مفعول یعنی کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ سارے غیبوں کا جاننے والا ہے جو کچھ وہ کر چکے کہہ چکے یا کہتے اور کرتے ہیں یا کہیں گے اور کریں گے رب تعالیٰ کو سب کی خبر ہے۔ وہ لوگ یہ سب کچھ جانتے مانتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے انکاری نہیں مگر حرکات اس کے خلاف کرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے ثعلبہ کو اس کی مذکورہ حرکات کی سزا یہ دی کہ نتیجہ کے طور پر ان کے دلوں میں نفاق ایسا جاگزین کر دیا جو مرتے وقت تک اور عذاب ملنے تک ان کے دلوں میں قائم رہے انہیں کبھی توبہ کی توفیق نہ ملے یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بارگاہ نبوت میں کئے ہوئے وعدے خلاف کئے یعنی مال ملنے پر صدقہ وخیرات نہ کی اور اللہ سے جھوٹ بولتے رہے۔ انہیں میں سے ایک جھوٹ یہ تھا کہ ہم نیک وصالح بن جائیں گے مگر بنے بدکار ان پر خدا کی کیسی پھٹکار ہے۔ کیا انہیں خبر نہیں کہ رب تعالیٰ ان کے دلوں کے چھپے ہوئے برے عقیدے بھی جانتا ہے اور ان کی سرگوشیوں سے بھی خبردار ہے وہ تو سارے غیبوں کا جاننے والا ہے۔ اس کے علم غیب کی دلیل یہ ہے کہ اس کے محبوب نے ان کی لائی ہوئی زکوٰۃ قبول نہ فرمائی۔ ان کے اپنے سروں پر خاک ڈالنے کی پرواہ نہ کی وہ جانتے تھے کہ یہ سب کچھ منافقت سے کر رہے ہیں حالانکہ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدتر سے بدتر کفار کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ وہ توبہ اخلاص سے ہے یا اس میں آئندہ خلاص پیدا ہو جاوے گا۔ دیکھو فتح مکہ میں مولفۃ القلوب کا ایمان منظور کر لیا۔ کیونکہ انجام سے خبردار ہیں۔

لطیفہ: حضرت خواجہ حسن بصری فرماتے تھے کہ زکوٰۃ دینا۔ وعدہ خلافی کرنا۔ جھوٹ بولنا منافقت ہے اور ان جرموں کا مرتکب پکا منافق۔ ان کی دلیل یہ آیت تھی اور وہ حدیث کہ جس شخص میں یہ چار خصلتیں ہوں وہ منافق ہے۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو خلاف کرے۔ لڑے تو گالیاں بکے۔ امانت میں خیانت کرے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا بولا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جھوٹ بھی بولا۔ وجاء علی قمیصه بدم کذب وعدہ خلافی بھی کی۔ ان له لحافظون امانت میں خیانت بھی کی۔ آپ ﷺ انہیں منافق کہتے ہیں۔ انہیں یوسف علیہ السلام نے خواب میں ستاروں کی شکل میں دیکھا تھا۔ انی رایت احد عشر کوکبا حضرت حسن نے اس فرمان سے رجوع کر لیا پھر کبھی یہ نہ کہا (تفسیر کبیر خازن روح البیان وغیرہ)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: بعض گناہ کفر یا نفاق کا ذریعہ ہیں کہ ان کی نحوست سے آدمی آخرکار کافر یا منافق ہو جاتا ہے یہ فائدہ فاعقبهم نفاقا سے حاصل ہوا۔ ثعلبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہوئے وعدے خلافی سے منافق ہو گیا۔

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ مردوں کے دلوں میں نفاق پیدا فرماتا ہے ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے۔ جیسے بعض بیماریوں کی وجہ سے موت پیدا فرماتا ہے۔ یہ فائدہ بھی فاعقبهم نفاقا (الخ) سے حاصل ہوا کہ عقب کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔

تیسرا فائدہ: ثعلبہ مرتے وقت تک منافق رہا اور منافق مرا اس کا بار بار زکوٰۃ لانا اور سر پر خاک ڈالنا سب نفاق سے تھا یہ فائدہ الی یوم یلقونہ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دلوں کی گہرائیوں تک ہے وہ اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں۔ شعر

اے فروغت صبح آثار و دہور چشم تو بلبیدہ مافی الصدور

درنظر بودش مقامات العباد زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

دیکھو ثعلبہ کا بہت مال منظور نہ فرمایا اور ابو عقیل انصاری کے چار سیر جو نہایت خوشی سے منظور کئے یہ نفاق سے تھا وہ اخلاص سے۔ یہ آیت تو بعد میں آئی۔ حضور انور کی اس عمل شریف کی تائید کے لئے۔ نبی ہوتا ہی وہ ہے جو باخبر ہو۔

بندہ مٹ جائے نہ آقا پہ وہ بندہ کیا ہے بے خبر ہو جو غلاموں سے وہ آقا کیا ہے

پانچواں فائدہ: حضور انور سے وعدہ خلافی کرنا رب تعالیٰ سے وعدہ خلافی ہے یہ فائدہ بما اخلفوا اللہ وعدہ سے حاصل ہوا کہ ثعلبہ نے حضور انور سے وعدہ خلافی کو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے وعدہ خلافی کی۔ یوں ہی اس کے برعکس حضور انور سے وفاداری رب تعالیٰ سے وفا ہے۔ شعر

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

چھٹا فائدہ: غریبی میں خدا کو یاد کرنا امیری میں بھول جانا۔ منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ بما کانوا یکذبون سے حاصل ہوا ثعلبہ کے انجام سے عبرت پکڑو۔

ساتواں فائدہ: مانی ہوئی نذر پوری نہ کرنا منافقوں کا طریقہ ہے اس سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔ یہ فائدہ بھی بما کانوا یکذبون سے حاصل ہوا ثعلبہ کے انجام سے عبرت پکڑو۔

ساتواں فائدہ: مانی ہوئی نذر پوری نہ کرنا منافقوں کا طریقہ ہے اس سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔ یہ فائدہ بھی بما کانوا یکذبون سے حاصل ہوا۔ اولاً تو نذر مانو نہیں مگر جب مان لو تو پوری کرو۔ ثعلبہ کا انجام سامنے رکھو۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کا بڑا عذاب یہ ہے کہ بندہ ایمان۔ نیک اعمال سے محروم ہو جاوے۔ اور دنیاوی تکلیف تو اللہ کی رحمت بھی ہو جاتی ہے۔

نواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے سے نکالا ہوا کہیں امن نہیں پاتا۔ دیکھو ثعلبہ کی زکوٰۃ جب بارگاہ نبوت سے نکالی گئی تو نہ صدیق اکبر نے قبول کی نہ فاروق اعظم نے نہ عثمان غنی نے۔ اسے تو رب تعالیٰ بھی قبول نہیں کرتا۔

دسواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب رب تعالیٰ کے علم غیب کی دلیل ہے۔ بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صفت کمال رب ذوالجلال کی دلیل ہیں یہ فائدہ الم یعلموا ان اللہ یعلم (الخ) سے حاصل ہوا۔ ثعلبہ رب تعالیٰ کے علم کا منکر نہ تھا وہ حضور ﷺ کے علم کا انکاری تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مذکور منافقت سے لایا تھا۔

کامل عالم وہ ہے جو عالم بنا بھی سکے۔ کامل مالک وہ ہے جو مالک بنا بھی سکے۔ شعر

وہ ہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

پہلا اعتراض: یہاں اعقب کا فاعل رب تعالیٰ نہیں بلکہ ثعلبہ کا بخل اس کی وعدہ خلافی۔ جھوٹ وغیرہ ہے۔

نوٹ: یہ اعتراض معتزلہ کا ہے جو رب کو شر کا خالق نہیں مانتے۔ ان کے ہاں بندہ خود اپنے اعمال کا خالق ہے۔

جواب: یہ غلط ہے۔ کیونکہ بخل، جھوٹ، وعدہ خلافی تو نفاق پیدا ہونے کی وجہ ہے نہ کہ اس کا فاعل۔ دیکھو ارشاد ہوا بما اخلفوا اللہ ما وعدوہ بما کانوا یکذبون سبب فاعل نہیں ہوتا۔ ماں باپ ہماری خلقت کا سبب تو ہیں خالق نہیں۔

دوسرا اعتراض: معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں کفار و منافقین بھی رب سے ملاقات کریں گے۔ دیکھو ارشاد ہوا الی یوم یلقونہ اور ظاہر ہے کہ ملاقات دوست سے ہی کی جاتی ہے۔ لہٰذا کفار و منافقین بھی خدا کو پیارے ہیں۔

جواب: یہ غلط ہے یہاں اس دن سے مراد قیامت کا دن نہیں۔ بلکہ ان کی موت کا دن ہے۔ اور یلقونہ کے معنی ہیں رب کا عذاب پائیں گے رب فرماتا ہے یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا و نسوق المجرمین الی جھنم وردا متقی لوگ رب تعالیٰ سے وفد بن کر ملاقات کریں گے اور مجرمین میں سے اونٹوں کی طرح دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔

تیسرا اعتراض: بما اخلفوا اللہ ماضی مطلق ارشاد ہوا۔ بما کانوا یکذبون ماضی استمراری اس میں کیا فرق بیان کی وجہ کیا ہے۔

جواب: اس فرق کی وجہ ابھی تفسیر میں عرض کی گئی کہ ثعلبہ نے وعدہ خلافی تو صرف اس موقعہ پر کی تھی مگر جھوٹ بولنے کا پہلے سے عادی تھا۔ جھوٹ عام ہے مگر وعدہ خلافی خاص۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے اور ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ خلافی منافق ہے وعدہ خلافی نفاق فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ منافق ہے وہ جس میں یہ عیوب ہوں۔ بات کرے تو جھوٹ بولے امانت میں خیانت کرے۔ بڑے کو گلیاں بکے لہٰذا بے نماز کافر ہے وعدہ خلاف منافق۔ (خواجہ حسن بصری)

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ حدیث شریف میں منافقت سے مراد عملی نفاق ہے یعنی ایسا شخص منافقوں کے سے کام کرتا ہے۔ یہاں تفسیر کبیر نے یہ جواب بھی دیا ہے۔ کہ یہ عیوب خاص زمانہ نبوی میں نفاق تھے۔ جیسے اس زمانہ میں نماز چھوڑنا کفر کی خاص علامت تھی۔ جیسے آج کل چوٹی دھوتی کفر یعنی کفر کی علامت ہے۔

پانچواں اعتراض: ثعلبہ منافق تھا اس کی زکوۃ اور نذر شرعاً واجب الادا نہ تھی پھر اس کے پورا نہ کرنے پر معتوب کیوں ہوا۔

جواب: نذر مانتے وقت ثعلبہ مسلمان تھا۔ بعد میں منافق بنا۔ کافر بھی۔ اگر کسی عبادت اسلامیہ کی نذر مان لے اس پر بھی اس کو پورا کرنا لازم ہے کہ مسلمان ہو اور نذر پوری کرے۔

تفسیر صوفیانہ: بڑے سے بڑا متقی بالخیر سے پہلے اپنے پر اعتماد نہ کرے۔ ثعلبہ کا واقعہ تا قیامت عبرت ناک ہے۔ ابلیس نے اسی ہزار سال عبادات کیں مگر مارا گیا۔ (روح البیان) کبھی ایک چنگاری سارا گھر جلا دیتی ہے۔ ایسے ہی کبھی ایک گناہ ساری عبادات ضائع کر دیتا ہے۔ ابلیس کے ایک گناہ نے ہی اسے برباد کر دیا۔ عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ساری امتوں کے منافقین سے بدتر ایک حجاج ابن یوسف منافق ہے۔ یہاں روح البیان نے فرمایا آج کل کے سلطنت عثمانیہ کے وزراء حکام تمام جہان کے منافقین سے بڑھے ہوئے ہیں حتیٰ کہ یہ مردود جہاد کے موقعوں پر کفار سے رشوت لے کر انہیں فتح اور مومنین مجاہدین کو شکست دلاتے ہیں۔ خدا انہیں ہلاک کرے ان کے شر سے مسلمانوں کو بچائے۔ (روح البیان) شعر

گنج قاروں کہ فرو می برود قہر ہنوز ۔۔۔ خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشاں است

صوفیا فرماتے ہیں کہ اس بارگاہ میں زبانی دعویٰ نہیں دیکھا جاتا۔ وہاں دلی اخلاص پر نظر رہے۔ وہاں مال نہیں دیکھا جاتا۔ خرچ کرنے والے کی نوعیت کو دیکھا جاتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ
وہ لوگ جو طعنہ دیتے ہیں رغبت کرنے والوں کو مسلمانوں میں سے صدقات میں اور ان کو جو نہیں
اور جو عیب لگاتے ہیں ان مسلمانوں کو جو کہ دل سے خیرات کرتے ہیں اور ان کو جو نہیں پاتے
وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ
پاتے مگر مشقت اپنی کو پس مذاق کرتے ہیں ان سے بدلہ دے گا اللہ ان سے ہنسی کا اور
مگر اپنی محنت سے تو ان سے ہنستے ہیں اللہ ان کی ہنسی سزا دے گا اور ان کے لئے
اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۹﴾
واسطے ان کے عذاب ہے درد ناک
درد ناک عذاب ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: بہت دور سے منافقین کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ وہ مختلف قسم کے تھے اور ان کے عیوب بھی مختلف جن میں سے بہت قسموں اور ان کے عیوب کا ذکر پچھلی آیات میں ہو چکا۔ ان کی ایک قسم کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ثعلبہ منافق کا عیب بیان ہوا۔ بخل وعدہ خلافی جھوٹ۔ اب دوسرے منافقوں کا عیب بیان ہو رہا ہے۔ یعنی صحابہ کرام کی سخاوتوں پر طعنہ کرنا انہیں ریا کار وغیرہ بتانا گویا ان کے اپنے عیوب کا ذکر فرمانے کے بعد

مومنین میں عیب نکالنے کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔
تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقوں کا یہ عیب بیان ہوا کہ وہ بارگاہ رسالت میں گستاخ ہیں۔ اب یہ ذکر ہے کہ وہ حضرات صحابہ کی بارگاہ میں گستاخ ہیں۔ گویا گستاخی رسول پاک کے صحابہ کرام کے تمرے کا تذکرہ ہے۔ شان نزول غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو چندہ دینے کا حکم دیا تاکہ جہاد پر خرچ ہو۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق اپنا سارا مال حتی کہ سوئی دھاگہ بھی لے کر حاضر ہوئے جس کی قیمت چار ہزار درہم تھی۔ حضرت عمر اپنے سارے مال کا آدھا لے کر حاضر ہوئے۔ جب حضرت صدیق سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا عرض کیا اللہ رسول گھر والوں کے لئے کافی ہے۔ اور جب عمر سے پوچھا کہ تم نے گھر میں کیا چھوڑا عرض کیا کہ اتنا ہی جتنا یہاں حاضر کیا۔ فرمایا دونوں میں وہ ہی فرق ہے جو تمہارے کلاموں میں فرق ہے۔ حضرت عثمان غنی نے دس ہزار غازیوں کو سامان جہاد دیا۔ جس پر دس ہزار دینار خرچ کئے اور ایک ہزار دینار حضورؐ کی خدمت میں حاضر کئے تین اونٹ مع ان کے سامان کے پچاس گھوڑے حضورؐ نے فرمایا۔ اے عثمان! جو تم چاہو کرو۔ تم جنتی ہو چکے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف چار ہزار درہم لائے اور عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے آدھے یہاں لایا آدھے گھر رکھے۔ فرمایا جو لائے اور جو چھوڑ آئے اللہ دونوں میں برکت دے۔ ان کے مال میں اس قدر برکت ہوئی کہ بعض روایات میں ہے کہ ان کی چار بیویاں تھیں۔ ان کی وفات کے بعد انہیں آٹھواں حصہ میراث ملی تو ایک بیوی کو اسی ہزار درہم ملی۔ بعض میں ہے کہ ان کا چھوڑا ہوا کل مال تین لاکھ بیزار ہزار تھا۔ حضرت عاصم ابن عدی ایک سو وسق کھجوریں لائے۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اور ایک صاع ساڑھے چار سیر کا۔ مگر حضرت ابوعقیل انصاری جن کا نام شریف حجاب یا سہل ابن رافع ہے۔ وہ ایک صاع کھجوریں لائے اور بولے یارسول اللہ! آج رات میں نے باغ میں پانی دینے کی مزدوری کی' رات بھر کی مزدوری دو صاع کھجوریں ہوئیں۔ ایک صاع میں نے گھر چھوڑیں' ایک صاع یہاں لایا ہوں۔ حضورؐ انور نے ان کے اس معمولی صدقے کی ایسی قدر فرمائی کہ فرمایا ان کھجوروں کو سارے جمع شدہ مال پر چھڑک دو۔ کہ سب میں شامل ہو جائیں۔ ادھر حضورؐ انور کی یہ کرم نوازیاں ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف منافقین بیٹھے ہوئے ان چندہ دینے والوں پر آوازے کس رہے تھے۔ زیادہ لانے والوں کے متعلق کہہ رہے تھے کہ یہ ریاکاریاں ہیں۔ انہوں نے اتنا بڑا صدقہ چھپ کر یا متفرق طور پر کیوں نہ کیا حتی کہ ایک منافق نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ دکھلاوے کے لئے اتنا چندہ لائے تو آپؓ نے فرمایا کہ ہاں اللہ رسول کو دکھانے کے لئے لایا ہوں۔ دوسروں کو دکھانے کے لئے نہیں۔ اور حضرت ابوعقیل کے متعلق طعنہ دیتے ہوئے بولے کہ ان کے اس معمولی صدقہ کی اللہ رسول کو ضرورت نہیں' یہ صرف اپنے بڑوں کو چندہ والوں کے زمرہ میں داخل کرنے کے لئے لائے۔ اس موقعہ پر ان منافقین کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ان بے دینوں پر انتہائی غضب کا اظہار فرمایا گیا۔ (روح البیان' روح المعانی' خازن' کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ حضور انور ﷺ حضرت عثمانؓ سے اس قدر خوش تھے کہ اپنی صاحب زادی رقیہ کا نکاح ان سے کیا' غزوہ بدر کے بعد وفات پاگئیں تو حضرت ام کلثوم یعنی ان سے چھوٹی بیٹی کا

اح ان سے کر دیا۔ جب وہ بھی فوت ہو گئیں تو فرمایا کہ اگر میرے تیسری بیٹی ہوتی تو وہ بھی عثمان کے نکاح میں دیتا اس لئے
پ کو عثمان ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ کسی کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں نہ آئیں سوائے آپ کے۔ (روح البیان)
فسیر: الـذین یلمزون یہ فرمان عالی یا تو پوشیدہ منہم کی مبتدا ہے یا پوشیدہ ہم کو خبر۔ یلمزون بنا ہے۔ لمز سے بمعنی عیب
ا۔ طعنے دینا۔ اس کی تحقیق پہلے منهم من یلمزک فی الصدقات میں ہو چکی۔ رب فرماتا ہے ویل لکل همزة لمزة
ہاں لمز جمع لامز کی اسی لمز سے ہے۔ المطوعین من المومنین فی الصدقات یہ عبارت یلمزون کا مفعول بہ ہے
طوعین تھا۔ ت ت میں ضم ہو گئی۔ یہ بنا ہے طوع سے بمعنی خوشی اس کے مقابل کرھا بمعنی ناخوشی رب فرماتا ہے۔ طوعا اور
رحا تطوع نفلی عبادات کو بھی کہتے ہیں۔ اور بخوشی عبادت کرنے کو چونکہ نفلی عبادت مومن اپنی خوشی سے کرتا ہے وہ فرض نہیں
تی۔ اس لئے اسے تطوع کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد ہیں وہ لوگ جو بخوشی بہت زیادہ مال لائے تھے۔ چونکہ ہر صحابی اپنا صدقہ
لگ لائے تھے۔ اس لئے فی الصدقات جمع ارشاد ہوا یعنی بعض منافق وہ ہیں جو ان مومنوں کو طعنے دیتے ہیں عیب لگاتے
ں جو بخوشی بھاری بھاری صدقات حاضر کرتے ہیں۔ ان پر ریا کاری کا الزام لگاتے ہیں والـذین لایجدون الا جهدهم
ی یہ ہے کہ یہ عبارت معطوف ہے۔ المطوعین پر اور یلمزون کا مفعول الذین سے مراد وہ فقراء صحابہ ہیں جو تھوڑا سا چندہ
ئے تھے جهدهم پیش سے بھی آتا ہے۔ اور فتحہ سے بھی دونوں ہم معنی ہی ہیں۔ بمعنی مشقت یا مشقت سے حاصل کیا ہوا
تھوڑا سا مال۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جهد جیم کے پیش سے تھوڑی جز اور جیم کے فتح سے محنت مشقت (روح البیان و
عانی، کبیر) یعنی ان فقراء صحابہ کو بھی طعنے دیتے ہیں۔ جن کے پاس تھوڑا سا مال ہے جو محنت مزدوری سے حاصل کیا ہوا۔
یسخرون منهم یہ عبارت معطوف ہے یلمزون پر منهم میں هم کا مرجع وہ فقراء صحابہ ہیں جو تھوڑا چندہ لائے۔ یعنی ان
قراء صحابہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کہ آپ کیوں انگلی کاٹ کر شہیدوں میں داخل ہوئے۔ اور ہو سکتا ہے کہ الذین الخ) مبتدا،
و اور فیسخرون (الخ) خبر اور یہ نیا جملہ ہو۔ سخر الله منهم یہ ہے ان بدنصیب منافقوں کی دنیاوی زبانی سزا۔ سخر یعنی
ذاق کی سزا کو مذاق فرمایا گیا۔ اس کی تحقیق پہلے پارہ میں الله یستهزئ بهم میں ہو چکی چونکہ یہ سزا دنیاوی ہے۔ جس کے
ئے فنا ہے۔ اس لئے سخر ماضی ارشاد ہوا اور ممکن ہے اس سخر یہ سے مراد ان منافقوں کی وہ ذلت و خواری اور مذاق ہو جو مومنین
ن پر کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔ جیسے رب کی طرف نسبت کیا گیا۔ ولهم عذاب الیم یہ ان منافقوں کی اخروی سزا
ہے چونکہ اس کے لئے دوام ہے اس لئے اسے جملہ اسمیہ سے بیان فرمایا۔ یعنی اس طعنہ مذاق کا بدلہ خود یہ چندہ دینے والے
لیں بلکہ اس کی دنیاوی سزا تا قیامت ان کا مذاق اڑایا جانا اور اخروی سزا دوزخ کی دائمی سزا خود رب تعالیٰ انہیں دے گا۔
یونکہ اپنے محبوب اور محبوب کے غلاموں کا بدلہ خود رب تعالیٰ لیتا ہے۔
خلاصہ تفسیر: منافقین وہ بد باطن لوگ ہیں۔ کہ جب غزوہ تبوک کے موقعہ پر مالدار صحابہ نہایت ہی فراخ دلی سے بہت
ی رقم چندہ میں لاتے ہیں تو یہ انہیں عیب لگاتے ہیں ان پر طعنہ بازی کرتے ہیں کہ لوگ نام و نمود دکھاوے کے لئے لائے
یں۔ نہ کہ رضاء الٰہی کے لئے اگر رضاء الٰہی کے لئے لاتے تو خفیہ دیتے علانیہ کیوں لائے۔ اور جب فقراء صحابہ محنت مزدوری

کر کے تھوڑی رقم حاضر کرتے ہیں تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں کہ بارگاہ الٰہی میں ایسی معمولی چیز لانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو اپنے گھر میں رہتے اور اپنا یہ مال اپنے پاس سنبھال کر رکھتے تو اچھا تھا۔ ان منافقوں کو رب تعالیٰ دنیا میں بھی سزا دے گا کہ تاقیامت ان کی بدنامی ہوگی ان کا مذاق اڑایا جاوے گا اور آخرت میں ان کے لئے دائمی دردناک عذاب ہے۔ جس سے کبھی چھٹکارا نہیں۔ اپنے پیاروں کا بدلہ ہم خود لیتے ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: بعض صورتوں میں نفلی صدقہ علانیہ کرنا بالکل جائز بلکہ بہتر ہے جب کہ مقصود یہ ہو کہ دوسرے لوگ بھی صدقہ دیں۔ لہٰذا چندہ کے موقعہ پر اعلان صدقہ جائز ہے۔ یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول اور حضرت صدیق اکبر کی پہل فرمانے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: نیکی میں ابتداء اور پہل کرنا سنت صدیقی ہے کہ غزوہ تبوک کے اس مذکور چندے میں پہل آپ نے ہی کی۔

تیسرا فائدہ: سارا مال اللہ کی راہ میں خیرات کر دینا اور گھر میں صرف اللہ رسول کا نام باقی رکھنا ہر شخص کو جائز نہیں۔ رب فرماتا ہے ومما رزقنھم ینفقون ہاں جو خود اور اس کے بال بچے حضرت صدیق اکبر اور ان کے بال بچے کے رنگ میں رنگا ہو وہ سب کچھ راہ خدا میں لٹا دے۔

چوتھا فائدہ: نیک اعمال حضور ؐ کو دکھانے انہیں راضی کرنے کے لئے نہ شرک ہے نہ ریا بلکہ قبولیت کا ذریعہ ہے۔ یہ فائدہ بھی اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا کہ حضرت عمر نے منافقین کو جواب دیا۔ کہ میں نے یہ چندہ اللہ رسول کو دکھانے کے لئے دیا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ جیسے خدا کو راضی کرنے کے لئے اعمال کرنا ریا نہیں یوں ہی حضور ؐ انور کو۔

پانچواں فائدہ: حضرت صحابہ پر بدگمانی کرنا ان کے نیک اعمال میں شبہ کرنا' انہیں ریاکار جاننا منافقوں کا طریقہ ہے۔ ایسے لوگ منافق ہیں۔ یہ فائدہ فیسخرون منھم سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: حضرات صحابہ کے کسی عمل کا مذاق اڑانا کفر اور طریقہ منافقین ہے۔ یہ فائدہ فیسخرون منھم (الخ) سے حاصل ہوا۔ ان کا دسیر جو خیرات کرنا ہمارے پہاڑ بھر سونے کی خیرات سے افضل ہے (حدیث شریف)

ساتواں فائدہ: مذکور صدقے واجب صدقے نہ تھے۔ بلکہ نفلی صدقے اور چندہ تھے۔ یہ فائدہ المطوعین سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے۔ کہ زکوٰۃ وغیرہ واجب صدقے غریبوں پر نہیں ہوتے۔ نیز صدقہ واجبہ میں نصاب اور صدقہ کی تعداد مقرر ہوتی ہے وہاں سارا مال آدھا خیرات کرنے کے کیا معنی۔

آٹھواں فائدہ: غریب کا تھوڑا صدقہ وخیرات جب کہ اخلاص سے ہو غنی کے زیادہ صدقے سے بفضلہٖ تعالیٰ کم درجہ والا نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضور ؐ انور نے حضرت ابو عقیل کی آدھا صاع کھجوریں تمام حضرات کے صدقات پر چھڑکوا دیں یعنی ان کے برابر کر دیں۔

نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کا بدلہ خود لیتا ہے۔ یہ فائدہ الاجہدھم سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین نے حضرات صحابہ کو طعنہ دیا۔ رب نے ان سے بدلہ لیا صحابہ نے خود بدلہ نہ لیا۔ شعر

دشمن نے تیرے جو پُو بھی کہا اللہ نے اس کا جواب دیا — پر تو نے پلٹ کر کچھ نہ کہا تیری شرم و حیا کا کیا کہنا

دسواں فائدہ: جیسا جرم ویسی اس کی سزا یہ فائدہ سخر اللہ منھم سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین نے ایک بار حضرات صحابہ کو طعنہ تا قیامت ان پر لعن طعن ہوتی رہے گی۔ یہ ہے سخر اللہ منھم کا ظہور رب تعالیٰ ان بزرگوں کی ثناخوانی کی توفیق دے۔

گیارھواں فائدہ: غزوہ تبوک میں چندہ دینے والے حضرات مومن متقی ہیں انہیں کافر یا منافق کہنا کفر ہے۔ یہ فائدہ مطوعین اور مومنین فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ رب نے انہیں مومن بھی کہا اور مطوع متقی بھی۔ لہٰذا حضرات صدیق و فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم مومن متقی صحابی ہیں۔

پہلا اعتراض: منافقین نے ایک بار حضرات صحابہ پر طعنہ کیا مگر رب نے فرمایا یلمزون یا فرمایا یسخرون جو طعنہ دیتے ہیں جو مذاق اڑاتے ہیں جس سے دوام معلوم ہوتا ہے یہ کیونکر درست ہوا۔

جواب: ان بدنصیبوں نے ہر صحابی پر طعن کیا۔ لہٰذا یہ طعن بہت سے ہوئے اور بہت دیر تک رہے نیز ایک بار طعن ویسے ہی کفر ہے جیسے بارہا طعن کرنا۔ نیز تا قیامت ایسے بدنصیب بے دین پیدا ہوتے رہیں گے جو حضرات صحابہ پر طعن کیا کریں گے ان سب کی یہی سزا ہوگی۔ ان وجوہ سے یلمزون اور یسخرون مضارع ارشاد ہوا۔

دوسرا اعتراض: یہاں ایک دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی المطوعین من المومنین فی الصدقات صرف المتصدقین فرمانا کافی تھا۔

جواب: اس فرمان عالی میں ان صحابہ کے بہت سے فضائل ارشاد ہوئے۔ ۱۔ یہ صدقہ پر واجب نہ تھا۔ وہ خوشی سے نفلی صدقہ بڑے ہی اہتمام سے لائے تھے۔ ۲۔ وہ حضرات پکے سچے مخلص مومن ہیں ان میں ریا۔ نفاق کو بو بھی نہیں (من المومنین) ۳۔ وہ حضرات مختلف قسم کے صدقات لائے۔ کوئی گھر کا سارا مال کوئی آدھا مال کوئی ہزاروں روپیہ کوئی نقدی کوئی اور سامان جنگ وغیرہ (فی الصدقات) یہ فضائل صرف المصدقین فرمانے سے معلوم نہیں ہو سکتے تھے

تیسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کی دو سزائیں بیان فرمائیں ایک تو ماضی سے سخر اللہ منھم دوسری جملہ اسمیہ سے لھم عذاب الیم اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ سخر اللہ میں دنیاوی عذاب کا ذکر تھا جو فانی ہے اور لھم عذاب الیم میں اخروی سزا کا تذکرہ ہے جو دائمی ہے اس فنا و دوام کا فرق دکھانے کے لئے ذکر میں فرق کیا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کے پیاروں کا ہر عمل اللہ کو پیارا ہے۔ ان کی ہر نسبت اللہ کو پیاری ہے۔ ان کا دشمن رب کا دشمن ہے۔ ان کا دوست اللہ کا دوست اللہ کا ہے۔ رب تعالیٰ کو حضورؐ انور پیارے حضرات صحابہ حضورؐ کو پیارے۔ ان کے صدقات و

خیرات و اعمال ان حضرات کو پیارے۔ اس نسبت سے حضرات صحابہ اور ان کے اعمال خدا کو پیارے ہیں۔ تا قیامت جو کوئی ان صحابہ ان کے اعمال سے محبت کرے وہ اللہ کو پیارا ہے۔ اور جو ان کا دشمن ہے وہ اللہ کا دشمن ہے۔ ان پیاروں کی تعریف کرو۔ اللہ سے اس کی مخلوق سے اپنی تعریف کرالو۔ دنیا تم سے محبت کرے گی۔ ان پیاروں سے عداوت ہو تو خدا بھی اس کا دشمن ہے۔ مخلوق بھی اس کی دشمن۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ تمسخر یعنی ہنسی مذاق اڑانے سے پاک ہے۔ مگر اللہ کے بندوں کا ہنسی اڑانا ان منافقین کا مذاق اڑانا رب کی طرف سے منسوب کیا گیا۔ ان لوگوں پر ہمیشہ مسلمانوں کی پھٹکار پڑنا رب کی طرف سے مار ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ
بخشش مانگیں آپ واسطے ان کے یا نہ بخشش مانگیں آپ واسطے ان کے اگر بخشش مانگیں آپ واسطے
تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو تو اللہ ہر گز انہیں نہ بخشے گا یہ اسلئے
مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
ان کے ستر دفعہ پس ہر گز نہیں بخشے گا اللہ انہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ کفر کیا انہوں نے اللہ کا
کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے منکر ہوئے اور اللہ فاسقوں
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ ع
اور پیغمبر کا اس کے اور اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم بدکار کو
کو راہ نہیں دیتا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ حضرات صحابہ کرام کی توہین بدترین جرم ہے۔ جس کی سزا دنیا و آخرت میں ملے گی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے۔ کہ یہ ایسا سنگین جرم ہے کہ اس کی معافی بڑی سے بڑی شفاعت یعنی آپ کی دعا مغفرت سے بھی نہیں ہو سکتی۔ گویا پچھلی آیت میں ایک نوعیت سے اس جرم کی سنگینی بیان ہوئی۔ اب دوسری نوعیت سے بیان ہو رہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں صحابہ پر تبرا کرنے کو بدترین جرم قرار دیا گیا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کی نحوست کا یہ حال ہے۔ کہ اس سے توبہ کی توفیق نہیں ملتی گویا جرم ہونے کا ذکر پہلے ہوا منحوس ہونے کا ذکر اب ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں صحابہ پر تبرا کرنے والوں کو منافق کہا گیا۔ الذین یلمزون (الخ) اب ارشاد ہے کہ ان پر تبرا اللہ رسول کا انکار اس کا کفر ہے۔ ان کا دشمن اللہ رسول کا کافر ہے۔ کفروا باللہ و رسولہ ۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ ۱؎ جب حضرات صحابہ پر تبرا کرنے والے منافقین کے متعلق گذشتہ آیت آئی تو وہ لوگ حضورؐ انور کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر معافی مانگنے لگے۔ اور عرض کیا۔ کہ ہم سے قصور ہو گیا۔ حضورؐ ہمارے لئے دعا مغفرت کر دیں۔ حضورؐ انور نے ان کے لئے دعا کرنی چاہی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر روح البیان خازن روح المعانی کبیر وغیرہ) ۲؎ عبداللہ بن ابی منافق کا بیٹا جس کا نام حباب تھا اور حضورؐ انور کی بارگاہ میں حاضر وہ کر دعا مغفرت کی درخواست کرتے تھے فقط اپنے نفاق کو چھپانے کے لئے جب ان کا باپ یعنی ابن ابی منافق مرض موت میں گرفتار ہوا تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے باپ کے لئے دعا مغفرت فرمادیں۔ حضورؐ انور نے ان کی دل جوئی کے لئے اس کے حق میں دعا مغفرت کی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس ابن ابی کے مرجانے پر حضورؐ انور سے انہیں عبداللہ نے عرض کیا کہ حضورؐ میرے باپ کو اپنی چادر شریف عطا فرمادیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھیں حضورؐ انور نے منظور فرمایا۔ جب اس کی نماز جنازہ پڑھانے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ حضورؐ یہ تو منافق تھا۔ فرمایا مجھے رب نے ابھی منافقوں کے لئے دعا مغفرت سے منع نہیں فرمایا ہے۔ بلکہ اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر ستر بار بھی ان کی بخشش کی دعا کرو گے ہم نہیں بخشیں گے۔ میں ستر سے زیادہ بار دعا کروں۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ **سواء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم** (تفسیر روح المعانی)۔ پھر بعد میں وہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **و لا تصل علی احد منهم مات ابدا و لا تقم علی قبره** (خازن بیضاوی) جس کے بعد کفار منافقین کے لئے دعاء مغفرت ممنوع ہو گئی۔ ۳؎ منافقین اپنا نفاق چھپانے کے لئے طرح طرح کے بہانے بناتے تھے کہ اس کام میں ہماری یہ مصلحت ان اردنا الا الحسنی۔ حضورؐ انور اپنے کرم کریمانہ سے ان کے لئے دعاؤ مغفرت فرمادیتے تھے اس پر آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر: **استغفر لهم او لا تستغفر لهم** اس فرمان عالی کا مقصد یا تو حضورؐ انور کو اس عمل شریف کی اجازت دینا ہے تب اس سے پہلے ایک شرط پوشیدہ ہے۔ ان شئت یعنی اگر آپ چاہیں تو منافقوں کے لئے دعا مغفرت کریں۔ اگر چاہیں تو نہ کریں' آپ پر کوئی اعتراض نہیں۔ یا مقصد یہ ہے کہ آپ کی دعا سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ان کے لئے آپ کا دعا فرمانا نہ فرمانا برابر ہے تو اس سے پہلے **سواء علیهم** پوشیدہ ہے جیسے **انفقوا طوعا و کرها** (تفسیر روح المعانی) خیال رہے کہ ان بدنصیبوں کے لئے دعا کرنا حضورؐ انور کو بھی مفید ہے کہ حضورؐ کو اس پر ثواب ملتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ کے اخلاق کریمانہ دیکھ کر لوگ ایمان قبول کر لیتے ہیں ہاں ان بدنصیبوں کے لئے برابر ہے کہ حضور کی دعا سے انہیں فائدہ نہیں پہنچتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **سواء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم** یا جیسے **سواء علیهم و انذرتهم ام لم تنذرهم** ان میں **علیهم** فرما کر یہ ہی بتایا کہ ان کے لئے دعا کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ آپ کو اجر ملے گا۔ **ان تستغفر لهم سبعین مرة** یہ فرمان عالی پچھلے فرمان عالی کو گویا تفسیر ہے۔ **سبعین** کے معنی ہیں ستر اس سے مراد تو یہ خاص عدد ہے یا اس سے مراد ہے بے شمار۔ اہل ستر سے مراد بے شمار لیا کرتے ہیں۔ کیونکہ ستر میں ایک ایسی خصوصیت ہے جو دوسرے عددوں میں

نہیں۔ جیسا کہ ان شاء اللہ فوائد میں عرض کیا جائے گا۔ یعنی اے محبوب اگر آپ ان منافقوں کے لئے ستر بار بار بھی دعا مغفرت فرمادیں۔ فلن یغفر اللہ لھم اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ یہاں بھی حضور انور کی جزا سے سکوت ہے۔ کیوں کہ حضور کو اس پر بھی ثواب ملے گا۔ کیونکہ آپ کی دعا بھی تبلیغ ہے نیز دعا عبادت ہے۔ چنانچہ عبداللہ ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھ دینے پر بہت سے منافق ایمان خالص لے آئے کہ اس میں حضور کے اخلاق کریمانہ کا ظہور تھا۔ اس فرمان عالی پر شبہ ہوتا تھا۔ کہ شاید حضور انور کی دعا ہی بے کار ہے رب تعالیٰ آپ کی نہیں مانتا۔ آپ کی دعا سے کسی کو نہیں بخشتا۔ اس شبہ کو دور فرمانے کی لئے ارشاد ہوا۔ ذالک بانھم کفروا باللہ ورسولہ اس فرمان عالی میں ذلک مبتدا ہے بانہم (الخ) ذلک سے اشارہ لن یغفر اللہ (الخ) کی طرف ہے۔ بانھم میں ب سببیہ ہے ھم سے مراد حضرات صحابہ پر تبرا کرنے والے وہی منافقین ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا کفروا بمعنی انکروا ہے یعنی اے محبوب ان کی بخشش نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں۔ کہ آپ کی دعا کی ہمارے ہاں وقعت و عزت نہیں۔ آپ کی دعا بلکہ آپ کی ہر ادا قبول ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ مردود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول دونوں کے انکاری ہیں۔ کیونکہ ہم اور آپ دونوں ان صحابہ کی تعریف و توصیف کرتے ہیں۔ یہ ان کی توہین کرتے تہمت لگاتے ہیں۔ تو ان کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ رسول سچے نہیں (نعوذ باللہ) ہم سچے ہیں۔ پھر یہ لوگ صرف معمولی درجے کے کافر نہیں بلکہ کفر میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں یعنی فاسق ہیں اور رب کا قانون یہ ہے کہ واللہ لایھدی القوم الفاسقین اللہ تعالیٰ اس حد سے بڑھنے والی کافر قوم کو ایمان یا نیک اعمال کی ہدایت (توفیق) نہیں دیتا اور آخرت میں انہیں جنت تک پہنچنے کی راہ نہیں دکھائے گا۔ وہ نہیں چاہتا کہ حضرات صحابہ کے تبرے باز دشمن اس کی رحمت پائیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ منافقین آپ کے صحابہ کی نیکیوں کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے والے ان پر آوازے کسنے والے ان پر تبرا کرنے والے ہماری بارگاہ میں ناقابل معافی ہیں آپ اپنے رحم رحیمانہ اور کرم کریمانہ کی بنا پر دعاء مغفرت کریں۔ ان کے لئے برابر ہے۔ اگر آپ ستر بار بھی ان کی بخشش کی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ اس کے نہ بخشنے کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کی دعا یا استغفار میں تاثیر نہیں یا ہم آپ کی مانتے نہیں۔ بلکہ وجہ یہ ہے کہ لوگ اللہ رسول کے منکر ہیں۔ کیوں کہ ہم اور آپ ان حضرات صحابہ کی تعریفیں کرتے ہیں ان کے ایمان و تقویٰ کی گواہی دیتے ان کے جنتی ہونے کی خبر دیتے ہیں اور یہ لوگ صرف کافر نہیں بلکہ کفر میں حد سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھے کافروں کو ہدایت نہیں دیتا جس سے وہ منزل مقصود پر پہنچیں!

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دشمنان صحابہ ان پر طعن کرنے والے ان کے نیک اعمال کو شبہ کی نگاہ سے دیکھنے والے ایسے مجرم ہیں کہ ان کے لئے پیغمبر کی دعا بھی مفید نہیں۔ یہ فائدہ استغفر اور لاتستغفر (الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ اس کا مقصود منافقوں کے لئے دعا رسول کا فائدہ نہ دینا ہو۔

دوسرا فائدہ: اولاً اسلام میں منافقین کے لئے دعاء مغفرت کرنا ممنوع نہ تھا یہ فائدہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے حاصل

ہوا جب کہ اس فرمان کا مقصد حضور انور کو اس دعا کا اختیار دینا ہو۔ اس صورت میں یہ فرمان عالی منسوخ ہے اس کی ناسخ وہ آیت ہے۔ ولا تصل علیھم

تیسرا فائدہ: اس زمانہ میں حضور کی دعا سے منافقین کو تو فائدہ نہ تھا مگر حضور انور کو اس پر ثواب ضرورت ملتا تھا۔ کہ جائز دعا کرنا عبادت ہے خواہ اپنے لئے ہو یا دوسرے کے لئے۔ یہ فائدہ بار بار مہم فرمانی سے حاصل ہوا۔ جیسے سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم کہ جن کے ایمان سے مایوسی ہو انہیں تبلیغ کرنا بھی باعث ثواب ہے۔

چوتھا فائدہ: حضرات صحابہ کا منکران پر تبرے کرنے والا کافر مطلق ہے یہ فائدہ بانھم کفروا باللہ و رسولہ سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان منافقوں نے اس وقت اللہ رسول کا انکار نہیں کیا تھا۔ مگر رب نے انہیں اپنا اور اپنے رسول کا انکاری فرمایا۔ وجہ ظاہر ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

کلا وعد اللہ الحسنی ان سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمالیا اور فرمایا رضی اللہ عنہم اللہ ان سے راضی ہو چکا اور فرمایا سیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکی اس دوزخ سے دور رہے گا وہ سب سے بڑا متقی (الخ) حضور انور نے تمام صحابہ کے جنتی ہونے کا عموماً اور بعض صحابہ کی خصوصاً نام بنام جنت کی بشارت دی۔ اب صحابہ کرام کو برا کہنے والا ان آیات اور حضور انور کی ان بشارات کو غلط سمجھتا ہے۔ اس لئے موجودہ تبرائی اس قرآن کو نقلی قرآن یا مصحف عثمانی کہتے ہیں۔ ان کے اصل میں قرآن امام مہدی غار میں لئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ قریب قیامت آئیں گے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید نے دشمن صحابہ کے سوا کسی کو نام لے کر کافر نہ کہا ایک جگہ فرماتا ہے لیغیظ بھم الکفار یہاں فرمایا کفروا باللہ و رسولہ

پانچواں فائدہ: اللہ والوں سے عداوت کرنے والوں کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی نہ وہ بخشا جائے۔ یہ فائدہ فلن یغفر اللہ لھم اور لا یھدی القوم الفاسقین سے حاصل ہوا۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے کافر سے رسول کا کافر بدتر ہے۔ جب بھی عذاب آیا رسول کے کافر پر آیا۔ اللہ کے کافر پر نہ آیا۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا شعر

ہیچ کافر راخدا رسوانہ کرد تا دل صاحب دلے نامد بدرد

چھٹا فائدہ: ستر کا عدد بڑا ہی عظیم الشان عدد ہے کیوں کہ یہ سات کی دہائی ہے۔ اور سات وہ پہلا عدد ہے۔ جو طاق اور جفت دونوں کی جمع ہے کہ اس میں تین تو طاق ہیں ۳۔۵۔۷ اور تین ہی جفت ۲۔۴۔۶ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب امیر حمزہؓ پر نماز جنازہ پڑھی تو اس میں ۷۰ ستر تکبیریں کہیں۔ (خازن و کبیر) سات کی اہمیت تو معلوم ہے کہ آسمان بھی سات ہیں زمین بھی سات۔ سمندر بھی سات لہٰذا سات کی دہائی یعنی ستر بھی اہم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام طور پر اپنی قوم کے ستر آدمی ہی لے گئے۔ اختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا لمیقاتنا اور دوسری بیعت عقبہ میں ستر ہزار انصار نے حضور انور کے ہاتھ شریف پر بیعت کی۔ اسی بیعت پر ہجرت ہوئی۔ (خازن کبیر و مدارک) اسی عظمت کے اظہار کے لئے یہاں سبعین مرۃ ارشاد ہوا۔ اسی لئے اہل عرب کسی عدد کی زیادتی بیان کرنے کے لئے سبعین یعنی ستر یا ستر ہزار کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ فی سبیل اللہ خیرات کرنے والوں کے متعلق فرمایا مثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل

سنبلة مأۃ کہ ان کی خیرات کی مثال اس دانہ کی سی ہے جس سے سات بالیاں پیدا ہوں ہر بالی میں سو سو دانہ۔

پہلا اعتراض: جب کفار و منافقین کے لئے دعا مغفرت کرنا جائز ہی نہیں تو یہ کیوں فرمایا گیا کہ آپ ان کے لئے دعاء مغفرت کریں یا نہ کریں ناجائز چیز میں اختیار نہیں ہوتا۔ صاف یہ فرمانا چاہئے تھا کہ ان کے لئے دعا نہ کریں۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیری معلوم ہو چکا کہ یہ آیت کریمہ اس وقت کی ہے۔ جب منافقین کے لئے دعا مغفرت ممنوع نہ تھی۔ پھر اس آیت سے منع ہوئی۔ ولا تصل علی احد منھم مگر ان کے لئے بیکار اس وقت بھی تھی۔ اسی کا یہاں بیان ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے کوئی فائدہ نہیں۔ حضورؐ کی دعا سے رب تعالیٰ نہیں بخشتا۔ دیکھا فرمایا گیا کہ اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی دعا کریں ہم جب بھی نہیں بخشیں گے پھر تم لوگ ان کی دعا کی آس کیوں لگائے بیٹھے ہو۔

جواب: جی ہاں حضورؐ کی دعا کافر و منافقین کے لئے فائدہ مند نہیں۔ اس لئے کہ وہ بخشش کے لائق نہیں چگادڑ کی آنکھ سورج سے روشنی حاصل نہیں کر سکتی۔ اگر معترض بھی انہیں میں سے ہے تو واقعی اسے حضور اکرم سے نفع نہیں پہنچے گا۔ ہم گنہگاروں کے متعلق رب نے اپنے حبیب کو فرمایا وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم اے محبوب اپنے غلاموں کے لئے دعا رحمت کرو۔ اور فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے تمہارے پاس آ جاویں اور آپ ان کے لئے دعا مغفرت بیکار ہے اور یہ خبر تھی کہ ہمارے لئے باعث ثواب ہے اور یہ بھی خبر تھی کہ اس دعا کے ذریعہ بہت سے کفار ہمارے اخلاق کریمانہ دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ یہ بھی خبر تھی کہ ہم رحمۃ للعالمین ہیں۔ ہمارا کام ہر ایک پر برستا رحم کرنا۔ کوئی فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ جیسے حضورؐ انور جانتے تھے کہ بعض کفار ایمان نہیں لائیں گے جیسے ابوجہل وغیرہ۔ رب نے فرمایا بھی دیا تھا کہ سواء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون مگر پھر بھی حضورؐ انور نہیں تبلیغ فرماتے تھے۔ رب نے فرمایا۔ بلغ ما انزل الیک من ربک اور البلاغ وعلینا الحساب

چوتھا اعتراض: یہاں ستر فرمانا بیان زیادتی کے لئے ہے۔ پھر حضورؐ انور نے یہ کیوں فرمایا کہ ستر سے زیادہ بار دعا کریں گے۔

جواب: یہ فرمان عالی انتہا کرم نوازی کی بناء پر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مجھے رب نے ابھی اس سے منع فرمایا۔ ستر بار دعا کا بے کار ہونا ارشاد ہوا ہے۔ اچھا ہم زیادہ دعا کریں گے۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس بچے کو سو روپے کی دوا بھی مفید نہیں اب اس کی موت قریب ہے۔ ماں تڑپ کر کہے کہ اچھا سوا سو روپیہ کی دوا دے دو یہ قول انتہائی محبت کا ہے۔ وہ بچے کی زندگی پر حریص ہے۔ حضور ایمان قوم پر حریص نہیں حریص علیکم ہم لینے کے حریص حضور دینے کے حریص اللھم صلی وسلم و بارک علیک

پانچواں اعتراض: ان منافقین نے حضرات صحابہ کے صدقات پر طعن کیا تھا کہ زیادہ لانے والے کو ریاکار کہا اور تھوڑا

لانے والے کی ہنسی اڑائی نہ تو اس وقت رب تعالیٰ کا انکار کیا نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ پھر رب تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا۔ کفروا باللہ ورسولہ۔ یہ فرمان الٰہی کیونکر درست ہوا۔

جواب اللہ رسول پر ایمان لانے والے کی حقیقت یہ ہے۔ کہ ان کے ہر فرمان ہر کلام کو صحیح مانا جاوے۔ اگر ان کی ایک بات کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور حضور رسالت کا انکار کر دیا۔ ان حضرات صحابہ کے ایمان۔ اخلاص۔ عمل کی قبولیت کی گواہی رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان عالی میں بہت طرح دے دی۔ اولئک ھم الصادقون یا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ یا کہ یوتی مالہ یتزکی وغیرہ اب ان بدنصیبوں کا ریاکار وغیرہ کہنا ان تمام آیات وفرمان نبوی کا کھلا ہوا انکار ہے۔ لہٰذا وہ اللہ رسول کے منکر تا قیامت صحابہ کے ایمان واخلاص کے منکر ہیں۔ اللہ رسول کے منکر ہیں اور اول درجے کے کافر ہیں۔

چھٹا فائدہ: اسلام کا قانون ہے کہ ہر گناہ حتی کہ کفر وشرک کی بھی توبہ ہے۔ اگر اسلام میں بھی کوئی گناہ ناقابل توبہ ہے تو اسلام اور آریہ دھرم میں فرق کیا ہوا۔ فرماتا ہے۔ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا مگر یہاں اس کا الٹ ہے۔ کہ منافقوں کا جرم ایسا ناقابل معافی ہے کہ اگر حضور بھی ان کے لئے ستر بار دعا مغفرت کریں تو بھی ان کے لئے بخشش نہیں۔

جواب: واقعی اسلام میں ہر گناہ ہر کفر ہر قسم کا شرک قابل بخشش ہے۔ مگر جب کہ اس سے صحیح توبہ کی جائے۔ ہر جرم کی توبہ علیحدہ ہے لیکن بعض گناہ ایسے ہیں۔ کہ ان کی نحوست سے مجرم کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ وہ توبہ کرتا ہی نہیں۔ انہیں میں سے مذکور منافقوں کو یہ مذکورہ جرم ہے توبہ قبول ہونا اور چیز ہے۔ اور توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ وہ توبہ کرتا ہی نہیں۔ انہیں میں سے مذکورہ منافقوں کا یہ مذکورہ جرم ہے توبہ قبول ہونا اور چیز ہے۔ اور توبہ کی توفیق نہ ملنا رب کے دروازے پر نہ جھکنا کچھ اور چیز۔ اگر وہ خود توبہ نہ کریں حضور انور ان کی درخواست پر ان کے لئے دعاء مغفرت کریں تو وہ کیسے قبول ہو۔ اس لئے دوسرے مقام پر ہے۔ فاستغفر اللہ واستغفر لھم الرسول پہلے مجرم کی استغفار پھر نبی کی شفاعت۔

ساتواں اعتراض: یہاں ارشاد ہے کہ اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ مگر دوسرے مقام پر اس کے خلاف ہے۔ اللہ ہدایت دیتا ہے۔ رسول کریم ہدایت دیتے ہیں قرآن ہدایت دیتا ہے۔ آیات میں تعارض ہے۔

جواب: ان آیات میں ہدایت سے مراد رہبری راہ دکھانا یہاں ہدایت سے مراد ہے۔ انہیں قبول کی توفیق دے کر منزل مقصود پر پہنچانا۔ رب تعالیٰ نے اس کے رسول اس کی کتاب نے راہ حق سب کو دکھادی مگر قبول کی توفیق کسی کسی کو دی۔ جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا۔ وہ کسی طرح بھی راہ پر نہیں آتے۔ توبہ کی توفیق نہیں پاتے۔

تفسیر صوفیانہ: محبوب کے حسن اور محب کے تقاضا محبت میں فرق عظیم ہے۔ محبوب کا حسن غیر اختیاری ہوتا ہے مگر محب کا تقاضا محبت یہ ہے کہ محبوب کے دشمن پر بھی کرم نہ کرے۔ حضور انور کی رحمت عامہ کا اثر یہ ہے کہ دشمنوں کا فروں موذیوں خون کے پیاسوں کے لئے بھی دعا مغفرت کرتے ہیں۔

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں۔

ان منافقوں کے لئے دعا مغفرت فرما دینا اس رحمۃ عامہ کی بنا پر ہے۔ کتا بھونکتا ہوا چاند پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر چاند اس کے پھیلے ہوئے منہ میں بھی نور ڈال دیتا ہے۔

مہ فشاند نور سگ عوکند ہر کسے بر طینت خودی تند

اس آیت میں حسن غیر اختیاری اور تقاضاء محبت دونوں کا تذکرہ ہے کہ محبوب تم تو اپنے دشمن کو بھی دعائیں ہی دیتے ہو مگر ہم نہیں چاہتے کہ تمہارے دشمن ہماری جنت میں جائیں۔ ہم انہیں ہرگز نہیں بخشیں گے۔ اس میں حضورؐ انور کی دعا کا رد نہیں۔ بلکہ محبوبیت کا اظہار ہے۔ کہ محبوب تو ہمارے پیارے اور حضرات صحابہ تمہارے پیارے لہٰذا وہ بھی ہمارے پیارے ان کا دشمن تمہارا دشمن تمہارا دشمن ہمارا دشمن۔ ہم انہیں کسی صورت سے جنت میں داخل نہ کریں گے۔ خیال رہے کہ دعا کرانے اور دعا لینے میں بڑا فرق ہے۔ جس نے نبی کی دعا لے لی۔ وہ دونوں جہان تر گیا۔ دعا کرانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو عرض و معروض کر کے دعا کرائی جائے۔ دوسرے نبی کو ستایا پریشان کیا پھر منافقت سے دعا کرانے آ گئے۔ انہوں نے اخلاص کریمانہ سے زبانی دعائیہ کلمات کہہ دیئے وہ قبول نہیں کہ یہ دعا نہیں بلکہ موذی کو دفع کرنے کا طریقہ ہے۔ یہاں یہ تیسری قسم کی استغفار ہے۔ فرزندان یعقوب نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا **یاابانا استغفرلنا** ابا جان ہمارے لئے دعا مغفرت کریں۔ فرمایا **سوف استغفر لکم ربی** ابھی آئندہ عنقریب کروں گا۔ یہ ہی مقصد تھا کہ جب تم میری دعا لو گے مجھے میرے یوسف کے پاس پہنچاؤ گے تب دعا کروں گا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جیسے مقبولین خدا کے در کا دھتکارا ہوا رجسٹری شدہ کافر ہوتا ہے وہ کبھی مومن ہو سکتا ہی نہیں **لن یغفر اللہ لھم** ایسے ہی ان کا منظور نظر رجسٹری شدہ مومن ہوتا ہے۔ کبھی کافر ہو سکتا ہی نہیں **بفضلہ تعالیٰ لھم مغفرۃ اجر عظیم** اللہ ان سے دور نہ کرے۔ شعر

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے بے کسی لوٹ لے کر خدا نہ کرے

انہیں مقبول نظر لوگوں کے متعلق ارشاد ہے **اولئک کتب اللہ فی قبولھم الایمان** اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا۔ کھود دیا جو مٹ سکتا ہی نہیں۔ ایمان نقش کرنے والی نگاہ ولی ہے۔ اس لے اولیاء کے سرتاج شاہ بہاء الدین کا لقب ہی۔ نقشبند دل میں ایمان نقش کر دیں ے والے۔ شعر

اے شاہ نقشبند تو نقش مرا بہ بند نقشے چناں بہ بند کہ گویند نقش بند

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ

خوش ہو گئے پیچھے رکھے ہوئے بوجہ بیٹھ رہنے ان کے پیچھے رسول اللہ کے اور ناپسند کیا انہوں نے

پیچھے رہ جانے والے اس پر خوش ہوئے کہ رسول کے پیچھے بیٹھ رہے اور انہیں گوارا نہ ہوا کہ اپنے

يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا

یہ کہ جہاد کریں مالوں سے اپنے اور جانوں سے اپنے راستہ میں اللہ کے اور کہا انہوں نے

مال و جان سے اللہ کی راہ میں لڑیں اور بولے اس گرمی میں نہ نکلو تم فرما دو جہنم کی آگ

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا

نہ نکلو گرمی میں فرما دو کہ آگ دوزخ کی بہت سخت گرم ہے اگر ہوتم سمجھتے بس چاہیے

سب سے سخت گرم ہے کسی طرح انہیں سمجھ ہوتی تو انہیں چاہیے کہ تھوڑا انہیں

يَفْقَهُوْنَ ۞ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا

انہیں تھوڑا اور روئیں زیادہ سزا اس کی جو وہ

اور بہت روئیں

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۞

کسب کرتے تھے

بدلہ اس کا جو کماتے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقین کے کفریہ اقوال کا ذکر ہوا یعنی مومنین صحابہ پر طعن کرنا۔ اب کے کفریہ افعال و اعمال کا تذکرہ ہے۔ یعنی غزوہ تبوک میں نہ جانا اور اس پر خوش نہ ہونا۔ جانے والے مخلصین کو بے وقوف سمجھنا گویا قولی کفر کے بعد عملی کفر کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقوں کے مومنوں کو جہاد میں صدقہ وخیرات کرنے سے عملی طور پر روکنے کا ذکر ہوا۔ اب خود مومنین کو جہاد میں جانے سے قولاً روکنے کا تذکرہ ہے۔ لاتنفروا فی الحر گویا جہاد مال سے روکنے کے بعد جہاد میں جانے سے روکنے کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ منافقوں کو ہدایت نہیں دے گا۔ اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے۔ کہ دیکھو انہیں رب تعالیٰ نے غزوہ تبوک کا موقعہ دیا مگر یہ منحوس نہ گئے۔ ایسا بے مثال موقعہ دیا۔ یہ ہے ہدایت نہ ملنے کا ظہور۔

نزول: سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہونے لگے تو لوگوں کو ساتھ روانگی کا حکم دیا اس وقت سخت گرمی تھی باغوں میں کھجوریں پکی ہوئی تھیں جنہیں توڑنا تھا تو بعض منافقین تو بیماری وغیرہ کا

بہانہ بنا کر مدینہ منورہ میں رہ گئے۔ اور بعض نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گرمی سخت ہے سفر دراز ہے ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے' ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں (تفسیر خازن) معلوم ہوتا ہے کہ وہ بدنصیب اپنی اس حرکت پر خوش ہوئے کہ ہم تدبیر کر کے رہ گئے۔

تفسیر: فرح المخلفون فرح بنا ہے فرحۃ سے' بمعنی دلی خوشی یہ جائز بلکہ عبادت بھی ہوتی ہے اور حرام بلکہ کفر بھی۔ اللہ کی نعمتوں پر خوشی بھی عبادت ہوتی ہے۔ جیسے بقر عید۔ حج وغیرہ کی خوشی۔ حضور انور کے میلاد کی' معراج کی خوشی' رب تعالی فرماتا ہے قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا بیٹے کی پیدائش۔ دنیا کے عیش و آرام پر خوشی جائز ہے۔ اگر شکر کے طور پر ہو تو ثواب مگر گناہ پر خوشی یا فخر حرام ہے۔ نبی کی تکلیف پر خوشی کفر ہے۔ رب فرماتا ہے۔ لاتفرح ان اللہ لایحب الفرحین یہاں یہ آخری قسم کی دو خوشیوں میں سے کوئی خوشی مراد ہے۔ مخلفون بنا ہے تخلیف سے بمعنی پیچھے چھوڑے۔ اس لئے میت کے متروکہ مال کو بھی مخلف کہا جاتا ہے۔ یہ بنا ہے بمعنی تخلف سے بمعنی پیچھے مخلفون پیچھے کئے ہوئے یا پیچھے چھوڑے ہوئے۔ اس سے مراد وہ منافقین ہیں جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے۔ مدینہ منورہ میں ہی حضور انور اور نمازیوں کے پیچھے رہ گئے۔ انہیں یا تو حضور انور نے ہی اجازت دے کر چھوڑ دیا۔ تاکہ غزوہ میں فساد نہ پھیلائیں۔ یا رب تعالی نے انہیں پیچھے رکھا۔ جانے کی ہمت نہ دی یا ان کے آرام طلب نفسوں نے یا ابلیس نے دھوکا دے کر پیچھے رکھا۔ ان وجوہ سے انہیں فرمایا گیا۔ بہر حال وہ پیچھے خود نہ رہے بلکہ رکھے اور چھوڑے گئے۔ یہ لفظ خلافت بمعنی نیابت سے نہیں بلکہ خلف سے ہے۔ یہ بات خیال میں رہے بمقعدھم اس فرمان عالی کا تعلق فرح سے ہے۔ اس میں ب سببیہ ہے۔ مقعد مصدر میمی بمعنی بیٹھ رہنا۔ یہ بیٹھنا کھڑے ہونے یا لیٹنے کا مقابل نہیں بلکہ جانے کا مقابل ہے۔ یعنی ٹھہر جانا۔ مدینہ منورہ میں رہ جانا مراد ہے۔ خلاف رسول اللہ اگر یہ خلاف بمعنی خلف ہے (پیچھے) جیسے۔ لایلبثون خلافک الا قلیلا تو یہ مقعد کا ظرف ہے۔ اور اگر بمعنی مخالف ہے تو مقعد کا مفعول لہ یا خالفوا پوشیدہ کا مفعول مطلق ہے (روح المعانی۔ بیان۔ خازن۔ وغیرہ) یعنی رسول اللہ کے پیچھے رہ جانے سے یا حضور انور کی مرضی کے خلاف کر کے رہ جانے سے یا انہوں نے محبوب کی پوری مخالفت کی۔ بہر حال اس فرمان عالی سے ان صحابہ کو علیحدہ رکھ دیا گیا۔ جو حضور انور کے حکم سے حضور کے نائب ہو کر مدینہ منورہ میں رہے۔ جیسے حضرت علی یا حضرت عبداللہ ابن ام مکتوب یا اور معذور صحابہ۔ وکرھوا ان یجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ یہ عبارت معطوف ہے۔ فرحوا (الخ) پر یہاں فرح کا مقابلہ کرہ سے عجیب لطف دے رہا ہے جس میں بتایا گیا کہ یہ مومنین مخلصین کے بالکل مقابل ہیں۔ مخلصین کو جہاد کرنے سے فرحت بیٹھ رہنے سے کراہت ہے۔ ان مردودوں کو اس کے برعکس بیٹھ رہنے سے فرحت اور جہاد کرنے سے کراہت و نفرت ہے۔ چونکہ جہاد کے لئے جانا بھی جہاد ہے۔ خواہ جنگ ہو یا نہ ہو اس لئے یجاھدوا فرمانا بالکل درست ہوا۔ ورنہ تبوک میں کفار سے جنگ نہ ہوئی تھی۔ مجاہد غازی مال خرچ کر کے جان دے کر جہاد کرتا ہے۔ اس لئے باموالھم اور انفسھم فرمانا بالکل موزوں ہے یعنی یہ لوگ جہاد میں مال خرچ کرنے کو نقصان اور جان دینے کو ہلاکت سمجھتے ہیں۔ سفر جہاد کو محض تکلیف اس لئے جہاد میں جانے سے نفرت

وکراہت کرتے ہیں۔ کراہت فطری بھی ہوتی ہے۔ جیسے موت سے ڈر لگتا ہے اور اختیاری بھی۔ یہاں اختیار کراہت مراد ہے یہ منافقین کا تیسرا عیب مذکور ہے جو قول ہے ظاہر ہے کہ قالوا کا فاعل سارے وہ منافقین ہیں جو غزوہ تبوک سے بیٹھ رہے تھے۔ مگر محمد ابن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ کہنے والا صرف ایک شخص تھا یعنی سلمہ تھا یعنی سلمہ کا چونکہ دوسرے منافقین اس کے ہمنوا تھے اس نے قالوا جمع ارشاد ہوا۔ بہر حال منافقوں نے یا تو آپس میں ایک دوسرے سے یہ کہا کہ آج کل گرمی سخت ہے سفر دراز ہے ہماری کھجوریں پختہ ہو چکی ہیں۔ ان کا توڑنا ہے نہ توڑی گئیں تو برباد ہو جائیں گی۔ یا غزوہ میں جانے والے مسلمانوں سے یہ کہتا ہے تا کہ وہ بھی ہمت ہار کر بیٹھ جائیں اور یہ عذر کر دیں تنفروا بنا ہے نفر سے بمعنی روانگی یا نکلنا یعنی سخت گرمی میں جہاد کے لئے نہ جاؤ۔ کیونکہ موسم بھی سخت گرم ہے اور تبوک گرم جگہ ہے۔ قل نار جهنم اشد حرا ظاہر یہ ہے کہ قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اور روئے سخن انہیں بہانہ باز منافقین سے یعنی اے محبوب آپ ان بہانہ باز منافقین سے کہہ دو کہ دوزخ کی آگ کی گرمی اس موسم کی گرمی سے کہیں زیادہ ہے۔ کہ دنیا کی آگ سے دوزخ کی آگ ستر گنا زیادہ تیز ہے تم اسوقت بلا وجہ جہاد میں نہ جانے سے اسکی آگ کے مستحق ہو گے۔ اس معمولی عارضی گرمی سے بچ کر اس سخت اور دائمی آگ کے مستحق کیوں بنتے ہو۔ لو کانوا یفقھون یہ فرمان عالی شرط ہے جس کی جزا پوشیدہ ہے یعنی اگر یہ لوگ یہ بات کو سمجھتے ہوتے تو آپ کے حکم کی مخالفت اور ایسے نازک موقع پر گھر بیٹھ رہنے کی جرأت نہ کرتے۔ لہذا اس کی ف جزائیہ ہے تمسک سے مراد منافقین کا مجاہد غازی مسلمان پر ہنسنا ہے کہ یہ لوگ بے وقوف ہیں ہم عقل مند پالیسی والے۔ تو قلیل سے مراد مسلمانوں غازیوں کی واپسی تک کا زمانہ ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ہنسی سے مراد ان کا عمر بھر اپنی منافقت اور چالاکیوں پر خوش ہونا ہو۔ چونکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابل بہت تھوڑی ہے لہذا انہیں قلیل فرمایا گیا۔ ان دو تفسیروں کی بنا پر بہت رونے کی بھی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ نمازیوں کے تبوک سے واپسی تک یہ ہنس لیں پھر عمر بھر روتے رہیں گے۔ اپنی منافقت کھل جانے سے لوگوں میں بدنام ہو جانے ان کی لعن طعن کی وجہ سے دوسرے یہ کہ دنیا میں ہنسی خوشی رہ لیں۔ اپنی چالاکیوں پر ناز کر لیں پھر بعد موت ہمیشہ روئیں گے۔ بہر حال یہ دونوں امر بمعنی خبر ہیں۔ دوسری تفسیر زیادہ قوی ہے۔ کہ اگلا مضمون اس کی تائید کرتا ہے۔ جزاء بما کانوا یکسبون ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی گذشتہ دونوں فعلوں کا مفعول بہ ہے چونکہ یہ منافقین دن رات بری حرکتیں کرتے تھے۔ اس لئے کانوا یکسبون ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی گذشتہ دونوں فعلوں کا مفعول بہ ہے چونکہ یہ منافقین دن رات بری حرکتیں کرتے تھے۔ اس لئے کانوا یکسبون ماضی استمراری ارشاد ہوا (روح المعانی) یعنی ان کے یہ دونوں کام ان کی بدعملیوں کی سزا کی بنا پر ہیں۔

خلاصہ تفسیر: وہ منافقین جن کو شیطان یا ان کے نفس امارہ کی آرام طلبی نے غزوہ تبوک سے بٹھا دیا۔ وہ رسول اللہ کے پیچھے یا ان کے حکم کے خلاف بیٹھ رہنے پر بڑے خوش ہوئے اور دونوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے نفرت کی۔ اور آپس میں یا مومنین سے کہا کہ اس سخت گرمی میں مدینہ سے نہ نکلو بہت تکلیف اٹھاؤ گے اس سے کہیں زیادہ گرم ہے اور دائمی ہے اگر وہ یہ سمجھ لیتے تو ایسی بات کبھی نہ کہتے خیال رکھیں کہ یہ لوگ بہت تھوڑے مدت ہنسیں گے خوش ہوں گے۔ اور بعد دراز مدت یعنی

ابدالآباد تک اپنے کئے پر روئیں گے یہ بدلہ ہوگا ان کے اپنے کمائے ہوئے اعمال کا جو وہ دن رات کماتے رہے۔ خیال رہے کہ رونا گیارہ قسم کا ہے خوشی کا رونا' غم کا رونا' رحمت کا رونا' خوف کا رونا' فریب کا رونا' موافقت کا رونا کہ کسی کو روتے دیکھا خود بھی رونے لگا' محبت کا رونا' گھبراہٹ کا رونا' ظلم وضعت کا رونا' شوق کا رونا' منافقت کا رونا روتی شکل بنانا دو طرح کا ہے اچھا اور برا وقت قلبی حاصل کرنے کے لئے یہ اچھا ہے ریاکاری کے لئے یہ برا ہے۔ (روح البیان)

روایت ہے کہ حضرت ابوخیثمہ بھی غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے جب حضور انور کو ملنے صحابہ کرام گئے ہوئے کچھ دن ہو گئے تو ایک دوپہر کے وقت یہ اپنے باغ میں گئے جہاں ان کے دو مکان تھے۔ ہر مکان میں ان کی ایک ایک بیوی تھی۔ گرمی تیز تھی گھر میں چھڑکاؤ کیا ہوا تھا۔ پانی کے ٹھنڈے گھڑے بھرے رکھے تھے۔ گوشت بھن رہا تھا' آٹا گوندا ہوا تھا یہ اپنا سامان عیش دیکھ کر رو پڑے۔ بولے یہ انصاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تپتی ریت میں ہوں اور میں درختوں کے سایہ میں ٹھنڈے پانی میں ہوں یہ کہہ کر تبوک کی طرف چل پڑے اور حضور انور سے جا ملے یہ نہایت اعلیٰ کفارہ ہے۔ (روح البیان)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: گناہ پر خوش ہونا اس پر فخر کرنا کفر ہے۔ یہ فائدہ فرح کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ خوشی سے مراد ان منافقوں کا اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہونا ہو۔

دوسرا فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کی تکلیف پر خوش ہونا سخت جرم ہے۔ حضور انور حضرات صحابہ کے رنج وغم وتکلیف پر خوش ہونا کفر یہ فائدہ بھی **فرح المخلفون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ فرحت سے ان منافقوں کا صحابہ کرام کی تکلیف پر خوشی منانا مراد ہو۔ بعض بدنصیب دسویں محرم کو حضرت امام حسین کی شہادت کی خوشی مناتے ہیں۔ بعض اٹھائیسویں ذی الحجہ کو حضرت عمر کی شہادت پر خوشی مناتے ہیں۔ دونوں بے دین ہیں۔ وہ اس آیت سے عبرت پکڑیں اس کے برعکس حضور انور کی ولادت یا معراج پر بزرگوں کی خوشی کی یادگار میں خوشی منانا عبادت ہے۔ رب فرماتا ہے: **قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا۔**

تیسرا فائدہ: حضور انور کی ناراضگی لے کے مدینہ منورہ میں رہنا گناہ ہے۔ اگر حضور مدینہ منورہ سے باہر رہنے یا باہر جانے پر راضی ہوں تو باہر رہنا جانا ثواب ہے۔ یہ فائدہ **بمقعدھم** سے حاصل ہوا کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرات صحابہ تبوک میں گئے۔ منافقین مدینہ منورہ میں رہے مگر صحابہ کرام پر رحمتیں ہوئیں۔ منافقین پر غضب

چوتھا فائدہ: اس موقعہ پر حضور انور کے حکم سے غزوہ میں شریک نہ ہونا مدینہ منورہ میں رہ جانا عین ایمان وعبادت تھا یہ فائدہ خلف رسول اللہ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ خلاف سے مراد مخالفت ہو۔ جو حضور انور کے فرمان کی مخالفت کرتے ہوئی مدینہ منورہ میں رہ گئے۔ ان پر عتاب ہے چنانچہ حضرت علیؓ کو حضور انور نے حکم دیا۔ کہ تم یہاں مدینہ میں رہو۔ انہوں نے تبوک کو ساتھ جانے کی درخواست کی' تو فرمایا کہ تم اس وقت میرے ایسے خلیفہ ہو جیسے حضرت ہارون موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ عارضی ہوئے تھے۔ یوں ہی حضرت عبداللہ ابن مکتوم کو وہاں چھوڑا۔ مسجد نبوی کی امامت کے لئے یہ رہ جانا

اور طرح کا ہے۔
پانچواں فائدہ: ایمان کی برکت سے نیک اعمال پر دلیری ہوتی ہے۔ اور کفرو نفاق سے کم ہمتی۔ یہ فائدہ و کرھوا ان یجاھدوا (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو غزوہ تبوک میں حاضر مخلصین پر آسان تھی مگر منافقین پر سخت دشوار فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین پر عشاء اور فجر کی نماز بھاری ہے۔ جب فرعونی جادوگر مسلمان ہو گئے تو فرعون سے بالکل بے خوف ہو کر بولے فاقض ما انت قاض۔ ج و تجھ سے ہو سکے کر لے۔ جسے گناہ آسان ہو نیکیاں بھاری سمجھو اوس کے دل میں نفاق ہے۔
چھٹا فائدہ: مومن کو چاہئے کہ وہ منافق کی صحبت سے دور بھاگے۔ یہ ہزار بہانوں سے نیکیوں سے روکتا ہے یہ فائدہ لاتنفروا فی الحر سے حاصل ہوا۔
ساتواں فائدہ: دوزخ میں ہمیشہ رہنا وہاں بہت رونا کفار و منافقین کے لئے ہے۔ جس سے ان شاء اللہ گنہگار مومن محفوظ ہوں گے۔ یہ فائدہ ولیبکوا کثیرا سے حاصل ہوا۔ چنانچہ منافقین دنیا کی عمر کے برابر وہاں آنسوؤں سے روئیں گے پھر خون سے۔ حتی کہ ان کے رخساروں پر آنسوؤں سے نالیاں بن جائیں گی سزایافتہ فاسق مومن تو وہاں جل کر کوئلے ہو چکے ہوں گے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔
آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کسی شخص کو بغیر جرم دوزخ میں سزا نہ دے گا۔ یہ فائدہ جزاء بما کانوا یکسبون سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہ ظلم ہے اور رب تعالیٰ سے پاک۔ ان اللہ لایظلم مثقال ہاں وہاں بعض کو بغیر نیک عمل جنت دے گا کہ یہ کرم ہے۔
پہلا اعتراض: اس فرمان عالی میں منافقوں کو مخلفین کیوں فرمایا گیا۔ وہ تو متخلفین تھے۔ یعنی پیچھے رہ جانے والے نہ کہ مخلفین۔ یعنی پیچھے چھوڑے جانے والے۔ انہیں کسی نے پیچھے نہیں چھوڑا تھا۔
جواب: تاکہ معلوم ہو کہ وہ خود بخود پیچھے نہیں رہے۔ بلکہ شیطان نے انہیں پیچھے رکھا۔ یا ان کی حرکتوں کی وجہ سے رب نے انہیں پیچھے رکھا۔ غزوہ میں شرکت کی ہمت نہ دی۔ تاکہ وہاں جا کر فساد نہ پھیلائیں۔ دیکھو جادوگروں کے سجدے کے متعلق ارشاد ہوا۔ والقی السحرۃ ساجدین جادوگر سجدہ میں گرائے گئے۔ وقعوا نہ فرمایا کیوں کہ وہ سجدہ میں نہ گرے رب کی توفیق نے گرایا۔
دوسرا اعتراض: یہاں مخلفون کے ساتھ خلاف رسول اللہ کیوں فرمایا۔ یہ معنی تو صرف مخلفون سے حاصل ہو چکے تھے۔ جب وہ بیٹھ رہے تو حضور سے پیچھے ہی رہے۔ جو حکم سے رہے وہ حضور کے ساتھ رہے۔
جواب: یہ بتانے کے لئے ان کا پیچھے رہنا جرم نہ تھا۔ بلکہ حضور انور کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے پیچھے رہنا جرم تھا۔ جو حضور کے حکم سے مدینہ منورہ میں رہے وہ مجرم نہ ہوئے۔ بلکہ انہیں ثواب ملا گویا مخلفین دو طرح کے تھے۔ ایک مخالف دوسرے موافق۔
تیسرا اعتراض: اس کے بعد کرھوا ان یجاھدوا (الخ) کیوں ارشاد ہوا۔ یہ بات تو مخلفون سے معلوم ہو گئی تھی۔

جواب اس فرمان عالی میں منافقوں کے پیچھے رہ جانے کی وجہ ارشاد ہوئی یعنی دل سے جہاد سے نفرت کرنا اسے بے فائدہ کا بوجھ سمجھنا یہ کفر ہے۔ صرف سستی کر کے رہ جانا گناہ تھا کفر نہ تھا جیسے کعب ابن مالک وغیرہم کا رہ جانا جس کا واقعہ آئندہ آوے گا۔

چوتھا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر منافقین سمجھیں تب تو دوزخ کی آگ بہت گرم ہے ورنہ نہیں ارشاد ہوا نار جھنم اشد حرا لو کانوا یفقھون حالانکہ وہ آگ بہر حال گرم ہے۔ جواب لو کانوا یفقھون کی جزا پوشیدہ ہے یعنی اگر وہ سمجھتے ہوتے تو ایسا جرم نہ کرتے۔ اشد حرا اس کی جزا نہیں اس لئے حرا پر۔ ط علامت وقف ہے۔

پانچواں فائدہ: اس آیت میں فلیضحکوا اور ولیبکوا دونوں امر ہیں۔ تو کیا منافقوں کو ہنسنے اور رونے کا حکم دیا گیا۔ ہنسنا تو کفر تھا اور رونا اس کی سزا۔ یہاں دونوں کے لئے امر کیوں ارشاد ہوا جواب۔ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ دونوں امر بمعنی خبر ہیں یہ ہنسیں گے کم اور روئیں گے زیادہ۔ یا تو دنیا میں بھی روئیں گے یا آخرت میں ہی۔ امر فرما کر بتایا کہ یہ ہونا ضروری و لازمی ہے۔ رب کے امر لازم الوقوع ہوتے ہیں ضرور ہو کر رہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ان آیات میں منافقین کے چند جرم بیان ہوئے تاکہ تا قیامت مخلصین ان سے بچیں۔ حضورؐ انور کے حکم کے خلاف مدینہ میں رہ جانا' تبوک نہ جانا' اس جرم پر دل سے خوش ہونا اپنی چالاکی پر ناز کرنا' مالی یا جانی جہاد کو دل سے ناپسند کرنا کہ بلاوجہ کی تکلیف ہے' لوگوں کو جہاد سے ڈرانا' انہیں روکنے کی کوشش کرنا' انہیں رہ جانے کے بہانے سکھانا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو کہ گرمی سخت ہے جگہ دور ہے پھل پکے ہوئے ہیں۔ انہیں توڑنا ہے ہم بیمار ہیں۔ سفر کے قابل نہیں وغیرہ۔ یہ پانچوں چیزیں کفر ہیں۔ اگر حضورؐ مدینہ میں رہنے سے ناراض ہوں۔ تو وہاں رہنا گناہ بلکہ کفر ہے۔ وہاں سے نکلنا عبادت ایمان ہے۔ ان کی رضا ایمان ہے۔ جہاں رہنے سے میسر ہو۔ ایسی حالت میں مدینہ میں رہنے پر خوش ہونا بھی کفر ہے۔ کہ یہ حضورؐ انور کی مخالفت پر خوشی ہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اس وقت جو لوگ حضورؐ کے حکم سے مدینہ میں رہے۔ وہ حضورؐ انور کے ساتھ ہی ہیں۔ اگرچہ وہ مدینہ میں تھے۔ اور حضور تبوک میں منافقین دور رہے۔ اس لئے ان کے لئے خلاف رسول اللہ ارشاد ہوا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر کام اپنے وقت پر اچھا ہوتا ہے۔ دنیا جگہ محنت کی عبادت کی رونے کی' آخرت جگہ آرام کی انعام کی اور بخشنے کی ہے۔ یہاں عبادت والی ہنسی ہنسو نہ غرور والی ہنسی۔ حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام کو چند نصیحتیں کر کے وداع کیا علیہم السلام مخلوق کے سامنے مجاہدت نہ کرو۔ بلاضرورت کہیں مت جاؤ' زیادہ نہ ہنسو کہ اس سے دل مردہ ہوتا ہے اپنی خطا پر روؤ کہ آنسوؤں سے دوزخ کی آگ بجھتی ہے۔ خوف خدا کا ایک آنسو ہزار دینار خیرات کرنے سے افضل ہے۔ اس آنسو کو کپڑے سے نہ پونچھو بلکہ ہاتھ سے منہ پر مل لو۔ (از روح البیان) بہتر ہے کہ وضو کا داڑھی کا پانی اور نماز میں گریہ وزاری کا پانی ملے جلے منہ پر پھریں۔ خواجہ حسن بصری ایک جوان پر گزرے جو بے تحاشا ہنس رہا تھا فرمایا اے جوان کیا تو بخریت ایمان لے کر دنیا سے نکل گیا۔ بولا نہیں۔ کیا تو قبر کے امتحان میں کامیاب ہو گیا بولا نہیں کیا تو بخریت پل صراط سے گزر گیا بولا نہیں کیا تو نے اپنے آپ کو جنتی ہونے دوزخ سے بچنے کا یقین کر لیا بولا نہیں فرمایا پھر کس چیز

پر ہنستا ہے وہ جوان پھر مرتے دم تک نہ ہنسا۔(روح البیان)

فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ

پس اگر لوٹائے آپ کو اللہ طرف ایک ٹولے کے ان میں سے پس وہ اذن مانگیں آپ سے

پھر اے محبوب اگر اللہ تمہیں ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے اور وہ تم سے جہاد کیلئے جہاد

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ إِنَّكُمْ

واسطے نکلنے کے تو فرما دو ہرگز نہیں نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور ہرگز نہیں جہاد کرو گے

سے نکلنے کی اجازت مانگے تو تم فرمادو کہ تم کبھی میرے ساتھ نہ چلو اور ہرگز میرے ساتھ

رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

میرے ساتھ کسی دشمن سے تحقیق تم راضی ہو گئے بیٹھ رہنے سے پہلی بار پس بیٹھو ساتھ بیٹھنے والوں کے

کسی دشمن سے نہ لڑو تم نے پہلی دفعہ بیٹھ رہنا پسند کیا تو بیٹھ رہو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقین کی یہ بدنصیبی بیان ہوئی ذکر کہ غزوہ تبوک میں چلنے کی دعوت دی گئی مگر وہ نہ گئے اب ان کی بدنصیبی کا ذکر ہے کہ آئندہ وہ خود جہاں میں جانے کی اجازت چاہیں گے۔ مگر انہیں لے جایا جاوے گا۔ گویا نہ جانے کا ذکر پہلے ہوا اور نہ جانے کا ذکر اب ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں یہ ذکر تھا کہ منافقین غزوہ تبوک کے موقعہ پر اس میں حاضری کے شرف سے محروم رہے۔ اب ارشاد ہے کہ وہ آئندہ غزوات کی شرکت سے محروم کر دیئے گئے۔ گویا ان کے ایک منحوس کام کا ذکر پہلے ہوا اس کی نحوست کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ کہ وہ اس جرم کی وجہ سے آئندہ تمام جہادوں سے محروم کر دیئے گئے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ذکر تھا کہ منافقین ہنس لیں گے تھوڑا روئیں گے زیادہ اس میں احتمال تھا کہ آخرت میں زیادہ نہ روئیں گے یا دنیا میں اس آیت کریمہ نے اس کی تفسیر فرمادی کہ دنیا میں بھی زیادہ روئیں گے اس کی وجہ یہ ہوگی کہ آئندہ انہیں جہادوں میں شرکت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ جس سے ان کی منافقت پورے طور پر ظاہر ہو جاوے گی۔ اور وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ اکیلے گھروں میں رویا کریں گے۔

مقصد نزول: اس آیت کریمہ میں غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضور انور کو غیبی خبر دی گئی ہے کہ آپ کی اس غزوہ سے واپسی کے موقعہ پر چیہ بہانہ خود منافق اپنی پیشانی کی کالک چھوڑانے کے لئے تقیہ عرض کریں گے کہ اس بار تو ہم نہ جا سکے اگلے

جہادوں میں ہم حضور انور کے ساتھ ضرور چلا کریں گے تو ان کو منع فرما دینا کہ اب تم کو کسی جہاد میں شرکت کرنے کی اجازت نہیں اب تک ہم تم کو مناتے تھے تم نہیں مانتے تھے اب تم ہم کو مناؤ گے ہم نہیں مانیں گے۔ گویا دنیا میں ہی حشر کا نمونہ تمہارے لئے قائم ہوگا۔ شعر

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

تفسیر: فان رجعک اللہ الی طائف ظاہر یہ ہے کہ اس فرمان عالی میں ف فصیحہ ہے یعنی اگر منافقین نے اس نازک موقعہ پر آپ کی اطاعت نہ کی تو اب اگر شریک جہاد ہونا بھی چاہیں تو نہ انہیں شریک کریں۔ ان یا تو بمعنی اذا ہے۔ یقین کے لئے استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ حضور انور کا واپس مدینہ منورہ میں تشریف لانا اور منافقین کا یہ عرض کرنا یقین کا یہ عرض یقینی تھا اور ہو سکتا ہے کہ ان اظہار شک کے لئے ہو کیونکہ منافقین سمجھے ہوئے تھے کہ اب حضور انور اور غازیوں کا واپس آنا مشکوک ہے کیونکہ گرمی سخت ہے سفر دور و دراز ہے سامان سفر تھوڑا ہے۔ ان کا شک یہاں ظاہر کیا گیا۔ رجع اگر رجوع سے بنے تو بمعنی لوٹنا ہوتا ہے یعنی لازم اور اگر رجع سے ہے تو بمعنی لوٹانا ہوتا ہے۔ یعنی متعدی۔ یہاں رجع سے ہے اور متعدی (روح البیان و معانی) رب فرماتا ہے ذلک رجع البعید طائف سے مراد ایک ٹولہ ہے منہم کا رجع منافقین ہیں چونکہ حضور انور کی واپسی تک بعض منافقین مر چکے تھے بعض مدینہ منورہ سے باہر جا چکے تھے بعض سچے دل سے توبہ کر چکے تھے بعض اپنے نفاق پر قائم رہے تھے۔ جو صرف بارہ تھے۔ اس لئے طائف منہم ارشاد ہوا (بیضاوی البیان و معانی)

بعض نے کہا کہ منہم میں ہم سے مراد مخلفین ہیں۔ جن میں سے بعض ماجور تھے بعض معذور دھوکہ باز منافقین (بیضاوی) اس لئے منہم فرمانا بالکل درست ہوا کہ یہ لوگ مخلفین کے بعض تھے۔ فاستاذنوک للخروج۔ یہ عبارت معطوف ہے رجعک پر اور یہ شرط ہے چونکہ ان کا یہ اجازت مانگنا حضور کی واپسی کے فوراً بعد تھا اس لئے ف ارشاد ہوئی بمعنی فوراً خروج سے مراد ہے آئندہ غزوات کے لئے مدینہ منورہ سے روانگی یعنی وہ منافقین بطور جھوٹی خوشامد کے اپنا گزشتہ جرم چھپانے کے لئے۔ آپ سے عرض کریں گے کہ حضور اگلے جہادوں میں جانے کی ہم کو آج ہی اجازت دیجئے۔ ہم بالکل تیار ہیں۔ فقل لن تخرجوا معی ابدا۔ یہ فرمان عالی مذکورہ شرط کی جزاء ہے۔ اور تخرجو سے مراد یا تو مطلقاً سفر کرنا ہے یا جہاد کے لئے سفر اور یہ خبر بمعنی نہی و ممانعت ہے یعنی ان کی جواب میں آپ فرما دینا کہ تم آئندہ میرے ساتھ کسی سفر میں یا سفر جہاد میں نہیں جا سکتے ولن تقاتلوا معی عدوا۔ یہ فرمان عالی معطوف ہی لن تخرجوا پر اور مذکورہ شرط کی جزا کا ایک جز یہ بھی خبر بمعنی ممانعت ہے یعنی تم لوگ میرے ساتھ کسی دشمن دین سے جہاد نہیں کر سکتے یعنی تم میرے ساتھ سفر اور جہاد کرنے کے اہل ہی نہیں رہے تمہارا نام رب کی فہرست میں غازیوں کے رجسٹر سے نکال دیا گیا لہذا آیۂ کریمہ صاف اور واضح ہے ورنہ نہ تو اس کے بعد حضور انور نے کوئی جہاد کیا کیونکہ غزوہ تبوک آخری غزوہ ہے جو ۹ھ میں واقع ہوا نہ یہ لوگ صحابہ اکرام کے زمانہ میں کسی جہاد میں شریک ہوئے غرض کہ یہاں اہلیت کی ہی نفی مقصود ہے اس نفی کی وجہ یہ ہے کہ انکم رضیتم بالقعود اول مرۃ۔ یہ فرمان عالی مذکورہ نہی کی وجہ ہے اس میں رضا بمعنی خوشی اور پسندیدگی ہے۔ قعود سے مراد بیٹھنا نہیں بلکہ مدینہ منورہ

میں رہ جانا اور غزوہ کے لئے روزانہ ہونا ہے۔ اول مرۃ سے مراد غزوہ تبوک ہے۔ قوی یہ ہے اول کی فتحہ ظرفیت کی وجہ سے ہے صوبۃ مصدر ہے مر یمر کا مگر اب بمعنی ظرفیۃ استعمال ہوتا ہے بمعنی دفعہ یا بار اگرچہ خود مونث ہے۔ اور اول صیغہ واحد مذکر کا مگر اول کا استعمال مذکر مونث دونوں کے لئے ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے اول رجل اور اولی مراۃ (روح المعانی وکبیر وغیرہ) خیال رہے کہ اول کہ اول اسم تفصیل ہے اولی بمعنی لوٹنا یہ دراصل اوء لی تھا۔ ہمزہ کو واؤ سے بدل کر واو میں ادغام کر دیا گیا اول ہو گیا اس کا مونث اولی ہے یعنی تم لوگ پہلی بار ہی رہ جانے پر خوش ہو گئے۔ جہاد کے لئے نہ گئے اس کی نحوست یہ ہوئی کہ فاقعدو مع الخالفین۔ تم ہمیشہ خالفین کے ساتھ بیٹھے ہی رہا کرو۔ ہمارے ساتھ کسی سفر کی جہاد میں نہ جاؤ۔ خیال رہے خالف بنا ہے خلف سے بمعنی پیچھے خالفین پیچھے رہ جانے والے منافقین بعض نے فرمایا کہ یہ بنا ہے خلف بمعنی فساد یا خرابی سے اس لئے منہ کی بدبو کو خلوف کہتے ہیں یعنی بگڑی ہوئی بو ایک قرات میں ہے الخلفین بروزن حذرین صفت مشبہ یعنی اب تم فساد بہانہ خور منافقین کے ساتھ بیٹھے رہا کرو تم ان کے ساتھی ہو نہ کہ ہمارے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو دو غیبی خبریں دیتے ہیں۔ ایک یہ آپ اس دشوار دور دراز سفر غزوہ تبوک سے بخیریت تمام مدینہ منورہ واپس ہوں گے دوسرے یہ کہ آپ کی واپسی پر منافقین جھوٹی خوشامد اور اپنا نفاق چھپانے کے لئے فوراً عرض کریں گے یا رسول اللہ ہم آئندہ غزوات میں ضرور بالضرور حضور کے ہمراہ جایا کریں گے۔ ہم کو آپ آج ہی ان غزوات میں جانے کی اجازت دے دیں۔ ہم کو ان غزوات کا بے چینی سے انتظار ہے اور اس کی اجازت سے ہماری بیقراری ابھی دور فرما دیں کہ ہاں ضرور چلنا ہے محبوب جب یہ عرض کریں تو آپ ان سے فرما دینا کہ تم لوگ آئندہ نہ تو ہمارے ساتھ کسی سفر میں جا سکتے ہو نہ ہمارے ساتھ کسی کافر قوم پر جہاد کر سکتے ہو۔ تم لوگوں کو ہمارے ساتھ سفر وغیرہ بند۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم لوگ پہلی بار ہی میں پیچھے رہ گئے اور اس پر خوش ہوئے اس آرام پسندی کا وبال تم پر یہ پڑا کہ تم آئندہ غازیوں کی فہرست میں ہی نہ رہے اب تم فسادیوں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہو تم ہمارے ساتھی نہیں ان کے ساتھی ہو۔ خیال رہے۔ کہ غزوہ تبوک ۹ ہجری میں ہوا حضور انور ماہ رجب میں جمعرات کے دن اس غزوہ کے لئے روانہ ہوئے اس غزوہ کے بعد حضور انور کسی جہاد میں تشریف نہ لے گئے ۱۰ھ میں حضرت خالد کو بنی حارثہ کو مقابل میں روانہ فرمایا ۱۱ھ میں وفات شریف واقع ہو گئی۔ دیکھو مدارج النبوۃ جلد دوم۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم غیبیہ بخشے یہ فائدہ فان رجعک اللہ اور فاستاذنوک (الخ) سے حاصل ہوا کہ وہ واقعات غزوہ تبوک سے واپسی پر پیش آنی والے تھے۔

دوسرا فائدہ: رب تعالیٰ نے پہلے سے ہی ان کی خبر حضور ﷺ کو دے دی یہ بھی بتا دیا کہ اس وقت تک یہ سارے منافقین باقی نہ رہیں گے بعض رہیں گے یہ فائدہ۔ الی طائفۃ منھم فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم لوگوں کے دلی حالات ان کے ایمان و کفر نفاق و اسلام سے بھی خبردار کیا تا ابد جہاد

حضور ﷺ کے ساتھ ہوتا ہے بروں کی ہمراہی بری ہے۔ یہ فائدہ استاذنوک سے حاصل ہوا جس میں بتایا گیا کہ ان کا یہ اجازت مانگنا منافقت سے ہوگا۔ نہ کہ اخلاص سے اور نہ گذشتہ کوتاہی کا کفارہ کرنے کے لئے اس لئے اس اجازت طلبی کو ان کے عیوب میں شمار فرمایا۔

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی نے لوگوں کے انجام سے بھی خبردار کیا کہ کون ایمان پر رہیگا اور کون کفر پر سکون اخلاص پر رہیگا۔ اور کون نفاق پر یہ فائدہ ولن تخرجوا معی ابدا (الخ) اور لن تقاتلوا (الخ) سے حاصل ہوا۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ تم چونکہ آخر تک منافق رہو گے۔ اور منافق ہی مرو گے۔ لہذا تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ تو سفر کر سکے ہو نہ جہاد ورنہ ان سے ارشاد ہوتا کہ توبہ کرلو مخلص مومن بن جاؤ۔ اور جہاد میں شریک ہوا کرو توبہ کا دروازہ کھلا ہے یہ واقعہ ثعلبہ کے واقعہ سے مشابہ ہے کہ زکوۃ لاتا بار بار رد ہوتی رہی۔ کیونکہ وہ منافق رہا۔ منافق مرا

پانچواں فائدہ: بعض گناہ ایسے منحوس ہوتے ہیں کہ ان سے توبہ کی توفیق نہیں ملتی وہ کفر بلا خاتمہ علی الکفر کا ذریعہ بن جاتے ہیں یہ فائدہ وانکم رضیتم ۔ (الخ) سے حاصل ہوا۔ جس میں فرمایا گیا کہ چونکہ تم غزوہ تبوک میں ہمارے ساتھ نہ گئے۔ اس لئے نفاق تمہارے دلوں سے ایسا چمٹ گیا کہ اب چھوٹ نہیں سکتا۔ جیسے بعض نیکیاں ایسی ہیں جن سے ایمان کی رجسٹری ہو جاتی ہے کہ پھر ایمان دل سے نکل نہیں سکتا۔ وہ ہے ادب رسول دیکھو جو ادب صحابہ کے متعلق ارشاد ہوا والزمهم کلمة التقوی۔ اللہ ادب کی توفیق دے۔

چھٹا فائدہ: حجۃ الوداع میں کوئی منافق حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ گیا سارے مومن مخلص ہی گئے۔ یہ فائدہ لن تخرجوا معی سے حاصل ہوا۔ جس میں فرمایا گیا کہ اب میرے ساتھ تم کسی سفر میں نہیں جا سکتے اور حجۃ الوداع تبوک کے بعد ہوا جب کہ منافقین کو حضور انور ﷺ کے ساتھ سفر کی ممانعت ہو چکی تھی۔

ساتواں فائدہ: اللہ کا سخت عذاب بندے پر یہ ہے کہ اسے اچھوں کی خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی سے محروم کر دیا جاوے یہ فائدہ لن تخرجوا معی اور لن تقاتلوا معی (الخ) سے حاصل ہوا یہاں معی کا خیال رکھنا۔

آٹھواں فائدہ: بے دینوں سے الگ رہنا چاہئے اگر چہ وہ کلمہ پڑھتے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں یہ فائدہ بھی لن تخرجوا معی (الخ) سے حاصل ہوا دیکھو منافقین کلمہ گو تھے اپنے کو مسلمان کہتے تھے مگر حضور انور ﷺ نے اپنے سے دور کر دیا۔

نواں فائدہ: بے دینوں کو مسلمان اپنی مسجد میں نماز پڑھنے سے روک سکتے ہیں اگر چہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں کلمہ پڑھتے ہوں خصوصاً جب کہ ان کے آنے سے فتنہ فساد ہو۔ یہ فائدہ ولن تقاتلوا معی عدوا ۔ سے حاصل ہوا دیکھو جہاد فی سبیل اللہ بہترین عبادت ہے مگر اس میں منافقین کو شرکت کرنے سے منع کر دیا گیا۔ ہر کلمہ گو مسلمان نہیں بعض لوگ مرزائیوں کو اپنی مسجد میں نہیں آنے دیتے ان کی اصل یہ آیت کریمہ ہے۔

دسواں فائدہ: امر ہمیشہ وجوب کے لئے نہیں آتا کبھی اظہار غضب کے لئے بھی آتا ہے یہ فائدہ ما فاقعدوا مع

الخالفین (الخ) سے حاصل ہوا دیکھو اقعدوا صیغہ امر کا ہے مگر نہ وجوب کے لئے ہے نہ مباح کرنے کے لئے بلکہ اظہار غضب و عتاب کے لئے ہے کہ اب بیٹھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

گیارھواں فائدہ: اللہ کا بڑا عذاب یہ ہے کہ بندہ اچھوں کی صحبت سے محروم کر کے بروں کا ساتھ بنا دیا جاوے یہ فائدہ بھی ما قعدو وامع الخالفین ۔ سے حاصل ہوا پہلے مع تھا یہاں مع الخالفین ہے یعنی اے منافقو اب تم میرے ساتھ نہ رہو بلکہ منافقین کے ساتھ بیٹھو اٹھو۔ شعر

چوں شدی دور از حضور اولیاء آں چناں داں دور گشتی از خدا

پہلا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی غزوہ تبوک سے مدینہ کی طرف بالکل یقینی تھی پھر اسے ان سے کیوں فرمایا گیا ان رجعک اللہ ان تو شک کے لئے آتا ہے۔

جواب: اگر ان بمعنی اذا ہے تب تو کوئی اعتراض نہیں اور اگر اپنے معنی میں ہو۔ یعنی اگر تو بھی شک کے لئے نہیں بہت جگہ ان یقینی چیز پر بھی بولا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے ان کنت علی بینتہ من ربی داتانی رحمتہ عندہ ۔ دیکھو نوح علیہ السلام کا نبی ہونا رحمت والا ہونا یقینی تھا مگر آپ نے ان سے بیان فرمایا اور فرماتا ہے ارئیتم ان کان من عند اللہ ثم کفرتم یہ دیکھو قرآن مجید کا اللہ کی طرف سے ہونا یقینی ہے مگر ان سے بیان کیا گیا اس سے مقصود ہے مضمون کی اہمیت بیان کرنا۔

دوسرا اعتراض: یہاں الی طائفتہ منھم کیوں ارشاد ہوا جب حضور انور ﷺ تبوک سے واپس ہوئے تو سارے منافقین مدینہ منورہ میں موجود تھے۔

جواب: نہیں بلکہ بعض منافقین مر چکے تھے بعض اس دوران میں توبہ کر کے مومن مخلص بن چکے تھے بعض اپنے نفاق پر اڑے رہے تھے اور دھوکہ دینے کے لئے آئندہ جہادوں میں شرکت کی اجازت مانگتے تھے وہ ہی یہاں مراد ہیں لہذا طائفہ فرمانا بالکل درست ہے۔ دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔

تیسرا اعتراض: ان منافقوں کو توبہ کرنے مخلص بن جانے کا حکم کیوں نہیں دیا جہاد و سفر میں اپنی ہمراہی سے کیوں روک دیا دور کرنے سے قریب کرنا اچھا ہے۔

جواب: ان کی تقدیر میں اخلاص اور ایمان نہ تھا انہیں اس کی توفیق ملنے والی نہ تھی۔ جیسے ثعلبہ کی زکوۃ رد کر دی گئی ایسے ہی انہیں اپنی ہمراہی سے نکال دیا گیا۔ حضور انور ﷺ کی نظر لوح پر محفوظ تھی۔

چوتھا اعتراض: پھر انہیں صرف جہاد سے کیوں روکا گیا نماز اور مسجد مبارک کی حاضری سے کیوں روکا گیا یہ بھی تو اسلامی کام ہیں۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ دوسرا عاشقانہ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ جہاد میں منافقین کا جانا خطرناک تھا وہ کفار کی جاسوسی کرنے اور مسلمان غازیوں کو کفار سے ہیبت دلاتے تھے نماز کی حاضری میں یہ خطرے نہ تھے جواب عاشقانہ یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے مسلمان تھے دل سے کافر انہیں مسجدوں میں حاضری کی اجازت دینا شریعت تھی کہ

شرعی احکام ظاہر پر ہوتے ہیں اور جہاد سے روکنا طریقت کی طریقت میں حقیقت اور انجام پر حکم ہوتا ہے حضرت خضر کا بچے کو مارڈالنا طریقت تھا۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین کو غزوہ تبوک سے بیٹھے رہنے کی یہ سزا ملی کہ وہ دوسرے جہادوں سے محروم کردیئے گئے تو اس وقت بعض مخلصین صحابہ بھی بیٹھ رہے تھے جیسے حضرت کعب ابن مالک موارہ ابن لوی اور ہلال ابن امیہ انہیں یہ سزا کیوں نہ ملی۔

جواب: اس اعتراض کا جواب اسی آیت میں موجود ہے کہ ارشاد ہوا رضیتم بالقعود تم لوگ بیٹھے رہنے پر راضی ہوئے خوش ہوئے وہ حضرات اس پر خوش نہ تھے گناہ کرنا اور ہے گناہ پر خوش ہونا کچھ اور مگر انہیں بھی بائیکاٹ کی سزا دی گئی کہ پچاس دن ان کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: بدنصیب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی فیض صحبت نہ پاسکے جیسے چمگادڑ سورج سے کھاری زمین بارشوں سے فیض نہیں لے سکتے فیوز وارڈ ہوا بلب بجلی کے پاور سے روشن نہیں ہوتا منافقین انہیں بدنصیبوں میں سے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحبت پاک ہمراہی سفر و جہاد سے محروم کردیئے گئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرت صحابہ اکرام کے زمانہ کے سارے جہاد حضور انور ﷺ کی ہمراہی میں ہوئے جو لوگ ان میں اخلاص سے شریک ہوئے وہ حضور انور ﷺ کی ہمراہی حضور ﷺ ہی کے زیر سایہ تھے۔ دیکھو فرمایا گیا۔ ولن تقاتلو معی عدوا تم میرے ساتھ جہاد نہ کرو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میری وفات کے بعد صحابہ اکرام کے جہادوں میں شریک ہو جایا کرنا۔ حضور انور ﷺ نے تو اس کے بعد کوئی جہاد کیا ہی نہیں حضرات صحابہ نے کئے۔ ان کے متعلق ارشاد ہوا لن تقاتلو معی میرے ساتھ جہاد نہ کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ تا قیامت ہر قبول جہاد میں حضور انور ﷺ مخلص غازیوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور بحکم خدا ان کی مدد فرماتے ہیں ہاں جنگ مردود حضور ﷺ کی ہمراہی سے خالی ہوتی ہیں۔ دیکھو فرمایا گیا۔ ولن تقاتلو معی عدوا ان جہادوں سے مراد تا قیامت خصوصا صحابہ اکرام کے جہاد میں اس کا تجربہ ابھی 1965ء کی جنگ میں ہوا جو پاکستان و ہندوستان میں ہوئی جس میں حضور انور ﷺ کی شرکت دیکھی گئی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ
اور نہ نماز پڑھیں آپ کسی پر ان میں سے جو مر جاوے کبھی بھی اور نہ کھڑے ہوں آپ قبر پر اس کے تحقیق ان لوگوں
اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک وہ اللہ اور
اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾
نے کفر کیا ساتھ اللہ کے اور اس کے رسول کے اور مر گئے حالانکہ وہ فاسق ہیں
رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کو ان کی زندگی میں ذلیل کرنے کا ذکر تھا کہ انہیں جہادوں کی شرکت سے محروم فرمادو۔ اب انہیں بعد موت ذلیل فرمانے کا تذکرہ ہے کہ ان کی لاشوں پر نماز بھی نہ پڑھو۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حکم تھا کہ اے محبوب انہیں اپنے سے دور فرمادو اب حکم ہے کہ انہیں بعد موت اپنی دعاؤں سے دور رکھو حضور انور ﷺ ہماری زندگی اور بعد موت ہمارے ساتھی ہیں ان سے دور رہ کر زندگی موت ہے۔ شعر

ان کے در سے دور رہ کر زندگی اچھی نہیں ان کے در پر موت آ جائے تو جی جائیں حسن

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین سے خطاب تھا کہ اب تم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہو۔ اب ارشاد ہے کہ اے محبوب منافقوں کو مرے بعد بھی انہیں کے ساتھ رکھو آپ ﷺ ان کی قبر کے پاس بھی عارضی طور پر کھڑے ہوں۔ تمہارے لائق وہ ہے جو نرا تمہارا ہو۔ وہاں خالص چاہئے ملاوٹی کی گنجائش نہیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقوں کو اپنی ہمراہی کا شرف نہ بخشو اب ارشاد ہے کہ جس قبر میں منافق دبا ہو اس کی قبر کو بھی اپنے قدم شریف کی عزت نہ بخشیں وہاں آپ ﷺ نہ جائیں نہ کھڑے ہوں وہ مٹی بھی آپ ﷺ کے قدم کے لائق نہیں۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق بخاری شریف میں ایسی روایات ہیں یہ فقیر ایسی جامع تقریر عرض کرتا ہے جس میں بفضلہٖ تعالیٰ تمام روایات جمع ہو گئیں اس میں جمع تفسیر خازن سے مدد لی گئی ہے۔ قبیلہ بنی خزاج کا سردار منافقین کا پیشواء اعظم جس کے اشارہ پر سارے منافقین چلتے تھے یعنی عبداللہ ابن ابی جس کی ماں کا نام سلول تھا (صاوی) جب یہ مرض موت میں گرفتار ہوا تو اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلایا اور عرض کیا کہ مجھے اپنی قمیض شریف عطا فرمادیں تاکہ میں اس کفن میں دیا جاؤں میری نماز جنازہ حضور انور ﷺ پڑھائیں میرے لئے دعائے مغفرت فرمادیں۔ حضور انور ﷺ نے گھر واپس تشریف لائے اپنی اوپر والی قمیض بھیج دی اس نے وہ واپس کر دی اور کہا کہ وہ نیچے والی دیجئے جو جسم شریف سے متصل رہی ہے کچھ وقفہ کے بعد وہ مر گیا اس کا بیٹا جس کا نام بھی عبداللہ تھا جو مخلص مومن صحابی تھا حاضر ہوا اور قمیض مانگی حضور انور نے جب قمیض شریف عطا فرمانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ ایسے نجس العین خبیث کو قمیص طاہر وطیب کیوں عطا فرمائی جاوے تو ارشاد فرمایا کہ اے عمر اسے تو قمیص کچھ فائدہ نہ دے گی مگر مجھے امید ہے کہ اس کی برکت سے انشاء اللہ ایک ہزار منافقین ایمان واخلاص کر لیں گے۔ پھر حضور انور ﷺ اس کی میت تیار ہو جانے پر اس کی نماز پڑھانے تشریف لے گئے جب مصلے پر تشریف فرما ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو منافق بلکہ منافقوں کا سردار ہے۔ حضور ﷺ اس کی نماز کیوں پڑھاتے ہیں۔ فرمایا کہ ابھی تک مجھے میرے رب نے منافقوں کی نماز یا ان کے لئے دعا سے منع نہیں فرمایا ہے یہ فرمایا ہے کہ اگر ستر بار بھی آپ ﷺ ان کے لئے دعا مغفرت کریں گے ہم نہ بخشیں گے۔ اگر میں جانتا کہ ستر بار سے زیادہ دعا کر دینے سے اس کی بخشش ہو جاوے گی تو زیادہ دعا کرتا۔

بہر حال حضور ﷺ نے اس کی نماز پڑھادی۔ گھر واپس تشریف لائے جب اسے دفن کیا جانے لگا تو تشریف لے گئے اس وقت وہ اپنی قبر میں رکھا جا چکا تھا۔ اس کی میت نکلوائی اسے اپنی نیچے والی قمیض پہنائی اور لعاب دہن شریف اس کے منہ میں ڈالا۔ یہ سارے واقعات اس کے قبیع منافقین دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دو باتوں پر غور کیا۔ ایک یہ کہ ایسا دشمن رسول منافق بھی حضور ﷺ سے آپ کے تبرکات مانگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے تبرکات واقعی دافع بلا اور مشکل کشا ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور انور ﷺ نے ایسے موذی دشمن کو بھی منع نہ فرمایا بلکہ اس کی ساری گذارشات قبول فرمالیں۔ یہ سوچ کر اس دن چھوٹے بڑے ایک ہزار منافقین نفاق سے سچی توبہ کرکے مسلمان ہوگئے۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضور ﷺ کو ہمیشہ کے لئے منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے ان کی قبور پر جانے وغیرہ سے منع فرمادیا گیا) تفسیر کبیر۔ روح المعانی روح البیان۔ بخاری۔ مسلم وغیرہ کتب احادیث) انشاء اللہ اس بیان سے ساری روایات جمع ہوگئیں کہ حضور انور ﷺ تین بار اس کے ہاں تشریف لے گئے۔ (۱) بیماری میں (۲) مرنے کے بعد اور (۳) دفن کے وقت۔ جب وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا اور تین بار ہی حضور انور ﷺ کی قمیض مانگی گئی دو بار اس نے خود مانگی اور ایک بار اس کے بیٹے سیدنا عبداللہ نے۔ اور حضور انور ﷺ نے خود اسے قمیض بھی پہنائی تھی۔ اور لعاب دہن شریف بھی اس کے منہ میں ڈالا تھا۔

خیال رہے: کہ یہ بہت دراز قد تھا اور ادھر حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی دراز قد تھے۔ جب وہ جنگ بدر میں گرفتار ہوکر آئے تو ان کے جسم پر کرتا نہ تھا۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی صاحب اسے قمیض پہنادیں کسی کی قمیض آپ کے جسم شریف پر نہ آئی اس منافق کی قمیض بالکل درست آگئی اور اس نے وہی پہنادی۔ حضور انور ﷺ کے اس عمل شریف سے اس کے احسان کا بدلہ بھی ہوگیا۔ جو اس نے حضور ﷺ کے چچا پر کیا تھا (عام تفاسیر)

تفسیر: **ولا تصل علی احد منھم** قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہذا اس کا واؤ عاطفہ نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے۔ صلوۃ کے معنی نماز درود۔ دعا۔ نماز جنازہ سب ہی ہیں مگر یہاں آخری معنی یعنی جنازہ مراد ہے۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا نیز آگے ہے۔ **ولا تقم علی قبرہ**۔ قبر کے ذکر سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد دعا مغفرت ہے رب تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا **صل علیھم** مسلمانوں کے لئے دعا مغفرت فرماؤ۔ مگر دو جگہ دعا مغفرت سے منع فرمایا ایک جگہ مشرکین کے لئے **ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین** اور یہاں منافقین کے لئے مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ نماز جنازہ بھی اس لئے منع ہے کہ اس میں دعا مغفرت ہے۔ منہم فرما کر یہ بتایا کہ نماز جنازہ اس کی منع ہے جو مرتے وقت تک جہنم رہے یعنی منافق رہے (روح المعانی) کیونکہ منہم احد کا حال ہے مات ابدا اس فرمان عالی میں مات تو احد کی صفت ہے اور ابدا یا تو لا تصل کا ظرف ہے یا مات کا یعنی جو منافق مرجائے اس پر ہمیشہ نماز نہ پڑھیں یعنی کبھی یا جو منافق ہمیشہ کے لئے جاوے اس طرح منافقت پر اس کا دم نکلے اس کی نماز نہ پڑھیں کیونکہ اگرچہ اسے بھی قبر میں زندہ کرتے ہیں مگر نا کافی اور سوال کے لئے نہ کہ جزا کے واسطے لہذا وہ زندگی بھی موت ہے۔ (تفسیر روح المعانی۔ بیان خازن۔ کبیر وغیرہ) یہ دوسری تفسیر قوی ہے لذیذ بھی **ولا تقم علی قبرہ**۔ یہ دوسری ممانعت ہے جو براہ راست حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کو ہے حضور انور ﷺ کے واسطے سے سارے مسلمانوں کو منافق کی قبر پر کھڑا ہونا یہاں قیام سے مراد صرف کھڑا ہونا نہیں بلکہ وہاں جانا۔ بیٹھنا۔ کھڑا ہونا ٹھہرنا سب ہی مراد ہے جبکہ زیارت کرنے دعا کرنے یا دفن کے بعد دعا کرنے کے لئے ہو۔ کہ سب حرام ہے قبرہ میں ہ کا مرجع وہی مذکور منافق ہے یعنی اے محبوب ان کی قبر پر زیارت کرنے فاتحہ پڑھنے دعا خیر کرنے احترام کرنے کے لئے نہ جاؤ۔ تحقیر۔ عبرت کے لئے وہاں جانا جائز بلکہ بہتر ہے۔ حضور انور ﷺ ابوجہل وغیرہ کی لاشوں پر تشریف لے گئے ان سے کلام بھی فرمایا۔ انھم کفروا باللہ و رسولہ۔ اس فرمان عالی میں مذکور ممانعتوں کی وجہ ارشاد ہوئی یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اگرچہ زبانی طور پر مسلمان محسوس ہوتے ہیں مگر حقیقۃً وہ اللہ رسول کے منکر پختہ کافر ہیں اور کفار کے لئے دعاء مغفرت جائز ہے نہ ان کی قبر کی زیارت جائز کہ اس میں ان کی قبروں کی تعظیم و توقیر ہے جو ناجائز ہے یہ دونوں چیزیں صرف مومنوں کے لئے ہیں۔ وماتوا وھم فاسقون. اس فرمان عالی میں یا تو ان ممانعتوں کی دوسری وجہ کا ذکر ہے۔ یا کفروا باللہ۔ کے دوام کا یہاں فاسق سے مراد کفر نہیں کہ وہ پہلے ہی مذکور ہو چکا بلکہ صرف مسلمانوں کو ستانا۔ حضور انور ﷺ کو دکھ دینا وغیرہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بعض کافر مروت والے ہوئے ہیں ان میں شرم و حیا ہوتی ہے۔ دل کے نرم ہوتے ہیں۔ کسی کو ستاتے نہیں مگر یہ لوگ تو کافر بھی ہیں موذی بھی حضور انور ﷺ کو ایذا دہ رساں بھی۔ اسی حالت میں یہ مرے پھر یہ دعا یا نماز جنازہ یا کسی عزت و احترام کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ بدکار مسلم آزار تھے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں قوی اور ظاہر تفسیر یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کسی منافق کی جو مر جائے کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ اور نہ کبھی ان کی قبر کی زیارت کریں نہ وہاں جا کر دعا خیر کریں کیونکہ یہ صرف زبانی کلمہ گو ہیں درحقیقت اللہ رسول کے انکاری۔ پرلے درجے کے کافر ہیں صرف کافر ہی نہیں بلکہ موذی اور مومنوں کے دشمن ہیں اس حال یعنی کفر و دشمنی پر وہ مر گئے ایسوں کی نہ نماز جنازہ درست ہے نہ ان کے لئے دعا خیر۔

خیال رہے: عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ اس کی قبر پر جانے سے تو حضور ﷺ اور کو منع فرما دیا گیا مگر اس کو کفن میں رکھنے کے لئے چادر دینے کا ذکر نہ تو قرآن مجید میں کیا گیا نہ حضرت عمر نے اس پر زور دیا کہ حضور ﷺ اسے چادر نہ دیں۔ کیونکہ اس کے مانگنے پر چادر عطا نہ کرنا جود و سخاوت کے خلاف تھا۔ نیز اس صورت میں اس خبیث کا احسان حضرت عباس پر رہ جاتا۔ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان سے خفیہ طور پر فرما دیا تھا کہ فلاں فلاں کا خاتمہ منافقت ہے۔ مجھے ان کی نماز جنازہ سے منع فرما دیا گیا ہے۔ حضور انور ﷺ کی وفات کے بعد جب کوئی مشکوک آدمی مرتا تو حضرت عمر اس کے جنازے کے لئے حضرت حذیفہ کو بلاتے۔ اگر آپ جاتے تو حضرت عمر بھی جاتے تھے اگر نہ جاتے تو حضرت عمر بھی نہ جاتے تھے سمجھ جاتے تھے کہ یہ اس فہرست کا آدمی ہے جو حضرت حذیفہ کو بتا دی گئی ہے (روح البیان) یہ ہے حضور انور ﷺ کا علم غیب۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: عبداللہ ابن ابی جیسا سخت منافق بھی جانتا تھا کہ حضور انور ﷺ کے تبرکات قبر میں کشائی کرتے ہیں۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا آج جو اس کا انکار کرے اور کہے قبر میں تبرکات لے جانا محض بیکار ہے صرف اپنے اعمال ہی فائدہ دیں گے۔ وہ اس منافق سے بھی بدتر ہے۔

دوسرا فائدہ: کافر و منافق کے لئے کوئی تبرک قبر و حشر میں مفید نہیں کیونکہ اس کے پاس ایمان نہیں۔ بغیر جان کوئی دوا مفید نہیں یہ فائدہ بھی اس شان نزول سے حاصل ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ میری چادر اسے فائدہ نہ دے گی۔

تیسرا فائدہ: حضور انور ﷺ کے ہر عمل میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں دیکھو منافق کو چادر شریف عطا کی اس کی نماز جنازہ پڑھی یہ جانتے ہوئے کہ اس کے لئے یہ چیزیں بیکار ہیں مگر اس عمل شریف سے ایک ہزار منافقوں کو ایمان مل گیا۔ چادر نے منافقوں کو ایمان بخش دیا۔

چوتھا فائدہ: حضور ﷺ کے تبرکات تہبند شریف چادر مبارک بال شریف وغیرہ مومن کے لئے قبر میں کام آتے ہیں۔

پانچواں فائدہ: مردے کے کفن میں متبرک چیز رکھنا جائز ہے وہاں یہ نہ کہو کہ مردہ پھولے پھٹے گا تو اس کی آلائش سے یہ چیزیں لتھڑ کر خراب ہوں گی۔ دیکھو آب زمزم پینا جائز ہے حالانکہ معلوم ہے کہ وہ پیٹ میں جا کر کیا بنتا ہے۔

چھٹا فائدہ: مردے کو کفنی (الفی) دینا اسے غلاف کعبہ میں لپیٹ کر دفن کرنا جائز ہے۔ کہ حضور انور ﷺ کی چادر شریف غلاف کعبہ سے افضل ہے کہ غلاف کعبہ بیت اللہ کا صحبت یافتہ ہے اور یہ چادر شریف حبیب اللہ کی صحبت یافتہ مگر حضور انور ﷺ نے ابن ابی کو اس میں لپیٹا اور دفن کیا حضرت زینب کی وفات پر ان کے سینہ پر اپنا تہبند شریف رکھوا کر دفن فرمایا اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

ساتواں فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان بہت بلند و بالا ہے کہ آپ ﷺ کی رائے کے مطابق بہت سی آیات آئیں۔ چنانچہ (۱) کافر قیدیوں سے فدیہ لینا (۲) انہیں انہیں پر چھوڑنا (۳) ان کی رائے کے مطابق شراب کی حرمت (۴) مقام ابراہیم کو جاء نماز بنایا (۵) عورتوں کے پردہ واجب ہونے (۶) منافقوں پر نماز جنازہ پڑھنے کی آیتیں یعنی یہ آیات آپ ﷺ کی روائے شریف کے مطابق آئیں۔ (کبیر) اس لئے حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ یا فرمایا کہ گذشتہ امتوں میں الہام والی اولیاء ہوئے اگر میری امت میں تو عمر ہیں۔ یعنی اس امت میں ضرور ہوں گے کہ یہ اشرف امت ہے اور حضرت عمر ضرور الہام والے ہیں۔

آٹھواں فائدہ: مردہ کافر و منافق کو مرحوم کہنا یا رحمۃ اللہ یا رضی اللہ عنہ کے القاب دینا یا ان کے لئے ختم قرآن مجید کرنا ان کی فاتحہ قل وغیرہ کرنا حرام ہے۔ یہ فائدہ لاتصل کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ صلوۃ سے مراد رحمت و مغفرت ہو۔

نواں فائدہ: کافر و منافق کی نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے یہ فائدہ بھی لاتصل کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ صلوۃ سے مراد نماز جنازہ ہو۔

دسواں فائدہ: نماز جنازہ کا ثبوت قرآن مجید سے ہے یہ فائدہ بھی لاتصل کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ جب کفار منافقین کی نماز جنازہ پڑھنا ممنوع ہے تو مسلمان پر نماز درست ہے۔

گیارہواں فائدہ: جو منافق یا کافر توبہ کر کے مسلمان مخلص ہو کر مرے اس کا نماز جنازہ پڑھا جائے گا یہ فائدہ منهم فرمانے سے حاصل ہوا کہ جو تمام عمر منافق ہی رہے اور رہتے ہوئے مرے اس پر نماز نہیں جو منافق رہتا ہوا مرے اس پر نماز نہیں۔

بارہواں فائدہ: کافر و منافق کی قبر کی زیارت کرنا وہاں پھول چڑھانا وہاں فاتحہ پڑھنا۔ کسی ہندو کی سمادھی پر پھول وغیرہ ڈالنا حرام ہے یہ فائدہ لاتقهم علی قبره سے حاصل ہوا۔ افسوس کہ مسلمان یہ سبق بھول گئے وہ مشرکین کی خوشامد میں تلک ہندو کے مرثیے لکھنے لگے گاندھی کی سمادی پر پھول چڑھانے اس کی کریا کرم کرنے گنگا جانے لگے۔

تیرھواں فائدہ: حضور انور ﷺ کی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ مومنہ ہیں یہ فائدہ بھی لا تقهم علی قبره سے حاصل ہوا کیونکہ کافر و منافق کی قبر کی زیارت ممنوع ہے اور حضور انور ﷺ بہ اجازت رب تعالیٰ جناب آمنہ کے مزار انور پر مدینہ منورہ سے سفر کر کے زیارت کے لئے تشریف لے گئے وہاں بہت روئے اور سب کو رلایا اور فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ کے لئے دعا مغفرت کی اجازت مانگی تو مجھے منع کر دیا گیا۔ زیارت قبر کی اجازت مانگی تو دے دی گئی۔ اس اجازت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مومنہ ہیں (روح المعانی) رہا دعاء مغفرت سے منع فرمانا وہ اس لئے ہے کہ وہ بے گناہ ہیں۔

چودھواں فائدہ: ہر کلمہ گو مومن نہیں بعض کافر بھی ہیں لہذا ہر کلمہ گو کی نماز جنازہ نہیں یہ فائدہ کفروا بالله (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو کلمہ گو منافقوں کو قرآن مجید نے کافر کہا اور ان پر نماز سے منع کیا۔

پندرھواں فائدہ: حضور انور ﷺ کی عظمت کا انکار رب تعالیٰ کا انکار ہے یہ فائدہ کفروا بالله ورسوله سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین اللہ تعالیٰ کے منکر نہ تھے حضور انور ﷺ کے مرتبہ سے جلتے تھے ان کے متعلق قرآن مجید نے فرمایا۔ کفروا بالله

سولھواں فائدہ: سارے کافر یکساں بعض کافر بھی ہیں موذی بھی اور بعض کافر ہیں مگر موذی نہیں یہ فائدہ وهم فاسقون سے حاصل ہوا۔ ابو طالب اور ابولہب یکساں نہیں۔

پہلا اعتراض: جب عبداللہ بن ابی نے حضور انور ﷺ کی چادر شریف اپنے کفن کے لئے مرض الموت میں مانگی تو وہ مومن ہو گیا کہ اس نے حضور انور کی بیعت مان لی پھر اس کی نماز پر کیوں اعتراض ہوا۔ غالب یہ ہے کہ اس کا عرض کرنا بھی نفسانی بنا پر تھا کہ میری میت بعد موت خراب نہ ہو حضور انور ﷺ نماز پڑھیں تو دوسرے مسلمان بھی پڑھیں۔ ورنہ مجھے نہ کفار دفن کریں گے نہ مسلمان واللہ اعلم

دوسرا اعتراض: معلوم ہوا کہ نبی کی چادر آپ ﷺ کا لعاب شریف یا آپ ﷺ کے بال مردے کا عذاب دفع نہیں کر سکے محض بیکار ہیں دیکھو عبداللہ ابی یہ چیزیں اپنے ساتھ قبر میں لے گیا مگر اس کا عذاب کم نہ ہوا۔

جواب: جی ہاں کافر و منافق کو ان سے فائدہ نہیں ہوتا مومنوں کو ضرور ہوتا ہے حافظ شیرازی کہتے ہیں۔ شعر

بہ آب کوثر و زمزم سفید نتواں کرو
گل بخت کسے راکہ بافتند سیاہ
تواں پاک کردن زرنگ آئینہ
ولیکن نہ آید زسنگ آئینہ (سعدی)
کالی کملی آپ زمزم و کوثر سے دھو و سفید نہ ہوگی
آئینہ کا زنگ دور ہو سکتا ہے مگر پتھر کا آئینہ نہیں بن سکتا

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق روایتیں مختلف ملتی ہیں بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چادر اور نماز ہ جنازہ کے لئے خود عبداللہ ابن ابی نے عرض کیا۔ بعض میں ہے کہ اس کے مرے بعد اس کے بیٹے نے بعض میں ہے کہ حضور انور ﷺ نے اسے چادر شریف اس کی زندگی میں ہی دے دی بعض میں ہے کہ مرے بعد جب دفن کیا جار ہا تھا۔ تو قبر سے نکلوا کر عطا فرمائی ان میں مطابقت کیونکر ہو۔

جواب: ان روایات کی مطابقت اس بیان سے ہوگئی جو ہم نے شان نزول میں عرض کیا کہ عبداللہ بن ابی نے اپنی زندگی میں حضور صلی اللہ وسلم کی قمیض منگائی پھر واپس کر دی کہ مجھے قمیض وہ دیں جو جسم اطہر سے لگی ہے۔

پھر اس کی موت کے بعد اس کے لڑکے نے قمیض مانگی لہذا وہ دونوں روایات مطابق ہو گئیں پھر اس کی موت کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز ہ جنازہ پڑھائی پھر واپس تشریف لے آئے اور پھر اس وقت تشریف لے گئے۔

جب وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا۔ اسے نکلوا کر چادر مبارک عطا فرمائی اور لعاب مبارک ڈالا لہذا تمام روایات درست ہیں (از تفسیر خازن)

چوتھا اعتراض: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب معلوم تھا یہ بھی معلوم تھا کہ اس عطا پر ایک ہزار منافقین کو دولت ایمان و اخلاص نصیب ہوگی جیسا کہ ابھی شان نزول میں عرض کیا گیا۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے قمیض شریف عطا فرماتے ہوئے یا اس کی نماز ہ جنازہ پڑھتے وقت ممانعت کی یہ آیت نہیں بھیجی بلکہ یہ تمام کچھ ہو چکنے کے بعد آئندہ کے لئے منع فرمایا۔ یعنی اے محبوب تمہارا منشاء پورا ہو چکا ہے ایک ہزار کو تمہاری قمیض عطا نے ایمان دے دیا۔ آپ ﷺ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

پانچواں اعتراض: ان منافقین کے متعلق اولاً کفر ارشاد ہوا پھر وھم فاسقون حالانکہ کفر سے کہیں ہلکا ہے کہ کفر بدعقیدگی کا نام ہے اور فسق بدعملی کا پھر اس ترتیب سے ان دونوں کا ذکر کیوں ہوا

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں فسق سے مراد ان کی ایذا رسانی ہے۔ یعنی یہ ایسے کافر ہیں جو کفر کے ساتھ اول درجہ کے موذی بھی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے رحمت کی بارش اگرچہ بعض زمینوں کو فائدہ نہیں دیتی مگر دوسری جگہوں میں بہار لگا دیتی ہے۔ یوں ہی حضور انور ﷺ کی قمیض نے اگرچہ ابن ابی کو فائدہ نہ دیا کہ وہ زمین شور تھی مگر اس قمیض نے ایک ہزار کو ایمان و اخلاص بخش دیا۔ یہ ہی حال ہر تبرک کا ہے مومن کو کسی ولی کے قریب میں دفن کرو۔ کیونکہ مردہ بھی زندہ کی طرح اچھے پڑوس سے فائدہ پاتا ہے۔ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجامت کی۔ سر کے بال مبارک آدھے تو ابوطلحہ کو عطا فرمائے اور آدھے دیگر صحابہ اکرام میں تقسیم فرمادئے جنہیں صحابہ اکرام رضی اللہ عنہ جہاد کے وقت اپنی ٹوپی میں رکھتے تھے۔

اور بعد وقت اپنی کفن میں ساتھ لئے گئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کی برکت سے مکان آفات سے قبر عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن انیس کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ شریف کی لاٹھی عطا فرمائی اور فرمایا کہ اس لاٹھی سے جنت کی سیر کیا کرنا۔ وہ وفات تک اپنے ساتھ رکھتے تھے بوقت وفات وصیت کی کہ میرے ساتھ یہ لاٹھی دفن کر دی جاوے اس لئے مسلمان آب زمزم میں بھگو کر کپڑا کفن کے لئے رکھتے ہیں۔ عہدنامہ۔ غلاف کعبہ قبر میں رکھواتے ہیں۔ یہ واقعہ شریف بہت سے مسائل کا خزانہ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے حضور ﷺ سے فرمایا گیا وصل علیھم ان کے حق میں دعا کرو منافقین کے لئے فرمایا گیا لا تصل علی احد منھم ان میں سے کسی کے لئے دعا نہ کرو کافر کی قبر پر جانے سے محبوب کو روک دیا۔ زندہ مومن کے دل میں مردہ مومن کی قبر میں حضور ﷺ کو جلوہ گر بنا دیا یہ ہے نصیب کا فرق۔ اگر کوئی کہے کہ بعض دفعہ حضور انور ﷺ کے تبرکات پاس ہوتے ہیں۔ مگر بلائیں آجاتی ہیں تو اس کی وجہ ہماری ناقدری ہے دیکھو مکہ معظمہ مدینہ منورہ کی زمین طاعون سے محفوظ کر دی گئی ہیں۔ مگر جب وہاں کے باشندوں نے ان کی حرمت نہ کی تو بعض وہاں طاعون سے مرنے لگے۔ رب تعالیٰ تبرکات کی قدر شناسی کی توفیق دے۔ (روح البیان)

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ
اور نہ حیرت میں ڈالیں تم کو مال ان کے اور اولاد ان کی اس کے سوا نہیں کہ ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ عذاب
اور ان کے مال اور اولاد پر تعجب نہ کرنا اللہ یہ ہی چاہتا ہے کہ اسے دنیا میں ان پر وبال کرے اور
بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝
دے انہیں بسبب انکے دنیا میں اور نکل جائیں جانیں ان کی اس حال میں کہ وہ کافر ہوں
کفر پر ہی ان کا دم نکل جاوے

تعلق: اس آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقین پر ظاہری عذابوں کا ذکر ہوا یعنی زندگی اور بعد موت حضور انور ﷺ کے فیوض و

برکات سے محروم رہنا کہ زندگی میں حضور ﷺ کے ہمراہی اور سفر سے محروم کہ نہ سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ جا سکیں نہ جہاد میں اور بعد موت حضور ﷺ اور ان کی نماز اور دعاوں سے محروم اب انہیں منافقوں کے باطنی عذابوں کا ذکر ہے جو بظاہر نعمت ہیں اور حقیقت عذاب یعنی مال واولاد گویا ایک قسم کے عذاب کا تذکرہ ہے

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقوں کے رحمت عالم کی رحمت سے محرومی کا ذکر تھا اب خاندانی نعمت سے ان کی محرومی کا تذکرہ ہے گویا عام رحمت سے محرومی کا ذکر فرما کر خاص نعمت سے محرومی کا ذکر ہے کہ وہ اولاد اور مال کے ذریعہ رب تعالی کا قرب حاصل نہ کر سکے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں منافقوں کی آرام طلبیوں کا ذکر ہوا اب اس آرام طلبی کے برے انجام کا تذکرہ ہے یعنی راہ خدا میں گرمی میں سفر نہیں کر سکتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے لئے مال واولاد وبال بن گئے۔

تفسیر۔ ولا تعجبک یہ فرمان عالی یا تو معطوف ہے و لا تعصل (الخ) پر تو واؤ عاطفہ ہے اور اس میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر درحقیقت امت سے ہے اور یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے یہ فرمان نیا جملہ اور خطاب ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے تعجب بنا ہے اعجاب سے جس کا مادہ عجب ہے اعجاب پسند آنا۔ تعجب کرنا حیرت کرنا اعجاب حیرت میں ڈالنا۔ اموالھم و لا ولادھم یہ فرمان عالی ہے لا تعجبک کا اموال جمع ہے مال کی مال وہ جس کی طرف نفس مائل ہو۔ اور اس سے ضروریات پوری کی جاویں۔ چونکہ مال منقولی اور غیر منقولی بہت قسم کے ہیں اس لئے اموال جمع ارشاد ہوئی اولاد جمع ہے ولد کی بیٹے بیٹی بلکہ ان کی اولاد یعنی پوتے نواسے سب کو شامل ہے اگرچہ اولاد مال سے زیادہ عزیز ہوتی ہے مگر چند وجوں سے اموال کا ذکر اولاد سے پہلے ہوا (۱) مال کی ضرورت ہر فرد ہر ذات کو ہر وقت ہر جگہ ہے اولاد کی اتنی ضرورت نہیں (۲) مال کے بغیر اولاد وبال معلوم ہوتی ہے مال ہو تو اولاد بھلی معلوم ہوتی ہے (۳) مال سے نفس یعنی ذات کی بقاء ہے اولاد نسل کی بقا۔ اور ظاہر ہے کہ نفس نسل پر مقدم ہے (۴) مال اولاد پر مقدم ہے کہ مال سے غذا حاصل ہوتی ہے جس سے خون اس سے نطفہ اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ (۵) اولاد کی ضرورت اور محبت بالغ ہونے پر ہوتی ہے مال سے محبت اول سے ہی ان وجوہ سے اموال کو اولاد سے پہلے بیان فرمایا (روح البیان) انما یرید اللہ ان یعذبھم بھا یہ فرمان عالی لا تعجبک کی وجہ ہے انما سے حصر کا فائدہ ہوا۔ عذاب سے مراد ان کے کرتوتوں کی دنیا میں سزا ہے جیسا کہ اس فرمان سے ظاہر ہے۔

فی الدنیا یہ یعذاب کا ظرف ہے یعنی اللہ تعالی کا ارادہ صرف یہ ہے کہ انہیں ان کے مال واولاد کے ذریعہ دنیا میں سزا دی جائے گی کہ لوگ مشقت سے حرام حلال ذریعوں سے مال جمع کریں بہت جانفشانی سے اس کی حفاظت کریں اور حسرت سے چھوڑ جائیں۔ نیز اولاد کے لئے ہر طرح کی محنت مشقت کریں مگر وہ جوان ہو کر نالائق نکلے بجائے خدمت کرنے کے انہیں پریشان کرے نہ مال سے انہیں آرام ملے نہ اولاد سے۔ دنیا میں تو ان کے مال واولاد کا نتیجہ ہے۔ انفسھم وھم کافرون ان کا انجام یہ ہے کہ مرتے وقت ان کی جان بہت سخت تکلیف اور ان پیاری چیزوں کے چھوٹنے کی تکلیف ان وجوہ

سے آفت بالائے آفت ہے۔ نیز یہ مشغولیتیں انہیں اللہ رسول کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

خلاصہ تفسیر: اے قرآن پڑھنے والے مسلمان تو منافقوں کافروں کی مال و اولاد جائداد کی فروانی دیکھ کر حیرت نہ کرنا کہ جب یہ لوگ اللہ کے دشمن ہیں تو انہیں اس قدر مال و اولاد کیوں ملے یہ چیزیں ان کے لئے رحمت نہیں اللہ تعالیٰ کا ارادہ صرف یہ ہے کہ انہیں ان کے مال و اولاد وبال ہو جائیں۔ کہ ان چیزوں کے حاصل کرنے کی حفاظت کرنے میں مشغول رہیں اور یہ چیزیں ان کے لئے دنیا میں عذاب بن جاویں اور ان کی جان نہایت سختی سے نکلے۔ یہ کافر ہو کر مر جاویں۔ خیال رہے کہ یہی آیت کریمہ ابھی چند رکوع پہلے رکوع (۲) میں گزر چکی مگر اس آیت اور اس آیت میں چار طرح کا فرق ہے۔ نمبر (۱) وہاں **فلا تعجبک** تھا یہاں ہے **و لا یعجبک** واؤ سے کیونکہ وہاں پہلے گذر چکا تھا کہ یہ منافقین نماز پڑھتے ہیں تو سستی سے اور راہ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں تو بوجھ سمجھ کر پھر ارشاد ہوا **فلا تعجبک** یعنی جب ان کا یہ حال ہے تو تم ان کی مال و اولاد پر حیرت نہ کرو یعنی ان کی بدعملی کے بعد اس کا ذکر تھا مگر یہاں پہلے ان کی چند سزاؤں کا ذکر ہوا یہ بھی ایک سزا کا ذکر لہذا واؤ ارشاد ہوا (۲) نمبر (۲) وہاں ارشاد ہوا **و ال او لادھم** اور یہاں ارشاد ہوا **و لادھم** یعنی وہاں اولاد کے ساتھ بھی لا ہے یہاں نہیں وہاں دوبارہ لا تاکید نہی کے لئے آیا کہ نہ اس پر تعجب کرو نہ اس پر یہاں لا کے بغیر ارشاد فرما کر بتایا گیا کہ ان کے مال و اولاد عذاب ہونے میں یکساں ہیں نمبر (۳) وہاں ارشاد تھا **لیعذبھم** لام سے یہاں ارشاد ہے **ان یعذبھم** یعنی ان سے تاکہ معلوم ہو کہ وہاں بھی لام بمعنی ان تھا کیوں کہ رب کے کام میں علت سے درا ہوتے ہیں جیسے رب فرماتا ہے **وما امروا الا لیعبدالله** وہاں بھی لام بمعنی ان ہے نمبر (۴) وہاں ارشاد تھا **فی الحیوۃ الدنیا** اور یہاں ارشاد ہوا **فی الدنیا** یعنی حیوۃ نہیں ہے جس میں اشارۃ فرمایا گیا کہ ان کی زندگی قابل ذکر نہیں وہ ایسی ہی ادنی اور حقیر ہے جیسے دنیا حقیر و ذلیل (تفسیر خازن۔ کبیر۔ معانی وغیرہ)

فائدے: اس آیت کریمہ کے فوائد اسی آیت کی تفسیر میں عرض کئے گئے برکت کے لئے یہاں کچھ عرض کئے جاتے ہیں۔

پہلا فائدہ: کفار کی مالداری عیالداری پر کبھی للچائی نظر نہیں کرنی چاہئے مومن کی غریبی کافر کی امیری سے بہتر ہے یہ فائدہ **و لا تعجبک** سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: کافر کی مالداری کو اس کی محبوبیت یا مقبولیت کی دلیل نہ سمجھے کہ یہ عقیدہ کفر ہے یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ فرعون نمرود ابوجہل سے راضی ہے کیونکہ انہیں دولت سلطنت بخشی یہ کفر ہے مال و دولت دشمن کو بھی دے دی جاتی ہے۔ یہ فائدہ بھی **لا تعجبک** (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: کفار اپنے کمائے ہوئے حاصل کئے ہوئے مالوں کے مالک ہوتے ہیں اگرچہ انہوں نے ناجائز عقود سے حاصل کئے ہوں جیسے سود۔ شراب وغیرہ یہ فائدہ **اموالھم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کے جائز ناجائز مالوں کو ان کے مال کہا حتی کہ اگر جنگ میں کفار مومنوں سے مال چھین لیں تو احناف کے نزدیک مالک ہو جائیں گے حتی کہ مجاہدین غازی اسلام ان کے وہ سارے مال غنیمت میں حاصل کر سکتے ہیں اگرچہ سود شراب کی تجارت وغیرہ سے حاصل کئے ہوئے

ہوں۔

چوتھا فائدہ: مشرکین وکفار کے نکاح درست ہیں اگرچہ اسلامی طریقے سے نہ ہوئے اور ان کی اولاد حلالی ہے یہ فائدہ اولادھم سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کے بچوں کو ان کی اولاد کہا نیز رب تعالیٰ نے جمیلہ کو ابولہب کی بیوی فرمایا۔ وامراتہ حمالۃ الحطب مسئلہ اگر کافر خاوند بیوی مسلمان ہوں تو ان کے کفر کے زمانہ کا نکاح قائم رہے گا دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں یہ مسئلہ بھی اس آیت سے نکل سکتا ہے۔

پانچواں فائدہ: جو مال و اولاد رب تعالیٰ سے غافل کر دے وہ اللہ کا عذاب ہے یہ فائدہ ان یعذبھم سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: یہ فائل کافر منافق کی جان کنی بہت سختی سے ہوتی ہے کہ انہیں نزع کی شدت کے ساتھ دنیا چھوٹنے کی تکلیف بھی ہوتی ہے دو تکلیفوں کا اجتماع ہوتا ہے یہ فائدہ وتزھق انفسھم سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: عاقل کافر سے غافل کافر بدتر ہے کہ عاقل کبھی سوچ سمجھنے کے بعد مسلمان ہو جاتا ہے مگر غافل کو یہ نصیب نہیں ہوتا وہ کبھی برا بھلا سوچتا ہی نہیں یہ فائدہ وھم کافرون سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کبھی کفار کی دولت کی طرف نہیں اٹھی نہ حضور ﷺ نے کبھی ان پر تعجب کیا۔ حضور ﷺ کی شان تو یہ تھی۔

شعر

دولت دنیا خاک برابر کے خالی دل کے تو گر مالک کشور تخت نہ افسر صلی اللہ علیہ وسلم

دولت دنیا خاک برابر ہاتھ کے خالی دل کے تو نگر مالک کشور تخت نہ افسر صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضور انور سے لاتعجبک فرمانا کیونکر درست ہوا۔

جواب: ان جیسی آیات میں خطاب مسلمان سے ہوتا ہے اور اگر حضور انور ﷺ سے ہو بھی تو منظور ہوتا ہے سنانا امت کو رب فرماتا ایھا النبی اذا طلقتم النساء دیکھو وہاں ندا حضور ﷺ کو ہے مگر خطاب طلقتم میں مسلمان سے ہے۔

دوسرا اعتراض: یہ آیت بعینہ ابھی دو رکوع پہلے گذر چکی پھر دوبارہ کیوں ارشاد ہوئی جس کلام میں ایک بات بار بار کہی جاوے وہ کلام رب کا نہیں بندے کا ہے (آریہ)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ سورج بار بار نکلتا ہے دن رات بار بار آتے جاتے ہیں پنڈت جی بار بار سانس لیتے ہیں تو چاہئے کہ ان میں سے کوئی چیز رب کی نہ ہو سب انسان کی بنائی ہوئی ہوں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ بندہ بار بار غافل ہو جاتا ہے قرآن مجید بار بار جگاتا ہے فطری چیز ہے کہ کفار کا مال و منال دیکھ کر بے سمجھ مسلمانوں کے منہ میں پانی آ جاتا ہے اس لئے بار بار اعلان ہوتا ہے کہ ان کے مال سے دھوکا نہ کھانا یہ عذاب ہے سورۂ رحمٰن شریف میں تقریباً ایک ہی آیت اکتیس جگہ ہے اسی حکمت سے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کا برا چاہتا ہے یہ رب العالمین کی شان سے بعید ہے جب وہ مومن وکافر سب کا رب ہے تو اسے سب ہی کا بھلا چاہنا مناسب ہے اگر اب یعنی باپ اولاد کا برا چاہے تو وہ مہربان

باپ نہیں۔ اگر خدا بندوں کا برا چاہے تو وہ رب رحیم نہیں۔ (ہندو۔آریہ)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ تم بتاؤ رب تعالیٰ مسلمانوں کا بھلا چاہتا ہے یا برا مسلمان وہ ہیں جو دن رات گائیں ذبح کرتے رہتے ہیں یقیناً تمہارے نزدیک بھی ان کا بھلا تو چاہے گا نہیں ورنہ تم اور مسلمان دونوں برابر سرگ باش (جنتی) ہوئے تو یقیناً ان کا برا چاہے گا کہ انہیں دوزخ یعنی نرک میں بھیجے گا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ سارے بندے مومن متقی بن جاویں مگر جو بندے ایسا نہیں کرتے انہیں سزا ضرور دیتا ہے مجرم کو سزا دینا شان ربوبیت کے بالکل مطابق ہے کفار کی اولاد ان کے لئے غفلت کی باعث بنی یہ ان کی سزا ہے برا چاہنے اور سزا دینے میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: ایک پھول کا رس شہد کی مکھی کے پیٹ میں شہد بنتا ہے مگر بھڑ۔ (تبوڑی) کے پیٹ میں زہر۔ یہ نہ پھول کا قصور ہے نہ پھول لگانے والے باغ کے مالک کا بلکہ معدہ کا ہے مال اولاد اللہ کی نعمت ہے مگر بیدار دل مومن کے پاس ہو تو قرب الٰہی کا ذریعہ بلکہ کبھی صدقہ جاریہ بن جاتے ہیں اور کفر کے پاس غفلت و تکبر کا سبب۔ یہ لوگ سانپ یا بھڑیں ہیں کہ ہر چیز ان کے پاس غفلت بنتی ہے ابوجہل کا مال زہر تھا۔ کیونکہ وہ ایک سانپ کے معدہ میں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور عثمان غنی کا مال شہد ہوا اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اے مومن تو ان کے مال و اولاد کو دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ ان کے لئے یہ بہتر ہے ان کے لئے یہ وہ سانپ ہیں جو انہیں کو ڈسے گا وہ زہر ہے جو انہیں پر چڑھے گا حتی کہ یہ کفر پر مر جائیں گے یہ ان سے زندگی موت کے وقت اور موت کے بعد مصیبتیں ہی اٹھائیں گے۔ سانپ کا زہر دوسروں کو ہلاک کرتا ہے ان کا زہر یعنی یہ مال خود انہیں ہلاک کرے گا۔

وَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَجَٰهِدُوا۟ مَعَ رَسُولِهِ

اور جب اتاری جاتی ہے کوئی سورت یہ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو ساتھ رسول کے اس کے تو اجازت

اور جب کوئی سورت اترے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ جہاد کرو تو ان کے مقدور والے تم سے

ٱسْتَـْٔذَنَكَ أُو۟لُوا۟ ٱلطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا۟ ذَرْنَا نَكُن مَّعَ ٱلْقَٰعِدِينَ ﴿٨٦﴾

مانگتے ہیں آپ سے طاقت والے ان میں سے اور کہتے ہیں چھوڑ دو ہم کو رہیں ہم ساتھ بیٹھ

رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دیجئے کہ بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہولیں انہیں پسند آیا کہ

رَضُوا۟ بِأَن يَكُونُوا۟ مَعَ ٱلْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾

رہنے والوں کے راضی ہوئے اس سے کہ ہوں ساتھ پیچھے رہنے والیوں کے اور مہر کردی گئی اوپر دلوں کے پس وہ نہیں سمجھتے

پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور انکے دلوں پر مہر کردی گئی تو وہ نہیں سمجھتے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا کہ منافقوں کے مال ان کی اولاد دنیا میں عذاب ہیں اب اس عذاب ہونے کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ انہیں کہ مال و اولاد ہی اخلاص اور جہاد سے روکتے ہیں جو چیز نیک اعمال سے روکے وہ عذاب ہی ہے گویا پہلے عذاب ہونے کا دعویٰ تھا اب اس کی دلیل بیان ہو رہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ کے آخر میں ارشاد ہوا کہ ان منافقوں کی جان بہت سختی سے نکلے گی اور یہ کفر پر مریں گے اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ایمان سے کتراتے ہیں جس سے کفر دور ہو اور جہاد سے بچتے ہیں جو شہادت کا ذریعہ ہے اور شہادت میں جان نہایت آسانی سے نکلتی ہے۔

تیسرا تعلق: گذشتہ آیات میں ذکر تھا کہ منافقین جہاد سے بچنے کے لئے مختلف بہانے بناتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان بہانوں کی وجہ یہ ہے کہ وہ جہاد میں نہ جانے والی عورتوں سے محبت ان کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ (کبیر)

تفسیر: واذا انزلت سورة چونکہ یہ نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اذا کے لغوی معنی ہیں جب مگر یہاں اس کے معنی ہیں جب کبھی یعنی دوام کے لئے ہے (معانی) سورت کے معنی اس کے اقسام ہم پہلے پارہ میں فاتوا بسورة من مثله کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں مراد سورۃ کی آیات میں جیسے قرآن مجید کی ہر آیت کو قرآن کہہ دیتے ہیں۔ کتاب کی ہر عبارت کو کتاب یوں ہی سورت کی آیات کو سورۃ فرما گیا۔ کیونکہ کسی ساری سورت میں ایمان و جہاد کا حکم نہیں۔ بعض کے خیال میں اس سے مراد سورۂ توبہ ہے کیونکہ اس میں ایمان و جہاد کا حکم بہت ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے۔ (روح البیان و کبیر۔ معانی) ان امنوا بالله وجاهدوا مع رسوله ۔ اس فرمان عالی میں ان سے پہلے ب پوشیدہ ہے ان یا تو مصریہ ہے یا تفسیر کا اگر چہ منافقین اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا نبی مانو اگر چہ جہاد ہمیشہ ہی اچھی عبادت ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد سونے پر سہاگہ ہے کعبہ معظمہ کے قرب کی وجہ سے ایک کا ثواب ایک لاکھ ہے تو حضور انور کی ہمراہی حضور ﷺ کے قرب میں عبادت کس شان کی ہوگی۔ اندازہ لگا لو چونکہ عبادات پر ایمان مقدم ہے اس لئے ایمان کا ذکر پہلے ہوا اور جہاد کا ذکر بعد میں مع رسوله فرما کر یہ بتایا کہ تم کو رب تعالیٰ نے اچھا موقعہ دیا کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں جہاد نصیب ہوگا۔ جس سے اس کا ثواب اور زیادہ ہوگا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان یہ ہی ہے کہ اس کو رسول کی معرفت جانا مانا جاوے۔ بعض اوقات بعد ایمان جہاد ہی اعلیٰ عبادت ہوتا ہے لہٰذا یہ فرمان اور ترتیب بیان بالکل درست قوی ہے۔ استاذنک اولوا الطول منهم یہ عبارت جزاء ہے انزلت (الخ) کی استیذان کے معنی ہیں اذن یعنی اجازت مانگنا اولو جمع ہے ذو کی طول ط کے پیش سے اس کے معنی لمبائی اس کا مقابل عرض (چوڑائی) اور عمق گہرائی ہے مگر طول کے فتح سے بمعنی طاقت وقوت ہے مال طاقت چونکہ انسانی جسمانی اور مالی طاقت سے وہ لمبے چوڑے کام کر سکتا ہے جو کمزور اور غریب آدمی نہیں کر سکتا۔ اس لئے غنی طاقت وغیرہ کو طول کہا جاتا ہے۔ (روح البیان) جہاد کے موقعہ پر معذور مجبور لوگوں کا معذرت پیش کرنا جائز نہیں۔ ہاں مقدور والے لوگوں کا بہانے بنانا برا ہے اس لئے یہاں استاذنک (الخ) پر

قول سے مراد کنایۃً کہنا ہے نہ کہ صراحۃً یعنی وہ جو کچھ کہیں اس کا مطلب و مقصد یہ ہوتا ہے کہ جیسے اور مجبور و معذور لوگ بیٹھ رہے ہیں ہم بھی ان کے ساتھ بیٹھ رہیں ورنہ وہ صراحۃً یہ کہنے کی ہمت نہیں کر سکتے ہم ذر کے متعلق بارہا عرض کر چکے ہیں کہ یہ غیر متصرف فعلوں میں سے ہے اس کا صرف امر اور مضارع ہی آتا ہے نہ اس کا مصدر ہے نہ اور دوسری گردانیں یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو مدینہ منورہ ہی چھوڑ دیجئے کہ ہم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ آرام سے یہاں بیٹھ رہیں یہ ہی بات بتانے کے لئے آگے ارشاد ہوا۔ رضوا ان الله یکونوا (مع) الخوالف یہ فرمان عالی یاتوقالوا ذرنا (الخ) کی تفسیر ہے یا اس کی علت یکونوا کے معنی ہیں رہیں خوالف جمع ہے خالفۃ کی فاعل کی جمع فواعل کبھی نہیں آتی سواء دو لفظوں ھالک کہ اس کی جمع ھوالک ہے اور فارس کہ اس کی جمع فوارس ہے۔ (تفسیر کبیر) خلافہ پیچھے رہنے والی عورت خوالف ایسی عورتیں بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ خیر و برکت سے پیچھے رہ جانے والا مرد بھی خلافہ ہے اس میں ت تانیث کی نہیں بلکہ اس لفظ کو وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے کی ہے۔ (روح البیان) اس صورت میں خوالف سے مراد منافقین میں ہر خیر سے پیچھے ہر رحمت سے دور یعنی یہ کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے منافقین کے ساتھ یہ بھی رہیں اس فرمان عالی میں ان کی موجودہ حالت کا ذکر ہوا۔ وطبع الله علیٰ قلوبھم یہ فرمان عالی معطوف ہے رضوا (الخ) پر اس میں ان کے آئندہ حال کا ذکر ہے یعنی ان کے دلوں پر بے ایمانی۔ منافقت۔ کم ہمتی وغیرہ کی مہر لگ گئی وہ آئندہ بھی کسی جہاد میں جانے کی ہمت نہ کریں گے۔ طبع اور ختم دونوں کے معنی چھاپ۔ مہر۔ اس کی پوری تحقیق ہم پہلے پارہ میں ختم الله علیٰ قلوبھم کی تفسیر میں کر چکے ہیں دل کی سختی جس کی وجہ سے اس کے اندر کا کفر نکل نہ سکے۔ ایمان محبت رسول خوف خدا۔ آخرت کا دھیان داخل نہ ہو سکے۔ ختم یا طبع کہلاتا ہے اسی مہر کا نتیجہ یہ ہے کہ فھم لا یفقھون اب وہ سمجھتے ہی نہیں کہ جہاد اور اللہ رسول کی اطاعت میں کیا فائدے ہیں اور کفر منافقت جہاد سے جی چرانے وغیرہ میں کیا نقصانات ہیں خیال رہے کہ فہم پر سمجھ کو کہتے ہیں فقہ خاص دینی سمجھ کو جس سے انسان دینی نقصان و نفع کو سمجھے اللہ تعالیٰ یہ سمجھ کسی سے سلب نہ کرے۔

خلاصہ تفسیر: جب کبھی ایسی آیات نازل ہوتی ہیں جس میں اخلاص والے ایمان اور جہاد کا حکم ہو کہ لوگو! مخلص مومن ہو جان و مال سے جہاد کرو۔ تو معذورین کا ذکر نہیں۔ ان منافقوں میں اچھے خاصے بنے کٹے صحت۔ مال والے بھی آپ سے مدینہ میں رہ جانے کو سو بہانے بنا کر اجازت چاہتے ہیں وہ تمام باتیں بنا کر کوشش یہ کرتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ جایئے ہم معذور مجبور لوگوں کے ساتھ ہی بیٹھ رہیں۔ یہ لوگ بہادر مجاہدین کے ساتھ جانے پر خوش نہیں اس پر خوش ہیں کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں یا بزدل منافقوں کے ساتھ رہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر نفاق و کفر کی مہر کر دی گئی اب وہ بھلا برا نہیں سمجھتے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کبھی آیت کو بھی سورۃ کہہ دیا جاتا ہے یعنی جز کو کل کا نام دے دیا جاتا ہے۔ یہ فائدہ و اذا انزلت سورۃ (الخ) سے حاصل ہوا۔ کیونکہ کسی پوری سورت میں ایمان و جہاد کا حکم نہیں۔ ان کا حکم آیات میں ہی ہے۔ رب فرماتا ہے فاتو

بسورة من مثله۔ وہاں بھی سورۃ سے مراد آیت ہو سکتی ہے۔

دوسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات صفات بلکہ تمام ایمانیات کو ماننا ایمان نہیں یہ فائدہ امنوا باللہ سے حاصل ہوا کہ مذکورین منافقین اللہ تعالیٰ اور قیامت وغیرہ کے منکر نہ تھے مگر انہیں حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ یعنی رسول اللہ پر ایمان لاؤ۔

تیسرا فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ ایمان کے بعد جہاد سب سے اعلیٰ عبادت ہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں ایمان کے ساتھ جہاد کا ذکر کیا۔ نماز وغیرہ کا ذکر نہ کیا اس دلیل کا جواب ان شاء اللہ اعتراض و جواب میں دیا جائے گا۔

چوتھا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبادات بہت ہی افضل ہیں کہ ان میں حضور ﷺ کی ہمراہی کا فیضان بھی شامل ہوتا ہے یہ فائدہ مع رسوله سے حاصل ہوا آج مسجد نبوی کی ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے کیوں اس لئے وہاں حضور ﷺ کا قرب میسر ہے۔ لہٰذا دنیا بھر کے مسلمانوں کی نمازوں سے صحابہ کرام کی نمازیں افضل تھیں۔ جو حضور انور ﷺ کی ہمراہی یا ان کے پیچھے ادا ہوئیں۔

پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگنا کبھی جان ایمان ہوتا ہے اور کبھی اصل کفر گردہو کہ بازی یا بہانہ حیلے کے لئے ہو تو کفر ہے یہ فائدہ استاذنک (الخ) سے حاصل ہوا۔ خصوصاً جب کہ یہ عقیدہ ہو کہ حضورؐ کو ہمارے دلی حالات وارادوں کی خبر نہیں۔ ہم حضور ﷺ کو دھوکا دے سکتے ہیں معاذ اللہ۔

چھٹا فائدہ: بعضے گناہوں کی نحوست سے دل پر کفر و نفاق کی مہر لگ جاتی ہے کہ پھر ایمان اور نیک اعمال کی توفیق نہیں ملتی یہ فائدہ وطبع علی قلوبھم سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: دینی صحیح سمجھ جسے فقہ کہتے ہیں وہ کامل ایمان سے نصیب ہوتی ہے جتنا ایمان قوی انشاء اللہ اتنا ہی تفقہ زیادہ۔ یہ فائدہ فھم لا یفقھون سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ جب بھی ایمان و جہاد کے حکم کی سورت اور ترقی ہے۔ قرآن مجید میں نہ تو کوئی سورۃ ایمان ہے نہ جہاد نہ کسی سورت میں اول سے آخر تک ایمان یا جہاد کا حکم پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

جواب: تفسیر کبیر وغیرہ نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ یا تو اس سورت سے مراد سورۃ توبہ ہی ہے کہ اس میں جہاد کا بہت سختی سے حکم دیا گیا یہ ضروری نہیں کہ سورت میں اول سے آخر تک ایک ہی حکم ہو۔ سورۃ بقر میں اول سے آخر تک گائے کا ذکر نہیں ہے مگر سورۃ بقر ہے ہم سورتوں کے نام کی وجہیں پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں۔ یا سورہ میں مراد آیات ایمان و جہاد ہیں کہ ہر آیت کو سورۃ بلکہ قرآن کہہ سکتے ہیں جیسے پانی کا قطرہ پانی ہے۔

دوسرا اعتراض: یہاں ایمان کے ساتھ صرف اللہ کا ذکر کیوں ہوا ایمان تو بہت باتوں پر ہوتا ہے۔

جواب: صحیح طور سے جو اللہ پر ایمان لائے گا وہ ساری ایمانیات پر ضرور ایمان لائے گا جیسے ہمارے ماں باپ بہت سے رشتوں کا ذریعہ ہیں کہ ان کا ہر رشتہ دار ہمارے عزیز ہیں ان کا باپ ہمارا دادا ان کے بھائی بہن ہمارے چچا پھوپھی وغیرہ

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی بندگی اس کے سارے بندوں سارے ایمانیات کے ماننے کا ذریعہ لہٰذا امنوا باللہ میں یہ سب کچھ آ گیا۔

تیسرا اعتراض: سارے منافقین ایمان تو رکھتے تھے ان کے ایمان کا شرعاً اعتبار بھی تھا پھر ان سے امنوا کیوں فرمایا گیا کہ ایمان لاؤ۔

جواب: مفسرین نے فرمایا کہ یا تو اس کے معنی ہیں ایمان پر قائم رہو جیسے یاایھا الذین امنوا امنوا یا اس سے مراد ہے کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو کہ اس کے ذریعہ اعمال بھی قبول ہوتے ہیں۔ شرط جواز اور ہے شرط قبول کچھ اور فقیر کے نزدیک یہ ہی جواب قوی ہے۔

چوتھا اعتراض: مع رسولہ کا تعلق امنوا سے ہے یا جاھدوا سے جواب ظاہر یہ ہے کہ اس کا تعلق جاھدوا سے ہے چونکہ حضور انور ﷺ کے ساتھ نیک اعمال سے درجہ بہت ہی بڑھ جاتا ہے اس لئے مع رسولہ فرمایا گیا۔ کون ہے جو ایمان کے بعد جہاد ہی کا درجہ ہے فرمایا گیا۔ امنوا باللہ وجاھدوا

جواب: حق یہ ہے کہ نماز ساری عبادات سے عموماً افضل ہے کہ ساری عبادات فرش پر آئیں مگر نماز عرش پر پر بلا کر عطا ہوئی۔ معراج کا تحفہ نیز نماز کا حکم قرآن مجید میں بہت زیادہ دیا گیا نیز جہاد بھی نماز قائم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ ہاں بعض ہنگامی حالات میں جب کہ کسی جگہ جہاد فرض عین ہو جائے تو عارضی طور پر جہاد افضل ہوگا۔ حتیٰ کہ جہاد کے لئے نماز میں قضا کرنی پڑ جاویں تو کی جائیں گی یہاں یا تو صرف ہنگامی حالات کی حالت میں ارشاد ہوا ہے یا منافقین جہاد سے ہی بچنے کے لئے بہانے بنایا کرتے تھے نمازیں تو پڑھ لیا کرتے تھے ان وجوہ سے صرف جہاد کا ذکر ہوا بہرحال یہ فرمان اسی خصوصی موقعہ کے لحاظ سے ہے جب کہ جہاد کی سخت ضرورت تھی۔

چھٹا فائدہ: یہاں ارشاد ہوا وقالوا ذرنا (الخ) ہم کو چھوڑ دیجئے کہ ہم بیٹھنے والے کے ساتھ رہیں مگر وہ منافقین یہ تو نہ کہتے ہوں گے ورنہ ان کا نفاق کھل جاتا وہ تو کوئی اور ہی حیلے بہانے کرتے ہوں گے۔

جواب: ظاہر یہ ہے کہ قالوا سے مراد ہے ان کا مقصد کلام یعنی یہ سب کچھ اس مقصد سے کہتے ہیں کہ انہیں عورتوں بچوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے یا وہ اپنی بیماری آزادی کا بہانہ کر کے کہتے تھے کہ جیسے فلاں فلاں بیمار کو رہ جانے کی اجازت دی گئی ہے ہم بھی ان ہی کی طرح بیمار ناچار ہیں ہم کو بھی ان کے ساتھ رہ جانے کی اجازت دی جاوے یا یہ مطلب ہے کہ ہم کو بیماروں بچوں کے ساتھ رہنے دیجئے تاکہ ان کی خدمت و نگرانی کریں۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کبھی کسی کو توشہ آخرت جمع کرنے کا سنہرا موقعہ دیتا ہے خوش نصیب ہے وہ جو نادر موقعہ سے فائدہ اٹھائے۔ بدنصیب ہے وہ جو ایسے موقعہ کے فیوض سے محروم رہے منافقین کو رب نے موقعہ دیا تھا کہ حضورؐ انور کے ساتھ جہاد کرتے مگر انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا۔ خیال رہے کہ جہاد وغیرہ میں حضورؐ انور کی جسمانی ہمراہی خاص ان صحابہ کو میسر ہوئی مگر حضورؐ کی غیبی ہمراہی تا قیامت غازیوں کو حاصل ہے جہادوں میں حضورؐ انور عموماً تشریف فرما ہوتے ہیں جیسا کہ بعض

لوگوں نے مشاہدہ بھی کیا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مقبولین بارگاہ کے مزارات کے پاس مسجدیں اس لئے بنوائی جاتی ہیں کہ نمازیں ان کے قرب میں ادا ہوں اور قابل قبول ہوں دیکھو جاھدوا کے ساتھ مع رسول ارشاد ہوا نیکیوں سے اللہ کی رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔ گناہوں سے زحمتوں اور غضب کے دروازے کھلتے ہیں۔ انبیاء کرام اور اولیاء عظام و علماء ربانی کی صحبت ہمراہی وہ عبادت نیکی ہے جس سے زحمتوں اور غضب کے دروازے کھلتے ہیں۔ انبیاء کرام اور اولیاء عظام و علماء ربانی کی صحبت و ہمراہی وہ عبادت نیکی ہے جس سے رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔ بعض گناہوں سے دل پر کفر کی مہر لگ جاتی ہے فرمایا گیا وطبع علی قلوبھم بعض گناہوں سے حافظہ خراب ہوتا ہے امام شافعی نے اپنے استاد امام وکیع سے خرابی حافظہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا گناہ چھوڑ دو۔ حافظہ قوی ہو جاوے گا۔ علم نور ہے اور نور قصور والوں کو نہیں دیا جاتا۔ خود فرماتے ہیں:

شکوت الی وکیع سوء حفظی ۔۔۔ فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الہ ۔۔۔ وان النور لایعطی بعاص

غرضیکہ جیسے غذاؤں کا اثر معدہ و جگر بلکہ دل و دماغ پر پڑتا ہے ایسے ہی اعمال ظاہری کا اثر دل دماغ خیالات بلکہ روح تک پہنچتا ہے۔ منافقوں کے دلوں پر مہر لگ جانا پھر ان کا کچھ بھی نہ سمجھ سکنا ان کے مذکورہ باطل اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ

مگر پیغمبر اور وہ جو ایمان لائے ساتھ ان کے جہاد کیا انہوں نے ساتھ مالوں اپنے کے اور

لیکن رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد

اَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور جانوں اپنی کے اور یہ لوگ ہیں کہ واسطے ان کے بھلائیاں ہیں اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں

کیا اور انہیں کے لئے بھلائیاں ہیں اور یہ ہی مراد کو پہنچے

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

تیار کیں اللہ نے واسطے ان کے جنتیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ

اللہ نے ان کے لئے تیار کو رکھی ہیں بہشتیں جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ

فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع

وہ ان میں یہ ہے کامیابی بڑی

ان میں رہیں گے یہ ہی بڑی مراد ملنی ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق: ہر پچھلی آیات میں منافقوں کے جہاد سے بچنے کا حیلہ بہانہ کر کے وطن میں رہ جانے کا ذکر ہوا اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے کہ مخلص مومنین بخوشی ہر طرح کے جہاد کرتے ہیں گویا منافقین کے عیوب کے بعد مخلصین کے صفات کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان ان عیوب سے بچیں یہ صفات اختیار کریں۔
دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ منافقین خوائف یعنی ہر خیر و برکت سے دور رہنے والے منافقوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہیں اب ارشاد ہے کہ مخلصین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے پر خوش ہیں جن کے دم قدم سے کامیابیاں وابستہ ہیں گویا بروں کی ہمراہی کے بعد اچھوں بلکہ اچھوں کے بادشاہ کی ہمراہی کا ذکر ہے۔ اللہ نصیب کرے۔
تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقوں کے جہاد سے رہ جانے کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ اس سے جہاد پر کوئی اثر نہ پڑے گا کیونکہ سارے مخلصین مومنین اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں وہ آپ ﷺ کے ہمراہ ہیں گویا منافقین کی علیحدگی کے بعد مومنین مخلصین کی ہمراہی کا ذکر ہے۔
چوتھا اعتراض: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ منافقوں کا جہاد سے الگ رہنا ذریعہ ہے ان کے دلوں پر کفر کی مہر لگ جانے کا اب ارشاد ہے کہ مخلصین کا آپ ﷺ کے ساتھ رہنا ذریعہ ہے دل پر ایمان نقش ہو جانے کا گویا کفر کی مہر لگ جانے کے بعد ایمان لازم ہونے کا تذکرہ ہے۔
تفسیر: لکن الرسول والذین امنوا لفظ لکن وہم دور کرنے کے لئے آتا ہے۔ جس سے بتایا گیا کہ جہاد سے بچنے والے صرف منافقین ہیں رہے ہمارے رسول اور ان کے جان نثار صحابہ وہ تو دل و جان سے حاضر رہتے ہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ منافقین کے جہاد نہ کرنے سے یہ وہم نہ کرنا جہاد نہ ہو سکے گا۔ اللہ کے رسول اور مومنین تو ہر طرح جہاد کرتے ہیں لہٰذا جہاد جاری رہیں گے قرآن کریم میں جہاں کہیں الرسول یا رسول بغیر قید کے آئے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہوتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہے الذین امنوا میں سارے مہاجرین و انصار داخل ہیں چونکہ لفظ مومنوں اور لفظ امنوا میں حضور ﷺ داخل نہیں ہوا کرتے کیونکہ لوگ ہیں ایمان لانے والے یا ایمان لینے والے۔ حضور انور ہیں ایمان دینے والے اس لئے حضور انور کا ذکر علیحدہ کیا جاتا ہے آپ ﷺ کو مومنین یا امنوا میں داخل نہیں کیا جاتا یہ بات یاد رہے معہ یہ ظرف ہے امنوا کا یعنی وہ لوگ جو رسول کے ساتھ ایمان لائے خیال رہے کہ یہاں ہمراہی سے زمانی یا مکانی ہمراہی مراد نہیں۔ کیونکہ حضور انور کا ایمان عالم ارواح کا ہے اوروں کا ایمان دنیا میں آنے کے بعد حضور ﷺ کا ایمان عرشی ہے ہمارا فرشی پھر ہمراہی کیسی بلکہ ایک قسم کی نوعیت بھی ہمراہی مراد ہے کہ رسول کی طرح دل و زبان ارکان سے ایمان لائے۔ منافقوں کی طرح صرف زبانی ایمان نہ رکھا۔ جیسے بلقیس نے کہا تھا اسلمت مع سلیمان حالانکہ بلقیس کا ایمان حضرت سلیمان کے بعد تھا۔ خیال رہے کہ نوعیت ایمان میں بھی نبی اور امتی کے ایمان میں بڑا فرق ہے ہم مومن حضور انور ایمان ہمارا کلمہ محمد رسول اللہ حضور کا کلمہ انا رسول اللہ ہمارا ایمان حصول حضور ﷺ کا ایمان حضوری ہمارا ایمان بالغیب حضور ﷺ کا ایمان

بالشھادۃ کہ سارے ایمانیاں حضور ﷺ کے دیکھے بھالے۔ صرف اخلاص میں ہمراہی ہے اس کی کچھ بحث یہاں روح البیان نے بھی کی ہے اور ہم نے جاء الحق حصہ اول میں بہت تفصیل سے اس کا ذکر کیا۔ جاھدوا باموالھم و انفسھم یہ فرمان عالی لکن الرسول والذین امنوا معہ کی خبر ہے۔ جاھدوا سے مراد ہیں اب تک اس کے کئے ہوئے سارے جہاد بدر سے لے کر تبوک تک اموال سے مراد ہر قسم کے وہ مال جو جہاد میں کام آویں۔ روپیہ پیسہ سواریاں۔ ہتھیار غازیوں کی غذا دوا وغیرہ جانوروں سے جہاد کرنے سے مراد ہے میدان جہاد میں حاضر ہو جانا۔ خواہ وہاں کفار سے جنگ کریں یا جنگ کرنے والوں کی مدد کریں۔ کھانا پکائیں زخمیوں کی مرہم پٹی کریں وغیرہ سب ہی جہاد بالنفس ہیں بعض اوقات یہ لوگ مال و جان دونوں سے جہاد کرتے تھے بعض اوقات صرف مال سے بعض اوقات صرف جان سے یہ فرمان عالی سب کو شامل ہے۔ اولئک لھم الخیرات قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی معطوف ہے جاھدوا (الخ) پر جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر جائز ہے۔ خیرات سے مراد یا تو دین دنیا کی بھلائیاں ہیں۔ فتح غنیمت عزت عظمت دنیا کی نعمتیں خاتمہ بالخیر قبر کے حساب سے معافی۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی جنات میں داخلہ سب ہی مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ خیرات سے مراد جنتی حوریں ہوں رب فرماتا ہے فیھم خیرات حسان لھم کے مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ واقعی جہاد کی بھلائیاں صرف مجاہدین کے لئے ہیں۔ اولئک لھم الخیرات پر اگر خیرات سے مراد بہشتی حوریں تھیں تو مفلحون سے مراد ہے جنت کی دوسری نعمتوں سے بہرور ہونا اور اگر خیرات سے دین دنیا کی ساری نعمتیں تھیں تو فلاح سے مراد ہے دونوں جہان کی آفات سے محفوظ رہنا مراد ہے فلاح کے معنی اس کے اقسام ہم پہلے پارہ کے شروع میں عرض کر چکے اعد اللہ لھم جنات یہ فرمان عالی یا تو لھم الخیرات کی تفسیر و تفصیل ہے یا مصلحون کا یا علیحدہ مستقل نعمتوں کی تفصیل۔ اعد بنا ہے اعداد سے بمعنی طیار کرنا یا نامزد فرما دینا کسی کے نام پر لگا دینا لفظ اللہ فرما کر یہ بتایا کہ یہ نامزدگی کسی طرح ختم یا تبدیل نہیں ہو سکتی کیونکہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے لھم میں لام ملکیت کا ہے یا نفع کا چونکہ ہر جنتی کو خصوصاً غازی مجاہدین کو بہت سے باغات عطا ہوں گے لہٰذا جنات جمع ارشاد ہوا تجری من تحتھا الانھار یہ فرمان عالی جنات کی صفات ہے پانی کی روانی اور فراوانی سے باغ کی رونق و میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے نیز درمیان باغ نہر روان سے وہ نظارہ ہوتا ہے کہ سبحان اللہ اس لئے ہر جگہ جنات کے ساتھ روانی نہر کا ذکر ہوتا ہے تحتھا کے معنی ہیں اہل جنت کے محلوں کے نیچے یا درختوں کے نیچے چونکہ وہاں صرف پانی کی نہر نہ ہوگی بلکہ دودھ۔ شہد۔ شراب طہور کی نہریں بھی ہوں گی اس لئے انھا جمع ارشاد ہوا۔ نہر اور بحر (دریا) کے بہت سے فرق ہم بارہا عرض کر چکے ہیں خالدین فیھا یہ فرمان عالی لھم کی ضمیر سے حال ہے خلود کے معنی دراز قیام بھی ہیں اور ہمیشہ قیام بھی یہاں ہمیشگی مراد ہے کیونکہ دوسری جگہ ابدا بھی ہے یعنی وہ اہل جنت ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے کہ نہ انہیں موت آئے نہ باغات کو فنا نہ ان میں خزاں یہ تمام باتیں اس ایک فرمان میں آ گئیں فنا کی دھڑکن ہر لذت کو بے مزہ کر دیتی ہے وہاں یہ نہیں ذلک الفوز العظیم یہ فرمان عالی منافقین کے اس خیال کی تردید میں ہے کہ جہاد سے بچ جانا گھروں میں آرام کرنا بڑی کامیابی ہے فرمایا گیا کہ یہ تو فنا اس راہ میں فنا بقا ہے۔ جان دینا زندگی ہے لٹ جانا سب کو پا لینا ہے سب کو کھو دینا پا لینا

ہے یہ ہی تو بڑی کامیابی ہے۔ شعر

جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین　　جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین

خلاصہ تفسیر: ان منافقوں کے جہاد سے جان چراتے بہانے بنا کر رہ جانے سے بالکل فکر نہ فرمائیں کہ اگر چہ یہ جان چرائیں لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مخلص مومنین نے اپنی جان و مال سے جہاد کئے اور نہایت شاندار کامیابی حاصل کی ان مردودوں کے دور رہنے سے کوئی فرق نہیں ہزار ایسے مخلصین مجاہدین کے لئے دین و دنیا کی بھلائیاں ہیں کہ انہیں دنیا میں فتوحات غنیمتیں۔ عزت۔ حرمت۔ حکومت مرتے وقت آئندہ کی بشارت قبر میں حساب سے رہائی قیامت اور بعد میں اللہ کی رضا سب انہیں کے لئے ہیں رب تعالیٰ نے ان کے نامزد ایسی جنتیں کر دی ہیں جن کے مکانات درختوں کے نیچے بہت سی نہریں رواں ہیں وہاں سے نکلنے کا احتمال نہیں ہمیشہ رہیں گے نہ انہیں موت نہ باغوں کو فنا بڑی کامیابی یہ ہے کہ فانی جان و مال خرچ کر کے باقی نعمتیں حاصل کر لی جاویں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نفس ایمان ہیں تمام مسلمانوں سے ممتاز ہیں مطلقاً مومنین یا امنوا میں داخل نہیں ہوا کرتے یہ فائدہ یہاں الرسول کے بعد الذین امنوا فرمانے سے حاصل ہوا معطوف علیہ غیر ہوتا ہے معطوف کا حضورؐ انور سراپا ایمان ہیں ہم لوگ مومن۔　شعر

قرآن تو کہتا ہے کہ ایمان ہیں یہ　　ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

دوسرا فائدہ: مومنین اگر چہ گنہگاروں مگر بفضلہٖ تعالیٰ حضورؐ انور کے ساتھ ہیں اور قیامت میں ساتھ ہوں گے جیسے غلام آقا کے ساتھ ہوتے ہیں یہ فائدہ امنوا معہ سے حاصل ہوا ان کا ساتھ ہی ذریعہ نجات ہے۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو　　کہ رستہ میں جا بجا تھانہ والے (اعلحضرت)

گو نیست جمال و رنگ و بویم　　آخر نہ گیاہ باغ اویم (سعدی)

تیسرا فائدہ: حضرات صحابہ کرام مخلصین مومن مجاہد غازی تھے۔ ان کے تمام جانی مالی جہاد اللہ کی راہ میں تھے۔ یہ فائدہ جاھدوا باموالھم (الخ) سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کی جنگوں کو جہاد قرار دیا۔

چوتھا فائدہ: ان حضرات کے جہاد وغیرہ سارے عبادات مقبول ہیں اور وہ حضرات ہر طرح کامیاب ہیں یہ فائدہ اولئک لھم الخیرات اور ھم المفلحون سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: جنت پیدا ہو چکی ہے اور جنتی لوگوں کو نامزد بھی ہو چکی کہ فلاں محل فلاں باغات فلاں کے لئے ہیں یہ فائدہ اعد اللہ ماضی فرمانے سے حاصل ہوا بلکہ وہاں کے محلات پر ان لوگوں کے نام بھی تحریر ہیں جن کی خبر حضور انور نے معراج سے واپس تشریف لا کر دی۔

چھٹا فائدہ: جنتی حضرات اپنی اپنی جنت کے مالک ہوں گے صرف مہمان نہ ہوں گے یہ فائدہ لھم جنات کے لام سے

حاصل ہوا کہ لام ملکیت کا ہے۔

ساتواں فائدہ: جنت کے باغات میں نہریں آج بھی بہہ رہی ہیں ان کے پھل اب بھی موجود ہیں یہ فائدہ تجری من تحتھا الانھار سے حاصل ہوا کہ یہ حال ہے بعض بزرگوں نے اس دنیا میں وہاں کے پھل کھائے ہیں جیسے حضرات مریم اور بعض نے ان نہروں کا پانی پیا جیسے وہ صحابہ جنہوں نے حضور انور کی مبارک انگلیوں سے جاری ہونے والا پانی پیا وہ انہیں نہروں کا تھا۔

پہلا اعتراض: عام مومنوں کا ایمان حضور انور کے ایمان سے ہر طرح بعد میں ہے حضور کا ایمان ازلی عرشی بالذات باقی کا ایمان یہاں دنیا میں آکر فرشی اور بلواسطہ پھر معہ فرمانا کیونکر درست ہوا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں معیت اور ہمراہی زمانی یا مکانی نہیں بلکہ نوعیت ایمان میں موافقت مراد ہے۔ یعنی ان کا ایمان اس قسم کا ہے جس قسم کا ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ دل سے اخلاص سے۔ اس اخلاص وغیرہ میں انہیں حضور انور کی ہمراہی حاصل ہے۔ اگرچہ درجے ایمان میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ غلام خدام اپنے آقا کے ساتھ ہوتے ہیں۔

دوسرا اعتراض: لھم الخیرات اور ھم المفلحون کی عبارت سے حصر ظاہر ہوتا ہے تو کیا سوائے مجاہد غازیوں کے اور کسی کے لئے بھلائیاں اور کامیابی حاصل نہیں اگر حاصل ہیں اور ضرور حاصل ہیں تو اس حصر کا کیا مطلب ہے۔

جواب: واقعی وہ بھلائیاں اور کامیابیاں جو جہاد اور غزوات کا اجر ہیں وہ انہیں کے لئے خاص ہیں خیرات اور فلاح بہت قسم کی ہیں۔

تیسرا اعتراض: جاھدوا باموالھم (الخ) جملہ فعلیہ ہے اور اولئک لھم الخیرات جملہ اسمیہ اور نحوی قاعدے سے جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر درست نہیں پھر یہاں یہ عطف کیوں ہوا۔

جواب: یہ قاعدہ کلیہ نہیں بہت جگہ ایسے عطف واقعہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں اشارۃً فرمایا گیا کہ تاقیامت مومنین مجاہدین بفضلہ تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہیں جو کوئی جو بھی نیکی کرتا ہے حضور انور کی ہمراہی اسے میسر ہوتی ہے۔ اگر ان کے ساتھ ہونا ساتھ رہنا ہے تو نیک کار بنو۔ خیال رہے کہ عابدین کی حسنات بھی اور ہیں اور ان کی خیرات اور فلاح بھی کچھ اور مگر عارفین کی حسنات کچھ اور ہیں ان کی خیرات وفلاح بھی کچھ اور عاشقین کی حسنات خیرات وفلاح چیز ہی دوسری ہیں دنیا میں نفس کے حجاب سے چھٹکارا بڑی کامیابی ہے بڑا کافر ہمارا نفس ہے اور اس پر جہاد اکبر ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

جملہ قرآں شرح جنت نفسہا است
بنگر اندر مصحف آں چشمت کجا است

ہیں مرداندر رہے نفس چوزاغ کوبگورستاں بروئے سوئے باغ

نفس اگرچہ زیرک است و خردہ دان قبلہ اش دنیا است اور امردہ دان

کفار پر جہاد ایمان رسول کے بعد ہے۔ نفس پر جہاد ایمان ہے رسول اللہ ہے۔ جنہیں حضورؐ انور کی ہمراہی نصیب ہوگئی انہیں جنت کا آج دنیا ہی میں مالک کر دیا گیا۔ بعد قیامت تو انہیں اس کا قبضہ دیا جاوے گا۔ وہاں وہ مالک ہوں گے مگر ان کی خاطر تواضع مہمانوں کی سی ہوگی۔ اب پڑھو اعد اللہ لھم جنات (الخ) پھر وہ آیت پڑھو۔ نزلا من غفور رحیم یہ حضرات جنت کے مالک بھی ہیں اور رب تعالیٰ کے دائمی مہمان بھی یا حضورؐ انور کے مہمان۔ شعر

آسمان خوان زمین خوان زمانہ مہمان صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا (اعلیٰحضرت)

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ
اور آئے حیلے کرنیوالے دیہاتی لوگ تا کہ اجازت دی جاوے ان کو اور بیٹھ
اور بہانے بنانے والے گنوار آئے کہ انہیں رخصت دی جائے اور بیٹھ
الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
رہے وہ لوگ جھوٹ بولا انہوں نے اللہ سے اور رسول سے اس کے عنقریب پہنچے گا ان کو
رہے وہ جنہوں نے اللہ اور رسول سے جھوٹ بولا تھا جلد ان میں کے کافروں
مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
جنہوں نے کفر کیا عذاب درد ناک
کو درد ناک عذاب پہنچے گا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں مدینہ منورہ کے منافقین اور مخلصین مجاہدین کا ذکر ہوا۔ اب آس پاس کے دیہاتی مومنین منافقین کا ذکر ہو رہا ہے گویا قریبی لوگوں کے بعد بعیدی لوگوں کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جنہیں کوئی عذر نہ تھا صرف منافقت کی بیماری تھی۔ اس وجہ سے غزوہ تبوک سے رہ گئے اب ان سست لوگوں کا ذکر ہے جو منافق تو نہ تھے مگر کاہل اور سست تھے۔ اس لئے بہانے بناتے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اجازت لینے کے لئے رہ جانے کی۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان منافقین کا ذکر ہوا جو معذور نہ تھے مگر جھوٹے عذر بنا کر غزوہ تبوک سے رہ گئے اب ان دیہاتی مخلصین کا تذکرہ ہے جو واقعی معذور تھے اور عذر صحیح ظاہر کر کے رہ گئے۔ خیال رہے کہ جاء المعذرون من معذرون کے متعلق بہت اختلاف ہے کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں اس لئے تعلق میں اختلاف ہے۔

نزول: یہ آیت کریمہ کن لوگوں کے متعلق نازل ہوئیں اور یہ کہ اس میں کن کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق تین قول ہیں۔ نمبر ا جب غزوہ تبوک کا اعلان ہوا اور سب کو وہاں جانے کا حکم دیا گیا تو مدینہ طیبہ کے بیرونی علاقہ سے عامر ابن طفیل اور اس کے قبیلہ کے لوگ حاضر خدمت ہوئے۔ بولے کہ اگر ہم حضور ﷺ کے ساتھ تبوک جائیں تو ہم کو خطرہ ہے کہ ہمارے پیچھے گھروں کو قبیلہ بنی طے لوٹ لیں ہمارے بچوں کو ہلاک کردیں اس لئے ہم حاضری سے معذور ہیں سرکار نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو تم سے بے نیاز کردے گا۔ رب نے مجھے تمہارے متعلق خبر دے دی ہے۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی اس میں ان کا بیان ہے یہ لوگ واقعہ میں معذور نہ تھے۔ جھوٹ بولتے تھے۔ نمبر ۲ جب غزوہ تبوک کا اعلان ہوا تو دیہات کے معذور لوگ مدینہ منورہ حاضر ہو کر حضور کی خدمت میں معذرت کرنے حاضر ہوئے اور وہاں کے منافقین اپنے گھروں میں رہے حاضر نہ ہوئے نہ غزوہ تبوک میں گئے ان دونوں فریقوں کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس کے اول جز میں ان سچے معذوروں کی معذرت کا ذکر ہے۔ دوسرے جز و قعد الذین کذبوا میں گھروں میں رہ جانے والے منافقین کا تذکرہ ہے۔ نمبر ۳ غزوہ تبوک کے موقعہ پر دیہاتی منافقوں کے دو گروہ ہو گئے ایک گروہ دھوکہ دہی کے لئے حضورؐ انور کی خدمت میں حیلے بہانے بنانے کے لئے حاضر ہوا۔ دوسرا گروہ اپنے دیہات ہی میں رہا۔ حاضر نہ ہوا۔ اس آیت کریمہ کے ان دو جزووں میں ان دونوں جماعتوں کا ذکر ہے۔ (از تفسیر خازن۔ روح البیان۔ معانی۔ مدارک کبیر وغیرہ) یہ تیسرا قول بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ حاضر ہو جانے والوں کو معذرون فرمادیا گیا۔ اور رہ جانے والوں کو کذبوا اللہ ورسولہ فرمایا گیا۔ اگر حاضر ہونے والے بھی منافق ہوتے تو ان کے لئے الگ صیغہ استعمال نہ ہوتا سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں کہ حاضر ہونے والے دیہاتی واقعی معذور تھے قبیلہ بنی غفار کے یا دوسرے قبیلہ کے دیکھو (روح المعانی)

تفسیر وجاء المعذرون: یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ پہلی عبارت پر معطوف ہو اور واؤ عاطفہ جائنک کے بعد ک ضمیر خطاب پوشیدہ ہے ہماری قرات میں معذرون ہے عین کے فتحہ اور ذال کی شد سے یا باب تفعیل کا اسم فاعل ہے باب افعال کا کہ اصلی میں تھا معتذرون ت ذال سے بدل کر ذال میں مدغم ہو گئی اگر باب تفعیل سے ہے تو اس کے معنی ہوں گے جھوٹے عذر بنانے والے۔ تقذیر حیلے بہانے بنانا۔ اور اگر باب افتعال سے ہو تو دونوں احتمال ہیں۔ جھوٹے بہانے بنانے والے یا سچی عذر و معذوری والے اعتذار دونوں معنی میں آتا ہے لبید شاعر کہتا ہے مصرع۔

ومن یبک حولا کاملا فقد اعتذر

اس مصرع میں اعتذر کے معنی ہیں سچا عذر بیان کیا۔ (تفسیر روح البیان و خازن و کبیر) سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس نے تیسری تفسیر کی۔ یعنی آپ کی خدمت میں معذور لوگ عذر خواہی کے لئے حاضر ہوئے۔ ایک قراءت میں معذرون ہے۔ عین کے شد سے کہ اصل میں متعذرون تھا ت عین بن کر عین میں مدغم ہو گئی اور ذال پہلے ہی شد والی تھی یعنی باب تفعل کا اسم فاعل مگر یہ قراءت قوی نہیں کیونکہ کبھی عین نہیں بنتی نہ اس میں مدغم ہو (روح المعانی) من الاعراب یہ فرمان عالی

معذرون کا بیان ہے من بیانیہ ہے اور ہوسکتا ہے کہ من بعضیت کا ہو۔ کیونکہ دیہاتی نہ آئے تھے۔ بلکہ بعض آئے تھے۔ اعراب جمع ہے مگر اس کا واحد کوئی نہیں۔ جیسے نساء بنا ہے عوب سے بمعنی ملک عرب کے جنگلی گاؤں یا عرب سے مدینہ منورہ کا دیہاتی علاقہ (روح البیان) ان سے مراد یا بنی اسد وغطفان اور یا عامر ابن طفیل اور اس کی قوم یا بنی غفار لیؤذن لھم یہ فرمان عالی جاءالمعذرون کے متعلق ہے اس میں لام بمعنی کئے ہے یعنی اس لئے آئے تا کہ انہیں غزوہ میں نہ جانے گھر پر رہنے سے آپ ﷺ کی طرف سے اجازت دے دی جائے۔ یا رب تعالیٰ کی طرف سے کہ ان کے متعلق اجازت کی آیت آ جاوے۔ یہاں تک تو اس ایک جماعت کا ذکر ہوا۔ وقعد الذین کذبوا اللہ ورسولہ یہ دوسری جماعت یعنی دیہاتی منافقوں کا ذکر ہے قعد کے معنی ہیں اپنے دیہات میں بیٹھ رہے آپ ﷺ سے اجازت لینے حاضر ہی نہ ہوئے کذبوا کے معنی ہیں کہ انہوں نے کلمہ پڑھ کر مسلمان بن کر اللہ رسول سے جھوٹ بولا کہ دل میں کافر ہے زبان سے مسلمان بنے اگرچہ انہوں نے حضور انور سے جھوٹ بولا تھا مگر چونکہ حضور سے جھوٹ بولنا رب تعالیٰ سے جھوٹ بولنا ہے۔ اس لئے کذبوا اللہ ورسولہ فرمایا گیا۔ اس مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کا ذکر ابھی پہلے ہوا وہ منافقین نہ تھے بلکہ مومنین تھے یا کامل دوست لوگ یا واقعی معذور لوگ (روح البیان وخازن وغیرہ) سیصیب الذین کفروا منھم یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں دوسری جماعت یعنی دیہاتی منافقوں کی سزا کا ذکر ہے منھم میں بعضت کا ہے۔ کافروا کے معنی ہیں جو مرتے دم تک کافر رہے نفاق سے توبہ نہ کی لہٰذا منھم کی ضمیر منافقین کی طرف ہے ان دیہاتی منافقوں میں بعض وہ بھی جو آگے جا کر مخلص مومن بننے والے تھے اور ایمان پر مرنے والے۔ بعض وہ تھے جو کفر ونفاق پر ہی مرنے والے تھے اس لئے منھم فرمانا بالکل درست ہے۔ عذاب الیم یہ فرمان عالی فاعل ہے مبصت کا۔ عذاب الیم سے مراد قبر وحشر کا عذاب ہے جو کفر کی وجہ سے ہوگا۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے دنیا کی سزا قتل وقید مراد ہے۔ کہ وہ کھلے کافروں سے مل کر مسلمانوں کے مقابل لڑیں اور ان کے ہاتھوں قتل یا قید ہوں۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

خلاصہ تفسیر: مدینہ منورہ کے مخلصین مومنین اور منافقین کا ذکر تو آپ سن چکے۔ رہے آس پاس کے دیہاتی علاقہ کے لوگ ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں واقعی معذورین مخلصین وہ تو آپ ﷺ کی خدمت میں اپنا عذر پیش کرنے اور رہ جانے کی اجازت لینے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تا کہ آپ ﷺ کی اجازت سے گھر میں رہیں بغیر پوچھے نہ رہیں۔ دوسرے وہاں کے منافقین جو مسلمان بنے کلمہ پڑھنے میں اللہ رسول سے جھوٹ بول گئے کہ دل میں کافر تھے زبان سے مومن بن گئے۔ یہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے آپ ﷺ کے پاس آئے ہی نہیں ان میں پھر دو طرح کے لوگ ہیں بعض وہ جو آئندہ مومن مخلص بن جائیں گے اور ان کا خاتمہ ایمان ہوگا۔ بعض وہ جو کفر پر ہی مریں گے یہ آخری لوگ سخت عذاب پائیں گے۔ یا دنیا و آخرت دونوں جگہ یا صرف آخرت میں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: بحالت معذوری حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر کرنا کہ میں فلاں عبادت سے

معذور ہوں۔ رب تعالیٰ کو پسند ہے اور اکڑ کر گھر بیٹھے رہنا حاضر بارگاہ نہ ہونا۔ رب تعالیٰ کو سخت ناپسند یہ فائدہ جاء المعذرون کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ معذرون سے مراد واقعی معذور ہوں۔

دوسرا فائدہ: گناہ کر کے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر نہ ہونا اپنے کو حضور ﷺ سے مستغنی جاننا کفر بلکہ اللہ رسول سے جھوٹ بولنا ہے یہ فائدہ وقعد الذین کذبوا (الخ) سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ ولو انھم اذظلموا انفسھم جاؤک (الخ) حضور انور گنہگار مومنوں کی پناہ ہیں۔

تیسرا فائدہ: حضور انور کی بارگاہ رب تعالیٰ کا آستانہ عالیہ ہے وہاں جھوٹ بولنا رب سے جھوٹ بولنا ہے یہ فائدہ کذبوا اللہ ورسولہ سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین نے حضور انور سے جھوٹ بولا تھا مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ رسول سے جھوٹ بولا اس کے برعکس حضور ﷺ سے سچ کہنا رب تعالیٰ سے سچ عرض کرنا ہے حضور انور کے روبرو عجز و نیاز خود رب تعالیٰ سے عجز و نیاز ہے رب تعالیٰ نصیب فرمائے۔

چوتھا فائدہ: عند اللہ کافر وہ ہے جس کا انجام کفر پر ہو۔ موجودہ حالت کا اعتبار نہیں یہ فائدہ الذین کفروا منھم سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: جن مفسرین نے معذرون سے حیلے بہانے والے منافقین مراد لئے ہیں۔ وہ فعدل الذین کفروا سے کیا مراد لیتے ہیں منافق تو سارے ہی کافر ہیں خواہ حضور ﷺ کی خدمت میں بہانے بنانے آئیں یا نہ آئیں۔ جواب وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس وقت دیہاتی منافق دو طرح کے تھے ایک وہ جو بہانے بنانے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے دوسرے وہ جو اپنے گھروں میں رہے حضور ﷺ کے پاس آنے کی انہوں نے ضرورت ہی نہ سمجھی پہلے قسم کے لوگ کافر بھی تھے اور معذرین یعنی دھوکے باز بھی۔ دوسرے قسم کے لوگ صرف کافر تھے۔ اس حکمت سے ان دونوں جماعتوں کے لئے الگ الگ لفظ ارشاد ہوا۔

دوسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا۔ کذبوا اللہ ورسولہ چاہئے تھا۔ کذبوا ورسولہ کے شد سے ہوتا۔

جواب: اس وقت وہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بولنے آئے تھے۔ اس لئے کذبو افرمانا بغیر شد کے بالکل درست ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا الذین کفروا منھم جو ان منافقوں میں سے کافر ہوئے منافق تو سارے ہی کافر ہیں پھر منھم فرمانا کیونکر درست ہوا۔

جواب: یہاں کفروا کے معنی یہ نہیں کہ کافر ہوئے بلکہ معنی یہ ہیں کہ کافر ہے یعنی مرتے دم تک کافر ہے کفر پر مرے اس سے ان کو نکال دیا گیا جو مرنے سے پہلے توبہ کر کے مخلص مومن بن گئے۔ رب فرماتا ہے ان الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین وہاں بھی یہ معنی ہیں کہ جو کتابی اور مشرک کافر ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حضور انور کے آستانہ پر حاضری دنیا ایمان بھی ہے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بھی اور کفر بھی منافقت

بھی۔رب فرماتا ہے۔اذا جاء ک الذین یومنون بایاتنا اور فرماتا ہے۔ولو انھم اذظلموا انفسھم جاء وک اور فرماتا ہے۔اذا جائک المنافقون اور یہاں فرماتا ہے۔ثوجاء المعذرون ان تمام آیات میں جاء و آیا اور حضور انور کی خدمت میں آنا مراد ہے مگر پہلے دو آیتوں میں جس آنے کا ذکر ہے وہ آنا عین ایمان اور معافی گناہ کا ذریعہ ہے آخری دو آیتوں میں جس آنے کا تذکرہ ہے وہ آنا عین کفر ہے۔عقیدت و محبت سے حاضر ایمان ہے دھوکا دینے جھوٹی قسمیں کھانے کے لئے حضور کے پاس آنا بے دینی ہے اور منافقوں کا کام جھوٹ بولنا ہر جگہ ہی منع ہے مگر حضور انور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جھوٹ بولنا بدترین گناہ ہے کہ حضور کا آستانہ رب تعالٰی کا دربار عالیہ ہے۔یہاں جھوٹ بولنا درحقیقت رب تعالٰی سے جھوٹ بولنا ہے اس لئے کذبوا اللہ ورسولہ ارشاد ہوا۔اس کے برعکس حضور علیہ السلام کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہو کر بھیک مانگنا اپنے گناہوں کا اقرار کرنا معافی مانگنا رب تعالٰی سے ہی معافی مانگنا ہے کسی کے دروازے پر جا کر صدا دینا خود مالک سے ہی مانگنا ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالٰی کا دروازہ ہیں۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا
نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جو نہیں پاتے وہ جو خرچ کریں
ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جنہیں خرچ
يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى
کوئی حرج جب خیر خواہی کریں اللہ کی اور اس کے رسول کی نہیں ہے
کا مقدور نہ ہو جب کہ اللہ اور رسول کے خیر خواہ رہیں نیکی والوں پر کوئی راہ
الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۹۱﴾
نیک کاروں کے لئے کوئی راستہ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے
نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں جھوٹے عذر کرنے والے بہانے بنانے والوں کا تذکرہ ہوا اور ان پر عتاب فرمایا گیا۔اب واقعی سچے عذر والوں کا ذکر ہے جو جہاد سے معذور ہیں کہ ان پر نہ جہاد فرض اور نہ وہ رہ جانے پر معتوب گویا جھوٹوں کے بعد سچوں کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان بدنصیبوں کا ذکر ہوا جو سفر کر کے جہاد فی سبیل اللہ نہ کریں اب ان خوش نصیبوں کا تذکرہ

ہے جو گھر میں رہ کر بھی جہاد کریں اور مجاہدین میں شمار ہوں کہ مجاہدین کی بیوی بچوں کی خبر گیری ان کے گھر بار کی نگرانی کا کاج کریں۔ اذا نصحوا اللہ و رسولہ

تیسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں ان غازی مجاہدوں کا ذکر ہوا جو اپنے مال و جان غرضیکہ ہر چیز سے جہاد کریں۔ وجاھدوا باموالھم وانفسھم اب ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جو غریب بھی ہوں لاچار بھی مگر جہاد کریں۔ غرضکہ دو قسم کے جہادوں کے بعد تیسری قسم کے جہاد کا ذکر ہے جو مال و جان خرچ کرنے سے بے نیاز ہے۔

نزول: دار قطنی نے اپنے افراد میں حضرت زید ابن ثابت سے روایت ہے کہ سورہ برات میں جہاد کی آیات اتریں جن میں جہاد سے جان بچانے والوں پر سخت عتاب تھا۔ میں کاتب وحی تھا۔ لکھ رہا تھا کہ ایک نابینا صاحب حاضر ہوئے۔ بولے یا رسول اللہ میرے متعلق کیا حکم ہے میں تو معذور ہوں تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی) قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت عائذ ابن عمرو اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی جو جہاد اور سفر سے معذور تھے ضحاک کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے متعلق آئی جو نابینا تھے۔ (تفسیر خازن) ممکن ہے کہ روح المعانی کی روایت میں نابینا سے مراد یہ ہی ہوں رضی اللہ عنہم۔

تفسیر: لیس علی الضعفاء یہ ارشاد عالی نیا جملہ ہے۔ جس میں ایک نیا قانون ارشاد ہوا۔ ضعفاء جمع ہے۔ ضعیف کی۔ جیسے رحما جمع ہے رحیم کی یا علماء جمع ہے علیم کی فقہا جمع ہے فقیہ کی۔ یہاں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی بیماری سے نہیں بلکہ خلقی (پیدائشی) طور پر کمزور ہیں۔ جہاد نہ کر سکیں جیسے عورتیں' کمزور بچے ضعیف بوڑھے یا پیدائشی ناقص الخلقت لولے لنگڑے (روح المعانی' بیان' خازن) ولا علی المرضیٰ یہ فرمان عالی معطوف ہے۔ علی الضعفاء پر مرضیٰ جمع ہے۔ مریض کی۔ صفت مشبہ مرض کا بمعنی بیماری اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی بیماری کی وجہ سے سفر اور جہاد کے قابل نہ ہوں خواہ وہ مرض قابل علاج اور جلد جانے والا ہو جیسے بخار اور بیماریاں یا دائمی اور ناقابل علاج جیسے لولا لنگڑا پن یا نابینا پن غرضکہ ان دونوں لفظوں میں بہت وسعت ہے۔ (تفسیر روح المعانی) یہاں تک تو جسمانی معذوروں کا ذکر ہوا۔ ولا علی الذین لایجدون ماینفقون اس میں مالی مجبوریوں کا ذکر ہے کہ جو ہیں تو تندرست مگر ان کے پاس سفر جہاد کے لئے سواری اور سامان سفر نہ ہو۔ جیسے غزوہ تبوک کے موقعہ پر قبیلہ حزینہ جہینہ اور بنی عذرہ وغیرہم (روح المعانی) مگر ان کے لئے دو قیدیں ہیں ایک یہ کہ انہیں کوئی امیر مسلمان سامان سفر نہ دے سکے دوسرے یہ کہ سفر کرکے جہاد کرنا ہو۔ اگر کوئی سامان جہاد دے یا اپنے شہر پر ہی کفار کا حملہ ہو جاوے تو ان معذرین پر جہاد ضروری ہے حرج یہ ہے لیس کا موخر اسم حرج کے لغوی معنی ہے تنگی۔ اصطلاح میں بمعنی گناہ آتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی ان معذورین پر جہاد میں نہ جانے پر گناہ نہیں۔

خیال رہے: کہ اس فرمان عالی میں گناہ کی نفی ہے ان لوگوں کے لئے جہاد میں نکلنا حرام نہیں لہذا اگر یہ لوگ تنگی ترشی سے جہاد میں پہنچ جاویں وہاں نمازیوں کی خدمت یا ان کے سامان کی نگرانی کریں یا کم از کم ان کی تعداد بڑھا دیں تو ثواب پاویں گے بشرطیکہ نمازوں پر بوجھ نہ بن جاویں کہ ان کا سنبھالنا مشکل ہو جاوے۔ (کبیر' خازن) ان سب باتوں کے باوجود

شرط یہ ہے کہ اذا نصحوا اللہ و رسولہ یہ فرمان عالی لیس کی شرط یا ظرف ہے نصح کے معنی ہیں خلوص یا خالص ہونا چونکہ خیر خواہ کے دل میں خلوص ہوتا ہے اپنی غرض اس میں شامل نہیں ہوتی اس لئے اس کو نصیحت کہا جاتا ہے حضور ﷺ کے دین کی حضور ﷺ کے امت کی مجاہدین کے بال بچوں کی خیر خواہی ان کی خدمت حضور انور کی خیر خواہی ہے اور حضور کی خیر خواہی رب تعالیٰ کی خیر خواہی ہے اس لئے نصحوا اللہ و رسولہ ارشاد ہوا یعنی یہ مجبور لوگ مدینہ میں رہ کر دینی خدمات مجاہدین کے بال بچوں کی خدمت کریں جو اللہ رسول کی خیر خواہی ہے۔ منافقوں کی طرح مجاہدوں کے متعلق غلط تکلیف دہ خبریں نہ اڑائیں۔ ان کے بال بچوں کو پریشان نہ کریں۔ ما علی المحسنین من سبیل اس فرمان عالی میں ان رہ جانے والوں اور رہ کر خدمت دین کرنے والوں کا نتیجہ اور انجام ارشاد ہوا۔ یعنی یہ لوگ محسن اور نیک کار ہیں نیک کاروں پر نیکی کی وجہ سے گناہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب ملتا ہے۔ محسن ہر نیک کار کو کہا جاتا ہے جو فرائض واجبات سنن نوافل وغیرہ جو بن پڑے وہ کرے۔ من استغراق کا ہے بمعنی کوئی سبیل سے مراد ہے گناہ کا راستہ یعنی اس کام میں ان پر کوئی گناہ نہیں یا ان پر کوئی گناہ نہیں یا ان کو سزا دینے کی کوئی راہ نہیں۔ واللہ غفور رحیم یہ یا تو نیا جملہ ہے یا پہلے فرمان کی وجہ اور علت یعنی رب تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو رہ جانے کی اجازت اس لئے دی کہ وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی۔ مغفرت اور رحمت میں فرق بارہا بیان ہو چکا گناہ پر پکڑ نہ کرنا بخشش دینا مغفرت ہے نیکی پر ثواب دینا رحمت گناہ چھپا لینا مغفرت ہے نیکی تمام پر ظاہر فرما دینا رحمت اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بندہ کسی حال میں رب تعالیٰ کی مغفرت و رحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہر شخص کو ہر وقت اس کی مغفرت و رحمت کی ضرورت ہے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں تین قسم کے لوگوں کو غزوات میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ ضعیف، مریض، غریب، مگر ضعیف اور مریض کو مطلقاً اجازت ہے خواہ سفر کر کے جہاد کرنا پڑے یا اپنے گھر رہ کر ہی۔ مگر غریب کو اجازت تب ہے جب کہ سفر کر کے جہاد کرنا ہو اور اس کے پاس سامان سفر نہ ہو۔ جیسے حج کے لئے سامان سفر پر قدرت ضروری ہے مگر دور رہنے والوں کے لئے خود مکہ والوں پر ضروری نہیں وہاں غریبوں پر بھی فرض فرمایا گیا۔ کہ کمزور لوگ یعنی بچے بوڑھے۔ عورتوں پر یوں ہی ایسے بیماروں پر جو سفر نہ کر سکیں جیسے لولے لنگڑے اندھے وغیرھم یوں ہی ایسے غریبوں پر جو سفر کے لئے سامان نہ پائیں کہ ان کے پاس ہو نہ کوئی دے ان پر جہاد میں شرکت نہ کرنے اور مدینہ منورہ میں رہ جانے پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ مدینہ میں رہ کر بقدر طاقت اللہ رسول کی خیر خواہی کریں کہ مجاہدین کے بال بچوں کی خدمت اور ان کے گھر بار کی حفاظت کریں۔ انہیں تسلی تشفی دیتے رہیں یہ لوگ نیک کار ہیں گھر میں رہ کر مجاہد غازی ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ غفور بخشنے والا بھی ہے اور رحمت والا بھی وہ انہیں معذروں کی اس خدمت کی وجہ سے ان کے سارے گناہ بخش دے گا۔ اور ان کو اپنے فضل و کرم سے ثواب دے گا۔ وہ ان کے لئے ان کے گھروں کو ہی میدان جہاد بنا دے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ کسی بندے پر بوجھ نہیں ڈالتا یہ فائدہ لیس علی الضعفاء (الخ) سے حاصل

ہوا۔اس سے بہت سے فقہی مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں دیکھو نابینا اور بے دست و پا پر جمعہ فرض نہیں اگر چہ وہ شہر میں رہتے ہوں۔کہ اس نماز میں جماعت شرط ہے اور ان پر جماعت کی حاضری دشوار ہوگی۔

دوسرا فائدہ: قرض لے کر یا بھیک مانگ کر مالی عبادت ادا نہ کرے۔یہ فائدہ لایجدون ماینفقون سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان مساکین سے یہ نہ فرمایا گیا قرض یا بھیک سے مال جمع کر کے جہاد میں جاؤ بلکہ ان سے جہاد کی حاضری معاف کردی لہٰذا قرض یا بھیک کے ذریعہ حج زکوۃ۔فطرہ ادا نہ کرو۔بلکہ یہ چیزیں مساکین پر معاف ہیں۔

تیسرا فائدہ: وہ ضعف اور بیماری جو سفر سے روک کے اس سے وہ جہاد معاف ہوگا۔جس میں سفر کرنا پڑے اگر اپنے شہر میں ہی کفار پر جہاد کرنا ہو تو ان کو بھی کرنا پڑے گا یہ فائدہ اس فرمان عالی کی روش سے معلوم ہوا۔

چوتھا فائدہ: یہ لوگ بھی اگر کسی طرح جہاد میں پہنچ جائیں تو گنہگار نہیں۔کیونکہ ان پر جہاد فرض نہیں۔انہیں حرام نہیں یہ فائدہ لیس علی الضعفاء (الخ) کے علی سے حاصل ہوا علی وجوب کے لئے آتا ہے۔اگر کوئی قرض سے حج کرآئے بعد میں قرض ادا کردے تو اس کا حج ہو جائے گا۔

پانچواں فائدہ: جو لوگ جہاد میں نہ جاسکیں وہ بھی وطن میں ایک قسم کا جہاد کریں یعنی مجاہدین کے بال بچوں کی خدمت ان کے گھر بار کی نگرانی ان تک مجاہد کے متعلق اچھی خبریں پہنچانا۔اگر کوئی تشویش ناک خبر ہو تو اسے شائع نہ ہونے دینا وغیرہ یہ فائدہ اذا نصحوا اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: جو مجبور و بے کس کسی نیکی سے محروم ہو وہ بھی محسن ہے اس پر گناہ نہیں بلکہ ایک لحاظ سے ثواب ملے گا۔یہ فائدہ ماعلی المحسنین سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان ضعفاء وغیرھم کو محسن فرمایا اس سے تفسیر روح المعانی نے یہ مسئلہ مستنبط کیا۔اگر کوئی شخص حملہ آور جانور کو اپنے بچاؤ کے لئے قتل کردے تو اس پر اس کی قیمت یا تاوان واجب نہیں نہ وہ گنہگار ہے وہ محسن میں داخل ہے۔(روح المعانی یہی مقام)

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ کمزوروں اور بیماروں پر گناہ نہیں کمزوروں اور بیماروں میں کیا فرق ہے ہر بیمار کمزور ہوتا ہے۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ خلقی یعنی پیدائشی کمزوری والے ضعفاء ہیں۔جیسے عورتیں بچے بوڑھے وغیرہ اور کسی عارضہ سے کمزوری والے مریض ہیں لہٰذا فرمان عالی میں تکرار نہیں۔

دوسرا اعتراض: اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ عورتیں جہاد نہ کریں کیونکہ وہ ضعفاء میں داخل ہیں مگر تواریخ بلکہ احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ عورتوں نے جہاد میں شرکت کی ہے۔عہد فاروقی میں حضرت خولہ بنت ازور کے کارنامے مشہور ہیں کیا یہ برا تھا۔

جواب: یہاں فرمایا یہ گیا کہ ان پر جہاد ضروری نہیں یہ نہیں فرمایا کہ ان پر جہاد حرام ہے یہ بھی عام حالات میں بعض ہنگامی حالات میں جب کفار کا دباؤ بڑھ جاوے عورتیں بچے بھی ضرور جہاد کریں حالات پر منحصر ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی۔ لا یجدون ماینفقون مساکین یا فقراء فرما دینا کافی تھا۔
جواب: شریعت میں مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ فقیر وہ جس کے پاس نصاب سے کم ہو۔ جہاد معاف ہونے کے لئے یہ دونوں چیزیں کافی نہیں جس کے گھر میں سامان کافی ہو مگر جہاد میں خرچ کرنے کا سامان کافی نہ ہو بلکہ جہاد میں خرچ کرنے کا سامان بہت تھوڑا ہو یا جہاد میں خرچ کرنے کا سامان نہ ہو وہ اگرچہ مسکین نہیں مگر اس پر جہاد فرض نہیں اور جس کے پاس کچھ ہو مگر سامان جنگ موجود ہو وہ اگرچہ مسکین ہے مگر جہاد اس پر فرض ہے پھر جہاد کے خرچ مختلف مختلف کبھی تھوڑے خرچ سے جہاد ہو سکتا ہے کبھی بہت سے خرچ سے یہ تمام صورتیں اس مختصری عبارت میں آ گئیں فقیر یا مسکین فرمانے سے یہ جامعیت حاصل نہ ہوتی اگر کسی مسکین کو کوئی امیر آدمی سامان جہاد عاریۃً دے دی اس پر بھی جہاد فرض ہے۔ دیکھو ہر قسم کی زکوۃ کے لئے نصاب مقرر ہے۔ مگر حج کے لئے نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا خرچ مقرر نہیں مختلف زمانوں مختلف ٹھکانوں میں اس کے خرچ مختلف ہوتے ہیں۔
چوتھا اعتراض: اس لئے کہ منافقین حیلے بہانے بنا کر مدینہ منورہ رہ جاتے تھے پھر مجاہد غازیوں کے بال بچوں میں غلط اندوہ ناک خبریں پھیلاتے تھے اور طرح طرح انہیں دکھ پہنچاتے تھے ان عیوب سے بچانے کے لئے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ تم ان جیسے کام نہ کرنا بلکہ خیر خواہی کرنا تب تم کو مذکورہ ثواب ملے گا۔
پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ کو مغفرت و رحمت پر کیوں ختم فرمایا کہ واللہ غفور رحیم یہ عبارت تو گناہوں کے ذکر کے بعد چاہئے یہاں تو نیکیوں کا ذکر ہے۔
جواب: یہ بتانے کے لئے کہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا یہ مذکور حضرات اگرچہ نیک صالح ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت کی انہیں بھی ضرورت ہے یا یہ مطلب ہے کہ ان نیک اعمال کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے گذشتہ گناہ معاف فرما دے گا۔ اور خصوصی رحمتیں عطا فرمائے گا۔
تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں چند باتیں بتائی گئی ایک یہ کہ قوی مالدار حضرات جو جہاد میں جائیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے ہیں مگر یہ تین قسم کے لوگ کمزور، بیمار، نادار جو وہاں سے نہ جا سکیں دل پکڑ کر رہ جائیں حضورؐ انور ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ ہر جگہ جاری ہے مدینہ منورہ حاضر ہونے والے حضورؐ انور کے پاس پہنچتے ہیں معذور و مجبور لوگ جو یہاں روتے رہ جائیں حضورؐ انور ان کے پاس پہنچتے ہیں دوسرے یہ کہ حضورؐ انور کے غلاموں کی خیر خواہی کرنا حضورؐ کی خیر خواہی ہے اور حضورؐ انور کی خیر خواہی رب تعالیٰ کی خیر خواہی ہے۔ دیکھو مدینہ منورہ میں رہ جانے والے کمزور، بیمار مسلمان غازیوں کے بیوی بچوں کی خدمت کرتے تھے ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ اذا نصحوا اللہ ورسولہ پھر ایسے لوگ گنہگار نہیں بلکہ محسنین یعنی نیک کار ہیں۔ کیونکہ نیک کاروں کے متعلقین کے خدمت گار ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت بہت قسم کی ہے۔ جیسا بندہ ویسی اس کی مغفرت و رحمت گنہگاروں پر اور قسم کی رحمت و مغفرت ہے نیک کاروں پر دوسری قسم کی۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اور ہی خاص قسم کی رحمت و مغفرت جیسا مرحوم ویسی رحمت جیسا

اس لئے اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال اس موقعہ پر سواری کا بھی ہوا تھا اور موزوں و جوتوں کا بھی جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا اس لئے ما احملکم مطلق ارشاد جو ان سب کو شامل ہے نیز سوال ان ہی چیزوں کا ہوا تھا۔ ہتھیار یا کھانا وغیرہ کا سوال نہ تھا۔ اس لئے اس طرح ارشاد ہوا تو لو و اعینھم تفیض من الدمع اگر قلت لا اجد (الخ) کا جواب تھا تو یہ فرمان عالی نیا کلام ہے۔ گذشتہ کا بیان اور اگر وہ معطوف یا حال تھا تو یہ فرمان عالی اذا کا جواب ہے تو لو کے معنی ہیں واپس ہوئے انہوں نے پیٹھ پھیری اور اعینھم (الخ) تو لو کے فاعل سے حال ہوا۔ اصل عبارت یوں تھی دموعھم تفیض من اعینھم یعنی ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ مگر آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں۔ یہ عرب کا محاورہ ہے وہ کہتے ہیں سال المیزاب من الماء پرنالہ پانی سے بہا۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ پرنالے سے پانی بہت زیادہ بہا۔ وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا تفیض بنا ہے فیض سے بمعنی بہنا بزرگوں کے فیضان کو فیض اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ان کے دل سے مرید کے دلوں پر بہتا ہوا جوش مارتا ہوا آتا ہے۔ یہ بھی عربی محاورہ ہے۔ حزنا الا یجدوا ماینفقون اس فرمان عالی میں حزنا مصدر ہے اور تفیض کا مفعول لہ اس لئے تفیض اس میں عامل ہے۔ جیسے آنکھ تفیض کا فاعل تھا ایسے ہی حزنا کا بھی فاعل ہے رنج و غم دل کا کام بھی ہے اور آنکھ کا کام بھی۔ جب دونوں کا فاعل ایک ہوا تو لام کا پوشیدہ کرنا جائز ہو (تفسیر روح المعانی، روح البیان وغیرہ) الا یجدوا (الخ) حزنا کا مفعول ہے یعنی اس رنج و غم میں رونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو جہاد میں خرچ کرنے کے لئے مال میسر نہ ہونے کا سخت رنج و غم ہے۔ حزنا کی تنوین کثرت اور عظمت بتانے کے لئے ہے اس لئے بالحزن یا للحزن نہ فرمایا۔ فقیر نے اس عبارت کی ترکیب نحوی جو عرض کی اس کا خیال ہے ذرا مشکل ہے۔

خلاصہ تفسیر: جیسے مذکورہ تین جماعتوں پر جہاد میں حاضر نہ دینے پر کوئی گناہ نہیں یوں ہی ان لوگوں پر بھی گناہ نہیں جو غزوہ تبوک کا اعلان سن کر آپ ﷺ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئے کہ آپ ﷺ انہیں سواری اور سامان سفر عطا فرمائیں انہوں نے آپ ﷺ سے یہ چیزیں مانگیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اس وقت وہ سواری وغیرہ اپنے پاس نہیں پاتے جو تم کو عطا کریں وہ یہ فرمان عالی سن کر اس طرح واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ابل رہے تھے۔ اس غم سے کہ انہیں غزوہ میں خرچ کرنے وہاں حاضر ہونے کے لئے سامان نہ ملا۔ ایسے مجبوروں معذوروں پر حاضر نہ ہونے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں بلکہ اس کوشش اور غم کرنے کا انہیں ثواب ملے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اپنی دین و دنیا کی حاجات لے کر حضور انور کے دروازے پر جانا سنت صحابہ ہے حضرات صحابہ حضور انور کو حلال مشکلات حاجتوں کو پورا فرمانے والا مانتے تھے۔ یہ فائدہ اذا ما اتوک سے حاصل ہوا۔ دیکھو فقراء صحابہ حاجت روائی کے لئے حضور کے پاس آئے۔

دوسرا فائدہ: حضور انور سے دین و دنیا کی بھیک مانگنا مومن کے لئے عزت ہے یہ فائدہ لتحملھم (الخ) سے حاصل

ہوا۔

منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھادو
جس کو میری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو

تیسرا فائدہ: مومن کو چاہئے کہ سائل کو نہ تو جھڑ کے نہ آئے اسے روکے بلکہ اگر اس کا سوال پورا نہ کر سکے تو اچھے الفاظ سے معذرت کر دیئے یہ فائدہ **لا اجد ما احملکم** (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضور انور نے کسی مبارک طریقہ سے معذرت فرمائی۔ نہ انہیں جھڑ کا نہ یہ فرمایا کہ ہم نہ دیں گے۔ **واما السائل فلا تنهر** اس فرمان عالی میں تا قیامت مسلمانوں کو معذرت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

چوتھا فائدہ: نیکی نہ کر سکنے پر افسوس کرنا رونا بھی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے یہ فائدہ **واعینهم تفیض من الدمع** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان حضرات کے اس وقت رونے کو بطریق احسن بیان فرمایا۔ یوں ہی گناہ کر بیٹھنے پر پچھتانا رونا بھی عبادت ہے یہ رونا توبہ کی اعلیٰ قسم ہے اس پر بہترین ثواب کی امید ہے۔

پانچواں فائدہ: کسی کو نیکی کرتے دیکھ کر اس پر رشک وغلبہ کرنا کہ کاش میں بھی یہ کر سکتا عبادت ہے انشاء اللہ اس کو نیکی کرنے والے کا ثواب ہی ملے گا۔ یہ فائدہ **الا یجدوا ماینفقون** سے حاصل ہوا جو ہم جیسے مساکین مدینہ کے مسافر کو دیکھ کر روتے آنسو بہاتے ہیں ان شاء اللہ اس پر ہم بھی ان مسافروں کے زمرہ میں آجاتے ہیں۔ شعر

ہمیں بھی یاد رکھنا ساکنان کوچہ جاناں
سلام شوق پہنچے بیکسان دشت غربت کا

پہلا اعتراض: تم نے تفسیر میں کہا حزناً نحوی ترکیب میں تفیض فعل کا مفعول لہ ہے جس پر لام پوشیدہ ہے اصل میں لحزن تھا۔ مگر لہ کا لام تو پوشیدہ ہو سکتا ہے جب کہ فعل اور مفعول کا فاعل ایک ہو۔ یہاں تفیض کا فاعل آنکھیں ہیں اور حزناً کا فاعل دل پھر لام کیسے پوشیدہ ہو گیا۔ جواب اس کا تفسیر کبیر وغیرہ نے یہ جواب دیا ہے کہ رنج وملال کا فاعل بھی آنکھیں ہیں دل پچھتاتا ہے آنکھ آنسو بہاتی ہے یہ آنسو آنکھ کا رنج ہے۔ دوسرا اعتراض تم کہتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سائل کو رد نہیں فرمایا آپ کی زبان پاک پر لا۔ یعنی نہیں کبھی نہیں آیا۔ شعر

زمانہ نے زمانہ میں سخی ایسا کہیں دیکھا زباں پر جس کے سائل نے نہیں آتے نہیں دیکھا

مگر اس آیۃ سے معلوم ہوا کہ حضور انور نے سائل کو رد بھی کیا اور نہیں بھی ارشاد فرمایا۔ **لا اجد ما احملکم** (الخ) جواب یہاں لا فرمانا رد کے لئے نہیں بلکہ معذرت کے لئے ہے رد اور معذرت میں بڑا فرق ہے۔ اور ہم کو تعلیم ہے کہ سائل سے اس طرح معذرت کیا کرو یعنی یہ نہیں کہا کہ نہیں دیں گے یا تمہیں ہمارے پاس سے کچھ نہیں ملے گا۔ بلکہ فرمایا تمہارے دینے کے لئے اس وقت سواری موجود نہیں۔ اس میں سائل کی عزت افزائی بھی ہے اور ہمت افزائی بھی۔ اس کی تفسیر صوفیاء کرام نے عجیب کی ہے۔ جو انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں عرض کی جاوے گی۔

تیسرا اعتراض: تم تو کہتے ہو کہ حضورؐ انور صلی اللہ علیہ وسلم خزانہ الہیہ کے مالک ہیں۔ شعر

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے محبوب کا مختار بنایا تمہیں مختار بنایا

مالک ہیں خزانہ قدرت کے جو جس کو چاہیں دے ڈالیں

دی خلد جناب ربیعہ کو بگڑی لاکھوں کی بنائی ہے

مگر یہ آیت بتا رہی ہے کہ حضور علیہ السلام کسی کو ایک اونٹ بھی نہیں دے سکتے **لا اجد ما احملکم** جو اونٹ نہ دے سکے وہ اور کوئی چیز کیا دے گا۔ (دیوبندی وہابی)

جواب: اس کا جواب اعلیٰحضرت قدس سرہ نے ایک شعر میں دیا ہے۔ شعر

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں

دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

مالک ہونا اور بات ہے اور پاس ہونا پانا کچھ اور بات یہاں ملکیت کی نفی بلکہ پانے کی نفی ہے **لا اجد** اور **احملکم** ضمیر خطاب میں غور کرو۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے سے محروم نہیں لوٹے۔ انہیں خود حضور انور علیہ السلام نے یا حضرت عمر۔ حضرت عباس حضرت عثمان غنی نے سواریاں اور سارا چراغ جہاد عطا کیا اور ساتھ لے گئے۔ دیکھو شان نزول اور پھر یہ لوگ منگتے نہ تھے اس لئے ان کو سائل نہ فرمایا کیونکہ سائل وہ ہوتا ہے جو اپنی ضرورت کے لئے مانگے یہ لوگ تو راہ خدا کی جہاد کے لئے طالب تھے۔ **لهذا اما السائل** سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

تفسیر: اس آیۂ کریمہ میں تین باتیں فرمائی گئیں۔ بعض صحابہ کا حضور انور علیہ السلام سے جہاد کے لئے سواریاں یا سامان سفر مانگنا دوسرے حضور انور علیہ السلام کا بظاہر منع فرما دینا تیسرے ان حضرات کا گریہ وزاری کرنا اس میں عجیب لطف ہے۔ رب کی رحمت لینا ہو تو اس کے دروازے پر جاؤ۔ دروازہ رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر حضور انور علیہ السلام کا معذرت فرمانا منع کرنے کے لئے نہ تھا۔ بلکہ ان کی شوق کی آگ اور تیز کرنے کے لئے انہیں رلانے تڑپانے کے لئے یہ گریہ و تڑپ رب کو بڑی پیاری ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی مانگا تو رب نے فرمایا **لن ترانی** تم ہم کو نہ دیکھو گے۔ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شوق دیدار کی آگ اور بھی زیادہ بھڑک گئی۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس نے **لن ترانی** فرمانے والے رب نے تجلی بذریعہ پہاڑ دکھا بھی دی **فلما تجلى ربه للجبل**۔ یہاں بھی لطف یہ ہوا کہ ان کو آتش شوق بھڑکا کر انہیں کر بذریعہ عمر و عباس و عثمان سواریاں عطا بھی فرما دیں۔ گویا انہیں سلوک کی منزلیں طے کرا دیں۔ انہیں شوق جہاد کے جہاد کی شرکت عطا فرمائی۔ چڑیوں کا بچہ بغیر پر اگے ہوئے اڑ نہیں سکتا۔ پھر جانے پر اڑتا پھرتا ہے۔ یوں ہی عاشق کے پر کے اس عالم میں پرواز نہیں کر سکتا۔ اس کے پر شوق کی زیادتی ہے۔ یہ آنسو عشاق کے پرواز کے تعالیٰ نصیب فرمادے غرض یہ کہ آیت سلوک کا راستہ بتا رہی ہے (روح البیان)

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ رَضُوْا
صرف راستہ اوپر ان لوگوں کے ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے حالانکہ وہ غنی ہیں راضی ہوئے
مواخذہ تو ان سے ہے جو تم سے رخصت مانگتے ہیں اور دولت مند ہیں انہیں پسند آیا
بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ
وہ اس سے کہ رہیں وہ ساتھ پیچھے رہنے والیوں کے اور مہر کردی اللہ نے دلوں پر
کہ عورتوں کے ساتھ پیچھے بیٹھ رہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
ان کے پس وہ نہیں جانتے
تو وہ کچھ نہیں جانتے

: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے

لق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ما علی المحسنین من سبیل نیک کاروں پر اس جہاد میں رہ جانے سے
وئی راہ نہیں اب اس کے مقابل مسیئین یعنی ان بدکاروں کا ذکر ہے جن پر غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی وجہ
ب عقاب سب کچھ ہے۔ گویا نیک کاروں کے بعد بدکاروں کا اور ان کی رہائی کے بعد ان کی گرفتاری کا تذکرہ ہے
کبیر)

علق: پہلے تین قسم کے معذروں کا ذکر ہوا کہ ان پر پکڑ نہیں پھر چوتھی قسم کے مجبوروں کا تذکرہ ہوا اب پانچویں قسم
یں کا ذکر ہے جن پر سخت پکڑ ہے یا لوگوں کی پانچ قسمیں تھیں۔ چار معذور و مجبور پانچویں مقہور اب مقہورین کا ذکر ہے

علق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ خوش نصیب لوگ جہاد سے رہ جانے کے قصور پر روتے آنسو بہاتے ہیں اور
ر خوش ہوتے ہیں اب ارشاد ہے کہ بدنصیب لوگ رہ جانے پر خوشیاں مناتے ہیں جہاد میں جانے پر آنسو بہاتے
یا خوش نصیبوں کے عمل کے بعد اب بدنصیبوں کا بدعملی تذکرہ ہے۔

: یہ آیت کریمہ عبداللہ ابن ابی۔ جد ابن قیس۔ معتب ابن قشیر اور ان کے ستر ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی جو
ں میں عموماً پیچھے رہ جاتے تھے۔ خصوصاً غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے اور اس رہ جانے کو اپنا کمال سمجھا اس پر خوش
۔ (تفسیر تنویر المقباس)

انما السبیل: یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں انما حصر کے لئے ہے۔ اور حصر بھی اضافی ہے گذشتہ چار قسم کے

مغفور ویسی اس کی مغفرت یہ آیت کریمہ دریاء ناپیدا کنار ہے جس سے طریقت کے بے شمار بے بہا موتی نکلتے ہیں جیسا مرزوق ویسا رزق جیسا مرحوم ویسی رحمت پھر جو مرحومین کے پاس رہے وہ مرحوم ہو جاتا ہے جو ملعونین کے پاس رہے وہ ملعون بن جاتا ہے۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ
اور نہ ان لوگوں پر کہ وہ جب کبھی آئیں آپ کے پاس تاکہ سواری دیں آپ ان کو تو فرمادیں
اور نہ ان پر جو تمہارے حضور حاضر ہوں کہ تم انہیں سواری عطاء فرماؤ تم سے یہ جواب پائیں کہ
اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا
آپ کہ نہیں پاتا ہوں میں وہ کہ سوار کروں میں تم کو جس پر تو لوٹیں وہ اس حال میں کہ ان کی
میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں اس پر یوں واپس ہوں کہ ان کی
يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾
آنکھیں بہتی ہوں آنسوؤں سے اس رنج سے کہ نہیں پاتے وہ جو خرچ کریں
آنکھوں سے آنسو ابلتے ہوں اس غم سے کہ خرچ کا مقدور نہ پایا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ان مساکین کا ذکر ہوا جن کے پاس کچھ نہ تھا اس لئے وہ جہاد میں شرکت سے معذور ہے فرمایا گیا کہ ان پر کوئی گناہ نہیں اب ان حضرات کا ذکر ہے جن کے پاس خانہ داری کے لئے تو کچھ تھا مگر جہاد کے لئے نہ سواری تھی نہ سواری کی قیمت فرمایا گیا کہ ان پر کوئی گناہ نہیں جہاد پر نہ جانے کا گویا تین قسم کے معذوروں کے بعد چوتھی قسم کے معذوروں کا تذکرہ ہے۔ (تفسیر کبیر)

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ان مجبوروں کا تذکرہ تھا جن کے پاس سامان جہاد نہ تھا اور نہ انہوں نے کسی سے مانگا اب ان مجبوروں کا ذکر ہے جن کے پاس سامان جہاد نہ تھا اور انہوں نے حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے کہ ان پر بھی جہاد میں شرکت نہ کرنے کا کوئی گناہ نہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ان کے اجر و ثواب کا ذکر ہوا جو جہاد سے رہ گئے مگر اللہ رسول کے خیر خواہ رہے ان کے قرب الٰہی کا ذکر ہے جو رہ گئے اور رہ جانے پر رونے لگے کہ انہوں نے اس گریہ وزاری سے بڑا درجہ پالیا کہ نیکی نہ کرسکنے پر حسرت و افسوس بھی عبادت ہے۔

ن نزول: اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق تین روایات ہیں۔ نمبر ا مجاہد فرماتے ہیں کہ تین بھائی معقل۔
اور نعمان جو مقرن کے بیٹے تھے اس غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا کہ حضور
کہ ہم کو جہاد میں حاضر ہونے کا بہت شوق ہے ہم کو پرانے جوتے اور پرانے موزے ہی عطا فرما دیئے جاویں ہم یہ پکن
یدل سفر کر کے تبوک پہنچیں گے جواب ملا کہ اس وقت وہ بھی موجود نہیں یہ لوگ روتے ہوئے واپس ہوئے۔ ان کے
ں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) اس صورت میں تحلیم سے مراد جوتے اور موزے عطا فرمانا نمبر ۲
فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی کہ یہ حضور
ی پر ناراض تھے اس حالت میں فرمادیا قسم خدا کی میں تم کو سواری نہ دوں گا ہمارے پاس سواری ہے نہیں یہ حضرات
ے ہوئے لوٹے پھر حضور انور نے انہیں بلایا اور بہترین اونٹ عطا فرمائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حضور
نے تو ابھی عطا نہ فرمانے پر قسم ارشاد فرمائی تھی۔ فرمایا کہ ہم انشاء اللہ اگر کسی اچھے کام نہ کرنے کی قسم فرمالیا کریں گے تو
ز کردہ کام کیا کریں گے اور کفارہ ادا کر دیا کریں گے۔ (تفسیر کبیر) حضور انور کے پاس یا تو بعد میں اونٹ آ گئے تھے
ے قرض لے کر ان کو دیئے نمبر ۳ سات انصاری جو ساتوں صحابی تھے۔ معقل ابن یسار صخر ابن خنساز عبداللہ ابن کعب
بن عمیرہ ثعلبہ ابن غنمہ عبداللہ ابن مغفل علیہ ابن زید ان حضرات کو بکائون سبعہ کہتے ہیں یعنی سات رونے
حضور انور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لوگ اپنے گھروں سے جہاد کی شرکت کی نیت سے
ہوئے ہیں مگر ہماری پاس نہ سواری ہے نہ موزے نہ جوتے۔ انہیں حضور انور نے وہ جواب دیا جو یہاں مذکور ہے
ح البیان وغیرہ) ہوسکتا ہے کہ یہ سارے واقعات ہوئے ہوں جن پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جب یہ حضرات روتے
ے واپس ہوئے تو انہیں حضرت عمر عباس عثمان غنی سواری وغیرہ دے کر اپنے ساتھ جہاد میں لے گئے۔ (روح البیان)
ے اس واقعہ کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ر: ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملهم یہ عبارت معطوف ہے لیس علی الضعفاء پر ما علی
حسنین پر لہٰذا واؤ عاطفہ ہے اور لا زائد ہے تاکید کے لئے اذا ما میں ما عموم کے لئے نہیں کیونکہ وہ حضرات صرف ایک
حضور انور کی خدمت میں سواری مانگنے حاضر ہوئے تھے۔ بلکہ ما صرف زائدہ ہے لتحملهم میں لام بمعنی تاکہ ہے
ے معنی ہیں سوار کرنا سواری دینا بوجھ لادنا سوار کر کے لے جانا۔ یہاں سواء بوجھ لادنے کے باقی سارے معنی درست
روح البیان) یعنی وہ آپ ﷺ کے پاس اس لئے آئے تاکہ آپ ﷺ انہیں سواری دیں یا سوار کریں یا اپنے ہمراہ
تبوک میں لے جائیں۔ مطلب ایک ہی ہے قلت لا اجد ما احمد کم علیه یہ فرمان عالی یا اذا کا جواب اور یا
ے پر معطوف اور حرف عطف واؤ یا ف پوشیدہ ہے (روح البیان) حضور انور نے نہ تو یہ فرمایا کہ ہم دیں گے نہیں نہ یہ
ارے پاس سے نہیں بلکہ تمہارے لئے سواری پاتے نہیں۔ یعنی دینے کا ارادہ بھی کیا غور بھی کیا۔ تلاش بھی کی مگر ملی نہیں
سائلین کا دل نہ ٹوٹے ان کی ہمت افزائی بھی ہو۔ اور عزت افزائی بھی کہ ان کا سوال رد نہیں فرمایا بلکہ سواری کو نہیں پایا

معذروں کے اعتبار سے۔ سبیل سے مراد ہے پکڑ اور مواخذہ کی راہ اور مواخذہ بھی تبوک میں نہ جانے پر لہذا آیۃ کریمہ واضح ہے یہ تفسیر دھیان میں رہے اس سے بہت اعتراض اٹھ گئے۔ علی الذین یستاذنوک یہ فرمان عالی خبر ہے السبیل کی۔ الذین سے مراد وہ ہی پہلے مذکورہ ستر منافقوں کی جماعت ہی جن کا ذکر نزول میں کیا گیا۔ اجازت یا رخصت مانگنے سے مراد ہے حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں جھوٹے بہانے بنا کر غزوہ تبوک سے رہ جانے مدینہ منورہ میں بیٹھ رہنے کی اجازت طلبی ہے۔ غرضکہ ان کا اجازت مانگنا محض فریب تھا۔ تا کہ مسلمانوں سے کہہ سکیں کہ ہم تو حضور انور ﷺ کی اجازت سے رہے تھے۔ وھم اغنیاء یہ فرمان عالی یستاذنوک کے فاعل سے حال ہے اغنیاء جمع ہے غنی کی جیسے اغنیاء جمع ہے غنی کی۔ یہاں غنی سے مراد ہے غزوہ میں خرچ کرنے کے لئے مال۔ جانے کے لئے سواری کا مالک ہونا۔ ساتھ ہی تندرست ہونا۔ جانے سے کوئی عذر نہ ہونا غنا بہت قسم کی ہے بھیک مانگنا حرام ہونے کی غنا صدقۃ فطر و قربانی واجب ہونے کی غنا۔ زکوۃ اور صدقات واجبہ نہ لے سکنے کی غنا۔ واجبہ نہ لے سکنے کی غنا۔ زکوۃ واجب ہونے کی غنا۔ جہاد میں جانے کے لئے غنا آخری دو قسم کی غنا حد مقرر نہیں حالات اور سفر کے لحاظ سے مختلف ہے حتی کہ جن کو گھر بیٹھے حج یا جہاد میسر ہو جیسے مکہ والوں کے لئے حج یا جس شہر میں کفار یلغار کر دیں وہاں کے رہنے والوں کے لئے جہاد ان کے لئے دولت شرط نہیں۔ رضوا بان یکونو مع الخوالف یہ فرمان عالی یا تو انما السبیل (الخ) کی وجہ ہے یا استاذنوک کی یہاں رضاء سے مراد ہے خوش ہونا مع سے مراد ہے مدینہ منورہ میں ساتھ رہنا۔ خوالف جمع ہے خالفۃ کی بمعنی پیچھے رہ جانے والی۔ گھروں میں بیٹھ رہنے والی عورتیں یعنی مدینہ منورہ میں رہ جانا کسی دینی خدمت کے لئے نہیں چاہتے بلکہ صرف آرام طلبی کے لئے چاہتے ہیں کہ مدینہ کی عورتوں کمزوروں میں ان کا بھی شمار ہو جاوے گھر میں مزے کریں اور ان پر کوئی عتاب نہ ہو۔ اپنی اس تدبیر پر خوش ہیں کہ ہم بڑے پالیسی والے سیاست دان ہیں۔ وطبع اللہ علی قلوبھم یہ فرمان عالی اگر نیا جملہ ہے تو واؤ ابتدائیہ ہے۔ جس میں ان کی ان چالاکیوں پر خوش ہیں کہ ہم جہاد کی تکالیف سے خوب بچے مگر حالت یہ ہے کہ اس سے ان کے دلوں پر غفلت یا کفر کی مہر اللہ نے لگا دی جس سے اب انہیں انجام سوچنے کی توفیق نہیں ملتی۔ فھم لا یعلمون۔ یہ فرمان عالی طبع اللہ کا نتیجہ بیان فرما رہا ہے کہ جب اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی تو اب وہ اپنی ذلت و خواری۔ آخرت میں عذاب مجاہدین کی عزت و عظمت آخرت میں ثواب رب کی رضا کچھ بھی نہیں جانتے ان کا مبلغ علم صرف یہ ہے کہ ہم بہانہ بنا کر جہاد کی محنت سے خوب بچ گئے ہم بڑے شاطر و چالاک ہیں۔

خلاصہ تفسیر: غزوہ تبوک میں نہ جانے پر مواخذہ اور پکڑ کی راہ مذکورہ چاروں معذروں پر نہیں یہ پکڑ تو صرف ان بہانہ خور منافقوں پر ہے جو وہاں جانے پر پوری قدرت رکھتے ہوئے آپ ﷺ سے اجازت مانگتے ہیں کہ ہم کو مدینہ منورہ میں رہ جانے کا اذن دیجئے۔ ہم بڑے مجبور ہیں ان کے اجازت مانگنے کی وجہ صرف ایک ہے وہ یہ کہ یہ لوگ مجبور معذور عورتوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہنا پسند کرتے ہیں اور اپنی ان چالبازیوں پر خوش ہوتے ہیں۔ بہادر مجاہدین کے ساتھ جہاد میں جانا انہیں ناگوار ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے دلوں پر غفلت بلکہ کفر کی مہر لگا دی اب یہ انجام سے بے خبر ہیں بھلا برا

کچھ نہیں جانتے صرف آرام طلب ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ہیں

پہلا فائدہ: حضور انور ﷺ سے کسی کام کی اجازت مانگنا اگر اچھی نیت سے ہو تو عبادت ورنہ حرام اور خدا کا عذاب رب فرماتا ہے۔ ان الذین یستاذنونک اولئک الذین یومنون باللہ و رسولہ وہاں عبادت والی اجازت سے مراد ہے۔

دوسرا فائدہ: غنا بہت قسم کا ہے جہاد میں حاضری کا غنا مختلف قسم کا ہے یہ فائدہ وھم اغنیاء کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

تیسرا فائدہ: مدینہ منورہ میں رہنا مدینہ والوں کے ساتھ رہنا بہترین عبادت ہے بشرطیکہ نیک نیتی سے ہو بد نیتی سے وہاں رہنا اہل مدینہ کے ساتھ رہنا غضب الٰہی کا ذریعہ ہے یہ فائدہ یکونو مع الخواف سے حاصل ہوا کہ منافقین نے مدینہ منورہ میں رہنا وہاں کی مومنہ عورتوں معذور مومنوں کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ غزوہ تبوک میں جانے پر اس قیام کو ترجیح دی ان پر یہ عتاب ہوا۔

چوتھا فائدہ: عورتوں پر جہاد میں جانا فرض نہیں یہ فائدہ بھی مع الخوالف سے حاصل ہوا کہ مدینہ منورہ میں بیٹھ رہنے والی عورتوں پر عتاب نہ ہوا۔ ہاں جب دشمن کا دباؤ بڑھ جاوے اور مرد مجاہدوں کی کمی ہو تو ایسی خاص حالت میں عورتوں پر بھی فرض ہے۔

پانچواں فائدہ: حضور انور ﷺ کو ناراض کر کے مدینہ منورہ میں رہنا دل پر غفلت بلکہ کبھی کفر کی مہر لگ جانے کا ذریعہ ہے یہ فائدہ طبع اللہ علی قلوبھم سے حاصل ہوا کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر منافقین کا مدینہ منورہ میں رہ جانے سے ان کے دلوں پر مہر لگی۔ حضور ﷺ جہاں رکھیں وہ جگہ ہی مدینہ ہے۔

چھٹا فائدہ: دل جب بگڑ جاوے تو علم۔ عقل۔ حواس سب ہی غلط کام کرتے ہیں پھر عاقل بے عقل ہو جاتا ہے عالم بے علم۔ انکھیارا اندھا ہو جاتا ہے سننے والا بہرا بلکہ زندہ مردہ بن جاتا ہے یہ فائدہ فھم لا یعلمون سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں حضور انور ﷺ سے رہ جانے کی اجازت مانگنے پر عتاب ہوا اگر اس سے پہلے اجازت نہ مانگنے گھر میں بیٹھے رہنے پر عتاب فرمایا گیا وقعد الذین کذبوا اللہ و رسولہ فرماؤ کہ ان دونوں میں سے کونسا برا کام ہے دونوں آیتوں میں تعارض ہے

جواب: حضور انور ﷺ کی نافرمانی میں دونوں کام برے ہیں نبی کریم کی اطاعت نہ کرنا ان کے حکم پر جہاد میں جانا ہی اچھا ہے۔ لہذا یہ آیت بھی ٹھیک ہے وہ بھی۔

دوسرا اعتراض: یہاں غنا کی کیوں قید لگائی۔ وھم اغنیاء۔ کیا فقراء کے لئے بہانے بنانا جائز ہے تھا۔

جواب: ان کا جھوٹ ظاہر فرمانے کے لئے کیوں کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم جہاد میں جانے سے معذور ہیں ہمیں فلاں

فلاں عذر ہے۔ اغنیاء فرما کر بتایا کہ انہیں کوئی عذر کوئی نہیں جہاد کے لائق دولت صحت سب کچھ انہیں میسر ہے۔

تیسرا اعتراض: آخر میں فھم لا یعلمون کیوں فرمایا وہ تو جانتے تھے کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں نا سمجھ یا دیوانے نہ تھے۔

جواب: یہ چالاک لوگ صرف نفس اور نفسانیات کو ہی جانتے تھے روح اور روحانیات سے بے خبر تھے۔ لا یعلمون میں اس علم کی نفی ہے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ مدینہ منورہ میں رہ کر آرام کرنا اچھا ہے۔ جہاد میں جا کر تکلیف اٹھانا ٹھیک نہیں لہذا لا یعلمون فرمانا بالکل درست ہے۔ شعر

سعدی بشوی لوح دل از ذکر غیر حق

علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

تفسیر صوفیانہ: بلندی پر چڑھنا مشکل ہے۔ اوپر سے نیچے گرنا آسان۔ نیچے گرانے والی چیزیں (۱) زیادہ چالاکی (۲) ہنستے دانت (۳) خشک آنکھیں (۴) راحت پسند دل ہیں اور پر چڑھانے والی سیڑھی۔ (۱) تر آنکھیں۔ (۲) غمگین دل۔ (۳) مشقت برداشت کرنے والا جسم (۴) راہ خدا کی بھوک پیاس (۵) دنیا و آخرت کا بازار ہے (۶) عقل سلیم (۷) بہتر رہبر۔ مال و نفس گناہوں کی سواری ہے یہاں کا غم آخرت کی خوشی کا پیش خیمہ مخلصین تبوک عشق میں جانے پر خوش تھے۔ منافقین رہ جانے پر خوش۔ مخلصین راہ کی گرد و غبار مگر صحبت یار سے راضی تھے۔ رہ جانے والے صحبت اغیار راحت و آرام پر ہنستے خوش ہوتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کجا آب رواں سبزہ بود

ہر کجا اشک رواں رحمت شود

جہاں پانی بہتا ہے وہاں سبزہ ہوتا ہے۔ جہاں آنسو بہتا ہے وہاں رحمت ہوتی ہے۔ حضور کی بارگاہ کی محتاجی عین ایمان ہے ان سے بے نیازی صریح کفر وھم اغنیاء میں اسی بے نیازی کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ سے بے نیاز بنتے ہیں اور آپ ﷺ سے جدائی کی اجازت مانگتے ہیں اغیار کے ساتھ رہ جانا چاہتے ہیں خوالف منافقین کی وہ جماعتیں جو حیلے بہانوں سے مدینہ منورہ میں ہی رہ گئیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے تفسیر نعیمی کی دسویں جلد پارہ واعلموا انما جمادی الاول ۱۳۹۰ھ ۱۳ جولائی ۱۹۷۰ء کو دوشنبہ کو شروع ہوئی اور آج ۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۱ھ ۱۸ مارچ ۱۹۷۱ء پنج شنبہ کے دن سوا دس بجے دو پہر نو مہینے بارہ دن میں بخیر خوبی ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب دلوں کے طبیب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائے۔ اسے صدقہ جاریہ بنائے۔ مجھ گنہگار کے گناہوں کا کفارہ کرے بقیہ جلدوں پاروں کی تکمیل کی توفیق دے۔ آمین۔